تذکرہ

منبع علوم و فنون

یعنی

سوانح شیخ القراء حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ

مرتبہ

عزیز احمد تھانوی

قرأت اکیڈمی
لاہور

يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

اللہ تعالیٰ (تم میں سے) اُن لوگوں کے درجات بلند کرے گا جو ایمان رکھتے ہیں اور علم والے ہیں

تذکرہ
منبع علوم وفنون

یعنی

سوانح شیخ القراء حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

مرتبہ

عزیز احمد تھانوی

قراءۃ اکیڈمی
۲۸۔ الفضل مارکیٹ ۱۷۔ اُردو بازار لاہور۔۲

عرض مرتب

الحمدلله رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ الہ وصحبہ واھل بیتہ وجمیع القراء الاجمعین

اما بعد! ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء کو قبلہ والد صاحب شیخ القراء استاذ المجودین فضیلتہ المقری حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ کا انتقال ہوا۔ تو بعدازاں حضرتؒ کے قریبی دوستوں' اور کبار تلامذہ کا مشورہ احقر کو پہنچا کہ استاذ المحترمؒ کی ایک جامع سوانح عمری ضرور مرتب کراؤ۔ اس سلسلے میں حضرت استاذ القراء والمجودین قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب دامت برکاتھم' حضرت استاذ القراء والحفاظ حضرت قاری احمد دین صاحب دامت برکاتھم' برادرم محترم حضرت شیخ المقری محمد ادریس عاصم صاحب مدظلہ العالی! برادرم محترم شیخ المقری احمد میاں تھانوی صاحب مدظلہ العالی جیسے حضرات نے حوصلہ و ہمت مزید بڑھایا اور ان حضرات کے ہمت افزائی فرمانے پر توکل الا اللہ کام شروع ہوا۔ الحمدللہ مذکورہ حضرات نے بھی اس سلسلے میں کافی مدد کی۔ بلکہ انہی حضرات کی وجہ سے میرے جذبہ کو بھی مہمیز لگی۔

ناانصافی اور ناشکری ہو گی اگر یہاں برادرم محترم جناب قاری خالد محمود صاحب اور جناب حاجی رمضان الحسن صاحب کا ذکر نہ کروں جنہوں نے اس سوانح کے سلسلے میں نہ صرف یہ کہ مفید مشوروں سے نوازا بلکہ احقر کے ہمراہ سوانح کے مواد کو اکٹھا کرنے میں بہت مدد کی۔

اسی طرح میں ان تمام مضمون نگار قراء حضرات کا بھی شکریہ ادا کروں گا جنہوں نے اپنے مفید اور معلوماتی مضامین سوانح میں شمولیت کے واسطے دیئے۔ خصوصا" اکابر اور قبلہ والد صاحبؒ کے رفقاء اور ساتھی حضرات کا بہت زیادہ ممنون ہوں۔

سوانح ہذا میں اجل تلامذہ کے علاوہ بعض نوعمر اور نوخیز تلامذہ کے مضامین بھی ان کی محبت اور خلوص کی وجہ سے شامل کئے ہیں۔ میں ان حضرات کا بھی نہایت شکرگزار ہوں۔

سوانح کو مرتب کرنے میں ماہنامہ ''التجوید'' فیصل آباد اور اس کے مدیر محترم و مکرم جناب قاری محمد طاہر صاحب مدظلہ کے تعاون کا بھی شکرگزار ہوں۔

بعض مضامین اور حوالہ جات کے لئے احقر نے جن کتب سے رجوع کیا ان کے نام یہاں دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان میں ماہنامہ ''التجوید'' کا قاری اظہار احمد تھانویؒ نمبر' تذکرہ قاریان ہند' علمائے مظاہر العلوم اور ان کی تدریسی و تصنیفی خدمات' سوانح حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ' الرشید' کا دارالعلوم دیو بند نمبر' سوانح حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ اور ماہنامہ اردو ڈائجسٹ نمایاں ہیں۔

آخر میں تذکرہ کروں گا حضرت قبلہ والد صاحبؒ کے ایک شاگرد عزیز اور محبوب تلمیذ جناب حضرت قاری

عبدالرشید فاروقی صاحبؒ کا جن کا مضمون شامل سوانح ہے۔ قاری صاحب موصوف کا امسال ہی انتقال ہوا ہے۔ اللہ تعالٰی مغفرت فرمائیں۔

یقیناً سوانح ہذا میں بہت سی کمزوریاں اور خامیاں موجود ہوں گی جو اہل علم اور قارئین کی نظروں میں پوشیدہ نہ رہیں گی۔ میں درخواست کروں گا کہ ایسی فروگذاشت سے صرف نظر فرماتے ہوئے مطالعہ فرمائیں۔ کیونکہ میں کسی طور بھی تذکرہ نگار یا مصنف کی صف میں اپنے آپ کو کھڑا ہونے کے لائق نہیں پاتا ہوں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ وحدہ لا شریک قبلہ والد صاحبؒ ان کے والدین' ان کے اساتذہ عظام' ان کے رفقاء اور جملہ خادمین قرآن کی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلٰی درجات پر فائز فرمائے! آمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ والہ واصحابہ اجمعین

عزیز احمد تھانوی

التقدیم الثمین

الحمدللہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد رسول اللہ سید المرسلین وعلی الہ وصحبہ وجمیع القراء والمقرئین

اما بعد! قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خیر کم من قرء القران واقراء ہ" (رواہ الطبرانی وعن عبداللہ ابن مسعودؓ) **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "خیرکم من تعلم القران وعلمہ"** (رواہ البخاری عن عثمان بن عفانؓ)

درج بالا احادیث میں سے اول جو طبرانی نے سیدنا عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور پڑھاتے ہیں" اور دوسری روایت جو بخاری میں سیدنا عثمان بن عفانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے سب سے بہتر وہ ہیں جو قرآن سیکھتے ہیں اور سکھاتے ہیں" انہی عالی مرتبت احادیث کو پیش نظر رکھتے ہوئے سلف صالحین اور قراء کرام و اساتذہ عظامؒ نے اپنی عمریں قرآن کی تعلیم و تعلم میں لگائیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین' تابعین' تبع تابعین اور ائمہ قرات رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مقدس فریضے کو نبھایا اور نہ صرف تاریخ بلکہ فی الحقیقت دنیا و آخرت میں افضل ترین اشخاص ہونے کا زبان رسالت مآب سے سرٹیفکیٹ حاصل کرلیا۔ یہ ایک ایسا شاندار منصب اور اہلیت کی وہ عظیم الشان سند ہے جو روز محشر انشاء اللہ نہایت کار آمد ثابت ہو گی۔ قرآن حکیم اللہ وحدہ لاشریک کا ایسا عظیم الشان وعظیم المرتبت کلام ہے جس سے بے تحاشہ علوم و فنون کے خزائن پھوٹے کہ ایک ایک شعبہ ہائے کلام معجزمیں وہ عظیم کام ہوا کہ علوم قرآنی کی یہ تمام خدمات جو آنحضرت علیہ الصلوۃ والتسلیم کے دور مبارکہ سے لے کر موجودہ دور تک ہوئی ہیں اکٹھی کر کے ایک جگہ مجتمع رکھنے کی کوشش کی جائے تو گراں مایہ کتب کا ایک بہت بڑا شہر وجود میں آجائے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر ان کتب کے صرف نام ہی تحریر کرنے شروع کئے جائیں تو دفتر کے دفتر درکار ہوں گے۔

لیکن سب سے اہم اور مقدس کام جیسا کہ مذکورہ احادیث سے بھی ظاہر ہوا قرآن شریف کے متن کو نہایت صحت لفظی کے ساتھ پڑھنا پڑھانا ہے۔ علوم قرات کی ترویج و ترقی کے لئے جہاں علمائے قرات نے کتب تحریر فرمائی وہیں بعض مقتدر علماء فن نے رجال قرات کے حالات و سوانحی تذکرہ جات پر بھی قلم اٹھایا۔

قراء کے حالات لکھنے کی روایت سب سے پہلے ہمیں علامہ محمد بن حسن انصاری موصلی نقاشؒ (م ۳۵۱ھ) جو بغداد کے مشائخ قرات میں بڑی شہرت کے مالک تھے' سے ملتی ہے۔ آپ نے "کتاب المعجم الاوسط"' "کتاب المعجم الاصغر" اور "کتاب المعجم الکبیر فی اسماء القراء وقراء تھم" نام سے تین کتب تالیف کی اور اپنے پیشرو اور معاصرین قراء کرام کے حالات جمع فرمائے (کتاب الفہرست لابن ندیم)

بعدازاں علامہ ابو عمرو عثمان ابن سعید الدانیؒ (م ۴۴۴ھ) صاحب "التیسیر فی القرات السبع" نے بھی قراء کرام کے حالات مجتمع کئے جس کا نام آپ نے "طبقات القراء" تجویز فرمایا۔ علامہ شمس الدین محمد الذہبی نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ علامہ ذہبیؒ ایسی شاندار علمی شخصیت کے مالک تھے کہ آپ نے اسماء الرجال کے عظیم علم پر بیش بہا کام کیا کہ فی الحقیقت اس فن کا حق ادا فرما دیا۔ آپ نے طبقات الحفاظ فی الحدیث، طبقات المفسرین اور طبقات القراء جیسے اہم موضوعات کو مجتمع فرمایا اور ان کے علاوہ ایک نہایت ضخیم، مفصل اور محققانہ طرز پر مجموعہ مرتب کیا جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے اس مجموعے کا نام "سیر اعلام النبلاء" ہے۔ علامہ ذہبیؒ نے اس کتاب میں علماء محدثین کے حالات ذکر فرمائے ہیں ان میں سے اکثر و بیشتر لوگ علوم قرات کے بھی ماہر تھے اور اس فن کے بہترین شناور کی حیثیت سے نمایاں مقام رکھتے تھے۔

شمس المحققین الشیخ محمد بن محمد بن محمد الجزریؒ (م ۸۳۳ھ) نے بھی اس فن میں بیش بہا کتب تالیف فرمائیں۔ اول آپ نے "نہایتہ الدرایات فی اسماء رجال القرات" کے نام سے کتاب تحریر فرمائی حضرت العلام کی اس کتاب کو "طبقات الکبریٰ" کے نام سے پکارا گیا۔ بعدازاں آپ نے ہی اسے مختصر فرمایا اور اس مختصر کا نام "غایتہ النہایہ فی اسماء رجال القرات اولی الروایتہ والدرایتہ" رکھا جو "طبقات الصغریٰ" کے نام سے مشہور ہوئی۔

اس کتاب کا مزید اختصار علامہ جزریؒ کے شاگرد رشید علامہ عبدالرزاق بن حمزۃ الحنفی الطبراسیؒ نے کیا جس کا نام "نہایتہ الغایتہ فی بعض اسماء رجال القرات اولی الروایتہ" تجویز فرمایا۔ موصوف نے یہ کتاب ۸۵۷ھ میں تحریر کی۔ (فہرس الکتب العربیہ ج ۸ ص ۱۷۲) یہ ایک مختصر سا تعارف ہے مزید تفصیل کے خواہش مند حضرات "حاجی خلیفہ" کی کتاب "کشف الظنون" سے رجوع فرمائیں۔

اردو ادب میں جہاں تک ہمارے علم میں ہے اس سلسلے کا اولین کام عماد القراء قاری بسم اللہ بیگؒ نے کیا جنہوں نے تذکرہ قاریان ہند" کے نام سے ایک کتاب تشکیل دی۔ سولہ سالہ طویل محنت کا یہ شاندار ثمر اپنی بعض کمزوریوں کے باوجود اردو ادب میں قاریان ہند و پاکستان (تقسیم سے قبل) کے حالات پر ایک بہترین معلوماتی ماخذ ہے اور جس پر مصنف علیہ الرحمہ بلاشبہ قابل صد مبارکباد ہیں۔

اس کے علاوہ مولانا امداد صابری دہلوی صاحبؒ نے حضرت استاذ الاساتذہ الشیخ قاری عبداللہ مکی اور آپ کے تلامذہ کے سوانحی حالات و واقعات پر ایک کتاب تالیف فرمائی جس کا نام "فیضان رحمت" ہے یہ کتاب غالباً" مدرسہ صولتیہ کے خرچہ پر طبع ہوئی۔ اس قدر ذی شان مرتبے والے استاذ الاساتذہ کی یہ سوانح اخباری کاغذ اور واجبی کتابت و طباعت کا مرقع ہے۔

ہماری مملکت خداداد پاکستان میں اس فن پر اول قاری فیوض الرحمٰن صاحب نے قلم اٹھایا اور استاذ القراء والحفاظ جناب قاری فضل کریم صاحبؒ بانی مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور کی سوانح مرتب فرمائی۔ بعدازاں

قاری صاحب موصوف نے امام القراء استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ کی سوانح بھی مرتب فرمائی۔

ایک سوانح استاذ القراء حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ کی بھی مرتب کی گئی جو کہ جناب قاری تقی الاسلام دہلوی نے ترتیب دی ہے۔

جناب قاری محمد طاہر رحیمی صاحب نے بھی دو سوانح عمریاں مرتب فرمائی ہیں جن میں سے ایک استاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ سے متعلق "دلکش نقش سوانح قاری رحیم بخش" کے نام سے اور دوسری میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کے سوانحی حالات جمع کئے گئے ہیں نام ہے "سوانح فتحیہ"

سوانح یا قراء کرام کے حالات کو نہایت دیانت دارانہ اور مکمل غیر جانبداری سے مرتب کرنا سوانحی تذکرے کا ایک نہایت اہم اصول ہے کیونکہ بسا اوقات معمولی سی لاپرواہی بھی تاریخ کا حصہ بن کر حقائق کو مسخ کرنے میں مدد و معاون ہو جاتی ہے۔ ہمارے اردو ادب میں تحریر کردہ یہ سوانح عمریاں اور تذکرہ جاتی کتب نہایت محنت' لگن اور خلوص سے مرتب ہوئیں ہیں لیکن ان میں بسا اوقات نادانستگی میں سرزد ہونے والی اغلاط کو میں یہاں بیان کر کے ان کو صاف کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ہند و پاک کے استاذ الاساتذہ اور میرے قابل احترام شیخ محترم حضرت مولانا قاری المقری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ نہایت عالی سند کے مالک تھے۔ آپ نے روایت حفصؒ کی تکمیل شیخ العرب والعجم استاذ الاساتذہ القاری المقری عبداللہ مکی صدر مدرس مدرسہ صولتیہ واقع حرم کعبتہ اللہ سے فرمائی۔ بعدازاں آپ ہندوستان تشریف لے آئے اور مختلف مدارس میں تدریس فرماتے رہے اور پھر استاذ القراء فی الہند الشیخ الشیوخ محقق وقت حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ بادیؒ سے سبع قرات اور قرات عشرہ بطریق درۃ و طیبہ کی تکمیل فرمائی اور بے پناہ مخلوق خداوندی کو اپنے فیوض علمی سے مالا مال کیا۔

تذکرہ قاریان ہند ایک نہایت شاندار علمی کاوش ہے مگر مصنف تذکرہ اس میں بعض باتیں بلا تحقیق درج فرما گئے جن میں سے ایک سرفہرست یہ بھی ہے کہ وہ استاذ محترم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ اور استاذ محترم حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کو حضرت قاری ضیاء الدین احمد صدیقی صاحبؒ کا شاگرد لکھ گئے۔ یقیناً یہ ایک فاش غلطی پر مبنی بات تھی اس کی ابتدا کہاں سے ہوئی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ اور آپ کے برادر اکبر قاری عبدالخالق صاحبؒ کے حالات قاری ضیاالدین صاحبؒ کے ایک شاگرد قاری اظہر حسن صاحب عرف ابرار احمد امروہی کی کتاب "سلسلہ رحمانیہ ضیائیہ" سے نقل فرمائے ہیں۔ جیسا کہ انہوں نے اس بابت تذکرہ قاریان ہند کی جلد سوم ص ا پر تصریح بھی کی ہے۔

یہ قاری اظہر حسن صاحب عرف ابرار احمد امروہی جو کہ قاری ضیاء الدین صاحبؒ کے شاگرد ہیں نے اپنی اس

کتاب میں بلا تحقیق سب اساتذہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کو حضرت قاری ضیاء الدین صاحبؒ کا شاگرد بنا ڈالا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ نے حضرت مولانا قاری عین القضاۃ صاحبؒ مہتمم مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کو مشورہ دیا کہ آپ اپنے مدرسے کا صدر مدرس حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کو بنا لیں کیونکہ وہ صحت لفظی اور ادا کے لحاظ سے بہت فائق ہیں۔ یہ بات حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحبؒ کے تلامذہ کو بہت محسوس ہوئی کیونکہ وہ صدر مدرسی کے اس منصب کے لئے موصوف کو اہل جانتے تھے اسی موقع پر قاری اظہر حسن صاحب اور ان جیسے بعض حضرات نے یہ بات مشہور کر دی کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ تو حضرت قاری ضیاء الدین صاحب کے شاگرد ہیں اور انہوں نے سبع ہمارے شیخ سے پڑھی ہے۔ یہ جھوٹ در جھوٹ کا لامتناہی سلسلہ خوب خوب پھیلا اسی طرح جناب قاری فتح محمد صاحب پانی پتی نے بھی اپنی شرح شاطبیہ "عنایات رحمانی" کے مقدمہ میں صفحہ ۵۶ پر حضرت امام القراء الشیخ عبدالمالکؒ کو قاری ضیاء الدین صاحبؒ کا شاگرد لکھا ہے۔ یہ حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ سے سہو ہوا ہے۔

بہرحال حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ اس بات سے ناراض ہو کر ٹونک میں مدرسہ فرقانیہ تشریف لے گئے۔ آپ کے ٹونک چلے جانے سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کا کام بری طرح متاثر ہوا۔ آخرکار آپ کے پیچھے منتظمین مدرسہ نے اس روایت کی تحقیق کی تو وہ صریح غلط ثابت ہوئی اس پر آپ سے درخواست کی گئی کہ آپ واپس لکھنؤ تشریف لا کر صدر مدرسی کا منصب سنبھالیں۔ مگر آپ منتظمین مدرسہ کے بار بار اصرار کے باوجود بھی تشریف نہ لائے اس پر مولانا عین القضاۃ صاحبؒ نے حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الہ بادی کو آپ کے پاس روانہ فرمایا اور وہ آپ کو مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ لائے۔ اس کے بعد بہت سے مدرسین اور طلباء کو مدرسہ سے خارج کیا گیا انہی میں قاری اظہر حسن امروہی بھی شامل تھے۔ موصوف اپنی حرکات سے تائب نہیں ہوئے اور یہ رسالہ "سلسلہ رحمانیہ ضیائیہ" تالیف فرما کر اپنے دل کی بھڑاس نکالی۔ اس رسالے سے مصنف تذکرہ قاریان ہند کے استفادے کی بدولت یہ غلط روایت ان کی کتاب میں آئی اور بعدازاں خوب پھیلی حالانکہ بالکل بے سند اور بے اصل بات ہے۔ جس کی گواہی سبع قرات کی وہ اسناد بھی ہیں جو شیخ محترم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے گاہے بگاہے اپنے تلامذہ کو جاری فرمائیں جو بواسطہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ ہیں اسی طرح "سوانح امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ" مرتبہ قاری فیوض الرحمٰن صاحب میں حضرت استاذ محترم کے تلامذہ کی فہرست میں جناب قاری عبدالعزیز صاحب شوقیؒ کو بھی حضرت قاری عبدالمالک صاحب نوراللہ مرقدہ کا شاگرد بتایا گیا ہے جو کہ صحیح نہیں۔ قاری عبدالعزیز شوقی صاحبؒ، حضرت استاذ القراء قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ صدر مدرس دارالعلوم دیو بند کے تلمیذ ہیں ہاں قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ، حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ سے آگرے میں پڑھتے رہے ہیں۔ تفصیل کے لئے "تذکرہ قاریان ہند" جلد سوم ص ۳ دیکھئے۔

ایک واقعہ قاری محمد طاہر رحیمی صاحب نے قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کی "سوانح فتحیہ" میں ذکر کیا ہے اور اس واقعہ کو نفس مضمون بنا کر آٹھ دس صفحات کا مضمون بنایا ہے اور جس میں زیب داستاں کے لئے کچھ مزید بڑھا چڑھا کر بھی اس واقعہ کو بیان کیا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ اس واقعہ کو بھی جناب مصنف سوانح نے دیانت داری سے نقل نہیں فرمایا۔ ترتیب وار ان امور کو صاف کروں تو بہتر ہو گا۔ "سوانح فتحیہ" ص ۱۵۳ پر قاری محمد طاہر رحیمی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

"اور پھر حضرت والا نے از راہ انکساری و بے نفسی جناب قاری صاحب ممدوحؒ سے فرمایا کہ میں آپ کے روبرو کچھ تلاوت کرتا ہوں آپ جہاں جہاں سقم ہو نشاندہی فرما دیں۔ چنانچہ آپ نے تلاوت فرمائی تو انہوں نے (یعنی حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ) نے قلمدان سے ہولڈر اٹھا کر جا بجا آپ کے مبارک چہرہ انور کے تاثرات سے پیدا شدہ تغیرات و کیفیات پر ہولڈر لگا لگا کر ٹوکا اور کہتے گئے کہ یہاں یہ تغیر کیوں ہو رہا ہے؟ یہاں یہ کیوں؟ اور یہاں کیوں؟ وغیرہ وغیرہ' مقصد یہ تھا کہ یہ تغیرات غلط ہیں حضرت والاؒ نے وہاں سے واپس آکر جناب موصوفؒ کے پاس تشکر و امتنان کا ایک گرامی نامہ تحریر فرمایا جس میں بزعم آں ممدوحؒ ان غلطیوں کی نشاندہی پر بہت زیادہ ممنونیت و شکریہ کا اظہار فرمایا جناب قاری صاحب مرحومؒ کو جب یہ والا نامہ موصول ہوا تو جا بجا اس گرامی نامہ کا ذکر فرمایا اور وہ والا نامہ دکھا دکھا کر اور یہ کہہ کہہ کر یہ ہیں پانی پت والوں کے بڑے جن کا یہ حال ہے۔ ناظرین کو خوب متاثر محظوظ فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ جس مدرسہ سے آپ بعض وجوہ کی بنا پر علیحدہ ہو گئے تھے اس کے ارباب حل و عقد سے بھی اس والا نامہ کے حوالہ سے خوب شکوہ کیا کہ یہ دیکھو میرا تو یہ مقام ہے اور آپ لوگوں نے ناقدری کا ثبوت دیا وغیرہ وغیرہ--- یہ ہے وہ واقعہ جسے شیخ القرا جناب قاری عبدالمالک صاحبؒ کے تلامذہ اور متعلقین خوب بڑھا چڑھا کر جا بجا بیان اور حضرت والا کی شان میں تنقیص و ہتک عزت تک کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرتے ہیں اور اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔"

مذکورہ بالا واقعہ میں نے سوانح فتحیہ سے نقل کیا ہے۔کوئی بھی تبصرہ کئے بغیر میں عرض کر دوں کہ یہ واقعہ راقم کا چشم دید ہے اور میرے سامنے رونما ہونے والا واقعہ اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ حضرت امام القراءؒ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے اور بعد از گفتگو فرمانے لگے کہ حضرت میں پڑھتا ہوں آپ میری اصلاح فرما دیں۔ چنانچہ حضرت امام القراءؒ نے ہامی بھر لی حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ نے تلاوت فرمائی تو حضرت امام القراءؒ نے آپ کے ہونٹوں پر اپنی انگلی رکھ دی اور فرمایا کہ آپ حروف مفخمہ کی ادائیگی کے وقت ہونٹ گول کرتے ہیں جب کہ ان کی ادائیگی میں ہونٹوں کو دخل نہیں۔ اور اسی واقعے کو حضرت امام القراءؒ کے شاگرد جناب قاری غلام النبی صاحب مرحومؒ نے سوانح امام القراء میں شامل اپنے مضمون میں تحریر کیا ہے (دیکھو سوانح امام القراء ص ۱۲۴) ہاں اس کے بعد یہ واقعہ مزید ہے کہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ نے آپ کا شکریہ ادا کیا اور

رخصت ہونے سے قبل یہ عرض کیا کہ حضرت میرا دل تو چاہتا ہے کہ میں آپ سے مزید استفادہ کروں لیکن مصروفیات مانع ہیں۔

یہ وہ واقعہ ہے جو میرے سامنے رونما ہوا اور اس کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ معلوم نہیں کہ قاری محمد طاہر رحیمی صاحب نے اپنی کتاب میں درج واقعہ حضرت امام القراءؒ کے کس شاگرد سے سنا ہے؟

آگے چل کر قاری محمد طاہر رحیمی صاحب ”سوانح فتحیہ“ کے ص ۱۵۴ پر لکھتے ہیں۔

”احقر کے ناقص خیال میں اس قصہ کا سب سے افسوسناک پہلو یہ ہے کہ حضرت والاؒ جناب قاری عبدالمالکؒ کے تلمیذ تو تھے نہیں۔“

اس کا جواب ان کی اپنی کتاب ”سوانح فتحیہ“ کے صفحہ نمبر ۲۰۰ پر حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب پرتاب گڑھیؒ کے حالات میں درج ہے ”کہ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ابتداء آگرے میں مقری عبدالمالکؒ سے پڑھتے رہے، ایک روایت میں خوب مہارت حاصل کرنے کے بعد آپ قاری عبدالمالکؒ کے ہمراہ الہ آباد گئے اور شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ سے سبعہ و عشرہ کی تکمیل کی“ اس کی مزید تصدیق کے لئے ”تذکرہ قاریان ہند“ جلد سوم کے صفحہ ۳ اور ”سوانح امام القراء“ صفحہ نمبر ۲۰۰ ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔

چونکہ حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ کے فیض یافتہ ہیں لہٰذا حضرت امام القراءؒ کے بھی تلمیذ ہوئے بلاواسطہ نہیں تو بواسطہ طور پر تو یہ امر ثابت ہے۔

وہ لوگ جو اس مذکورہ واقعے کے وقت موجود تھے ان میں سے بعض تو اللہ کو پیارے ہو گئے اور بعض الحمدللہ ابھی بقید حیات ہیں۔ صاحب سوانح فتحیہ جو اس واقعے کو تحریر فرما رہے ہیں وہ اس واقعہ کے چشم دید گواہ نہیں۔ جن صاحبان سے متعلق یہ واقعہ ہے یعنی حضرت امام القراءؒ اور حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ دونوں وصال فرما چکے ہیں۔ بلکہ صاحب سوانح فتحیہ جن سے اس واقعے کی روایت کر رہے ہیں یعنی حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ وہ بھی حیات نہیں کاش یہ واقعہ ان کی موجودگی میں لکھا جاتا اور میری ناقص رائے یہ ہے کہ وہ اس واقعے کو ضبط تحریر میں لانا مناسب خیال نہ فرماتے۔ ان صاحبان کی وفات کے بعد یہ واقعہ اچھالنا اچھی روایت نہیں پانی پتی قراء حضرات ہوں یا حجازی قراء حضرات یہ سب ہمارے لئے نہایت محترم ہیں اور ان کے آپس میں نہایت مشفقانہ اور اچھے تعلقات تھے۔ ایسے بے سروپا واقعات کو اچھالنا یقیناً اپنے اکابرین کی کوئی خدمت نہیں۔

صاحب سوانح فتحیہ کا اس واقعے میں تضاد اس طرح بھی ظاہر ہو رہا ہے کہ واقعے کے شروع میں وہ اس کو حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ سے روایت کرنے کو فرماتے ہیں اور واقعے کے آخر میں وہ اس کو قاری عبدالمالک صاحبؒ کے تلامذہ اور متعلقین سے منسوب کر رہے ہیں جو تضاد بیانی کا بین ثبوت ہے۔ دیکھئے سوانح فتحیہ صفحہ نمبر ۱۵۴

صاحب سوانح فتحیہ اس واقعے میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضرت امام القراءؒ کے پاس حضرت قاری فتح محمد صاحب

پانی پتیؒ کا خط آیا تو انہوں نے اس خط کو دکھا کر ان مدرسے والوں سے شکوہ کیا جس سے آپ نے بعض وجوہ کی بنا پر علیحدگی اختیار کی۔ (ایضاً" صفحہ نمبر ۱۵۴)

عرض یہ ہے کہ یہ واقعہ ۱۹۵۵ء یا ۱۹۵۶ء کا ہے اور حضرت امام القراءؒ اس زمانے میں دارالعلوم اسلامیہ میں صدر مدرس تھے ۱۹۵۸ء کے اخیر میں آپ نے اس مدرسے کو خیرباد کہا اور اپنا ذاتی مدرسہ "دارالترتیل والقرآن" کے نام سے قائم کیا اپنے ذاتی مدرسے سے کسی ملازمت پر واپس آنا "چہ معنی دارد"؟

حضرت امام القراءؒ کی سوانح پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلاد ہند میں نہایت عظیم الشان علمی مراکز سے وابستہ رہے جن میں "مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون" جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب کی زیر سرپرستی چلتا تھا۔ "مدرسہ فرقانیہ ٹونک" "مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ" جو کہ حضرت مولانا عین القضاۃ صاحبؒ کی سرپرستی میں چلتا تھا اور برصغیر پاک و ہند کی علوم قرات کی ایسی عظیم المرتبت درس گاہ تھی کہ اس کے بعد ایسی درسگاہ وجود میں نہ آسکی۔

ان مذکورہ بالا مدارس میں حضرت امام القراءؒ نے صدر مدرس کی مسند کو رونق بخشی اور حقیقت یہ ہے کہ آپ جہاں بھی گئے اپنے عظیم الشان شاگردوں کی (جو بعد میں اپنے دور کے مشائخ قرات تسلیم کئے گئے) بہت بڑی وافر تعداد بناتے چلے گئے۔

دارالعلوم اسلامیہ جو حضرت شیخ قاری المقری عبدالمالک صاحبؒ کے آنے سے قبل ایک گمنام اور غیر معروف مدرسہ تھا آپ کی تشریف آوری کے بعد علوم قرات کا بلاد پاکستان میں بہت بڑا مرکز بن گیا اور جو عروج اس مدرسے کو آپ کے دور میں نصیب ہوا وہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد باقی نہ رہا۔ لہٰذا جناب قاری طاہر رحیمی صاحبؒ کا یہ دعویٰ بھی بے دلیل اور بودا ہے۔

حقیقت واقعہ یہ ہے کہ حضرت امام القراءؒ کے پاس ہند میں (اور پاکستان تشریف لے آنے کے بعد یہاں بھی) علماء، صلحاء اور قراء عظام کا ایک انبوہ کثیر ملاقات کے لئے تشریف لاتا تھا جن میں حضرت مولانا ابو الکلام آزاد صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس صاحبؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ، حضرت مولانا یوسف بنوری صاحبؒ، حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ، حضرت مولانا قاری فضل کریم صاحبؒ اور حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی جیسے نامور اکابرین کے نام نمایاں ہیں۔ ان تمام حضرات کے ساتھ حضرت امام القراءؒ کے نہایت عزت و احترام اور دلی توقیر سے بھرپور تعلقات تھے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ تو ویسے بھی حضرت امام القراءؒ کے پیر بھائی تھے کیونکہ یہ دونوں حضرات حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ، حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحب کا ازحد احترام فرماتے تھے اس کا اظہار انہوں نے ''عنایات رحمانی'' شرح شاطبیہ کے مقدمہ میں صفحہ نمبر۵۶ پر اس طرح فرمایا ہے۔

''مولانا قاری عبدالمالک علی گڑھی'' ایک عرصہ تک آپ مکہ میں تعلیم پاتے رہے پھر ہندوستان کے مختلف مقامات ٹونک، آگرہ، لکھنؤ وغیرہ میں تعلیم قرآن کی خدمت انجام دیتے رہے۔ اکثر اہل علم آپ کی شخصیت سے واقف ہیں۔ پاکستان تشریف لا کر آپ ڈیڑھ سال کے قریب دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں شیخ القرات رہے پھر لاہور چرچ روڈ پر دارالعلوم پرانی انار کلی میں اسی خدمت پر مامور رہے علم قرات اور اس کی کتب سے بے حد محبت رکھتے ہیں اکثر کتب آپ کے یہاں موجود ہیں۔ بعض نایاب قلمی کتابیں بھی ہیں۔ چنانچہ رائیہ کی شرح جعبری مکمل اور شاطبیہ کی شرح جعبری حصہ فروش بھی آپ کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ قرات میں تکلف اور بناوٹ سے بہت نفرت ہے سادگی کے ساتھ خوش الحانی کو پسند فرماتے ہیں۔''

درج بالا تعارف کے علاوہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ نے اپنی مذکورہ شرح شاطبیہ پر حضرت امام القراءؒ سے تقریظ بھی لکھوائی جو مقدمہ سے قبل جلد اول میں موجود ہے۔

یقیناً تقریظ انہی حضرات سے لکھوائی جاتی ہے جو اس فن کے شناور ہوں یا صاحب کتاب کے لئے قابل احترام ہوں اور یہ دونوں وصف حضرت امام القرا ہیں ملاحظہ فرماتے ہوئے ہی حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ نے آپ سے تقریظ کی بابت رجوع کیا۔

یہ ایک حقیقی امر ہے کہ ہمارے اکابر آپس میں ایک دوسرے کا غایت درجہ احترام کرنے والے تھے لیکن ان سے چھوٹے اور بعد میں آنے والوں نے خواہ مخواہ ان کے متعلق افسانوی اختلافی قصے بنائے یقیناً یہ تاریخ کی، صاحب سوانح کی اور اس ہستی کی جس کی تنقیص کی جا رہی ہو کوئی خدمت نہیں حقیقت بہرحال حقیقت ہے اور اس طرح کے واقعات سے نہ تو کسی کی شان میں اضافہ کرنا ممکن ہے اور نہ ہی کسی کی عزت و توقیر میں کوئی کمی ہو سکتی ہے. کیونکہ یہ تمام حضرات قرآن کے خدام میں سے ہیں اور ان کے ناموں کی رفعت و بلندی کی شہادت زبان صداقت ماب صلی اللہ علیہ وسلم سے دی جا چکی ہے۔

بعدازاں میں دوبارہ موضوع کی طرف پلٹتا ہوں ان سوانحی تذکروں کے اختتام پر میں ان نامکمل سوانحی تذکروں کا ذکر کرتا چلوں جو میرے قابل احترام دوست حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ مرتب فرما رہے تھے۔

اس سلسلے میں ان کی اولین کاوش شمس المحققین حضرت علامہ جزریؒ کی زندگی پر ایک نہایت مبسوط سوانح عمری کا پروگرام تھا۔ سوانح کا ایک معتدبہ حصہ وہ تحریر فرما چکے تھے لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور یہ کتاب نامکمل رہ گئی۔

''شجرۃ الاساتذہ'' کے نام سے وہ ایک ایسی مختصر سوانحی تذکرے پر مشتمل کتاب بھی ترتیب دے رہے تھے جس میں اپنی قرات کی اسناد میں مندرج اساتذہ کرام کے حالات کو بالترتیب بیان کرتے ہوئے اس سلسلے کو آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم تک لے جاتے لیکن یہ کتاب بھی ان کی نامکمل کتب میں ہی شمار ہوئی۔

انما الدنیا کظل زائل

حل فیہ راکب ثم ارتحل

یعنی دنیا ڈھلتے سائے کی طرح ہے جس میں مسافر تھوڑی دیر اترتا ہے اور پھر وہاں سے کوچ کرتا ہے۔

زیر نظر کتاب میرے اسی قابل احترام دوست استاذ القراء والعلماء مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ کے سوانحی تذکرے پر مشتمل مختلف مضامین کا مجموعہ ہے۔ یقیناً اس کتاب میں بھی بہت سی کمزوریاں اور کوتاہیاں ہوں گی اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ آمین

آخر میں اللہ وحدہ لا شریک سے پرزور التجا ہے کہ وہ ہمیں اپنی کتاب عظیم فرقان حمید یعنی قرآن مجید کے تعلیم و تعلم میں مصروف رکھے۔ گو ہم اس کا کماحقہ حق ادا نہیں کرپا رہے مگر محض اپنے لطف و کرم سے ہماری کوتاہیوں اور کمزوریوں سے پردہ پوشی فرماتے ہوئے اپنے انعام و اکرام سے نوازیں۔ آمین

نیز ان تمام قراء عظام اور ائمہ قرات خصوصاً" ہمارے اساتذہ کرام جو کہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر خدمت قرآنی میں مشغول رہتے ہوئے تیرے حضور میں حاضر ہو گئے ان تمام بزرگوں کے درجات کو بلند فرمائے اور ان کی خدمات عالیہ و گرانقدر و پرخلوص خدمت کلام اللہ کو قبول فرماتے ہوئے ان خدمات کو ان کی مغفرت اور جنت الفردوس میں داخلے کا سبب بنائے۔ آمین یا رب العلمین

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ والہ واصحابہ وائمتہ القرات اجمعین

شعبان المعظم ۱۴۱۴ھ

مطابق جنوری ۱۹۹۴ء

13-1-94

مدرسہ نظامیہ قرآنیہ، قلعہ

شاہ فیصل شہید (قلعہ گوجر سنگھ) لاہور)

استاذ القراء شیخ المجودین حضرت قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب دامت برکاتھم

تاریخہائے وفات

استاذ القراء حضرت مولانا قاری اظہار احمد التھانویؒ

۱:- جَزَآءَ هُمُ الْمَغْفِرَة

۱۴۱۲ھ

۲:- اِغْفِرْ لِیْ یَا حَسِیْبُ

۱۴۱۲ھ

۳:- قاری اظہار احمد تھانوی "ماجد"

۱۹۹۱ء

۴:- آہ! تجوید و قرآت کی ایک اور شمع عجائب گل ہوگئی

۱۹۹۱ء

یہ چاروں تاریخ ہائے وفات جناب مولانا قاری محمد تقی الاسلام صاحب مدظلہ کے فکر و تدبر کا نتیجہ ہیں۔

۵:- سینے میں اُن کے شمع قرآں معمور تھی
شخصیت شیخ القراء کی مشہور تھی
ہاں اُنہی کی ہے یہ تاریخ وفات
آہ! "یہ جُدائی مجوّد مغفور" تھی

۱۴۱۲ء

۶:- کرو اللہ کی ہی صرف تُم بڑائی
کہ دُنیا میں ہے اُسی کی بادشائی
سانحہ ہُوا یہ جہانِ علم و فن میں
"قاری اظہار احمد تھانوی کی جُدائی"

۱۹۹۱ء

یہ دو قطعات تاریخ ہائے وفات احقر کی کوشش ہیں -: عزیز احمد تھانوی

۷:- نَدَّ بَدَا یعنی "خوشبو ظاہر ہُوئی"

۶۱

الشیخ سلیمان الجمزوریؒ کے قصیدے "تحفۃ الاطفال" کے اشعار کی تعداد اکسٹھ ہے جسے انہوں نے قصیدہ مذکورہ کے آخری شعر میں ذکر کیا ہے۔ حُسنِ اتفاق کہ بحساب عیسوی حضرت شیخ القراءؒ کی عمر اکسٹھ برس ہوئی اور عمر کے ان سالوں پر شیخ جمزوریؒ کی تعداد پوری اترتی ہے۔

موسم گل کا نکھار

علوم قرآن میں بحر زخار تھے اظہار
قرآء ت میں موسم بہار تھے اظہار

وہ حدیث ہو، فقہ ہو یا ادبی محفلیں
ہر میدان کے شہ سوار تھے اظہار

قرآن کے خادم اس قدر پیدا کئے
علم کا گویا اک پہاڑ تھے اظہار

حق بات کہنے کا حوصلہ تھا ان میں
جھوٹ کے دل میں مثل خار تھے اظہار

تجوید و قرآء ت کو زندہ جاوید کر گئے
موسم گل کا سمجھو نکھار تھے اظہار

قول کے پکے تھے وہ فعل کے سچے تھے وہ
شرافت کا چلتا پھرتا شعار تھے اظہار

میں تو کہوں گا اس زمانے میں احمد
ہر اچھی بات کا اظہار تھے اظہار

(عزیر احمد تھانوی)

قاری اظہار احمد تھانویؒ

جھوم(۱) جھوم اٹھتی تھی دنیا سن کے نام اللہ کا
وجد میں آکر وہ یوں پڑھتا کلام اللہ کا

کر دیا قرآن کی تقلید کا یوں حق ادا
اس نے پہنچایا ہزاروں تک پیام اللہ کا

نام تھا اظہار وہ کرتا رہا اظہار حق!
اس کے دل میں خوف رہتا تھا مدام اللہ کا

حافظ و قاری تھا وہ' عالم تھا وہ' عابد تھا وہ
وہ رسول اللہ کا شیدا تھا غلام اللہ کا

مست رہتا تھا ہمیشہ نشہ قرآن سے
تھانوی(۲) سے اس نے پی رکھا تھا جام اللہ کا

زندگی اس نے گزاری خدمت قرآن میں
ذکر تھا اس کے لبوں پر صبح و شام اللہ کا

کیوں نہ جنت میں اسے اللہ دے اعلیٰ مقام
جان جب نکلی تو ہونٹوں پر تھا نام اللہ کا

فرض ہے سلمان ہم پر عالموں کا احترام
احترام ان کا ہے گویا احترام اللہ کا!

(سید سلمان گیلانی)

۱۔ یہ نظم حضرت شیخ القراءؒ کی یاد میں منعقدہ جلسہ میں مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۹۲ء کو مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں پڑھی گئی تھی۔

۲۔ مراد ہیں حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ

آہ! قاری اظہار احمد تھانویؒ

رنج و غم کی چھا گئی قرآء ت کی دنیا میں گھٹا
ہر طرف آہ و فغاں کی آرہی ہے یہ صدا
کر گئے اظہار احمد بھی جہاں سے انتقال
جن کے غم میں آج ہے' ہر فرد ملت پرملال

تھے فن تجوید و قرآء ت کے بلا شک جو امام
جن کے دم سے جاری و ساری رہا یہ فیض عام
حافظوں میں' قاریوں میں' جو تھا موتی آبدار
ذات جن کی تھی حقیقت میں سلف کی یادگار

دولت علم و عمل سے جن کا دل تاباں رہا
جب تلک زندہ رہا تو بے گماں شاداں رہا
کیوں نہ دیں اہل وطن تجھ کو عقیدت کا خراج
تو سبھوں کے واسطے لاریب تھا ہنس مکھ مزاج

آؤ سبحانی کریں مرحوم کے حق میں دعا
جنت الفردوس میں دے جگہ ان کو خدا

(مولانا نذیر احمد سبحانی)

□□□

جناب قاری اظہار احمد تھانوی رحمتہ اللہ

جناب اظہار تھانوی تھے رئیس قراء امام قرآء ت
نہیں ہے یہ قول صرف میرا بشر بشر دے گا یہ شہادت

تلاوت اس کے لئے یقیناً سرور جہان و نشاط دل تھی
ہماری آنکھوں نے اس کو دیکھا مست مئے تلاوت

تجھے تھی قرآن سے محبت اسی کی خدمت میں عمر گزری
خدا کی رحمت سے ہے توقع، تو جنتی ہے، تیری ہے جنت

تیری لحد میں ہوں کیوں نہ روشن چراغ انوار جبکہ تونے
ہزاروں سینے کئے چراغاں جلا جلا کر چراغ قرآء ت

تجھے تھی قرآن سے محبت تو کیوں نہ محبوب ہو تو ہم کو
بعید کیا ہے امین جیسوں کو بخشوائے تیری محبت

(سید امین گیلانی)

❑❑❑

تھانہ بھون کا مختصر تعارف

حالات و واقعات قلم بند کرنے سے قبل ضروری سمجھوں گا کہ کچھ مختصر تعارف قصبہ تھانہ بھون کا کرا دوں جہاں کہ حضرت قاری صاحبؒ پیدا ہوئے تاکہ بعد میں آنے والے واقعات کا باہمی تسلسل بھی برقرار رہے اور بات کے سمجھنے میں بھی کوئی دشواری محسوس نہ ہو۔

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یو پی کا ایک مشہور و معروف قصبہ ہے۔ اول اس کا نام تھانہ بھیم تھا کیونکہ اس علاقے کا ایک ہندو راجہ بھیم نے آباد کیا تھا بعدازاں اس کا نام تھانہ بھون ہوا اور اس کی تسمیہ یہ ہوئی ہے کہ یہاں بھون نام سے ہندوؤں کا ایک مندر تھا اور لفظ تھانہ اس لئے استعمال کا جاتا ہے کہ راجہ بھیم نے ایک تھانہ چوکی مسافروں اور راہ گذاروں کے لئے بنائی ہوئی تھی جس کا مقصد مسافروں کو سرائے وغیرہ کی سہولتوں کے علاوہ ان کی حفاظت بھی تھا۔

تھانہ بھون کے روساء اور صلحاء وقت بھی مشہور عام ہیں۔ روساء میں نواب نجابت علی خاں اپنے جود و سخا میں بے مثل تھے ان کو اگر اپنے زمانے کا حاتم کہا جائے تو بیجا نہ ہو گا۔ اسی طرح نواب عنایت علی خاں فنون جنگ میں ماہر اور جوشیلے انسان تھے چنانچہ ۱۸۵۷ء میں انہوں نے صرف شاملی اور تھانہ بھون کے جہاد میں نمایاں کردار ادا کیا بلکہ بجنور اور مراد آباد میں بھی مجاہدین کے ساتھ مل کر کافی عرصہ تک جنگ کرتے رہے۔ بزرگوں میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی تھانویؒ، حضرت حافظ محمد ضامن علی شہیدؒ، حضرت مولانا شیخ محمدؒ، حضرت مولانا فتح محمد تھانویؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی شامل ہیں جن میں حاجی امداد اللہؒ اپنے علوئے مرتبت کی وجہ سے شیخ العرب والعجم کہلائے۔ حافظ ضامن علیؒ جہاد ۱۸۵۷ء میں سرفروشی کا اعلیٰ نمونہ پیش کر کے۔

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

کا مصداق بنے۔ مولانا شیخ محمدؒ شریعت و طریقت کا سنگم ثابت ہوئے۔ مولانا فتح محمد نے بھی اپنے ورع و تقویٰ کی بناء پر ایک بلند مقام حاصل کیا اور مولانا اشرف علیؒ حکیم الامتؒ کے معزز لقب سے یاد کئے گئے۔

علماء میں ملا محمد صابر تھانوی جن کو صاحب کشاف اصطلاحات الفنون نے ''اتقی العلماء'' کہا ہے تاریخ وفات ۱۰۹۲ھ۔ دوسرا نام قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ جو مصنف ''کشاف اصطلاحات الفنون'' ہیں اور ملا محمد صابر تھانوی کے پڑپوتے ہیں اور مصر و لبنان میں علامہ تھانوی کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کے ہم عصر ہیں۔ تیسری اہم علمی شخصیت شیخ محمد تھانویؒ متوفی ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء جنہوں نے ''تاریخ قصبہ تھانہ بھون'' کے نام سے ایک رسالہ بھی مرتب کیا اور انہی کے والد مولوی حمداللہ تھانوی متوفی ۱۲۳۹ھ مطابق ۱۸۲۲ اور حکیم الامت حضرت مولانا قاری شاہ محمد اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ مطابق

۱۹۴۳ء۔

دنیاوی اعتبار سے بھی بہت سے نام ہیں جن میں دو نام خاصے مشہور ہیں اور نظرانداز نہیں کئے جا سکتے۔ ارشد تھانوی اور مشہور مزاح نگار شوکت تھانوی مرحوم بہت نمایاں مقام کے حامل ہیں۔

چونکہ یہ ایک قرآن کے پڑھنے والے قاری کی سوانح ہے اس لئے اس باب میں تھانہ بھون کے قراء حضرات کا نام بھی شامل کرنا چاہوں گا۔ جن میں نمایاں نام حضرت حکیم الامت مولانا قاری اشرف علی صاحب تھانویؒ جو کہ شیخ العرب والعجم استاذ الاساتذہ قاری عبداللہ مکیؒ کے نمایاں شاگردوں میں سے تھے۔ اس کے علاوہ قاری عبداللہ تھانوی صاحبؒ جو کہ حضرت قاری ضیا الدین احمد صاحبؒ کے نہایت اچھے شاگردوں میں سے ہیں متوفی ۱۳۶۳ھ قرآءت کی متعدد کتب بھی تالیف کی۔ اس کے علاوہ ایک قدرے غیر معروف نام لیکن فن کے شناور قاری شاہ محمد صاحبؒ جو کہ تھانہ بھون میں خانقاہ والی مسجد کے امام اور حضرت حکیم الامتؒ کے خادم خاص تھے عموماً" حضرت حکیم الامتؒ کے سر کی مالش کیا کرتے امام فن حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادیؒ کے شاگرد تھے۔

اس کے علاوہ امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا بھی تھانہ بھون میں قیام رہا اور اس دوران بہت سے اکابرین نے آپ سے استفادہ بھی کیا۔ آپ کا زمانہ قیام ۱۹۱۱ء سے ۱۹۱۳ء کے لگ بھگ ہے۔ اس کے بعد بھی رمضان میں تھانہ بھون آنے کا آپ کا معمول رہا۔

حضرت قاری صاحبؒ کا خاندانی پس منظر

حضرت کے آبا و اجداد اصلاً عرب اور خلیفہ اول سیدنا حضرۃ ابو بکر صدیقؓ کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اس لئے شیخ صدیقی کہلاتے تھے آپ کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ کے ذریعے حضرۃ ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

تھانہ بھون میں آپ کا خاندان "لٹوریوں والے" کے نام سے مشہور تھا اور اس نام کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے خاندان کے ایک بزرگ شیخ نور محمد صدیقیؒ اول اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دربار سے وابستہ رہے اور بعد میں تصوف کی طرف مائل ہوئے اور اسی دوران انہوں نے بال بھی بڑھا لئے تو لوگ انہیں شیخ نور محمد لٹوں والے کہنے لگے اور بعدازاں یہ نام ان کے خاندان کے لئے مخصوص ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حضرت قاری صاحبؒ کے پردادا حافظ محمد عبداللہ بھی تھانہ بھون سے شہر بدر ہوئے اور بعدازاں انگریز سرکار کے حکم پر دوبارہ اپنا مکان دوبارہ خریدا۔

حضرت قاری صاحب کے والد

حافظ اعجاز احمد تھانویؒ حضرت قاری صاحبؒ کے والد گرامی تھے اور دادا کا نام (حافظ اعجاز احمد تھانویؒ کے والد)

منشی ابراہیم احمد تھانوی تھا۔ حافظ عبداللہ تھانویؒ جو اول مذکور ہو چکے منشی ابراہیم احمد تھانوی کے والد تھے۔ منشی ابراہیم احمد تھانویؒ کے ایک بھتیجے رشید احمد تھانوی تھے جو کہ انہیں بیٹوں کی مانند پیارے تھے۔ حافظ اعجاز احمد تھانویؒ بھی انہیں مثل بڑے بھائی کے سمجھتے تھے۔

حافظ اعجاز صاحبؒ تین بہن بھائی تھے۔ ان سے چھوٹے اشفاق احمد تھانویؒ اور بہن کا نام خاتون تھا دونوں بہن بھائی پیدائشی طور پر معذور تھے اور چل پھر نہیں سکتے تھے۔ حافظ اعجاز احمد صاحبؒ پر اپنے بہن بھائی کو سنبھالنے کی بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ اشفاق احمد جو حضرت قاری صاحبؒ کے سگے چاچا تھے محلے میں ہی ان کی پرچون کی دکان تھی وہاں قاری صاحبؒ کے والد بھی کبھی کبھار بیٹھ جایا کرتے تھے۔

حافظ اعجاز احمدؒ نے سولہ سال کی عمر میں قرآن حفظ کیا اور بعد ازاں بہت سے مدارس میں بچوں کو قرآن پڑھانے پر مامور رہے اور جلال آباد (جو کہ سہارنپور کے نزدیک افغان پٹھانوں کی بستی کا نام ہے) بریرہ اور جودھ پور کے مدارس میں رہے۔ حد درجہ متقی اور پرہیزگار تھے اول شادی ہوئی تو ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جن کا نام حافظ افتخار احمد تھانوی ہے۔ ماشاء اللہ حیات ہیں اور کراچی میں رہتے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ سے عمر میں دس برس بڑے ہیں۔ بعد ازاں پہلی بیوی کے انتقال پر حضرت قاری صاحبؒ کی والدہ محمودہ بیگم سے نکاح کیا۔ جن سے تین لڑکیاں اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی والدہ محترمہ

حضرت قاری صاحبؒ کی والدہ محترمہ محمودہ بیگم بھی تھانہ بھون کی ہی رہنے والے تھیں۔ والد کا نام محمد حسن تھا۔ لیکن زیادہ عرصہ محمد حسن صاحب تھانہ بھون سے باہر ہی رہے اور جرتھاول ضلع مظفر نگر میں انتقال ہوا۔

حضرت قاری صاحبؒ کی والدہ کے پانچ بہن بھائی تھے دو بھائی ابو الحسن اور حامد الحسن اور بہنوں میں حضرت کی والدہ محمودہ بیگم کے علاوہ رضیہ بیگم اور امہ۔ حضرت قاری صاحبؒ کی والدہ ماجدہ ماشاء اللہ حیات ہیں اور ہمارے پاس ہی رہتی ہیں۔ نہایت متقی پرہیزگار اور صابر و شاکر ہستی ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کے والد ماجد کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ملتان میں ہوا وہیں اسماعیل آباد میں مدفون ہیں۔ حضرت کی والدہ کا انتقال ۵ فروری ۱۹۹۳ء کو ہو گیا۔

حضرت قاری صاحبؒ کے بہن بھائی

حضرت قاری صاحبؒ کے پہلی والدہ سے بڑے بھائی حافظ افتخار احمد تھانوی ہیں کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ سے بڑی سگی بہن قمر النساء ہیں اور کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب کا نمبر ہے۔ اس کے بعد چھوٹی بہن زیب النساء ہیں یہ بھی کراچی میں قیام پذیر ہیں۔ ان سے چھوٹے بھائی قاری سرفراز احمد تھانوی تلمیذ خاص امام القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ ہیں اسلام آباد میں قیام

پذیر ہیں۔ ان سے چھوٹی بہن زینت النساء یہ بھی کراچی میں قیام پذیر تھیں حضرت قاری صاحبؒ کی وفات کے صرف اکیس دن بعد راہی ملک عدم کو سدھار گئیں اور سب میں چھوٹے بھائی ہیں نسیم احمد تھانوی پہلے لاہور ہوتے تھے اب کراچی مستقل سکونت اختیار کر چکے ہیں۔

تھانہ بھون میں جائے سکونت اور دیگر اہم مقامات

حضرت قاری صاحب کی سکونت تھانہ بھون کے نہایت قدیمی محلے "محلت" میں تھی جس کو بگاڑ کر محلات بولا جاتا تھا۔ اس نام کا باعث یہ امر تھا کہ اسی محلے میں تھانہ بھون کے روساء رہا کرتے تھے اور ان کے محل بھی تھے ان محلوں کی وجہ سے علاقے کو محلت یا محلات کہا جاتا تھا ان میں قاضی عنایت علی صاحب کا محل گھیروالا اور دادے ممتاز کا محل مشہور تھے۔ مساجد میں مسجد گھیروالی' مسجد پیر محمد والی جس میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ بھی تھی اور مسجد حوض والی سے حضرت قاری صاحبؒ کی وابستگی بہت رہی۔ حضرت کی گلی چھتے والی کہلاتی تھی کیونکہ اس پر چھت پڑی ہوئی تھی گھر کے سامنے ہی ایک مسجد بھی تھی جو چھتے کی مسجد کہلاتی تھی۔

چونکہ مسجد پیر محمد والی میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا قیام رہا لہٰذا یہاں لوگوں کا ہجوم رہتا تھا نمازی بھی یہاں بہت زیادہ ہوتے تھے کیونکہ مدرسہ امدادیہ بھی یہی پر تھا۔

محلہ محلات میں ہی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ' حضرت حافظ ضامن علی شہیدؒ' حضرت مولانا شیخ محمد محدثؒ اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے بھی مکانات تھے۔

❑❑❑

ننھے اظہار سے استاذ القراء تک

عزیز احمد تھانوی

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر یوپی کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہندوستان کے دیگر اہم مقامات' دہلی' لکھنؤ کے مقابلے میں قطعی غیر اہم۔ لیکن جب ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے عوام نے بدیشی حکمرانوں کے خلاف جہاد کا نعرہ مستانہ لگایا تو تحریک آزادی میں جہاں ہند کے اور بہت سے شہروں نے بہادری کی داستانیں رقم کیں وہاں اس غیر معروف قصبے کا نام سرخیل آزادی کے متوالوں میں بہت بلند رہا۔ اور قافلہ آزادی کے ان سرفروش مجاہدین کا سلسلہ جن کا تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ سے شروع ہوا اسی قافلے کے پرتو سے ہند کے عوام پھر روشناس ہوئے۔ مرشد کامل حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ' حافظ محمد ضامن شہیدؒ' حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا چار دانگ عالم چرچا ہوا۔

ان مجاہدانہ سرگرمیوں کے بعد حضرت مولانا حکیم الامت شاہ محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ کی ذات والا صفات لوگوں کے لئے مرجع خلائق رہی جن کی بدولت ہندوستان میں مسلمانوں کے درمیان موجود اخلاقی و روحانی پستی کا علاج ہوا۔

حضرت حکیم الامتؒ کی حیات میں اسی تھانہ بھون کے ایک گھرانے میں ۹۔ ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ بروز منگل بحساب سن عیسوی ۱۹۳۰ء بوقت دن کے گیارہ بجے ایک لڑکا تولد ہوا جن کا نام والد نے اظہار احمد رکھا۔

بچپن

ننھے اظہار احمد کے کان میں دو دفعہ اذان کہی گئی پہلی مرتبہ نانی کے کہنے پر اور دوسری مرتبہ دادا کے کہنے پر دو مرتبہ اذان کہنے کا سبب یہ ہوا کہ پیدائش کے بعد گھر میں کوئی مرد نہ تھا اذان سے پہلے بچے کو کچھ کھلانا پلانا مناسب نہ سمجھا گیا۔ اس لئے بچے کے کان میں اذان دینے کے لئے پڑوس سے ایک صاحب کو بلایا اور بچے کے کان میں اذان دلوائی۔ یہ صاحب کوئی بائیس تیئس سال کے تھے نوعمر تھے جوانی کا چلبلا پن طبیعت میں شوخی شادی نئی نئی ہوئی تھی۔ قاری صاحب کے دادا منشی ابراھیم احمد آئے انہیں معلوم ہوا کہ فلاں صاحب نے اذان کہی ہے تو فرمانے لگے کہ وہ کیا اذان دے گا وہ تو خود بچہ ہے کسی بزرگ سے دلواؤ اس کے بعد اپنے ایک دیرینہ رفیق اور دوست کو بلوایا اور پھر اس طرح دوبارہ اذان کہی گئی۔ پیدائش کے بعد والد حافظ اعجاز احمد تھانوی جو کہ بسلسلہ ملازمت جلال آباد میں بطور مدرس قرآن شریف پڑھایا کرتے تھے۔ جلال آباد سے ہی دو موٹے تازے بکرے عقیقے کے واسطے لے کر آئے اور

ذبح کئے گئے۔

بچپن میں اظہار احمد نہایت صحت مند' خوبصورت' موٹے تازے اور گورے چٹے تھے۔ شیر خوری کے ایام میں خوش خرم رہتے اور خوب زور زور سے لاتیں چلاتے۔ اگر دادا منشی ابراھیم احمد گود میں لے کر بیٹھتے تو تھوڑی ہی دیر کے بعد گھر والوں سے کہتے اسے اٹھا لو یہ تو بہت لاتیں چلاتا ہے۔ میری ٹانگوں میں درد ہونے لگتا ہے۔

محلے کی عورتیں آتیں تو والدہ سے کہتی اپنے بچے کو چھپا کر رکھا کرو نظر ہو جاتی ہے بعض عورتیں اپنی چوٹی میں سے کالا دھاگہ نکال کر کلائی پر باندھ دیتی تاکہ نظر نہ لگے۔

چچا کی محلے میں ہی پرچون کی دکان تھی۔ جو کہ گھر سے تھوڑے سے فاصلے پر تھی۔ ننھے اظہار احمد چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وہاں پہنچ جاتے۔ جنہیں دیکھ کر چچا بہت خوش ہوتے عمر تقریباً دو سال تھی جب گھر سے چچا کی دکان پر جانے کے لئے نکلے اور کہیں کے کہیں پہنچ گئے۔ والدہ نے چچا کو خبر کی کہ اظہار یہاں آپ کی دکان پر آئے کہ نہیں۔ چچا گھبرا گئے دکان میں کام کرنے والوں کو دوڑایا کہ تلاش کر کے لاؤ۔ کافی دیر کے بعد گھر میں کام کرنے والی جمعدارنی کو دیکھا کہ وہ ننھے اظہار احمد کو گود میں لئے ہوئے چلی آرہی ہے۔ کہنے لگی لو اپنے بچے کو سنبھالو آج میں نہ دیکھتی تو گم ہوگیا تھا۔ کسی کام کے ارادے سے دوسرے محلے میں گئی تھی وہاں ایک درخت کے پیچھے کاکو' کاکو کہنے کی آواز آئی (اس جمعدانی کا نام داکھو تھا لیکن چھوٹے ہونے کی وجہ سے قاری صاحب کاکو کہا کرتے تھے) میں نے سوچا آواز تو اظہار میاں کی ہے۔ دیکھا بھالا تو یہ درخت کے پیچھے کھڑے نظر آئے اور اب لے کر آرہی ہوں۔

اسی طرح ایک دفعہ اور گھر والوں کو تشویش ہوئی جب محلے کے کسی شخص کے پیچھے چلتے ہوئے جو کہ ڈاکخانے خط ڈالنے جا رہا تھا ڈاکخانے کی طرف نکل گئے۔ وہاں سے بھی کسی محلے دار کی اچانک نظر پڑ گئی اور وہ کندھے پہ بٹھا کر گھر لے کر آئے۔

ذرا بڑے ہوئے تو پھر بڑی بہن کے ساتھ باہر نکلتے۔ والدہ ہانڈی چولہے پہ چڑھاتی اور بہن قمرالنساء کو کہتی جا سامنے سبزی والے سے سبزی لے آ۔ بہن چھوٹے اظہار احمد کو ساتھ لیتی۔ گھر کے سامنے مکانوں کو چھوڑ کر ہندوؤں کی آبادی کے نزدیکی بازار میں جاتے۔ راستے میں حویلیوں میں بڑے بڑے پھاٹک لگے ہوتے۔ دونوں بہن بھائی چپکے سے دروازہ کھول کر اندر جاتے۔ ہندو گائے کے گوبر سے دیواروں پر بڑے بڑے بت بناتے اور صبح و شام ان کی پوجا پاٹ کرتے۔ دونوں بہن بھائی کوئی لکڑی وغیرہ لے کر ان بتوں کو توڑتے اور اگر اندر سے کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی تو دونوں بھاگ اٹھتے۔

کبھی بھون نام کے ایک بڑے مندر میں گھس جاتے وہاں ڈرتے ڈرتے مندر کے اندر جھانکتے کبھی ایسا ہوتا کہ پنڈت بیٹھا مالا جپ رہا ہوتا۔ مندر کے اندر املی کا درخت لگا ہوا تھا وہاں املی کے درخت کے نیچے گری ہوئی املی کی کتاریں اکٹھی کرتے اور پھر گھر آکر نمک مرچ لگا کر خوب مزے لے لے کر کھاتے۔ غرض دوپہر کے نکلے ہوئے

مغرب کے وقت گھر میں گھستے، سبزی والدہ کے حوالے کرتے اور والدہ اس قدر دیر سے گھر آنے پر دونوں بہن بھائیوں کی پٹائی کرتیں۔

بچپن میں گھر سے باہر کھیل رہے تھے حافظ اعجاز احمد کے چچا زاد بھائی رشید صاحب گھر میں آنے لگے تو قاری صاحب کو باہر کھیلتے ہوئے دیکھا۔ گھر آکر قاری صاحب کی والدہ سے کہنے لگے بھابھی میں روز دیکھتا ہوں اظہار کے بال مختلف ڈھنگ سے بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ کبھی دائیں سے مانگ نکلی ہوئی ہے تو کبھی بائیں سے اور کبھی درمیان سے یہ کیا وجہ ہے۔ والدہ نے جواباً کہا بھائی بچہ ہے اس کو سمجھائیں گے ٹھیک ہو جائے گا۔ بچپن میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ رشید صاحب نے یہ سنا تو بچے کو گود میں اٹھایا اور نائی کی دکان پر لے جا کر بال اتروائے اور گھر لے آئے۔ والدہ نے جب سرمنڈھے اظہار کو دیکھا تو کچھ آزردہ سی ہو گئیں۔ والدہ کو رنجیدہ دیکھ کر رشید صاحب نے کہا بھابھی لمبے بال رکھنا اور انہیں سنوارنا اس کو زیب نہیں دیتا اظہار نے بڑے ہو کر علم دین پڑھنا ہے اس کا نام خوب روشن ہو گا لوگ دور دور سے اس سے تحصیل علم کے واسطے آیا کریں گے۔ اس لئے میں نے اظہار کے بال اتروا دیئے ہیں۔ بس حضرت قاری صاحب کا اس وقت سے معمول رہا کہ پھر کبھی بال نہ بڑھائے۔ عموماً مشین سے بال صاف کروا لیتے یا کبھی کبھار چھوٹے چھوٹے بال رکھا کرتے۔

بچپن حضرت حکیم الامت کے سامنے گزرا۔ اکثر گلی میں کھیل رہے ہوتے حضرت حکیم الامت خانقاہ سے گھر جانے کے لئے نکلتے تو تمام بچے ان کے گرد اکٹھے ہو جاتے۔ بڑے ابا سلام علیکم، بڑے ابا سلام علیکم کا ایک شور حضرت حکیم الامت کے گرد ہوتا۔ حضرت شفقت سے کسی کے سر پر ہاتھ رکھتے، کسی کے گدگدی کرتے کسی کے پیٹ میں ہولے سے لاٹھی کی نوک چبھو دیتے۔ ایک دن اسی طرح حضرت گزر رہے تھے راہ میں بچے کھیل رہے تھے بچے سلام کر کے اکٹھے ہوئے تو حضرت حکیم الامت فرمانے لگے۔ میں تمہارے نام بتاؤں، فلانے تیرا یہ نام ہے فلانے تیرا یہ نام ہے۔ اظہار احمد سے فرمانے لگے یہ میرے جیسا ہے۔ میں بھی شیخ فطرتی ہوں یہ بھی شیخ فطرتی ہے۔ گھر سے باہر گلی میں محلے کے لڑکے بڑے زور و شور سے لٹو چلاتے۔ انہیں دیکھ کر قاری صاحب کو بھی شوق ہوا۔ بعض اوقات محلے کے کچھ بڑے بوڑھے بھی اس شغل میں شامل ہو جاتے۔ قاری صاحب بتایا کرتے تھے کہ مجھے لٹو چلانے میں خوب مہارت ہو گئی تھی رسی لپیٹ کر لٹو ایسے زور سے زمین پر پھینکتا کہ بہت دیر تک چلتا۔ زمین سے چلتے لٹو کو اپنے ہاتھ پر اٹھانے اور ایک ہاتھ سے دوسرا ہاتھ پر منتقل کرنا بڑی مہارت کا مظاہرہ سمجھا جاتا میں یہ سب کر لیتا میرے پاس بہت سے خوبصورت لٹو تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں وہاں لٹو چلانے میں ہی مگن رہا اور گھر دیر سے پہنچا اماں سے خوب ڈانٹ پڑی بس اس کے بعد پھر کبھی لٹو چلانے کا شوق نہ ہوا۔

قاری صاحب کا سلسلہ نسب اٹھائیس واسطوں سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ اول سے جا ملتا ہے۔ تھانہ بھون میں حضرت کا خاندان ''لٹوریوں والے'' کے نام سے مشہور تھا۔ قاری صاحب کے اکابر میں ''شیخ

نور محمد صاحب ہوئے ہیں جو کہ پہلے مغل فرمارواں اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دربار سے وابستہ تھے۔ بعد میں وہ یاد الٰہی کی طرف متوجہ ہوئے انہوں نے بال بڑھائے ہوئے تھے اور ان کی لٹیں بن گئی تھیں اس وجہ سے انہیں شیخ نور محمد لٹوں والے کہا جاتا تھا جو آگے چل کر ان کے خاندان کے لئے ''لٹوریوں والے'' مشہور ہو گیا۔

ابتدائی تعلیم

چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن پڑھنے کے لئے حکیم الامتؒ کی خانقاہ میں قائم کردہ مدرسہ امداد العلوم میں بٹھائے گئے اور اس کے بعد حفظ بھی۔ یہی سے کیا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ قاری صاحب کے والد گرامی کا نام حافظ اعجاز احمد تھانویؒ تھا اور ناظرہ و حفظ کے استاذ کا نام بھی خلیفہ اعجاز احمدؒ تھا۔

ایک مرتبہ حکیم الامت حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانوی سے عرض کی کہ تبرکاً'' اپنی ٹوپی عنایت فرما دیں۔ حکیم الامت نے ہنس کر فرمایا میری ٹوپی لے کر کیا کرو گے۔ میری ٹوپی تو پرانی سی ہے تمہاری ٹوپی نئی ہے اور اس پر بہت عمدہ گوٹ بھی لگی ہوئی ہے اس وقت تو قاری صاحب خاموش ہوگئے لیکن تین چار دنوں کے بعد ننگے سر مدرسے جانا شروع کر دیا۔ حضرت حکیم الامت نے ننگے سر دیکھا تو دریافت فرمایا ٹوپی کہاں ہے۔ قاری صاحب نے جواباً کہا بڑے ابا ٹوپی تو گم ہوگئی ہے۔ حضرت حکیم الامتؒ بہت ہنسے اور اس کے بعد اپنی ٹوپی مرحمت فرمائی وہ ٹوپی اب تک محفوظ ہے۔

ایک دفعہ حضرت حکیم الامتؒ نے قاری صاحب سے فرمایا یادداشت بڑھانے کے لئے تم روز ایک بسکٹ مجھ سے پڑھوا کر کھا لیا کرو۔ قاری صاحب کا معمول یہ ہوگیا کہ روز ایک بسکٹ حضرت حکیم الامت سے پڑھواتے' اور کھا لیتے۔ دو اور ساتھیوں نے اس طرح قاری صاحب کو کرتے دیکھا تو جا کر اپنی والدہ سے کہا اماں جی! اظہار میاں روز ایک بسکٹ بڑے ابا سے پڑھوا کر کھاتے ہیں اسی لئے تو وہ پڑھائی میں اس قدر تیز ہیں ان کی والدہ نے کہا۔ تم بھی بڑے ابا سے بہت سارے بسکٹ پڑھوا لو میں تمہیں رومال میں باندھ کر دے دوں گی۔ بچوں کی والدہ نے بہت سے بسکٹ منگوائے اور رومال میں باندھ کر بچوں کے حوالے کئے اور دونوں بچوں کو حضرت حکیم الامت کی خدمت میں روانہ کیا بچے حضرت حکیم الامت کی خدمت میں پہنچے جا کر عرض کی کہ یہ ہماری والدہ نے بھجوائے ہیں کہ آپ ہمیں بھی یہ بسکٹ پڑھ کر دے دیں۔ حضرت حکیم الامت بہت سخت ناراض ہوئے اور خوب جھاڑ پلائی۔ دونوں بچے روتے ہوئے گھر کو واپس لوٹ گئے۔

بعض اوقات حضرت حکیم الامتؒ پینے کے لئے پانی منگواتے تو حفظ کرنے والے لڑکوں میں سے بہت سے دوڑ کر جاتے کہ ہم پانی پلانے کی سعادت حاصل کریں۔ گلاس کو پورا بھر کر لے جاتے تاکہ حضرت حکیم الامت اپنی ضرورت کے مطابق پانی نوش فرمالیں اور بقایا جو بچے اس کو ہم لوگ پی لیں۔ اس بچے ہوئے پانی پر بھی لڑکوں میں

آپس میں جھگڑا ہوتا۔ قاری صاحب بھی حضرت حکیم الامت کی آواز پر فوراً لپکتے اور عموماً پانی پلانے کی سعادت حاصل کرتے اور بچا ہوا پانی خود نوش فرماتے۔

قاری صاحب کے حفظ قرآن کے دور کا ایک واقعہ دادی جان محترمہ یعنی قاری صاحب کی والدہ سناتی ہیں کہ جب قاری صاحب حفظ کر رہے تھے تو اپنے تایا کے لڑکوں سے اس بات پر شرط لگ جاتی کہ دیکھیں کون صبح اٹھ کر جلدی مدرسے پہنچتا ہے۔ علی الصبح بھاگم بھاگ اٹھتے وضو کر کے گھر میں جس کی چادر ہاتھ آئی اوڑھ لی۔ کسی کی چپل پہنی اور ٹوپی اوڑھ جا کر مدرسے کے بڑے پھاٹک کے دائیں بائیں بنی سہ دری میں بیٹھ جاتے کیونکہ دروازہ تو ابھی کھلا نہ ہوتا تھا بلکہ لوگ ابھی نماز کے لئے بھی نہ آئے ہوتے۔

حفظ کے استاذ خلیفہ اعجاز صاحبؒ نے دیکھا تو فرمانے لگے کیا بات ہے رات کو سوتے نہیں ہو جو علی الصبح یہاں پھاٹک پہ آ براجمان ہوتے ہو۔ قاری صاحب نے عرض کی نہیں حضرت سوتے تو ہیں بس ہماری شرط لگی ہوئی ہے کہ پہلے کون جلدی مدرسے پہنچے گا اس لئے اس تگ و دو میں یہاں آبیٹھتے ہیں۔ استاذ صاحب نے یہ ذوق و شوق دیکھ کر تینوں کو بہت دعائیں دیں۔

حضرت حکیم الامت نے مدرسے کے اساتذہ کو ہدایت کی ہوئی تھی کہ بچوں کو میرے سامنے بالکل سزا مت دیا کرو۔ کیونکہ حضرت حکیم الامت بچوں سے دلی طور پر بہت لگاؤ رکھتے تھے۔ قاری صاحب کے حفظ کے استاذ خلیفہ اعجاز صاحب کو جب سزا دینی مقصود ہوتی تو بچوں کو فرماتے کہ آج میں تمہیں لال کپڑے پہناؤں گا۔ بچے سمجھ جاتے کہ آج سزا ملے گی۔ خلیفہ اعجاز صاحب بچوں کو قصبے سے ملحق جنگل میں لے جاتے اور وہاں سزا دیتے۔ قاری صاحب اپنے بچپن کا ایک واقعہ سناتے تھے کہ ہم نے جب قرآن شریف حفظ کر لیا تو پھرتے پھراتے پروگرام بنا کہ فلاں صاحب کا ایک ٹوٹا پھوٹا مکان خالی اور ویران پڑا ہے وہاں امرود کے تین چار درخت لگے ہوئے ہیں آج کل ان پر خوب پھل آیا ہوا ہے۔ دوپہر کو وہاں جا کر امرود توڑ کر کھائے جائیں (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جب تھانہ بھون کے لوگوں نے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی سرکردگی میں انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو جنگ آزادی کے خاتمے پر انگریزوں کا تھانہ بھون پر قبضہ ہوگیا۔ تمام آبادی کو قصبے سے نکل جانے کا نادر شاہی حکم جاری ہوا۔ پہلے تو انگریزوں کا یہ خیال ہوا کہ پورے تھانہ بھون کو مسمار کر دیا جائے لیکن بعد میں ارادہ بدل دیا۔ بہت عرصہ کے بعد لوگوں کو دوبارہ رہائش اختیار کی اجازت ملی۔ سرکار کا حکم آیا کہ اپنے مکان دوبارہ خریدو۔ اب جن حضرات میں تو اپنے اپنے مکانات خریدنے کی طاقت تھی انہوں نے تو مکان خرید لئے۔ قاری صاحب بتایا کرتے تھے کہ ہمارے پردادا حافظ عبداللہ صاحب نے بھی اپنا مکان دوبارہ خرید لیا تھا۔ فرماتے تھے کہ مکان کی چوکھٹ پر ہمارے پردادا کا نام کھدا ہوا تھا۔

اب جو لوگ مکان خریدنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے یا جنگ کے بعد اور علاقوں کی طرف نکل گئے تھے ان

کے مکانات خالی ہی پڑے رہے۔ قاری صاحب بتایا کرتے تھے کہ ایسے بہت سے لاوارث مکان تھانہ بھون میں تھے۔ لوگوں میں بعض مکانات کے متعلق آسیب کی باتیں بھی گردش کرتی رہتی تھیں۔ ایسا ہی ایک مکان یہ بھی تھا جس میں امرود کے درخت کھڑے تھے۔)

اب چار لڑکے اس مکان میں داخل ہوئے' ساتھیوں نے قاری صاحب کو درخت پر چڑھا دیا۔ قاری صاحب نے امرود توڑ توڑ نیچے ساتھیوں کو پھینکنے شروع کر دیئے۔ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ بہت سی عورتیں جو مکان کی چھت پر بیٹھی ہیں۔ رنگت سیاہ اور بال کھلے ہوئے ان کی نظر ہم پر پڑھی تو نہایت فحش کلامی اور گالم گلوچ کرتی ہوئیں ہمارے پیچھے بھاگی۔ بعض نے مکان کی ٹوٹی ہوئی اینٹیں بھی ہم پر پھینکی۔ مجھے علم نہیں کہ میں کیسے درخت سے اترا اور کیسے گھر پہنچا۔ گھر پہنچ کر ایسا بخار چڑھا جو اترنے کا نام نہ لیتا تھا۔ کافی دنوں کے بعد اماں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ بہت خفا ہوئیں اور ابا جی کو معلوم ہوا تو وہ بھی بہت بگڑے اور آئندہ تاکید کی کہ وہاں کا رخ بھی مت کرنا۔ ایک دفعہ راقم نے پوچھا ابو جی آپ نے پہلی مرتبہ قرآن کب سنایا۔ فرمانے لگے قرآن شریف حفظ کر لیا تو پہلا رمضان آیا۔ دبے لفظوں میں استاذ صاحب جناب خلیفہ اعجاز صاحب سے عرض کی کہ میں بھی قرآن سنانا چاہتا ہوں۔ رمضان کے تیرہ دن گزر چکے تھے۔ استاذ صاحب فرمانے لگے معلوم بھی ہے تقریباً آدھا رمضان گزر گیا ہے کتنا کتنا پڑھنا پڑے گا۔ عرض کی جی ہاں روز دو سپارے سنانے ہوں گے۔ خلیفہ صاحب نے فرمایا تو ٹھیک ہے آج رات سے سنانا شروع کر دو۔ قاری صاحب نے پندرہ راتوں میں قرآن شریف تراویح میں ختم فرمایا۔ فرماتے تھے اس خوف سے کہ خلیفہ اعجاز احمد صاحب کہیں پیچھے کھڑے ہو کر میرا نہ سن لیں بہت تیز پڑھا کرتا۔ استاذ صاحب محلے سے ہٹ کر مسجد میں قرآن سنا رہے تھے۔ لیکن قاری صاحب اپنے دو سپارے ان کے آنے سے پہلے ہی پڑھ کر فارغ ہو جاتے۔ قاری صاحب بتاتے تھے کہ استاذ صاحب نے فرمایا ارے اظہار میں ایک سپارہ جتنے وقت میں پڑھتا ہوں تو اس سے بھی پہلے دو سپارے پڑھ کر فارغ ہو جاتا ہے۔

دادی جان محترمہ اور چچا جناب قاری سرفراز احمد تھانوی صاحب فرماتے ہیں کہ پہلا مصلیٰ جب سنایا تو بہت خوشیاں منائی گئی اور بہت مٹھائی بھی بٹی۔ یہ پہلا قرآن جو تراویح میں سنایا حضرت حکیم الامت کی رحلت فرمانے کے بعد پہلے رمضان میں سنایا۔

حفظ قران کرنے کے بعد ابتدائی تعلیم خانقاہ میں قائم مدرسہ امداد العلوم میں ہوئی۔ فارسی کا مروجہ نصاب تین سال میں مکمل کیا۔ فارسی کے استاذ مولانا محی الدین بنگالیؒ فاضل دارالعلوم دیوبند تھے جو بعد میں دارالعلوم ڈھاکہ بنگلہ دیش کے مفتی بھی رہے۔

تیسرے سال میں فارسی کی بڑی کتابوں کے ساتھ ساتھ تاریخ سیرت مبارکہ اور حساب مولانا محمد شریف صاحبؒ سے پڑھا۔ اور خوشخطی مولانا محمد عمران صاحب مرحومؒ جو ماہنامہ رسالہ النور کے کاتب تھے ان سے سیکھی۔ ابتدائی عربی

ھدایتہ النحو تک مولانا امیر احمد میرٹھی صاحب سے پڑھیں۔ ادب منطق اور فقہ کی ابتدائی کتب مولانا مدثر بنگالی مرحومؒ سے پڑھیں۔ کافیہ، فصول اکبری، نفحتہ الیمن حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتھم سے پڑھیں۔

شرح جامی، اصول الشاشی، قدوری، کنز الدقائق، شرح تہذیب، قطبی وغیرہ مولانا محمد شریف صاحب سے مکمل کیں۔

برادرم جناب قاری احمد میاں تھانوی صاحب کے مطابق حضرت قاری صاحبؒ نے حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ سے بھی درس کی کوئی کتاب پڑھی ہے جو کہ یقیناً ایک بہت بڑی سعادت ہے۔ اس طرح حضرت قاری صاحب بلا واسطہ حضرت حکیم الامت علیہ الرحمہ کے بھی تلمیذ ہیں۔

اساتذہ کا احترام اور ان کی خدمت

۱۹۸۶ء کی بات ہے گرمیوں کے دن تھے۔ قاری صاحب جمعہ پڑھا کر چوبرجی کوارٹرز والے مکان کی بیٹھک میں تشریف فرما تھے مطالعہ ہو رہا تھا اتنی دیر میں تین اصحاب مسجد میں سے سلام کر کے اجازت لے کر اندر آکر بیٹھ گئے ان میں سے ایک صاحب ضعیف العمر اور دو بقایا جوان تھے۔ ضعیف العمر نے حضرت قاری صاحب سے فرمایا آپ نے مجھے پہچانا قاری صاحب نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمانے لگے میں امیر احمد میرٹھی ہوں۔ آپ نے ابتدائی عربی کی کتب مجھ سے پڑھیں تھی۔ یہ سنتے ہی حضرت قاری صاحب دو زانو ہو کر بیٹھ گئے اپنے استاذ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا خیر خیریت اور حال احوال پوچھا اس کے بعد بضد ہو کر اپنے استاذ کو کھانا کھلایا، چائے پلائی اور کچھ کپڑے وغیرہ بھی تحفتہ" نذر کئے اور پھر باہر تک اٹھ کر مسجد کے چوبرجی کوارٹرز والے گیٹ تک اپنے استاذ صاحب کو رخصت کرنے آئے۔ میں نے دیکھا کہ قاری صاحب اس عرصے میں جو تقریباً دو گھنٹے بنتا ہے دو زانو ہی بیٹھے رہے۔ حالانکہ اس زمانے میں حضرت کی کمر پہ پھوڑے کی تکلیف تھی اور دو زانو بیٹھنا حضرت قاری صاحب کے لئے بہت ہی مشکل اور تکلیف دہ ہوا کرتا تھا۔ جب استاذ صاحب چلے گئے تو مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ میرے ابتدائی عربی کے استاذ ہیں میں نے امداد العلوم تھانہ بھون میں ان سے تعلیم حاصل کی پہلے تھانہ بھون ہی ہوتے تھے اب اپنے آبائی شہر میرٹھ چلے گئے ہیں۔ (واللہ اعلم اب کہاں ہیں حیات ہیں یا نہیں حیات ہیں تو اللہ صحت و تندرستی عطا فرمائے اور درازی عمر نصیب کرے۔ اور اگر فوت ہوگئے ہیں تو اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔ عزیز احمد)

مولانا محی الدین بنگالی صاحبؒ جو قاری صاحب کے فارسی کے استاذ تھے۔ مدرسہ کی جانب سے مولانا صاحبؒ کو جو مکان ملا بہت چھوٹا تھا گزارہ نہیں ہوتا تھا۔ قاری صاحب نے یہ صورت حال دیکھی تو گھر آکر اپنی والدہ سے کہ آپا جی ہمارے استاذ صاحب ہیں دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہیں ان کے دو چھوٹے چھوٹے بچے بھی ہیں مدرسے کی

جانب سے ملا ہوا مکان انہیں چھوٹا پڑتا ہے۔ ہمارے گھر کا ایک حصہ بالکل خالی پڑا ہے ہمارے تو استعمال میں نہیں آتا یہاں اگر استاذ صاحب رہ لیا کریں تو بہت اچھا ہو۔ قاری صاحب کی والدہ نے فرمایا ٹھیک ہے کوئی حرج نہیں۔ قاری صاحب خوش خوش گئے اور استاذ صاحب کو خبر کی کہ آپ کی مناسب رہائش کا بندوبست کر لیا ہے ہمارے گھر میں تشریف لے آئیں۔ مولانا محی الدین صاحب قاری صاحب کے گھر میں اٹھ آئے۔ گھر کے صحن میں پردے کے طور پر سرکنڈوں کی بنی ہوئی چق تان دی گئی۔ وہ اپنے حصے میں رہتے اور اور قاری صاحب کے اہل خانہ اپنے حصہ میں۔

رمضان المبارک کا مہینہ آیا تو گھر کے سامنے ہی ایک مسجد تھی جسے چھتے والی مسجد کہا جاتا تھا (اس مسجد میں حضرت مولانا حکیم الامت ؒ نے بھی اپنی حیات میں تراویح میں قرآن سنایا تھا۔) چونکہ گھر کے دروازے کے سامنے ہی مسجد کا دروازہ تھا اس لئے قاری صاحب کی والدہ محترمہ قرآن شریف سننے کے واسطے دروازے کے قریب کھڑی ہو جاتی۔ لاؤڈ سپیکر وغیرہ تو کچھ تھے نہیں۔ بہت کان لگا کر غور سے سننا پڑتا۔ ایسے ہی ایک دن والدہ محترمہ سن رہیں تھیں کہ قاری صاحب تراویح سے فارغ ہو کر گھر تشریف لائے۔ اپنی والدہ کو اس طرح قرآن سنتے دیکھا تو کہنے لگے آپا اگر آپ کی مرضی و اجازت ہو تو میں اپنے استاذ صاحب مولانا محی الدین ؒ سے کہوں وہ کہیں قرآن نہیں سنا رہے ہیں اپنے گھر کے صحن میں تراویح کا اہتمام کر لیا کریں گے قاری صاحب کی والدہ نے فرمایا یہ تو بہت ہی اچھا ہو گا اگر ایسا ہو جائے۔ قاری صاحب نے مولانا محی الدین صاحب ؒ سے بات کی وہ مان گئے۔ بس پھر گھر کے صحن میں نماز تراویح کا انتظام ہو جاتا اگلی صفوں میں مرد ہو جاتا اور پچھلی صفوں میں پردے لٹکا عورتوں کا انتظام کر دیا گیا۔ (دادی جان قبلہ فرماتی ہیں کہ دوسرے محلوں سے بھی خواتین آکر ہمارے یہاں نماز تراویح ادا کرتیں) گھر میں تراویح کا اہتمام تھانہ بھون میں یہ دوسری دفعہ ہوا۔ اس سے پہلے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب ؒ کمزوری اور ضعیف العمری کی وجہ سے گھر میں نماز تراویح سناتے رہے تھے تب بھی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے گھر میں اسی طرح مردوں اور عورتوں کے لئے نماز کا الگ الگ اہتمام کیا گیا۔ اور یہ دوسرا واقعہ حضرت قاری صاحب کے گھر میں ہوا۔ حضرت مولانا محی الدین صاحب تقریباً ڈیڑھ سال تک قاری صاحب کے گھر میں مقیم رہے۔ حضرت قاری صاحب کو جب بھی کتب کے سلسلے میں کوئی دشواری محسوس ہوتی پردہ اٹھا کر اپنے استاذ صاحب سے پوچھنے چلے جاتے۔

حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم سے حضرت نے امداد العلوم میں بھی استفادہ کیا اور پھر مظاہر العلوم سہارنپور میں بھی قاری صاحب فیض یاب ہوئے۔

حضرت مفتی جمیل صاحب دامت برکاتہم کا گھر حضرت کے گھر سے متصل تھا اور دونوں گھروں کے درمیان ایک کھڑکی بھی کھلتی تھی۔ حضرت مفتی صاحب قاری صاحب پر بہت شفقت و محبت فرماتے۔ دادی جان قبلہ بتاتی ہیں

کہ کسی شرارت یا دیگر کسی وجہ پر میں اظہار میاں کو مارتی اور ان کے رونے کی آواز مفتی صاحب تک پہنچتی تو بے چین ہو جاتے اور فرماتے آپا اس کو مت مارو نہیں تو میں پردے وغیرہ کا کوئی خیال نہیں کروں گا اور کھڑکی میں سے کود کر اندر آجاؤں گا۔

قاری صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا مفتی جمیل صاحب دامت برکاتھم پڑھائی کے اوقات کے علاوہ بہت دوستانہ ماحول رکھتے تھے لیکن جب پڑھانے کے لئے بیٹھتے تو ایسے بدل جاتے جیسے جانتے ہی نہ ہوں بلکہ بعض اوقات سبق میں کوئی کوتاہی دیکھتے تو پٹائی بھی کر دیتے۔

قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتھم سے پڑھ رہے تھے۔ اتفاقاً ایک لڑکے کے منہ سے فارسی کا نعتیہ شعر نکل گیا۔ حضرت مفتی صاحب کو وہ شعر بہت پسند آیا اس واقعے کے کوئی بیس پچیس دن بعد مجھے بلا بھیجا میں حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے اس روز جو اس لڑکے نے نعتیہ شعر سنایا تھا مجھے اس کا مصرع بہت عمدہ لگا اسی زمین میں میں نے ایک سو نعتیہ اشعار کہے ہیں تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ تم اس وقت موجود تھے میں نے سوچا اب بھی بلا کر سنا دیئے جائیں۔ میں نے حضرت مفتی صاحب کے کہے ہوئے اشعار دیکھے تو بہت حیرت ہوئی اور حضرت کی علم و ادب پر مضبوط گرفت کا بھی اندازہ ہوا۔

مظاہر العلوم کے شب و روز

مدرسہ امداد العلوم میں تعلیم مکمل کرنے کے بعد حضرت قاری صاحب کا مزید تحصیل علم کے لئے کہیں اور جانے کا ارادہ بنا۔

قاری صاحب فرماتے تھے کہ ایک طرف تو مجھے حصول علم کا بے حد شوق تھا دوسری طرف یہ خیال بھی ذہن میں سمایا رہتا تھا کہ میں گھر والوں پر اپنی تعلیم کا بوجھ نہ ڈالوں۔ معاشی لحاظ سے گھر میں جو تنگی تھی اس کی وجہ سے دل یہ کرتا تھا کہ جلد از جلد اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر گھر کی ضروریات زندگی میں معاون بنوں۔ یہی سوچ کر میں نے مختلف مدارس کے متعلق معلومات کی تو پتہ چلا کہ سہارنپور کے مدرسہ مظاہر العلوم میں سات روپے وظیفہ ملتا ہے میں نے سوچا مظاہر العلوم میں پڑھنے سے گھر والوں پر بوجھ نہیں بنوں گا اور اس سات روپے میں مہینہ گزار لیا کروں گا۔

اس سلسلے میں والدہ محترمہ سے بات کی کہ میں مظاہر العلوم میں داخلہ لینا چاہتا ہوں۔ قاری صاحب کی والدہ قاری صاحب کو لے کر حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب دامت برکاتھم سے بات کرنے لے گئی۔ دونوں کے گھر ساتھ ساتھ تھے اور درمیان میں کھڑکی کھلتی ہی تھی۔ کھڑکی کی اوٹ سے قاری صاحب کی والدہ نے کہا بھائی جمیل! اظہار میاں نے یہاں تھانہ بھون کے مدرسہ میں تو تعلیم مکمل کر لی اب آپ اسے مظاہر العلوم میں داخلہ دلوا دیں تو

پھر آپ کو جائیں۔ حضرت مفتی صاحب نے ہنس کر فرمایا لو آپا جی اظہار کو داخلہ نہیں ملے گا تو اور کس کو ملے گا۔

۱۳۶۳ھ میں مظاہر العلوم میں داخلہ لیا اور داخلے کا امتحان بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا۔ قاری صاحب بتایا کرتے تھے کہ جب میں مظاہر العلوم میں داخلہ کے لئے گیا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحبؒ نے ہمارا انٹرویو لیا جب میری باری آئی تو حضرتؒ نے میرا نام و نسب وغیرہ پوچھا میں نے جواباً اپنا نام پتہ وغیرہ عرض کیا تو فرمانے لگے شکر ہے کوئی شیخ زادہ بھی آیا نہیں تو معلوم نہیں کون کون سی ذاتوں کے لوگ داخلے کے لئے آرہے ہیں۔

قاری صاحب نے مظاہر العلوم کے پہلے سال میں شرح وقایہ، نور الانوار، تعلیم المتعلم، مختصر معانی اور سلم العلوم پڑھیں۔

۱۳۶۴ء میں ملا حسن، ھدایتہ اولین، مقامات حریری مینبذی، ملا جلال، میرزاھد، سراجی اور سبعہ معلقہ پڑھیں۔

۱۳۶۵ھ میں جلالین شریف، شرح عقاید، مشکوۃ، مقدمہ مشکوۃ، شرح نخبہ اور امور عامہ پڑھیں۔ ۱۳۶۶ھ میں دورہ حدیث پڑھا۔ کتب صحاح میں بخاری جلد اول اور ابوداؤد شریف حضرت شیخ الحدیث مولانا ذکریا صاحبؒ سے پڑھیں۔ بخاری جلد ثانی و ترمذی شریف حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے پڑھیں۔

مسلم شریف اور طحاوی شریف حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ سے پڑھیں۔

اور نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ سے پڑھیں۔

دورہ حدیث کے رفقاء میں مولانا سرفراز احمد تھانوی (قاری صاحبؒ کے برادر اصغر نہیں) مولانا جمال احمد صاحب بنوی استاذ حدیث دارالعلوم فیصل آباد، مولانا فروغ احمد تھانوی، مولانا خلیق الرحمٰن کاندھلوی نمایاں ہیں۔

قاری صاحبؒ کو علامہ صدیق احمد کشمیری صاحبؒ مولانا ظریف احمد پور قاضوی صاحبؒ، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی، مولانا عبدالشکور کاملپوری صاحبؒ، مفتی مولانا قاری سعید احمد اجراڑوی صاحبؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیملپوری صاحبؒ جیسے اکابر اور اجل علماء سے بھی شرف تلمذ حاصل رہا۔

مظاہر العلوم کے شب و روز کا تذکرہ حضرت قاری صاحب عموماً ہم لوگوں سے بیان کرتے تھے۔ وہ باتیں تو میں بعد میں ذکر کروں گا لیکن اس سے پہلے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ سید محمد شاھد سہارن پوری کی تالیف "علمائے مظاہر العلوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات" نامی کتاب میں سے حضرت قاری صاحب کے اپنے اساتذہ کرام سے متعلق ارشادات نقل کروں جو کہ درج بالا کتاب میں حضرت قاری صاحب سے متعلقہ تعارفی مضمون میں موجود ہیں (جلد اول صفحہ نمبر ۴۹۷) یہ پورا مضمون بھی ہم سوانح عمری میں شامل کر رہے ہیں جو آپ سوانح میں ہی ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اپنے اساتذہ کرام کے متعلق فرماتے ہیں کہ میری ادبی آبیاری حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں

ہوتی تھی۔ حضرت سے درس کے علاوہ بھی اکثر حاضری میں مختلف علمی' ادبی اور (اردو' فارسی اور عربی) شاعری میں بڑی مفید معلومات حاصل ہوتی۔ حضرت سے حاصل کردہ بہت سے ادبی نکات نوٹ کئے جو گم ہوگئے حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کے مابین ہونے والی خط و کتابت کے سلسلہ میں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کے کچھ خطوط محفوظ ہیں انشاء وہ آپ اسی سوانح میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

حضرت مولانا قاری مفتی سعید احمد صاحب اجراڑویؒ کا مشکوۃ کا دو گھنٹے کا درس عجیب پرکیف ہوتا۔ ایسی عمدہ تقریر ہوتی کہ دل چاہتا کہ وقت ٹھہر جائے۔ دوران درس متعلقہ مباحث' پیش رفت مسائل پر نہایت مدلل بولتے مثلاً حجیت حدیث اور جھوٹی نبوت جیسے موضوعات پر عمر میں پہلی مرتبہ سیر حاصل گفتگو سننے کو ملی۔

حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ نحو و معانی اور اور منطق کے مشہور استاذ تھے۔ ان کا کافیہ' شرح جامی سلم اور مختصر معانی کا درس پورے ہندوستان میں مشہور تھا۔ اللہ اکبر کس قدر اطمینان سے شرح صدر کے ساتھ مسائل پر کلام کرتے جس کا جواب نہ تھا ان تمام اوصاف کے باوجود انتہائی سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ مرحوم گدڑی میں لعل تھے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں کا مینہ برسائے مجھ پر بیحد شفقت فرماتے۔

حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ کی دل پر نقش ہونے والی ھدایہ کی مبسوط' دلنشیں اور رطب و یابس سے پاک تقریر جو ھدایہ کی مشکلات و تحلیل و توضیح میں نہایت عمدہ ذوق کی چیز ہوتی حضرتؒ جو کتاب بھی پڑھاتے اس کا حق ادا کر دیتے بہت محنتی' متواضع' مطالعہ کے دھنی اور علمی ذوق رکھنے والی شخصیت تھے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ کا تقوی اتباع سنت ذکر و شغل ہر ایک کے لئے قابل رشک تھا۔ ترمذی اور طحاوی ان کے یہاں ہوتی۔ اکثر و بیشتر فتح الباری' شامی فتح القدیر کی روشنی میں استدلال و جواب ہوتے۔ حضرت نے ان کتابوں کا نہ جانے کتنی مرتبہ مطالعہ کیا تھا میرے تعلیمی دور میں ملا حسن کا درس حضرت کے پاس تجویز ہوا ہم دیکھا کرتے کہ حضرت پڑھانے سے پہلے کبھی ملا حسن کا مطالعہ نہیں فرماتے تھے مگر درس میں وہ نکات بیان فرماتے کہ لطف آجاتا۔ مزید حیرانی اس پر ہوتی کہ ملا حسن کے دلائل کا اکثر نہایت تحقیر سے رد فرماتے۔ اعتراضات اس قدر دقیع ہوتے کہ ہم کہتے کہ اگر خود ملا حسن اس وقت موجود ہوتا تو حضرت کے سامنے لاجواب ہو جاتا۔ حضرت کی سوانح عمری ان کے صاحبزادے قاری سعید الرحمٰن صاحب نے لکھی ہے پاکستان آنے کے بعد حضرت مرحوم سے میرا تعلق ارشاد و سلوک میں بھی رہا ہے جو نہایت قوی الاثر تھا (الحمدللہ قاری صاحب نے بیعت و سلوک کے سلسلہ میں دارالعلوم ٹنڈوالہ یار میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیملپوریؒ کے قیام کے دوران جو خط و کتابت کی ہے ان میں سے کافی خطوط محفوظ ہیں شائقین کے استفادے کے لئے وہ بھی اس سوانح میں شائع کئے جا رہے ہیں)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحبؒ تو میرے لئے عظمت کا مینار تھے۔ جس سال ہمیں ابوداؤد شروع کرائی تو فرمایا کہ اٹھائیسویں مرتبہ شروع کرا رہا ہوں۔ حدیث کا بحر ذخار تھے۔ کتاب نہیں فن پڑھاتے تھے۔ جو سالہا

سال سے دور دراز کتابوں کا عطر کشید کیا ہوا تشریح حدیث کا ذخیرہ حضرت شیخ الحدیث کے سینے میں اس وقت تھا اور اب ہے میرے خیال میں تو اس کا ثانی اس وقت دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

طالب علمی کا زمانہ و ذہن طفلانہ ہوتا ہے ایک عجیب واقعہ پیش آیا حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مرحومؒ سخت علیل ہوگئے بخاری شریف کا کچھ حصہ ہوا تھا مناسب سمجھا گیا کہ جلد اول حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیملپوریؒ اور جلد ثانی حضرت شیخ الحدیثؒ کو دے دی جائے۔ ہم نے کہا شیخ کا حال اب معلوم ہوگا کہ واقعی شیخ الحدیث ہیں یا شیخ ابوداؤد مگر بخاری شریف پر ایسا لاجواب بولے کہ معلوم ہوتا تھا جیسے سالہا سال سے پڑھا رہے ہیں ابواب پر ایسا زور دار مضمون مختلف شراح کے فیصلے اور آخر میں اپنی بہترین جچی تلی رائے سننے میں آئی کہ دل پکار اٹھا کہ حضرتؒ واقعی شیخ الحدیث ہیں۔

مشہور تھا کہ شیخ تیز بولتے ہیں کوئی ان کی تقریر ضبط نہیں کر سکتا میں نے کہا یہ کام میں کروں گا چنانچہ رف کاغذوں پر پنسل سے پہلے جلدی جلدی اکثر بلفظہ تقریر لکھ لیتا اور سبق کے فوراً بعد اس کو صاف کرتا۔ میرے شب ہائے دراز اس تقریر ابوداؤد کو صاف اور ترتیب دینے میں لگے۔ اوجز' بذل کا مطالعہ علیحدہ کرتا تاہم کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مضمون الجھ جاتا یا حضرت کی فرمائی بات یاد نہ رہتی تو مدرسہ قدیم میں مغرب کی نماز پڑھ کر شیخ کی واپسی کا منتظر مسجد کے دروازہ پر کھڑا ہو جاتا۔

الحمدللہ حضرت بکمال شفقت جواب مرحمت فرماتے کبھی اشکال تحریری پیش کرتا عرض کرتا کہ حضرت اوجز میں یہ مسئلہ نہیں جواب میں تحریر فرماتے معلوم نہیں آپ اوجز کو کس طرح دیکھتے ہیں فلاں صفحہ فلاں جلد دیکھو۔ یہ تقریر جو ابوداؤد کے اس حصے پر مشتمل ہے جو بذل کی چار جلدوں میں ہے میرے پاس ضبط شدہ موجود ہے۔ وقت مہلت دے تو جی چاہتا ہے کہ اس پر نظر ثانی کر کے شائع کر دوں۔

(قاری صاحبؒ کی یہ خواہش ان کی زندگی میں پوری نہ ہو سکی۔ حضرت قاری صاحبؒ کا ارادہ تھا کہ یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد اس تقریر ابوداؤد شریف پر کام کروں گا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے شاگرد پروفیسر کرامت اللہ صاحب اس سلسلے کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مجھے قاری صاحب نے فرمایا بھئی یونیورسٹی سے ریٹائرمنٹ کے بعد میں اسے اردو میں ترتیب دوں گا تم اس کا انگریزی میں ترجمہ کرنا۔ الحمدللہ یہ تقریر ابوداؤد شریف محفوظ ہیں انشاء اللہ چھپائی کا یہ کام بھی ضرور پایہ تکمیل تک پہنچاؤں گا عزیز احمد)

حضرت کی علم میں حرص

ایک مرتبہ حضرت قاری صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت مولانا ذکریا صاحبؒ سبق کے معاملہ میں بہت سخت تھے سردی ہو یا گرمی' بارش ہو یا آندھی حضرت کے اسباق کا ناغہ نہ ہو پاتا تھا۔ اسی طرح حضرت اپنے شاگردوں سے

بھی یہ توقع رکھتے تھے کہ وہ درس کی پابندی ضرور کریں گے۔ قاری صاحب فرماتے تھے کہ مظاہر العلوم میں پڑھائی کے دوران مجھے سہارنپور شہر کا پانی راس نہیں آتا تھا چونکہ پانی ثقیل تھا اس لئے مجھے درد قولنج کی شکایت ہو جاتی۔ ساری ساری رات درد کی وجہ سے تڑپتا تھا لیکن حضرت شیخ الحدیث کا درس اس حالت میں بھی نہ چھوڑتا۔ چھوٹی بہن کی شادی تھی گھر والوں نے مجھے اطلاع بھیجی لیکن چونکہ حضرت شیخ الحدیث کے اسباق چل رہے تھے لہٰذا میں شادی میں بھی نہ گیا۔ صرف ایک دفعہ بہت شدید درد ہوا تو سبق میں شریک نہ ہو سکا۔ حضرت نے دوسرے ہم سبق ساتھیوں سے پوچھا اظہار نظر نہیں آرہا۔ عرض کی گئی کہ حضرت ان کی طبیعت بہت خراب ہے اس لئے حاضر درس نہ ہو سکے۔ یہ سن کر حضرت شیخ الحدیث نے درس موقوف کیا اور میرے کمرے میں تشریف لائے میری خیریت دریافت کی تکلیف کا پوچھا اور پھر کچھ پڑھ کر دم بھی فرمایا۔ سارے مدرسے میں یہ خبر پھیل گئی کہ حضرت شیخ الحدیث آج خلاف معمول اپنا درس موقوف فرما کر ایک شاگرد کی عیادت کے واسطے گئے حضرت قاری صاحب" شیخ الحدیث" سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت شیخ الحدیث" بھی قاری صاحب پر بہت شفقت فرماتے۔ چونکہ حضرت شیخ الحدیث" تبلیغی جماعت کے امیر تھے لہٰذا رائے ونڈ کے اجتماع کے موقع پر جب حضرت شیخ الحدیث" تشریف لاتے تو قاری صاحب" ملاقات کرنے ضرور جاتے۔ باہر کھڑے ہو جاتے اور کسی آدمی کے ذریعہ اندر اطلاع کرواتے اور اذن باریابی چاہتے کہ حضرت جی کو اطلاع فرمائیں کہ اظہار آیا ہے باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔ حضرت شیخ الحدیث فوراً قاری صاحب کو بلوا لیتے۔ پاکستان آجانے کے بعد قاری صاجب کی حضرت شیخ الحدیث صاحب" سے خط وکتابت چلتی رہی یہ خط وکتابت کا سلسلہ زمانہ طالب علمی سے شروع ہوا تھا۔ میں نے قاری صاحب کے سامان میں حضرت شیخ الحدیث" کے خطوط کی زیارت کی ہے۔ افادہ عام کے لئے سوانح میں یہ خطوط شامل کئے جا رہے ہیں۔

قیام تھانہ بھون کے لکھے گئے خطوط میں قاری صاحب جوابی کارڈ بھی روانہ کرتے تھے اور اس پر اپنا پتہ لکھتے ہوئے صرف نام "اظہار احمد" تحریر کر دیتے لیکن حضرت شیخ الحدیث" کی طرف سے جواب آتا تو نام کے آگے جناب مولوی حافظ کے الفاظ کا اضافہ ہوتا۔

ایک مرتبہ قاری صاحب مجھ سے فرمانے لگے کہ مظاہر العلوم میں پڑھائی کے دوران چار پانچ لڑکوں کا ایک گروہ بنا ہوا تھا۔ ہم نے اپنے کمرے میں ایک اسٹولا کر رکھا ہوا تھا۔ بعض اوقات تھوڑا سا گھی' آٹا وغیرہ صبح یا رات کے وقت ہم لے آتے اور صبح کو بعض اوقات حلوہ بنا کر کھاتے۔ فرماتے ہیں اسی طرح ایک دن صبح کو ہم نے حلوہ بنایا اس کی خوشبو کمرے کے باہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ ایک استاذ صاحب وہاں سے گزرے تو انہوں نے وہ خوشبو محسوس کی۔ دروازہ کھٹکھٹایا ہم تمام لڑکے گھبرا گئے۔ جلدی جلدی چولہا بجھا دیا اور گرم گرم اسٹو پر ایک لڑکے نے اپنا لحاف ڈال دیا اور دیگر اشیاء بھی چھپا دیں اس کے بعد دروازہ کھولا۔ استاذ صاحب نے پوچھا کیا ہو رہا تھا جواباً ہم نے کہا کہ کچھ نہیں۔ استاذ صاحب مسکراتے ہوئے واپس چلے گئے۔ گرم چولہے پر لحاف ڈالنے سے اس لڑکے کا لحاف

جل گیا۔

فرمایا کرتے تھے کہ گھر والوں کے حالات بہتر نہ تھے۔ والد صاحب (حافظ اعجاز احمد تھانویؒ) جلال آباد میں ملازمت کرتے تھے۔ گھر میں اہل و عیال زیادہ تھے مجھے گھر سے کچھ نہیں آتا تھا ہاں والدہ کے خالو جو ریاست بھوپال میں ملازم تھے وہ مجھے پانچ یا دس روپے کبھی کبھار دیا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ میں دیکھتا تھا کہ عام لڑکوں کو گھروں سے خوب پیسے آتے ہیں اور اس رقم پر وہ خوب عیش کرتے ہیں۔ چونکہ مدرسے کی طرف سے رات کو کھانا ملا کرتا تھا صبح کا ناشتہ نہیں ملتا تھا اس لئے میں رات کے اپنے کھانے میں سے ایک روٹی بچا لیا کرتا تھا اور صبح کو اٹھ کر کمرے میں چائے بنائی اور اس چائے سے روٹی کھائی اور پڑھنے چلا جاتا تھا۔ قاری صاحب کو باسی روٹی کا شوق عمر بھر رہا گھر میں صبح کو مسجد سے واپسی ہوتی تو ناشتہ وغیرہ ہماری والدہ لا کر سامنے رکھتیں تو فرماتے یہ اٹھا لو مجھے تو رات کی باسی روٹی گرم کر دو اور رات کا بچا ہوا سالن دے دو۔ اگر سالن بچا ہوا نہ ہوتا تو ہرا دھنیا' پیاز اور مرچیں پیس کر چٹنی بنا لیتے اور اس سے وہ رات کی روٹی تناول کر لیتے۔ ہماری بڑی پھوپھی (حضرت قاری صاحبؒ کی بڑی بہن) فرماتی ہیں کہ مظاہر العلوم میں پڑھائی کے دوران جب بھی گھر واپس آتے تو بہن بھائیوں کے لئے ضرور کچھ کھانے پینے کی اشیاء لے کر آتے۔

یہ بھی بتاتی ہیں کہ مظاہر العلوم سے گھر آتے گرمیوں کی راتیں ہوتیں اوپر چھت پر قاری صاحب کے لئے بستر کر دیا جاتا۔ رات کے پچھلے پہر میں کسی بہن بھائی یا والدہ کی آنکھ کھلتی تو بستر خالی ہوتا۔ تلاش کی جاتی تو چھت کے کسی کونے میں مصلے پر ہوتے۔

ایک مرتبہ قاری صاحب نے دوران مظاہر العلوم کا واقعہ سنایا کہ مدرسے کا قانون تھا کہ طلباء کسی قسم کی بھی سیاسی سرگرمیوں میں ملوث نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں ہمیں معلوم ہوا کہ سہارنپور میں کانگریس کا ایک بہت بڑا جلسہ ہو رہا ہے جس میں جواہر لعل نہرو نے بھی آنا تھا مدرسے کے لڑکوں نے پروگرام بنایا کہ رات کو جلسہ سنا جائے بہت سارے لڑکے رات کو عشاء کی نماز کے بعد جلسے میں پہنچ گئے۔ اتفاق سے مہتمم صاحب کو کسی طرح خبر ہو گئی اب جو جلسہ سن کر مدرسے واپس پہنچے تو انہوں نے گیٹ بند کروا دیا اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہ ملی اب تو ہم بہت گھبرائے بہت منت سماجت کی۔ سورج نکلنے کے کافی دیر بعد ہمیں اندر آنے کی اجازت ملی مہتمم صاحب نے خوب جھاڑا۔ اس کے بعد ہم کبھی کسی سیاسی جلسے میں شریک نہ ہوئے۔

فن کتابت سے لگاؤ

ایک مرتبہ راقم الحروف کی چھوٹی بہن کو سکول میں اس کی استانی نے کہا کہ دو چارٹوں پر سورتیں لکھوا کر لے

آو۔ اتفاقاً کوئی کاتب دستیاب نہ ہوا۔ قاری صاحب نے دو چارٹ مجھ سے منگوائے اور اس قدر خوبصورت لکھ کر دیئے جیسے کوئی ماہر کاتب نے لکھے ہوں۔ میں نے قاری صاحب سے لکھے ہوئے چارٹوں کی تعریف کی تو فرمانے لگے۔ زمانہ طالبعلمی میں (دوران مظاہر العلوم) میں نے کتابت کی طرف بہت توجہ دی۔ خوشخطی کی ابتدائی تربیت تو میں امدادا العلوم تھانہ بھون میں ہی لے چکا تھا۔ میرا یہ شوق بڑھتا گیا اور مشق سے اس حد تک ہاتھ صاف ہوا کہ لیتھو پیپر والے کاغذ پر کتابت کرنے لگ گیا۔ جو بھی میری کتابت دیکھتا تعریف کرتا۔ دھلی سے ایک مشہور کاتب صاحب سہارنپور آئے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کو اپنی تحریر شدہ اشیاء دکھائی تو انہوں نے پسند کی میں نے ان کاتب صاحب سے کہا کہ جناب آپ اگر کچھ وقت نکال کر میرے لکھے ہوئے کی اصلاح فرما دیا کریں تو نوازش ہوگی۔ انہوں نے کہا بصد شوق آجایا کریں۔ زمانہ مظاہر العلوم میں یہ شغل جاری رہا پاکستان بننے سے ایک ڈیڑھ مہینہ قبل جب مدرسہ سے سند فراغ ملی تو یہ شوق بھی ختم ہوگیا۔

حضرت قاری صاحبؒ حضرت نفیس شاہ صاحب دامت برکاتھم کی کتابت کے بہت مداح تھے۔ فرماتے تھے یہ ہندوپاک میں کاتبوں کے بادشاہ ہیں۔ اکثر اپنی کتب کے ٹائٹل بھی حضرت شاہ صاحب دامت برکاتھم سے لکھوائے ہیں۔

پچھلے دو سالوں سے جناب شیر زمان صاحب کاتب بھی کتب کے ٹائٹل لکھ رہے تھے۔ حضرت قاری صاحب ان کے حسن خط کی بھی بہت تعریف فرماتے البدور الزاہرہ اور توضیح المرام کے ٹائٹل شیر زمان صاحب سے لکھوا کر راقم الحروف نے قاری صاحب کی خدمت میں پیش کیے تو کلمہ تحسین کہا اور بہت تعریف فرمائی۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے ہماری یونیورسٹی میں علوم قراءت کے مصری استاذ فضیلۃ الشیخ عبدالحی احمد زہران صاحب بہت کمال کے کاتب ہیں۔ یونیورسٹی شروع ہوئی تھی ایک ملاقات میں ہم دونوں باتیں کر رہے تھے میرے سے پوچھنے لگے ''شیخ اظہار پاکستان میں اچھے کاتب کون کون سے ہیں'' میں نے یوسف سدیدیؒ سید نفیس شاہ صاحب وغیرہم کا نام لیا۔ پھر جب الحواشی المفہمہ کا ٹائٹل بنا اور کتاب چھپی تو میں نے ایک کتاب لے جا کر زہران صاحب کو دی اور ٹائٹل کے متعلق بتایا کہ یہ حضرت شاہ صاحب کا تحریر کردہ ہے تو بہت تعریف کی اور کہنے لگے بہت ہی نادر لکھتے ہیں۔

فرماتے تھے عموماً کسی خالی کلاس روم سے گزرتے تو تختہ سیاہ پر نہایت خوبصورت بسم اللہ یا کوئی قرآنی آیت لکھی ہوتی۔ میں فوراً سمجھ جاتا کہ یہاں عبدالحیٔ زہران صاحب نے کلاس لی ہے۔

کتابت سے متعلق گفتگو ہوتے ہوتے بات کہاں سے کہاں آن پہنچی۔ بہرحال پھر پلٹتا ہوں قاری صاحب کے دوران مظاہر العلوم کے حالات کی طرف ہماری دادی جان بتاتی ہیں کہ میں نے اظہار میاں کے لئے مظاہر العلوم میں پڑھائی کے دوران کرتا سیا۔ کپڑا تھوڑا تھا اس وجہ سے کرتے کی آستین چھوٹی رہ گئی یہ کمی پوری کرنے کے لئے

آستینوں پر میں نے کپڑے کی گوٹ لگا دی۔ قاری صاحب نے سہارنپور واپس آکر مدرسے میں وہ کرتا زیب تن کیا۔ دوران سبق ایک استاذ نے کرتے کی آستین دیکھ لی مسکرا کر دریافت فرمایا۔ اظہار یہ کیا۔ عرض کیا کہ حضرت والدہ نے کرتا سیا تھا وہ آستینوں پر سے کپڑا کم ہونے کی وجہ سے چھوٹا پڑ گیا تو یہ کپڑے کی گوٹ لگا دی۔ استاذ صاحب نے فرمایا۔ یہی کام کسی امیر آدمی نے کیا ہوتا تو فیشن میں داخل ہو جاتا۔

حضرت کو برص کب اور کیسے ہوئی؟

برص کی بیماری حضرت قاری صاحب کو کب ہوئی۔ اس سلسلے کا واقعہ قبلہ دادی جان محترمہ سناتی ہیں کہ یہ حضرت حکیم الامت کی حیات میں ہی حضرت کو ہوگئی تھی۔ دادی جان بتاتی ہیں کہ میں ایک دفعہ روٹی پکا رہی تھی تو میرے نزدیک ہی روٹی کھانے کے لئے اظہار میاں آکر بیٹھے۔ اکڑوں بیٹھ کر اپنے پاؤں پر ہاتھ پھیرنے لگے میں نے پوچھا کیا ہوا ہے۔ قاری صاحب نے کہا یہ پیر پر سفید نشان چھوٹا سا ہو گیا ہے۔ والدہ نے کہا تم نے یہاں خارش کی ہوگی اس کی وجہ سے زخم بن گیا اب کھرنڈ اترا ہے تو یہ نشان رہ گیا ہے۔ بات آئی گئی ہوگئی لیکن کچھ ماہ کے بعد وہ نشان پھیلنے لگا۔ قاری صاحب کے والدین دونوں بہت پریشان ہوئے طرح طرح کے علاج معالجے شروع ہوئے قاری صاحب اس بیماری کی وجہ سے بہت ملول رہنے لگ گئے کھانا پینا بھی چھوٹ گیا یہ حالت دیکھ کر قاری صاحب کی والدہ انہیں حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں لے گئیں۔ حضرت نے بہت ہی شفیقانہ طرز سے قاری صاحب کو سمجھایا۔ بہت دیر تک حضرت حکیم الامتؒ قاری صاحبؒ کو سمجھاتے رہے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی پند و نصائح قاری صاحب کے دل میں گھر کر گئے اور پھر کبھی اس بیماری کا خیال دل میں نہ لائے۔

قاری خالد محمود صاحب بیان کرتے ہیں کہ ہم نے حضرت قاری صاحب سے برص کی بیماری کے متعلق پوچھا تھا کہ حضرت آپ کو یہ بیماری کس طرح ہوئی تھی تو قاری صاحب نے جواباً فرمایا تھا بھئی میں بچپن میں کھٹی چیزیں املی، اچار اور کچے آم وغیرہ بہت کھاتا تھا شاید یہ اس کا اثر ہے۔

زمانہ طالب علمی جو کہ مدرسہ مظاہر العلوم میں گزرا وہ واقعات جو کہ میرے ذہن میں ہیں یا اور لوگوں سے سنے ہیں یہاں پہنچ کر ختم ہوتے ہیں۔ کچھ واقعات مثلاً حضرت قاری صاحب کا قیام تھانہ بھون میں حضرت امام القراء مولانا عبدالمالک صاحبؒ سے پہلی ملاقات اور دوران مظاہر العلوم جامع مسجد سہارنپور میں حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سے ملاقات مشق وغیرہ اور حضرت قاری صاحب کا مظاہر العلوم میں شعبہ قراءت میں داخلہ نہ لینے کے اسباب و واقعات انشاء اللہ قاری صاحب کے حضرت امام القراءت قاری عبدالمالک صاحب کے ساتھ تعلقات و شرف تلمذ طے کرنے میں بیان کروں گا۔

قیام پاکستان و ہجرت

مظاہر العلوم سے فراغت شعبان کے مہینے میں ہوئی۔ اس سے پہلے تراویح میں چار مرتبہ قرآن سنا چکے تھے۔ پانچویں مرتبہ جب قرآن سنا رہے تھے تو یہ وہ دن تھے جب قیام پاکستان کے لئے سرکاری طور پر اعلان ہو چکا تھا کہ ۱۴ ۔ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بن جائے گا۔ پورے ہندوستان کی فضا میں خوف و ہراس کی لہر پھیلی ہوئی تھی' اور جگہ جگہ ہندو مسلم فسادات زوروں پر تھے۔ ان حالات میں رمضان کی تراویح میں قرآن شریف سنایا۔ فرماتے تھے کہ چونکہ فسادات زوروں پر تھے اس لئے احتیاطاً مسلمان جب نماز کے لئے آتے تو اپنے ہمراہ' لاٹھی' لکڑی کے ڈنڈے یا سریئے وغیرہ لے کے آتے تھے جو مسجد کے صحن کے ایک کونے میں ڈھیر لگا دیا جاتا۔ تاکہ اگر خدانخواستہ ہندوؤں کا حملہ ہو جائے تو کچھ مقابلہ کیا جا سکے۔ رمضان کی ۲۷ ویں شب کو پاکستان بننے کا اعلان ہوا۔ ایک صاحب اپنا ریڈیو مسجد میں لے آئے تراویح سے فارغ ہو کر ہم لوگ بیٹھے رہے جب پاکستان بننے کا اعلان ہوا تو تمام لوگوں نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا۔

تحریک پاکستان کے دوران قاری صاحب فرماتے ہیں ہم بھی خوب نعرے لگاتے کہ "لے کے رہیں گے پاکستان بن کے رہے گا پاکستان" وغیرہ وغیرہ۔ ہم محلے کے تمام لڑکوں کا ایک گروپ بنا ہوا تھا جو پورے تھانہ بھون قصبے کی گلیوں' بازاروں اور محلوں میں پھرتا اور پاکستان کے حصول سے متعلق نعرے لگاتا۔ فرماتے تھے کہ ہم لوگ اس قدر چیختے تھے کہ گلا بیٹھ جاتا اور آواز نہ نکلتی ان حالات میں روزمرہ کی اشیاء خوردونوش بہت مہنگی ہوتی چلی گئی گھر کے مالی حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچنے لگی کہ گھر کے سامان کو بیچنے کے متعلق سوچنے لگے۔ دادی جان محترمہ بتاتی ہیں کہ گھر کا سامان خریدنے کے لئے ہندو آتے وہ سامان کی اس قدر کم قیمت لگاتے تھے کہ مجبوراً انکار کرنا پڑتا۔ انکار کا لفظ سن کر وہ کہتے ہاں ہاں بالکل نہ بیچو اب تو ویسے بھی ہمیں یہ مفت ہی مل جائے گا جب تم لوگ یہ سامان چھوڑ کر پاکستان چلے جاؤ گے۔

یہ حالات دیکھ کر قاری صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا چلو بڑے بھائی حافظ افتخار احمد تھانوی صاحب سے جو کہ ان دنوں بغرض ملازمت دہلی میں مقیم تھے کچھ رقم جا کر لے آتا ہوں۔ تھانہ بھون سے سہارنپور تک چھوٹی لائن والی ٹرین چلا کرتی تھی اور اس کے بعد سہارنپور سے دھلی کی گاڑی ملا کرتی تھی میں سہارنپور پہنچا تو دہلی جانے والی ٹرین چل پڑی تھی میں بھاگ کر ایک ڈبے میں چڑھ گیا۔ ڈبے میں چڑھ تو گیا لیکن تھوڑی دیر کے بعد ڈبے میں نظر دوڑائی تو پورا ڈبہ سکھوں سے بھرا ہوا تھا کوئی بھی مسلمان اس ڈبے میں نظر نہ آیا۔ آہستہ آہستہ انہیں بھی پتہ چل گیا کہ ایک مسلمان لڑکا ان کے ڈبے میں چڑھ آیا ہے تیور بگڑنے شروع ہوئے کچھ فقرے بھی میرے کانوں میں پڑے "مسلا لگدا اے" وغیرہ وغیرہ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتے ہمارے ایک رشتے دار جو ریلوے میں پولیس میں ملازم تھے اس ڈبے میں نمودار ہوئے اور میرے قریب آکر کھڑے ہوگئے مجھ سے حال چال پوچھا۔ پولیس مین کو دیکھ کر سکھوں کا جوش ماند پڑ گیا۔ اگلے اسٹیشن پر گاڑی رکی تو وہ مجھے اپنے ہمراہ لے کے نیچے اتر گئے اور ایک ایسے ڈبے

میں سوار کرا دیا جس میں مسلمان بیٹھے ہوئے تھے اور اس کے ساتھ مجھے ڈانٹ بھی پلائی کہ ایسے ڈبے میں کیوں چڑھ گئے جس میں سکھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے کہا کہ ٹرین چل پڑی تھی دوڑ کر ٹرین پر چڑھا نزدیکی جو بھی ڈبہ تھا اس میں بیٹھ گیا۔ انہوں نے کہا میں نے تمہیں اس ڈبے میں چڑھتے ہوئے دیکھ لیا تھا چلتی ٹرین میں ڈبوں کے اندر ہی اندر ہوتا ہوا اس ڈبے میں پہنچا تھا۔ معلوم نہیں اگر وہ نہ پہنچتے تو کیا ہوتا۔

قاری صاحب فرماتے تھے کہ مظاہر العلوم سے سند فراغ لی ہی تھی کہ مجھے ڈابھیل میں قائم مدرسے کی مدرسی کی پیش کش ہوئی میں نے ان سے کہا کہ رمضان المبارک کا عرصہ تھانہ بھون میں گزار کر میں عید کے بعد آپ کے یہاں پہنچ جاؤں گا۔ اس عرصے میں پاکستان بن گیا حالات خراب سے خراب ہوتے چلے گئے مسلمانوں کا قتل عام شروع ہوگیا یوپی سے گزر کر بمبئی کے نزدیکی علاقے ڈابھیل میں جانا گویا آگ کو عبور کر کے جانے کے مترادف تھا۔ گھر والوں نے بالکل اجازت نہ دی۔ اب میرا ارادہ یہ بنا کہ میں یہاں تھانہ بھون سے پہلے لاہور پہنچوں پھر وہاں سے کراچی اور کراچی سے بحری جہاز کے ذریعے بمبئی جاؤں اور بمبئی سے ڈابھیل۔ پروگرام یہ بھی بنا کہ چھوٹی بہن کو ساتھ لے لوں گا تاکہ گھرداری کے معاملات میں آسانی رہے۔

۱۴۔ اگست ۱۹۹۱ء کی رات کو میں نے بات چھیڑ دی کہ ابو جی آپ ہندوستان سے کب اور کیسے ہجرت کر کے آئے تھے اس سے پہلے بھی بارہا حضرت کی زبانی میں یہ واقعات سن چکا تھا لیکن حضرت کی یہ خاص خوبی تھی کہ ان سے کوئی بات مکرر سہ کرر بھی سنی جاتی تو ان کا طرز بیان اس قدر دلچسپ ہوتا کہ اس میں دلچسپی برقرار رہتی تھی۔ اور دہرائے ہوئے واقعات بھی حضرت سے بار بار سننے کو دل کرتا تھا۔ لیکن اس ۱۴۔ اگست کی رات کو کافی تفصیل سے مجھے اس ہجرت کے متعلق بتایا اور تاریخیں وغیرہ بھی بتائیں۔

فرماتے تھے کہ گھر سے ۲۹ ستمبر کی دوپہر کو ہم لوگ نکلے ہم تینوں نے سامان وغیرہ اٹھا رکھا تھا حضرت مولانا حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے برادر اصغر جناب مظہر علی کے گھر کے قریب سے گزرے تو وہ دوسری منزل کے کمرے میں آرام فرما رہے تھے کھڑکی کھلی ہوئی تھی ہمیں جاتے دیکھا تو آواز دی اور فرمایا اظہار پاکستان جا رہے ہو کیا؟ میں نے جواباً کہا نہیں جی بہن اور بہنوئی کو اسٹیشن چھوڑنے جا رہا ہوں یہ لوگ پاکستان جا رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں تم بالکل پاکستان مت جانا۔ قاری صاحب فرمایا کرتے تھے یہ جھوٹ جو میں نے ان سے بولا اس کا ساری زندگی مجھے قلق رہے گا اور دل ہی دل میں اس وقت بھی شرمندہ ہوتا رہا۔ (لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو حضرت قاری صاحب نے ان سے غلط نہیں کہا کیونکہ حضرت کا پروگرام یہی تھا کہ لاہور' کراچی اور بمبئی ہوتا ہوا ڈابھیل چلا جاؤں گا۔ اور حضرت کا ارادہ بھی یہی تھا جو کہ لاہور میں بقول حضرت قاری صاحب بمشکل بعض رشتے داروں نے ترک کروایا)

۲۹۔ ستمبر کے چلے ہوئے یکم اکتوبر ۱۹۴۷ء کو جالندھر پہنچے۔ اس کے بعد جالندھر کیمپ میں منتقل ہوگئے۔ جالندھر میں چونکہ حالات سازگار نہ تھے اور سکھوں کی اکثریت تھی اس وجہ سے کیمپ سے باہر نکلنے کی بالکل اجازت

ازدواجی زندگی

حضرت قاری صاحب کے گھر والے جب لاہور میں مکمل طور پر سیٹ ہوگئے تو حضرت کی شادی کی گھر والوں کو فکر ہوئی۔ رشتے داروں میں سے ہی ایک خاتون نے مظفر نگر (یوپی) کی ایک مہاجر خاندان کی لڑکی کا ذکر کیا کہ ان کی بڑی لڑکی اچھی، سگھڑ، نیک اور سلیقہ شعار ہیں۔ یہ باتیں سن کر حضرت قاری صاحب کی والدہ اور وہ خاتون جس نے رشتے کی بابت بتلایا تھا گئیں اور (ہمارے نانا) علی احمد صاحبؒ سے رشتے کی بات چلائی۔ رشتے کی بات سن کر علی احمد صاحب نے دس پندرہ منٹ کی اجازت لی اور کہا کہ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں آپ میرا انتظار فرمائیں۔ نابھا روڈ پر ان کی رہائش تھی۔ وہاں سے نکلے اور سیدھے مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ پہنچے۔ اس وقت حضرت قاری صاحبؒ اپنے کمرے میں بیٹھے پڑھا رہے تھے۔ ہمارے نانا علی احمد صاحبؒ نے حضرت قاری صاحب کو ایک نظر دیکھا اور واپس پلٹ کر گھر آگئے اور ہماری دادی جان کو کہا کہ مجھے رشتہ منظور ہے۔ دادی جان اور وہ خاتون خوشی خوشی گھر واپس آئے۔ شام کو حضرت قاری صاحبؒ مدرسے سے تشریف لائے تو انہیں مطلع کیا گیا کہ آپ کا رشتہ طے کر دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح نہایت خاموشی اور سادگی سے شادی ہوئی۔ حضرت قاری صاحب نے سفید کرتا، پاجامہ اور اچکن پہنی اور اوپر ھلکے گلابی رنگ کا صافہ حضرت کے بڑے بہنوئی انعام الٰہی صاحب نے باندھا۔ حضرت قاری صاحب کا نکاح حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحبؒ نے پڑھایا۔

حضرت کی اولاد

حضرت کی شادی کے بعد ۱۹۵۶ء میں ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام احمد ندیم رکھا۔ لیکن وہ چودہ دن کے بعد وفات پا گیا۔ ۱۹۵۷ء میں دوسرے صاحبزادے بختیار احمد پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۹ء میں عمار احمد، ۱۹۶۱ء میں عمیر احمد، ۱۹۶۳ء میں عزیر احمد (راقم الحروف) ۱۹۶۶ء میں نجم الصبیح، ۱۹۶۸ء میں حضرت قاری صاحب کی پہلی لڑکی تولد ہوئی اور ۱۹۷۴ء میں دوسری لڑکی۔ اس طرح حضرت قاری صاحب کے چھ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن میں سے ماشاء اللہ پانچ صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں حیات ہیں۔

متفرق واقعات

۱۹۵۱ء میں شہید ملت خان لیاقت علی خان پہلے وزیراعظم پاکستان کی شہادت ہوئی اس زمانے میں قاری صاحب روزنامہ "انقلاب" میں کام کرتے تھے۔ قاری صاحب فرماتے ہیں کہ جب مجھے شہادت کی خبر ریڈیو سے معلوم ہوئی تو

اکتوبر کی شام کو جالندھر سے چلنے والی ٹرین ۱۳۔ اکتوبر کی شام کو لاہور پہنچی بعد میں لوگوں نے بتایا کہ تین چار دنوں کے بعد یہ پہلی ٹرین ہے جو لاہور پہنچی' نہیں تو اس سے قبل بہت سی ٹرینیں امرتسر اور اس سے پہلے ہی مسافروں سمیت کٹتی رہیں۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا رہا کہ کسی بدنصیب ٹرین کا کوئی بھی مسافر زندہ بچ کر پاکستان نہ پہنچ پاتا۔

لاہور آمد اور تنگی و عسر کے حالات

لاہور ریلوے اسٹیشن سے دھوبی منڈی پرانی انار کلی آئے رہائش کے لئے ایک کمرہ ملا جو کہ اس عمارت کا باورچی خانہ تھا یہ بھی بیس روپے ماہانہ کرائے کا ملا۔ رات کا ٹائم ہوگیا تھا زمین پر ہی بستر کر لئے گئے اور رات کو زمین پر ہی سوئے۔ دو تین دن تک تنور سے روٹی منگوا کر کھاتے رہے۔ تین چار دنوں تک حضرت قاری صاحب روزگار کے لئے پھرتے رہے آخر ایک ٹیوشن چالیس روپے ماہوار کی کمرے کے مالک کے گھر میں ہی مل گئی طے یہ ہوا کہ اس میں سے بیس روپے وہ کرایہ کمرہ کاٹ لے گا اور بقایا بیس روپے حضرت قاری صاحب کو ادا کئے جائیں گے۔ گھر آکر خوشی خوشی بہن کو بتایا کہ مجھے اس طرح ٹیوشن مل گئی ہے میں ایڈوانس پیسے لے آیا ہوں سودا سلف اس سے ڈلوا لو۔ اسی اثنا میں قاری صاحب کے بہنوئی جو کہ فوج میں ملازم تھے اپنی ڈیوٹی پر چلے گئے ان دنوں میں گھر کا خرچہ چلانا اور وہ بھی صرف بیس روپے میں بہت مشکل تھا حضرت قاری صاحب ٹولنٹن مارکیٹ سے مرغیوں کے پنجے لے آتے اور اس کا سالن بنا کر گزارا کر لیتے۔

اسی اثنا میں حضرت قاری صاحب کا حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ جامعہ اشرفیہ کے پاس نیلا گنبد جانا ہوا تو ان سے گھر کی عدم دستیابی کا ذکر کیا۔ حضرت مفتی صاحب نے شفقت فرمائے ہوئے مقدس مسجد دھوبی منڈی کے نزدیک ایک بلڈنگ کی چابی حضرت قاری صاحب کو عنایت فرمائی۔ چابی لے کر حضرت قاری صاحب نے بہن کو ساتھ لیا تالا کھولا بلڈنگ کافی بڑی تھی لیکن کاٹھ کباڑ اور گندگی بہت۔ تقسیم کے زمانہ میں لوگ بول و براز کرتے رہے تھے اس وجہ سے بدبو اور تعفن انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

بہن نے کچھ جگہ ٹھکانہ بنانے کی غرض سے دھوئی دھلائی سب سے اوپر کی منزل کا ایک کمرہ' برآمدہ اور صحن صاف کیا اور حضرت قاری صاحب کے لئے دوسری منزل پر ایک کمرہ صاف کیا گیا۔ بعد ازاں یہ کمرہ گویا حضرت قاری صاحب کے لئے بیٹھک اور دارالمطالعہ کا کام دیتا رہا۔ یہاں خوب محفلیں جمع کرتی۔ لوگوں کی آمدورفت خوب رہتی۔ چاہے شربت اور دیگر لوازمات سے خاطر تواضع ہوتی رہتی۔ یعنی اچھی خاصی علمی و ادبی مقام کی حیثیت یہ کمرہ اختیار کر گیا۔ ہماری والدہ محترمہ بتاتی ہیں کہ یہاں پر ہی حضرت مولانا عبدالوہاب مکی صاحب تشریف لاتے' قاری صدیق صاحب لکھنوی دامت برکاتھم اور دوسرے معززین بلکہ بارہا حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب رحمتہ اللہ علیہ تشریف لاتے اور اکثر حضرت کے اپنے تلامذہ بھی حاضر ہوتے۔ حضرت قاری صاحب نے شروع اوائل میں ہی مفتی

محمد حسن صاحبؒ کے ارشاد فرمانے پر جامعہ اشرفیہ میں تدریسی کام کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ مقدس مسجد دھوبی منڈی پرانی انارکلی میں امامت و خطابت کے فرائض بھی سنبھال لئے تھے۔

لاہور آجانے کے بعد بھی حضرت قاری صاحب کا ڈابھیل جانے کا ارادہ مصمم تھا۔ لیکن جب رشتے داروں اور عزیزوں کو اس بات کا علم ہوا تو انہوں نے اس فیصلے کی مخالفت کی کہ ہندوستان واپس نہ جایا جائے۔ حضرت قاری صاحب ہمیں عموماً بتایا کرتے تھے کہ حاجی شوکت صاحب (سرپرست دارالعلوم اسلامیہ) کے والد (جو کہ دارالعلوم اسلامیہ کے بانیوں میں سے ہیں) نے ڈابھیل جانے کا سنا تو کہا۔ پاگل ہوگئے ہو لوگ تو وہاں سے آرہے ہیں تم الٹا واپس جانا چاہتے ہو۔ آخر رشتہ داروں اور دوسرے لوگوں کے پیہم اصرار کے باعث حضرت قاری صاحب نے ڈابھیل جانے کا ارادہ ترک فرما دیا۔

صحافتی زندگی

روزنامہ انقلاب مولانا عبدالمجید سالک صاحب مرحومؒ کی زیر سرکردگی لاہور سے نکلا کرتا تھا۔ اس کے علاوہ بابائے صحافت مولانا ظفر علی خان صاحب مرحومؒ بھی اپنا روزنامہ زمیندار لاہور سے ہی نکالتے تھے۔ روزنامہ زمیندار کا تو تحریک پاکستان میں بھی بہت اہم کردار رہا تھا۔ حضرت قاری صاحب نے ان دونوں روزناموں میں کام کیا۔ لیکن "زمیندار" میں "انقلاب" کی بہ نسبت کام کم کیا۔ حضرت قاری صاحب کی صحافتی زندگی کھل کر روزنامہ "انقلاب" میں ہی سامنے آئی۔ ۱۹۴۹ء میں حضرت قاری صاحب بہ حیثیت پروف ریڈر روزنامہ انقلاب میں وارد ہوئے۔ حضرت قاری صاحب کی علمی قابلیت جب مولانا عبدالمجید سالک صاحبؒ پر کھلی تو انہوں نے کہا آپ لکھا کریں۔ حضرت قاری صاحب نے کوئی عذر وغیرہ کیا تو کہنے لگے آپ مضمون لکھ کر لائیں میں اصلاح کر دیا کروں گا۔ قاری صاحب فرماتے تھے میں ایک مضمون لکھ کر لے کے گیا سالک صاحب نے دیکھا معمولی سا الفاظ کا ردوبدل کیا اور کہا آپ تو بہت اچھا لکھ لیتے ہیں ضرور لکھا کریں۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب کی صحافتی زندگی کی مصروفیات اس قدر بڑھیں کہ روزنامہ انقلاب کے سنڈے ایڈیشن کے انچارج ایڈیٹر کے عہدے پر کافی عرصہ کام کرتے رہے۔

حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ سالک صاحبؒ اور مولانا غلام رسول مہر صاحبؒ پہلے اکٹھے کام کرتے تھے لیکن بعد میں مولانا غلام رسول مہر صاحب علیحدہ ہوگئے اور اپنا الگ اخبار نکالنا شروع کر دیا۔ دونوں حضرات اپنے اپنے اخبارات میں مستقل کالم تحریر کیا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے پر خوب چوٹیں کرتے لیکن یہ تمام ابحاث اخلاق اور شائستگی کی حدود سے باہر نہ نکل پاتی۔ دونوں حضرات کے کالم بہت ہی عمدہ اور معیاری صحافتی نمونے ہوتے جن کو پڑھ کر قارئین بھی محظوظ ہوتے۔ اس کالمی نوک جھونک کے باوجود اس کو کبھی ذاتی دشمنی یا عداوت کا ذریعہ نہ بنایا بلکہ جب بھی آپس میں ملتے تو بہت محبت اور اخلاق سے ملا کرتے اور ایک دوسرے کا ذکر بھی احترام سے کرتے۔ قاری

صاحب فرمایا کرتے تھے کہ صحافیانہ زندگی میں میرے استاذ جناب مولانا عبدالمجید سالک صاحب مرحومؒ تھے۔ حضرت قاری صاحب اعلیٰ شاعرانہ ذوق بھی رکھتے تھے۔ عموماً فی البدیہ اشعار کہہ لیا کرتے۔ ایک نظم روزنامہ انقلاب میں شائع ہوئی جس کے بعض اشعار پر گورنمنٹ آف انڈیا نے احتجاج بھی کیا۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی تاریخ وفات عربی اشعار میں کہی جو کہ سوانح حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ مولفہ قاری کرنل فیوض الرحمٰن صاحب میں شامل ہے۔

۱۹۴۹ء میں حضرت قاری صاحب کے بڑے بہنوئی، بہن، چھوٹے بہن بھائی اور والدہ ہجرت کر کے لاہور پہنچے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے والد جناب حافظ اعجاز احمد صاحب تھانویؒ ابھی تھانہ بھون میں ہی قیام پذیر تھے۔ چونکہ حضرت قاری صاحب کی تمام کتب وغیرہ تھانہ بھون ہی رہ گئیں تھیں اس لئے اب بذریعہ ڈاک خط لکھ لکھ کر یہ کتب لاہور منگوانی شروع کی۔ خط میں اپنے والد صاحب کو تحریر کر دیتے کہ فلاں فلاں کتاب روانہ کر دیں اور حضرت قاری صاحب کے والد خط ملنے پر کتب بلٹی کر دیتے۔ ۱۹۵۱ء میں حضرت قاری صاحب کے والد حافظ اعجاز احمد تھانویؒ بھی ہجرت کر کے پاکستان آگئے۔

اس عرصہ میں حضرت قاری صاحب نے ۱۹۵۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۴ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ حضرت قاری صاحب یونیورسٹی اور سٹیل کالج میں کچھ عرصہ پڑھاتے بھی رہے۔ ایک طویل عرصہ تک ایم۔ اے اسلامیات، ایم اے عربی، ایم اے فارسی کے طلباء گھر آکر بھی استفادہ کرتے رہے۔ حضرت کے عربی کے نامور شاگردوں میں خواجہ ازہر عباس صاحب سابقہ ڈائریکٹر محکمہ اوقاف اور مشہور محقق جناب ڈاکٹر محمد ناموس صاحب مرحوم قابل ذکر ہیں۔ خواجہ ازہر عباس صاحب نے بعد میں فارسی ادب میں بھی حضرت قاری صاحب سے استفادہ کیا۔

۱۹۵۲ء میں حضرت قاری سراج صاحبؒ قاری آل احمد صاحبؒ اور حافظ سخاوت علی صاحبؒ (یو پی سوڈا واٹر فیکٹری والے) ان تمام حضرات نے پرانی انارکلی چرچ روڈ پر دارالعلوم اسلامیہ کی بنیاد رکھی۔ حضرت قاری صاحب اس میں عربی کتب کے مدرس مقرر ہوئے اور کئی سال تک پڑھاتے رہے بعد ازاں اسی مدرسے میں ہی حضرت قاری صاحب نے حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے تجوید و قراءت پڑھیں اور پھر بطور مدرس ثانی حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے زیر سرکردگی تجوید و قراءت بھی دارالعلوم ہی میں پڑھاتے رہے۔ اب تک حضرت مولانا اظہار احمد صدیقی تھانوی مظاہری سے لوگ واقف تھے۔ لیکن حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے تحصیل فن تجوید و قراءت کے بعد المقری اظہار احمد تھانویؒ بن گئے۔

اس سے پہلے کہ میں حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے حالات قلمبند کروں ضروری خیال کرتا ہوں کہ حضرت قاری صاحبؒ کی ازدواجی زندگی کا نیز دیگر دوسرے واقعات پہلے ذکر کر دوں۔

نہ تھی۔ روزانہ لاہور جانے والی ٹرین کا انتظار کیا جاتا بس یہی پتہ لگتا کہ آج آرہی ہے کل آرہی ہے۔ ٹرینوں کی عدم دستیابی کی بھی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ٹرین ڈرائیور زیادہ تر ہندو تھے جو پاکستان آنے کو تیار نہ ہوتے تھے۔ خدا خدا کر کے ۱۰۔ اکتوبر کو ایک ٹرین لگی اس میں ایک ڈبے میں بلوچ رجمنٹ کا ایک دستہ بھی لاہور جا رہا تھا یہ وہ فوجی تھے جو کہ انڈیا سے پاکستان منتقل ہو رہے تھے۔ حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ٹرین پر مہاجرین ایسے سوار ہوتے تھے جیسے مکھیاں کسی میٹھی چیز کو چمٹی ہوئی ہوں۔ ڈبوں کے اندر عورتیں اور ڈبے کی چھت پر مرد بیٹھتے۔ رستے میں پڑنے والے اکثر پانی کے ذخائر کو سکھوں نے زہر آلود کر دیا تھا لہٰذا کیمپ سے یہ ہدایات بھی ملیں کہ رستے میں پانی وغیرہ استعمال نہیں کرنا ہے۔ مردوں نے پینے کے پانی کے کنستر بھر بھر کر اوپر چھت پر رکھ لئے تھے۔ ان پانی کے کنستروں کی اوٹ لے کر ہی کسی حملے کی صورت میں بچاؤ بھی کرتے رہے۔ اکتوبر کے مہینے میں راتیں کافی سرد ہو جاتی ہیں۔ اور اس پر مستزاد یہ کہ ٹرین کے اوپر بیٹھ کر سفر۔

گاڑی جب بھی کسی اسٹیشن پر رکتی تو بلوچ رجمنٹ کے جوان فوراً گاڑی سے اتر کے ٹرین کے ساتھ ساتھ ٹہلنا شروع کر دیتے ان کو دیکھ کر سکھ انتہا پسندوں کی ہمت نہ ہوتی کہ وہ ٹرین کے نزدیک آسکتے۔

قاری صاحب فرماتے ہیں کہ ٹرین کی رفتار بہت ہی آہستہ تھی پاکستان آنے والی ٹرین کی پٹڑی کو بھی چونکہ سکھ انتہا پسند ناکارہ بنا رہے تھے اس لئے انجن ڈرائیور بہت ست رفتاری سے چلاتا ہوا لے کر آیا۔

امرتسر سے پہلے ایک اسٹیشن پر اسٹیشن ماسٹر نے ڈرائیور کو مطلع کیا کہ امرتسر ریلوے اسٹیشن پر بہت خطرہ ہے۔ امرتسر شہر میں ویسے بھی ہندو اور سکھ انتہا پسند بہت قتل و غارت گری کر رہے تھے۔ یہ سن کر ڈرائیور نے گاڑی آگے لے جانے سے انکار کر دیا آخر ساتھ چلنے والی بلوچ رجمنٹ کے بعض آفیسرز نے ڈرائیور کو سمجھایا اور دوسرے لوگوں نے بھی ڈرائیور کی منت سماجت کی۔ ٹرین چلی تو فوجیوں نے لوگوں سے کہا کہ امرتسر اسٹیشن پر سے نہایت خاموشی سے گزرنا ہے عورتوں کو بھی کہا گیا کہ وہ خود بھی بالکل چھپ کر بیٹھیں اور بچوں کو بھی خاموش کرا کے رکھیں۔ چھتوں کے اوپر بیٹھے ہوئے لوگوں سے بھی کہا گیا کہ وہ خاموشی سے ٹرین کے اوپر پانی کے کنستروں کے پیچھے چھپ کر بیٹھ جائیں۔ امرتسر شہر میں جب گاڑی داخل ہوئی تو چونکہ ہم چھت پر بیٹھے ہوئے تھے لہٰذا ہم نے دیکھا کہ شہر میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی ہے اور دھوئیں کے بادل اٹھ رہے ہیں ریلوے پلیٹ فارم پر بھی دو ڈھائی ہزار سکھ مسلح گھوم رہے تھے۔ لیکن ٹرین کے ہمراہ فوجی جوانوں کو دیکھ کر ان کی شرارت کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اس طرح آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ٹرین پاکستان کے بارڈر کے نزدیک پہنچی تو لوگوں نے جوش مسرت سے پاکستان زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے جن کو سن کر سکھوں کو اشتعال آیا اور انہوں نے ٹرین پر فائرنگ شروع کر دی بہت سے لوگ جو چھت پر کھڑے ہوئے تھے ان کے گولیاں لگی ہم لوگ فوراً پانی کے کنستروں کے پیچھے چھپ گئے۔ گولیاں ہمارے سروں کے اوپر سے گزرتی رہیں خدا خدا کر کے لاہور آیا۔ تو سب نے کلمہ شکر ادا کیا۔ ۱۰۔

دل کو بہت صدمہ ہوا پریشانی میں گھر سے باہر نکل آیا اور جی پی او سے گزرتا ہوا مال روڈ پر چلتا چلتا چیرنگ کراس تک جا پہنچا دل میں عجیب عجیب خیال آئے اور پاکستان کی سلامتی سے متعلق شکوک و شبہات بھی پیدا ہوئے۔ اسمبلی ہال کے قریب پہنچ کر مجھے خیال آیا کہ میں کدھر جا رہا ہوں اور پھر وہاں سے گھر کو پلٹا۔

ختم نبوت کی تحریک چلی تو حضرت قاری صاحب انارکلی کے علاقے کی کمیٹی کے صدر بنا دیئے گئے۔ حالات کی خرابی کی وجہ سے جنرل اعظم نے لاہور میں مارشل لاء لگا دیا۔ چونکہ تحریک کی قیادت علماء کر رہے تھے۔ اس لئے علماء چھپ کر کسی جگہ اکٹھے ہوتے اور تحریک کا لائحہ عمل مرتب کیا جاتا۔ مارشل لاء کے تحت تحریک میں ملوث علماء اور لیڈروں کو گرفتار کیا جا رہا تھا روز جلسے جلوس نکلتے تھے اور گرفتاریاں بھی عمل میں آتیں۔ ایک رات کو ایک جلوس کی قیادت کرنے میں حضرت قاری صاحبؒ بھی شریک تھے کہ پولیس نے گرفتار کر لیا۔ لیکن حافظ سخاوت علی صاحب سرپرست دارالعلوم اسلامیہ حضرت قاری صاحب کی ضمانت کروا کر لے آئے۔

حضرت قاری صاحب فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ لاہور کے تمام اہم علماء اور لیڈروں کا جو تحریک میں شریک تھے ایک اجلاس مسجد وزیر خان میں ہوا۔ اس خفیہ اجلاس میں میں بھی شریک ہوا۔ ایک مکتب فکر کے مشہور لیڈر اور عالم اس اجلاس میں پیش پیش تھے۔ لیکن ان کی زبان سے اس قدر گندے اور فحش کلمات اس وقت نکل رہے تھے کہ میں حیران بھی ہوا اور مجھے افسوس بھی ہوا میں خاموشی سے اٹھا اور مسجد سے باہر نکل آیا۔ میرے نکلنے کے تھوڑی دیر کے بعد وہاں پولیس کا چھاپہ پڑا اور تحریک کے اہم لیڈر گرفتار کر لئے گئے۔ وہ لیڈر صاحب وہاں سے برقع اوڑھ کر فرار ہوئے داڑھی منڈھائی اور گرفتاری سے بچنے کے لئے کیا کیا نہ کیا لیکن قصور آکر پکڑے گئے۔ حضرت قاری صاحب نے ان صاحب کا نام بھی ذکر کیا تھا دانستہ میں یہاں تحریر کرنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔

حضرت امام القراء سے تلمذ

استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ سے قاری صاحب کی پہلی ملاقات تھانہ بھون میں ہی ہوئی۔ حضرت قاری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحب کی چشم کرم ہم پر بھی وا ہوئی بعض اوقات ہم تین چار لڑکوں کو لے کر قاضی عنایت علی صاحب کے باغ میں چلے جاتے اور وہاں فرداً فرداً ہم سب کو مشق کراتے۔ حضرت قاری صاحب فرماتے تھے میں نے تو جیسے ہی حضرت قاری عبدالمالک صاحب کی دلکش قراءت سنی میں ان کا دیوانہ ہوگیا۔ دل سے یہی آواز نکلتی کہ علم قراءت حاصل کرنا ہے تو حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے ہی پڑھوں گا اور کسی سے نہیں۔ اسی جذبے نے مجھے حضرتؒ کے قدموں میں لا بٹھایا۔

اس کے بعد مدرسہ امداد العلوم سے مزید تحصیل علم کے لئے جب مظاہر العلوم میں داخل ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے برادر اکبر شیخ القراء حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سہارنپور میں مدرسہ تجوید

القرآن میں صدر مدرس ہیں اور اس کے علاوہ جامع مسجد سہارنپور کے خطابت و امامت بھی حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کے سپرد تھی۔ مجھے حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کے متعلق معلوم ہوا تو میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ نے خیر خیریت دریافت کی پوچھا کہاں پڑھتے ہو میں نے عرض کی کہ مظاہر العلوم میں زیر تعلیم ہوں اس کے بعد میں نے عرض کی کہ حضرت آپ مجھے مشق کا وقت دیں میں آپ سے مشق کرنا چاہتا ہوں۔ قاری عبدالخالق صاحب نے جو ٹائم مشق کے واسطے بتایا اس وقت مظاہر العلوم میں بھی کلاس ہوتی تھی۔ میں نے عذر کیا تو حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ نے فجر کی نماز کے بعد کا ٹائم دیا۔ قاری صاحبؒ نے راقم الحروف کو بتایا تھا کہ مدرسے اور حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کی مسجد کے درمیان اتنا فاصلہ تھا جتنا جامع مسجد چوبری کوارٹر سے ملتان روڈ کا۔ بس صبح کو میں نماز سے فراغت کے بعد فوراً بھاگتا ہوا حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ حاضری اس حالت میں ہوتی کہ سانس چڑھا ہوا ہوتا تھوڑی دیر میں سانس صحیح کرتا اس کے بعد حضرت قاری صاحب مشق کرواتے اور مشق کر کے دوبارہ اسی طرح بھاگتا ہوا واپس اپنے اسباق شروع ہونے سے قبل مدرسے پہنچ جاتا۔ حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت قاری عبدالخالق صاحب حجازی لہجہ میں بغیر تکلف کے قرآن شریف پڑھتے۔ عربی لہجوں کے خوب ماہر تھے اور کیوں نہ ہوتے حجاز میں دونوں بھائیوں کا قیام عرصہ سات سال رہا۔ سانس بھی لمبا تھا۔ آیات جو ایک ایک متوسط سانس والا تین چار سانسوں میں پڑھتا ایک ہی سانس میں باسانی پڑھ لیتے۔ ترتیل میں عام طور پر حسینی لہجہ اختیار کرتے۔ آواز میں زیادہ اتار چڑھاؤ روا نہیں رکھتے تھے نہایت واضح اور خوش گلوئی کے ساتھ پڑھتے ہوئے مشق کراتے۔ جب مشق کراتے تو بارہا وقف کرتے ہوئے حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی مشابہت بہت آتی اور اس طرح کے وقف سن کر میں خوب خوش ہوتا اور ہنس ہنس پڑتا۔ وہ ساتھی جو ساتھ مشق کرتے کہتے دیکھو تو اظہار دیوانہ ہوگیا ہے خواہ مخواہ ہنستا رہتا ہے بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ حضرت مشق کرا رہے ہیں اور یہ بعض اوقات خوب مسکراتا ہے۔ میں ان کی باتیں سن کر خاموش ہی رہتا۔ ان کو کیا بتاتا کہ دراصل مجھے حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کے پڑھنے میں حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی جھلک دکھائی پڑتی ہے۔

لطیف پردوں سے تھے نمایاں　　مکین کے جلوے مکان سے پہلے

ایک عرصہ تک حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سے مشق کا معمول رہا حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ ایک دن اسی طرح مشق کر کے بھاگتا ہوا مدرسے پہنچا گیٹ سے اندر داخل ہوا تو ہمارے نسائی اور ابن ماجہ کے استاذ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ مل گئے اس طرح بھاگتے ہوئے مجھے دیکھا اور ساتھ ہی سانس بھی چڑھا ہوا تھا۔ مجھ سے فرمانے لگے یا اللہ خیر آج کیا آفت آگئی جو اس طرح سرپٹ بھاگے چلے آرہے ہو۔ میں نے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ سے عرض کیا میرا تو روز کا معمول ہے کہ اسی طرح بھاگتا ہوا جاتا ہوں حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ

سے مشق کر کے اسی طرح بھاگتا ہوا مدرسے پہنچتا ہوں کیونکہ دورہ حدیث کے اسباق کا ٹائم ہو رہا ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحب نے راقم الحروف کو ایک مرتبہ بتایا کہ مظاہر العلوم میں پڑھائی کے دوران میرا دل چاہا کہ میں تجوید و قراءت بھی پڑھ لوں۔ شعبہ تجوید میں گیا بھی وہاں اس زمانے میں حضرت مولانا قاری سلیمان صاحب دیوبندیؒ پڑھایا کرتے تھے ایک دن ان کے سبق میں حاضر ہوا۔ وہ لڑکوں کو مشق کرا رہے تھے۔ آواز سنی تو خوب موٹی تھی۔ مجھے اس میں کوئی دلکشی اور فرحت محسوس نہ ہوئی بس پھر دوسرے ہی دن میں نہیں گیا۔ حضرت قاری سلیمان دیوبندی صاحبؒ نے ایک دو دفعہ بلایا بھی لیکن میں سنی ان سنی کر گیا۔ کیونکہ میں اس سے قبل حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ اور حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ کے عربی لہجوں کو سن چکا تھا اور وہ جھلک مجھے یہاں نظر نہیں آئی۔ لہٰذا میں دوبارہ ان کے درس میں نہیں گیا۔

قیام پاکستان کے بعد

حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی صاحبؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی صاحبؒ کی کاوشوں سے اندرون سندھ کے علاقے ٹنڈو الہ یار میں دارالعلوم کے نام سے مدرسہ قائم ہوا جس میں بڑے بڑے نامور اساتذہ فن کو رکھا گیا۔ تقسیم کے بعد ہند کے حالات میں بالعموم ابتری پیدا ہوئی اور جس کی وجہ سے لاکھوں مسلمان ہجرت کر کے پاکستان منتقل ہوئے انہی میں بہت سے اجل علماء بھی پاکستان تشریف لے آئے۔ اسی سلسلہ میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ صاحبؒ نے کوشش کی اور امام القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب بھی مدرسہ عالیہ فرقانیہ کو چھوڑ کر دارالعلوم ٹنڈو الہ یار تشریف لے آئے۔ دارالعلوم کا آغاز بہت شاندار طریق پر ہوا لیکن کچھ ہی مہینوں کے بعد مدرسہ ترقی کے اس سلسلے کو برقرار نہ رکھ سکا جو کہ اسے کرنا چاہئے تھی۔ اس سلسلے میں بہت سی وجوہات تھیں جن کا ذکر کرنا یہاں مناسب نہیں۔

ان کٹھن حالات میں نامور علماء اور اساتذہ فن مدرسے کو چھوڑ کر رخصت ہونا شروع ہوگئے۔ بانی دارالعلوم اسلامیہ چرچ روڈ پرانی انارکلی لاہور حضرت قاری سراج صاحب مرحومؒ کے دل میں سمائی کہ دارالعلوم اسلامیہ کو تجوید و قراءت کا مرکز بنایا جائے جس میں منبع فیض حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ کی ذات والا صفات ہو۔ ٹنڈو الہ یار خط و کتابت ہوئی معاملات زیر بحث آئے اور آخر کار قاری سراج صاحب مرحومؒ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کو دارالعلوم اسلامیہ لانے میں کامیاب ہوگئے یہ ۱۹۵۳ء کا سن تھا۔ حضرت کے لئے ایک کمرہ مختص کیا گیا تھوڑے دن میں وہ ناکافی ثابت ہوا یکے بعد دیگرے کمرے خالی ہوتے گئے اور شعبہ تجوید و قراءت پھیلتا گیا۔ اہل لاہور کے تشنگان فن کو اپنی علمی پیاس بجھانے کا ایک سیل رواں میسر آگیا تھا اور لاہور کی فضائیں بھی صحیح تلفظ اور ادائیگی نیز خوبصورت عربی لہجوں سے معمور ہوگئی۔

یہ کدھر سے موج ہوا چلی کہ مزاج وقت بدل گیا
یہ ادہر سے کون گزر گیا کہ فضا میں پھول مہک گئے

حضرت قاری صاحب ان دنوں عربی کتب کے استاذ تھے۔ کہاں تو وہ تھانہ بھون میں دوران حفظ میں مشق کا ذوق و شوق، حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سے انتہائی قلیل وقت میں بھی مشق، حضرت قاری سلیمان دیوبندی صاحبؒ کی کلاس میں داخلہ ہونے کے باوجود نہ پڑھنا۔ اور کہاں یہ عالم کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے نظر بچا کر نکل جانا۔ حضرت قاری صاحب نے راقم الحروف کو بتایا تھا کہ میں سوچتا اب حضرت قاری عبدالمالک صاحب سے تحصیل علم کروں گا تو لوگ کہیں گے لو جی مدرسے کا استاذ اب تحصیل علم کر رہا ہے اس قسم کے بودے خیالات ذہن میں آتے۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا مدرسے میں تیسرا یا چوتھا دن تھا۔ میں اپنے کمرے میں پڑھا رہا تھا۔ دن کے گیارہ بجے کا ٹائم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی آواز آئی۔ تھانوی! میں پکارا حاضر ہوا۔ حضرت کے کمرے میں گیا دو زانو ہو کر بیٹھ گیا۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے فرمایا کچھ سناؤ۔ حکم ملنے پر میں نے سورہ حج کی ابتدائی نو دس آیات تلاوت کیں۔ لیکن حالت یہ کہ آواز گلے میں گھٹ رہی اور جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ تلاوت سننے کے بعد حضرت نے فرمایا کل سے تجوید شروع کرو۔ اور پھر میں نے حضرت الاستاذ کے حکم پر نہ صرف تجوید ہی پڑھی بلکہ قراءت سبع و عشرہ کی بھی تکمیل کی۔ (راقم الحروف اس موقع پر یہ عرض کرتا ہے کہ یہ بھی حضرت قاری عبدالمالک صاحب کی طرف سے ملنے والا ایک اعزاز ہی ہے کہ حکماً" تجوید پڑھنے کو کہا۔ معلوم نہیں حضرت استاذ المحترم نے اس طرح پہلے بھی کسی کو حکم فرمایا یا نہیں۔ بہرحال یہ ایک اعزاز ہی ہے۔ عزیز احمد)

حضرت قاری صاحب اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا ۱۹۵۳ء میں بننے والا تعلق ایسا تھا جو استاذ المحترم کی وفات تک جانثاری کی حدوں تک پہنچا۔ اور ایک دور وہ بھی آیا کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ تجوید سال دوم، سبع اور ثلثہ کو پڑھاتے تھے اور تجوید سال اول کو حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی دامت برکاتھم کے سپرد کر دیا تھا۔ حضرت قاری صاحب اپنے استاذ المکرم کا تذکرہ بہت ہی ادب اور احترام سے کیا کرتے تھے۔ بعض اوقات ہم لوگوں کو حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے چیدہ چیدہ واقعات بھی سنایا کرتے۔ ان میں سے کچھ واقعات نقل کرتا ہوں۔

حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی طبیعت حد درجہ نفیس تھی میں نے ایک بار سنا کہ مٹی کے تیل والے چولہے پر اگر چائے وغیرہ بنا کر حضرت قاری عبدالمالک صاحب کو پیش کی جائے اور ذرا سی بھی بے احتیاطی ہو جائے اور نفاست ملحوظ خاطر نہ رکھی جائے تو حضرت استاذ فوراً بتا دیتے ہیں۔ مجھے کچھ اس بات کا یقین نہ تھا ایک دن حضرت الاستاذ کے لئے چائے بنائی اور پیش کی۔ چائے بناتے ہوئے واللہ اعلم کیا بے

احتیاطی ہوئی ایک گھونٹ لیا اور فوراً فرمایا مٹی کے تیل کی بو آرہی ہے۔ پان کے لئے جو چھالیہ کاٹی جاتی اس میں بھی بہت نفاست برتی جاتی خاص خیال رکھا جاتا کہ چھالیہ کے دانے چھوٹے اور ایک جیسے کاٹے گئے ہوں۔ حضرت الاستاذ نہایت ہی صاف ستھرے کپڑے زیب تن فرماتے خوشبویات کا بھی استعمال فرماتے۔ شعر و شاعری سے بھی شغف رکھتے تھے بلکہ خود اشعار کہا کرتے خلش تخلص فرماتے تھے۔ اہل فن اور ادیب حضرات استاذ المکرم کی خدمت میں عموماً حاضر ہوتے رہتے۔ نامور ادیب اور شعراء کرام لاہور آتے تو حضرت استاذ المکرم سے ضرور ملنے کے لئے آتے۔

ایک دفعہ مشہور مزاح نگار ادیب شوکت تھانوی مرحوم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے ملنے آئے۔ جب واپس جانے لگے تو حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے اپنے صاحبزادوں سے فرمایا بھئی تھانوی صاحب کے جوتے صحیح کر کے رکھو۔ صاحبزدگان اٹھے تو شوکت تھانوی فوراً بولے! نہ نہ صاحب یہ غضب نہ کرنا قاری کے تو صاحبزادے بھی پنجسورے ہوتے ہیں۔ اسی طرح مشہور شاعر حضرت جگر مراد آبادی انڈیا سے تشریف لائے۔ جس زمانے میں حضرت جگر مراد آبادی انڈیا سے حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے پاس تشریف لائے۔ شراب سے نئی نئی توبہ کی تھی لہٰذا چائے کا استعمال بہت کرتے۔ ہر آدھے پونے گھنٹے کے بعد جگر صاحب کے لئے چائے جایا کرتی۔ پان اور چائے کا بھی بہت زور رہتا۔ جگر مراد آبادی صاحب کے لئے شامی کباب اور دیگر کھانے کی اشیاء ہمارے گھر سے بن کر جاتی۔ راقم الحروف کی والدہ محترمہ بتاتی ہیں کہ حضرت قاری صاحبؒ چھ سات کلو قیمہ لاتے اور اس کو پیس کر کباب بنا کر حضرت قاری عبدالمالکؒ صاحب کی خدمت میں روانہ کئے جاتے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کباب کے اوپر کا تلا ہوا حصہ کھا لیتے اور بقایا واپس بھیج دیتے کہ دوبارہ تل کر لاؤ۔

حضرت قاری صاحب اور ہماری والدہ محترمہ دونوں بتایا کرتے تھے کہ جب ہمارے بڑے بھائی بختیار احمد پیدا ہوئے تو حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ تشریف لائے حضرت قاری صاحب نے اپنے صاحبزادے کو لا کر حضرت قاری عبدالمالک صاحب کی گود میں لٹا دیا۔ حضرت الاستاذ نے دعا دی اور ایک روپیہ بھی دیا۔ نیز تاریخ ولادت کے طور پر "مرغوب احمد" کا مادہ ہائے ولادت بھی حضرت نے نکالا۔ حضرت قاری صاحب نے راقم الحروف کو ایک مرتبہ ایک واقعہ سنایا کہ حاجی شوکت صاحب سرپرست دارالعلوم اسلامیہ نے اپنی نئی کوٹھی موڑ سمن آباد پر تعمیر کروائی تھی۔ حاجی شوکت صاحب کے یہاں صاحبزادے کی پیدائش ہوئی اس موقع پر انہوں نے قاری عبدالمالک صاحبؒ کو گھر دعوت کی غرض سے بلایا۔ ان کے ساتھ صاحبزادے حضرت قاری عبدالماجد ذاکر صاحب بھی تشریف لے کر گئے۔ (حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی رہائش حاجی شوکت صاحب کی رہائش کے قریب ہی تھی) حضرت قاری عبدالماجد ذاکر صاحب سو کر اٹھے تھے کہ حضرت الاستاذ ساتھ لے آئے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے ذاکر صاحب کو فرمایا قرآن کی تلاوت کرو۔ قاری ذاکر صاحب نے تلاوت جن آیات کی شروع کی ان کا ترجمہ کچھ اس طرح ہوتا تھا کہ "بے شک تم اپنے گرد اونچے اونچے قلعے بنا لو موت تمہیں وہاں بھی آن پکڑے گی۔" اینما تکونوا

یدرکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدة۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحب نے قاری ذاکر صاحب کو فوراً ٹوک دیا اور کہا یہ آیات نہ پڑھو کوئی اور رکوع تلاوت کرو۔ یہ چیز ہم نے حضرت قاری صاحبؒ میں بھی دیکھی کہ موقع محل کی مناسبت سے آیات تلاوت فرماتے۔ اپنے مدرسے کے ساتھی مولانا بدیع الزماں صاحب کی وفات کے بعد ان کی یاد میں منعقدہ جلسہ میں موقع محل کی مناسبت سے کل نفس ذائقة الموت والا رکوع تلاوت فرمایا۔ مولانا بدیع الزماں صاحبؒ کے صاحبزادے ڈاکٹر عامر نے بتایا کہ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۰ء کو مولانا کا انتقال ہوا اور اس کے ٹھیک ایک سال بعد ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۱ء کو حضرت قاری صاحب کا انتقال ہوا۔

حضرت قاری صاحب فرماتے تھے کہ علوم قراء ت سے متعلق حضرت قاری عبدالمالک صاحب کی گفتگو بہت ہی پر مغز ہوتی۔ بعض اوقات ایسے فنی امور پر بحث فرماتے جس کو سن کر حیرت ہوتی تھی میں نے دل میں ضروری خیال کیا کہ حضرت استاذ المکرم کی ایسی باتوں کو لکھ لیا کروں میں نے اس غرض سے ایک کاپی بنائی جس کا نام فوائد مالکیہ رکھا اس میں حضرت کی ارشاد کردہ باتیں نوٹ کرتا۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے بھی میرا یہ ذوق و شوق دیکھا تو کمال شفقت فرماتے ہوئے عموماً دوران گفتگو روئے سخن میری جانب رکھتے تھے۔ اور فرماتے تھانوی یہ بھی نقل کرلو۔

حضرت قاری صاحب نے ایک واقعہ اور سنایا جو کہ کافی متنازعہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ایک مرتبہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ ثم مہاجر مدنی ایک روز تشریف لائے اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے فرمایا حضرت میں آپ کے سامنے قرآن حکیم کی تلاوت کرتا ہوں آپ دیکھ کر یہ بتائیں کہ میری ادائیگی الفاظ کے دوران چہرے کے تاثرات صحیح رہتے ہیں جہاں آپ اصلاح کی ضرورت محسوس فرمائیں تو میری اصلاح فرما دیں۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے فرمایا بہت اچھا حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ نے تلاوت شروع کی اور جہاں حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے ادائیگی کے دوران چہرے کے تاثرات میں کچھ فرق پایا فوراً اپنی انگلی کو ہولے سے حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کے چہرے پر رکھ کر نشاندھی فرماتے رہے کہ فلاں حرف کی ادائیگی میں آپ کے ہونٹ اس طرح تھے جو نہیں ہونے چاہیے تھے وغیرہ وغیرہ۔ بعد تلاوت حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ نے حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا شکریہ ادا کیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے آج کل فرصت نہیں ہے ورنہ میں آپ سے مزید استفادہ فرماتا۔ اور اس کے بعد حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ وہاں سے رخصت ہوگئے۔ اس واقعے کی تصدیق تو حضرت مولانا قاری محمد صدیق لکھنوی دامت برکاتھم سے فرمائی جا سکتی ہے جو اس موقع پر وہاں موجود تھے۔

لیکن اس واقعے کو حضرت قاری محمد طاہر رحیمی صاحب نے حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کی سوانح "سوانح فتحیہ" میں کچھ اور طرح سے بیان فرمایا ہے۔ میں نے وہ واقعہ حضرت قاری صاحب کو بتایا تو اولاً انہوں نے اس امر کی تردید کی جو قاری طاہر صاحب نے ذکر فرمایا ہے اور پھر یہ درج بالا واقعہ بھی ذکر فرمایا ہے۔

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا
وہ بات انہیں بہت ناگوار گزری ہے

اس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا کل مجھے وہ کتاب سوانح فتحیہ لا کر دکھاؤ۔ میں نے دوسرے دن وہ کتاب حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں پیش کی۔ پوری کتاب دو دن میں مکمل کرلی دو تین دن کے بعد میں نے پھر یہ بات حضرت قاری صاحب سے چھیڑی اور کہا کہ قاری طاہر صاحب نے اپنی کتاب میں یہ واقعہ ذکر کرنے کے بعد حضرت قاری عبدالمالک صاحب کے شاگردوں کو مقابلے کا چیلنج دیا ہے۔ میری بات سن کر حضرت قاری صاحب ہنسے اور فرمانے لگے بھئی ہمیں نہ تو کسی مقابلے کا شوق ہے اور نہ ہی کوئی ضرورت۔ ہماری تو کوشش ہے کہ اللہ پاک ہم سے جس قدر زیادہ قرآن کی خدمت کا کام لے لے وہی ہمارے لئے بہتر ہوگا۔

یہ تمام واقعہ اور بحث صرف اس لئے نقل کی ہے کہ صحیح صورتحال واضح ہو جائے اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے شاگردوں کا موقف بھی سامنے آجائے۔ اس کے علاوہ کسی بھی قسم کی بحث برائے بحث سے قطعی اجتناب کرتے ہوئے لکھی گئی ہے۔

حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ اور حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کے تعلقات اچھے خوشگوار تھے لیکن مصنف "سوانح فتحیہ" نے اسے کافی معاندانہ دکھایا ہے۔ جو ہمارے خیال سے سوانحی تصنیف کے اعتبار سے موزوں طرز تحریر نہیں ہے۔

مدرسہ تجوید القرآن چینیانوالی میں تدریس

۱۹۵۸ء میں حضرت قاری عبدالملک صاحبؒ نے کچھ وجوہ کی بناء پر دارالعلوم اسلامیہ کو خیر آباد کہہ دیا اور لٹن روڈ مزنگ میں اپنا ذاتی مدرسہ "دار الترتیل والقرآن" کے نام سے کھولا۔ اپنے استاذ المکرم کے ساتھ ہی حضرت قاری صاحبؒ اور حضرت قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی دامت برکاتہم نے بھی دارالعلوم اسلامیہ چھوڑ دیا۔ فوری طور پر ملازمت کا کوئی بندوست نہیں تھا۔ مقدس مسجد کی امامت و خطابت حضرت قاری صاحبؒ کے سپرد تھی۔ دونوں ساتھیوں نے مل کر "مدرسہ زینت القرآن" کے نام سے مسجد ھذا میں ایک مدرسے کا آغاز کیا۔ یہ مدرسہ کوئی ایک دو مہینے دونوں ساتھیوں کے ہاتھوں میں رہا۔ حضرت قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ چندہ کرنے کے معاملہ میں ہم دونوں کورے تھے۔ کسی کے آگے دست سوال دراز کرتے ہوئے بہت شرم محسوس کرتے۔ ہم دونوں مسجد میں بیٹھے رہتے اور میں حضرت قاری صاحبؒ کو کہتا کہ آپ چندہ جمع کر کے لائیں اور حضرت قاری صاحبؒ مجھے کہتے کہ نہیں چندے کے حصول کے لئے آپ جائیں۔ اس سے پہلے کہ مدرسہ بند ہوتا چینیانوالی مسجد سے حضرت مولانا داؤد غزنوی صاحبؒ تشریف لے آئے اور دونوں ساتھیوں سے درخواست کی کہ چل کر ہمارے

مدرسے کے شعبہ تجوید و قراء ت کو رونق بخشیں۔ دونوں حضرات نے یہ تجویز قبول کر لی اور ۱۹۵۸ء کی اخیر میں چینیانوالی مسجد کے مدرسے میں تشریف لے گئے۔

۳۰ / دسمبر ۱۹۵۹ء کی درمیانی شب کو حضرت شیخ الشیوخ قاری عبدالمالک صاحبؒ نے اس دارفانی سے کوچ فرمایا۔ حضرت قاری صاحبؒ اور شیخ القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ کے وصال کے حالات حیرت انگیز طریقے پر مماثلت رکھتے ہیں۔ دونوں کا انتقال دسمبر کے مہینے میں ہوا۔ حضرت امام القراءؒ کا یوم وفات ۳۰ / دسمبر ۱۹۵۹ء بروز منگل ہے حضرت قاری صاحبؒ کا انتقال ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کو ہوا۔ دونوں کے انتقال کا ٹائم بوقت تہجد ہوا۔ اسلامی مہینہ بھی دونوں حضرات کا مشترک ہے یعنی جمادی الثانی۔ دونوں نے وفات سے پہلے اپنے روزمرہ کے معمولات بدستور انجام دیئے۔ دونوں کی وفات سونے کے درمیان ہی ہوگئی۔ یعنی رات کو سونے کے لئے لیٹے اور تہجد کے وقت اللہ کے حضور حاضر ہوگئے۔ حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ سونے سے پہلے المنح الفکریہ شرح المقدمتہ الجزریہ مولفہ حضرت ملا علی قاریؒ کا مطالعہ فرماتے رہے۔ حضرت قاری صاحبؒ بھی اپنی یونیورسٹی (اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی) کے مجوزہ امتحانات کے لئے اپنے شعبہ میں علوم قراء ت کے پرچہ جات ترتیب دیتے رہے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی دو مرتبہ نماز جنازہ ہوئی اول حضرت مولانا احمد علی لاہوری صاحبؒ نے پڑھائی اور دوسری حضرت مولانا قاری عبدالماجد ذاکر صاحب دامت برکاتھم نے پڑھائی۔ اسی طرح حضرت قاری صاحبؒ کی بھی دو مرتبہ نماز جنازہ ہوئی اول اسلام آباد میں اسلامک یونیورسٹی کے سبزہ زار میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب دامت برکاتھم خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد اور دوسری لاہور میں چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ کی گراوٴنڈ پر حافظ قاری محمد رفیع صاحب دامت برکاتھم مہتمم مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور نے پڑھائی۔

اب دوبارہ حضرت قاری صاحب کے حالات کی طرف آتا ہوں۔ چینیانوالی مسجد سے تجوید و قراء ت کے نمایاں مقام کے حامل تلامذہ فارغ ہوئے مثلاً قاری محمد سعید صاحب قاری عبدالحکیم صاحب' قاری نور احمد اعمی صاحب' قاری رحیم بخش صاحب' قاری رشید احمد فاروقی صاحب' قاری محمد یحییٰ رسولنگری صاحب' قاری سیف اللہ صاحب حافظ آبادی' قاری محمد امین الرحمٰن صاحب' قاری بشیر احمد' قاری محمد عابد اور قاری محمد زاہد۔ قاری نور محمد کیمل پوری صاحب نمایاں ہیں۔

اس سے قبل حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا داوٴد غزنوی صاحبؒ سے بہت سے امور طے کئے اول اپنے پڑھانے کے معاملات میں کلی طور پر آزادانہ کام کرنا چاہوں گا۔ نیز ہر مسلک کے لڑکے کے لئے تعلیم حاصل کرنے کا دروازہ کھلا ہوگا۔ کسی قسم کی کوئی تخصیص نہ ہوگی حضرت مولانا داوٴد غزنوی صاحبؒ نے یہ تمام باتیں قبول کی تھیں۔ بلا امتیاز تعلیم دینا حضرت قاری صاحبؒ کا وہ طرہ امتیاز تھا جو انہوں نے اپنے استاذ المکرم حضرت قاری عبدالمالک صاحب سے حاصل کیا۔ حضرت قاری صاحب نے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک مدرسہ اہلحدیث چینیانوالی مسجد

میں بطور صدر مدرس کام کیا۔ پہلی کلاس تجوید کی فارغ ہوئی تو ایک عظیم الشان جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ اس جلسے میں حضرت قاری صاحبؒ نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض بھی انجام دیئے۔ حضرت مولانا محمد داؤد غزنویؒ کی حیات میں چینیانوالی مسجد تجوید و قراءت کا ایک اہم مرکز شمار ہونے لگی۔ جس میں حضرت قاری صاحبؒ کی محنت شاقہ کا بہت بڑا حصہ تھا۔

مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل موتی بازار میں تدریس

۱۹۶۳ء میں حضرت قاری صاحبؒ نے چینیانوالی مسجد سے علیحدگی اختیار کی۔ اور تجوید و قراءت کا یہ مرکز بھی زوال پذیر ہوگیا۔ چینیانوالی مسجد سے علیحدگی کے بعد جامعہ اشرفیہ اور مدرسہ تجوید القرآن کے منتظمین پہنچے کہ ہمارے مدرسے کے تجوید کے شعبہ کو رونق بخشے۔ لیکن حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ کے قائم کردہ مدرسہ تجوید القرآن کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ حضرت قاری صاحبؒ نے اسے منتخب فرمایا۔ حالانکہ جامعہ اشرفیہ میں تجوید القرآن کی بہ نسبت زیادہ مشاہرہ مل رہا تھا۔ لیکن حضرت قاری صاحبؒ کا یہ معمول رہا کہ دین کی خدمت اور قرآن کے علوم کی ترویج کو تو مدنظر رکھا لیکن اپنی ذاتی اور مالی ضرورتوں کو پس پشت ڈالے رکھا۔ اس سلسلے میں گھر کے مالی امور جس قدر مشکل سے چلتے تھے وہ ہم گھر والے بخوبی جانتے تھے۔ لیکن حضرت قاری صاحبؒ کے پیش نظر خدمت دین کا جذبہ ہی بدرجہ اتم رہا اور تنگی معاش کو کبھی خاطر میں نہ لائے۔

مدرسہ تجوید القرآن اپنے نام کے لحاظ سے اسم بامسمی تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے تشریف لانے سے قبل حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحبؒ حضرت قاری عبدالماجد ذاکر صاحب اور حضرت قاری حسن شاہ صاحب جیسے اہم اساتذہ تجوید و قراءت کی خدمت انجام دیتے رہے تھے۔ حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ کے اپنا ذاتی مدرسہ کھول لینے کے بعد حضرت قاری صاحب مدرسہ تجوید القرآن میں تشریف لائے تھے۔

اس زمانے میں مدرسہ تجوید القرآن تجوید و قراءت کے علاوہ حفظ اور ناظرہ کے شعبہ میں بھی ایک ممتاز مقام رکھتا تھا۔ حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ نے مدرسے کے اس معیار کو برقرار رکھنے اور بنانے میں شبانہ روز محنت کی تھی۔ بیرون ملک سے آنے والے وفود بھی مدرسے میں ہونے والے کام کا اعتراف کرتے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ کا تجوید القرآن میں آنا بہت بابرکت ثابت ہوا اور تجوید و قراءت میں حضرت قاری صاحبؒ کے وہ وہ شاگرد یہاں سے اساتذہ بن کر نکلے جن کی علمی حیثیت مسلمہ تھی۔ ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۳ء تک حضرت قاری صاحبؒ نے علوم قرآنی کی خدمت جس انداز سے کی وہ مجھ جیسا جاہل کیا بیان کرے گا۔ البتہ اس کے متعلق معلومات آپ دیگر مضمون نگار حضرات کے مضامین میں ملاحظہ فرما سکیں گے۔

تدریس مدرسہ تعلیم القرآن مکھڈ

دارالعلوم اسلامیہ کی تدریس کے دوران حضرت قاری صاحبؒ حافظ محمد یوسف کی دعوت پر مدرسہ تعلیم القرآن بھی بسلسلہ تدریس گئے۔ یہ وہ دور تھا جب حضرت قاری صاحبؒ کے صاجزادے بختیار احمد بھی تولد ہو چکے تھے۔ حضرت قاری صاحب نے مکھڈ میں تقریباً ایک سال گزارا۔ لیکن پھر خانگی اور گھریلو مجبوریوں کے باعث واپس تشریف لے آئے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ کا مکھڈ کے مدرسہ سے یہ رشتہ ایسا بندھا کہ پھر وفات تک معمول رہا۔ شعبان کے مہینے میں مکھڈ کے مدرسہ میں امتحان لینے کے واسطے ضرور جاتے۔ میرے خیال سے شاید ہی کسی سال ناغہ کیا ہو۔ ورنہ یہ ربط جو تقریباً ۱۹۵۶ء میں بنا ۱۹۹۱ء تک قائم رہا۔ ۱۹۹۱ء میں بھی شعبان ۱۴۱۱ھ میں بسلسلہ امتحان مکھڈ تشریف لے کر گئے۔ حضرت قاری صاحبؒ کا معمول تھا کہ مکھڈ میں ایک جمعہ بھی ضرور پڑھاتے۔ مکھڈ میں مستقل آمدورفت سے بیشتر لوگ جو وہاں رہتے تھے حضرت قاری صاحبؒ سے واقف تھے۔ مکھڈ میں امتحان سے فراغت کے بعد ایک دن مدرسے والے حضرت قاری صاحبؒ کو دریائے سندھ کی سیر بھی کرواتے۔ اور مالٹوں کے ایک باغ میں بھی حضرت قاری صاحبؒ کو لے جایا جاتا۔ دو دفعہ تو میں بھی حضرت قاری صاحبؒ کے ہمراہ مکھڈ گیا ہوں۔ دریائے سندھ میں سیر کے دوران حضرت قاری صاحب ہمیں انگلی کے اشارے سے بتایا کرتے دیکھو بھئی وہ سامنے جو فلاں مکان نظر آرہا ہے اس میں میں، تمہاری امی اور بختیار نے ایک سال گزارہ ہے۔ مالٹوں کے اس باغ میں عصر کی نماز باغ کی مسجد میں ادا کی جاتی۔ چھوٹی سی مسجد میں صفیں وغیرہ نہیں تھی بلکہ چھوٹی چھوٹی کنکریاں پورے فرش پر بچھی ہوئی تھیں۔ نماز عصر وہاں ادا کی جاتی۔ کنکریوں پر نماز پڑھنے کا ایک اپنا عجیب مزہ ہوتا۔ اس کے بعد کچھ مالٹے وغیرہ حضرت قاری صاحبؒ کے سامنے رکھے جاتے۔ اس کے بعد واپسی ہوتی۔

مکھڈ سے واپسی اور آمد پر بھی بڑا عجیب منظر ہوتا۔ عموماً چونکہ ٹرین سے حضرت قاری صاحب جاتے تو انجرا کے اسٹیشن پر مدرسے کے منتظمین لینے کے لئے آئے ہوتے۔ اور اس کے بعد مکھڈ بذریعہ بس جایا جاتا۔ مکھڈ کی آبادی سے قدرے فاصلے پر حافظ محمد یوسف صاحبؒ مہتمم مدرسہ استقبال کے لئے کھڑے ہوتے۔ مکھڈ سے واپسی پر بھی حضرت حافظ محمد یوسف صاحبؒ کا یہی انداز ہوتا۔ رستے میں کھڑے ہو جاتے۔ حافظ صاحب بس کو رکواتے حضرت قاری صاحب والی کھڑکی پر تشریف لاتے مصافحہ ہوتا اور کچھ ہدایا حضرت قاری صاحبؒ کی نظر کرتے۔ اس کے بعد جنڈ کے مدرسے میں جاتے تو وہاں تمام طالبعلم ایک بہت لمبی لائن بنا کر حضرت قاری صاحبؒ کے استقبال کو کھڑے ہوتے۔ اور بعد ازاں وہاں تمام شعبہ جات کے امتحان لیتے۔ اور امتحان لینے کے بعد پھر واپسی ہوتی۔ اور پھر نہایت اہتمام سے آپ کو چھوڑنے کے لئے اساتذہ و طلبہ اسٹیشن آتے۔

جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز میں امامت و خطابت

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کر کے جب حضرت قاری صاحبؒ پاکستان تشریف لے آئے تو دھوبی منڈی پرانی انارکلی میں مقدس مسجد کی امامت و خطابت کی خدمت سپرد ہوئی جو اگست ۱۹۶۱ء تک جاری رہی۔ ستمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت قاری صاحبؒ جامع مسجد چوبرجی گورنمنٹ کوارٹرز ملتان روڈ لاہور تشریف لے آئے۔ حضرت قاری صاحبؒ سے قبل امامت کے فرائض مشہور عالم دین حضرت مولانا شہاب الدین صاحبؒ انجام دیتے تھے۔ اس مسجد سے حضرت قاری صاحب کو والہانہ لگاؤ تھا۔ وفات سے تین دن قبل بھی مسجد ھذا میں حضرت قاری صاحبؒ نے آخری جمعہ پڑھایا نیز جمعہ کی پہلی اذان بھی خود دی۔ حضرت قاری صاحبؒ نے تیس سال کا طویل عرصہ یہاں گزارہ لیکن آپ کی ذات کبھی بھی متنازعہ نہ بنی تمام مکاتب فکر کے لوگ حضرت قاری صاحبؒ کے پیچھے خوشدلی سے نماز ادا کرتے۔ مسجد کے انتظامی امور میں تو لوگوں کا اختلاف ہوا لیکن حضرت قاری صاحبؒ کی ذات لوگوں کے لئے مرجع خلائق رہی۔ حضرت قاری صاحبؒ کا اس مسجد اور علاقے سے تعلق اس قدر مضبوط تھا جو قابل رشک محسوس ہوتا ہے اور اس باہمی تعلق کا اندازہ حضرت قاری صاحبؒ کے جنازے پر بھی ظاہر ہوا۔ عموماً ہم نے یہ دیکھا کہ حضرت قاری صاحبؒ مدرسے سے یا پھر بعد میں اسلام آباد سے تشریف لا رہے ہیں لوگ اور بچے بلکہ گھروں میں سے عورتیں تک سلام عرض کر رہی ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ نے علاقے کے نوجوانوں کی تربیت ایسے غیر محسوس انداز میں کی ہے کہ سوچ کر حیرانگی ہوتی ہے۔ جامع مسجد کے بڑے مینار کا سنگ بنیاد رکھا گیا گرمیوں کے دن تھے حضرت قاری صاحبؒ کو پہلی اینٹ رکھنے کے لئے کہا گیا۔ حضرت قاری صاحب نے مسجد کے سب سے معمر نمازی جن کی عمر تقریباً سو سال سے زائد تھی ان سے درخواست کی کہ میں اس قابل نہیں آپ پہلی اینٹ رکھیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ نہیں پہلے آپ رکھیں آخر حضرت قاری صاحب کے پیہم اصرار پر پہلی اینٹ انہوں نے رکھی اور دوسری اینٹ حضرت قاری صاحبؒ نے رکھی۔

حضرت قاری صاحب چندے کی اپیلیں کرتے ہوئے ہمیشہ جھجھک محسوس کرتے تھے لیکن مسجد کے لئے جمعہ اور خصوصاً عیدین کی نمازوں کے موقع پر بہت اپیلیں کرتے تھے اور حضرت قاری صاحب کی اپیلوں کی وجہ سے بارہا اہل ثروت تعمیر و مرمت کا مکمل خرچہ ہی خود اٹھا لیا کرتے تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ کا جامع مسجد ہذا میں ہونے والا درس قرآن بھی بہت مقبول تھا بارہا لوگوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ درس کے نکات نوٹ کرتے۔ مرد تو مرد گھروں میں عورتیں تک سب کام کاج چھوڑ کر حضرت کا درس سنا کرتیں اور بعض بی بییاں تو لکھا بھی کرتی تھیں۔ ہمارے پڑوس میں رہنے والی ایک خاتون کا بیان ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے صرف درس سن کر اور اہم نکات نوٹ کر کے ہی ہم نے عربی زبان میں کافی شد بد پیدا کر لی ہے۔ حضرت قاری صاحب کی جمعہ کی تقاریر فروعی اختلافات سے پاک ہوتی حضرت کی پوری کوشش ہوتی کہ تقریر بہت آسان' سہل اور عام فہم انداز میں کی جائے کہ عام آدمی کے

دل میں گھر کر جائے لیکن اس کے باوجود علمی نکات اور پہلو بھی تقریر میں شامل ہوتے۔ معاشرے کی خرابیوں کے خلاف حضرت قاری صاحب جہاد باللسان کرنا ضروری خیال کرتے۔ حضرت کی اس والہانہ تبلیغ کے علاقے پر اثرات بھی مرتب ہوئے جن کا اندازہ مسجد والا مکان چھوڑنے کے بعد اس وقت ہوا جب ہم اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہوئے۔

ہر جگہ اچھے برے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کو بھی بعض اوقات اس قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا لیکن اپنی فطری طبیعت کے مطابق خاموش رہتے اور بات کو نہ بڑھاتے بلکہ ہم نے تو یہ بھی دیکھا کہ بعض اوقات ان سے اختلاف رکھنے والے شخص بیمار یا رحلت کر جاتے تو حضرت ان اصحاب کے گھر میں عیادت یا تعزیت کے لئے ضرور جاتے اور جنازے میں بھی شریک ہوتے بلکہ جنازہ پڑھایا کرتے۔ ؎

اک گل کے مرجھانے پر کیا گلشن میں کہرام مچا
اک چہرہ کمھلا جانے سے کتنے دل ناشاد ہوئے

۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں لوگوں کی دین سے وابستگی بہت زیادہ تھی۔ حضرت قاری صاحبؒ اکثر جمعہ کی تقاریر میں اس چیز کا ذکر بھی کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ جنگ کے دوران جوان لڑکے راتوں کو تہجد کی نماز پڑھنے مسجد میں آیا کرتے تھے۔ جنگ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ اور رفقاء بھارتی علاقے کھیم کرن (جس پر پاکستانی فوج نے دوران جنگ قبضہ کیا تھا) بھی گئے اور وہاں کی ایک جگہ رات کو شبینہ پڑھا گیا تھا۔

عالمی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ کوالالمپور ملائشیا میں منصفی کے فرائض

۱۹۶۹ء میں حضرت قاری صاحب عالمی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ کوالالمپور ملائشیا میں پاکستان کی طرف سے جج نامزد کر کے بھیجے گئے نیز دو قاری صاحبان بھی مقابلے میں شرکت کے لئے قاری وحید ظفر قاسمی اور قاری غلام رسول بھیجے گئے۔ حضرت قاری صاحبؒ ہمیں عموماً ملائشیا کے واقعات سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ملائشیا کے بادشاہ نے تمام جج صاحبان کی دعوت کی۔ اس میں میں بھی گیا۔ بادشاہ نے ہر جج کو ایک یادگاری شیلڈ بھی دی جس پر اس سال ہونے والے مقابلہ حسن قراءت کے لئے تعمیر کردہ اسٹیج کی شبیہ بنی ہوئی تھی۔ حضرت بتاتے تھے کہ اس مقابلہ کے لئے ملائشیا کی گورنمنٹ بہت اہتمام کیا کرتی تھی اور ہر سال اسٹیج کا ڈیزائن بدلا جاتا تھا یہ تین روزہ محفل ایک بہت بڑے اسٹیڈیم میں منعقد کی جاتی تھی۔ شیلڈ کے علاوہ ایک تمغہ بھی ہر جج کو اعزازی طور پر دیا گیا یہ دونوں چیزیں اب بھی محفوظ ہیں۔ پاکستان اس سال اس عالمی مقابلہ میں دوسرے نمبر پر رہا پہلے نمبر پر ملائشیا خود رہا۔ ملائشیا جاتے ہوئے حضرت قاری صاحبؒ کا ڈھاکہ سابقہ مشرقی پاکستان کے صدر مقام پر بھی ٹھہرنا ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مشرقی پاکستان بہت خوبصورت جگہ ہے۔ لیکن غربت بہت زیادہ ہے۔ ملائشیا میں منعقدہ مقابلہ میں پاکستان کے ایک قاری صاحب نے

بہت فاش غلطی کی اور ایک آیت میں زبر کی بجائے پیش پڑھ گئے۔ سورہ مریم کی آیت یا اخت ہارون کو یا اخت ہارون پڑھا۔ کھانے کے وقت جب تمام جج صاحبان اکٹھے ہوئے تو کافی جج صاحبان کو میں نے پاکستانی قاری کے اس غلط پڑھنے کا تذکرہ کرتے ہوئے سنا۔ جس سے پاکستان کی بہت سبکی ہوئی۔ یاد رہے کہ یہ عالمی مقابلہ روایت حفص میں ہوتا ہے اور قاری کے سامنے تلاوت کے لئے قرآن شریف بھی رکھا جاتا ہے۔

حج بیت اللہ

۱۹۷۴ء میں حضرت قاری صاحبؒ حج بیت اللہ کے لئے سعودی عرب گئے آپ کے ساتھ چوبرجی کوارٹرز ہی کے ایک اور رفیق چوہدری ظہور الٰہی مرحوم بھی تھے۔ حضرت قاری صاحب دوران حج مدرسہ صولتیہ میں بھی ٹھہرے۔ حضرت قاری صاحبؒ فرماتے تھے کہ جب ہم اپنی رہنے والی جگہ پر سامان رکھ کر طواف زیارت کے لئے حرم شریف میں آئے تو بادل کا ایک ٹکڑا حرم شریف پر سایہ فگن تھا اس وقت کچھ تیز سی بوندا باندی ہوگئی۔ لوگ خانہ کعبہ کی طرف بھاگے کہ اس پر سے پانی کے قطرات ٹکرا کر ہمارے اوپر گریں۔ فرماتے تھے کہ میں پرنالے کے نیچے جا کر کھڑا ہوگیا اور اس میں سے گرنے والے پانی کے قطرے اپنے سر پر لئے۔ چونکہ بارش تیز نہ تھی اس لئے یہ سلسلہ بہت تھوڑی دیر رہا اور دوسرے لوگوں کی دھکم پیل کی وجہ سے وہاں زیادہ دیر کھڑا ہونا مشکل تھا۔ غلاف کعبہ اور دیواروں پر سے جو قطرے ٹکرا کر ہمارے احرام کی چادروں پر گرے ان سے احرام میں سے خوشبو آنے لگی (خانہ کعبہ کے غلاف کو خوشبوؤں میں بسایا جاتا ہے اسی وجہ سے احرام پر پڑنے والے چھینٹوں کی بدولت احرام میں سے خوشبو آنے لگی)

مکہ مکرمہ کے بعد مسجد نبویؐ حاضری ہوئی تو مسجد نبویؐ میں ریاض الجنتہ کے درمیان بہت مشکل سے دو نفل پڑھے۔ اور مجھے بار بار یہ محسوس ہوتا تھا کہ لوگ میرا سر پیروں تلے روند ڈالیں گے اور بارہا لوگوں کے پیر لگے بھی لیکن میں نے بھی نفل پڑھ کر ہی دم لیا۔ جنت البقیع میں بھی حاضری ہوئی۔ ایک واقعہ حضرت قاری صاحبؒ بتلایا کرتے تھے کہ مدینہ میں حضرت قاری حسن شاعرؒ سے بھی ملاقات ہوئی۔ بہت ضعیف' عمر تقریباً سو سال سے اوپر ہی ہوگی۔ میں ایک پاکستانی دوست کے ہمراہ ان سے ملاقات کو گیا۔ ملاقات ہوئی تو انہوں نے قرآن شریف سنانے کی فرمائش کی میں نے انہیں قرآن شریف سنایا تو وہ بہت محظوظ ہوئے اور آواز کے اتار چڑھاؤ کو ہاتھ کے اشارے سے ظاہر کرتے رہے۔ اس کے بعد میں نے حضرت شیخ حسن شاعر مدنی صاحب سے درخواست کی کہ تبرکاً" آپ بھی ہمیں کچھ سنا دیں انہوں نے الحمد شریف سنائی لیکن ضعیف العمری کی وجہ سے سانس پھول گیا اور ان کو بہت نقاہت ہوگئی۔ قاری حسن شاعر صاحب نے بتایا ایک مرتبہ مصر کے مشہور قاری الشیخ رفعتؒ حج کے لئے آئے تو انہوں نے اصحاب صفہ والے چبوترے پر بیٹھ کر سورۃ حج پوری تلاوت کی۔ شیخ رفعت صاحبؒ نے اس قدر خوبصورت پڑھا کہ

ان کی تلاوت اب بھی کانوں میں گونجتی ہے۔ حج سے واپسی کے بعد ہم گھر والوں نے ایک تبدیلی نمایاں طور پر محسوس کی۔ حضرت قاری صاحبؒ کے مزاج میں متانت اور خاموشی تو پہلے ہی تھی لیکن حج کے سفر سے واپسی کے بعد اس میں مزید اضافہ ہوگیا۔ اور ذکر و اذکار بھی جو پہلے بھی جاری و ساری تھے ان میں بھی بہت اضافہ ہوگیا۔

حضرت قاری صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ سفر حج میں مجھ پر تو اللہ کا بہت کرم رہا۔ میں قربانی کے لئے گیا تو پہاڑ پر چڑھتا چلا گیا مجھے ایک چرواہا بکریاں چراتا ہوا ملا میں نے اس کو آواز دے کر پوچھا بکرا دو گے مول تول اور بھاؤ تھاؤ کے بعد رقم کی ادائیگی کر کے میں نے بکرا لیا چرواہے سے ہی چھری لے کر ذبح کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ واپس آیا تو میرے ساتھی چودھری ظہور الٰہی مرحوم قربانی کے واسطے جانے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ میرے آتے ہی وہ قربانی کے لئے نکل گئے کوئی دو تین گھنٹوں کے بعد واپسی اس حالت میں ہوئی کہ احرام خون میں بھرا ہوا اور بہت تھکے ہوئے۔ معلوم ہوا کہ چودھری صاحب مذبح خانے چلے گئے بڑی مشکل سے جانور خریدا ذبح کر کے واپس جو ہوئے تو خون اور دیگر غلاظت پر سے پیر پھسل گیا۔

انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی میں تدریس

۱۹۸۰ء میں جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے جب اسلامی علوم و فنون کو فروغ دینے کے لئے اسلام آباد میں اسلامی یونیورسٹی قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اس میں علوم قراءت کے پروفیسر کی اسامی کے لئے اشتہار اخبار میں آیا۔ دوستوں اور ساتھیوں کے مشورہ سے حضرت قاری صاحبؒ نے اس پوسٹ کے لئے درخواست دی انٹرویو ہوا اور حضرت قاری صاحب منتخب کر لئے گئے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے اصل جوہر اسلامی یونیورسٹی میں کھل کر سامنے آئے۔ اب تک کی تدریسی زندگی میں حضرت قاری صاحبؒ نے علوم قراءت کے شعبے میں ہی خدمات انجام دی تھیں۔ لیکن اسلامی یونیورسٹی والوں کے یہ گوہر نایاب ہاتھ لگا تو انہوں نے حضرت قاری صاحب کو علوم قراءت کی تدریس کے علاوہ حدیث شریف اور فقہ کی کلاسیں بھی سونپ دی اور حضرت قاری صاحب نے نہایت زبردست شان علمیت کے ساتھ ان خدمات کو انجام دیا۔

مسلم شریف اور ھدایہ کی کلاسیں حضرت قاری صاحب عرصہ تک لیتے رہے۔ مصری اساتذہ جو کہ اسلامی یونیورسٹی میں تدریسی خدمات کے لئے آئے ہوئے ہیں ان میں حضرت قاری صاحب کو بہت ادب و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا۔ فضیلتہ الشیخ المقری عبدالحیٔ ظہران صاحب استاذ علوم قراءت اسلامی یونیورسٹی' فضیلتہ الشیخ الشیخ عبدالغفور محمود مصطفیٰ صاحب سابقہ استاذ اسلامی یونیورسٹی و استاذ الجامعتہ الازھر مصر' ڈین اسلامی یونیورسٹی ڈاکٹر شافعی مصری صاحب جیسے فاضل اشخاص نہایت محبت' خلوص احترام کے جذبات کا اظہار فرماتے۔

الجامعتہ الاسلامیہ مدینہ منورہ کے جلیل القدر اور عظیم استاذ قراءت الشیخ عبدالفتاح المرصفی عجمی رحمہ اللہ بھی

حضرت قاری صاحبؒ کے تبحر علمی کے باعث بہت ہی ادب و احترام کرتے۔ شیخ موصوفؒ کی حضرت قاری صاحبؒ سے خط و کتابت چلتی اور شیخ موصوفؒ نے تحفتہ بہت سی کتب بھی حضرت قاری صاحبؒ کو روانہ فرمائی۔ جن پر فضیلتہ الشیخ اور الاخ الکبیر جیسے القابات لکھا کرتے۔

۱۸ فروری بروز منگل ۱۹۹۲ء کو حضرت قاری صاحبؒ کی یاد میں ہونے والی محفل حسن قرات منعقدہ مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور میں حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے بتایا کہ الشیخ عبدالفتاح المرصفیؒ وفات سے قبل بارویں صدی سے چودویں صدی ہجری تک کے نامور قراء و علماء کے حالات مرتب کر رہے تھے اس میں چودویں صدی ہجری کے ذیل میں حضرت قاری صاحبؒ کا سوانحی تذکرہ بھی شامل کیا گیا۔ مگر یہ کام شیخ موصوف کی وفات کی وجہ سے پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

ایک بڑا مشہور واقعہ حضرت قاری صاحبؒ کا زبان زد عام ہے کہ ایک مصری استاذ چھٹی پر مصر گئے وہ یونیورسٹی میں مسلم شریف پڑھایا کرتے تھے۔ ان کی غیر موجودگی میں یہ کلاس حضرت قاری صاحبؒ کے سپرد ہوگئی۔ حضرت قاری صاحب نے دو مہینے مسلم شریف اس شان سے پڑھائی کہ طلباء گرویدہ ہوگئے۔ عربی سمجھنے والوں کو عربی میں، فارسی سمجھنے والوں کو فارسی میں اور اردو سمجھنے والوں کو اردو میں بیک وقت اپنے مخصوص سہل انداز میں پڑھائی دو مہینے کے بعد مذکورہ مصری استاذ چھٹی گزار کر تشریف لائے تو طلباء نے پڑھنے سے انکار کر دیا۔ اور حضرت قاری صاحبؒ سے ہی پڑھنے پر اصرار کیا۔ آخر حضرت قاری صاحبؒ نے طلباء کو بصد مشکل ان مصری استاد صاحب سے پڑھنے پر آمادہ کیا۔

عالمی مقابلہ حسن قراءت مکہ مکرمہ میں منصفی کے فرائض

مارچ ۱۹۸۴ء میں عالمی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ مکہ مکرمہ میں حضرت قاری صاحبؒ کو پھر جج بنا کر پاکستان کی نمائندگی کے واسطے بھیجا گیا۔ اس مقابلے کے اکثر حالات و واقعات حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی ذاتی ڈائری میں تحریر کئے ہیں جو شامل سوانح کئے جا رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب فرماتے تھے کہ اس سفر میں تمام متبرک مقامات بہت سہولت سے دیکھنے کا موقع ملا۔ مقابلہ حسن قراءت کافی دن جاری رہا تھا۔ حکومت سعودیہ کے خصوصی مہمان کے طور پر خانہ کعبہ کو تمام شرکاء مقابلہ کے لئے کھولا گیا۔ فرماتے تھے کہ ہمیں وہ کارخانہ بھی دکھایا گیا جس میں غلاف کعبہ تیار ہوتا ہے۔ غلاف کعبہ کی تیاری باوضو حالت میں ہوتی ہے۔ جب کارخانہ دیکھ لیا تو ہمیں توقع ہوئی کہ شاید مستعمل غلاف کعبہ میں سے کوئی ٹکڑا ہمیں ملے گا لیکن ہمیں بہت مایوسی ہوئی کہ اس سلسلے میں کوئی پیش کش نہ ہوئی۔ جس دن ہم نے پاکستان آنا تھا اس دن ایک خوبصورت بریف کیس میں ہمیں غلاف کعبہ کا ٹکڑا تبرکاً" دیا گیا تو ہماری خوشی کی انتہاء نہ رہی۔

(حضرت قاری صاحب کی رحلت کے بعد غلاف کعبہ کے اس ٹکڑے میں سے آدھا حصہ کاٹ کر حضرت کے سینہ مبارک پر رکھ دیا گیا تھا۔)

تمغہ حسن کارکردگی

۱۴/ اگست ۱۹۸۷ء کو حکومت پاکستان نے حضرت قاری صاحب کی خدمات کے اعتراف کے طور پر تمغہ حسن کارکردگی کے لئے بھی نامزد کیا۔ اور ۲۳۔ اگست ۱۹۸۸ء کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق مرحومؒ نے حضرت قاری صاحب کو اس تمغہ سے نوازا۔ یاد رہے کہ جنرل محمد ضیاء الحق مرحومؒ کی تقسیم اعزازات کی یہ آخری تقریب تھی۔ ۱۷ ۔ اگست ۱۹۸۸ء کو سانحہ بہاولپور کی وجہ سے جنرل محمد ضیاء الحق معہ اپنے رفقاء جرنیل کے شہید ہوگئے تھے۔ اس تقسیم اعزازت میں دیگر حضرات میں جنرل اختر عبدالرحمٰن شہید، جنرل مرزا اسلم بیگ، جنرل آصف نواز خان، بریگیڈیئر محمد صدیق سالک شہید اور مشہور مذہبی سکالر مولانا محمد متین ہاشمی صاحبؒ بھی شامل تھے۔

اسلامی یونیورسٹی تشریف لے جانے کے بعد مدرسہ تجوید القرآن والوں نے ۱۹۸۴ء میں حضرت قاری صاحب کی جگہ حضرت قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتھم کو دوبارہ رکھ لیا تھا۔ جس کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے استاذ الحفاظ حضرت قاری احمد دین صاحب مدظلہ العالی کے مدرسے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار میں کام شروع کر دیا۔ اور یہاں بھی تشنگان علم حضرت قاری صاحبؒ سے فیض حاصل کرنے کے واسطے آنا شروع ہوگئے تھے۔ ۱۹۸۹ء میں حضرت قاری صاحب دوبارہ مدرسہ تجوید القرآن والوں کی دعوت پر تدریس کے لئے تشریف لے آئے تھے۔ اور وفات سے قبل ۱۴۔ دسمبر بروز ہفتہ ۱۹۹۱ء کو بھی پڑھایا تھا۔

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات حسرت آیات

حضرت قاری صاحب جمعرات ۱۲۔ دسمبر ۱۹۹۱ء کو اسلام آباد سے تشریف لائے میں دکان سے گھر پہنچا تو مغرب اور عشاء کا درمیانی ٹائم تھا خلاف توقع اس وقت مصلّٰی پر ملے سلام علیک ہوئی۔ اس کے بعد میں دوسرے کمرے میں جا کے بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آئے اور میرے قریب ہی بیٹھ گئے۔ اسی دن دکان پر کرک صوبہ سرحد سے حرف ضاد سے متعلق ایک خط آیا تھا۔ میں نے اس خط کا ذکر کیا میری بات سن کر فرمانے لگے لوگوں کو پتہ نہیں کیا ہوتا جا رہا ہے ہر مسئلے میں متشدد ہوتے جا رہے ہیں پھر فرمانے لگے کہ پاکستان کے قراء حضرات میں ض کو صحیح مخرج سے نکالنے کی کوشش کم ہو رہی ہے۔ پھر مجھے ضاد اور ظا دونوں لفظ ادا کر کے بتائے ان دونوں میں فرق اس قدر واضح تھا کہ مجھ جیسے جاہل نے بھی محسوس کیا۔ پھر فرمایا کرک والوں کو کون کون سی کتب روانہ کی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے حاشئے والی فوائد مکیہ جس میں حضرت کا رسالہ **ھدایت العباد فی تلفظ الضاد** ہے اور **تبین الضاد** جو کہ حضرت قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ صاحب کی فارسی کتب تحفہ نذریہ کا اردو ترجمہ ہے۔

فرمانے لگے کتابیں تو صحیح بھیجی ہیں قاری شریف صاحبؒ کی سبیل الرشاد کیوں نہیں بھیجی۔ میں نے کہا کہ جی وہ تو چھپ ہی نہیں رہی حضرت قاری شریف صاحبؒ کی حیات میں ہی چھپی تھی آج کل تو نایاب ہیں۔ یہ سن کر چپ ہوگئے۔ اس کے بعد بڑے بھائی بختیار احمد صاحب کی لڑکی ماریہ احمد کو نورانی قاعدہ پڑھانے کی بات ہوئی فرمانے لگے اس کو کسی عورت سے قرآن نہ پڑھواؤ نجم کو کہو وہ اسے پڑھائے گا۔

۱۳/ دسمبر بروز جمعہ والے دن حسب معمول جمعہ پڑھانے گئے اور جمعہ کی پہلی اذان بھی دی۔ جمعہ کی شام کو حضرت قاری محمد ادریس عاصم صاحب اور حضرت حافظ فیاض احمد فیاض صاحب تشریف لے آئے۔ ان کے ساتھ بہت دیر تک گفتگو چلتی رہی عصر کی نماز بھی ان دونوں نے حضرت قاری صاحب کی معیت میں ادا کی۔ واپسی پر ان کو گھر کے دروازے تک رخصت کرنے بھی آئے۔

جمعہ کی رات کو قاری صاحب کی والدہ محترمہ (ہماری دادی جان) اور ہماری چھوٹی بہن اور بہنوئی کراچی سے لاہور پہنچے۔ حضرت قاری صاحب سو گئے تھے لیکن آوازیں سن کر جاگ گئے اٹھ کر آئے دادی جان کو سلام کیا اور ہماری بہن بہنوئی کو بھی پیار کیا۔

۱۴/ دسمبر بروز ہفتہ والے دن مدرسہ تجوید القرآن گئے اور وہاں حسب معمول پڑھایا۔ اتفاق ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے شاگرد قاری عثمان صاحب نے کسی مدرس صاحب کی ناسازی طبع کا ذکر فرمایا تو حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا بھائی تجوید القرآن والوں کے ویزے آنے شروع ہوگئے ہیں اللہ رحم کرے۔

۱۵/ دسمبر بروز اتوار کی صبح کو گھر والوں سے فرمانے لگے میں آج مدرسے نہیں جا رہا ہوں بلکہ سیدھا اسلام آباد جا رہا ہوں۔ شام چار بجے اسلام آباد پہنچے۔

۱۶/ دسمبر بروز سوموار حسب معمول یونیورسٹی میں پڑھانے گئے اور اپنی معمول کی کلاس لیں۔ یونیورسٹی سے واپسی ہوئی تو شام کو ان کے شاگرد پروفیسر کرامت اللہ صاحب آگئے ان کے ساتھ مختلف موضوعات پر گفتگو چلتی رہی۔ ان کے جانے کے بعد اپنے یونیورسٹی کے پرچے بناتے رہے۔ ۲۴/ دسمبر سے چونکہ امتحانات کا سلسلہ شروع ہو رہا تھا اس لئے اپنے شعبہ کے پرچے مرتب کرنے کے بعد رات کو تقریباً ساڑھے گیارہ بجے آرام کرنے کی غرض سے لیٹے۔

۱۷/ دسمبر کی صبح عمار بھائی اور بھابھی اٹھے تو پرسکون حالت میں بستر پر دراز تھے بھائی اور بھابھی یہی سمجھے کہ شاید تھکاوٹ ہوگئی ہے اس لئے فجر کی نماز پڑھ کر دوبارہ لیٹ گئے ہیں۔ ناشتے کے لئے بھائی اٹھانے گئے تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ حضرت قاری صاحب جہان فانی سے رخصت ہو چکے ہیں۔

بھائی محلے میں رہائش پذیر ایک ڈاکٹر کو لے کر آئے تو انہوں نے حضرت قبلہ والد صاحب کی وفات کی تصدیق کی۔ چونکہ چہرے اور جسم پر موت کے اثرات بالکل نہ تھے اور سینہ بھی گرم ہو رہا تھا اس لئے بھائی نے پولی کلینک

فون کر کے مولانا بدیع الزماں صاحب مرحومؒ کے لڑکے ڈاکٹر عامر کو یہ خبر سنائی وہ فوراً اپنے ایک پروفیسر ساتھی ڈاکٹر کے ساتھ پہنچے اور انہوں نے بھی موت کی تصدیق کی اور مزید یہ بھی بتایا کہ وفات ۴ اور ۵ بجے صبح کے ٹائم ہوئی ہے۔

فوراً لال مسجد کے خطیب اور جامع مسجد فریدیہ کے مہتمم جناب مولانا عبداللہ صاحب کو اطلاع کی گئی وہاں سے مولانا عبداللہ صاحب اور دیگر اساتذہ فوراً تشریف لے آئے۔ اور ان حضرات نے ہی غسل دیا اور کفن پہنایا۔ ساڑھے گیارہ بجے اسلامک یونیورسٹی کے سامنے سبزہ زار میں ایک پرہجوم نماز جنازہ ہوئی جو کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب خطیب جامع مسجد اسلام آباد نے پڑھائی اس کے بعد بارہ بجے اسلام آباد سے روانگی ہوئی اور شام پانچ بجے میت لاہور پہنچی اور رات کو سوا آٹھ بجے چوبرجی کوارٹرز کی بڑی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی۔ جہاں ایک بہت بڑے مجمع نے حضرت مولانا قاری رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھی۔ چوبرجی کوارٹرز کی گراؤنڈ جہاں حضرت عیدین کی نماز پڑھایا کرتے تھے تنگیٔ داماں کا سماں پیش کر رہی تھی۔ حضرت کے بے تحاشہ شاگرد، نمازی اور اہل علاقہ کے علاوہ مختلف اطراف سے آئے ہوئے لوگوں کا بہت بڑا اژدھام تھا۔ میت ایمبولینس سے اتاری گئی۔ لوگوں نے ہم سے حضرت کے جسد خاکی کو لیا اور اس کے بعد ہم دوبارہ میت تک نہ پہنچ سکے۔ جنازے میں اژدھام کے باعث کندھے کی سعادت زیادہ سے زیادہ لوگوں کو مہیا کرنے کے لئے چارپائی کے ساتھ بانس باندھے گئے تھے۔ لاہور کے قدیم اور مشہور قبرستان میں چوک چوبرجی کے نزدیک بہاول پور روڈ پر حضرت قاری صاحبؒ کی آخری آرام گاہ بنی۔ حضرت مولانا قاری محمد ادریس عاصم لاہوری اور مولانا قاری ظہور الحسن صاحب مدرسہ تجوید القرآن نے حضرت قاری صاحبؒ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا۔

کل نفس ذائقۃ الموت

قبلہ والد صاحب محترم

بختیار احمد ابن حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ

آج ہمارے والد محترم کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً ۲ سال ہو گئے ہیں۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کا وہ دن ہم سے ہماری سب سے محبوب ہستی چھین کر لے گیا۔ تب ہمیں پتہ چلا کہ جب کسی گھر کا کوئی فرد اس طرح بچھڑ جاتا ہے تو باقی گھر والوں پر کیا قیامت گزرتی ہے۔

ہمارے سر سے وہ مہربان سایہ اٹھ گیا جس کو لوگ باپ کہتے ہیں اور پھر وہ کوئی عام باپ ہرگز نہیں تھے۔ ان کی محبت اور ان کی شفقت ہم سب کو تمام زندگی یاد رہے گی۔ دنیا سے ایک ایسا عالم باعمل رخصت ہو گیا جس کا بدل میرے خیال میں اور کوئی نہیں ہے۔

دنیا کا ہر باپ اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے لیکن ہمارے والد کی ہم سے محبت ایک ایسی چیز ہے جسے ہم بھلائے نہیں بھول سکتے۔ بچپن میں آپ جب بھی سفر پر جاتے ہم میں سے کوئی نہ کوئی آپ کے ساتھ ضرور جاتا۔ ویسے تو میں کئی دفعہ آپ کے ساتھ مختلف جگہوں پر گیا لیکن وہ سفر مجھے ہمیشہ یاد رہے گا جب ہم مانسہرہ اور بالاکوٹ گئے، حضرت قاری صاحب امتحان لینے وہاں گئے تھے۔ جناب قاری احمد دین صاحب بھی ہمارے ساتھ تھے۔ وہاں پر ہم نے سید احمد شہیدؒ کے مزار پر حاضری دی۔ مزار پر حضرت قاری صاحب اور قاری احمد دین صاحب نے قرآن پاک کی تلاوت کی۔ سفر کے دوران حضرت والد صاحب ہماری چھوٹی چھوٹی ضروریات کا پورا پورا خیال رکھتے تھے۔

اب میں والد صاحب کی کچھ عادات کے بارے میں بات کروں گا۔ حضرت قاری صاحب زندگی بھر دعویٰ کرنے اور نعرہ لگانے سے گریزاں رہے۔ آپ نے کبھی اپنے منہ پر ہاتھ پھیر کر کسی کو دھمکی دی اور نہ سینے پر ہاتھ مار کر کوئی اعلان کیا۔ میرے خیال میں منافقت کے اس دور میں آپ کی ذات ایک سچے اور کھرے آدمی کی طرح سادہ اور عناصر فطرت کی طرح کھوٹ سے پاک تھی۔ آپ کے پاس اپنی ذات کے بارے میں چھپانے کے لئے کچھ نہ تھا۔ والد مرحوم کی زندگی میں دیانت اور سچائی اس طرح تھی جس طرح شاخ شجر میں نمی اور روئیدگی۔

ایک فلسفی کے بقول،

"وہ عمر بھر کیوٹ کے درخت کی طرح خوشبو لٹاتا اور اپنے ماحول میں اجالا کرتا رہا اور اسے اس کی خبر تک نہ تھی" ہمارے والد صاحب نے اپنی زندگی میں طے کردہ تقریباً ہر ہدف کو حاصل کیا اور اس پر بھی زعم کا شکار نہیں ہوئے۔ آپ نے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلایا اور نہ ہی کبھی کسی سے مدد مانگی۔ آپ نے کبھی اپنوں سے گلہ کیا اور نہ ہی بیگانوں سے۔ آپ کی زبان سے نہ کبھی زمانے کی شکایت سنی اور نہ ہی مخلوق خدا کی۔

ابا جی نے اپنی ساری زندگی نہایت عزم و ہمت اور حوصلے کے ساتھ گزاری۔ آج کی اس زندگی میں ان جیسا عالم، ان جیسا استاد، ان جیسا باپ اور ان جیسا شخص ملنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔ آپ نے اپنے چمکیلے وجود سے اپنے گرد و پیش کو بھی چمک سے بھر دیا تھا۔۔

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت قاری صاحبؒ کو قرآن پڑھنے اور سننے کا بہت شوق تھا۔ خاص طور پر آپ شیخ رفعت صاحب کی تلاوت بہت شوق سے سنا کرتے تھے۔ اکثر آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ اسی لئے ہمارے والد صاحب نے اپنی ساری زندگی قرآن کی خدمت میں گزاری۔

وہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ تو آپ اس حدیث مبارکہ کی صحیح تصویر تھے۔ آپ کی ذات گرامی ایک ایسا سمندر تھی جس سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

ہمارے ابا جی نے کبھی کسی کو دکھ نہیں دیا۔ ہر کسی کا حق ادا کر کے گئے۔ آپ کی محبت اور شفقت ہمیں ہمیشہ یاد رہے گی۔ آپ کا وہ معصوم اور خوبصورت نورانی چہرہ ہماری نظروں سے کبھی اوجھل نہیں ہو گا ان کے ساتھ گزارے ہوئے لمحات ہماری زندگی کا سرمایہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے۔ آپ کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دے۔ آپ کو کروٹ کروٹ چین اور سکون عطا فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

□□□

قبلہ والد صاحبؒ کے عادات و خصائل

قاری نجم الصبیح تھانوی

حضرت قاری صاحب کی عادات و اطوار کے متعلق ایک بات سب سے پہلے عرض کروں کہ ہر شے اور ہر بات کی اچھائی کو قرآن و سنت سے منسوب کرتے۔

حضرت قاری صاحب کی طبیعت میں مستقل مزاجی بہت تھی یہ ناممکن تھا کہ جس کام کا ارادہ کرلیا ہو اس کو نامکمل چھوڑ دیں یا ترک فرما دیں اپنے بیگ میں ایک پاکٹ سائز ڈائری ضرور رکھتے جس میں اہم ملاقات اور دیگر مصروفیات کی یادداشت بناتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کسی شخص کا دل توڑنا کبھی مناسب نہ سمجھا بعض اوقات ہم نے دیکھا کہ کسی کام سے جانا ہے کوئی شخص گھر پر آگیا اور اپنی گفتگو شروع کردی یا اپنا کوئی مسئلہ بیان کرنے لگ گیا تو حضرت نے پوری توجہ سے سنا اور جواب بھی دیا لیکن اکتاہٹ کا اظہار نہ کیا۔

یہ بات بھی حضرت میں دیکھی کہ کسی میں کوئی کمی، خامی یا غلطی نظر آئی تو بہت شفقت سے اسے ٹوک دیا اور اصلاح فرما دی۔ بڑے بھائی عزیز احمد نے جب اذان دینی شروع کی تو مغرب کی اذان دے کر اقامت کہنے کے لئے کھڑے ہوئے ان کے قریب سے گزرتے ہوئے فرمانے لگے یہ اللہ اکبر کیا ہوتا ہے "یا" کا اضافہ نہ کرو اکبر صاف اور واضح کہا کرو۔

بچپن میں حضرت قاری صاحب کا عتاب ہمارے اوپر نماز میں عدم توجہی پر ہوتا تھا۔ والدہ سے فرماتے کہ ان کی روٹی بند کردو اگر یہ نماز نہ پڑھیں۔ بچپن کی نیندیں بعض اوقات گرمیوں میں ہم اوپر سو رہے ہوتے اور فجر کی نماز کے لئے آنکھ نہ کھلتی تو آکر ہماری چارپائی الٹ دیتے۔

تمام عمر ہم دیکھتے رہے کہ ہمیں کسی بھی قسم کی کھانے پینے یا کپڑوں کی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ عید سے پہلے عید کی خریداری کے لئے ہم تمام بہن بھائیوں کو بازار ضرور لے کر جاتے۔ عید پر عیدی دیتے۔ ۱۹۹۱ء کی عیدین پر بھی عیدی دی۔ گھر والوں سے گھل مل جاتے بات چیت کرتے مذاق کرتے لیکن اس کے باوجود ایک قدرتی رعب بھی ہمارے اوپر ہمیشہ رہتا مارنا تو بہت دور کی بات ہے اگر ہمیں جھڑک بھی دیتے تو ہم رو رو پڑتے۔ اور یہ حالت حضرت قاری صاحبؒ کی وفات تک رہی۔

ہمیں زیادہ دوستیاں بنانے سے بھی منع کرتے، فرماتے تھے یہ دوستیاں تباہ کرتی ہیں ان میں خیر کا پہلو کوئی سامنے نہیں آتا خاص طور پر آج کل کی دوستیاں۔ لیکن نمازی اور نیک لڑکوں سے دوستی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔ گھر میں کھانا پکتا تو ہنسی خوشی کھا لیتے کسی کھانے میں کوئی نقص نہ نکالتے بارہا یہ ہوتا کہ ہم بہن بھائی نمک، مرچ یا

گھی کی کمی بیشی کی شکایت کرتے لیکن حضرت قاری صاحب نے کبھی کوئی ایسی بات نہ کی۔ سادہ غذا کو ترجیح دیتے مرغن غذائیں زیادہ شوق سے نہ کھاتے فرماتے تھے بچپن میں مجھے شلغم گوشت بہت پسند تھا میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر ھانڈی میں سے سالن نکال کر ویسے ہی بغیر روٹی کے کھا لیا کرتا۔ حضرت کے پکے ہوئے قیمہ بھرے کریلے تو اس قدر لذیذ ہوتے کہ ہم لوگ انگلیاں چاٹتے رہ جاتے۔ فرماتے تھے کہ انسان کے مہذب ہونے کا پتہ اس وقت بھی لگتا ہے جب وہ کھانے کے لئے بیٹھتا ہے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ جنرل محمد ضیاء الحق نے سیرت کانفرنس کرائی میں استقبالیہ کمیٹی میں شامل تھا مہمانان کا استقبال میرے سپرد تھا۔ سیرت کانفرنس ہوئی بڑے بڑے مولانا' پیر صاحبان اسلامک سکالرز آئے۔ آنحضرتؐ کی سیرت مبارکہ پر بڑی زور دار اور دھواں دار تقاریر اور مقالہ جات پڑھے گئے۔ جب کھانے کا وقت آیا تو یہ سب صاحبان کھانے پر ایسا ٹوٹ کر گرے جیسے نہ جانے کتنے دنوں کے بھوکے ہیں۔ ایک صاحب نے افراتفری میں سالن کا ڈونگہ بیرے سے چھینا وہ ان کے ہاتھوں سے چھٹا اور سارا میری اچکن پر آگرا۔

کوشش کرتے کہ سالن پلیٹ میں نہ بچے لیکن اگر ہمراہ کوئی اور بھی شریک ہو جاتا تو اپنے سامنے سے پلیٹ کے کنارے بھی اس قدر صاف کر دیتے معلوم ہوتا کہ گویا یہاں سے کسی نے کھایا ہی نہیں ہے۔

حضرت قاری صاحب علی الصبح اٹھتے تھے۔ اور سیر کے لئے چوبرجی کوارٹرز کی گراؤنڈ (جہاں حضرت کی نماز جنازہ بھی ہوئی) چلے جاتے۔ عموماً تہجد کی نماز پڑھ کر سیر کے لئے جاتے۔ ورزش وغیرہ کیا کرتے۔ فجر کی نماز میں عموماً انیتسویں اور تیسویں پارے کی سورتیں پڑھا کرتے۔ یکم دسمبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ کو ہم چوبرجی کوارٹرز کا مکان چھوڑ کر اپنے ذاتی مکان میں منتقل ہوگئے۔ وہاں عموماً حضرت قاری صاحب فجر اور عشاء کی نماز باجماعت پڑھاتے۔ اسلام آباد جانے کے بعد بھی رمضان میں تراویح پڑھنے کے لئے یونیورسٹی سے چھٹی لے لیا کرتے۔ اب پچھلے دو رمضان سے چھٹی لینا موقوف کر دیا تھا جمعرات کو تشریف لاتے تو گھر اس وقت آتے جب تراویح اکثر گزر چکی ہوتی۔

ایک دفعہ ہم سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے حضرت اور ہماری والدہ بھی بیٹھی ہوئیں تھیں فرمانے لگے میری دلی تمنا ہے کہ حرمین شریفین میں مجھے بچوں کو قاعدہ پڑھانے کی بھی جگہ مل جائے تو چلا جاؤں پھر کہنے لگے مجھے تو وہاں جاروب کشی کے لئے بھی رکھ لیا جائے تو یونیورسٹی کی نوکری کو لات مار دوں۔ وفات سے کچھ دن قبل دارالعلوم اسلامیہ میں ہونے والی محفل حسن قراءت میں حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب سے بھی اسی قسم کی گفتگو فرمائی۔

حضرت قاری صاحبؒ نے راقم کے اوپر ذاتی توجہ اور محنت کی میں جب حفظ کر رہا تھا تو معمول تھا کہ روز راقم کا سپارہ خود سنتے۔ اس طرح تجوید بھی راقم نے والد صاحبؒ سے ہی پڑھی۔ آج کل ابتدائی عربی کی کتب شروع کرائی ہوئی تھیں ارادہ تھا کہ نئے تعلیمی سال شوال سے شاطبیہ شروع کرائی جائے لیکن اللہ کو کچھ اور منظور تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ دوران حفظ مجھے تیرا سبق سنتے ہوئے بعض اوقات اس قدر غصہ آتا کہ دل چاہتا خوب پیٹوں لیکن پھر

اپنے غصے پر قابو پا لیتا۔

ایک مرتبہ دوران گفتگو فرمانے لگے مجھے غلط تلفظ کے ساتھ قرآن شریف سن کر وحشت ہونے لگتی ہے اور اس جگہ بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

الشیخ رفعت کی تلاوت حضرت قاری صاحبؒ کو بے حد پسند تھی ان کی بہت خوبصورت کیسٹیں رکھی ہوئی تھیں فرمایا کرتے تھے ان کا انداز ہمارے شیخ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے بہت ملتا ہے۔ اسی طرح جمیل عاشی کی حدر کی کیسٹ بھی بہت سنتے اور اس کے متعلق بھی یہی فرمایا کرتے۔ ہم گھر والوں نے حضرت قاری صاحب کو کبھی روتے نہیں دیکھا لیکن تلاوت قرآن حکیم سن کر یا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک آجانے پر آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو جاری ہو جاتے۔ جمعہ کی تقاریر میں اہالیان چوبرجی کوارٹرز شاہد ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر بے تحاشہ روتے بلکہ حضرت کی تقاریر سن کر سامعین بھی رو پڑتے۔

حضرت سے ملنے والا کوئی بھی شخص پہلی ہی ملاقات میں ان کا گرویدہ ہو جاتا وفات پر تعزیت کے لئے آنے والے لوگوں کا بھی یہی بیان تھا کہ حضرت قاری صاحب کا ہمارے ساتھ جو محبت والا تعلق تھا وہ ناقابل بیان ہے۔

اکثر ہم لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر علمی اور ہلکی پھلکی گفتگو بھی کرتے۔ ہر موضوع کی کتب پڑھتے اور اس پر ایک دو جملوں میں ایسا جامع تبصرہ کرتے کہ کتاب کی حقیقت کھل کر سامنے آجاتی۔ ایک دفعہ مجھ سے فرمانے لگے **العواصم والقواصم** بڑی خوبصورت کتاب ہے معلوم کرو بازار میں اس کا ترجمہ دستیاب ہے اگر نہیں تو میں اس کا ترجمہ کرتا ہوں تم چھاپنا میں نے معلوم کیا تو پتہ لگا کہ ترجمہ ہو چکا ہے مجھے فرمایا یہ ترجمہ ضرور پڑھنا۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے ہارون الرشید کے دور میں برمکی خاندان اس کے وزیر رہے ہیں۔ اس خاندان پر بہت عروج آیا اور ہارون کے ہاتھوں ہی ان پر زوال و تباہی بھی آئی پھر مجھے خاندان برامکہ کے بہت سے واقعات سنائے اور فرمانے لگے اس سلسلے میں مزید پڑھنا ہو تو "البرامکہ" ایک کتاب ہے وہ پڑھو۔

حضرت قاری صاحب کا نماز کا بہت اہتمام ہوتا سفر ہو یا حضر نماز وقت پر ادا کرتے۔ اسلام آباد سے آتے تو بعض اوقات سیدھے مسجد جاتے اور نماز پڑھا کر گھر آتے۔ حضرت قاری صاحب کو کمر پر ایک پھوڑے کی تکلیف تھی بارہا اس کے آپریشن بھی کروائے تب جا کر اس موذی مرض سے نجات ملی۔ ان آپریشن کے بعد ہمیشہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے بلکہ ہم لوگوں کو خوف محسوس ہوتا کہ کہیں آپریشن والی جگہ تکلیف نہ ہو یا زخم سے خون نہ رسنے لگ جائے لیکن حضرت قاری صاحب کبھی ان چیزوں کی پروا نہ کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ اس پھوڑے کے پہلے آپریشن سے پہلے تکلیف اس قدر زیادہ تھی کہ غشی کی کیفیت تھی لیکن اس حالت میں بھی نماز ترک نہ کی اور لیٹے لیٹے اشاروں سے نماز ادا کی۔

چوبرجی کوارٹرز میں رہائش کے دوران کوئی شخص مسئلہ پوچھنے آجاتا یا کوئی مرد یا عورت تعویذ لینے کے لئے

آجاتی تو فوراً بتاتے یا تعویذ دیتے تعویذ لکھنے پر اجرت لینا بہت برا محسوس کرتے۔

کپڑوں کے معاملہ میں حضرت کا ذوق بہت نفیس تھا اچھے کپڑے بنانے اور پہننے کا شوق تھا عمدہ خوشبویات بھی استعمال کرتے اچھے اور قیمتی چشمے دھوپ والے بھی استعمال کرتے۔ عموماً جمعے کو اپنے کپڑوں کی اٹیچی کھول کر بیٹھتے اور فالتو کپڑے نکال کر مستحقین کو دے آتے بلکہ بعض اوقات اچھے خاصے نئے کپڑے بھی اس طرح دے آتے والدہ اعتراض کرتیں تو کہتے اللہ اور دے گا اس کے یہاں کی نہیں ہے۔

جمعہ کی تقریر میں لوگوں کو صاف اور آسان انداز میں قرآن و سنت پر عمل کرنے کی تلقین کرتے۔ روزمرہ کے واقعات کو تقریر میں ضرور بیان کرتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے صبح نماز کے بعد بیٹھا ہوا تھا ایک مسجد میں سے آواز آرہی تھی کہ فلاں بزرگ تو اس قدر نیک تھے کہ ان کی جھاڑو کا رخ بھی قبلے کی طرف رہتا۔ بھلا لوگ اس بات کو سن کر کیا کریں۔ لوگوں کو تو ان کے اندر سرایت کئے ہوئے برے اعمال کے متعلق بتاؤ اور سیدھا سیدھا صحیح سنت والی زندگی کا رستہ سمجھاؤ۔ اسی طرح ایک مرتبہ فرمانے لگے صبح کو ایک مسجد سے ذکر کرنے کی آواز آرہی تھی لا الہ الا اللہ کو وہ غلط پڑھ رہا تھا لا الہ پر سانس توڑ دیتا اور الا اللہ سے ملا دیتا۔ اس سے تو مطلب کچھ کا کچھ ہوگیا لوگ سوچتے کچھ نہیں الٹا گناہ اپنے ذمہ لیتے ہیں ایسے ہی جاھل لوگ ہمارے یہاں لوگوں کا ایمان تباہ کر رہے ہیں۔

اخبار میں مشہور کالم نگار زیڈ اے سلہری کے مضامین بہت شوق سے پڑھتے بلکہ ہم سے بھی پوچھتے کہ تم نے سلہری کا مضمون پڑھا ہے۔ بریگیڈیئر صدیق سالک شہید (جو کہ سانحہ بہاولپور میں شہید ہوئے) کی بھی تمام کتب پڑھیں۔ قدرت اللہ شہاب صاحب کا شہاب نامہ بھی پڑھا بلکہ کچھ اقتباس اپنی ذاتی ڈائری میں نوٹ بھی کئے۔ مشہور مزاح نگار شفیق الرحمٰن کی بھی تمام کتب پڑھیں۔ مستنصر حسین تارڑ کا سفرنامہ "نکلے تیری تلاش میں" لا کر دیا پڑھا اور بعد میں فرمایا بس عام سی باتیں ہیں تحقیقی گفتگو نہیں ہے۔

اسلام یا قراءت سے متعلق کسی بھی غلط بات کی فوراً تردید کرتے اسے یا تو جمعہ کی تقریر میں بیان کرتے یا پھر اخبار و رسائل میں مضامین بھیج کر صحیح صورت حال واضح کرتے۔ لیکن آپس کے گروہی یا فرقہ وارانہ اختلافات پر کبھی نہ لکھا اور نہ کبھی اپنی تقریر میں کبھی اس موضوع پر بولے۔

مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ مطالعہ کے وقت کسی بات کا ہوش نہ رہتا استغراق کا عالم یہ ہوتا کہ چائے لا کے رکھی تو وہ ٹھنڈی ہوگئی اور کھانا رکھا تو وہ ٹھنڈا ہوگیا۔ کتب کا مطالعہ بڑی مستقل مزاجی سے کرتے بارہا پانچ پانچ سو صفحات کی کتب دو یا تین راتوں میں ختم کر دیتے۔ کسی بھی کتاب کے ضروری اقتباس لکھنے کے لئے کاغذ اور قلم ساتھ رکھتے اور وہ نوٹ کرتے جاتے۔ نایاب کتب کو اپنے پاس نقل کر لیتے۔ ہمیں یاد ہے کہ یونیورسٹی جانے سے قبل حضرت قاری صاحب کا رات کو سونے کا معمول تقریباً ایک اور دو بجے کے درمیان ہی رہتا۔

۱۹۸۰ء میں جب بڑے بھائی کیپٹن قاری عمیر احمد فوج میں سلیکٹ ہوئے اور خبر آکر حضرت قاری صاحب کو

سنائی تو بے حد خوش ہوئے ان کی کاکول میں پاسنگ آوٹ پریڈ ہوئی تو ملٹری اکیڈمی کاکول بھی گئے۔

گھر میں سے کوئی سفر میں کبھی ساتھ ہوتا تو سارے رستے بہت خیال رکھتے کھانے پینے کی چیزوں کا پوچھتے رہتے۔ مجھے یاد ہے جب ہم بچپن میں سفر میں ہمراہ ہوتے تو ہمیں کھڑکی کے پاس بٹھاتے۔ رستے میں کوئی قابل ذکر جگہ آتی تو اس کے متعلق بھی ضرور بتاتے۔

استاذ المحترم قاری ادریس عاصم صاحب اور حافظ فیاض احمد فیاض صاحب گاڑی لے کر آجاتے اور ساتھ لے کر چلے جاتے ان کو بھی سارے رستے مختلف باتوں سے بہلاتے رہتے۔ خشونت اور ظاہری کروفر بنا کر نہ رہتے بلکہ لوگوں میں گھل مل جاتے بلکہ مذاق بھی کرتے۔

کبھی کسی کو پڑھانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ چھوٹے بچوں کو نورانی قاعدہ پڑھانے کے لئے بھی بیٹھ جاتے راقم کا ذاتی مشاہدہ ہے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار میں پڑھائی کے دوران حفظ اور ناظرہ والے بچوں کا سبق سن لیتے۔ استاذ المحترم قاری ادریس عاصم صاحب بتاتے ہیں کہ چینیانوالی مسجد میں قاری صاحب کے پڑھانے کے دوران ان دنوں میں حفظ کر رہا تھا استاذ نہ ہوتا تو بلا کر میرا سبق سنتے۔ بارہا جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز میں ناظرہ قرآن کا امتحان لیا۔ خود ہی کوئی دن مقرر کر دیتے بھئی فلاں دن میں امتحان لوں گا۔ مدرسین تیار ہو جاتے اور اس دن امتحان ہو جاتا۔

حضرت قاری صاحب کی طبیعت میں نام و نمود اور شہرت کی ہوس نہ تھی۔ چھوٹی چھوٹی غیر معروف جگہوں پر چلے جاتے۔ کئی سالوں سے یہ ہو رہا تھا کہ فیصل مسجد میں ہونے والے شبینے میں نہ جاتے لیکن لوہاری گیٹ میں حضرت قاری محمد عظیم جان صاحب کی مسجد میں نہایت ذوق و شوق سے شبینے کے لئے جاتے۔ جن لوگوں نے قاری عظیم جان صاحب کی مسجد و مدرسہ دیکھا ہے وہ واقف ہیں کہ یہ کیسی چھوٹی سی جگہ ہے۔

علوم قراءت کو روشناس کرانے کے لئے بے تکلف چھوٹی بڑی محافل میں سبعہ قراءت میں تلاوت فرماتے۔ بعض اوقات علم قراءت کی مختصر سی تاریخ بھی بیان کر دیتے اس طرح سے لوگوں کو قراءت کے علوم کے واسطے شوق پیدا کرتے۔ راقم کا تراویح میں قرآن ختم ہوتا تو سبعہ میں تلاوت کرتے کسی کالج میں محفل حسن قراءت ہوتی تو وہاں سبعہ قراءت میں پڑھتے لیکن جہاں کہیں مقابلہ اور مخاصمت کی فضا ہوتی وہاں بہت سادہ انداز میں پڑھ دیتے۔

گھر میں مدرسے میں یا یونیورسٹی میں کہیں بھی اپنے کام کے لئے کسی کو زور دے کر نہ کہتے کسی سے اپنے یا اپنی اولاد کے لئے سفارش نہ کرتے اور نہ ہی عموماً کسی کی سفارش قبول کرتے جنرل محمد ضیاء الحق سے باوجود تعلقات ہونے کے کبھی کسی ذاتی کام کے لئے نہ کہا بلکہ ہم لوگ بعض اوقات گھر میں بات کرتے کہ ابو کو کسی سے کام لینا نہیں آتا۔

استاذ المحترم قاری محمد ادریس عاصم صاحب نے بھائی عزیر سے کہا اب تو حضرت کے شاگرد بھی نمایاں مقام

کے حامل ہو گئے ہیں کتب کے ٹائٹلز پر حضرت کے نام کے ساتھ القابات وغیرہ چھاپا کرو۔ انہوں نے یہ تجویز مان لی۔ پہلی کتاب پر یہ القابات چھپوائے حضرت کو دکھائے گئے کتاب ملاحظہ فرمائی اور فرمانے لگے ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی۔ کسی کتاب کا مسودہ لکھ کر فارغ ہوتے تو اپنے نام کے ساتھ خادم الطلاب لکھا کرتے۔

رجوع الی اللہ کی طرف خود بھی مائل رہتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے ایک بات اپنے شاگرد پروفیسر جناب کرامت اللہ صاحب سے فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک مکمل اور خودمختار یونٹ بنایا ہے جس میں کوئی کمی اور خامی نہیں رکھی لیکن جب وہ اپنے جیسے کسی انسان کے آگے دست سوال دراز کرتا ہے تو خدا کی تخلیقی صلاحیتوں کی نفی کرتا ہے۔

ایک مرتبہ راقم نے تراویح میں قرآن شریف سنایا۔ تو تقریر میں کہنے لگے ہمارے اسلاف قرآن بہت پڑھا کرتے تھے اب سے ساٹھ ستر سال پہلے ہی کی بات ہے گھروں میں بیبیاں تہجد کے ٹائم بیدار ہوا کرتی اور چکی پر آٹا وغیرہ پیسا کرتی اس کے ساتھ ساتھ ذکر اللہ اور قرآن بھی پڑھتی رہتی تھیں۔ ہمارے اسلاف میں کتنے ہی ایسے بزرگ تھے جو روز ایک قرآن شریف ختم کر لیتے ہم لوگ تو اس معاملہ میں بالکل نکمے ہو کر رہ گئے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے میں پنڈی اور لاہور کے سفر کے دوران پندرہ سپارے پڑھ لیتا ہوں یعنی آنے جانے کے سفر میں ایک قرآن شریف مکمل ہو جاتا تھا۔

دیر تک سوتے رہنا حضرت قاری صاحبؒ کو سخت ناپسند تھا خاص طور پر طالبعلم کے زیادہ سونے پر خفا ہوتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی کی عمر ساٹھ سال ہے تو تیس سال تو اس نے سو کر گزار دیئے باقی تیس سال میں وہ کیا تیر چلائے گا۔ خود بھی بہت کم سوتے رات کو ایک ڈیڑھ بجے سے پہلے سونے کا معمول نہ تھا اور صبح تہجد کے ٹائم اٹھنا آخری عمر تک معمول رہا۔ ہم نے دیکھا دوران مطالعہ اونگھ آگئی کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی اونگھ لئے دس پندرہ منٹ کے بعد پھر اپنے مطالعہ میں مشغول ہو گئے۔

جمعہ کی تقاریر میں بہت خوبصورت معمولات ہوتی۔ ایسی آسان اور عام فہم انداز خطابت ہوتا کہ دل موہ لیتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے انقلاب روس ۱۹۱۷ء میں روسی کمیونسٹ افواج نے ایک مسلمان ریاست پر قبضہ کیا۔ ان کمیونسٹ افواج کے حملوں سے ثمرقند اور بخارا کی زبردست اسلامی تہذیب تہہ و بالا ہوگئی۔ وہ علاقے جہاں سے اسلام کے ستون پیدا ہوئے امام بخاریؒ، امام ترمذیؒ اور صاحب ھدایہؒ جیسی اہم شخصیات نے جنم لیا جہاں بڑے بڑے دینی علوم کے مدارس میں ہمہ وقت قال اللہ تعالیٰ اور قال رسول اللہ کے الفاظ گونجا کرتے تھے۔ اذانوں کی آوازوں سے ثمرقند و بخارا و تاشقند کے در و دیوار آشنا تھے۔ اور کہاں یہ دور آیا کہ وہ بڑے بڑے عالم جو اللہ اور اس کے رسولؐ کا دین سکھا رہے تھے ان کو یہ کام سونپا گیا کہ فوجیوں کے گھوڑوں کی لید، گوبر پیشاب وغیرہ صاف کیا کریں۔ ایسے ہی ایک موقع پر دو نامور عالم گھوڑے کی لید کی بھری ٹوکریاں اٹھائے جا رہے تھے ایک عالم نے

دوسرے سے کہا یہ ہمارے ساتھ کیا ہوا۔ عالم کا عالم بدل گیا۔ کہاں تو وہ دن کے ہم نہایت شان و تمکنت سے اپنی مسانید پر براجمان درس قرآن و حدیث میں مشغول تھے اور کہاں تغیر زمانہ کے اب ہماری یہ تذلیل۔ دوسرے عالم نے جواباً کہا بس چپ ہی کر جاؤ اور منہ سے کچھ بھی نہ کہو یہ دراصل اللہ کے قہر کی آندھی چل رہی ہے جس کی لپیٹ میں ہر کس و ناکس آیا ہوا ہے ہمیں تو بس ہر دم اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے استغفار کرتے رہنا چاہئے۔ اسی طرح ۱۹۹۱ء کے آخری مہینوں میں جب روس کی عظیم جابرانہ سلطنت کا کام تمام ہوا تو فرمانے لگے لوگ پتہ نہیں کون سے معجزات طلب کرتے ہیں یہ کھلا ہوا معجزہ نہیں ہے کہ ان کی آنکھوں کے سامنے ایک عظیم سلطنت دم توڑ گئی۔ کل تک جو دوسروں کی تقدیر کے فیصلے کرتے تھے آج وہ دوسروں سے امداد اور خوراک کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ کل تک جو اعلان کرتے پھرتے تھے کہ ہم نے خدا کو (نعوذ باللہ) روس سے نکال باہر کیا ہے انہی لینن اور مارکس کے مجسموں کو لوگ جوتیاں مار رہے ہیں اور راتوں رات ان کے دیو قامت مجسمے چوراہوں اور اہم مقامات سے غائب کر دیئے گئے ہیں۔ وہ کمیونزم جس پر ہمارا جوان فدا تھا دنیا کے بڑے بڑے مفکرین' ادیب' شاعر اور بڑے بڑے سیاستدان ترقی پسند ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور علمائے کرام کو تنگ نظری کا طعنہ دیا کرتے تھے آج اس عالم میں حیران و پریشان کھڑے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے لوگ مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے ہیں کہتے ہیں جناب رات کی نماز تو ہم سے نہیں پڑھی جاتی۔ سترہ رکعتیں ہوتی ہیں رکوع و سجود کرتے کرتے کمر میں درد ہونے لگتا ہے اللہ کے بندو مسجد میں آؤ تو صحیح تم سترہ رکعتیں نہ پڑھو۔ نو ہی پڑھ لو نماز سے منہ تو نہ موڑو۔

باتیں تو حضرت کی اس قدر ہیں کہ ہر وقت اور ہر اہم موقع پر رہنمائی کرتی ہیں لیکن فی الحال انہی باتوں پر اکتفا کرتے ہوئے مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

❑❑❑

قاری اظہار احمد تھانوی صاحب

حکیم محمد رمضان الحسن صاحب

حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کی شخصیت ایک بہت عظیم شخصیت تھی۔ اور اس عظمت سے ان کے شاگرد' طلباء جو ان سے استفادہ کر رہے تھے۔ اساتذہ تجوید و قراء ت جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے شاگرد تھے یا ان کی کتب سے فیض یاب ہو رہے ہیں یا وہ مقتدی حضرات جو حضرت کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے بخوبی واقف ہیں۔

قاری صاحب محترم علم کے ایک نایاب خزانے کی مانند تھے جس کی کمی اب شاید ہی پوری ہو سکے۔ میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر ان کے تلامذہ یا دیگر متعلقین میں سے کوئی ان کی کمی کو پوری کرنے کی کوشش کرے تو یہ مقام حاصل کرنا ان کے بس کا روگ نہ ہوگا۔ میں ان کا شاگرد نہیں ہوں۔ لیکن قاری صاحب محترم سے میری یاد اللہ خوب تھی۔ جب بھی ملاقات ہوتی قاری صاحب بہت شفقت خلوص اور محبت سے پیش آتے۔

ایک بات عرض کرتا چلوں کہ قاری صاحب سے جب بھی ملاقات ہوئی ان کو فارغ بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا۔ کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں ہے اور مطالعے کا شغل جاری ہے۔ بارہا یہ بھی دیکھا کہ بچوں کو مشق کروا رہے ہیں اور مطالعہ بھی ہو رہا ہے۔ اور مزے کی بات یہ ہے کہ مطالعہ میں مصروف ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کی توجہ بچے کو مشق کرانے میں نہیں بچہ جو پڑھ رہا ہے پڑھنے دو نہیں بلکہ مطالعہ کے ساتھ ساتھ مشق کروائی جا رہی ہے اور گاہے بگاہے اصلاح بھی کرتے جا رہے ہیں۔

قاری صاحب کے حوالے سے چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اب شدت سے یاد آتی ہیں۔ ایک مرتبہ ہمارے یہاں رمضان میں شبینہ ہو رہا تھا۔ ہمارے عزیز دوست حافظ نزیر صاحب جو کویت ہوتے ہیں۔ ان کے ایماء پر اس شبینے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مگر اب ہوا یہ کہ وہ خود تو اعتکاف میں بیٹھ گئے اور مجھے کہا کہ آپ اس شبینے کا انتظام و انصرام کریں اور یہ کوشش کریں کہ شبینے کے آخری دن بزرگوں میں سے کچھ اصحاب آجائیں۔ قاری نور محمد صاحب کو لے آئیں وہ پارہ پڑھ لیں گے۔ ہم حافظ نزیر صاحب کو احتراماً استاد جی کہتے ہیں عمر اور مرتبے میں وہ مجھ سے بڑے ہیں۔ میں نے کہا استاد جی اگر ان کے علاوہ کسی اور کو بھی لے آئیں تو آپ کو اعتراض تو نہ ہوگا۔ فرمانے لگے اعتراض تو نہیں ہوگا مگر آپ کس کو لانا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا استاد جی میرا دل کرتا ہے اس مرتبہ حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ کو یہاں لایا جائے۔ حافظ صاحب حیران ہو کر فرمانے لگے حاجی صاحب آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ وہ اتنے بڑے استاذ قراء ت ہیں وہ یہاں اس چھوٹی سی مسجد میں آجائیں گے۔ میں نے کہا استاد جی یہ بات چھوڑیں آپ نے انہیں پہچانا ہی نہیں ہے۔ عام تاثر جو بعض استاذ قراء کے متعلق ہوتا ہے ناز نخروں والا وہ

حضرت قاری صاحبؒ میں نہیں ہے۔ حافظ صاحب نے کہا تو پھر آپ کب جائیں گے ان سے ٹائم لینے۔ میں نے کہا استاد جی! حضرت قاری صاحبؒ تو اس قدر پیارے آدمی ہیں کہ ان سے جا کر ہم کہہ دیں گے تو انہوں نے یہی فرمانا ہے کہ اچھا جناب میں پہنچ جاؤں گا۔ مگر ہم کہہ دیں گے نہیں حضرت آپ زحمت نہ فرمائیں انشاء اللہ ہم خود لینے کے لئے حاضر ہو جائیں گے۔

قصہ مختصر چند روز کے بعد قاری احمد دین صاحب کی مسجد میں حضرت قاری صاحب سے ملاقات ہوئی حضرت قاری صاحبؒ کے پاس بیٹھے تو انہوں نے حال چال پوچھا مجھے یاد ہے حضرت قاری صاحبؒ مجھے میرے نام سے نہیں پکارتے تھے بلکہ بڑی محبت سے فرماتے "آئیں حکیم صاحب کیا حال چال ہیں" خیر اس دن بھی ملاقات ہوئی تو حضرت قاری صاحبؒ نے دریافت فرمایا کہ کیسے یاد کیا۔ میں نے عرض کی کہ میری دلی خواہش ہے کہ آپ مجھے شبینہ میں وقت دیں تاکہ لوگ آپ کی تلاوت سے مستفیض ہو سکیں۔ فرمانے لگے بہتر ہے لیکن سب لوگوں کو بلواؤ۔ قاری نور محمد صاحب کو بلواؤ' قاری صدیق صاحب لکھنوی کو بلواؤ۔ اس سے پہلے اتفاق کی بات ہے کہ حضرت قاری محمد صدیق صاحب کو سنا تو ضرور تھا لیکن ان سے شرف ملاقات حاصل نہ تھی۔

میں نے عرض کیا حضرت میری تو قاری صدیق صاحب سے ملاقات نہیں ہے۔ فرمانے لگے چھوڑیں آپ۔ میں قاری صدیق صاحب کو خود کہہ دوں گا۔ میں نے عرض کیا مجھے کیسے معلوم ہو گا۔ فرمانے لگے آپ کا شبینہ کس دن ہے میں نے دن بتایا تو فرمایا بس اس دن تم لوگ انہیں لینے چلے جانا اور انہیں گھر سے لے آنا۔ ہم قاری صدیق صاحب کو لے کر آئے اور اس کے بعد قاری صاحبؒ کے گھر گئے تو معلوم ہوا کہ وہ ہمارے ایک ساتھی قاری عظیم جان صاحب کے جن کی مسجد لوہاری گیٹ میں واقع ہے تشریف لے جا چکے ہیں۔ ہم لوہاری پہنچے تو حضرت قاری صاحبؒ موجود تھے اور حسب عادت مطالعے میں مصروف' ہم نے پہنچ کر عرض کیا کہ حضرت چلنا پسند فرمائیں گے۔ فرمانے لگے۔ مجھے تو کوئی اعتراض نہیں یہ ساتھی جو مجھے یہاں لائے ہیں ان سے دریافت فرمالیں میں نے قاری عظیم جان صاحب سے دریافت کیا انہوں نے کہا مجھے کوئی اعتراض نہیں بس یہ خیال رہے کہ حضرت کا آخری سپارہ یہاں ہیں۔ میں نے کہا آپ فکر نہ کریں آپ کا یہ حق ہم نہیں چھینیں گے۔ بلکہ ہم وہاں پہنچ کر جو بھی سپارہ چل رہا ہو گا اس سے اگلا حضرت قاری صاحب سے پڑھوا دیں گے۔ اس طرح حضرت قاری صاحب نے ہمارے یہاں شبینہ پڑھا۔

قرآن مجید کے حوالے سے بات آگے بڑھاتا ہوں کہ یہ بڑی ضروری اور اہم بات ہے جو کہ حضرت قاری صاحب حفاظ سے نہیں بلکہ ان لوگوں سے فرماتے جو ناظرہ قرآن پڑھے ہوتے تھے فرماتے تھے "آپ لوگ قرآن شریف خود پڑھ لیا کریں اپنے بچوں کو پڑھوائیں اپنے گھر والوں کو تاکید کریں۔ یہی قرآن شریف جو آپ نے پڑھا ہو گا یہی چھوٹی چھوٹی سورتیں اور آیات آپ کے لئے قبر میں ڈھال بن کر عذاب قبر سے بچاؤ کا سامان ہوں گی۔

حضرت دنیاوی تعلیم کے مخالف نہیں تھے لیکن دینی تعلیم کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ تو ایسی ضرورت ہے جو خود بھی حاصل کرو اور اپنے بچوں کو بھی اس سے آراستہ کرو۔ فرمایا کرتے تھے مدنی سورتیں تو کافی لمبی لمبی ہیں لیکن یہ مکی سورتیں اور تیسویں پارے کی سورتیں تو باسانی یاد ہو جاتی ہیں ان کو ضرور یاد کرو۔ اگر کوئی ایسا شخص جو کہ عالم نہ ہوتا وہ حضرت کے پاس بیٹھ جاتا تو احساس کمتری میں مبتلا نہیں ہوتا تھا۔

طلباء کے ساتھ بہت شفیق تھے۔ پٹائی وغیرہ تو بہت دور کی بات ہے کسی کو ڈانٹتے بھی نہیں تھے۔ دوران سبق کسی شاگرد نے غلطی کی تو بہت تحمل اور ضبط سے اس کی اصلاح کرتے بلکہ اس کی اس غلطی کی اس وقت تک اصلاح کرتے رہتے جب تک وہ اس اصلاح شدہ کلمات پر پورا عبور حاصل نہ کر لیتا۔

مجھے کیسٹیں اکٹھی کرنے کا بہت شوق ہے۔ قراء حضرات کی بہت نادر و نایاب تلاوتیں الحمدللہ میرے پاس موجود ہیں۔ بعض اوقات دوپہر کو میں حاضر ہوتا ظہر کی نماز کے واسطے تو عرض کرتا حضرت آج دوپہر کا کھانا میری طرف ہو جائے فرماتے بھئی اس تکلف کی ضرورت نہیں میں عرض کرتا حضرت تکلف والی بات نہیں بلکہ جو گھر میں موجود ہوگا وہ تناول کر لیں گے۔

کھانے کا تو بہانہ ہوتا اصل مقصد تو مل بیٹھنے کا بہانہ ہوتا تھا۔ حضرت قاری صاحب جب گھر تشریف لاتے تو حضرت کے ذوق اور مزاج کو مدنظر رکھتے ہوئے تلاوت کے کیسٹ ان کو سنواتا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے اسی طرح گھر آئے اور کیسٹ سن کر فرمانے لگے حکیم صاحب آپ نے بہت نادر و نایاب تلاوتیں اکٹھی کی ہوئی ہیں بہت محنت ماشاء اللہ کی ہے لیکن حضرت الاستاذ المکرم مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کی کوئی تلاوت آپ کے پاس نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت میں نے تو بہت کوشش کی ہے لیکن مجھے دستیاب نہیں ہو سکی۔ فرمانے لگے اچھا میں کوشش کروں گا مجھے یاد آتا ہے کہ میرے ملنے والوں میں سے کسی کے پاس حضرت الاستاذ کی تلاوت موجود ہے۔

چند دنوں کے بعد مجھے پیغام ملا کہ حضرت قاری صاحبؒ یاد فرماتے ہیں۔ میں حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے حکیم صاحب آپ کسی وقت گھر تشریف لائیں میں نے حضرت الاستاذ کی کیسٹ حاصل کر لی ہے۔ حضرت الاستاذ نے چوتھا پارہ حجازی لہجہ میں نہایت عمدہ پڑھا ہوا ہے اس کی ریکارڈنگ کر لیں۔ میں نے حضرت سے حامی بھرلی۔ شام کو میں حضرت قاری احمد دین صاحب کو ہمراہ لے کر چوبرجی کوارٹرز والے گھر پہ حاضر خدمت ہوا۔ اور وہ کیسٹ ریکارڈ کی۔ اس طرح حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا تلاوت کا کیسٹ حضرت قاری صاحبؒ کی کوششوں سے مجھ تک پہنچا۔

اسی حوالے سے ایک بات اور یاد آئی۔ یہ کوئی بیس بائیس سال پرانی بات ہے۔ مجھے خیال آیا کہ ایک ایسا قرآن شریف تلاوت کی صورت میں اکٹھا کیا جائے جو تمام ساتھیوں اور بزرگوں کی تلاوتوں پر مشتمل ہو۔ الحمدللہ کافی

تلاوتیں تو پہلے ہی میرے پاس موجود تھیں جب ہم سورۃ طٰہٰ پر پہنچے تو ہمیں کسی بزرگ یا ساتھی کی تلاوت دستیاب نہ ہو سکی۔ میرے ذہن میں حضرت قاری صاحبؒ کا نام گونجا میں اور میرے ایک ساتھی حامد حسن مرزا صاحب ایک رات حضرت قاری صاحبؒ کے گھر پہنچے تلاوت ریکارڈ کرنے کے لئے۔ رمضان کے دن تھے گرمی بھی اچھی خاصی۔ گرمی ایسی کہ روزہ افطار کرنے کے بعد بھی پیاس کی شدت ختم نہ ہو پاتی۔ حضرت قاری صاحبؒ تراویح میں قرآن شریف سنا رہے تھے۔ ہم حاضر خدمت ہوئے تو تراویح کے بعد کا وقت تھا۔ حسب دستور و عادت بہت بشاشت اور خوش دلی سے ملے۔ ادھر ادھر کی بات کرنے کے بعد ہم نے اپنا اصل مدعا بیان کیا۔ گرمیوں کی راتیں چھوٹی ہوتی ہیں۔ پھر تراویح کے بعد کا ٹائم اور سحری کا وقت آنے میں بھی صرف چند گھنٹے۔ ہمیں احساس تھا کہ ہم حضرت قاری صاحب کے آرام میں مخل ہو رہے ہیں۔ ہم نے حضرت سے قرآن شریف کی تلاوتوں کے جمع کرنے کا پروگرام بنایا اور عرض کی کہ آپ بھی ایک دو رکوع تلاوت فرما دیں تو بہت مہربانی ہوگی۔ ہم نے تو حضرت سے ایک دو رکوع کہا تھا لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے سورہ طٰہٰ پوری حدر میں تلاوت فرمائی۔

بعد میں ہم نے کچھ سوالات بھی کئے میرے ساتھی حامد حسن مرزا نے عرض کیا حضرت ہماری معلومات کے لئے آپ فرما دیں کہ آپ نے کون کون سے لہجوں میں پڑھا ہے فرمانے لگے میں نے سب سے پہلے شروع "رکب" میں کیا اس کے بعد "مایہ" پھر اس کے بعد "حجازی" اور آخر میں "رکب" میں ختم کر دیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ میرے میں کوئی کمال نہیں۔ میں اپنے آپ کو ایک لہجے میں نہیں چلا سکتا۔ یہ کمال اور حسن ادا اور لہجوں پر گرفت حضرۃ الاستاذ المکرم قاری عبدالمالک صاحبؒ میں تھا کہ رمضان شریف میں پہلی تراویح کے دوران جس لہجہ میں الحمد شریف تلاوت فرما دی چاہے وہ مایہ تھا' رکب تھا' عشاقی تھا یا حجازی تھا بس پھر اسی لہجہ میں حضرۃ الاستاذ نے والناس تک قرآن شریف سنا دیا۔

یہ بات ہم میں پیدا نہیں ہو سکتی۔ ہم لاکھ کوشش کریں لیکن یہ وصف صرف حضرۃ الاستاذؒ کا طرہ امتیاز تھا۔

اس واقعے کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ حضرت قاری صاحبؒ کی وسعت قلبی پر غور فرمائیں رات کا ٹائم' گرمیوں کی راتیں' رمضان کے ایام' سخت گرمی کے روزے اور اس کے بعد تراویح کے قیام کے بعد آدمی کس قدر شدید تھکن محسوس کرتا ہے دن میں ایک ڈیڑھ سپارے کا دور کرنے کے علاوہ تراویح میں سنانا پھر ہم لوگوں کا پہنچ جانا کہ حضرت ہمیں بھی تلاوت سے نوازیں۔ ہے تو سخت زیادتی والی بات لیکن حضرت قاری صاحبؒ کی وسعت قلبی دیکھئے کہ ماتھے پر شکن تک نہ لائے بلکہ بہت ہی عمدہ اور نفیس پڑھا۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا احترام ہمہ وقت حضرت قاری صاحبؒ پر غالب رہتا۔ اکثر ان کے واقعات سناتے۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ حکیم صاحب حضرت استاذ المکرمؒ اپنے دو پنجابی شاگردوں کا ذکر کیا کرتے تھے میری دلی خواہش ہے کہ میں ان سے ملوں۔ میں نے عرض کیا حضرت وہ کون اصحاب ہیں۔ فرمانے لگے ایک تو مرزا محمود

ہیں۔ میں نے عرض کیا موچی دروازے میں ہوتے ہیں حکیم مرزا محمود صاحب۔ فرمایا یہ حضرت قاری صاحبؒ کے یہاں لکھنؤ جا کر ٹھہرا کرتے تھے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ ان کے پڑھنے کی بہت تعریف فرماتے تھے۔ ایک دوسرے صاحب افضل نامی ہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں ان کا پورا نام شیخ محمد افضل ہے۔ فرمانے لگے آپ ان کے ایڈریس مجھے لا کر دیں میں ان سے ملوں گا۔ یہ اہتمام صرف اس وجہ سے ہو رہا ہے کہ حضرۃ الاستاذ نے چونکہ فرمایا کہ یہ دونوں حضرات بہت خوبصورت پڑھتے ہیں اس لئے ان سے ملاقات کا اشتیاق ہوا۔

یہ واقعہ جو میں بیان کر رہا ہوں ۱۹۶۸ء کا ہے میں نے شیخ محمد افضل صاحب کے سلسلہ میں کوشش کی وہ میرے ایک دوست کے بہنوئی تھے میں شیخ صاحب سے ملا اور حضرت قاری صاحبؒ کا پیغام دیا۔ شیخ صاحب نے کہا کہ یہ حضرت کی ذرہ نوازی ہے یہ مناسب نہیں کہ وہ میرے پاس آئیں بہتر یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ کبھی ان کی طرف چلوں گا۔ بات آئی گئی ہوگئی شیخ صاحب وقت نہ نکال سکے میری ایک روز ان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے کہا جناب وقت آپ کے پاس بھی نہیں اور وقت میرے پاس بھی نہیں بہتر یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی تلاوت کیسٹ کر کے دے دیں۔ کیسٹ تو انہوں نے مجھے نہیں دی لیکن اس بات کو آپ دیکھیں کہ حضرت قاری صاحبؒ اپنے استاذ بھائیوں سے بھی کتنی محبت کرتے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ تھا کہ دھیمے دھیمے لہجے میں کھل کر گفتگو کرتے کبھی لاگ لپٹی والی بات نہ کرتے کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرتے۔ اپنے نام اظہار احمد کے لحاظ سے اسم بامسمی تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ بانی مدرسہ تجوید القرآن کا بھی بہت احترام فرماتے ان کے بہت سے واقعات ہمیں سناتے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت قاری صاحبؒ تشریف لاتے تو حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ فوراً کھڑے ہو جاتے بہت زور دار معانقہ کرتے اور پھر اپنے قریب بٹھلاتے۔ ایک واقعہ حضرت قاری صاحبؒ نے قاری فضل کریم صاحبؒ کا ہمیں سنایا جو میں حضرت قاری صاحبؒ کی طرف سے ہی بیان کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں۔

حکیم صاحب ایک مرتبہ میں حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ کو امتحان دلانے کے واسطے لے کر گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں اتنی سختی سے امتحان لینے والا نہیں دیکھا۔ ایک چھوٹا سا بچہ حضرت قاری فضل کریم صاحب کو امتحان دینے آیا۔ ماشاء اللہ اس بچے کی منزل خوب مضبوط تھی۔ حضرت نے امتحان لیتے ہوئے اس پر خوب گرفت کی کوشش کی لیکن بچہ ہوشیار تھا۔ فر فر سناتا رہا۔ حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ نے بہت سی متشابہات والی آیات بھی اس بچے سے پوچھی جو اس نے پڑھ دیں۔ میں اس انتظار میں تھا کہ اس بچے کے امتحان سے فارغ ہوں تو دوسرے لڑکوں کو امتحان کے لئے بلایا جائے۔ قاری فضل کریم صاحبؒ میری طرف منہ کر کے فرمانے لگے۔ قاری صاحب یہ چھوٹا سا بچہ ہے لیکن ماشاء اللہ انتہاء درجے کی مضبوط منزل کا حافظ ہے میں نے بہت کوشش کی کہ یہ

کہیں غلطی کرے یا بھولے لیکن یہ نہیں بھولا۔ پھر قاری فضل کریم صاحبؒ نے بچے سے پوچھا اچھا یہ بتاؤ سورہ یوسف میں تو حضرت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہے اور کس کس مقام پر حضرت یوسف کا ذکر ہے بچے نے بتا دیا کہ دو مقام پر ایک تو ساتویں پارے میں اور دوسرا چوبیسویں پارے میں۔ یہاں حضرت قاری صاحب کا اس واقعہ سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ بزرگ خدمت قرآن اور اس کی ترویج و ترقی کے لئے کس قدر کوشش کرتے اور ان کے شاگرد بھی کس قدر لائق اور اپنے استاذ کے پرتو بن کر نکلتے تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ کی وفات کے بعد میں حضرت قاری محمد ادریس عاصم صاحب کے پاس گیا تو انہوں نے حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی کی آخری تلاوت سنوائی جو انہوں نے اپنے اولین شاگردوں میں سے ایک قاری نور احمد صاحب کے یہاں عثمانوالہ قصور میں کی تھی۔ یہ قاری نور محمد حضرت قاری صاحبؒ کے جامع مسجد چینیانوالی کے شاگرد ہیں اور بہت خوبصورت پڑھتے ہیں۔ میں ذکر کر رہا تھا حضرت قاری صاحبؒ کی تلاوت کا کہ وہ میں نے سنی تو حیران رہ گیا کیونکہ حضرت قاری صاحبؒ کا لہجہ اور انداز اپنے استاذ المکرم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے بہت ملتا جلتا تھا تلاوت میں کئے جانے والے وقوف بعینہ اسی طرح تھے جس طرح حضرت قاری عبدالمالک صاحب فرماتے تھے۔

آج حضرت قاری صاحب ہم میں نہیں ہیں میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت قرآن کی بدولت ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کی قبر کو نور سے منور فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

❑❑❑

علوم قرآن کا داعی

قاری محمد فاروق عباسی

یہ ۱۹۸۵ء کے لگ بھگ کی بات ہے جب راقم نے حضرت استاذ القراء والمجودین شیخ الشیوخ المقری اظہار احمد التھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے مدرسہ تجوید القران سریانوالہ بازار لاہور میں روایت حفص میں استفادہ کیا۔

اس سے قبل راقم مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل موتی بازار میں پڑھتا تھا ہمارے سال اول کے استاذ حضرت قاری محمد انور صاحب تھے جو حضرت تھانویؒ کے ہی فیض یافتہ تھے۔ ارادہ یہی تھا اور قرائن بھی یہی نظر آتے تھے کہ ہم لوگوں کو سال دوم میں حضرت شیخ تھانویؒ سے استفادے کا موقع ملے گا۔ لیکن اس دوران حضرت تھانویؒ نے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور سے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار مراجعت فرمائی اور آپ کی جگہ مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں حضرت استاذ القراء الشیخ قاری حسن شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم تشریف لائے۔

زمانہ طالب علمی کا دور جوش جذبات سے بھرپور ہوتا ہے۔ دل و دماغ نے یہی فیصلہ دیا کہ استفادے کے لئے حضرت تھانویؒ کی خدمت میں ہی حاضر ہوا جائے۔ لہٰذا ہم پانچ ساتھی جن میں راقم' قاری محمد ظفر شہیدؒ (شہید جہاد افغانستان) اور قاری مقبول احمد وغیرہم مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار لاہور میں حضرت الشیخ تھانویؒ کے درس میں حاضر ہوئے۔ حضرت الشیخ تھانویؒ سے ملاقات ہوئی اور اپنا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت الشیخ تھانویؒ نے ارشاد فرمایا بھئی آپ سال اول میں مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں پڑھتے رہے ہیں دوسرے سال میں بھی آپ وہیں کیوں نہیں پڑھتے جبکہ وہاں ہمارے استاذ بھائی اور نہایت علم پرور اور قابل استاذ حضرت قاری حسن شاہ صاحب تعلیم دے رہے ہیں۔ راقم نے عرض کیا کہ حضرت ہم آپ سے استفادہ کرنا چاہتے ہیں۔ واقعہ ختم ہو گیا اور حضرت تھانویؒ نے ہمارا ذوق و شوق دیکھتے ہوئے ہمیں پڑھانا شروع کر دیا لیکن اس واقعے نے ہمارے اذہان پر یہ گہرا اثر ڈالا کہ حضرت شیخ القراءؒ اپنے معاصر قراء کرام کا کس قدر احترام کرتے تھے اور دلی طور پر ان کی علمیت کے معترف تھے۔ یہ عادت کسی وسیع القلب اور اخلاق کے بلند مراتب پر فائز شخص ہی کا خاصہ ہو سکتی ہیں۔

بعدازاں راقم نے دو سال حضرت شیخ القراءؒ سے استفادہ کیا اور یہ یقیناً میری خوش قسمتی تھی حضرت کے پڑھانے کا انداز نہایت سہل سادہ اور دلنشیں تھا وجہ اس کی یہ تھی کہ حضرت مردم شناس تھے طلباء کے دماغ تک شناسائی حاصل کرنا' اور طلباء کو ان کے ہی ذہنی معیار کے مطابق پڑھانا آپ کا خاص وصف تھا۔ انہی خصوصیات کی بدولت جب حضرت شیخ طلباء کو دوران تدریس کوئی بات سمجھاتے تو طلباء ان امور کو باآسانی سمجھ کر دماغ میں محفوظ کر لیتے۔ ایک مخصوص طریقہ تعلیم کو اپنا مروجہ طریقہ تعلیم قرار دے لینا اور اسے پھر زبردستی طلباء پر ٹھونسنا حضرت شیخ کا وطیرہ

نہ تھا۔ راقم کو تجربہ ہے کہ حضرت شیخؒ نے نصابی کتب ہمیں ایسے سہل انداز میں پڑھائیں کہ مسائل ضروریہ ہمیں بہت اچھی طرح یاد ہوتے چلے گئے۔

کسی طالب علم کی خصوصیات کو جو اس کے اندر پوشیدہ ہوں پہچان کر ان کو اپنے طریقہ ہائے تدریس کے مطابق چمکا کر اسے خوبصورت بنا دینا اور سنوار ڈالنا اساتذہ کا ایک روشن اور قابل تعریف وصف تھا جس سے حضرت امام القراء والمجودین قاری عبدالمالک صاحبؒ حضرت استاذ الحفاظ والقراء قاری فضل کریم صاحبؒ آگاہ تھے (کیونکہ ان بزرگوں کے قصے عموماً" اس نوعیت کے سننے کو ملے ہیں) اسی وصف سے ہمارے شیخ محترم شیخ القرا والمجودین بھی آگاہی رکھتے تھے۔

حضرت شیخ محترم کی طبیعت نہایت کریمانہ اور متواضعانہ تھی۔ اس قدر علمی شخصیت ہونے کے باوجود نام و نمود کی خواہش یا غرور و تکبر کا ہلکا سا شائبہ بھی آپ کی شخصیت میں شامل نہ تھا۔

ایک مرتبہ حضرت شیخ گھر کے سودا سلف کی خریداری کے لئے اکبری منڈی تشریف لے گئے واپسی میں راقم نے حضرت کو دیکھا تو بڑھ کر وہ سودا سلف خود اٹھا لیا اور ڈرتے ڈرتے درخواست کی کہ حضرت آج اگر احقر کے گھر تشریف لے چلیں تو بہت مہربانی ہو گی۔ دل میں یہی خیال تھا کہ حضرت شیخؒ اس بات کی جانب التفات نہ فرمائیں گے۔ مگر میرے خیالات کے بالکل برعکس حضرت شیخؒ نے میری درخواست قبول فرمائی اور راقم کی مسجد میں تشریف لے آئے۔ اسی دوران میں نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ میں اپنی مسجد میں آپ کے نام سے حفظ قرآن کے ایک مدرسے کا آغاز کرنا چاہتا ہوں۔ ہنس کر فرمایا بھئی قاری فاروق صاحب اظہار القرآن کی بجائے اخفاء القرآن یا ادغام القرآن وغیرہ کیوں نہیں رکھ لیتے اور پھر مسکراتے ہوئے اجازت مرحمت فرمائی اور مدرسے کے لئے دعایہ کلمات بھی فرمائے اور مدرسے کے انتظام و انصرام کے لئے پند و نصائح بھی فرمائے۔

حضرت کی سادگی اور قرآن کی خدمت کا جذبہ اس قدر زیادہ تھا کہ بارہا ہم نے دیکھا کہ حضرت قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم کے مدرسے میں ناظرہ اور حفظ کے چھوٹے چھوٹے بچے حاضر خدمت ہوتے اور درخواست کرتے کہ ہمیں مشق کروا دیں تو حضرت شیخؒ بلاتکلف انہیں مشق کروا دیتے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت کے پاس وہاں پڑھنے کے واسطے کوئی نہیں آتا تھا بلکہ تجوید کے لڑکوں کی معقول تعداد اور سبع قرات اور عشرہ قرات کے حصول کے لئے قراء حضرات استفادے کے لئے آتے تھے لیکن اصل بات یہ تھی کہ حضرت بہت ہی کریمانہ اخلاق کے مالک تھے۔

انہی خصوصیات کی بدولت جب ہم آپ کے تلامذہ پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں ہر مکتبہ فکر کے حامل قراء نظر آتے ہیں جن میں دیو بندی' اہل حدیث' بریلوی اور اہل تشیع تمام نمایاں ہیں۔

حضرت کی دوسری علمی یادگار آپ کی شاندار نصابی و غیر نصابی کتب ہیں جو طلباء تجوید قرات اور دیگر عوام الناس

کے لئے علمی رہنمائی کا نہایت قابل اعتماد ذریعہ ہیں۔ آج حضرت شیخ القراءؒ ہم میں موجود نہیں لیکن آپ کی علمی یادگاریں اور آپ کے بہت سے علمی وارث آپ کی میراث کو اٹھائے ہوئے آپ کے نقش قدم پر گامزن ہیں اور آپ کی جہد مسلسل کو اپنا علمی فریضہ قرار دے کر اور اسے سینہ سے لگا کر اسی مشن سے وابستہ ہیں جس پر آپ نے اپنی تمام عمر کی متاع عزیز کو لگایا۔

اللہ وحدہ لاشریک سے دعا ہے کہ وہ آپ کی خدمات عالیہ کو قبول و منظور فرمائے اور ہمیں آپ کے انداز و اطوار پر خدمت قرآن کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❑❑❑

حضرت الاستاذ کے کچھ تدریسی واقعات

قاری محمد طیب فقیر

راقم کو حضرت استاذ محترم سے تلمذ کا شرف اول اسوقت حاصل ہوا جن دنوں آپ مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار لاہور میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے۔ میرے ہم جماعت ساتھیوں میں حضرت الشیخ کے صاجزادے قاری نجم الصبیح تھانوی ان کے علاوہ ایک اور ہم جماعت ساتھی قاری گوہر شفیق نمایاں ہیں۔ بعدازاں میں نے حضرت الشیخ سے ان کے آخری تدریسی سال جو کہ انہوں نے مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور میں پڑھایا استفادہ کیا اور روایت حفص کی سند حاصل کی۔

ایک بات جو میرے لئے بہت باعث فخر ہے وہ یہ کہ میرے علاوہ میرے دو عم محترم جناب قاری فضل احمد صاحب اور جناب قاری نظر محمد صاحب کو بھی حضرت استاذ المحترم سے شرف تلمذ کا فخر حاصل ہے ان دونوں نے حضرت استاذ المحترم سے روایت حفص میں استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ میرے والد محترم جناب قاری فقیر محمد صاحب بھی حضرت استاذ المحترمؒ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں والد محترم نے حضرت استاذ محترم سے روایت حفص' قرات سبع اور قرات عشرہ میں استفادہ فرمایا۔

حضرت استاذ المکرم چلتے پھرتے تلاوت قرآن کو ورد زبان رکھتے اس کے علاوہ مسائل تجوید اور دیگر علمی موضوعات پر آپ کی ہمیشہ نظر رہتی۔ راقم کا چشم دید واقعہ ہے ایک مرتبہ حضرت استاذ المحترمؒ اور حضرت قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم رنگ محل میں واقع عطریات کی مشہور دکان حافظ جی کے یہاں گئے۔ جس وقت ہم لوگ پہنچے تو حافظ صاحب کسی بچے کو دکان میں قرآن شریف پڑھانے میں مصروف تھے۔ حضرت استاذ المحترم نے حافظ صاحب کا قرآن سن کر قبلہ مہتمم صاحب سے فرمایا حضرت یہ حافظ صاحب کن قاری صاحب سے پڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ قرآن شریف پڑھنے کا انداز اور حروف کی ادائیگی بہت عمدہ ہے جوابا حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ حضرت یہ مدرسہ تجوید القرآن کے ہی فارغ التحصیل ہے اور پرانے فارغین میں سے ہیں۔

حضرت قاری صاحب محترمؒ اور قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم دکان پر خریداری میں مصروف ہو گئے مجھے اس وقت کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے حضرت الشیخ کچھ گنگنا رہے ہیں۔ مگر بات تھوڑی ہی دیر میں واضح ہو گئی جب قبلہ مہتمم صاحب نے حضرت الشیخ سے دریافت فرمایا حضرت لاہور سے اسلام آباد کے سفر میں کتنے سپارے ہو جاتے ہیں جوابا" حضرت الشیخ نے فرمایا کہ نو دس سپارے پڑھ لیتا ہوں اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ حضرت الشیخ چلتے پھرتے ہر دم اپنی منزل پڑھتے رہتے ہیں۔

قرآن شریف پڑھنے کی دوسروں کو بھی بہت زیادہ تاکید فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھ سے دریافت فرمایا مولوی طیب

روزانہ کتنے سپارے پڑھتے ہو میں نے عرض کیا حضرت جب وقت ملتا ہے تو آدھا پارہ یا ایک پاؤ پڑھ لیتا ہوں میرا جواب سن کر زور سے فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون پھر مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کم از کم روزانہ بلا ناغہ ایک سپارہ تو ضرور پڑھا کرو کیونکہ یہ انتہائی ضروری ہے۔

حضرت الشیخ کے پڑھانے کا انداز نہایت آسان' عام فہم اور دلنشیں ہوتا ایسے دلچسپ پیرایہ بیان اختیار فرماتے کہ بات ہمیشہ کے لئے ذہن نشین ہو جاتی کسی طالب علم کو سبق کے دوران کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تو اس کیلئے اس قدر مثالیں بیان فرماتے چلے جاتے کہ غبی سے غبی طالب علم بھی آخر بات کو سمجھ لیتا۔ ایک دن ہمارا سبق ہو رہا تھا۔ حرف راء کو پر کرنے سے متعلق سبق کا بیان مجھے اچھی طرح سمجھ میں نہ آیا میں نے حضرت الشیخ سے عرض کیا کہ حضرت بات کو دوبارہ سمجھا دیجئے۔ مسکرا کر مجھ سے فرمانے لگے دیکھو مولوی طیب میری ہاتھ کی ان دو انگلیوں کو دیکھو ان میں ایک نیچے ہے ایک اوپر ہے اب اسطرح سمجھو کہ اوپر والی کو تو تالو تصور کرلو اور نیچے والی انگلی کو زبان سمجھ لو۔ اسکے بعد فرمایا کہ اب دیکھو کہ جب راء کو پر پڑھنا ہے تو تالو اور زبان کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھنا ہے تاکہ راء پر نکلے۔ یہ سمجھانے کا انداز ایسا دلچسپ اور آسان تھا کہ بات فوراً میرے ذہن نشین ہو گئی۔

حضرت الشیخ حدر پر بھی بہت محنت کرواتے تھے۔ یہ ضروری تھا کہ ہم حضرت کو لازماً" ایک سپارہ حدر میں سنائیں کوئی ملاقاتی یا مہمان آجاتا تو پھر بھی فاضل اوقات میں حدر ضرور سنتے۔ میں نے جب حضرت کو حدر سنانا شروع کیا تو پڑھتے ہوئے ہر آیت پر وقف کرتا میری اس عادت کو حضرت الشیخ نے نوٹ فرمایا اور مجھے تنبیہہ فرماتے ہوئے کہنے لگے بار بار آیت پر کیوں رکتے ہو کیا سانس چھوٹا ہے؟ میں نے عرض کیا نہیں حضرت ایسی تو کوئی بات نہیں فرمانے لگے تو پھر پڑھو اور بلا ضرورت وقف نہ کرو جہاں سانس ختم ہو وہاں رکنا اسکے علاوہ وقف نہ کرنا اس سے تمہارے حدر میں روانی پیدا ہوگی۔ اسی طرح ایک روز کا واقعہ ہے مجھ سے حضرت الشیخ نے فرمایا مولوی طیب سورۃ فاتحہ تو سناؤ میں نے حسب ارشاد سنانی شروع کی۔ جب رب العلمین پر پہنچا تو رب اور العلمین کے درمیان مجھ سے سہوا قلقلہ ہو گیا فوراً فرمایا یہ کیا گڑ بڑ کر رہا ہے میری طرف دیکھو۔ پھر اپنی انگلی کو میرے تالو سے لگا کر فرمایا زبان کو تالو سے اس وقت تک نہ ہٹاؤ جب تک عین نہ نکلے یعنی رب کا باء اور العلمین کا لام پڑھ کر عین نکالو اس طرح سے ادائیگی میں تلفظ اختیار کرو گے تو یہ تمہارا قلقلہ ادا کرنا ختم ہو گا۔

غرض طریقہ تعلیم انوکھا' سمجھانے کا انداز دلنشیں اور پڑھانے کا انداز نہایت مشفقانہ ہوتا تھا۔ آج حضرت اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن ان کے لئے دلی طور پر دعائیں نکلتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور اعلیٰ مراتب سے سرفراز فرمائے۔ **طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثوہ**

□□□

اظہار حق

قاری عنایت اللہ ربانی کاشمیری

اللہ وحدہ لاشریک اس انبوہ دنیا میں بعض اوقات ایسی جمیع صفات کی حامل شخصیات پیدا فرماتے ہیں جو بجا طور پر اپنی ذات علمی مقام اور اعلیٰ کردار کی بدولت ایک انجمن کادرجہ رکھتے ہیں اور ان کو چلتا پھرتا مدرسہ علم کہنا بالکل بجا ہوتا ہے۔

ایسی جمیع صفات و کمالات کی حامل شخصیات میں استاذ الاساتذہ شاطبی زماں' جزری دوراں امام الوقت فی فن التجوید والقرات' استاذ القراء والمجودین شیخ المشائخ شہسوار میدان تحریر و تدریس یعنی دنیائے علوم القرآن والحدیث کے بے تاج بادشاہ حضرت مولانا قاری المقری اظہار احمد تھانوی نوراللہ مرقدہ کی ذات گرامی بھی تھی۔

آپ کی حیثیت و شخصیت محتاج تعارف نہ تھی اور نہ ہے۔ آپ کا علم' عمل' اخلاق' کردار و گفتار' درس و تدریس' تعلیم و تعلم' تصنیف و تالیف' ملنساری' مہمان نوازی' شفقت و مہربانی' عبادت و ریاضت اور معاملات غرض ہر پہلو ہم دینی علوم کے طلباء کے لئے عموماً" اور ہر ایک نیک اور صالح انسان کے لئے لازماً" قابل تقلید نمونہ تھا۔

انہی خوبصورت عادات و اطوار نیز تبحر علمی کی بدولت ہر چہار اطراف عالم سے لوگ کشاں کشاں آپ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔ ان بے پناہ خوبیوں کے باوجود آپ نہایت سادہ مزاج' مستغنی عادات اور ملنسارانہ طور اطوار کے حامل تھے اور پہلی نظر میں محفل پہ نظرڈالنے والا یقیناً یہ نہیں جان سکتا تھا کہ علوم قرآن و حدیث میں مہارت رکھنے والا شناور فی الواقع یہی مرد قلندرؒ ہے۔

مجھے حضرت الشیخؒ کی صحبت میں حاضر ہونے اور مستفید ہونے کے خوب مواقع میسر آئے ہیں۔ لیکن میرے دل و دماغ پر وہ امتحانات نقش ہیں جو حضرت الشیخؒ نے روایت حفص کا میرا لیا۔ الشیخ قاری محمد ادریس عاصم صاحب لاہوری حفظہ اللہ تعالیٰ کی سعودی عرب سے مراجعت کا ابھی تیسرا سال تھا میں نے روایت حفص کا امتحان دینا تھا۔ حضرت استاذ محترم نے تیاری تو خوب اچھی طرح کروائی ہوئی تھی مگر ساتھ ساتھ ہمیں انتباہ بھی کردیا تھا کہ الشیخ المحترمؒ امتحان سخت لیتے ہیں خوب بھرپور تیاری کر رکھو۔ یہ جملہ بھی الشیخ ادریس عاصم حفظہ اللہ نے فرمایا کہ **عند الامتحان یکرم الرجل او یھان** غرض امتحان والے دن صبح سے ہی کچھ امید و بیم کی کیفیت اورکچھ خوف' ڈر' حضرت الشیخؒ کے وجیہہ چہرے کا عکس' اور پھر اس کے علاوہ امتحان آپ کو دینے کی سعادت غرض کچھ ملی جلی سی کیفیات اس وقت دل میں موجزن تھیں۔ میرا نمبرامتحان دینے کا آیا کمرہ امتحان میں داخل ہوا سنبھل کر بیٹھ گیا حضرت المحترمؒ مجھ سے پہلے لڑکے کے نمبرلگا کر فارغ ہوئے۔ نہایت شفیقانہ لہجے میں سوال فرمائے راقم جواب عرض کرتا رہا۔ اچھا بھائی اب مشق سنائیں۔ غرض امتحان دے کر فارغ ہوا کیسے وقت گزر گیا' حضرت کا انداز تخاطب'

آپ کا سوال کرنے کا انداز‘ یک بیک دل میں حضرت الشیخ المحترمؒ کے لئے دلی احترام کے جذبات کو بہت اونچا کر گیا۔

چوتھی آل پاکستان قرات کانفرنس مدرسہ عالیہ تجوید القرآن مسجد لسوڑیوالی سے فراغت ہوئی تو حضرت الشیخ المحترم مدرسہ کے دفتر میں تشریف فرما تھے۔ (راقم کو یہ فخر حاصل ہے کہ مذکورہ قرات کانفرنس کا ناظم محفل کا اعزاز ہر سال مجھے ہی حاصل ہوتا ہے) حضرت الشیخ المحترمؒ نے میری اسٹیج سیکرٹری کی ذمہ داری کو احسن انداز میں سراہتے ہوئے "ناظم حفلہ" کا خطاب مرحمت فرمایا۔ واپسی میں جب استاذ المحترم الشیخ ادریس عاصم دامت برکاتھم‘ حضرت الشیخ المحترمؒ کو گھر چھوڑنے جا رہے تھے تو راقم بھی ہمراہ تھا استاذ المکرم سے فرمانے لگے یہ ناظم حفلہ کا کیا شغل ہے؟ استاذ المکرم نے جوابا" عرض کی حضرت یہ درس نظامی کر رہا ہے۔ شیخ محترمؒ نے دریافت فرمایا انہوں نے میٹرک کیا ہوا ہے؟ استاذ المکرم نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمانے لگے تو جلدی اس کو سبعہ پڑھا کر میرے پاس یونیورسٹی میں بھیجو میں اسے داخلہ بھی دلواؤں گا اور پھر آگے بھی خود پڑھاؤں گا۔ ذہن میں یہ خیال یکدم گونجا کہ حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وارث اشاعت قرآن و حدیث میں کس قدر حریص ہے۔ دل میں تہیہ کیا کہ سبعہ قرات سے فراغت کے بعد انشاء اللہ الشیخ المحترمؒ کی خدمت عالیہ میں ضرور حاضر خدمت ہو کر فیض علمی سے مستفید ہوں گا مگر۔

اے بسا خاک کہ آرزو!

اتفاق کی بات تھی کہ جب بھی قرات کانفرنس ہوتی حضرت الشیخ المحترمؒ کو دعوت نامہ پہنچانے کی سعادت مجھے حاصل ہوتی ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا حضرت الشیخ المحترمؒ صاحب فراش تھے آپریشن ہوا تھا دعوت نامہ دیا تو چہرہ مسکراہٹ سے معمور ہوگیا مزاحا" فرمانے لگے بھئی آپ لوگ ساری رات مجھے بٹھا لیتے ہو۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ کانفرنس میں آپ کا ذوق و شوق اور تلاوت قرآنیہ میں انہماک دیدنی ہوتا تھا۔ باوجود صاحب فراش اور پیرانہ سالی کے اسلام آباد سے سفر کر کے تشریف لاتے اور قرات کانفرنس کو رونق بخشتے۔ گویا یہ بات ہمارے ذہنوں میں بٹھا گئے۔

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے
کون کہاں سے ہمارا جواب لائے گا

پھر مسکرا کر نہایت مسرت آمیز لہجہ میں فرمایا "شکر ہے کہیں سے تو آواز آ رہی ہے ورنہ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ حضرت الشیخ المحترمؒ کی آمد کانفرنس کی شان کو حد درجہ دوبالا کر دیتی تھی دائیں بائیں حضرت قاری محمد ادریس عاصم صاحب دامت برکاتھم‘ جناب حافظ فیاض احمد فیاض صاحب‘ قاری عبدالحمید صاحب مدظلہ‘ قاری سیف اللہ صاحب حافظ آبادی‘ الشیخ قاری محمد صدیق الحسن صاحب‘ الشیخ قاری احمد دین صاحب دامت برکاتھم‘ حافظ عبدالرزاق

سعیدی صاحب، قاری نور احمد صاحب، قاری محمد رمضان صاحب اور قاری نجم الصبیح تھانوی صاحب کی معیت میں یوں داخلہ فرماتے گویا ستاروں کے جھرمٹ میں چاند!

آخر میں آپ کی تلاوت ہوتی، دل میں اتر جانے والی سوز گداز سے بھرپور آواز، غرض قرآن پڑھنے کا صحیح حق ادا فرما دیتے۔ حضرت الشیخ المحترمؒ کی تلاوت کے متعلق راقم کے مدرسہ کے مہتمم جناب اکبر سعید صاحب کے بے ساختہ الفاظ دوسرے دن کچھ اس طرح کے تھے۔ کہنے لگے قاری صاحب کانفرنس کے آخر میں جن بزرگ صاحب نے تلاوت کی عمر میں تو بوڑھے معلوم ہوتے تھے لیکن آواز میں جوانوں کی سی لپک اور چاشنی تھی انہوں نے تو کمال کر دیا ایسا خوبصورت پڑھا کہ قرآن دل میں اترتا چلا گیا اور بے پناہ اثر لے کر ہم محفل سے اٹھے۔

۱۹ دسمبر ۱۹۹۱ء کو ہونے والی قرات کانفرنس کے وقت طے کرنے کے واسطے راقم، قاری حبیب اللہ ساقی صاحب اور قاری عمران یوسف میر محمدی صاحب کے ہمراہ مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل حضرت الشیخ المحترمؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت حضرت سبعہ کی کلاس پڑھا رہے تھے۔ سبق ختم ہوا تو کمرے میں داخل ہوئے ہمیں دیکھ کر حسب عادت متبسم لہجے میں فرمانے لگے "قراء حضرات کیسے آئے ہیں؟" ہم نے عرض مدعا بیان کیا۔ فرمانے لگے۔ ۱۹ دسمبر بروز جمعرات کی بجائے ۲۰ دسمبر بروز جمعہ کا دن قرات کانفرنس کا رکھ لو کیونکہ جمعرات کو سارا دن سفر کر کے مغرب کے وقت اسلام آباد سے لاہور پہنچتا ہوں پھر رات کو کانفرنس میں بیٹھنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے اور محفل کا لطف کرکرا ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا حضرت دراصل قرات کانفرنس کے مدعوین قراء کرام جمعرات کو کانفرنس میں شرکت کرنے کے بعد باآسانی واپس اپنے ٹھکانوں پر پہنچ جاتے ہیں اور باآسانی اپنی مساجد میں جمعہ بھی پڑھا لیتے ہیں۔ یہ سن کر فوراً کمال درجہ شفقت سے فرمایا چلو پھر ۱۹ دسمبر کی تاریخ ہی درست ہے۔

بعدازاں کانفرنس مذکورہ کا دعوت نامہ لے کر اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ ۱۳ دسمبر بروز جمعتہ المبارک بعد نماز مغرب حضرت شیخ کے گھر پر حاضر ہوا گھنٹی بجائی تو حضرت الشیخؒ کی ننھی پوتی باہر آئیں اسی اثناء حضرت الشیخؒ بڑی عجلت سے اپنے کمرے سے نکل کر باہر آئے اور فرمانے لگے دروازہ کھول دو یقیناً کوئی قاری صاحبان ہی آئے ہوں گے۔ ہمیں لے کر حضرت الشیخؒ کمرے میں تشریف لے گئے راقم نے اشتہار اور دعوت نامے پیش خدمت کئے۔ حضرت الشیخؒ نے ہمیں بہت سا وقت دیا اور بہت پند و نصائح فرمائے۔ ملاقات سے فراغت کے بعد گھر سے باہر آیا تو راقم نے اپنے ساتھی سے کہا آج تو خلاف معمول حضرت الشیخؒ نے بہت نصیحتیں فرمائی۔

اور پھر ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء کو پورے ملک میں یہ خبر بجلی کی مانند پھیل گئی کہ عاشق قرآن، حامل قرات عشرہ، فروغ علم کا امین اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ کر اپنے رب کریم کے حضور حاضر ہو گیا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

بعداز نماز عشاء چوبرجی کوارٹرز کی بڑی گراؤنڈ میں ایک بہت بڑے جم غفیر نے جس میں علماء، صلحاء، قراء کرام اور عامتہ المسلمین شامل تھے آپ کی نماز جنازہ ادا کی۔ قبرستان پہنچ کر دفنانے کا مرحلہ آیا تو منظر دیدنی تھا۔ الشیخ

قاری احمد میاں تھانوی دامت برکاتہم الشیخ قاری محمد ادریس عاصم کو کہتے ہیں آپ قبر میں اتریں اور میت کو لحد میں اتاریں۔ الشیخ حضرت قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم دعا فرما رہے ہیں۔ یہ نظارہ عجیب تھا۔ جانے والا جو اس دنیائے فانی سے رخصت ہوا ہردم قرآن پڑھنے پڑھانے والا اور آپ کو غسل دینے والے، قبر میں اتارنے والے، قبر پر مٹی ڈالنے والے غرض سب حاملین قرآن، حفاظ اور قاری قرآن تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ہریرہؓ سے ارشاد فرمایا "ابو ہریرہؓ اگر تیری موت قرآن پڑھتے ہوئے آگئی تو روزانہ تیری قبر پر ستر ہزار فرشتے مغفرت کی دعا کیا کریں گے۔ انشاء اللہ الشیخ المحترمؒ کے لئے بھی یہ دعائیں روزانہ ہوتی رہیں گی کیونکہ آپ کو اسی حدیث کے پیش کردہ حالات کے مطابق ہی اپنے رب کریم کے حضور میں حاضری کی سعادت ہوئی۔

واخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سید المرسلین

شیخ القراء استاذ گرامی

قاری محمد عثمان

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے اس بات کی توفیق بخشی کہ میں اپنے استاذ محترم، مربی علوم قرآن اور شارح تجوید و قرات کے متعلق کچھ تحریر کر سکوں۔

راقم نے اول حضرت استاذ القراء والمجودین قبلہ قاری حسن شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم سے روایت حفص کی تکمیل کی۔ یہ اس دور کی بات ہے جب حضرت استاذیم مخدوم مدرسہ تجوید القرآن میں تشریف فرما تھے۔ بعدازاں آپ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور تاحال وہیں قیام پذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین!

روایت حفص سے فراغت ہوئی تو ارادہ ہوا کہ علوم قرآءت کی بھی تحصیل کرلی جائے۔ لیکن حضرت استاذ محترم کا ارادہ سعودی عرب قیام فرمانے کا ہوگیا۔ ارمانوں پر اوس پڑگئی۔ راقم کا معمول تھا کہ روایت حفص کی تکمیل کے بعد قبلہ الشیخ حضرت قاری حسن شاہ صاحب بخاری دامت برکاتھم کی خدمت میں اکثر گھر حاضری دیتا اور ہفتہ میں ایک بار تو یہ حاضری لازمی ہوتی۔

اپنے استاذ سے محبت ہونا ایک فطری امر ہے۔ بہت سے لوگوں سے اور دور طالب علمی میں بھی یہ افواہیں کانوں میں پڑتی رہتی تھیں کہ حضرت الشیخ قبلہ استاذیم قاری اظہار احمد صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ اور قبلہ استاذیم قاری حسن شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم کی باہمی رنجش یا دلی تکدر کی کیفیت ہے۔ لیکن یہ میری خوش نصیبی ہے کہ مجھے ان دونوں عظیم اساتذہ سے تحصیل علم کا موقع ملا اور میں نے دونوں بزرگوں کی خدمت میں رہ کر یہ محسوس کیا کہ آپس میں یہ دونوں بزرگ ایک دوسرے سے انتہائی پیار، محبت اور ادب والا معاملہ رکھتے تھے۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ بہت یادگار ہے راقم جب روایت حفص کی تکمیل کرچکا تو حضرت مہتمم صاحب حافظ محمد رفیع مدظلہ العالی نے شفقت فرما کر روایت حفص کے پہلے سال کی تدریسی خدمات پر مقرر فرمایا۔ حسب معمول راقم حضرت قاری حسن شاہ صاحب بخاری دامت العالیہ کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت قاری صاحب گھر سے میرے لئے کھانا لائے اور ساتھ بیٹھ کر کھلایا اور بعد میں فرمانے لگے کہ اللہ پاک نے آپ کو آپ کے اپنے گھر (یعنی مدرسہ تجوید القرآن) میں بہت بڑی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت سے نوازا ہے یعنی حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ نے مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار کو دوبارہ رونق بخشی ہے، لہٰذا میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم ہر صورت میں وقت نکال کر سبع میں حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ سے استفادہ کرنا یہ یقیناً تمہارے لئے بہت بڑی سعادت ہوگی۔

حضرت استاذنا مخدومنا قاری المقری الشیخ اظہار احمد تھانویؒ کا وجود مدرسہ تجوید القرآن کی لئے واقعی ایک نعمت غیر

متبرکہ کی حیثیت رکھتا تھا اور طالب علموں میں بھی ایک خوشی کی لہر تھی' لیکن میرے شیخ محترم کے تاکیداً استفادے کا فرمانا میرے لئے بہت زیادہ اہمیت کا حامل بنا۔ الحمدللہ میں نے حسب ارشاد حضرت استاذ القراء والمجودین قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ سے استفادہ کرنا شروع کیا اور شاطبیہ پڑھنی شروع کر دی۔ بعدازاں میں جب ہر جمعۃ المبارک کو حضرت استاذ المحترم قاری شاہ صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں حاضری دیتا تو راقم سے ضرور دریافت فرماتے کہ آج کیا پڑھا ہے؟ اور کہاں تک پڑھا ہے راقم عرض کرتا تو انتہائی خوش ہوتے اور دعاؤں سے نوازتے اور محنت و شوق سے پڑھنے کی تلقین فرماتے۔ اس واقعے کے بعد میں حضرت شیخ قاری اظہار صاحب نور اللہ مرقدہ کی ذات والا کی طرف پلٹتا ہوں۔ کیا عرض کروں' کیا تحریر کروں حضرت شیخ ایک بے مثال شخصیت تھے مجھ جیسا کوتاہ بین کیا بیاں کرے گا ایسی عظیم الشان ہستی کے متعلق تو اکابر علماء و صلحاء اور قراء کرام زیادہ آگاہی رکھتے ہوں گے۔ مگر حضرت شیخ کے ہر قول و فعل پر جب نظر ڈالتا ہوں تو سنت نبویؐ کے تابع نظر آتا ہے۔ اٹھنا' بیٹھنا' چلنا' پھرنا' طرز گفتار' عادت و اخلاق غرض ہر پہلو ایک متبع رسول کی تصویر پیش کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مشکوۃ میں مذکور ہے آپ نے فرمایا کہ "مومنوں میں کامل ایماندار وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں"

اس حدیث کی ایک بہترین تفسیر اگر حضرت شیخ گرامیؒ کی ذات کو قرار دوں تو غلط نہ ہو گا۔

محبت و شفقت انتہا درجہ کی تھی۔ کھانا کھانے کے لئے بیٹھتے تو احقر کو ساتھ شریک فرما لیتے بارہا میں گھر سے کھانا لے کر آتا اور حضرت شیخ کے ہمراہ تناول کرتا۔ ایک مرتبہ احقر گھر سے کھانا کسی مجبوری کے تحت نہ لا سکا۔ شرمندگی بہت زیادہ تھی لہٰذا حضرت شیخ کے سامنے نہ گیا بلکہ اپنی درسگاہ میں ہی ایک طرف کو بیٹھ رہا۔ حضرت قاری مومن شاہ صاحب نے کھانے کا دسترخوان حضرت شیخ کے سامنے بچھایا تو ان سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے بھئی آج قاری عثمان کہاں ہیں عثمان کو بلاؤ۔ غرض مجھے بلا کر کھانے میں شریک کیا۔ اسی اثناء گھر کی خیر خیریت دریافت فرمائی میں نے عرض کیا کہ حضرت چھوٹے بچے کو شدید کھانسی ہے اور بعض اوقات اس کی زیادتی اس قدر ہوتی ہے کہ اس کا پیشاب نکل جاتا ہے کھانے سے فارغ ہوئے تو حضرت شیخ فرمانے لگے بھئی ایک نسخہ حضرت گنگوہیؒ کا ہر قسم کی کھانسی کے لئے بہت مفید و کارآمد ہے میرا بھی آزمایا ہوا ہے نہایت مجرب ہے۔ وہ نسخہ یہ ہے "مغز بادام ایک تولہ' مغز اخروٹ ایک تولہ' مغز چلغوزہ ایک تولہ' منقہ ایک تولہ' سونٹھ ایک تولہ اور رب السوس ایک تولہ لے کر ان سب کو باریک کر کے چھ تولہ خالص شہد میں ملا کر اس کی گولیاں بنا لیں رات کو سوتے وقت ایک گولی چوستے چوستے سو جائیں تین دن یہ عمل کریں انشاء اللہ ہر قسم کی کھانسی سے شفاء ہو گی اس پر احقر نے بھی تجربہ کیا اور واقعی بہت مفید پایا۔

حضرت شیخ کی ایک نادر خوبی یہ بھی تھی کہ آپ کسی موقع یا کسی مقام پر اپنی علمی الجھن بیان فرمائیں ضرور تشفی آمیز

جواب ملے گا ایسا ہی ایک واقعہ راقم کے ساتھ ہوا میں حضرت شیخؒ کے ساتھ رکشہ میں ہم سفر تھا ایک علمی الجھن عرض کی کہ حضرت قراءت کی مختلف کتب میں ادغام متقاربین کا باب بیان ہوا ہے مگر اس میں سبب تقارب واضح طور پر سمجھ نہیں آیا کہ جس کی بدولت امتیاز کیا جا سکے کہ یہ مثال ادغام متقاربین کی ہے۔ نہایت شفقت سے فرمایا بھئی بات یہ ہے کہ مثلین اور متجانسین کے علاوہ قرآن پاک میں جس قدر ادغام ہوئے ہیں ان سب کو متقاربین کہتے ہیں۔

علمی مباحثے اور سوالات سے حضرت شیخؒ بہت خوش ہوتے اور فرمایا کرتے تھے کہ علمی سوال ضرور کیا کرو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے اور جب ہم میں سے کوئی علمی سوال کرتا تو خوش ہوتے۔ کسی بات کو آسان اور سہل انداز میں بیان کر دینا حضرت شیخؒ کی بے پایاں خوبی تھی یہی وجہ تھی کہ حضرت شیخؒ کی مجالس میں علمی لوگ شریک ہو کر اپنی علمی الجھنیں پیش کرتے اور تشفی و اطمینان سے بھرپور جواب لے کر اٹھتے۔ حضرت قاری احمد میاں تھانوی صاحب' حضرت الشیخ قاری محمد ادریس عاصم صاحب' حضرت قاری عبدالرحمٰن ڈیروی صاحب' حضرت قاری محمد رمضان صاحب جامعہ مدنیہ والے' حضرت قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم مدرسہ ہذا اور قاری محمد طاہر صاحب مدیر "التجوید" فیصل آباد وغیرہم۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو راقم نے بذات خود حضرت شیخؒ کی مجلس میں علمی بحث مباحثہ کرتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے۔ حضرت شیخ علمی شخصیت ہونے کے ساتھ خوش طبع اور بذلہ سنج طبیعت کے مالک تھے اور سنت رسول کے مطابق جیسا مشکوۃ میں وارد ہوا ہے کہ حضرت انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ گھل مل کر رہتے اور بعض اوقات خوش طبعی بھی فرماتے تھے۔" اس حدیث کے مصداق حضرت شیخؒ بھی معاملہ فرماتے۔ ہمارے درس میں حضرت شیخؒ خصوصا" قاری نور بادشاہ صاحب مدظلہ اور مولوی ظہور الحق صاحب مدظلہ سے بہت خوش طبعی فرمایا کرتے جو کہ سنت کے مطابق ہوا کرتی۔

حضرت شیخؒ سے آخری ملاقات ہفتے والے دن غالبا" چودہ دسمبر کو ہوئی جب آپ پڑھانے کے لئے حسب معمول مدرسے تشریف لائے اور پڑھایا بھی۔ ایک واقعہ اس دن بہت عجیب ہوا تحریر کرتا چلوں۔ حضرت آکر اپنے کمرے میں تشریف فرما ہوئے تو حسب معمول مدرسے کے دیگر مدرسین کرام کی خیر خیریت احقر سے دریافت فرمائی۔ اتفاقا" اس دن قبلہ حاجی محمد دین صاحب دامت برکاتہم کی طبیعت ناساز تھی۔ میں نے ان کی ناسازی طبع کا ذکر حضرت شیخؒ سے فرمایا مسکرا کر فرمانے لگے لگتا ہے کہ مدرسہ تجوید القرآن والوں کے اوپر سے ویزے آرہے ہیں۔

حسب معمول اس دن پڑھا کر اگلے دن عازم اسلام آباد ہوئے وہاں بھی سوموار کو اسلامی یونیورسٹی میں پڑھایا۔ رات کو یونیورسٹی ہذا کے قرآءت کے شعبے کے پرچے تیار فرمائے اور سونے کے لئے بستر پر تشریف لے گئے اور تہجد کے وقت جب باری تعالٰی آسمان دنیا پر نزول فرما ہوتے ہیں اپنے رب حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔

حضرت شیخؒ ہمارے درمیان ایسا علمی چراغ تھے جو ہماری جہالت کے اندھیروں کو دور کر کے قلوب کو منور فرماتے تھے۔ وہ علمی چراغ ہم سے جدا ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون' اللہ تعالٰی حضرت شیخؒ کے علمی و قولی و فعلی و قلمی فیضان کو تاقیامت جاری و ساری رکھیں اور آپ کے لئے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین ثم آمین

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

قاری محمد اسماعیل گرجاکھی

کل نفس ذائقۃ الموت (ترجمہ :۔ ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے)

حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ صاحب برصغیر پاک و ہند کے ان اکابر میں شمار ہوتے ہیں جن کے نام انگلیوں پر شمار کئے جا سکتے ہیں۔ حضرت کا علم' اخلاق' اخلاص' شرافت اور دیانتداری اہل علم کے سامنے ایسی روز روشن کی مانند عیاں ہے جیسے عوام الناس کے سامنے آفتاب ہے۔

حضرت کا امتیازی لقب استاذ الاساتذہ یعنی اساتذہ کے استاذ تھا۔ اہل علم کے اذہان میں وہ واقعہ اب بھی محفوظ ہوگا جب حضرت قاری صاحب جامع مسجد چینیاں والی میں پڑھاتے تھے۔ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی صاحبؒ حیات تھے۔ حضرت قاری صاحب سے فراغت حاصل کرنے والے شاگردوں کی تقسیم اسناد کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ کی تقریب ہو رہی تھی۔ بہت سے نامور علماء اور جید قراء تشریف لائے ہوئے تھے۔ اسناد کی تقسیم شروع ہی ہوئی تھی کہ ایک نامور قاری صاحب نے حضرت قاری صاحب کو مخاطب فرمایا "بھئی مولانا یہ سندیں کیا ہیں" مفہوم واضح تھا کہ سند کی عبارت کا متن و مفہوم و ترتیب کس نوعیت کی ہے۔ آج تک کسی نے اسناد کے متن کو بھرے مجمع میں باواز بلند نہ سنایا ہوگا۔ لیکن اہل علم کی نگاہ بینا نے دیکھا کہ حضرت قاری صاحب نے کھڑے ہو کر حرفاً حرفاً مکمل سند اول سے آخر تک پڑھ کر سنا دی۔ حضرت کے کس قدر شاگرد ہیں کچھ معلوم نہیں پوری تعداد سے تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی باخبر ہوگی۔ البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ جس شہر یا جس قصبے میں آپ کو جانے کا کبھی اتفاق ہو وہاں قرآن حکیم پڑھانے والے کسی قاری صاحب سے بیٹھ کر جب آپ حضرت قاری صاحب کا تذکرہ کریں گے تو یقیناً وہ آپ کا شاگرد ہوگا یا آپ کے شاگردوں میں سے کسی کا فیض یافتہ ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور کرم ہے اور آپ کے بخت بلند کی ایک بین دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا قرآنی فیض خوب خوب پھیلایا' نہ صرف پاک و ہند بلکہ مشرق وسطیٰ کے ممالک میں بھی آپ کے تلامذہ بکثرت موجود ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم یہ روحانی فیض ایک ایسی نعمت اور اللہ کا فضل ہے جو کہ غیر فانی ہے۔ یہ بات مسلم ہے کہ حضرت کے جتنے تلامذہ دنیا بھر میں قرآن مجید کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اس سے حضرت کو ضرور حصہ مل رہا ہے اور تاقیامت ملتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ نے اپنی ایک کتاب میں تحریر کیا ہے کہ مولوی (یعنی عالم دین) ایک ایسی قوت ہے جیسی کہ قرآن ایک لازوال دولت ہے۔ جب بھی مولوی قرآن سے اپنے ہر دعویٰ کی دلیل

حاصل کرے گا تو گویا وہ قرآن حکیم سے ہی رہنمائی حاصل کرے گا۔ گویا ایک صحیح اور راست گو عالم بھی ایک لازوال قوت کا مالک ٹھہرا۔ بقول اقبال ؎

قرآں میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلماں
خدا عطا کرے تجھے جدت کردار

حضرت مولاناؒ کی اس تحریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص قرآن حکیم سے اپنے مسائل کا استنباط کرتا ہے وہ ایک عظیم قوت کا مالک بن جاتا ہے اور جس مرد مجاہد نے اپنی ساری عمر قرآن پاک کی درس و تدریس میں صرف کر دی ہو وہ ان عظیم الشان قوتوں کا مالک کیسے نہیں ہوگا؟

رسول اکرمؐ نے سفر سے پناہ مانگی ہے مگر حضرت قاری صاحبؒ نے سفر کیا تو قرآن کی خاطر' کتاب لکھی تو قرآن کی ترویج و اشاعت کی خاطر غرضیکہ ہر موقع' ہر لحہ خدمت قرآن کی فکر اور تردد۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے یونیورسٹی میں آپ کو خدمت کا موقع دیا تو خلوص نیت اور اپنی تمام تر توانائیوں سے قرآن کی تعلیم دی۔ دراصل حضرت قاری صاحبؒ ہر وقت اور ہر پہلو سے اور ہر ادا میں قرآن کی خدمت کو ترجیح دیتے تھے قرآن میں استغراق اور انہماک جس قدر قاری صاحب کی ذات میں جلوہ گر دیکھا اور کہیں نظر نہ آیا۔

جمیع العلم فی القران لکن
تقاصر عنہ افہام الرجال

(قرآن کریم میں تمام علوم موجود ہیں مگر لوگوں کی عقلیں اس کو سمجھنے سے قاصر و عاجز ہیں)۔

آپ امام بھی تھے' خطیب بھی تھے' اعلیٰ پائے کے ادیب بھی تھے' ایک مشفق و مہربان استاذ بھی تھے۔ اور اپنی اولاد کے لئے ایک خیال کرنے والے باپ بھی۔

خوب بڑے لمبے چوڑے اور زبان و کلام اور فصاحت و بلاغت سے بھرپور مقالے لکھ کر اور نام نہاد موضوعات کو خوب اچھال کر نمایاں کر کے ان پر موٹی موٹی کتب لکھ کر خوب دولت اکٹھی کر سکتے تھے لیکن خشیت الٰی اللہ کا جذبہ اس قدر غالب تھا کہ ان چیزوں کی جانب متوجہ ہی نہ ہوئے۔ جو کچھ بھی کیا قرآن کی خدمت کو اولین فریضہ قرار دے کر کیا اور اپنی تمام زندگی قران کی تعلیم کے لئے وقف کئے رکھی۔ ۱۹۶۹ء میں ملائشیا میں بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت منعقد ہوا۔ یہ مقابلہ حسن قراءت اپنی مثال آپ تھا۔ لاتعداد ممالک کے نہایت خوش الحان قاری اکٹھے ہوئے۔ عرب شیوخ بھی خوب بڑے بڑے جبہ و قبہ میں ملبوس پہنچے۔ یہ بات ہر شخص جانتا ہے کہ اہل عرب اپنے مقابلے میں دوسری اقوام کو عجمی یعنی گونگا قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ مقابلہ دنیا بھر میں ایک عظیم قراء کرام کا اجتماع تھا جس میں دنیا کے چوٹی کے اہل فن' اہل ادا اور سب سے بڑھ کر اہل زبان شریک ہو رہے تھے۔ مقابلے کا انتظام و انصرام ملیشیا کی شاہی حکومت نے کیا تھا۔

عظیم الشان مقابلے کے فیصلے کے لئے ججوں کا تقرر بھی نہایت عالم اور فن کے شناور حضرات کا کیا گیا تھا جو کہ ایک قابل فہم بات تھی۔ مصر سے مشہور قاری الشیخ محمود عبدالحکم صاحب ایک جج سعودی عرب سے' ایک ملیشیا سے الشیخ حسن الازہری صاحب اور ہمارے پاکستان سے مقابلہ کے لئے مقرر ہونے والے جج جناب حضرت قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ تھے۔ حضرت کے اس عظیم منصب کے عطا ہونے سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے علمی کمالات میں عموماً اور خصوصاً علم قراءت کی کیا شان ہوگی اور کیا کیفیت ہوگی کہ وہ عرب جو اپنے مقابلہ میں دوسروں کو گونگا سمجھتا ہے وہ آپ کو بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت میں منصفی کے فرائض ادا کرنے کی دعوت دے رہا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا دار لوگوں کے طریق کے مطابق تو قاری صاحب کو بھی چاہیئے تھا کہ جب ملیشیا سے آتے تو مارے غرور کے کسی سے سیدھے منہ بات نہ کرے سر پر اونچی سی قراقلی ٹوپی پہنتے جو پانچ ہزار کی ہوتی گردن اکڑی ہوئی ہوتی پاؤں کو زور زور سے زمین پر مار کر چلتے لوگوں میں چہ مگوئیاں ہوتیں او بھائی ذرا پرے پرے ہٹ جاؤ۔ ملیشیا کی بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت کا جج آرہا ہے جس کی قابلیت کو عربوں اور عجمیوں نے یکساں تسلیم کیا۔ مگر نہیں آپ کی وہی چال ڈھال' وہی سادہ گفتار' وہی عام سی سفید کپڑے کی ٹوپی وہی سادا سا بیگ اور وہی سادی سی پان کی ڈبیا اور بٹوہ سبحان اللہ اس سادگی کے کیا کہنے۔

اگرچہ فقر و فخر رتبہ ہے تیری قناعت کا
مگر قدموں تلے ہے فرش قصرائی و خاقانی

اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں اگر تم میرا شکر کرو گے تو میں تمہیں اور نعمتیں دوں گا۔ یہی حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ بھی ہوا بعد ازاں عربوں کی سرزمین مکہ مکرمہ میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے منعقدہ بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت جو ۱۹۸۴ء میں ہوا حضرت کو دوبارہ جج کے فرائض انجام دینے کا موقع ملا۔ اور اسی مقابلہ کے دوران اپنوں اور غیروں' عرب اور غیر عرب ہر ایک نے حضرت قاری صاحبؒ کے وسعت علمی اور خوبصورت آواز و انداز اور ملنسارانہ طور اطوار کا دل سے اعتراف کیا۔

اتنی علمی اور عظیم الشان شخصیت کے باوجود حضرت قاری احمد دین صاحب المعروف پیر صاحب کے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار میں پڑھانے آتے تو بالکل چھوٹے چھوٹے بچے آپ کے پاس آتے۔ بڑے ادب سے سامنے آکر بیٹھ جاتے۔ حضرت قاری صاحبؒ کسی کو اعوذ باللہ پڑھاتے کسی کو بسم اللہ کسی کو قاعدہ پھر بڑے پیار اور شفقت سے فرماتے شاباش بچو شاباش خوب دل لگا کر پڑھا کرو۔ میں نے بار بار یہ منظر بچشم خود دیکھا ایک دن رہا نہ

گیا قدرے غصے سے میں نے آخر کہہ دیا "حضرت آپ کیا بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ یہ آپ کے مرتبہ اور منصب کے لحاظ سے مناسب نہیں ہے۔ حکم کریں تجوید و قراءت میں استفادہ کرنے کے لئے طالب علموں کو اکٹھا کیا جائے اخبار و رسائل میں اشتہارات دیئے جائیں ان چھوٹے بچوں پر کیا محنت کر رہے ہیں۔" میرے اس طرح کہنے پر مسکرا کر فرمایا! ارے کم بخت تو کیا جانے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھانے کے عمل کو ہی ذریعہ نجات بنا دے۔ یہ قاری احمد دین صاحب کے دینی باغیچہ کے چھوٹے چھوٹے پودے ہیں۔ حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ میرا سخت دل موم کی طرح نرم ہوگیا۔ اللہ اکبر دین کی سمجھ بھی اللہ وحدہ لاشریک اپنے محبوب بندوں کو ہی دیتے ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ حضرت استاذ الاساتذہؒ کے سامنے اس فانی دنیا کے نام و نمود اور تکلفات کی ذرہ برابر بھی وقعت نہ تھی روز جزا کی فکر اپنے اعمال کا حساب بے پناہ حاوی تھے۔ اگرچہ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے الحمدللہ بہت کچھ عطا کیا تھا لیکن فکر آخرت مقدم تھی۔ جب بھی قبر' قیامت اور حساب کتاب کا تذکرہ ہوتا تو حضرت قاری صاحبؒ کانپ اٹھتے۔

جامع مسجد اہلحدیث امین پور بازار فیصل آباد میں محفل قراءت ہوئی۔ پاکستان کے نامور قراء کرام تشریف لائے۔ خصوصاً اہلحدیث مسلک سے تعلق رکھنے والے سب قاری حضرات آئے۔ اپنی اپنی ہمت و طاقت کے مطابق ہر قاری نے پڑھا۔ مگر جب مجمع میں یہ اعلان ہوا کہ اب استاذ الاساتذہ حضرت قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ تلاوت فرمائیں گے تو گویا آن واحد میں سوئی ہوئی دنیا میں زندگی کی لہر دوڑ گئی تمام مجمع ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھ گیا۔ جب حضرت قاری صاحبؒ نے تلاوت فرمائی تو سامعین روحانیت کی دنیا میں کھو گئے اور کہنے لگے کہ اس تلاوت میں اور سابقہ تلاوتوں میں یہ فرق ہے کہ پہلے گویا نابالغ بچے پڑھ رہے تھے اور اب کوئی قرآن کا قاری پڑھ رہا ہے۔ تلاوت کے بعد تقریباً پون گھنٹہ اہمیت تجوید پر بڑا علمی درس بھی دیا۔ محفل قراءت کے بعد صبح کو ناشتہ کر رہے تھے کہ حضرت قاری صاحبؒ کا ایک شاگرد پیپلز کالونی سے آیا اور ہمیں ساتھ لے گیا۔ بصد اصرار ناشتے کے لوازمات سامنے لا کر رکھے گئے اسی دوران وہ صاحب حضرت قاری صاحبؒ سے بچوں کی ابتدائی تعلیم کی مشکلات کا تذکرہ چھیڑ بیٹھے حضرت قاری صاحبؒ انہیں نہایت اطمینان سے باتوں باتوں میں ان کی مشکلات اور مسائل کا حل بتاتے رہے۔

یہاں سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ ایک اور صاحب تشریف لے آئے عرض کی جناب آج آپ کو لازما" میرے یہاں قیام کرنا ہو گا اس سے میرے گھر میں بھی خیر و برکت ہو گی۔ حضرت قاری صاحبؒ نے اسے تو کوئی جواب نہ دیا ساتھیوں سے فرمایا بھئی تھوڑی دیر ان کے گھر بھی چلتے ہیں کافی شدید اصرار ہے۔ خیر ہم سب لوگ ان صاحب کے گھر پہنچے دوپہر کا کھانا کھایا بعد میں چائے آئی تو حضرت نے میری پیالی میں چائے ڈالی اور مزاحا" بسکٹ بھی ڈال دیئے اور فرمایا "ارے بیو تم پنجابی نوجوان ہو ایک پیالی سے کیا ہوتا ہے" وہاں سے رخصت ہوئے صاحب میزبان نے مزید قیام کی درخواست کی تو حضرت نے فرمایا نہیں بھائی اب ہم اجازت چاہیں گے۔ پھر اس کے گھربار کے لئے خیر و

برکت کی دعا کی۔ ان صاحب نے اپنی گاڑی میں ہمیں جی ٹی ایس کے اڈے پر چھڑوایا۔ اب آگے جو واقعہ بیان کروں گا بہت یادگار ہے اور مجھے کبھی نہیں بھولے گا۔ اڈے پر اترے تو میرے دل میں خیال گزرا کہ اب حضرت قاری صاحب مجھے ارشاد فرمائیں گے کہ چلو بھئی مولوی اسماعیل لاہور کی ٹکٹیں لاؤ اور ذہنی طور پر میں تیار بھی تھا۔ لیکن ہوا اس کے برعکس حضرت ایک بنچ کے پاس کھڑے ہوئے اور مجھے فرمایا یہ تھیلا ہے اس کے پاس بیٹھ جاؤ خود ٹکٹ خریدنے والوں کی لائن میں کھڑے ہوگئے پانچ دس منٹ بعد لاہور کی چار ٹکٹیں خرید لائے۔ غور فرمائیے کہ اگر کوئی ٹکر بھوج مولوی یا پیر صاحب ہوتا تو ضرور اپنے ہمراہ لوگوں کو کہتا میں یہاں بیٹھتا ہوں تم ٹکٹیں لاؤ۔ میں نے تو آج تک کوئی عالم یا مفتی ایسا نہیں دیکھا جو کہ رقم بھی خود ادا کرے اور پھر اپنی ہی کیا دوسروں کی ٹکٹیں بھی خود ہی لائے۔

اسی سفر میں جناب قاری احمد دین صاحب اور جناب قاری محمد ادریس عاصم صاحب بھی ہمراہ تھے لیکن واپسی کے سفر میں قاری ادریس عاصم صاحب اپنے سسرال کے ہاں ٹھہر گئے۔ لہٰذا ہم باقی لوگ عازم سفر ہوئے تھے۔ اسی بابرکت سفر میں باقی ساتھی تو سو گئے (میں اسے بابرکت ہی کہوں گا کیونکہ حضرت قاری صاحبؒ کی صحبت میں جو وقت اس سفر میں گزارا وہ میں کبھی بھی نہیں بھلا سکوں گا) میں اور حضرت قاری صاحبؒ ہم دونوں بیٹھ گئے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی پان والی ڈبیا کھولی اور پان بنایا۔ مجھے بھی ازراہ شفقت عنایت فرمایا۔

فیصل آباد سے تقریباً دو تین میل لاہور کی طرف آئے تو میں نے نورانی قاعدہ کی تختی نمبر۱ یعنی حروف ابجد پر قاریوں کے موضوع والی تقریر شروع کر دی۔ پھر تختی نمبر۲ پھر نمبر۳ غرضیکہ نورانی قاعدے کے اوپر خوب سیر حاصل بحث کی اور بالفاظ دیگر حضرت کا خوب مغز کھایا۔ حسب عادت حضرت قاری صاحبؒ نے میری تقریر نما گفتگو نہایت توجہ سے سنی میری یہ تقریر ختم ہوئی جب گاڑی راوی پل پر پہنچی۔ اس کے بعد حضرت نے فرمایا "مولوی اسماعیل زندہ باد" مطلب یہ کہ بس اب مغز کھانا بند کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں بارہا علمی لوگوں کے ہمراہ سفر کئے لیکن جیسے علمی لطائف اس مذکورہ سفر سے حاصل ہوئے کسی سفر میں نہ ہوئے۔

راقم کو حضرت قاری صاحبؒ کے پیچھے جمعۃ مبارک کی نماز ادا کرنے کا بھی بارہا اتفاق ہوا حضرت کی جمعہ کی تقریر ایسی ہوتی کہ عام لوگوں کو یوں محسوس ہوتا کہ آپ میٹھی میٹھی باتیں کر رہے ہیں لیکن اگر کوئی قرآن و حدیث اور تاریخ کا جاننے والا سامعین میں موجود ہوتا تو وہ فوراً سمجھ لیتا کہ یہ واقعہ قرآن کے فلاں پارے میں ہے حدیث کے فلاں باب میں موجود ہے یا تاریخ کی فلاں کتاب میں مذکور ہے۔ چہرے پہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ لئے یہ وعظ اہل علم کی نظر و تخیل میں علم کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا تو عوام الناس کے لئے ایک ایسا بیان ہوتا جو دین کی آسان اور قابل فہم تشریح پر مشتمل نکات کا مجموعہ ہوتا۔

آپ کی تلاوت کے کمالات و محاسن میں کن الفاظ میں تحریر کروں ہمارے ملنے والوں میں ایک صاحب حافظ

ذکریا صاحب ہیں ماشاء اللہ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے فارغ نہایت ضدی' نکتہ چیں اور حاضر دماغ ضلع ہزارہ میں بہت سے مدارس جو قرآن شریف کی تعلیم کے لئے مخصوص ہیں ان کے یہ سرپرست ہیں۔

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں لاہور آئے اور خواہش ظاہر کی کہ آج میں حضرت قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ کے پیچھے نماز تراویح پڑھوں گا۔ حافظ ذکریا صاحب سماعت کے لئے حضرت قاری صاحبؒ کی مسجد میں چوبرجی کوارٹرز میں تشریف لے گئے اس رات حضرت نے چوبیسویں پارہ سنانا تھا۔ حافظ ذکریا صاحب نے پورا پارہ تنقیدی ذہن رکھتے ہوئے سنا۔ واپس آکر جناب قاری احمد دین صاحب کے مدرسے میں کہا "میں نے اپنے علم' تجربہ اور حاضر دماغی کو بروئے کار لاتے ہوئے پورا پورا زور لگایا مگر خدا کی قسم مجھے کلام کا کوئی موقع نہیں ملا' زیر' زبر' شد' مد اور پیش کی ادائیگی میں میں نے بہت غور کیا' ہر حرف کی ترقیق و تفخیم پر غور کیا' مد لازم و مد عارض' مد متصل و مد منفصل' مد کلمی مثقل و مد کلمی مخفف میں غور کیا۔ مد عارض و قفی' بے قاعدہ و باقاعدہ تکلف یا بلا تکلف غرض ہر پہلو سے جانچا اور پرکھا لیکن مجھے کوئی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں ملا جس پر میں گرفت کر سکتا بلکہ علامہ جزریؒ کا یہ شعر میرے دماغ میں گونجا۔

مکملا غیر ما تکلف　　ما للطف فی النطق بلا تعسف لوگ عموماً یہ بات کرتے ہیں کہ جناب حضرت قاری صاحبؒ نے اپنا مدرسہ کیوں نہ بنایا اس سلسلے میں ایک واقعہ عرض کروں۔ ایک قاری صاحب نے حضرت شیخؒ سے پوچھا حضرت میرا جی چاہتا ہے کہ میں ایک مدرسہ اور مسجد اپنی بنا لوں لوگوں سے چندہ شندہ مانگ کر کچھ کھا پی لوں گا اور کچھ مسجد و مدرسہ پر لگا دوں گا۔ اور ملازمت کی مشغولیت اور محنت سے بچا رہوں گا۔ آپ کیا فرماتے ہیں۔ جواباً حضرت نے فوراً ان قاری صاحب کو تنبیہہ فرمائی اور کہا اگر دیانت داری اور ایمانداری سے مدرسہ چلاؤ گے تو ایسی ایسی مصائب اور مشکلات کا سامنا ہوگا کہ جن کا مقابلہ کرنا تمہارے لئے ممکن نہ ہوگا مدرسہ چلانا گویا راہ پرخار پر ننگے پیر چلنا ہے اور اگر بددیانتی اور خیانت کرو گے تو چند روزہ عیش و عشرت کے بعد قبر میں جاتے ہی جوتے پڑیں گے اور حشر والے دن مزید ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ جس طرح میں اس بڑھاپے میں ملازمت کو ترجیح دے رہا ہوں تم بھی ایسا ہی کرو۔ اگر تم دیانتداری سے کام کرو گے تو پورا مدرسہ ہی تمہارا ہوگا اور جب نیت صحیح کر لو گے تو اللہ کے یہاں اجر عظیم کے مستحق ٹھہرو گے نہ تمہیں اپنی عمارت کا فکر' نہ مدرسے کے فنڈ کا تردد نہ مدرسہ کے بل کی ادائیگی کا فکر' اور جب دیانتداری اور ایمانداری سے پڑھاؤ گے تو مدرسے کا ہر فرد تمہاری عزت کرے گا۔

اللہ تعالٰی کی رحمت اس کی عنایت اور مہربانیوں اور فضل و کرم سے جناب قاری محمد ادریس عاصم صاحب لاہور فاضل مدینہ یونیورسٹی رئیس المدرس مدرسہ عالیہ تجوید القرآن لسوڑیوالی جامع مسجد اہلحدیث لاہور کو اس نکتہ عمیق کو سمجھنے کی توفیق ملی یا پھر مجھ جیسا ناچیز جو قاریوں کی صف میں کھڑا ہونے کا اہل نہیں اللہ کی توفیق سے اس

نکتے کو سمجھ پایا۔

حضرت قاری صاحبؒ کی خودداری اور عزت نفسؒ الغنی، غنی النفس کی اعلیٰ تفسیر تھی۔ جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دور میں شاہی مسجد لاہور میں جب تین روزہ شبینے کا آغاز ہوا تو آغاز میں بہت اچھے قراء کرام کو پڑھنے کی دعوت ملی جن میں جناب قاری ادریس عاصم صاحب' جناب قاری نور محمد صاحب' جناب قاری سید حسن شاہ صاحب بخاری اور حضرت قاری اظہار تھانوی صاحبؒ جیسے اکابر شامل تھے۔ اس شبینے کے سرپرستی محکمہ اوقاف کے سپرد تھی بڑے بڑے افسران کی چاپلوسیوں سے شبینہ میں پڑھنے کا موقع ملتا تھا یہ تمام چیزیں حضرت اور دیگر اکابر کے مزاج کے خلاف تھیں اس لئے ان حضرات کے نام رفتہ رفتہ اس فہرست قراء میں سے خارج کر دیئے گئے۔ تین چار سال متواتر اس طرح گزر گئے کہ حضرت قاری صاحبؒ کو مذکورہ شبینے کا دعوت نامہ نہ آیا تو کسی نے حضرت سے پوچھا "حضرت آپ کو دعوت نامہ کیوں نہیں آیا؟" فرمایا جب ہمارے استاذ محترم حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ نے ہمیں قراء ت کی سند مرحمت فرمائی تو اس کے ہمراہ وصیت کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دنیا کے خزانے دے دیئے ہیں اب ان کی توہین نہ کرنا اور ایسا عمل نہ کرنا جس سے تمہارے علم' تمہاری شخصیت اور تمہاری عزت نفس پر کوئی حرف آئے۔ سبحان اللہ ایمان ہو تو ایسا شخصیت ہو تو ایسی' استاذ ہو تو ایسا امام ہو تو ایسا' خطیب ہو تو ایسا اور قاری ہو تو ایسا۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

❑❑❑

خلیق و حلیم شخصیت

حافظ فیاض احمد فیاض صاحب

اس تیزی سے گزر جانے والی زندگی میں ہر انسان کو اپنے آس پاس بے شمار لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے مگر کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں جو انسان کے کردار وافعال اور عادات و اطوار پر بہت گہرا اثر ڈالتی ہیں ان کی غیر معمولی سیرت اور جاذبیت مدمقابل انسان کو اپنی طرف مقناطیسی طریقے پر مائل کرتی ہیں اور اس عظیم ہستی کے رخصت ہو جانے کے بعد بھی انسان زندگی کے بہت سے مواقع پر بے ساختہ ان کو یاد کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ایسی ہی مقناطیسی شخصیت کی حامل حضرت استاذ القراء والمجودین عالم بے بدل مولانا قاری الحاج اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی تھی۔

حضرت قاری صاحبؒ سے غائبانہ تعارف تو بہت پہلے سے تھا۔ آپ کی تلاوت اور محافل شبینہ میں قرآن شریف بارہا سنتے رہے تھے۔ میرے خیال میں یہ تعارف اس وقت سے تھا جب آپ چینیانوالی مسجد میں واقع مدرسہ تجوید القرآن کے صدر شعبہ قرات تھے۔ لیکن باضابطہ تعارف اس وقت ہوا جب لسوڑیوالی مسجد میں شعبہ تجوید کا آغاز ہوا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے چینیانوالی مسجد کے ہی فارغ شدہ جناب قاری محمد یحییٰ صاحب، رسولنگری صاحب شعبہ تجوید کے مدرس مقرر ہوئے تھے۔ قاری یحییٰ صاحب کے طلبہ کا امتحان حضرت قاری صاحبؒ مسجد لسوڑیوالی تشریف لاتے۔ اس موقع پر علیک سلیک شروع ہوئی۔ پھر قاری یحییٰ صاحب کے بعد قاری محمد ادریس عاصم صاحب نے جب پڑھانا شروع کیا تو حضرت قاری صاحبؒ کی آمد و رفت مزید بڑھ گی۔

بعدازاں قاری ادریس صاحب مزید تعلیم کے لئے عازم سعودیہ عرب ہوئے۔ مگر حضرت قاری صاحبؒ سے جو تعلقات استوار ہوئے تھے وہ الحمدللہ برقرار رہے۔ ۱۹۷۷ء کا ایک سفر بہت یادگار ہے جو کہ احقر نے حضرت قاری صاحبؒ کی معیت میں کیا۔ اس سفر میں حضرت مولانا قاری احمد دین صاحب بھی ہمراہ تھے۔ یہ سفر حضرت قاری صاحبؒ نے مختلف مدارس میں امتحان لینے کے واسطے کیا تھا۔ اول قاری صاحبؒ راولپنڈی پہنچے اور وہاں مولانا عبدالحکیم صاحبؒ کے مدرسہ فرقانیہ میں اور مولانا غلام اللہ خاں صاحبؒ کے مدرسہ میں امتحان لیا یہاں سے فراغت کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کے ہمراہ مری گے وہاں ایک مسجد میں حضرت قاری صاحبؒ کے ایک شاگرد امام تھے قیام کیا۔ بعدازاں حضرت قاری صاحبؒ کے ایک جاننے والے قاری صاحبؒ کو اپنے گھر لے گئے وہاں ہم لوگوں نے ناشتہ کیا۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب پشاور گئے اور قاری فیاض الرحمٰن صاحب کے یہاں امتحان لیا۔ امتحان سے فراغت کے بعد پروگرام بنا کہ افغانستان چلا جائے۔ تمام کاغذی کاروائی وغیرہ مکمل ہو گئی مگر اس دوران ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے مارشل لاء کا نفاذ کر دیا اور حالات کی تبدیلی کی وجہ سے پھر افغانستان جانے کا

پروگرام ختم کرنا پڑا۔

اس کے علاوہ حضرت قاری صاحبؒ کے ہمراہ ایک یادگار سفر قاری محمد یحییٰ رسولنگری صاحب کی شادی کا بھی ہے جس میں احقر کے علاوہ حضرت قاری احمد دین صاحب اور قاری ادریس عاصم صاحب بھی ہمراہ تھے۔ یہ سفر بھی بہت سے علمی لطائف کو اپنے جلو میں لئے ہوئے تھا۔

اس سفر سے واپسی پر حضرت قاری صاحبؒ اپنے ایک استاذ بھائی جناب حضرت مولانا قاری حکیم عبدالحکیم صاحبؒ سے ملاقات کرنے ان کے گھر گئے۔

ان دو یادگار سفروں کے دوران حضرت قاری صاحبؒ کا تقویٰ پرہیزگاری اور سب سے بڑھ کر متبع سنت عادات کا احقر کو بہت زیادہ تجربہ ہوا۔

یقیناً حضرت قاری صاحب علم میں بہت اعلیٰ مقام کے حامل تھے لیکن اس کے علاوہ خوش اخلاقی اور متانت و شائستگی آپ کی مزید خوبیاں تھیں جو آپ کی عادات کا جوہر تھیں۔ اکثر راقم' قاری ادریس عاصم صاحب کے ہمراہ نماز جمعہ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ کے دولت کدے پر حاضر ہوتے اس وقت حضرت قاری صاحبؒ کی مہمان نوازی قابل دید ہوتی۔

اس کے بعد ہم حضرت قاری صاحبؒ کو لے کر بہت سے تاریخی مقامات نیز دیگر مقامات پر بھی جاتے۔ ایک مرتبہ شالا مار باغ سیر کے لئے گئے تو وہاں حضرت نے باتوں ہی باتوں میں مغل حکمرانوں کے بہت سے واقعات سنائے۔ حضرت قاری صاحبؒ کا مطالعہ بہت وسیع تھا مگر اس کے ہمراہ آپ کا طرز بیان اس بات کو مزید خوبصورت بنادیتا تھا۔

ایک مرتبہ مقبرہ جہانگیر جانا ہوا وہاں شہنشاہ جہانگیر کی قبر کے تعویذ پر نظر پڑی تو اس کے نزدیک ہی بیٹھ گے دراصل قبر کے تعویذ پر اسماء الحسنیٰ بہت خوبصورت انداز میں تحریر کئے گئے تھے۔ کچھ دیر ان کا بغور مطالعہ فرمانے کے بعد اٹھ کر کھڑے ہوے اور قاری ادریس عاصم صاحب سے فرمایا ان اسماء الحسنیٰ کی کتابت میں رسم عثمانی کا خاص اہتمام کیا گیا ہے جو آج کل ہمارے دور میں کوئی خاص قابل توجہ امر نہیں رہا۔

حضرت قاری صاحب عالم باعمل آدمی تھے مگر صوفی خشک نہ تھے۔ شستہ مذاق اور حاضر دماغی آپ کا بہترین وصف تھا۔ عموماً" اس طرح ہوتا کہ راقم اپنی گاڑی میں حاضر خدمت ہوتا میرا بیٹا حافظ قاری عمر فاروق سلمہ گاڑی چلاتا حضرت اس سے بارہا فرمایا کرتے بھئی قاری عمر گاڑی بہت عمدہ چلاتے ہیں اور بعض اوقات اسے مخاطب کر کے فرماتے بھئی عمر صاحب آپ مجھے بھی گاڑی چلانا سکھا دیں۔ غرض حضرت کی اس طرح پر مزاح گفتگو چلتی۔

راقم نے قاری ادریس عاصم صاحب سے تجوید پڑھنا شروع کی۔ ایک مرتبہ حضرت قاری صاحبؒ مدرسے تشریف لائے تو میں نے باتوں باتوں میں عرض کیا حضرت میں آج کل قاری ادریس صاحب سے تجوید پڑھ رہا ہوں۔

حضرت قاری صاحبؒ نے قاری ادریس صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا بھئی حافظ صاحب کو سند ضرور دینی ہے قاری ادریس صاحب نے حضرت سے عرض کی حضرت حافظ صاحب کو ابھی تک حروف حلقی یاد نہیں ہوئے ہیں۔ اس پر حضرت بہت مسکرائے۔ حضرت قاری صاحبؒ کی عالمانہ شخصیت اور پہلو پر تو دیگر حضرات اس کتاب میں خوب اچھے طریق پر روشنی ڈالیں گے لیکن تلاوت قرآن سے حضرت قاری صاحبؒ کا شغف ایسا تھا جو بارہا احقر نے خود ملاحظہ فرمایا۔

عموماً دیکھا کہ گاڑی میں سفر کے دوران قاری عمر سلمہ شیخ رفعت کی کیسٹ لگاتا تو حضرت قاری صاحبؒ یکدم باتوں کو منقطع فرما کر اس طرح تلاوت سننے میں محو ہو جاتے جیسے گاڑی میں کوئی بھی نہیں صرف تلاوت قرآن ہے اور حضرت قاری صاحبؒ ہیں۔ اسی طرح جب مدرسہ عالیہ تجوید القرآن لسوڑیوالی میں منعقدہ قرات کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لاتے تو اسلام آباد سے سفر کر کے آنے کے باوجود بڑی مستقل مزاجی اور توجہ و انہماک سے تلاوتیں سنتے اور کسی لحہ بھی آپ کے رویئے سے اکتاہٹ کا اظہار نہ ہوتا۔ یقیناً تلاوت قرآن آپ کے لئے روحانی چاشنی اور حلاوت کا سامان پیدا کرتی تھی۔

چونکہ احقر کا سونے کے زیورات بنانے کا کام ہے اس سلسلے میں بارہا حضرت قاری صاحبؒ نے راقم سے زیورات بنوائے۔ راقم کو حضرت قاری صاحبؒ سے اپنی آخری ملاقات کے دوران وہ الفاظ اب بھی بہت اچھی طرح یاد ہیں جو مجھ سے مخاطب ہو کر فرمائے۔ وفات سے قبل آخری جمعہ کو ہم حسب معمول حاضر ہوئے تو حضرت قاری صاحب نے ہماری خوب خاطر تواضع کی۔ بہت اصرار کے بعد ہم نے واپسی کی اجازت چاہی تو گھر کے دروازے تک رخصت فرمانے آئے اور راقم سے فرمانے لگے حافظ صاحب آپ کے یہاں کوئی خوبصورت اور نادر چیز آیا کرے تو براہ کرم یہاں ضرور دکھا دیا کریں۔

منگل ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء کو حضرت قاری صاحبؒ کے گھر سے فون آیا اور یہ اندوہناک خبر ملی کہ حضرت قاری صاحب وصال فرما گئے ہیں۔ دل و دماغ اس خبر کو ماننے پر راضی نہ تھے۔ وفات کے بعد قبر کی جگہ کے انتخاب کا مسئلہ آیا تو راقم کے لئے بہت سعادت کی بات ہوئی کہ آپ کی قبر میرے والد صاحبؒ کے بالکل برابر میں بنی۔

بعداز وفات خواب میں حضرت قاری صاحبؒ کے اعلیٰ درجات کے اس گناہگار کو مشاہدے ہوئے۔ ایک خواب میں دیکھا کہ نہایت خوبصورت اور پر فضا مقام ہے اور وہاں ایک عالیشان محل بنا ہوا ہے۔ دل میں یہ خیال آیا کہ نامعلوم یہ عالیشان محل کس کا ہے پھر ایک آواز آئی کہ یہ محل حضرت قاری اظہار احمد صاحبؒ کا ہے۔ آنکھ کھلی تو دل کو ایک طمانیت سے ہوئی کہ الحمدللہ ہمارے قاری صاحبؒ کے اللہ تعالیٰ نے خوب درجات عالیہ بلند فرمائے ہیں۔

ایسے ہی ایک واقعہ بہت عجیب حضرت قاری صاحبؒ کی وفات کے بعد ہوا۔ میری ایک عزیزہ صاحبہ کافی عرصہ سے بیماری تھی۔ ان کا انتقال ہوا تو انہیں بھی اسی جگہ پر دفن کیا گیا جہاں حضرت قاری صاحبؒ آرام فرما ہیں۔ وہ

اپنے خاوند کو خواب میں نظر آئیں اور ان سے کہا کہ اللہ دتہ (میرے والد صاحب٫) کی قبر کے ساتھ والی قبر پر بہت قرآن شریف پڑھا جاتا ہے وہ کس کی قبر ہے یاد رہے کہ وہ عورت حضرت قاری صاحب٫ سے واقف نہ تھی۔

یقیناً قاری قرآن کی قبر سے قرآن پڑھنے کی آوازیں ہی آسکتی ہیں اور اور حضرت قاری صاحب٫ تواستاذ القرا والمجودین تھے جن سے بے تحاشہ لوگوں نے قرآن کے فیوض حاصل کئے اور تاقیامت یہ سلسلہ آپ کے لئے توشہ آخرت ثابت ہوتا رہے گا۔ انشاء اللہ

یہ کچھ باتیں حضرت قاری صاحب٫ کے ساتھ باہمی تعلقات کے متعلق تحریر کی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک حضرت قاری صاحب٫ کے درجات بلند فرمائے اور آپ کے نقش قدم پر ہم لوگوں کو چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

□□□

ہمارے قاری صاحب

(قاری) فقیر محمد مسعودی سیالکوٹ

قدرت کو جب کسی قوم کی بہتری مقصود ہوتی ہے تو ایسی نا.بغہ روزگار شخصیات کو زندگی کا ملبوس عطا کرتی ہے جو اپنی خداداد صفات کی بدولت انسانوں کو پھر منزل ایمان و یقین کی تڑپ عطا کردیتی ہیں۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو ہمیں وقفوں وقفوں سے ایسے سربلند انسان نجوم تاباں کی صورت ماحول کو جگمگاتے نظر آتے ہیں۔ جن کے علمی، فنی، فقہی اور روحانی و نظری کمالات نے زمانے کے مسائل حل کر دیئے۔ یہ اصحاب ایمان علم و عمل کی کسوٹی پر پرکھنے اور زمانے کو عظمت قرآن کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ صدیوں کے تواتر سے ایسی بلند نصیب شخصیات کا وجود ملت اسلامیہ کے لئے درخشندہ مستقبل کی نوید ہوتی ہے۔

ہمارے قاری صاحب استاذ گرامی و مربی و محسن شیخ القراء القاری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ، ایسے ہی مرد یگانہ تھے۔ جن کی مختصر حیات زندگانی، ایمان آفریں، جہد مسلسل اور خدمات قرآنی کی علامت ان کا وجود مسعود اس حقیقت میں ڈھل چکا تھا۔ ے

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں   تب خاک کے پردوں سے انسان نکلتے ہیں

حسن تدریس ۱۹۶۵ء کے اوائل میں حفظ القرآن کی منزل سے بتوفیق سبحانہ و تعالیٰ نکلا تو استاذ گرامی استاذ الاساتذہ حضرت قاری فضل کریم نور اللہ مرقدہ، نے مجھے روایت حفص" کیلئے حضرت شیخ کے سپرد کیا۔ شیخ کو خدائے لم یزل نے بصیرت کے ساتھ ظاہری وجاہت کا وافر خزانہ عطا فرمایا تھا، ڈرتے، جھجکتے حضرت کی خدمت میں حاضری ہوتی۔ لیکن دو تین یوم کے بعد استاد اور شاگردوں کے درمیان محبت اور مودت کی ایسی فضا قائم ہوگئی گویا زمانوں کا ساتھ ہے۔ جی چاہتا کہ سبق کا دورانیہ ختم نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ لمحات حضرت شیخ کی معیت میں بسر ہوں۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ سبق طویل ہونے سے طبعاً" طلباء میں اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ شیخ کی مجلس میں شگفتگی، پاکیزگی اور علمی لطائف، فنی جواہر پارے اور خوبصورت پیرائے میں نصائح وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہونے دیتے تھے۔ دوران اسباق اگر کسی کاہلی اور سستی پر سرزنش بھی کرنا ہوتی تو ایسا خوبصورت انداز اپناتے کہ مخاطب سمجھ بھی جاتا اور اس کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہوتی۔

اسلامی اخوت اور رواداری حضرت شیخ اتحاد امت اور وحدت اسلامی محبت اور رواداری کی علامت تھے۔ آپ کے زیر تعلیم تمام مکاتب فکر سے طلباء تعلق رکھتے تھے بیک وقت بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث حتیٰ کہ اہل تشیع بھی زیر

تعلیم تھے۔ استاذ گرامی کی نظر میں سب برابر تھے آپ سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتے بلکہ دوسرے مکاتب کے طلباء سے زیادہ مروت محبت فرماتے تاکہ اگر مدرسہ میں ان کو مسلکاً" کوئی مشکل پیش آئے تو وہ اس کی تعلیم میں رکاوٹ نہ بنے اسی طرح آپ کے تلمیذ یافتہ بھی آپ سے مہرو محبت اور وفا کے جذبات رکھتے۔ جیسا تعلق حضرت اور آپ کے شاگردوں کا ہے دور حاضر میں ایسی مثالیں عنقا ہیں۔

سادگی اور فقر و غنا آپ کی شخصیت سادگی اور فقر کا بہترین نمونہ تھی طلباء اور دینی ماحول میں آپ درویش منش تھے لیکن سرکاری اور اعلیٰ حکام کے متکبرانہ انداز کو معاف نہ کرتے تھے۔ صرف چند مثالیں عرض کرتا ہوں۔ ہمارے دور تعلیم میں حضرتؒ بارہ بجے کا کھانا مدرسہ میں تناول فرماتے تھے۔ کئی مرتبہ ایسا ہوتا کہ آپ کا کھانا آتا۔ جو انتہائی سادہ ہوتا آپ انتہائی رغبت سے تناول فرماتے اور اگر کوئی شاگرد سامنے ہوتا تو اس کو ساتھ شامل فرما لیتے ازراہ ادب اگر طلباء جھجکتے اور انکار کرتے تو آپ یہ الفاظ ادا فرماتے (افضل الجماعۃ) اور طلباء کو اپنے ساتھ کھانے میں شامل کرتے! اور غنا کی مثال عرض کروں ۱۹۹۰ء فروری میں عالمی مقابلہ حسن قراءت ایران میں آپ کو بطور جج دعوت دی گئی اسی مقابلہ میں پاکستان کی نمائندگی کیلئے راقم الحروف اور قاری وحید ظفر قاسمی نے کراچی پہنچنا تھا۔ راقم لاہور سے اور حضرت نے اسلام آباد سے تشریف لانا تھا۔ بندہ لاہور سے کراچی پہنچا اور حضرت بھی کراچی ایئرپورٹ پہنچ گئے۔ لیکن ایئرپورٹ پر کوئی متعلقہ محکمہ کا آدمی حضرت کو لینے نہ پہنچا۔ دوسرے حضرات کی طرح یہ ہو سکتا تھا کہ آپ بھی ٹیکسی لے کر متعلقہ مقام پر پہنچ جائے۔ لیکن آپ کی عزت نفس نے گوارا نہ فرمایا۔ اور فرمانے لگے کہ اگر کوئی دنیا دار امیر ہوتا تو یہ کیسے بھاگے آتے۔ آپ وہاں سے ہی واپسی کا ٹکٹ لے کر اسلام آباد چلے گئے اور تہران کا دورہ اور عالمی مقابلہ قراءت کی مسند انصاف (جج) (جس کے لئے دوسرے اکثر صرف سوچ سکتے ہیں) قبول نہ فرمایا۔

عزم و یقین حضرت الشیخ ۲۱ دسمبر ۱۹۷۷ء کو سالانہ امتحان اور محفل قراءت میں شرکت کیلئے راقم کی دعوت پر شہر اقبال سیالکوٹ تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ استاذ القراء قاری سید حسن شاہ بخاری شیخ القراء عبدالقیوم صاحب استاذ گرامی محمد سعید صاحب جیا موسیٰ' فخر القراء قاری احمد دین صاحب' قاری صداقت علی شیخ صاحب قاری بزرگ شاہ الازہری' قاری محمد آصف صاحب حال جدہ سعودی عرب قاری غلام مصطفیٰ صدیقی و دیگر معروف قراء تشریف لائے۔ لیکن ساتھ ہی باران رحمت کا خزانہ وافر مقدار میں لیتے آئے۔ الامان والحفیظ بارش نے محفل کے تمام انتظامات کو درہم برہم کر دیا بندہ کی حالت دیدنی تھی جو راستے پنڈال کو آتے تھے ان پر دو دو چار چار فٹ پانی بہہ رہا تھا راقم سخت پریشان تھا اس وقت کے ڈپٹی کمشنر میاں محمد اکرم صدر مجلس تھے۔ نماز عشاء تک بارش برس رہی تھی۔ ہیجانی کیفیت میں ادھر ادھر بھاگ رہا تھا کہ حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے قریب بلایا۔ اور اپنے روایتی مشفقانہ لہجہ میں فرمایا۔ کم بخت پریشان کیوں ہوتا ہے۔ بیٹھ جاؤ جس کے کلام کی مجلس ہے۔ وہ ہی سب کام ٹھیک کر دے گا۔ آپ کے یہ الفاظ گویا کن فیکون کی تاثیر رکھتے تھے۔ ان الفاظ نے نہ صرف مجھے مطمئن کر دیا بلکہ بادل چھٹ گئے۔

حاضرین بھی آگئے اور ایسی محفل جمی کہ رات ایک بجے حضرتؒ نے لحن داؤدی میں جب نغمہ لاہوتی کو چھیڑا تو ہر آنکھ اشکبار تھی اور ہر قلب فگار تھا۔ شہر اقبال کے باسی آج بھی اس محفل کے تذکروں سے ایمان تازہ کرتے ہیں۔

باقیات الصالحات

آخر میں صرف اتنا عرض کروں گا کہ میں اور میرے جیسے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں صرف ملک میں نہیں بلکہ بیرون ممالک بھی انہی اساتذہ کرام خصوصاً حضرت الشیخ استاذی واستاذ القراء قاری فضل کریم رحمتہ اللہ علیہ اور مرشدی و مولوی شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ' کی محنتوں اور کوششوں کا ثمرلے کر قرآن کریم کی خدمات میں مصروف ہیں یقیناً رب کریم ہمارے اس عمل میں سے ان کو ان کا حصہ جنتی ثمرات کی شکل میں عطا فرما رہا ہے۔ رحمهما الله تعالى اجمعين اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقش پا پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❑❑❑

اپنے استاد محترم کو کیا اور کیسا پایا

قاری سمیع الحق جامعہ اسلامیہ اسلام آباد

میرے قابل صد احترام استاذ مکرم، شیخ القراء والمجودین، فنون تجوید و قرآءت کے مولیٰ اور علوم القرآن کے مایہ ناز ماہر حضرت مولانا قاری المقری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ دور حاضر کی ان بلند پایہ شخصیات میں سے ایک تھے جن کی عمر عزیز کا بیش قدر وقت اور لمحات علوم دینیہ کی خدمت اور ان علوم کو پھیلانے میں صرف ہوا خاص طور پر علم تجوید و علم قرآءت کی نشرو اشاعت اور خدمات عالیہ میں آپ کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

حضرت استاذ محترمؒ کا نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے علوم تجوید و قرآءت کو عوام الناس میں روشناس کرایا اور نہایت سہل انداز میں لوگوں کے سامنے ان علوم کو پیش کیا۔ اس کا واضح ثبوت آپ کا انداز تدریس اور آپ کی شاندار علمی کتب ہیں جو علوم تجوید و قرآءت کے لاینحل مسائل کو طالب علموں پر نہایت آسان پیرائے میں کھولتی چلی جاتی ہیں۔

مجھے حضرت قاری صاحبؒ کے شاگرد ہونے، آپ سے پڑھنے آپ کے ہمراہ ایک ہی ہاسٹل میں رہنے کا شرف حاصل رہا ہے۔ اسی وجہ سے میں نے آپ کی ذات، شخصیت اور طور اطوار کو بہت قریب سے اور نہایت درجہ انہماک سے دیکھا ہے اور آپ کی انہی خصوصیات، عادات، طور اطوار اور کریمانہ اخلاق نیز خشیت الٰہی میں بلند پایہ مقام کی بدولت میں بلاشک و شبہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ اسلاف کی خصوصیات سے متصف تھے اور ان کی روایات کا ایک نمونہ تھے جو آج کل کے دور میں کم ہی دیکھنے میں نظر آتے ہیں۔

آپ کے کریمانہ اخلاق لوگوں کو آپ کا گرویدہ بنا دیتے اور آپ ان کریمانہ اخلاق کی بدولت لوگوں میں نہایت عزت و توقیر کی نظر سے دیکھے جاتے اگر میں یہ کہوں کہ اخلاق میں آپ **"کان خلقہ القران"** کی تصویر پیش کرتے تھے تو غلط نہ ہو گا۔

علمی لحاظ سے آپ کا مرتبہ کیا تھا؟ تو عرض یہ ہے کہ آپ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی میں کلیہ اصول الدین، شعبہ تجوید و قرآءت میں ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے۔ لیکن آپ علم تجوید و قرآءت کے علاوہ علوم حدیث، علوم تفسیر، علوم فقہ اور علوم القرآن جیسے علوم بھی بے تکلف پڑھایا کرتے تھے اور یہ آپ کی شان علمی کو ظاہر کرتا ہے۔

راقم کو حضرت استاذ محترمؒ سے استفادے کا موقع ملا اور یہ یقیناً میرے لئے سعادت عظمیٰ سے کم نہیں۔ راقم کو آپ سے بعض سورتوں کی تفسیر اور علم تجوید کی کتب پڑھنے کا شرف حاصل ہوا اس کے علاوہ ہاسٹل میں حضرت استاذؒ کے قیام کے زمانہ میں جو تقریباً دو سال پر مشتمل ہے قرآن کریم کی تجوید کے قواعد کے مطابق مشق کرنے کا موقعہ بھی

ملا۔

اسی دوران حضرت استاذؒ کا جو برتاؤ اور بے پایاں شفقت سے بھرپور پڑھانے کا انداز میرے ساتھ رہا وہ ناقابل بیان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ آپ سے پڑھائی کے دوران میں نے آپ کو اس مقولے کا مصداق پایا "الاستاذ مثل الاب" یعنی استاذ باپ کی مانند ہوتا ہے۔ اللہ اللہ حضرت استاذ میرے ساتھ اپنی اولاد کی طرح شفقت اور برتاؤ فرمایا کرتے اور ہاسٹل میں آپ کے ساتھ ہمراہی کا شرف محبت' شفقت' مہربانی اور علوم کی بلا تکلف تدریس کا وہ وہ انداز میسر آیا کہ میں اسے تاحیات جھلا نہیں پاؤں گا۔

حضرت استاذؒ کی انہی بے پایاں محبتوں اور شفقتوں کا ہی نتیجہ ہے کہ میں آج اسی قابل ہوا ہوں۔ میری ہمیشہ یہ دعا رہے گی کہ اللہ تعالیٰ ان بے پایاں احسانات کا بدلہ دنیا میں حضرت استاذؒ کی اولاد کو اور آخرت میں حضرت استاذؒ اور ان کے اساتذہ و بزرگوں و اولاد کو عطا فرمائے۔ حضرت استاذؒ کی ایک بیش قیمت یادگار ان کی خوبصورت اور سہل انداز کی حامل تصانیف بھی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی کتابیں مختصر ہونے کے باوجود نہایت جامع ہیں بلکہ آپ کی کتابیں پڑھنے والا گویا تجوید کی ڈگریاں حاصل کر لیتا ہے۔ پاکستان میں تجوید و قرآءت کے نصاب میں ایک عمدہ ترتیب کی حامل کتب دے جانا آپ کا ایک ناقابل فراموش کارنامہ ہے۔

حضرت استاذؒ نے اپنی ان بیش بہا تصانیف میں سے ازراہ عنایت بذات خود مجھے اپنی کچھ کتب سے نوازا جن میں خلاصتہ التجوید' جمال القرآن' تیسیر التجوید اور فواہد کیہ شامل ہیں اور سب سے بڑھ کر تجوید کی سند جو حضرت نے مجھے عطا فرمائی جو کہ میرے لئے سرمایہ افتخار ہے آپ کے انتقال پرملال سے دنیائے علم ایک بے پایاں عظیم الشان قاری' محبتوں اور شفقتوں سے بھرپور انسان علم کے بے پناہ پہلوؤں پر عبور رکھنے والی شخصیت سے محروم ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ اللہ کریم آپ کی ان خدمات دینیہ کو قبول فرمائے آپ کی ان صدقات جاریہ کو قبول فرمائے آپ کے درجات عالیہ کو بلند فرمائے اور آپ کو روز محشر اپنے کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ کے علوم کی خدمت کرنے والوں کی جماعت میں شامل فرمائے اور آپ پر اور آپ کی اولاد پر اور آپ کے شاگردان کرام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

□□□

تیری وفات سے میری تاریکیاں تاریک تر

قاری محمد طاہر
مدیر ماہنامہ "التجوید"

قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ علیہ اسلاف کا نمونہ تھے۔ علمی وجاہت آپ کے پروقار چہرے سے ٹپکتی تھی۔ ہر دیکھنے والا آپ کی شخصیت سے متاثر ہوتا اور آپ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا۔ آپ کا تعلق ہندوستان کے ایک ایسے خطے سے تھا جسے بلاشبہ علم و آگہی کے حوالے سے مردم خیز خطہ کہلانے کی سعادت حاصل ہے۔ ہندوستان میں صوبہ یو پی کے دو ضلعے ایسے ہیں کہ جہاں برصغیر پاک و ہند کے بیشتر علماء' فضلاء' ادیب و دانشور پیدا ہوئے۔ ایک سہارنپور اور دوسرا ضلع مظفر نگر۔ برصغیر پاک و ہند کی سب سے بڑی دینی درسگاہ یعنی دارالعلوم دیو بند بھی ضلع سہارنپور کے قصبہ دیو بند ہی میں واقع ہے اور تھانہ بھون ضلع مظفر نگر کا چھوٹا سا قصبہ ہے۔ یہ قصبہ بڑے بڑے علماء کا مسکن رہا ہے۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ اسی تھانہ بھون کے رہنے والے تھے۔ دینی علوم کے حوالے سے پاک و ہند کے تمام علماء مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ علیہ ہی کے خوشہ چیں ہیں۔

قاری اظہار احمد تھانوی کا تعلق بھی اسی تھانہ بھون سے ہے اور اسی مناسبت سے تھانوی کہلاتے ہیں۔ قاری اظہار احمد تھانوی کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں ہوئی۔ یہ وہ دور ہے جب پورے برصغیر میں انگریز سامراج کا تسلط تھا اور انگریزی استعمار کے آہنی پنجوں نے برصغیر کی پوری آبادی کو بری طرح دبوچ رکھا تھا۔ استعماری قوتوں سے آزادی کے حصول کی تحریکیں بھی چل رہی تھیں اور ہندوستان کے اکابر و راہنما جن میں بیشتر مسلمان تھے انگریزی تسلط سے آزادی حاصل کرنے کے لئے سرتوڑ کوشش میں مصروف تھے۔

مسلمان اکابر نے جدوجہد آزادی کے ساتھ ساتھ اس بات کو بھی ضروری خیال کیا کہ مسلمانوں میں دینی حمیت کو اجاگر کیا جائے تاکہ عیسائی تمدن اور عیسائی ثقافت جو پوری طرح مسلم ثقافت کو ختم کرنے کے لئے یلغار کر رہی تھی سے مسلمانوں کو بچایا جا سکے۔ اس یلغار کو روکنے کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ مسلمانوں میں دینی علوم کے حصول کی ایسی تڑپ پیدا کی جائے کہ ہر مسلمان اپنی بقا اور نجات کا واحد ذریعہ دینی علوم کے حصول کو قرار دے۔ دوسری طرف مسلمانوں کا ایک طبقہ وہ تھا جس کے نزدیک مسلمانوں کی ترقی کا راز اس بات میں پنہاں تھا کہ وہ انگریزی استعمار کی لائی ہوئی ثقافت و کلچر سے الرجک نہ ہوں بلکہ انگریزی زبان و ادب کا مطالعہ کریں' انگریزی ثقافت کو سمجھیں اور جدید سائنسی و تکنیکی علوم میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ پہلے طبقہ کے نمائندہ مولانا محمد قاسم تھے ان کا ادارہ دارالعلوم دیو بند تھا۔ جب کہ دوسرے طبقہ کے نمائندے سر سید احمد خاں تھے۔ ان کا ادارہ علی گڑھ

یونیورسٹی تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ یہ دونوں اکابر علمی لحاظ سے ایک ہی سرچشمہ سے سیرابی حاصل کر رہے تھے کیونکہ یہ دونوں ہم استاد اور شریک درس تھے اور دونوں کے استاد مولانا مملوک علی تھے۔ جن کا شمار اس دور کے جید اور چیدہ علماء میں ہوتا تھا۔

اس لحاظ سے دونوں کی سوچ کا فرق صرف راستہ کے تعین کا تھا۔ وگرنہ دونوں کا ہدف بھی ایک تھا اور منزل بھی۔ قاری اظہار احمد تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے جب شعور کی آنکھ کھولی تو گھریلو اور علاقائی ماحول سے متاثر ہو کر دینی علوم کی تحصیل کی راہ اپنائی۔ گیارہ برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور پھر تھانہ بھون کی خانقاہ امدادیہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ مدرسہ امداد العلوم میں ابتدائی کتب پڑھیں اور پھر سہارن پور کی مشہور درسگاہ مظاہر العلوم سے سند فراغت حاصل کی۔ آپ کو یہ سند تشکیل پاکستان سے صرف ایک ماہ قبل یعنی شعبان کے مہینہ میں ملی جب کہ مملکت پاکستان کا قیام رمضان المبارک کے مہینہ میں عمل میں آیا۔ قاری اظہار احمد تھانوی نے اگرچہ علاقائی اور گھریلو ماحول کی وجہ سے دینی علوم کو حاصل کیا تاہم ان کے دل میں دوسری سوچ کے حامل اکابر کے لئے نرم گوشہ موجود تھا۔

یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات بھی نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کئے اور پنجاب یونیورسٹی اور ٹیسٹل کالج میں کچھ عرصہ عربی کے استاد بھی رہے۔ ادبی ذوق بھی اللہ نے ودیعت کر رکھا تھا۔ اس ذوق کی تسکین کے لئے آپ نے کوچہ صحافت میں بھی قدم رکھا اور ملکی و ملی خدمات سرانجام دیں۔ ملک کے مقتدر اخباروں مثلاً انقلاب، زمیندار، چٹان وغیرہ سے منسلک رہے۔ ان اخبارات کے علاوہ آپ کے مضامین ماہنامہ دارالعلوم دیوبند، ہفت روزہ خدام الدین اور اسی قبیل کے دیگر جرائد میں بھی چھپتے رہے۔ اس لحاظ سے صحافتی اور علمی میدان میں آپ کی خدمات ایک مستقل عنوان ہے۔ جس پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے۔ کہ اس کے تذکرے کے بغیر آپ کی شخصیت کا ایک اہم پہلو پردہ اخفا میں رہے گا۔ آپ خطابت کے میدان کے شہسوار بھی تھے۔ اپنے دور کے عظیم خطباء سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ علیہ اور مولانا سید داؤد غزنوی کی صحبتیں اٹھائی تھیں۔ آغا شورش کاشمیری رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ آپ کو خاصا قرب حاصل رہا۔

چوبرجی کوارٹرز کی مسجد میں خطبہ جمعہ ارشاد فرماتے رہے۔ علم کے موتی لٹاتے۔ لوگ دم بخود ہو کر سنتے اور اسلامی تعلیمات کی محبت اور علماء کی عظمت سے سرشار اٹھتے کوئی شک نہیں کہ قاری اظہار احمد تھانوی مرحوم جامع الصفات شخصیت تھے۔ پورے عالم دین، فقہ اسلامی کے ماہر اعلیٰ پائے کے خطیب، منجھے ہوئے قلمکار، اعلیٰ پائے کے صحافی لیکن ان تمام طبعی رجحانات اور خصوصیات کے باوجود آپ نے خدمت قرآن کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ اور خدمت قرآن کے سلسلہ میں بھی آپ نے وہ شعبہ چنا جس کا تعلق علم تجوید و قرات کے ساتھ ہے۔ کیونکہ تمام علوم و فنون میں یہی واحد علم ہے جس کا تعلق براہ راست نطق نبوت کے ساتھ ہے۔ آپ نے علم قرات کی

تحصیل پاک و ہند کے نامور قاری استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالمالک رحمہ اللہ علیہ سے کی۔ آپ کا قاری عبدالمالک سے صرف شاگردی کا تعلق نہ تھا بلکہ آپ ان کے ساتھ دلی عقیدت اور گہری محبت رکھتے تھے یہ عقیدت قرآن اور علم تجوید کے حوالے سے ہی تھی۔ ان کی مجلس میں اکثر حاضری دیتے۔ اوقات تدریس یا اس کے علاوہ اگر کسی وقت استاذ کچھ علمی گفتگو فرماتے قاری اظہار اس علمی شہ پاروں کو جمع کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے اپنے اس مجموعے کا نام فوائد مالکیہ رکھا ہوا تھا۔ آپ کی پوری زندگی میں تمام مشاغل و مصروفیات کے علی الرغم تجوید و قرات کی خدمت کا ہمیشہ غلبہ رہا۔ آپ علم تجوید کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہوئے۔ علامہ اقبال نے ایسی ہی نابغہ روزگار شخصیت کے متعلق کہا تھا۔

سوتے ہیں خاموش آبادی کے ہنگاموں سے دور
مضطرب رکھتی تھی جن کو آرزوئے ناصبور
قبر کی ظلمت میں ہے ان آفتابوں کی چمک
جن کے دروازوں پر رہتا تھا جبیں گستر فلک
بادشاہوں کی بھی کشت عمر کا حاصل ہے گور
جادہ عظمت کی گویا آخری منزل ہے گور

علم کی عظمت یہ ہے کہ وہ انسان کو پیکر محبت و اخلاص بناتا ہے۔ ایثار و قربانی کے جوہر سے مالا مال کرتا ہے۔ اختلاف رائے بھی علمی وجاہت ہی کی علامت ہے۔ ایک عالم ہر ایک سے اختلاف رائے رکھنے کے باوجود ہر ایک کے ساتھ دلی محبت ہمدردی و غمگساری کا جذبہ اپنے اندر موجزن پاتا ہے۔ فرقہ بندی اور علم کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ یہ دو متضاد طرز عمل ہیں۔ گروہی تعصب اور نظریاتی حد بندی کم علمی بلکہ علامت جہالت ہے۔ جس سے یہ صحیح عالم کوسوں دور رہتا ہے۔ حضرت قاری اظہار احمد تھانوی کا تعلق بھی ایسے اہل اللہ کے ساتھ تھا جو امت مسلمہ کی اکائی کے قائل تھے اور **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا** پر سختی سے کاربند اور **ولاتفرقوا** کو زندگی کا مشن خیال کرتے تھے آپ اتحاد بین المسلمین کے علمبردار ہونے کے ناطے علم قرآءت کے ذریعے مختلف فکری طبقوں کو اکٹھا دیکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی ہر سعی کا مرکز و محور یہی جذبہ تھا۔ مذہبی حلقوں میں بریلوی' دیو بندی اور اہلحدیث کی تفریق نے اب جو شدت اختیار کر لی ہے حضرت قاری اظہار احمد صاحب اس کو ہرگز پسند نہیں کرتے تھے۔ آپ کے پاس کوئی بھی کسی بھی مسلک کا طالب علم آتا آپ بطیب خاطر اس کو علم قرآءت سکھاتے تھے۔ یہ بات آپ کو اپنے استاد حضرت قاری عبدالمالک سے ورثہ میں ملی تھی۔

قاری عبدالمالک صاحبؒ کے حلقے میں بھی ہر مسلک سے تعلق رکھنے والے طلبہ شامل ہوتے تھے۔ بریلوی مسلک کے قاری غلام رسول بھی قاری عبدالمالک ہی کے شاگرد ہیں۔ یہ بات واضح ہی ہے کہ بریلوی طبقہ میں قاری غلام رسول

صاحب ہی کے توسط سے علم قرآءت عام ہوا۔ قاری اظہار احمد تھانوی کے ہاں بھی یہی وسیع القلبی اور عالی ظرفی تھی آپ نے ۱۹۶۰ء میں پہلی بار مسجد چینیاں والی میں جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا۔ تو اہل حدیث بزرگ حضرت مولانا داؤد غزنوی کو صدر جلسہ بنایا۔ مدرسہ کے طلبہ تلاوت کر رہے تھے اور مولانا داؤد غزنوی زار زار رو رہے تھے۔

یہ ۱۹۶۳ء کا واقعہ ہے جب راقم الحروف گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں طالب علم تھا اور مجلس علوم اسلامیہ کا صدر تھا کہ میری تحریک پر پہلی بار کالج میں مجلس کے تحت محفل قرآءت کا انعقاد ہوا۔ لاہور سے قاری اظہار احمد تھانوی اور قاری غلام رسول کو مدعو کیا۔ دونوں حضرات کو لینے کے لئے میں خود لاہور گیا اس زمانے میں لاہور اور فیصل آباد (اس وقت لائل پور) کے مابین بسیں چلتی تھیں ویگن وغیرہ کا تصور نہ تھا۔ یہ دونوں حضرات بس میں میرے ساتھ سوار ہوئے۔ راستہ بھر قاری غلام رسول قرات کے بعد مسائل طالب علمانہ انداز میں ادب و احترام کے ساتھ قاری اظہار سے پوچھتے رہے اور قاری صاحب علمی انداز میں ان کے جوابات دیتے رہے۔ میرے نزدیک دونوں حضرات کا رتبہ برابر تھا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ پورے سفر کے دوران قاری غلام رسول صاحب نہ تو قاری اظہار صاحب کے برابر ہو کر چلے اور نہ ہی کسی موقع پر کسی بھی انداز سے اپنی ترجیح کا اظہار ہونے دیا۔ بلکہ مجھے فرمانے لگے حضرت قاری اظہار صاحب استاد القرا ہیں ان کے مرتبے کے استاد اس وقت خال خال ہی ملتے ہیں۔ قاری غلام رسول صاحب کے اس جملے نے میرے دل میں قاری اظہار کی عظمت کو اجاگر کر دیا۔ میں نے دل میں تہیہ کیا کہ کسی وقت اگر موقع ملا تو قاری اظہار سے علم قرآءت ضرور حاصل کروں گا۔

۱۹۶۵ء میں مجھے لاہور پنجاب یونیورسٹی میں داخل ملا تو میں نے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے قاری اظہار احمدؒ سے رابطہ کیا قاری صاحب اس وقت چوبرجی کوارٹرز والے مکان میں رہتے تھے۔ اور چوبرجی کوارٹرز کی مسجد میں غالباً امامت و خطابت کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ ان کی اقتداء میں نماز مغرب ادا کی اور حاضر خدمت ہو کر اپنا مدعا بیان کیا بڑی ہی شفقت سے پیش آئے۔ میرا مدعا سن کر انتہائی خوشی کا اظہار فرمایا اور کہنے لگے یہاں گھر پر ہی بعد از عصر آجایا کرو۔ میں چند روز حاضر خدمت ہوتا رہا مگر ہوسٹل دور تھا۔ میری دشواری کو سمجھ گئے ایک روز فرمانے لگے کہ تمہاری مشق ماشاء اللہ خوب پختہ ہے پابندی سے آنے کی ضرورت نہیں البتہ اکیلے روزانہ اپنے طور پر مشق کرتے رہو۔ کبھی موقع ملے تو آجایا کرو۔ ان کی محبت و شفقت تھی کہ انہوں نے خود میرے لئے آسانی کی راہ پیدا کر دی پھر ایک روز رائے ونڈ کے اجتماع کے موقع پر انہوں نے مجھے دیکھا تو پہلا سوال یہی فرمایا مشق جاری ہے نا۔ میں نے اثبات میں جواب دیا۔

دارالعلوم اسلامیہ کامران بلاک میں غالباً دارالحدیث کا سنگ بنیاد رکھنے کی تقریب تھی۔ قاری احمد میاں تھانوی صاحب نے محفل قرات کا اہتمام بھی کر رکھا تھا۔ تقریب کا نظم کچھ ایسا تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد سے عشاء تک نمازوں کے وقفہ کے ساتھ کوئی نہ کوئی اجلاس تھا۔ پھر عشاء کے بعد محفل قرآءت ہوئی۔ لاہور کے تقریباً تمام

اکابر قراء موجود تھے۔ سب نے پڑھا اور محفل رات گئے تک چلتی رہی۔

قاری اظہار احمد تھانوی تو استاذ الاستاذہ تھے۔ صدر نشین بھی تھے اس لئے آخر تک بیٹھے رہنا ان کی مجبوری تھی اور آخر ہی میں ان کی تلاوت ہوئی۔ جمعہ کے بعد سے لے کر رات گئے تک مسلسل سٹیج پر بیٹھے رہنا انتہائی دشوار کام تھا لیکن آپ نے سب برداشت کیا آخر میں صرف اتنا فرمایا کہ منتظمین جلسہ کو برداشت کا امتحان نہیں لینا چاہئے۔

مشاعرہ ہو یا محفل قرات' شعراء اور قرآء کے لئے تقدیم و تاخیر بڑا حساس مسئلہ ہوا کرتا ہے۔ کسی چھوٹے شاعر کو بڑے شاعر سے پہلے بلایا جائے تو بڑا شاعر اسے اپنی ناقدری خیال کرتا ہے۔ چھوٹے شاعر کو اسی میں اپنے قد کاٹھ کی بلندی نظر آتی ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت طبقہ قراء میں بھی موجود ہے۔ لیکن قاری اظہار احمد تھانویؒ کے ہاں یہ ہرگز نہ تھی وہ محافل میں شریک ہوتے تھے اور جب موقعہ دیا جاتا پڑھتے۔ تقدیم و تاخیر کا لحاظ ان کے نزدیک کسی کے مرتبے کو کم یا زیادہ نہ کرتا تھا۔ یہ خیال تو کوتاہ علمی اور کم ظرفی کی علامت ہے۔ اس محفل میں ایک قاری صاحب نے تلاوت سے انکار کر دیا' عذر یہ بیان کیا کہ ایک استاد کو پہلے پڑھوایا گیا ہے۔ جب کہ میں ان کا شاگرد ہوں مجھے بعد میں بلایا۔ لہٰذا یہ سوء ادب ہے۔ ان کی اپنی سوچ تھی جس میں بلاشبہ محبت و ادب کا ایک قرینہ موجود تھا۔

قاری اظہار احمد تھانوی نے محبت بھرے لہجے میں فرمایا

"بھئی نخرے نہ کرو اللہ کی رضا کے لئے تلاوت کرو"

شہید جہاد افغانستان جنرل محمد ضیاء الحق رحمہ اللہ علیہ کے دور میں اسلام آباد میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ شہید صدر کو اسلام اور خصوصا" کلام اللہ سے جو محبت اور تعلق تھا وہ ڈھکا چھپا نہیں۔ انہی کے دور میں سرکاری سطح پر ہر سال ربیع الاول کے مہینہ میں کل پاکستان محفل قرآءت کے انعقاد کا آغاز ہوا۔ جس پر اب بھی عمل ہوتا ہے۔ شہید صدر کی خواہش پر اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں شعبہ تجوید و قرآءت کا آغاز بھی کیا گیا۔ قاری اظہار احمد تھانوی اس شعبہ کے صدر مقرر ہوئے پورے پاکستان میں صرف یہی واحد یونیورسٹی ہے جس میں قرآءت جیسے عظیم علم کی پذیرائی ہوئی۔

قاری اظہار احمد نے انٹرنیشنل یونیورسٹی کے شعبہ قرآءت کے صدر کی ذمہ داریاں سنبھالیں لیکن اسلام آباد کی آسائشوں میں اپنی آپ کو گم نہیں ہونے دیا۔ بلکہ مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار کی ان بوسیدہ چٹائیوں کے ساتھ اپنا رابطہ بدستور استوار رکھا کہ آپ کے نزدیک اصل مقصد تو علم قرات کی خدمت ہی تھا۔ اسی جذبہ کے تحت آپ اسلام آباد تشریف لے گئے تھے۔ اس کے علاوہ کوئی اور محرک نہ تھا۔ آپ ہفتہ میں دوبار تجوید القرآن میں تشریف لا کر طلباء کو علم قرآءت کا درس دیتے تھے اور موسم گرما کی تمام تعطیلات مدرسہ تجوید القرآن ہی میں درس و تدریس میں مشغول رہتے۔

علم تجوید و قرات کا فروغ ان کی زندگی کا مشن تھا۔ کہ اس علم سے اس دور میں لوگوں کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ کوئی شخص اس علم کی ترویج کے لئے کوشش کرتا آپ کو خوشی ہوتی آپ اس کا حوصلہ بڑھاتے۔
عاجز نے جب ماہنامہ التجوید شروع کیا تو بہت خوش ہوئے اور ہمت افزائی کے لئے خط لکھا۔

گرامی قدر قاری محمد طاہر

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

بندہ ناچیز شکر گذار کہ یاد فرمایا۔ التجوید خزاؤں میں بہار کی نوید۔ آج کی دنیا میں اس قسم کے محدود علمی چراغوں کی روشنی کو جلا دینا آپ کی ہمت ہے۔
درچنیں ظلمت چراغ افروختی۔ پاکستان میں دینی جرائد خال خال اور جو ہیں وہ چراغ سحر۔ زبان حال سے گویا بجھا چاہتا ہوں کچھ بھی ہو آپ کی ہمت قابل تحسین ہے۔
"التجوید اور لحن عجمی" ایک مختصر شذرہ ہے۔ دوران مطالعہ اونٹ کے منہ میں سے مشکل سے کچھ زیرہ ہاتھ لگا۔ وہ آپ کو بھیج رہا ہوں ایک صفحہ اس کو عنایت فرمائیں۔ مضمون میں ایک ندرت ہے۔ متداول کتابوں کی بحث و استدلال پر ایک عجیب اضافہ فن تجوید پر لکھنے پڑھنے والے اس کو ایک شاید نئی طرح کی سوچ سمجھ کر پسند کریں۔
انشاء اللہ قرآنی علوم (قرآءت رسم وغیرہ) پر کچھ اور بھیجوں گا۔ چیز نئی ہو۔ مکھی پر مکھی مارنے کا قائل نہیں۔ میں آج کل گرمیوں کی چھٹی لاہور میں ۱۵ اگست تک گزارنے کے ارادہ سے لاہور میں ہوں۔ اسلام آباد سے منقطع۔

والسلام

میں ۱۹۹۱ء کی تعطیلات کے دوران مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ میری ان کے ساتھ انتقال سے قبل آخری ملاقات تھی۔ آپ چٹائی پر بیٹھے تھے۔ طلبہ حلقہ میں آپ کے گرد تھے۔ میں نے دوران تدریس مخل ہونا مناسب نہ سمجھا اور باہر انتظار کے لئے رک گیا۔ قاری اظہارؒ نے اشارہ سے اندر آنے کا حکم دیا۔ الامر فوق الادب کے تحت میں کمرہ میں داخل ہوا بڑی محبت اور شفقت سے مجھے اپنی مسند کے ساتھ جگہ عطا کی۔ آپ علم قرآءت کے دقیق مضامین پر نہایت مدلل بحث فرما رہے تھے۔ آیت وضو پر قرآءت کے اختلاف کا مسئلہ تھا۔

وامسحوا بروسکم وارجلکم الی الکعبین

آپ فرما رہے تھے کہ ارجلکم کی ل پر زبر ہے۔ اس لئے اس کا عطف فاغسلوا وجوھکم پر مانا جائے گا۔ اس لئے پاؤں کا دھونا لازم ہو گا۔ لیکن جار بالجوار کے تحت بعض افراد نے اس کو بروسکم ارجلکم لام کے زیر سے پڑھا ہے۔ اس لحاظ سے پاؤں کا مسح لازم آئے گا۔ تو ایسی صورت میں عمل کی کیا شکل ہو گی۔ آپ نے حدیث کے حوالے سے

دونوں قراتوں پر عمل کی شکل واضح فرمائی۔

میں سوچ رہا تھا کہ اگر میں باہر انتظار کرتا رہتا تو اتنی بڑی علمی بحث کی سماعت سے محروم رہتا۔ اس روز آپ کی اقتدا میں ظہر کی نماز ادا کی۔ نماز کے بعد التجوید کے بارے میں اظہار خیال فرماتے رہے اور فرمایا کہ تم نے بڑا اہم کام سرانجام دیا ہے۔ میں اس کے لئے مستقل قلمی معاونت کروں گا۔ ایک مختصر مضمون لحن عربی و عجمی کے عنوان سے آپ نے تحریر بھی فرمایا جو التجوید میں شائع ہوا۔ اسی مضمون کے ساتھ علیحدہ خط میں آپ نے تحریر فرمایا کہ میں اس موضوع پر مزید لکھوں گا۔ لیکن پھر موت نے اس کی مہلت نہ دی۔

مرحوم وجیہہ تھے۔ ہمیشہ سفید لباس استعمال کرتے۔ کپڑے کی سفید ٹوپی، کرتا پاجامہ صاف شفاف۔ اس میں آپ کے کردار کی جھلک بھی نمایاں تھی۔ آپ کا باطن آپ کے ظاہر سے بھی اجلا تھا۔ اس دور میں آپ اسلاف قرا کی علامت تھے۔ آپ کا انتقال ایک قاری فن کا انتقال نہیں بلکہ علم قرآءت کا عظیم نقصان ہے۔ محافل میں پڑھنے والے قاری کہلانے والے تو پاکستان کے اندر بلاشبہ کثیر تعداد میں موجود ہیں۔ لیکن علم قرآءت کو اصلاً جاننے والے قاری اظہار مرحوم جیسا اب پاکستان میں ڈھونڈنے سے نہ ملے گا۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد

ولكنه بنيان قوم تهدما

قیس کی موت صرف ایک آدمی کی موت نہیں
اس کی موت نے تو پوری قوم کی بنیادیں منہدم کر دی ہیں۔

(بشکریہ ماہنامہ ''التجوید'')

□□□

اسلام کا خاموش مبلغ

مولانا قاری عبدالحمید صاحب

استاذ العلماء، رئیس المجودین، شارح شاطبی، جزری دوراں، عارف باللہ، صوفی باصفا الحاج حضرت مولانا قاری المقری حافظ اظہار احمد صاحب تھانوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا ذکر خیر، کچھ اپنی یادداشت سے بحسب الحکم بھائی عزیز احمد صاحب تھانوی کے سپرد قلم کرتا ہوں۔ واللہ المستعان!

یہ حقیقت روز روشن کے مانند عیاں ہے کہ تھانہ بھون کی مردم خیز زمین نے بڑی عظیم الشان شخصیات اسلام جنم دی ہیں۔ مجاہد فی سبیل اللہ حضرت مولانا حافظ محمد ضامن شہید، قطب العلماء و سرتاج اولیاء مہاجر فی سبیل اللہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، جامع شریعت والطریقت قاطع شرک و بدعت عارف باللہ حضرت مولانا قاری حافظ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ جو بیک وقت مفسر قرآن، شیخ الحدیث، فقیہ عارف بلکہ علم و عرفان کے آفتاب و مہتاب تھے، تقویٰ اور ورع، نفاست و نظامت اور جمیع کمالات میں یکتا تھے۔ اسی تھانہ بھون میں استاذیم حضرت مولانا حافظ قاری اظہار احمد تھانویؒ جیسے صاحب علم و عرفان شخصیت کی پیدائش ہوئی۔ جو بیک وقت کئی خوبیاں اپنے اندر لئے ہوئے تھے۔ آہ موت تو نے نابغہ علم و عرفان کا سورج غروب کر دیا۔ بے شمار شاگردوں کو استاذ کے سایہ شفقت سے محروم کر دیا۔ فن تجوید و قراءت کے تشنگان کو تشنہ چھوڑ دیا۔

کیسے کیسے گھر اجاڑے موت نے کھیل کتنوں کے بگاڑے موت نے

دنیا کی بے ثباتی کا حال کچھ نہ پوچھو۔ کتاب حقیقت پکار رہی ہے کل نفس ذائقۃ الموت۔

جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز میں حضرۃ الاستاذ قبلہ قاری صاحب کے دم خم سے رونقیں لگی ہوئی تھیں۔ وہ رونقیں خستہ و خراب ہو گئیں۔

ع اب کہاں ڈھونڈتا ہے زمانے انہیں

خاص کر صبح کا درس قرآن جس سے خلق خدا بہت فیضیاب ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے محسن و مربی شفیق استاذ کی محنتوں کو ثمر آور بنائے اور آخرت کی خوشیوں کا ذریعہ بنائے آمین ثم آمین۔

حضرۃ الاستاذ قبلہ قاری صاحبؒ کا بحیثیت مربی استاذ کے طرز تربیت بھی بہت عمدہ تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ باہر سے آنے والے طالبعلم معصیت پیشہ ماحول سے نکل کر آئے ہیں اور ان کے بڑوں نے بھی اسی غرض سے انہیں مدرسے والوں کے سپرد کیا کہ ہماری زندگیاں تو خراب ہو گئی ہیں چلو ہماری نسلوں کی زندگی ہی بن جائے اب اگر ہم ان بچوں کو صالح ماحول مہیا نہ کریں تو یہ بچے بجائے کچھ بننے کے بگڑیں گے۔

فرمایا کرتے اساتذہ کرام کی زندگی کو دیکھ کر تلامذہ کی حیات میں تعمیری انقلاب آتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے آگے چل کر قومی پیشوائی اختیار کرنا ہوتی ہے انہیں دیکھ کر قوم کی زندگی درست ہوتی ہے خدانخواستہ اگر یہ لوگ بگڑ جائیں تو پوری قوم میں بگاڑ آتا ہے۔ **فساد العالم فساد العالم۔**

ایک مرتبہ فرمایا دنیا دار کتنا نیک اور دیندار کیوں نہ ہو علماء کرام کے حق میں ان کا رویہ سوتیلی ماں جیسا ہوتا ہے ان دنیا داروں کو علماء کرام کی خامیاں تو نظر آتی ہیں لیکن خوبیاں نظر نہیں آتی بلکہ خوبیاں بھی خامیاں نظر آتی ہیں اور خامیاں تو پہاڑ دکھائی دیتی ہیں۔ قومی پیشوائی بڑا صبر آزما کام ہے اس کے لئے طالبعلموں کو ذہنی طور پر تیار کرنا اور مستقبل میں آنے والے مصایب و مشکلات جو آئندہ زندگی میں درپیش ہوں گے اس کے لئے تیار کرنا شروع فرمائے۔ حضرت قاری صاحب کی اپنی زندگی بھی ان مصائب اور مشکلات میں رہی لیکن ان مواقع پر کبھی گھبرائے نہیں اور نہ کسی پر ظاہر کیا کہ میرے ساتھ کیا بیت رہی ہے ہمیشہ صابر و شاکر رہے بلکہ بڑے استقامت و پامردی سے ان حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔

ایک مرتبہ اچھے اخلاق کی تعریف کچھ یوں فرمائی کہ خوش خلقی کی سادہ سی تعریف یہ ہے کہ اپنا نقصان برداشت کر کے دوسروں کا فائدہ سوچنا اور بداخلاقی کی تعریف یہ ہے کہ اپنے فائدہ کی خاطر دوسروں کا نقصان کرنا اور یہ بہت بڑی بداخلاقی ہے۔ کبھی فرماتے آج کا دور بگاڑ کا دور ہے اس دور میں باپ اپنی اولاد کو دوست بنا کر تربیت کرے اور ماں بیٹی کو سہیلی بنا کر تربیت کرے اور ان ماں باپ میں دین داری بھی ہو تو امید کی جا سکتی ہے کہ شاید یہ آنے والی نسل بے دینی کے سیلاب سے بچ جائے۔ خود بھی اپنے تلامذہ کی روحانی اولاد ہونے کے باعث دوستی کے رنگ میں ہی تربیت فرماتے۔

حضرۃ الاستاذ طالبعلموں کی ایسی باتوں پر سخت ناراض ہوتے جس سے یہ تاثر ملے کہ دینی مدارس کے پڑھنے والے خودداری کی دولت سے محروم ہیں۔ فرمایا کرتے کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ فاقہ بہتر ہے ہاتھ پھیلانے سے اور اگر حالت بہت زیادہ پریشان کن ہو تو اپنے کسی مولوی بھائی سے مانگ لینا بہتر ہے بہ نسبت کسی دنیا دار کے۔ اگر یہ نہ ہو تو ایسے دنیا دار سے اپنی پریشانی کا ذکر کرو جس کے داڑھی ہو کیونکہ داڑھی والے کے ہاتھ میں اپنی داڑھی دو گے تو ہو سکتا ہے وہ تمہارا خیال کرے کیونکہ اس کے اپنے بھی داڑھی ہے اور اگر کسی ایسے شخص کے ہاتھ میں داڑھی تھما دو گے جس کے داڑھی نہیں تو وہ تمہیں ذلیل کرے گا کیونکہ جب اس کے اپنے نہیں تو تمہاری کیوں رہنے دے۔

ایک مرتبہ فرمایا علماء کرام کو دنیا داروں سے بہت بے نیاز ہونا چاہئے۔ بھائی تمہارے پاس دین کی دولت ہے جو روحانی نعمت ہے ان لوگوں کے پاس مادی دولت ہے جو وبال جان ہے آگے آگے دولت ہوتی ہے پیچھے پیچھے دشمن ہوتے ہیں۔ اس تقسیم پر حضرت علیؓ کا شعر ہے۔

رضينا قسمت الجبار فينا لنا علم وللجهال مال

یعنی ہم جبار کی تقسیم پر راضی ہیں کیونکہ ہمارے لئے علم کا انتخاب ہوا اور جاہلوں کے لئے مال کا۔

امیر شخص اگر علماء کرام کے پاس آنا گوارہ نہیں کرتے تو اے علماء کرام تم کیوں ان کے پاس جاکر خود کو رسوا کرتے ہو۔ بئس الفقير على باب الامير نعم الا مير على باب الفقير یعنی بہت برا ہے وہ فقیر جو امیر کے دروازے پر جائے بہت اچھا ہے ور امیر جو فقیر کے دروازے پر جائے۔

ایک مرتبہ فرمایا بھائی غیر اللہ کے آگے ہاتھ پھیلانے سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ ہوتا ہے مخلوق سے مانگنے والا درحقیقت اللہ تعالیٰ کی لوگوں سے شکایت کرتا ہے یہ درست نہیں۔

حضرت الاستاذ کی ذات والا صفات کو اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا دل عطا فرمایا تھا آپ کا شمار اکابر علمائے دیوبند میں کیا جا سکتا ہے۔ فقہی امور پر عبور کی وجہ سے فقہ حنفیہ کے ماہرین میں شامل تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار تھے مگر تنگ نظر اور تنگ دل نہ تھے۔ یہی بڑوں کی شان ہے بڑوں کے دل واقعی بڑے کشادہ ہوتے ہیں۔ حضرت بریلویوں سے اختلاف ضرور فرماتے مگر کینہ نہیں رکھتے تھے۔ مسلک اہلحدیث سے تعلق رکھنے والے حضرات سے مسائل میں اختلاف ضرور تھا لیکن تعصب نہیں تھا۔ اور اس کا عملی مظاہرہ حضرت کے حلقہ تلمذ میں بچشم خود ملاحظہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ حضرۃ الاستاذ کے حلقہ تلمذ میں بریلوی' دیوبندی اور اہلحدیث خیالات کے بچے پڑھتے تھے۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک' برابر کا رویہ فرماتے کبھی آپ کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہ آئی کہ یہ بریلوی ہے اس پر توجہ کم دی جائے۔ یہ اہلحدیث ہے اس پر محنت تھوڑی کی جائے یہ حنفی دیوبندی ہے اس پر خوب جگر سوزی اور محنت کی جائے حضرت اس تمام گھٹیا سوچ سے پاک تھے بس لوگوں کو تعلیم قرآن اور صحیح ادائیگی قرآن کی آراستگی' سب کی نفع رسانی وغیرہ کا ہی فکر فرماتے۔ ایسی مبارک فکر ان لوگوں میں ہوتی ہے جن کی رگ و پے میں تمام نبیوں کی عموماً اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصاً سنت رچی بسی ہوئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے بکریاں چروائیں کیونکہ گلہ بان کی نظر میں سب بکریاں یکساں ہوتی ہیں تاکہ انبیاء کرام اپنی اس تربیت سے آگے چل کر انسانوں کے انبوہ اژدھام کو بھی یکساں حسن سلوک اور حسن ملاتفت سے تعلیم خداوندی پہنچائیں اور ان میں کوئی امتیازی سلوک روا نہ رکھیں۔ پس ایسے ہی سنت انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کے مطابق حضرت الاستاذؒ نے بھی کبھی کسی طالبعلم سے امتیازی سلوک روا نہیں رکھا۔

چنانچہ بریلوی مکتب فکر کے لوگوں میں سے جو آپ کے مشہور شاگرد ہیں ان میں سے ایک نام جناب قاری فقیر محمد مسعودی صاحب کا بھی ہے جنہوں نے اپنے علاقے سیالکوٹ میں خوب شہرت پائی ہے اور بڑی قدر کی نگاہ سے اپنے حلقہ احباب میں دیکھے جاتے ہیں۔

مسلک اہلحدیث میں بھی حضرت الاستاذؒ کے بہت سے نامور شاگرد و قراء ہیں جن میں جناب حضرت مولانا

قاری محمد ادریس عاصم صاحب جن پہ حضرت الاستاذؒ نے خوب محنت فرمائی نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ اس وقت جناب قاری محمد ادریس عاصم صاحب لاہور کے اونچے درجے کے قراء میں شمار ہوتے ہیں اور بڑی عزت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

دیوبندی مکتب کے حضرات میں اس وقت حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی اور جناب حضرت مولانا قاری احمد میاں صاحب تھانوی ہیں جو فن تجوید و قراءت میں اپنی اپنی جگہ نہایت عالی مقام پائے ہوئے ہیں اور حضرت الاستاذؒ کی حیات میں بھی اور بعد ازاں بھی حضرت الاستاذؒ کے مشن کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان قراء حضرات کی کوششوں کو ذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ نے ساری زندگی قرآن کریم کی خدمت بصورت تدریس تجوید و قراءت اور تصانیف تجوید قراءت کی اس کے علاوہ جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز میں درس قرآن کے ذریعے کرتے رہے۔ مگر اس خدمت قرآن کو کاروبار نہیں بنایا ہمیشہ عبادت سمجھ کر یہ کام سرانجام دیتے رہے۔ اگر حضرۃ الاستاذ اپنی ان خدمات جلیلہ کو ذریعہ معاش بناتے تو سونے کے گھر میں ہوتے میں محاورۃ یہ بات نہیں لکھ رہا ہوں یہ حقیقت ہے کہ جس قدر علمی شخصیت کا مجموعہ استاذ مکرم تھے وہ بہت کم لوگوں میں دیکھنے میں آتا ہے اس کے علاوہ آپ کے تلامذہ پورے ملک اور دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مشرق وسطیٰ' افریقہ اور امریکہ و یورپ میں تلامذہ موجود ہیں۔ صرف اشارہ کرنے کی دیر تھی پیسے کی بارش ہونا شروع ہو جاتی لیکن یہاں کی تو دنیا ہی اور تھی ایک مرتبہ ہم نے عرض کیا کہ حضرت بچوں کے لئے کچھ پروگرام بنایا ہوتا فرمانے لگے ہو سکتا ہے کہ وہ مجھ سے اچھی روٹی کھائیں ایک ساتھی نے عرض کی حضرت بچے کیا سوچیں گے کہ ہمارے والد نے ہمارے لئے کیا چھوڑا فوراً فرمایا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو مکہ مکرمہ کی ویران و بیابان وادی میں چھوڑ کر چلے گئے تھے تو کیا دے کر گئے تھے۔ یہ بات سن کر ہم سب خاموش ہو کر رہ گئے۔

ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ ہمارے مخدوم حضرت مولانا سید حامد علی شاہ صاحب مدظلہ العالی مہتمم مدرسہ عربیہ مدینتہ العلوم تحصیل لیاقت پور ضلع رحیم یار خان (جو حضرت استاذ مکرم کے ہم درس ساتھی ہیں مظاہر العلوم سہارنپور میں دونوں اکٹھے پڑھتے رہے ہیں) نے اپنے طلباء کو درس میں مخاطب کر کے فرمایا تم لوگ سایہ دار درخت کی مانند بنو۔ درس سے شاہ صاحب فارغ ہوئے تو عرض کیا گیا کہ حضرت شجر سایہ دار کی مانند بننے کی نصیحت کیوں فرمائی۔ تو فرمانے لگے کہ درخت میں یہ اچھائی ہے کہ خود تو دھوپ میں جلتا ہے اور دوسروں کو سایہ مہیا کرتا ہے اور شکوہ نہیں کرتا کہ میں تمہارے لئے دن بھر دھوپ میں جلتا رہتا ہوں تمہیں چھاؤں مہیا کرتا ہوں اور اس کے بدلے میں تم لوگ میرے پتے جھاڑتے ہو ٹہنیاں توڑتے ہو۔ یہ مثال حضرت استاذ مکرم کے سامنے احقر نے عرض کی تو سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ صندل کے درخت میں اس سے بھی بڑی خوبی ہے کہ جس کلہاڑی سے کاٹو وہ اپنے

کاٹنے والی کلہاڑی کو بھی خوشبو سے معطر کر دیتا ہے۔ پھر حضرت استاذ مکرم نے ایک حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ حضرت شبلیؒ کھجور کے درخت تلے سو رہے تھے۔ خواب میں دیکھا کہ وہ کھجور کا درخت ان سے مخاطب ہے اور کہتا ہے کہ اے شبلیؒ تو میری مانند ہو جا۔ شبلیؒ نے استفسار فرمایا کہ وہ کس طرح؟ جواباً کھجور کے درخت نے جواب دیا کہ لوگ مجھے روڑے پتھر مارتے ہیں میں ان کو کھجوریں کھلاتی ہوں۔ شبلیؒ نے دوبارہ سوال کیا جب تجھ میں اس قدر خوبیاں ہیں تو پھر تجھے یا تیرے تنے آگ میں کیوں جلائے جاتے ہیں کھجور نے جواباً کہا کہ یہ اس بنا پر ہے کہ جس طرف کی ہوا ہوتی ہے میں اسی طرف اپنی شاخوں کا رخ موڑ لیتی ہوں مجھ میں اتنی استقامت نہیں اگر میرے اندر استقامت ہوتی تو پھر میرا ہمسر کوئی نہیں تھا۔ یہ حکایت بیان فرما کر حضرت استاذؒ نے فرمایا تم لوگ اپنے اندر دو خوبیاں پیدا کرلو ایک نفع رسانی کی خوبی کہ ایذا رسانی کرنے والوں کو بھی نفع پہنچاؤ دوسرے مستقل مزاج بنو۔

حضرت الاستاذؒ کی ذات میں بھی نفع پہنچانے والے عناصر اور کمالات بدرجہ اتم موجود تھے۔ ہر دم معرفت الٰی اللہ کی باتیں ہر دم تبلیغ دین کا پہلو اپنی باتوں میں نمایاں۔ گفتگو کیا ہوتی علم و معرفت کے گم گشتہ خزائن کا نچوڑ ہوتا۔ نہی عن المنکر کے سلسلہ میں ایک مرتبہ گفتگو فرمائی کہ بدی کو چھوڑنا بھی کوئی مسئلہ ہے اگر انسان چھوڑنے پر آئے تو بہت کچھ چھوڑ جاتا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک دیہاتی حاضر ہوا اور بیعت کی درخواست کی۔ حضرت گنگوہیؒ نے اسے سنت کے مطابق بیعت کیا اور افعال ماضی سے توبہ کروائی۔ کہ توبہ کی میں نے کفر سے' توبہ کی میں نے شرک سے' توبہ کی میں نے بدعات سے' حضرت گنگوہی کے ہمراہ وہ دیہاتی بھی یہ الفاظ دہراتا گیا اس کے بعد حضرت نے دعائے خیر فرمائی اور فارغ ہوگئے کچھ پڑھنے کو بھی ارشاد فرمایا۔ فراغت کے بعد اس دیہاتی نے عرض کیا حضرت جی آپ نے کفر سے شرک سے اور بدعت سے تو توبہ کرائی مگر افیون سے توبہ نہیں کرائی۔ حضرت کو کیا خبر کہ یہ صاحب افیون بھی کھاتے ہیں۔ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا بھائی افیون سے تم خود ہی توبہ کرلو۔ چنانچہ اس نے اپنی جیب سے ڈبیہ نکالی اور پھینک دی اور چلا گیا۔ کافی مدت بعد حاضر ہوا اور حضرت گنگوہیؒ کو اپنا تعارف کرایا کہ حضرت جی میں وہی افیونی ہوں جس سے آپ نے توبہ کرائی تھی۔ حضرت گنگوہیؒ نے دریافت فرمایا کہ توبہ کے بعد کیا ہوا اس دیہاتی نے عرض کی حضرت افیون کا بڑا سخت تقاضا ہوتا تھا مگر میں اپنی توبہ پر ثابت قدم رہا پھر میری رنگت زرد پڑ گئی اور اسہال لگ گئے لیکن الحمدللہ ثابت قدم رہا۔ حضرت جی آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے کرم کر دیا اب اس کی خواہش نہیں رہی اور صحت بھی بحال ہوگئی ہے حضرت جی کی خدمت میں کچھ پیسے نکال کر پیش کئے اور عرض کی حضرت یہ وہ رقم ہے جو میری افیون خوری میں خرچ ہوتی تھی میں نے یہ کیا کہ وہ پیسے جمع کرلئے تاکہ حضرت کی خدمت میں پیش کروں اب یہ رقم دین کے کسی کام میں خرچ فرمالیں۔ یہ واقعہ بیان فرمایا کر حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ بھائی! انسان اگر چھوڑنا چاہے تو بہت کچھ چھوڑ سکتا ہے شئی نشہ چھوڑ جاتا ہے۔ افیون چھوٹ جاتی ہے۔ بھنگ' چرس' ہیروئن چھوٹ جاتی ہے۔ غرض بری سے بری عادتیں چھوٹ سکتی ہیں اگر انسان

کا ارادہ و عزم جوان ہو۔ ایسے ہی حضرت استاذ مکرم جب امر بالمعروف فرماتے تو کمال کا انداز اختیار کرتے کسی شخص کو اصلاح کی جانب مائل کرنے کے لئے ترغیب اور حوصلہ دلانے کا پہلو بہت سادہ اور عمدہ ہوتا فرماتے بھائی ماشاء اللہ تم نمازی بھی ہو' روزے بھی پابندی سے رکھتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے حج بھی کر چکے ہو حقوق مالیہ کی شرعی ادائیگی میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ ماشاء اللہ رقیق القلب بھی ہو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے حد و حساب خوبیوں سے نوازا ہے۔ مگر باوجود ان خوبیوں کے آپ کے اندر کینہ' حسد جو باطنی روگ شمار ہوتے ہیں' میں محسوس کرتا ہوں اگر یہ مرض آپ میں نہ ہو تو آپ جیسا انسان شاید ڈھونڈے سے بھی نہ ملے۔ اس کا اثر اس شخص پر یہ ہوتا کہ وہ اپنے میں مزید خوبیاں پیدا کرنے کی تدبیر میں لگ جاتا۔ حضرت استاذ المکرمؒ کے ان حکیمانہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے نصائح سے لاتعداد انسانوں کی زندگی سنور گئی بے شمار لوگ صحیح مسلمان بن گئے فاسق و فاجر صالح اور متقی بنے اللہ تعالیٰ کے دین سے کٹے ہوئے لوگ دین سے جڑ گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے فراغت مظاہر العلوم سہارنپور کے بعد آپ اپنی تعلیم دین کا حق ادا کرنے کی ہر لحہ سعی و کوشش کرتے رہے اور الحمدللہ میرے خیال میں اس میں کامیاب بھی رہے۔ علماء دیوبند کے طریق کے مطابق دین کو آسان اور عام فہم شکل میں عوام الناس کے سامنے پیش کیا۔ دین اسلام کا یہ خاموش مبلغ دین کی جیسی خدمت کر گیا حقیقت ہے کہ وہ اللہ کے نیک بندوں کا ہی خاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت استاذ المکرمؒ کے زبان و بیان میں حد درجہ تاثیر عطا فرمائی تھی۔ چنانچہ جب حضرت الاستاذؒ بیان کی شکل میں یا درس قرآن کریم کی صورت میں سامعین کی جانب متوجہ ہوتے تو ہر شخص حضرت کی تقریر یا درس سننے کے بعد یہ عزم لے کر اٹھتا کہ بس آج کے بعد اپنی زندگی قرآن و سنت کے رنگ میں رنگ کر ہی دم لوں گا۔ آپ کی پر اثر تقاریر کے نتیجہ میں بہت سے غیر مسلم مسلمان ہوئے۔ بارہا ہم نے دیکھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد کوئی نہ کوئی غیر مسلم آتا اور اسلام قبول کرتا۔ اور پھر یہی نہیں ان کے لئے باعزت روزگار کے لئے دیگر نمازیوں کو کہتے اور حسب توفیق خود بھی کچھ نہ کچھ مدد کرتے۔

حضرت الاستاذؒ کا درس قرآن کریم بھی عجیب ہوتا۔ پہلے یہ بعد از نماز عشاء ہوا کرتا تھا بعد ازاں لوگوں کی سہولت کے واسطے نماز فجر کے بعد کر دیا۔ نماز فجر سے فراغت کے بعد اول کوئی حدیث یا کوئی عام فقہی مسئلہ بیان فرماتے پھر دعا ہوتی بعد میں باقاعدہ طور پر درس قرآن حکیم ہوتا بچ لگا دیئے جاتے اور ہر شخص کے سامنے قرآن کریم رکھ دیا جاتا جس مقام سے درس دینا مقصود ہوتا وہاں سے حضرت تلاوت فرماتے پھر ان آیات کا ترجمہ فرما کر تفسیر بیان فرماتے۔ تفسیری بیان میں بھی بوقلمونیاں اپنا رنگ لئے ہوتیں اختلاف قراءت کا ذکر بھی فرماتے۔ پھر تمام آئمہ قراءت کے طریق تلاوت کے مطابق ترجمہ بھی فرماتے لغوی اور اصطلاحی معانی بیان فرماتے اس میں توافق اور مطابقت پیدا فرماتے۔ اس کے بعد تفسیر بالحدیث' تفسیر بالقول صحابہ رضوان اللہ اجمعین' تفسیر بالقول مفسرین کرام پھر

ان میں باہم تطبیق' آئمہ اربعہ کے فقہی مسائل کا استخراج اور پھر عام زندگی پر ان کا اطلاق غرض کہ کمال کا درس ہوتا۔ ایسا درس ہم نے بڑے بڑے علماء کرام سے بھی نہیں سنا۔ پھر حضرت کا اسلوب بیان نہایت سادہ بے حد مٹھاس اور حلاوت سے بھرپور۔ جو ایک مرتبہ حضرت کے درس میں بیٹھتا وہ پھر یہی کوشش کرتا کہ اس کا ناغہ نہ ہونے پائے۔ بارہا لوگوں کو دیکھا کہ وہ یہ درس قرآن نوٹ بھی کرتے جاتے۔

جمعہ کی تقاریر کا اس سے بھی بڑھ کر عالم ہوتا حضرت کی عارفانہ باتوں سے ڈاکٹر' وکلاء' انجینئر' پروفیسر اور سرکاری دفاتر کے ملازمین اور کاروباری طبقہ غرض سب ہی مستفید ہوتے۔ لوگوں کی زندگیاں بدل گئیں سود خوروں نے سود کھانا ترک کر دیا' رشوت خوروں نے رشوت لینا چھوڑ دی' نمازی تہجد گزاری بن گئے' لوگوں کی جاہلانہ رسومات چھوٹ گئیں۔ بیان فرماتے وقت کبھی کسی کو چبھتا ہوا فقرہ نہ فرماتے ہمیشہ حکیمانہ انداز ہوتا۔ مدلل بات' جاندار بیان' باطن خلق اللہ کی خیر خواہی سے لبریز ہوتا جو سامعین کے قلوب میں جاگزیں ہو جاتا۔ راقم یہ بات عقیدت کی بناء پر نہیں بلکہ حقیقت کی بنا پر عرض کرتا ہے کہ درس و تدریس اور بیان و خطاب میں حضرت استاذ المکرمؒ کی شخصیت اپنی ذات میں یگانہ روزگار تھی آپ کا ہم پلہ نہ تب تھا اور نہ ہی اب ہے۔ حضرت استاذ المکرمؒ کا طرز تفہیم لاجواب خطابت میں اسلوب بیان بے حد عمدہ' مضمون پر گرفت مضبوط کیا مجال کہ بوقت بیان اپنے مضمون سے ہٹ جائیں۔ اس میں واقعات' حکایات' تمثیلات' قرآنی استدلال' احادیث مبارکہ کے حوالہ جات ان تمام امور کی روشنی میں خوب سیر حاصل بحث فرماتے اور مضمون کے خاتمہ پر سارا نچوڑ خلاصہ کے طور پر پیش کر دیتے۔ یہ کچھ باتیں اور یادیں حضرت کے طرز بیان' طرز تکلم اور انداز نصائح کے متعلق لکھی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ وحدہ لا شریک اپنے بے پایاں فضل و کرم اور رحمتوں اور برکتوں کا مینہ میرے استاذ گرامی قدر کی لحد اطہر پر فرمائے اور ان کی علمی و دینی عظیم الشان خدمات کو مقبول فرماتے ہوئے ان کے لئے نافع اخروی بنائے۔ اور ان کے درجات عالیہ کو بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ عنایت فرمائے اور قیامت کے دن اپنے عرش کے سایہ میں جگہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اس احقر کو اور دیگر تلامذہ استاذ المکرمؒ نیز عام مسلمانوں کو بھی حضرت استاذؒ کی زندگی کے ان اعمال کی مانند اپنی زندگیوں کو بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین!

□□□

میرے استاد۔ میرے محسن

قاری نور الٰہی انور اعوان
مدرس القرآن الکریم (الریاض)
سعودی عرب

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ھائے گرانمایہ کیا کیے

۱۷ دسمبر کو جب مجھے حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کی وفات کی خبر ملی۔ اس وقت میں ریاض (سعودیہ) میں تھا مجھے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں دوسری بار یتیم ہوگیا ہوں اس کی وجہ حضرت استاذی المکرم کی پدرانہ شفقت تھی۔ وہ میرے لئے شجر سایہ دار تھے ان کی وفات سے ایسا لگا کہ کسی نے سائے میں سے اٹھا کر پھر سے کڑکتی دھوپ میں ننگے پاؤں کھڑا کر دیا ہو۔

حضرت استاذی المکرم کی حیثیت میری زندگی میں مینارۂ نور کی سی ہے جو بھٹکے ہوئے مسافروں کو رستہ دکھاتے ہیں یا پھر سمندر میں موجود اس لائٹ ھاؤس کی مانند ہے جو ملاحوں کو بھٹکنے نہیں دیتا۔ مجھے جب کسی قسم کی مشکل پیش آئی میں ان کی خدمت میں حاضری دیتا اور مشکل عرض کرتا تو اس کا حل فرماتے۔ آج میں کس کے پاس اپنے مسائل لے کر جاؤں۔ پاکستان میں آتا تو ان سے ملتا اور جمعہ کی نماز اپنے استاذ المکرم کے ساتھ ادا کرتا۔ دیار غیر میں ان کے خطوط میری ہر طریقے سے راہنمائی کرتے۔

دراصل ہم جب بعض چیزوں کے عادی ہو جاتے ہیں تو یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ وہ ہمیشہ رہیں گی اس طرح اپنے اساتذہ، دوستوں اور رشتہ داروں کے بارے میں بھی ہمیں کچھ ایسا ہی گمان ہو جاتا ہے۔ لیکن جب ایسا کوئی شخص دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو ہمیں احساس ہوتا ہے کہ اس کی زندگی اور موت ہمارے لئے کیا معنی رکھتی ہے۔

حضرت استاذی المکرم کی وفات کے بعد آج جب میں اپنی ماضی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجھے یہ خیال آتا ہے کہ اگر ان کی شفقت میرے ساتھ نہ ہوتی تو شاید میں اس مقام پر نہ ہوتا۔ وہ مجھے نہ ملتے تو قرآن کی تراکیب و مفہوم میری سمجھ میں نہ آتے۔ وہ ایک ایسے استاد تھے جو ہر قسم کے طالب علم کو پڑھانا جانتے تھے انہیں معلوم تھا کہ کس وقت ڈانٹنا ہے اور کب نرمی سے کام لینا ہے۔ ان کا رویہ ہر طالب علم سے ایسا تھا کہ ہر طالب علم یہ سمجھتا تھا کہ حضرت مجھ سے ہی سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ جیسے بارش برستی ہے تو ہر ایک کو سیراب کرتی ہے۔ ایسے ہی حضرت استاذی المکرم اپنے شاگردوں سے بلا امتیاز سلوک کرتے تھے۔

میں مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیانوالی کشمیری بازار لاہور میں ۱۹۶۰ء سے ۱۹۶۳ء تک ان کا متعلم رہا۔ دوران طالب علمی انہوں نے مجھ سے بہترین سلوک روا رکھا تھا۔ ۱۹۶۳ء میں امتحان دینے کے بعد ابھی مجھے فراغت کی سند حاصل نہیں ہوئی تھی۔ میں ساتھ ہی ایک مدرسہ میں ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک پڑھتا تھا حضرت قاری صاحب نے فرمایا کہ گیارہ بجے کے بعد میرے پاس آکر ایک پارہ روزانہ سنایا کرو چنانچہ میں ایسا ہی کرتا۔ ایک دن ایسا ہوا کہ بہت شدید گرمی تھی۔ میں نے کہا کہ حضرت شدید گرمی ہے آپ جس وقت مجھ سے سپارہ سنتے ہیں ساری دنیا آرام کرتی ہے اور یہ آرام کا وقت ہے۔ فرمایا کہ مجھے آرام کی ضرورت نہیں تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ اس پر مجھے بہت ندامت ہوئی کہ حضرت اپنے آرام کو چھوڑ کر مجھ جیسے نالائق پر کتنی توجہ اور محنت فرماتے تھے۔ اسی دوران میں نے بدر کالج رنگ محل میں منشی فاضل میں داخلہ لے لیا تقریباً چھ ماہ بعد حضرت کو پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم نے منشی فاضل کر لیا تو قرآن سے تمہاری توجہ ہٹ جائے گی اس لئے بہتر ہے کہ تم اس منشی فاضل کو چھوڑو چنانچہ میں نے حضرت کے حکم سے منشی فاضل کی تعلیم ادھوری چھوڑ دی۔ اس سے حضرت کی قرآن سے محبت کا پتہ چلتا ہے وہ صحیح معنوں میں قرآن کے استاد تھے۔

حضرت قاری صاحب کے جانے سے علم کی وہ شمع گل ہوگئی جو نصف صدی سے قرآن کے متوالوں کو اپنی روشنی سے راستہ دکھا رہی تھی۔ کاروان ملت کا وہ حدی خواں رخصت ہوگیا جو اپنی ہدایت اور راہنمائی سے گم کردہ راہوں کو راہ راست دکھلاتا رہا۔

حضرت قاری صاحب کی وفات سے صرف پاکستانیوں کو ہی رنج و الم کی کیفیت سے نہیں گزرنا پڑا بلکہ عالم اسلام ان کی وفات پر سوگوار ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں اسلام اور قرآن کے شیدائی موجود ہیں حضرت قاری صاحب کی وفات سے انہیں دھچکہ لگا ہے۔ کوئی آنکھ ایسی نہیں ہے جو ان کی وفات پر اشک بار نہ ہوئی ہو۔ کوئی دل ایسا نہیں ہے جسے ان کی موت کا دکھ نہ ہوا ہو۔ ع

ہائے او موت تجھے موت ہی آئی ہوتی

ان کے جانے سے قرات و تجوید کا ایک روشن باب بند ہوگیا ہے۔ لیکن وہ ایسی شمع نہیں تھے جس کی روشنی صرف اپنے گھر والوں اور احباب تک محدود رہتی بلکہ وہ اس آفتاب کی مانند تھے۔ جو بغیر کسی تفریق جنس و نسب کے ہر امیر و غریب کو ایک جیسی روشنی اور تمازت بخشتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا سرمایہ ان کے وہ ہزاروں شاگرد ہیں جو ان کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ میرے ان کے ساتھ گھریلو تعلقات تھے میں نے زندگی کے کسی موقعہ پر انہیں ایک لمحے کے لئے بھی تنگ نظر نہیں پایا۔ جو بعض علماء کا شیوہ ہے۔ انہوں نے قرآن کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کو دنیاوی تعلیم بھی دی وہ ان علماء میں سے نہیں تھے جو علوم جدیدہ کو حرام اور ان کے سیکھنے والوں کو دائرہ اسلام سے باہر سمجھتے ہیں۔ ان کے اسی طرز عمل کو دیکھ کر میں نے اسی نہج پر اپنے بچوں کی پرورش کی ہے۔ وہ

فرماتے تھے کہ دین بہت ضروری ہے لیکن اسلام دین فطرت ہے اور رہبانیت کے خلاف ہے۔ فکر معاش انسانی زندگی کا لازمہ ہے۔ اور اس کے لئے دنیاوی علوم سیکھنا ضروری ہیں اور مجھے کہتے کہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو دنیاوی تعلیم بھی دلواؤ۔

میں دیار غیر میں ہوتا تو میرے گھر آکر میرے بچوں پر دست شفقت رکھتے اور انہیں نصیحتیں فرماتے میرے چھوٹے بیٹے ضیاء الرحمٰن سے انہیں خاص انس تھا۔ اس کی تعلیم کے بارے میں پوچھتے اور قرآن کا سبق سنتے۔

وہ ایک ایسا شجر سایہ دار تھے کہ زمانے کی سختیوں سے گھبرائے ہوئے مسافر جس کے سائے تلے بیٹھ کر دنیا کی کلفتوں کو بھول جاتے ہیں وہ دراصل قرون اولیٰ کے مسلمان تھے جو اس دور میں پیدا ہوگئے تھے۔ کہتے ہیں کہ جب عقل مکمل ہو جائے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔ حضرت قاری صاحب کو میں نے کبھی بلا ضرورت بات کرتے نہیں دیکھا۔ ہنسنے والی بات ہوتی تو محض مسکرا دیتے۔ میں نے انہیں قہقہہ مار کر ہنستے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی عادات پر آخری وقت تک وضع داری سے قائم رہے۔

آج جب حضرت قاری صاحب ہم میں نہیں ہیں۔ تو احساس ہوتا ہے کہ کاش ہم دوسرے کاموں سے وقت نکال کر اور زیادہ دیر تک حضرت قاری صاحب کی صحبت میں بیٹھے ہوتے۔ خدا کے کاموں میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور ہوتی ہے۔ ورنہ میرے خیال میں ان کی جتنی ضرورت اس وقت تھی اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ اب جبکہ لادینیت کا عفریت منہ کھولے کھڑا ہے ان کی اشد ضرورت ہے لیکن خدا کی مصلحتیں ہم جیسے انسانوں کی سمجھ میں نہیں آسکتیں۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس لئے اپنے پاس بلا لیا ہو کہ ہم جیسے گناہ گار لوگ ان کے ساتھ رہنے کے قابل نہ تھے۔

وہ میرے آئیڈیل تھے' ہیں اور رہیں گے۔ انہوں نے اس گئے گزرے دور میں اسلام کے اصولوں کے مطابق زندگی گزار کر یہ ثابت کر دیا کہ اسلام زندگی کے ہر ایک شعبے میں مکمل طور پر قابل عمل ہے۔ وہ پیکر خلوص و مروت تھے۔ خودداری اور انکساری ان کی زندگی میں جزء لازم کی طرح شامل تھی۔ میں نہیں سمجھتا کہ اب ہم میں ان جیسا کوئی شخص آئے۔

قیس سا پھر نہ اٹھا کوئی بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے گھرانے کا ایک ہی شخص

میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے گھر والوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

□□□

قاری اظہار احمد تھانوی ایک مثالی استاذ

پروفیسر قاری محمد سعید اسعد'
استاذ ادارہ تعلیم و تحقیق'
جامعہ پنجاب نیو کیمپس' لاہور

میرے محترم استاذ مربی حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ دور حاضر کی عظیم علمی شخصیت تھے۔ آپ بیک وقت حافظ قرآن اور جید قاری ہونے کے حوالے سے قرآءت کے علمی میدان میں دور حاضر کے امام اور ایک ذکی و فہیم عالم دین تھے۔ اپنے استاذ کی شخصیت کا احاطہ کرنا میرے بس کی بات نہیں' تاہم ایک حقیری کوشش پیش خدمت ہے۔ امید ہے قارئین میری قلمی لغزشوں سے درگزر فرمائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اپنے استاذ کو میرا قلم مرحوم لکھنا نہیں چاہتا بلکہ میرے قلم کی صدا ہے کہ تیرا استاد تو زندہ ہے کیونکہ جب تک قاری صاحب مرحوم کا ایک شاگرد بھی دنیا میں خدمت قرآن میں مصروف ہے' میرا استاد زندہ جاوید ہے۔

میں اگر اپنے استاد محترم کو استاد کی حیثیت سے دیکھتا ہوں تو وہ ایک مایہ ناز اور مثالی استاد تھے۔ اگر میں اپنے استاد کو اپنے باپ یا ایک مربی کی حیثیت سے دیکھوں تو بھی بے جا نہ ہو گا کیونکہ میرے والدین مجھے آسمان سے زمین پر لائے تو میرے شیخ نے مجھے زیور تعلیم سے آراستہ کر کے زمین سے آسمان تک پہنچایا۔ اگر میں اپنے استاد کو اپنا مرشد کہوں تو بے جا نہ ہو گا کیونکہ تربیت کے حوالے سے انہوں نے اپنے شاگردوں کی جس انوکھے اور نرالے انداز سے تربیت کی وہ انہی کا خاصہ تھا اگرچہ دنیا میں تربیت کرنے والے بے شمار چشمے موجود ہیں مگر میرے استاد جیسے بہت ہی قلیل۔ بلاشبہ آپ کی تربیت کا انداز فن تجوید و قرآءت کے تمام اساتذہ سے بالکل اچھوتا اور ممتاز تھا۔ جب بھی کوئی مبتدی آپ کے پاس فن سیکھنے کی غرض سے آتا تو وہ زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہوئے دل میں یہ ضرور کہتا کہ یا اللہ اس عظیم فن کو کماحقہ سیکھنا تو میرے بس کی بات نہیں ہے مگر میرے استاد کے شاندار طریقہ تدریس کی بدولت وہ تھوڑے ہی عرصہ میں تجوید و قرات کے رموز بطریق احسن جاننے لگتا۔ آپ کی شخصیت کا یہی کمال تھا کہ قلیل عرصہ میں ایک طالب علم آپ سے مانوس ہو کر بہت تیزی سے آپ کے حکیمانہ فیض سے فیض یاب ہونے لگ جاتا۔ آپ کے فن کا یہ واضح اور بین ثبوت تھا کہ ایک دیہاتی حافظ آپ سے لگن اور اعتماد سے درس و علم حاصل کرتا کہ تھوڑے اور معمولی وقت میں قاری بن جاتا جیسے کوئی جوہری کسی ناتراشیدہ پتھر کو تراش کر ایک خوبصورت ہیرا بنا دیتا ہے اور چمک دمک اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

راقم الحروف خود ایک دیہی علاقے سے قرآن مجید حفظ کر کے لاہور آیا۔ جس طرح شہری اور دیہاتی زندگی میں فرق ہے ۔عینیہ دیہاتی اور شہری طریقہ تدریس قرآن میں بھی فرق ہے۔ اس دور میں ناچیز کسی اچھے قاری کا قرآن سنتا تو یہ اشتیاق پیدا ہوتا کہ کاش! میں بھی خوبصوت ادائیگی کے ساتھ قرآن پڑھ سکتا۔ یہ آرزو پیدا ہوئی اتفاق سے

میرے والد صاحب کے ایک شاگرد اور میرے عزیز دوست جناب قاری نور الٰہی انور اعوان صاحب حال مقیم سعودی عرب حضرت قبلہ استاذ محترم کے قرآءت میں شاگرد تھے۔ میں نے اپنے اشتیاق کا تذکرہ ان سے کیا تو انہوں نے مجھے جامع مسجد اہلحدیث چینیانوالی میں حضرت قاری صاحب محترمؒ کا قرآن سننے کی دعوت دی بندہ نے اس دعوت کو غنیمت جانا اور حسب وعدہ مدرسہ ہذا میں پہنچ گیا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے بہ نفس نفیس سورۃ **اذا الشمس کورت** کی تلاوت فرمائی۔ آپ کی تلاوت نے میری زندگی میں انقلاب بپا کر دیا۔ بندہ ناچیز اس وقت ملازم تھا۔ اپنی ملازمت کو خیر باد کہا اور اپنے استاد کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کے واسطے حاضر ہو گیا۔

تیری دوستی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا
تیرے عشق نے بنائی میری زندگی فسانہ

مجھے یاد ہے تعوذ' تسمیہ اور سورۃ فاتحہ کے سیکھنے میں تقریباً تین ماہ کا عرصہ لگا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت استاد بنیادی مشق میں حروف کے مخارج کی طرف بہت توجہ دیتے تھے تاکہ مبتدی اس فن کی فنی حیثیت کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف ہو جائے بالخصوص آپ حروف کے مخارج کو مع صفات ادا کرنے کی طرف از حد توجہ دیتے بقول سعدی۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تاثر یا میرود دیوار کج

یعنی کوئی معمار عمارت بناتے وقت پہلی اینٹ غلط رکھے گا تو اس میں بننے والی تمام عمارت ٹیڑھی ہو گی۔

قاری صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاغذ کے ٹکڑے کیلئے مت پڑھو فن سیکھو۔ تجوید کا کورس دو سال کا تھا۔ کتب' مشق اور حدر مکمل ہو جاتا تو پھر امتحان ہوتا۔ کامیابی پر طلباء کو اسناد دی گئیں مگر میرے لئے حکم تھا کہ تم فن کو اچھی طرح سیکھو پھر سند ملے گی۔ کچھ عرصہ بعد بندہ کو یونیورسٹی میں ملازمت مل گئی تو بندہ نے حضرت قاری صاحب سے عرض کی کہ اب مجھے سند کی ضرورت ہے۔ آپنے فوراً سند عطا کی اور ساتھ ہی میری کامیابی کی دعا بھی کی۔

حضرت قرآن شریف کیسا پڑھتے تھے میں بالکل بیان کرنے سے قاصر ہوں۔ صرف ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد داؤد غزنوی صاحبؒ بہت بڑے عالم تھے۔ شیش محل روڈ لاہور میں ان کا بہت بڑا مدرسہ تھا۔ اس مدرسہ کے لئے مولانا غزنویؒ نے حضرت استاد محترمؒ سے ایک قاری طلب کیا۔ دوسرے روز استاد محترم نے اپنا ایک شاگرد کو مولانا کی خدمت میں روانہ کیا۔ مولانا نے شاگرد موصوف سے درخواست کی کہ کچھ تلاوت قرآن سنائیں۔ شاگرد موصوف نے جب قرآن پڑھنا شروع کیا تو حضرت مولانا غزنویؒ نے تلاوت سنتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔ ایک عمدہ قاری جب کسی صاحب دل کے سامنے تلاوت قرآن کرے اور اس کا اثر نہ ہو' یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس واقعے کی غرض و غایت یہ ہے کہ اندازہ لگا لیجئے کہ میرے استاد محترم کیسا پڑھتے ہوں گے۔ میرے شیخ مرحوم نے

اپنے فن کو بہت فراخ دلی سے اپنے تلامذہ میں تقسیم کیا اور ہر شاگرد بقول اقبال۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی

یہاں مجھے سعدی کا ایک منظوم قصیدہ یاد آتا ہے جس کا مطلب کچھ یوں ہے کہ میں نے ایک روز حمام کی مٹی سے پوچھا تیرے اندر سے خوشبو کیوں آرہی ہے اس مٹی نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ دیکھنے میں اگرچہ میں مٹی ہوں لیکن ایک مدت تک گلاب کے پھول کی ہم نشین رہی ہوں اور یہ خوشبو گلاب کی ہم نشینی کا کمال ہے بقول سعدی۔

جمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ذی استعداد طلباء اپنے استاد کے پاس بیٹھ کر وہ سب کچھ سیکھ لیتے ہیں جو کہ استاد کے پاس ہوتا ہے۔ شاگرد فن میں اپنے استاد کی تصویر ہوتا ہے۔

علمی شخصیت

قاری صاحب شخصیت کے اعتبار سے باوقار اور پاکیزہ انسان تھے۔ چہرہ پرکشش اور وجیہ، حلیم الطبع مگر سادہ مزاج، عجز و انکساری کا مجسمہ، تصنع اور بناوٹ سے ماورا۔ آپ ہمہ تن موصوف تھے۔ جو بھی آپ کے پاس بیٹھتا وہ بھی مندرجہ بالا صفات سے متصف ہو جاتا۔ کم ظرف اور کم اخلاق لوگوں کو اعلیٰ ظرف و اخلاق کا مالک بنا دیتے۔ اکثر چھوٹے بچوں کی تربیت کر کے ان کی شخصیت کی تعمیر نو کرتے اور ایک اچھا انسان بننے میں ان کے لئے معاون ہوتے۔ میں اپنے استاد کو علم و عمل اور تقویٰ کا چلتا پھرتا شعار کہوں تو بے جا نہ ہو گا۔ علم و ادب کے حوالے سے چلتی پھرتی تفسیر کہوں تو بجا ہو گا۔ علمی دنیا کے حوالے سے اپنے استاذ کو چلتی پھرتی یونیورسٹی یا اکیڈمی کا درجہ دوں تو جائز ہو گا اور یہ میرے استاد کا استحقاق ہے۔ میرے شیخ مرحوم ایک علمی اور ادبی شخصیت کے مالک تھے۔ آپ کی طبیعت میں ایک ٹھہراؤ تھا، ایک تسلسل تھا، مزاج میں طغیانی ہرگز نہ تھی۔ چاہے گھریلو زندگی ہو یا مدرسے کی زندگی، بے جا غصہ نہ تھا۔ سادہ لوح انسان تھے۔ گھر پر کوئی شخصی ملاقات کے لئے چلا جاتا تو عموماً دروازے پر خود استقبال کرتے۔ اس وقت چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ہوتی۔ اپنی مصروفیات کے باوجود ہر ملاقاتی کی دلجوئی فرماتے اور اپنے قیمتی وقت میں سے کچھ وقت ضرور دیتے۔ فقر اور غنا آپ کی طبیعت کا خاصہ تھا۔ اکثر طلباء کو پاکیزہ مقصد اور روشن خیالی کی وصیت فرماتے رہتے تاکہ طلباء دین کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سرخرو ہوں۔

اگر ملاقاتی مدرسے یا یونیورسٹی میں حاضر ہوتا تو دلاویز مسکراہٹ سے اس کا استقبال کرتے، حال چال پوچھتے، گھر بار کی خیریت دریافت کرتے۔ اگر درس کا سلسلہ جاری ہوتا تو آنے والا ملاقاتی بھی درس میں شامل ہو کر اپنے استاد

محترم کے فیض سے استفادہ کرتا مگر بندہ کا تو یہ عالم تھا کہ جب بھی مدرسہ یا گھر پر ملاقات کے واسطے جاتا تو استاد محترم سے کچھ نہ کچھ نئی بات ضرور سیکھ کر آتا۔ موقع کی مناسبت سے ایک آدھ ملاقات کا تذکرہ کرتا چلوں۔

مارچ ۱۹۹۰ء میں بندہ کو عمرہ کی سعادت نصیب ہوئی۔ شیخ کے در دولت پر حاضر ہو کر سفر عمرہ کے متعلق عرض کیا۔ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے مجھے عمرہ کی سعادت حاصل کرنے پر مبارک باد دی۔ بندہ تھوڑی دیر استاد محترم کے پاس بیٹھا رہا۔ باہم گفت و شنید ہوتی رہی جو مختصر مگر مدلل تھی۔ جمعہ کا دن تھا اور آپنے جمعہ پڑھانے جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز جانا تھا۔ چلتے چلتے آپنے چند نصائح فرمائے مثلاً طواف کعبتہ اللہ کثرت سے کرنا نیز حرم پاک میں بیٹھ کر کعبتہ اللہ کو دیکھتے رہنا بھی عبادت ہے۔ اس کے بعد فرمانے لگے۔ میرے لئے اور میرے عزیز "کمال صاحب" کیلئے بھی دعا کرنا (غالباً کمال صاحب آپکو جامع مسجد لے جانے کی سعادت انجام دیتے تھے اس لئے شیخ نے اپنے ساتھ ان کیلئے بھی دعائے خیر کیلئے کہنا ضروری سمجھا) دوسری ملاقات عمرہ سے واپسی پر ہوئی جو کافی دنوں بعد ہوئی۔ جونہی حاضر خدمت ہوا آپ نے بے ساختہ کہا۔ "بھائی! اتنی دیر بعد کیوں آئے ہو؟" بندہ نے اپنی مجبوری اور بیماری کا تذکرہ کیا۔ یہاں یہ بات واضح کر دوں کہ قاری صاحب اپنے تلامذہ سے دوستانہ ماحول میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ نے عمرہ کے حوالے سے چند باتیں دریافت کیں جو بندہ نے عرض کی۔ حسب معمول آپ نے خاطر مدارات کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ جاری رکھا اس ملاقات میں میرے علاوہ کئی دوسرے طلباء جو کہ مختلف علاقوں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے ان کی موجودگی میں آپ نے مجھے عجیب بات فرمائی جو کہ میں اپنی زندگی کا سرمایہ سمجھتا ہوں۔ فرمایا "بھائی ملتے رہا کرو۔ مجھے تمہارے ملنے سے راحت ہوتی ہے۔" اس کے بعد مجھے کہا کہ اپنا فون نمبر مجھے دو میں نے اپنا فون نمبر دیا اور اس کے ساتھ شیخ نے مجھے اپنا فون نمبر دیا اور اس کے ساتھ ہی تاکیدی حکم فرمایا کہ گاہے گاہے ملاقات ضرور کر لیا کرو۔ بندہ نے جواباً" حامی بھر لی اس کے بعد بندہ نے دعا کی درخواست کی اور اجازت طلب کی۔

مختصر سوانح

حضرت قبلہ قاری اظہار احمد تھانویؒ حضرت حافظ اباز احمد تھانویؒ کے فرزند ارجمند تھے۔ آپ ۱۹۳۰ء بمطابق ۱۳۴۹ھ قصبہ تھانہ بھون (یو پی انڈیا) میں پیدا ہوئے۔ یہاں ایک دلچسپ تاریخی پہلو گوش گزار کرتا چلوں کہ حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کا سن پیدائش وہی ہے جو امام الہند حضرت شیخنا قاری المقری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادیؒ کا سال وفات ہے۔ یہ کیسی عجیب بات تھی گویا ایک عظیم قاری دنیا سے رخصت ہوا تو ان کا نعم البدل اللہ نے اس دنیا میں روانہ فرما دیا بالکل اسی طرح جیسے سیدنا امام ابو حنیفہؒ کا سن وفات ۱۵۰ھ ہے اور یہی سال حضرت امام شافعیؒ کا سن پیدائش ہے۔

میرے استاد حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ اتنے ذہین فطین تھے کہ دس سال کی عمر میں آپ نے قرآن مجید

حفظ کر لیا اور بعدازاں عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے زیر سایہ حاصل کی (اس وقت حکیم الامت بقید حیات تھے) بعدازاں آپ نے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اکتساب فن کیا اور جید علماء کرام سے زانوائے تلمذ طے کیا۔ بعدازاں تحریک پاکستان کے زمانے میں آپ ہجرت کر کے لاہور آ گئے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد حضرت مولانا قاری المقری عبدالمالک صاحبؒ لاہور میں فن تجوید و قرآءت کے علوم کے موتی بکھیرنے کے لئے تشریف لائے تو حضرت قاری اظہار صاحبؒ نے ان سے یہ موتی چنے یعنی فن تجوید و قرآءت میں استفادہ کیا اور چھ ماہ کی قلیل مدت میں روایت حفص کی تکمیل کی۔ بعد میں ۱۹۵۴-۵۵ء میں سبع قرات مکمل کی اور ۱۹۵۶ء میں قرات عشرہ مکمل فرمائی۔ اس سے قبل آپ قیام سہارنپور کے دوران حضرت قاری عبدالمالک صاحب کے برادر اکبر حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سے بھی فن تجوید میں مستفید ہو چکے تھے۔ ۱۹۵۸ء میں چینیانوالی مسجد میں صدر شعبہ تجوید و قرات مقرر ہوئے (راقم نے یہیں حضرت سے اکتساب فن کیا ہے) اور بعدازاں اسی عہدے پر مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں کام کیا۔ ۱۹۸۰ء میں استاد انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی میں علوم قرآءت کی تدریسی خدمات کے لئے چنے گئے۔

فارسی کی کہاوت ہے۔ "ہر مردے رابکارے ساختہ اند" یعنی ہر انسان کو دنیا میں کسی نہ کسی کام کے لئے بھیجا گیا ہے۔ میرے استاد مکرم کو اللہ نے صرف اور صرف قرآن کی خدمت کے لئے دنیا میں بھیجا تھا۔ بلاشبہ آپ نے ایک خادم قرآن کی حیثیت سے دنیا میں وقت گزارا اور اسی تعلیم و تعلم میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کی اور زندگی بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا نمونہ بنے رہے کہ "تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے" یہی آپ کی زندگی کا مقصد اور نصب العین رہا۔

میرے شیخ علم و فضل کا جامع خزینہ تھے۔ آپ علوم قرآءت و حدیث اور تفسیر کے ایک استاذ ہی نہیں بلکہ ایک مصنف کی حیثیت سے بھی علمی حلقوں میں معروف تھے۔ قرآءت کی بہت سی نایاب کتب کی تصحیح و تبویب کر کے انہیں چھپوانا۔ نیز عربی کتب کے اردو میں نہایت آسان تراجم اور اس کے علاوہ بہت سی کتب کو اپنے مختصر اور آسان حواشی سے مزین کر کے طبع کروانا اس کے علاوہ بہت سی کتب کی شروح بھی تحریر کیں جو فن کے نو واردگان اور اساتذہ دونوں کے لئے احسان عظیم ہیں۔

آپ کی وفات کے بعد راقم آپ کے ایک نامور شاگرد سے ملنے گیا تو حضرت شیخ کے علمی کارہائے نمایاں کے تذکرہ پر بے اختیار وہ پکار اٹھا کہ جب ہم اپنے شیخ سے پڑھتے تھے تو کتب تجوید اگرچہ ہمارے ہاتھوں میں ہوتیں مگر قاری صاحبؒ عربی اشعار زبانی پڑھتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ ان کا اردو ترجمہ بھی کرتے جاتے اس سے آپ کا فن پر عبور اور مہارت کا پتہ چلتا ہے۔

علمی خدمت کے حوالے سے آپ نہ صرف پاکستان میں بلکہ بلاد عرب و عجم کے قراء حضرات میں ایک درخشندہ

چراغ کی مانند تھے۔ اگرچہ قاری صاحب اب ہم میں موجود نہیں مگر ان کا فیض قرآن ہمارے درمیان ایسے موجود ہے جیسے حضرت شیخ موجود ہوں۔ راقم جب بھی قرآن پڑھتا یا کسی کو پڑھاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے استاد محترم میرے پاس موجود ہیں۔ یہ احساس محض مجھے ہی نہیں ہے بلکہ قاری صاحب کے اکثر شاگردوں کو ہوتا ہو گا۔ میرے ضمیر کی آواز تو یہ ہے کہ قرآن تو ہر قاری پڑھتا ہے مگر میرے شیخ جیسا قرآن اب کون پڑھے گا؟ بعینہٖ قرآن تو ہر استاد پڑھاتا ہے مگر میرے استاذ جیسا شاید ہی کوئی قرآن پڑھانے والا ہو گا۔

طریقہ تدریس

قاری صاحب کے طریقہ تدریس کے متعلق بھی عرض کرتا چلوں حضرت شیخ کتب، مشق اور حدر کے حوالہ سے انتہائی کامیاب استاد شمار ہوتے تھے۔ حضرت شیخ کا پڑھانے کا ہفتہ وار ٹائم ٹیبل کچھ اس طرح سے مرتب شدہ ہوتا کہ مشق کرنے والے طلباء اپنی مشق بطریق احسن جاری رکھ سکیں۔ مشق و حدر پر خصوصی توجہ تھی۔ عموماً" قاری صاحب" پہلے ایک دو رکوع تلاوت فرما کر حدر کی ابتدا کرتے۔ طلباء آپ کے حدر کو بڑے غور سے سنتے۔ اس کے بعد دائیں جانب سے باری باری ہر طالب علم حدر پڑھتا۔ دوران حدر مختلف قواعد و کلیات کا اجرا مخارج کی صحیح اور موزوں ادائیگی، صفات و مدود و وقف تمام چیزوں کا اہتمام اس قدر شدت سے ہوتا کہ بعد از فراغت تلامذہ اپنے قابل استاد کے لئے سرمایہ افتخار بن جاتے، لائق اور ذہین تلامذہ کو خراج تحسین اور شاباش کے کلمات سے نواز کر حوصلہ افزائی کرتے۔ جن طلباء کا سبق کمزور ہوتا ان کی جانب متوجہ ہو کر ہلکی سی تنبیہہ فرماتے۔ مشق کرنے والے طلباء کو سینہ کے زور سے قرآن پڑھنے کی تلقین کرتے۔ دوران مشق ہر طالب علم پر آپ کی خصوصی توجہ ہوتی اور ہر طالب علم جس استعداد کا مالک ہوتا حضرت شیخ اس کو اسی قدر اپنے فیض سے بہرہ مند فرماتے۔ اس طریقہ تعلیم سے کمزور طلباء میں بھی قرآن پڑھنے کا اشتیاق خود بخود پیدا ہو جاتا۔ آپ کے طریقہ تدریس میں سزا کا تصور ہرگز نہ تھا۔ عموماً" آپ صرف نگاہ اٹھا کر طالب علم کو دیکھتے۔ زبان سے زیادہ سے زیادہ جو الفاظ ادا ہوتا وہ "کم بخت" کا ہوتا تھا۔ اس وقت سمجھ لیجئے کہ غصہ جوبن پر ہے اور یہی آپ کی سزا ہوا کرتی تھی۔ حضرت استاذ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم پر عمل پیرا ہو کر حکمت و دانائی سے اپنے طلباء کی اخلاقی اور روحانی تربیت فرماتے۔ آپ کے پاس ہر عمر اور ہر مکتب فکر کے لوگ آکر فیض قرآن حاصل کرتے۔ اس سلسلے میں آپ کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ شرط صرف یہ ہونی چاہئے تھی کہ وہ حصول علم کا شوق رکھتا ہو۔

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق

کل نفس ذائقۃ الموت

قرآن کا قول فیصل ہے "ہرذی روح کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے" نہ معلوم یہ ذائقہ کیسا ہو گا؟ اس حقیقت سے میں اور آپ یقیناً ناآشنا ہیں مگر یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ اس سے کسی کو انکار بھی نہیں اور مفر بھی نہیں۔ موت ہرذی روح کا مقدر ہے۔ تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

جو انسان بھی اس دنیا میں آیا بالاخر اس نے موت کی آغوش میں جانا ہے۔ غالب کہتا ہے۔

موت کا ایک دن معین ہے
نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

اسی طرح حفیظ جالندھری اور احسان دانش نے موت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کہا ہے۔

ماہ دسمبر ۱۹۹۱ء کی ۱۷ تاریخ بروز منگل میرے شیخ کی دنیاوی زندگی کا اختتام تصور کیا جائے گا۔ جب بھی یہ تاریخ آئے گی میرے شیخ کی یادیں اپنے جلو میں لائے گی۔ یہ دن یقیناً جہاں حضرت شیخ کے گھر والوں کے لئے حادثہ جانکاہ کا دن ہے وہیں میرے جملہ استاذ بھائیوں اور علمی حلقوں میں ایک افسوسناک دن ہو گا۔ شیخ القراء کی ناگہانی موت فن تجوید و قرآءت کی دنیا کے لئے سانحہ عظیم ہے کیونکہ موت العالم موت العالم کے مصداق آپ کی موت پورے عالم کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے اول آپ کی نماز جنازہ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ادا کی گئی۔ بعدازاں ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء کو بعد نماز عشاء چوہدری کوارٹرز گراؤنڈ میں آپ کے رفیق خاص اور دیرینہ ساتھی جناب حافظ قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن لاہور نے انتہائی خلوص اور عجز و انکساری کے ساتھ پڑھائی۔

بوقت نماز جنازہ یوں محسوس ہو رہا تھا گویا کسی ولی اللہ کی نماز جنازہ ادا کی جا رہی ہو۔ اہل علم و اہل عقیدت کے ایک جم غفیر نے جن میں علماء کرام' قراء عظام' دینی مدارس کے طلباء' وکلاء' دانشور' کالج و یونیورسٹی کے اساتذہ اور تاجر برادری غرضیکہ ہر طبقہ کے لوگوں نے شرکت کی۔

قاری صاحب کی ناگہانی موت پر ہر آنکھ پرنم اور ہر دل غمزدہ تھا۔ آپ کی اولاد عزیز و اقارب جہاں اپنی عظیم باپ کی اچانک موت پر از حد دل گرفتہ تھے وہاں پر ہی طلبائے تجوید و قرآءت و علوم حدیث و فقہ و تفسیر غرض ایک وسیع حلقہ اثر اپنی جگہ حیران و پریشان تھے اور رنج و الم میں ڈوبے ہوئے تھے اور پکار پکار کر کہہ رہے تھے کہ ہم آج یتیم ہو گئے ہیں کیونکہ ہمارا روحانی باپ ہم سے جدا ہو گیا ہے قاری صاحب کا وجود یقیناً ایک نعمت غیر مترقبہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رشد و ہدایت کے اس عظیم چشمہ فیض کی مغفرت فرمائے اور جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے اور آپ کی خدمت قرآن کو قبول و مقبول فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ "التجوید")

□□□

حضرت الاستاذؒ کی یاد میں

مولانا قاری ابوالحسن سیف اللہ
حافظ آبادی

راقم الحروف نے ۱۹۶۰ء میں اہلحدیث کی معروف دینی درسگاہ "الجامعہ السلفیہ" فیصل آباد میں حفظ القرآن حضرت الاستاذ حافظ عبدالرحمٰن امرتسری حفظہ اللہ سے مکمل کیا۔ بحمداللہ راقم کو الجامعہ السلفیہ کی تاریخ کا پہلا حافظ قرآن ہونے کی سعادت حاصل ہے۔ الجامعہ السلفیہ کے تعلیمی دور میں ہر جمعرات کو بنگالی طلباء کا تقریری اجلاس ہوا کرتا ان کی دعوت پر اکثر راقم افتتاحی تلاوت کرتا۔ چند بنگالی دوستوں نے اصرار کیا کہ تم تجوید و قراءت کا علم حاصل کرو اللہ ان کو جزائے خیر دے جنھوں نے مجھ عاجز کو یہ قیمتی مشورہ دیا۔ خیر حفظ قرآن سے فراغت کے بعد مصمم ارادہ کیا کہ تجوید و قراءت ضرور پڑھوں گا۔

چونکہ براہ راست لاہور کے کسی بھی قراءت کے مدرسے سے واقف نہ تھا اور نہ کوئی سرپرست ہی ایسا تھا جو خود ساتھ لے جا کر داخل کرتا جذبہ شوق کو مہمیز لگ چکی تھی لہٰذا خود ہی ایک چھوٹا سا صندوق اور گرمیوں کا بستر لے کر توکل الی اللہ لاہور پہنچا۔ لاہور کے مدارس میں مدرسہ غزنویہ تقویتہ الاسلام کے صرف نام سے واقف تھا لاہور کے لاری اڈے سے پیدل وہاں پہنچا شدت گرمی سر پر صندوق و بستر مدرسہ مذکور پہنچا تو معلوم ہوا کہ یہاں تجوید و قراءت کی تعلیم کا انتظام نہیں وہاں سے مسلم مسجد لوہاری گیٹ پیدل کشاں کشاں گیا مگر کھانے کا بندوبست نہ ہونے کے سبب داخلہ نہ مل سکا۔ یاد رہے اس دور میں یہاں ملک کے معروف جید قاری عبدالوہاب المکی صاحب حفظہ اللہ تجوید و قراءت کی تعلیم دے رہے تھے۔ پھر وہاں سے پیدل جامع قدس اہلحدیث چوک دالگراں پہنچا لیکن وہاں بھی تجوید و قراءت کی پڑھائی کا انتظام نہیں تھا اتفاقاً وہاں ایک طالب علم عبدالرشید نامی مل گیا جو کہ حافظ آباد کے معروف دینی درس دارالحدیث محمدیہؒ میں درس نظامی کی کتب پڑھتا رہا تھا اس دوران راقم وہاں ابتدائی حفظ قرآن کے درجہ میں تھا۔ بہرحال اس طالب علم سے مل کر دل کو کچھ حوصلہ ہوا۔ اس لڑکے سے بات کی کہ میں تجوید و قرات پڑھنا چاہتا ہوں اس نے بتایا کہ مسجد چینیانوالی رنگ محل میں تجوید و قراءت کی پڑھائی کا انتظام ہے میں نے اس سے کہا بھائی میں تو اس مسجد سے واقف نہیں جواباً اس نے کہا جانتا تو میں بھی نہیں ہوں لیکن دونوں مل کر چلتے ہیں تلاش کر ہی لیں گے۔ پوچھتے پوچھاتے مسجد چینیانوالی پہنچے۔ مسجد میں داخل ہوئے تو بائیں جانب کمرے سے ایک بلند آواز پرسوز کانوں سے ٹکراتی ہوئی دل میں پیوست ہوگئی۔

بس اک بجلی سی پہلے کوندی پھر اس کے آگے خبر نہیں

مگر جو پہلو کو دیکھتا ہوں تو دل نہیں ہے جگر نہیں

تھکن دور ہوگئی اور ارادہ یہ ہوا کہ داخلہ لینا ہے تو بس یہیں۔ ابھی جوتیاں اتار رہا تھا کہ محترم مولوی محمد دین صاحب خادم مسجد آگئے۔ نام و پتہ حال احوال پوچھا میں نے یہ سب گوش گزار کیا اور اپنا ارادہ بھی ظاہر کیا مولوی صاحب نے میرا سامان اٹھا لیا اور کہا انشاء اللہ داخلہ مل جائے گا یہاں جو استاذ تجوید پڑھاتے ہیں وہ بہت اچھے اخلاق والے اور طلباء کے ساتھ شفیق ہیں۔ یہ باتیں سن کر دل کو مزید تقویت ہوئی۔

مولوی صاحب نے سامان تو میرا کمرے میں رکھا اور کہا کہ وضو کر کے محترم استاذ صاحب کے کمرے میں چلو۔ راقم وضو کر کے مولوی محمد دین صاحب کے ہمراہ کمرے میں داخل ہوا۔ حضرت سے مصافحہ ہوا۔ طلباء مشق کر رہے تھے ان کے پیچھے ذرا ہٹ کر بیٹھ گیا۔ حضرت الاستاذؒ کچھ دیر بعد مشق کروا کے فارغ ہوئے تو مولوی صاحب نے بتایا کہ یہ طالبعلم تجوید پڑھنے حافظ آباد سے حاضر ہوا ہے۔ حضرت فوراً میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بھائی کچھ تلاوت سناؤ میں نے گھبراتے ہوئے سورۃ والتین کی تلاوت کی۔ فرمانے لگے یہ لو داخلہ فارم اور اس کو پر کر کے مجھے دے دو۔ فارم تو مجھے پر کرنا نہیں آتا تھا جناب قاری عبدالشکور صاحب برقؒ (سابق مقیم جدہ) نے مجھے فارم پر کر کے دیا میں فارم لے کر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت نے فارم جمع کر لیا۔

اس کے بعد حضرت نے فرمایا بھئی یہاں طلباء کے کھانے کا کوئی بندوبست نہیں صرف بیس روپے ماہانہ وظیفہ ملے گا اسی میں کھانا وغیرہ کا گزارہ کرنا ہوگا۔ راقم نے اللہ کا شکر ادا کیا اور حضرت کا بھی شکریہ ادا کیا کہ الحمدللہ داخلہ تو مل گیا۔ اس دور میں جماعت اہل حدیث میں قراء کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ مجھ سے پہلے چند قراء کے نام مجھے معلوم ہوئے ان میں حضرت قاری محمد یوسف میر محمدی صاحبؒ' حضرت قاری نور احمد صاحب ڈھلیانوی' قاری محمد زاہد آف پتوکی نیز حضرت قاری محمد اسلم صاحب مدرس گوجرانوالہ اور حضرت قاری عبدالشکور صاحب چینیانوالی مسجد مجھ سے پہلے زیر تعلیم تھے۔

داخلہ کے بعد تجوید کی تعلیم کا دور شروع ہوگیا۔ دو سال تک حضرت الاستاذؒ کی خدمت عالیہ میں رہنے کی سعادت حاصل ہوئی الحمدللہ جوں جوں دن گزرتے گئے حضرت کی بے بہا شفقت کی وجہ سے حضرت سے عقیدت و محبت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اسی جذبہ کے سبب بتوفیق الٰہی حتی المقدور حضرت کی خدمت کرنے کا وافر موقعہ ملا۔ راقم اپنے خالق و مالک کا انتہائی شکر گزار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ہمت اور شوق عطا فرمایا کہ میں خوش دلی سے دو سال کے اس عرصہ میں عموماً دوپہر کے وقت حضرت کے سر پر مالش کرتا' پاؤں دباتا۔ حضرت دوپہر کو آرام فرماتے تو دیگر طلباء بھی عموماً سو جاتے لیکن میں خوشی اور عقیدت و محبت سے حضرت کی خدمت میں لگا رہتا اور اسے اپنی خوش نصیبی خیال کرتا۔

الحمدللہ میں سمجھتا ہوں کہ جو کچھ بھی راقم پر اللہ کی عنایات ہیں یہ سب حضرت الاستاذؒ کی خدمت اور والدین

کی خدمت کا ہی صلہ ہیں۔ حضرت الحمدللہ اس عاجز سے راضی تھے۔ بارہا دیکھا ہے کہ بعض ایسے بدنصیب شاگرد ہوتے ہیں جو اپنے اساتذہ کو راضی رکھنے کی بجائے ان کی ناراضگی مول لے لیتے ہیں اور دنیا و آخرت میں نامراد رہتے ہیں۔

حضرت کا انداز تعلیم اللہ اکبر ایسا عمدہ کے دوران تدریس ہی سبق یاد ہو جاتا اور حضرت کی تلاوت و مشق کا انداز اتنا دل آویز تھا کہ جب مشق و تلاوت فرماتے تو دل نہ چاہتا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی کمرے سے باہر جاؤں بعض مواقع ایسے بھی آئے کہ حوائج ضروریہ تک کو روکے بیٹھے رہتا مبادا اس دوران تلاوت سے محروم نہ رہ جاؤں راقم نے بہت سے اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے مگر ان تمام میں حضرتؒ کو محبت و شفقت میں منفرد پایا۔ حضرتؒ کے کمرے کی صفائی اور صراحی میں روزانہ تازہ پانی بھرنا راقم کے ذمہ تھا۔ کیا بیان کروں اپنی خوش نصیبی تصور کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

حضرتؒ طلباء پر بہت محبت و شفقت فرماتے جب بھی گھر سے واپس آتا تو گھر کی خیر و عافیت دریافت فرماتے میری والدہ بیمار رہا کرتی تھیں ان کا حال پوچھتے غرض حضرتؒ طلباء کی ہر طرح سے دل داری اور دل نوازی فرماتے۔ راقم پر کبھی غصہ نہ فرمایا بلکہ میرے خیال میں ہم نے کبھی حضرت کو غصہ میں نہ دیکھا۔ ایک مرتبہ ایک بدنصیب طالبعلم جو کہ کیمل پور (اٹک) کا رہنے والا تھا اور حضرت سے سبعہ قراءت پڑھنے آتا تھا اس نے گستاخانہ باتیں کیں۔ ہم اس وقت عمر میں چھوٹے تھے مگر اس کی باتیں سن کر ہمیں بھی دلی رنج و غصہ آیا قریب تھا کہ طلباء اس کو پکڑ کر مارتے۔ لیکن حضرت نے صرف اتنا فرمایا ''جاؤ چلے جاؤ اور مجھ سے جو روایت حفص کی سند لی ہے وہ پھاڑ دو۔'' اس واقعہ سے حضرت کا صبر و تحمل اور بردباری کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔

دوران تدریس حضرت طالبعلم کو اکتاہٹ پیدا نہیں ہونے دیتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے لطائف علمیہ اور قدرے مزاح بھی فرماتے رہتے۔ حضرت کی محفل خالص علمی لطائف سے بھرپور ہوتی۔ میرے بھائی اور ساتھی جناب قاری محمد یحییٰ رسولنگری صاحب سے حضرت خوب دل لگی کرتے' مزاح فرماتے جس سے ہم طلباء بھی بہت لطف اٹھاتے حضرت میں مسلکانہ تعصب نام کو نہ تھا۔ ہم اہلحدیث طلباء سے بہت شفقت فرماتے کبھی اشارۃً بھی کسی کے مسلک کی تحقیر نہ فرماتے۔ ظہر کی نماز بالعموم چینیانوالی مسجد میں باجماعت پڑھتے۔ پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑے ہوتے۔ ایک مرتبہ میں حضرتؒ کے ہمراہ جماعت میں کھڑا تھا میں نے حضرتؒ کے پاؤں سے اپنا پاؤں قدرے دور رکھا حضرت نے نماز میں خود میرے پاؤں سے پاؤں ملا لیا اور سلام پھیرنے کے بعد فرمایا بھئی کیا تم مجھ سے نماز میں پاؤں ملانا پسند نہیں کرتے۔ یہ سنتے ہی میں بہت شرمسار ہوا۔ آئندہ جب موقع ملتا حضرت کے پاؤں سے پاؤں ملا کر کھڑا ہوتا۔

اسی طرح قاری محمد زاہد صاحب اور قاری محمد عابد صاحب ڈھولن نزد پتوکی والوں نے حضرتؒ کی دعوت کی حضرت ان کی دعوت پر ان کے گاؤں پہنچے نماز کا وقت ہوا تو وہاں کے امام صاحب مولانا عبدالودود صاحب نے ''جو

قاری زاہد اور قاری عابد کے والد بزرگوار بھی تھے) حضرت الاستاذؒ کو امامت کے لئے مصلی پر کھڑا کر دیا آپ حضرت کی وسعت مسلکی کا اندازہ فرمائے کہ آپؒ نے رفع الیدین کر کے قبل رکوع اور بعد رکوع نماز پڑھائی۔

اخی المحترم حضرت الحافظ فیاض احمد فیاض صاحب بھی حضرت الاستاذ سے بہت محبت و عقیدت رکھتے تھے حضرت کو بھی حافظ فیاض صاحب سے بہت محبت تھی۔ بارہا حضرت الاستاذ کو حافظ فیاض صاحب اور قاری محمد ادریس عاصم صاحب کے لئے دعائیہ کلمات ادا کرتے ہوئے سنا۔ جناب حافظ صاحب بھی چونکہ حضرت کی خوب خدمت کرتے لہٰذا حضرت کی دعائیں بھی خوب سمیٹتے۔

حضرت علماء حق کی تعریف و توصیف بھی خوب کرتے بلکہ حضرت میں یہ خوبی دیکھی کہ کسی شخص میں کوئی خوبی نظر آئی تو اس کا اعتراف بہت کھلے دل سے کرتے۔ اہلحدیث علماء میں سے حضرت شیخ الاسلام ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری صاحبؒ اور حضرت سید محمد داؤد غزنوی صاحبؒ سے خاص عقیدت رکھتے تھے بارہا ان کی علمی عظمت کا اقرار بھی فرمایا۔

حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ کی زندگی میں مدرسہ چینیانوالی میں سالانہ جلسہ تقسیم اسناد و دستار بندی ہوا جس میں سید غزنویؒ بھی تشریف لائے جب قراء حضرات نے تلاوتیں فرمائیں تو سید غزنویؒ کے آنسو رواں تھے خصوصاً جب استاذی المحترم حضرت قاری صاحبؒ نے تلاوت فرمائی تو بے ساختہ رقت طاری ہوگئی اور آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہوگئی۔ اس واقعہ سے حضرت سید غزنویؒ کا قرآن اور قراء سے تعلق خاطر کا پتہ چلتا ہے۔ جب تک تلاوت قرآن ہوتی حضرت سید صاحبؒ کے آنسو خشک نہ ہوئے بعد ازاں حضرت سید صاحبؒ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے سندات فراغت قراء کرام میں تقسیم فرمائی۔ سبحان اللہ کیا مبارک وقت تھا اور کیسی مبارک ہستیاں تھیں۔ ایک صاحب دل حافظ عبدالحمید سوہدرویؒ نے خوب کہا ہے۔ ؎

غنیمت جان لو مل کر بیٹھنے کو   جدائی کی گھڑی سر پہ کھڑی ہے

ایک واقعہ حضرت الاستاذ کی علمی وسعت نظری اور عمیق مطالعہ فکر کا بیان کروں کہ اسلام آباد میں حضرت الاستاذ کا آپریشن ہوا۔ اس کا سن کر راقم' حافظ فیاض صاحب اور جناب قاری محمد ادریس عاصم صاحب حفظہ اللہ تینوں اکٹھے حافظ صاحب کی کار میں اسلام آباد حضرت الاستاذؒ کی خدمت کے لئے حاضر ہوئے۔ جب حضرت سے ملاقات ہوئی تو بہت ہی خوشی کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے آپ نے اچھا کیا کہ آپ مجھے ملنے کے لئے آئے مجھے آپ سے مل کر بہت راحت و خوشی ہوئی اب مجھے اللہ جلدی صحت عطا فرمائے گا۔ بعدہ بہت پر تکلف کھانا کھلایا اور تادیر علمی محفل جمی رہی۔ حضرت کے علمی ملفوظات سے محظوظ ہوتے رہے اور حضرت کی وسعت علمی پر حیران بھی ہوتے رہے۔

حضرتؒ کا عقیدہ توحید بہت مضبوط تھا۔ شرک و بدعت سے سخت نفرت تھی۔ توحید و سنت سے اور اہل توحید و

سنت سے بہت محبت فرماتے تھے۔

دوران تعلیم میرے نانا جی میاں مہرالدین جو کئی سال گزرے وفات پا چکے ہیں مجھ سے ملنے مسجد چینیانوالی آئے وہاں جب حضرت سے تلاوت و مشق میں قرآن سنا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ حالانکہ نانا جی مرحوم سادہ سے دیہاتی آدمی تھے۔ انہوں نے اپنی سادگی میں حضرت الاستاذؒ کی تلاوت سن کر یہ تبصرہ کیا کہ بیٹا تیرے استاذ صاحبؒ اور سید عبدالغنی شاہ صاحبؒ جیسا قرآن میں نے کہیں نہیں سنا۔ یہ نانا جی کا سادہ سا تبصرہ تھا کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی تلاوت قرآن بہت پرسوز و پردرد ہے جس کی وجہ سے مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور بے اختیار آنسو آنکھوں سے جاری ہوگئے۔ بعد میں بہت خوش ہوئے اور کہا کہ بیٹا! اپنے استاذ صاحب کی خوب خدمت کرو اور ان سے ایسا قرآن پڑھنا سیکھو جیسے وہ خود پڑھتے ہیں۔ میں چھٹیوں میں جب گھر جاتا تو نانا جی مجھ سے قرآن شریف سنتے اور بہت خوش ہوتے اور انعام سے نوازتے۔

یہاں میں عرض کرتا چلوں کہ ہمارے حضرت الاستاذؒ کی تلاوت عام قراء کی تلاوت جیسی نہ تھی بلکہ آپ کی تلاوت اہل دل محسوس کرتے گویا حضرت تلاوت قرآن معنی پر نظر رکھ کر فرما رہے ہیں اور دل گدازی اور دل کی گہرائیوں سے اور سچے جذبات کی شدت سے تلاوت فرما رہے ہیں یہی وجہ تھی کہ اہل اللہ آپؒ کی تلاوت کو سن کر اشکبار ہو جاتے تھے۔ اس وقت حضرت الاستاذؒ کی بھی جوانی کا زمانہ تھا۔

اپنے معاصرین کا احترام بھی حضرت الاستاذ میں بہت دیکھا۔ راقم ان میں سے اکثر کو جانتا بھی ہے۔ مثلاً حضرت قاری عبدالوہاب مکی دامت برکاتہم' حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ ماڈل ٹاؤن والے' حضرت قاری محمد ذاکر صاحب دامت برکاتہم' حضرت قاری محمد شاکر صاحب دامت برکاتہم' حضرت قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی دامت برکاتہم' حضرت قاری عبدالعزیز شوقی صاحبؒ' حضرت قاری افتخار احمد عثمانی صاحبؒ حضرت قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتہم' حضرت قاری محمد افضل صاحب راولپنڈی والے اور حضرت قاری عبدالقادر بہاولپوری دامت برکاتہم ان تمام قراء کا ذکر حضرت قاری صاحب بہت عمدہ انداز میں کرتے اور ان کی خدمات قرآنی کے حد درجہ معترف تھے۔ یہ حضرات گاہے بگاہے حضرت الاستاذ سے ملنے چینیانوالی مسجد میں تشریف بھی لاتے تھے۔ علم تجوید و قراءت میں حضرت الاستاذ جس نمایاں اور ممتاز حیثیت کے حامل تھے وہ محتاج بیان نہیں۔ بیرون ملک بھی ان کی علمیت کو تسلیم کیا گیا۔ بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ ملائیشیا ۱۹۶۹ء اور بین الاقوامی مقابلہ حسن و قراءت منعقدہ مکہ المکرمہ ۱۹۸۴ء میں حضرت نے بطور منصف پاکستان کی نمائندگی کی۔

کچھ شاگرد ایسے ہوتے ہیں جو شروع ہی سے قابل فخر ہوتے ہیں۔ مجھے یاد ہے جب راقم حضرت سے چینیانوالی مسجد میں زیر تعلیم تھا تو حضرت قاری محمد ادریس عاصم اس وقت درجہ حفظ میں پڑھتے تھے اس کے علاوہ قاری عبدالعزیز رام گڑھی مرحومؒ ان دونوں کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ درجہ حفظ کی پڑھائی کے دوران ہی حضرت کا تعلیمی

فیضان ان دونوں کی جانب متوجہ ہوا حضرت الاستاذ خاص طور پر انہیں مشق کراتے کیونکہ یہ دونوں حضرات آواز اور لہجہ میں نمایاں ہونے کے علاوہ ادائیگی میں بھی نہایت مضبوط تھے۔ جب حضرت ان کو مشق کراتے تو بارہا ان دونوں کے متعلق تعریفی کلمات منہ سے نکلتے اور طلباء کی بھی سبحان اللہ کی صدائیں بلند ہوتیں۔

کیا کیا باتیں بیان کروں حضرت کا جماعت اہلحدیث پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ قراء کرام کی ایک بھرپور کھیپ جماعت اہلحدیث میں تیار کر گئے جو بہت قابل فخر کارنامہ ہے جن میں چیدہ چیدہ نام یہ ہیں۔ حضرت قاری محمد یوسف میر محمدی صاحبؒ۔ حضرت قاری نور احمد اوکاڑوی۔ حضرت قاری عبدالشکور برق قصوری صاحب' حضرت قاری محمد زاہد صاحب' حضرت قاری محمد یحییٰ رسولنگری صاحب' حضرت قاری محمد عزیر صاحب لاہوری' قاری محمد عابد پتوکی والے اور خصوصاً حضرت الحاج حافظ القاری محمد ادریس عاصم لاہوری فاضل مدینہ یونیورسٹی بہت قابل ذکر ہیں۔ اب میں یہاں کچھ نکات حضرت الاستاذ علیہ الرحمتہ کے انداز تدریس کے متعلق تحریر کروں۔

پہلے میں تحریر کر آیا ہوں کہ حضرت کا انداز تدریس بہت آسان تھا کتاب پڑھانے کے اس سہل طریقے کی وجہ سے غبی سے غبی طالبعلم بھی سبق کو باسانی یاد کر لیتا۔ اور کتاب کے امور ایسے عام فہم اور وضاحتی طریقہ بیان کو سموئے ہوتے کہ سبق کو دہرانے کی ضرورت نہ پڑتی اور وہ دوران درس ہی دماغ میں جاگزیں ہو جاتا۔ مشق کرواتے ہوئے حضرت کو جس قدر اپنے طلباء کے ساتھ جان مارتے دیکھا وہ حیران کن بھی تھا اور قابل تعریف بھی۔ حضرت تمام عربی و مصری لہجوں پر مکمل عبور رکھتے تھے۔ لیکن حضرت کا قابل تعریف وصف یہ تھا کہ جو طالب علم بھی حضرت کے سامنے مشق کے لئے بیٹھتا اس کی آواز جس لہجے کے زیادہ قریب اور ملتی جلتی ہوتی اسے اسی لہجے میں مشق کراتے اور زبردستی کوئی لہجہ اس پر ٹھونسنے کی کوشش نہ کرتے۔

ایسے ہی مشق کرواتے وقت وہ حروف جن کی ادائیگی میں ہونٹوں کا کوئی تعلق نہ ہوتا اور طالب علم انہیں ادا کرتے ہوئے ہونٹوں کو حرکت دیتا تو منع فرماتے کہ ان حروف کی ادائیگی میں ہونٹوں کا کیا دخل ہے؟ اسے تنبیہہ فرماتے اور اگر اس کی عادت ترک نہ ہوتی تو فرماتے کے آئینہ سامنے رکھ کر مشق کیا کرو اور یہ عادت ختم کرو۔

اگر کوئی طالبعلم ایک ہی طرح کے حروف کو ادا کرتے ہوئے ایک حرف کو صحیح اور دوسرے کو نرم پڑھتا تو فوراً علامہ جزریؒ کے شعر کا یہ مصرع پڑھتے "واللفظ فی نظیرہ کمثلہ" یعنی لفظ اپنی نظیر میں اپنی ہی مثل ہے۔

گو حضرت الاستاذؒ ہم سے جدا ہوگئے لیکن ان کے تلامذہ جو بہت زیادہ تعداد میں خدمت قرآن میں موجود ہیں اور حضرت الاستاذؒ کی شاندار تصانیف دونوں آپ کے لئے تاقیامت صدقہ جاریہ بنیں رہیں گے۔ انشاء اللہ۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چند سطور کو قبول فرمائے اور حضرت الاستاذ علیہ الرحمتہ کی قبر کو منور فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

□□□

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

از :- قاری محمد خالد محمود

قانون قدرت ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض افراد کو ایسے حالات و اوقات میں پیدا فرماتے ہیں اور پھر مشیت الٰہی ان سے اپنی دین کی توضیح و تشریح اور خدمت کا ایسا کام لے لیتی ہے جو ہم جیسے انسانوں کی نگاہ کوتاہ بین کے مطابق بڑی حیرت انگیز اور اچنبھے کا فعل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن تاریخ اسلامی کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اکابرین امت اور سلف صالحین کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے جو ہر شخصیت اپنی ذات میں انجمن تھی۔ ایسی ہی ایک شخصیت میرے استاذ محترم حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ تھے جن کو اسلاف کی شاندار روایات بے مثال خطیب اور اسی سلف صالحین کا نمونہ کہا جا سکتا ہے۔

بے مثال خطیب، اسلام کے پرجوش و پرعزم داعی، مفسر قرآن، استاذ علوم حدیث، فقہی امور کے ماہر، اور سب سے بڑھ کر علوم قراء ت میں اس علم کا چلتا پھرتا انسائیکلو پیڈیا اخلاق کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ مقام کے حامل، تاریخ قراء ت و تاریخ اقوام عالم بالخصوص تاریخ اسلامی، شعر و ادب، صرف و نحو، منطق و فلسفہ غرض کون سا میدان ایسا تھا جس میں حضرت استاذ الکریم نے اپنی علمیت کو مسلم الثبوت نہ کر کے دکھایا۔ بے شک قراء ت میں ان کے بے تحاشہ شاگرد ہیں اور بندہ عاجز بھی اس سعادت میں شریک ہے لیکن بہت سے نامور شاگرد ان کے علوم عربیہ، علوم فقہ اور علوم الحدیث میں ہیں جو نہ جانے کہاں کہاں حضرت سے فیض یاب ہو کر ان کے توشہ آخرت میں اضافے کا سبب ہو رہے ہوں گے۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

میرا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو اپنے دین کے کام کے لئے منتخب فرماتا ہے اس کے لئے راہیں کھولتا چلتا جاتا ہے۔ حضرت استاذ الکریمؒ کی زندگی پر نظر ڈالیں تھانہ بھون کے ایک متوسط مگر معزز گھرانے میں پیدائش، مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں حکیم الامت حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانویؒ کے زیر سایہ ابتدائی تعلیم کا حصول، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اجل علماء سے حصول علم، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی، حضرت مولانا قاری سعید اجراڑویؒ حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحبؒ سابقہ ناظم مظاہر العلوم جیسی علم پرور شخصیات سے حضرت استاذ الکریمؒ کی علمی شخصیت میں مزید نکھار اور پھر سب سے آخر میں علم قراء ت میں امام فن حضرت المقری استاذ الاساتذہ قاری عبدالمالک صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب علم قراء ت، یہ تمام اساتذہ کی روشن تر لڑی ایک نعمت غیر مترقبہ نہیں تو اور کیا ہے۔

اس قدر علمی خزانوں سے بہرہ مند ہو کر جب استاذ الکریمؒ مسند تدریس پر رونق افروز ہوئے تو کیا کیا گوہر بے

بہا انہوں نے اپنے تلامذہ میں لٹائے ہوں گے اس کا اندازہ حضرت کے تلامذہ بخوبی کرتے ہیں۔

میں اپنے متعلق کسی ظنی گمان کے بغیر سمجھتا ہوں کہ میں نے استاذ الکریم سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جس قدر محنت حضرت نے میرے ساتھ فرمائی وہ بھی میں بخوبی جانتا ہوں۔ اور صرف مجھ پر ہی کیا موقوف ہے حضرت استاذ الکریمؒ کا تو وطیرہ تھا کہ اپنے شاگردوں پر اس قدر محنت فرماتے کہ جو بیان سے ماورا ہے۔ الحمدللہ کوئی فخروالی بات نہیں علم کے وسیع و عریض میدان میں اب بھی اپنے آپ کو طفل مکتب سمجھتا ہوں۔ اور جو کچھ حاصل کرپایا ہوں اسے اپنے محسن استاذ کریمؒ کا حسن نظرو حسن توجہ کا کمال سمجھتا ہوں۔ اس آفتاب علم کی کرنوں سے بے تحاشہ مہتاب روشن ہوئے جن میں حضرت مولانا قاری محمد ادریس عاصم لاہوری صاحب' حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن ڈیروی صاحب' حضرت مولانا قاری عبدالباعث سواتی صاحب' حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب' قاری بزرگ شاہ صاحب الازہری' حضرت مولانا قاری حاجی محمد صاحب اور نہ جانے اور کس قدر نام ہیں کہ لکھنے پر آؤں تو صفحات کے صفحات بھر جائیں۔

حضرت استاذ الکریمؒ کے اسباق کا بیان نہایت دل آویز ہوتا ایسا عام فہم اور جامع' ادب کا نمونہ کہ اگر کوئی شخص ہو بہو ضبط تحریر میں لے آئے تو بغیر کسی کدوکاوش کے کتابی شکل دے لینا دشوار نہ ہو۔ جیسا کہ ہوا بھی کہ حضرت استاذ الکریمؒ کے ایک شاگرد موصوف نے حضرت استاذ الکریمؒ کے فوائد مکیہ کے درس تمام نوٹ کئے اور بعد از فراغت کچھ ترمیم و اضافے کے بعد اپنے نام سے چھپوا لئے یہ حواشی فوائد مکیہ خوب مقبول ہوئے اور خوب فروخت ہوئے۔ لیکن وہ صاحب ان حواشی کے علاوہ کوئی اور کتاب منظرعام پر تصنیف کر کے نہ لا سکے۔ یہاں یہ بات واضح کرتا چلوں کہ ان صاحب کتاب موصوف نے اجل اساتذہ کرام کی جو تحقیر کی وہ کسی طرح بھی مناسب نہ تھی ان بے سروپا باتوں سے بعض لوگوں کو یہ بلاوجہ وہم ہوا کہ حضرت استاذ الکریمؒ کی ذات بھی اس عمل تحقیر میں ملوث ہے جس سے بعض حضرات کے اذھان پراگندہ بھی ہوئے۔ حالانکہ حضرت استاذ الکریمؒ کی ذات ان حقارت آمیز چیزوں سے بہت ماوارا تھی۔ اپنے ہم عصر ساتھیوں کا ادب اور احترام جس قدر ہم نے استاذ الکریمؒ میں دیکھا شاید ہی کسی میں اس قدر یہ جذبہ موجود ہو۔ ہمارے سامنے کی بات ہے کہ بارہا حضرت کے ساتھی ملنے کے لئے تشریف لاتے تو ان کی بہت عزت و تکریم فرماتے۔ بلکہ اس پر ہی کیا موقوف ہے اپنے سے چھوٹوں اور اپنے شاگردوں سے بھی عزت و احترام والا معاملہ فرماتے۔

حضرت استاذ الکریمؒ کی ایک خوبی یہ دیکھی کہ اپنے شاگردوں کی رہنمائی اور اصلاح کا کام ان کی فراغت علم کے بعد بھی جاری رکھتے کوئی غلط عادت یا تسامح اپنے تلامذہ میں محسوس کرتے تو ایسے لطیف انداز میں اسے سمجھاتے کہ اس کی سمجھ میں بات بھی آجاتی اور دیگر حضرات جو محفل میں موجود ہوتے ان کے لئے بھی نصیحت کا باعث ہوتی۔

اس سلسلے کا ایک واقعہ تحریر کرتا ہوں کہ کاروبار میں مشغولیت کی وجہ سے ایک بار رمضان شریف میں قرآن نہ سنایا رمضان کے بعد حضرت استاذ الکریم سے ملنے کے لئے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار حاضر ہوا تو فرمانے لگے "ارے بھئی علامہ (حضرت استاذ الکریم مجھے مزاحا" علامہ فرمایا کرتے تھے) اس مرتبہ مصلی سنایا میں نے عرض کی نہیں حضرت کاروباری مشغولیت کی وجہ سے اس مرتبہ قرآن نہیں سنایا فرمانے لگے ہاں بھائی علامہ تو بڑا آدمی ہو گیا ہے اب قرآن سنانے کی کیا ضرورت؟ نہ جانے حضرت کے الفاظ میں کیا تھا مجھ پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ حضرت کی محفل سے اٹھ کر گیا تو دل میں مصمم ارادہ تھا کہ اگلے رمضان میں چاہے کیسے حالات ہی کیوں نہ ہوں قرآن ضرور سناؤں گا۔ دو ایک مسجدوں میں اور دوستوں سے بھی کہہ دیا کہ میرے لئے جگہ کا خیال رکھیں۔ خیر اگلا رمضان آیا حضرت استاذ الکریمؒ حسب معمول عشرہ آخیرہ میں شبینہ میں شریک کے لئے محترم دوست قاری عظیم جان کے آئے مجھے موجود نہ پا کر قاری عظیم جان سے دریافت فرمایا بھئی وہ قاری خالد نظر نہیں آرہا قاری عظیم جان نے عرض کیا حضرت وہ اس مرتبہ قرآن سنا رہے ہیں۔ یہ سن کر حضرت استاذ الکریم بہت خوش ہوئے اور بہت دعائیں بھی دیں۔

جامعہ قاسمیہ شادباغ لاہور میں مقابلہ حسن قراءت ہوا۔ وہاں استاذ الکریمؒ بطور مہمان مدعو تھے اور حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ بھی تشریف لائے۔ دوران مقابلہ نماز کا وقت ہوا تو حضرت استاذ الکریمؒ نے حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ سے درخواست کی کہ امامت کروائیں حضرت مولاناؒ نے حضرت استاذ الکریمؒ کو مصلیٰ کی طرف آگے کرتے ہوئے فرمایا "قاری صاحب آپ کے ہوتے ہوئے ہمیں زیب نہیں دیتا کہ ہم نماز پڑھانے کے لئے آگے بڑھیں۔"

اسی طرح راقم کی بہن کی شادی تھی حضرت استاذ الکریم اور حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحب دونوں تشریف لائے اس وقت بھی احترام و تعظیم کا یہی جذبہ دیکھنے میں آیا۔ آخر نکاح حضرت استاذ الکریم نے پڑھایا اور دعا حضرت مولانا عبیداللہ انور صاحبؒ نے کروائی۔

حضرت استاذ الکریمؒ کی مشق بھی ایک زبردست امتحان ہوتا تھا۔ مخارج' صفات' لفظوں کی خوبصورتی' لحون عربیہ ہر چیز پر بے انتہاء زوروں پر اور پھر اس کے ساتھ ساتھ چہرے کے تاثرات نہ بگڑنے پائیں کانوں پر ہاتھ نہ رکھے جائیں تلاوت بغیر تکلف کے ہو ایسی چیزیں تھیں کہ ہر ہر آیت میں بار بار روک ٹوک اور تصحیح ہوتی۔ لفظوں کو ان کے مخارج اور ان کی صفات کا خیال رکھتے ہوئے پوری قوت سے ایسے ادا کرنا کہ لفظ مکمل خوبصورتی کا مرقع محسوس ہوں۔ فرمایا کرتے تھے قرآن قوت والی کتاب ہے اس کو قوت سے ہی پڑھنا چاہیے' کبھی فرماتے قرآن خوبصورت کتاب ہے اسے چہرہ بگاڑ کر نہ پڑھو۔ ناک میں پڑھنے والوں کو فوراً تنبیہہ فرماتے کوئی طالبعلم ناک میں پڑھتا تو اس کی ناک پکڑ لیتے فرمایا کرتے تھے کہ ناک پکڑ کر مشق کیا کرو اس طرح جن حروف کو محسوس کرو کہ ان کی آواز میں ناک کا دخل ہو رہا ہے تو اس پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ کبھی فرمایا کرتے آئینہ سامنے رکھ کر مشق کیا کرو

تاکہ چہرے کے تاثرات کے بگڑنے پر قابو پا سکو۔ عموماً یہ دیکھا کہ چھوٹے بچوں کو حجازی لہجے میں مشق کراتے فرمایا کرتے تھے کہ حجازی لہجے کو بچے زیادہ جلدی قبول کر لیتے ہیں۔ ایک مرتبہ راقم حضرت استاذ الکریمؒ کی خدمت میں حاضر تھا کہیں سے کسی صاحب کا خط آیا کہ تلاوت کرتے ہوئے سانس بہت جلدی ختم ہو جاتا ہے جواب تحریر فرمایا کہ سانس کو پہلے اچھی طرح پھیپھڑوں میں بھر لو اور بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا خرچ کرو اس کی پریکٹس کرتے رہو گے تو اس پر عبور بھی ہو جائے گا۔ صبح کو اٹھ کر کچھ سیر وغیرہ اور ہلکی پھلکی ورزش کر لیا کرو اس سے بھی پھیپھڑوں کی صلاحیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس چیز پر حضرت استاذ الکریمؒ کا خود بھی ساری زندگی عمل رہا علی الصبح سیر اور ورزش حضرت کے معمولات میں شامل تھے۔

قرآن سننے کا ذوق بھی اللہ نے حضرت استاذ الکریمؒ کو خوب خوب دیا تھا محافل قراءت میں شریک ہوتے تو گھنٹوں نہایت انہماک اور توجہ سے قرآن سنتے۔ تلاوت سن کر بارہا اشکبار ہو جاتے۔ ایک مرتبہ میں حاضر ہوا تو حضرت حرم شریف کی اذان کا کیسٹ سن رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ اسی طرح زمانہ طالب علمی کا واقعہ ہے برسات کا موسم تھا بادل خوب گھر کر آئے ہمارے ساتھی اور حضرت کے ایک اچھے تلمیذ قاری بزرگ شاہ نے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور میں واقع مسجد میں بیٹھ کر قرآن شریف کا ایک رکوع پڑھا۔ حضرت استاذ الکریمؒ اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے اور آنکھوں سے بے تحاشہ آنسو رواں تھے۔

قرآن خود بھی ایسا پڑھتے کہ لوگ دل تھام لیتے۔ آیات قرآنی کو موقع محل اور وقت کی مناسبت سے ایسے خوبصورت طریقے سے پڑھتے کہ یوں محسوس ہوتا جیسے اس وقت اور اس تقریب کی اس سے زیادہ اچھی منظر کشی اور تشریح و توضیح ان آیات قرآنی کے علاوہ اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ بے تحاشہ لہجوں پر عبور' بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ حضرت کے لئے تمام لہجے پانی کی مانند تھے۔ ہر وقت نوک زباں' لحون عربیہ اور مصریہ کے بادشاہ حجازی' عشاقی' حسینی' مایہ' سیکا' مصری غرضیکہ کون سا لہجہ ایسا تھا جس میں بے تکلف نہ پڑھتے ہوں۔ مقابلے' نمود و نمائش اور اپنے کو بڑا قاری اور قراءت کا جاننے والا بنا کر اس نیت سے کبھی نہ پڑھتے ہاں لوگوں کے استفادے کے لئے اور لوگوں کو مختلف روایات و قراءت سے آشنا کرنے کے لئے اختلاف قراءت میں تلاوت کرتے اور بسا اوقات مزید معلومات فراہم کرنے کے لئے مختصر سی تاریخ اور تعارف علم قراءت کا بعد تلاوت کروا دیتے۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کے متعلق ایک بات ایک صاحب سے معلوم ہوئی کہ زبان تلاوت قرآن کریم میں اس قدر مشغول ہو چکی تھی کہ حاجات ضروریہ سے فراغت کے لئے جاتے تو زبان کو تلاوت سے روکنے کے لئے ہاتھ سے تھام لیتے یا پھر دانتوں تلے دبا لیا کرتے۔ حضرت استاذ الکریمؒ کو بھی ہم نے دیکھا کہ تلاوت قرآن حکیم کو ہر دم ورد زبان رکھتے (بلکہ حافظ ہو یا غیر حافظ سب کو یہ تاکید ضرور کرتے کہ قرآن شریف کو روز پڑھنے کا معمول بناؤ) قرآن پر وسعت نظر اور مطالعہ اس قدر عمیق تھا کہ بارہا واقعات و حالات کے متعلق فی البدیہہ آیات

قرآنی یا اس کے تراجم کا حوالہ دیتے۔

حضرت استاذ الکریمؒ میں یہ صلاحیت بھی دیکھی کہ کسی بھی شخص کی خداداد صلاحیتوں کو فوراً بھانپ لیتے۔ ایک مرتبہ راقم حضرت قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم کے مدرسے میں حضرت استاذ الکریمؒ کے مدرسے میں حاضر ہوا حضرت ایک بہت چھوٹے سے بچے کو مشق کرا رہے تھے عمدہ حجازی لہجے میں سورۃ والتین کی مشق کرائی۔ بچہ بھی ماشاء اللہ ذی فہم تھا آواز و ادائیگی پر گرفت بہت عمدہ تھی۔ حضرت مشق کرا کے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا حضرت اس بچے میں علوم تجوید کے خداداد آثار نظر آتے ہیں فرمانے لگے ہاں یہ بچہ واقعی ان صلاحیتوں کا مالک لگتا ہے اس پر تھوڑی سی محنت کی جائے تو نہایت عمدہ پڑھنے والا قاری بن سکتا ہے۔ حضرت کی یہ خوبی بھی دیکھی کہ جواہر کی پہچان کر لیا کرتے تھے یوں تو ہر طالبعلم کے ساتھ محنت فرماتے لیکن جن میں کوئی خوبی دیکھتے ان پر خصوصی توجہ ہوتی تھی اور ان کو بنا سنوار کر ایسا گوہر آبدار بناتے کہ وہ لوگوں کے سامنے علمیت کی جیتی جاگتی تصویر بن جاتے۔

حضرت استاذ الکریمؒ کا چہرہ' جثہ اور عادات سب بارعب' باوقار اور متانت کا مرقع تھیں۔ آپ کی مجلس علمی اور ادبی ہوتی کوئی شخص لغو بات نہیں کر سکتا تھا۔ کبھی کوئی علمی ابحاث ہوتیں تو حضرت بولتے وگرنہ خاموش رہتے۔ انجان آدمی سے کوئی مذاق وغیرہ نہیں کرتے تھے لیکن بے تکلف حضرات سے مذاق وغیرہ بھی فرماتے مگر یہ مذاق شائستگی کی حدود سے باہر نہیں ہوتا تھا۔ نہایت خود دار اور غیرت مند کسی کا احساس لینا گوارہ نہ کرتے عموماً استاذ شاگرد کا رشتہ نہایت نیاز مندانہ ہوتا ہے۔ لیکن اس میں بھی متانت کو مد نظر رکھتے۔ ھدیے اور تحفے اور کسی قسم کی فرمائش شاگردوں سے کرنا بہت دور کی بات تھی۔

۱۹۸۸ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے آپ کی دینی اور خصوصاً قراءت کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے تمغہ برائے حسن کارکردگی کے اعزاز سے نوازا گیا جب تمغے کا اعلان ہوا اور اخبارات میں پڑھا تو جمعہ کا دن تھا حاضر خدمت ہوئے جمعہ حضرت استاذ الکریمؒ کی اقتداء میں پڑھا۔ نماز کے بعد لوگ حسب دستور حضرتؒ کے پاس آکر بیٹھے۔ ایک صاحب نے عرض کیا قاری صاحبؒ مبارک ہو حکومت نے آپ کی خدمات پر آپ کو تمغہ حسن کارکردگی کا حقدار گردانا۔ جواباً فرمایا! بھائی اس تمغے کی کیا بات کرنی۔ اصل تمغہ تو وہ ہے جو روز قیامت اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا بس وہ مل جائے تو کافی ہے۔ پھر کسی چیز کی حاجت نہیں۔

اس کے بعد جب ٹی وی پر تمغہ دینے کی تقریب دکھائی گئی تو راقم نے بھی یہ تقریب دیکھی۔ حضرت قاری صاحبؒ اپنے مخصوص پاکستانی لباس جناح کیپ' شیروانی پہنی ہوئی بہت باوقار انداز میں آئے۔ اناؤنسر نے حضرت کا تعارف اور تصانیف وغیرہ کے متعلق بتایا۔ دیگر لوگوں نے نہایت نیاز مندانہ انداز میں جھک جھک کر صدر موصوف کو سلام کئے لیکن حضرت نہایت باوقار انداز سے آگے بڑھے تھوڑا سا گردن کو خم کیا اور تمغہ پہنے کے بعد باوقار انداز

میں مصافحہ کر کے واپس لوٹے۔ اس تقریب میں اسی طرح کا باوقار انداز مشہور عالم مولانا متین ہاشمی صاحبؒ نے بھی ملحوظ خاطر رکھا۔ ان دو حضرات نے دیگر لوگوں کی طرح جھک جھک کر فرشی سلام نہ کئے۔

۱۷ / دسمبر ۱۹۹۱ء مطابق ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ بروز منگل کا دن جب حضرت استاذ الکریمؒ ہم سے جدا ہوئے۔ علم و عرفان کی دنیا کے لئے قیامت صغریٰ' تجوید و قراءت کے متوالوں کے لئے گھٹا ٹوپ اندھیرا' درس قرآن اور مقتدی حضرات و دیگر صحبت فیض یافتہ کے لئے چشمہ علمی کا خشک ہونا ثابت ہوا۔ وہ علمی صحبتیں' علمی ابحاث' شفقت و محبت' انداز تدریس سب اب صرف دماغ کے پردہ سیمیں پر نقش ہی رہ گیا۔ چشم وا سے اب یہ نظارے نظر نہ آئیں گے۔

ے اب ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لے کر

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے شیخ محترم' استاذ المکرم' مجسمہ شفقت و محبت اور پیکر علم و عرفان کو جنت کے بلند درجات عطا فرمائے اور جیسی عظیم الشان خدمت قرآن حضرت استاذ الکریم کر گئے اس کی بہترین جزاء اللہ تعالیٰ اپنے خزائن سے انہیں عطا فرمائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم

□□□

حضرت شیخ کی کچھ یادیں کچھ باتیں

قاری نور احمد صاحب

مدرسہ تجوید القرآن جامع مسجد اہلحدیث چینیانوالی میں ۱۹۵۹ء میں تجوید پڑھنے کے واسطہ حضرت استاذ القراء والمجودین شیخ الشیوخ المقری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ کی خدمت میں حاضر ہوا ظہر کی نماز کے بعد حاضری ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضرت استاذ مدرسے میں موجود نہیں ہیں بلکہ کراچی گئے ہوئے ہیں۔ حضرت استاذ المحترم قاری محمد صدیق صاحب دامت برکاتھم موجود تھے انہوں نے راقم کو داخل کیا۔ حضرت استاذ المکرم چونکہ موجود نہ تھے لہٰذا پڑھانے کا کام حضرت قاری صدیق لکھنوی صاحب مدظلہ العالی کے سپرد تھا۔ داخلے کے بعد پہلے دن مدرسہ آیا تو استاذ محترم حضرت قاری صدیق صاحب نے سورۃ الفاتحہ کی مشق کرائی گیارہ دن تک سورۃ الفاتحہ کی مشق ہی ہوتی رہی۔ اس کے بعد سورۃ الناس کی مشق شروع کرا دی سورۃ الناس کی مشق کو چوتھا دن اور مدرسے میں داخل ہوئے پندرواں دن تھا جب حضرت شیخ مدرسے تشریف لے آئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب شیخ تشریف لائے تو میں ہی حضرت استاذ قاری صدیق صاحب سے مشق کر رہا تھا۔

حضرت شیخ کے آجانے کے بعد ان سے پڑھنا شروع کر دیا۔ آپ کا پڑھانے کا انداز اللہ اللہ ایسا اچھا اور سہل کہ حضرت شیخ سبق پڑھا رہے ہیں اور سبق ذہن نشین ہوتا جا رہا ہے۔ تکرار یا مذاکرے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ محبت و شفقت اس قدر کہ شیخ سے سبق پڑھ لیا کلاس ختم ہوگئی شیخ گھر تشریف لے گئے لیکن رات کاٹنی دو بھر ہوتی منتظر ہی رہتے کہ کب دن آئے اور اپنے محترم شیخ کی خدمت میں حاضر ہوں اور استفادہ کریں۔ دوپہر کو کھانے کا وقفہ ہوتا تو حضرت شیخ بلوا لیتے حکم ہوتا پیر دباؤ میں حکم کی تعمیل میں لگ جاتا تھوڑی ہی دیر بعد فرماتے کم بخت کچھ پڑھ بھی لیا کر اور پھر مشق کروانی شروع کر دیتے بعض اوقات حکم ہوتا حدر سناؤ۔ بعض اوقات اس دن کا سبق یاد کروا دیتے اور بارہا جزری زبانی سنتے۔ ہر دم اور ہر لمحہ طالبعلم کی بھلائی اور تعلیم کے متعلق سوچنا میرے عظیم المرتبت شیخ کا ہی خاصہ تھا۔

حضرت کے حدر پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد جہاں سے طلباء نے پڑھنا ہوتا وہاں سے بعض اوقات پورا رکوع بھی پڑھتے اور پھر طلباء سے ترتیب وار حدر اسی انداز سے سننا۔ طالبعلم پڑھ رہا ہے غور سے حدر سن رہے ہیں کوئی غلطی آگئی تو زور سے ہونہ کیا۔ اگر تو لڑکے نے غلطی نکال لی تو فبھا ورنہ دوبارہ غلطی ہونے کی صورت میں اس کو بہت وضاحت سے سمجھانا پڑھ کر بتانا کہ تم نے ایسے پڑھا جو غلط ہے اور پھر صحیح طریقے سے پڑھ کر بھی بتانا۔

لڑکے کو حدر اور مشق کرائی اور اس کی آواز جس لہجے کی طرف باسانی مائل ہوتی نظر آئی اس کو اسی لہجے میں پڑھا دیا۔ اپنا کوئی مخصوص لہجہ قرار دے لینا اور پھر اس کو اپنے شاگردوں پر زبردستی ٹھونسنا یہ حضرت شیخ کی عادت ہی نہ تھی۔

جس دن ہمیں سندات فراغت سے نوازا تھا۔ وہ ہفتے کا دن تھا۔ جمعرات کو چھٹی فرما کر گھر جانے لگے تو تمام طلباء کو فرمایا کہ تم میں سے کوئی گھر نہیں جائے گا سب یہیں موجود رہیں گے۔ جمعہ کی نماز کے بعد حضرت الشیخ مدرسے تشریف لائے۔ زور سے آواز دے کر مدرسے کے منشی صاحب کو بلایا اور فرمایا بھئی ان لڑکوں کو چائے پلاؤ کل یہ فارغ ہو رہے ہیں۔ اس دن شیخ کافی دیر ہمارے پاس بیٹھے رہے۔ اسی دوران یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ فارغ ہو کر جا رہے ہو مگر مجھے اپنی دعاؤں میں بھولنا نہیں۔ یہ بات کہنے کا انداز ایسا تھا کہ ہم اس کو آج تک بھلا نہیں پائے۔

ہفتے والے دن جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ بادل چھائے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی ہم بارہ فارغ التحصیل طلباء تھے حضرت شیخ سندات تقسیم فرما رہے تھے اور آنکھوں میں آنسو تھے۔

راقم جب رخصیت ہونے لگا تو بڑی عجیب باتیں فرمائیں فرمایا دیکھ غور سے سن جب تو مصلیٰ بچھا کر پڑھانے کے لئے بیٹھے گا تو برداشت اور حوصلے کا مادہ اپنے اندر پیدا کرنا ہوگا۔ دیکھ کہیں کسی کو ایسی لاٹھی نہ مارنا کہ ہڈی ہی توڑ ڈالے۔ بلکہ زیاہ زور زبانی زبر و توبیخ پر ہی دینا۔ اس کے بعد راقم ملازم ہوگیا ایک مدرسے میں جگہ مل گئی وہاں پڑھانا شروع کر دیا۔ پڑھاتے ہوئے تقریباً اٹھارہ دن ہو گئے تھے حضرت شیخ کی یاد ستائی تو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوگیا ظہر کی نماز مسجد چینیانوالی میں آکر پڑھی بعد از نماز ملاقات ہوئی ازحد شفقت فرماتے ہوئے حضرت شیخ نے مشق طلباء کو کروانے کا عمل موقوف فرما دیا اور مجھے بے تحاشہ نصائح فرمائے ایسے شاندار پند و نصائح کہ مجھے یقین ہوگیا کہ حضرت شیخ میری آئندہ تدریسی زندگی پر ہی یقین رکھتے ہیں۔

اس دوران مجھ سے دریافت فرمایا تیرے پاس کتنے لڑکے ہیں۔ عرض کیا حضرت شروع میں تین تھے اب بائیس ہوگئے ہیں۔ شروع میں تو مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کسی مدرسے میں نہیں بلکہ اجاڑ بیابان میں بیٹھا ہوا ہوں۔ میری بات سن کر فرمایا دیکھو اس صورت حال سے گھبرانا نہیں ہے جب میں کھڈ میں پڑھانے کے لئے گیا تو میرے پاس ابتدائی دنوں میں صرف ایک لڑکا پڑھنے آیا۔ بعد میں الحمدللہ اس تعداد میں اضافہ ہوا۔ ہر دم اللہ سے مدد طلب کرتے رہو۔ پھر دریافت فرمایا کتنی دیر پڑھاتے ہو۔ میں نے عرض کیا حضرت سکول کے بچے ہیں لہٰذا سکول کے اوقات کے علاوہ پڑھاتا ہوں۔ پوچھا فارغ اوقات میں کیا کرتے ہو۔ عرض کیا حضرت لیٹ جاتا ہوں۔ فرمانے لگے لیٹ کیوں جاتے ہوں منزل پڑھا کرو۔ کم از کم پانچ سپارے روز حدر سے پڑھا کرو۔ چونکہ قرآن شریف سے خود بھی عشق تھا لہٰذا وہی عاشقی والی صفات اپنے شاگردوں میں بھی دیکھنا پسند فرماتے تھے۔

اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ مجھ سے پوشیدہ لڑکوں کو میری طرف روانہ کرتے کہ دیکھ کر آؤ اس کا انداز

تدریس کیسا ہے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ ایسا مشفق استاذ اور نادر شخصیت کا مالک استاذ کسی ماں نے نہیں جنا ہے۔ ہمارا روایت حفص کا امتحان حضرت استاذ القراء قاری محمد شریف صاحبؒ نے لیا۔ مجھے معلوم نہ ہوا کہ حضرت شیخ بھی ہمراہ ہی بیٹھے ہیں حضرت قاری شریف صاحبؒ نے پوچھا حرف کی تعریف کیا ہے۔ میں نے دریافت فرمایا حضرت اردو میں بتاؤں یا عربی میں حضرت قاری شریف صاحبؒ نے فرمایا چلو پہلے اردو میں بتاؤ پھر عربی میں۔ لہٰذا میں نے اول اردو میں جواب دیا اور بعد ازاں عربی میں جواب دیا۔ جب عربی میں جواب دیا تو حضرت شیخ ہنس پڑے تب مجھے معلوم ہوا کہ شیخ محترم بھی موجود ہیں۔

فراغت کے ستائیس برس بعد کا واقعہ ہے ساہیوال میں میرے عزیز دوست قاری محمد یحییٰ رسولنگری کے مدرسے میں حضرت شیخ امتحان کے لئے تشریف لائے تو راقم کی بھی ملاقات ہوئی میں خدمت میں حاضر ہوا اور پیر دبانے لگ گیا۔ حکم فرمایا کچھ سناؤ میں نے عرض کیا حضرت کہاں سے پڑھوں۔ میرا جواب سن کر قاری یحییٰ صاحب نے مجھے کہنی ماری۔ حضرت نے قاری یحییٰ کا یہ عمل دیکھ لیا تنبیہ کے انداز میں فرمایا کیوں اس کو کہنیاں مار رہا ہے۔ ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے اس کو اپنے اوپر اعتماد ہے تبھی تو دریافت کر رہا ہے کہ کہاں سے پڑھوں۔ اس کے بعد میں نے تلک یمنک بموسی والا رکوع پڑھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس رکوع میں دو همزہ وصلی بھی آتے ہیں۔ الحمدللہ وہ میں نے بخوبی ادا کئے۔ میرے سے تلاوت سن کر فرمانے لگے بھائی میں نے ستائیس سال قبل جیسا تجھے پڑھایا تھا تم نے اپنے انداز اور معیار کو کماحقہ اسی طرح محفوظ رکھا ہوا ہے۔

دوران طالبعلمی میں نے حضرت شیخ کو حدر میں تین مرتبہ قرآن سنایا ہے سال اول میں ایک مرتبہ اور سال دوم میں دو مرتبہ اور ایک قرآن حضرت استاذ محترم قاری صدیق صاحب لکھنوی کو سنایا اس کے متعلق بھی حضرت شیخ نے ہی حضرت قاری صدیق صاحب کو فرمایا کہ آپ نور احمد کا حدر سنیں ایک مرتبہ حدر سنا رہا تھا پارہ صحیح طرح سے یاد نہ تھا حضرت شیخ سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے آنکھوں والے تو یاد کرلیں گے تو نابینا ہے اگر بھول گیا تو تجھے کون یاد کرائے گا۔ اس کے بعد سختی سے تاکید فرمائی کہ تم مجھے روزانہ حدر میں منزل سنایا کرو۔

حروف کے مخارج جب پڑھانے شروع کئے تو اس قدر سہل انداز میں پڑھائے اور سمجھائے کہ وہ ہمارے لئے نوک زباں ہوگئے۔ سمجھانے کا انداز بہت نرالا واؤ کا مخرج بتا رہے تھے تو فرمایا کہ اس میں ہونٹوں کو گول کس طرح کرنا ہے۔ جیب سے ایک چونی نکال کر میرے ہونٹوں کے درمیان رکھی اور اس کے بعد نہایت آہستگی سے نکال لیا اور فرمایا کہ دیکھو جیسے ہونٹ تم نے گول کئے ہوئے ہیں واؤ کی ادائگی میں بھی بعینہٖ ایسے ہی ہونٹ گول کرنے ہوتے ہیں۔ زمانہ طالب علمی میں میری ایک دوسرے ہم جماعت سے لڑائی ہوگئی اتفاقاً وہ بھی میری طرح نابینا تھا۔ اس لڑکے نے مجھے خوب مارا اور میں زخمی ہوگیا۔ دوسرے دن حضرت شیخ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو اس لڑکے پر سخت

ناراض ہوئے فرمانے لگے تو خود تو پڑھتا نہیں ہے اور محنت سے جی چراتا ہے اور جو لڑکے محنت کرنے والے اور پڑھنے والے ہیں ان کو تو مارتا ہے۔ حضرت شیخ کے الفاظ عجیب و غریب تھے آپ کا قیام تقریباً پانچ سال مسجد چینیانوالی میں رہا لیکن وہ لڑکا فارغ ہو کر سند فراغت حاصل نہ کر پایا۔

جب مقدمتہ الجزریہ پڑھائی تو ہم طلباء سے فرمایا کہ تم اگر پیسے اکٹھے کر کے دو تو میں مظاہر العلوم سہارن پور سے حضرت قاری سلیمان دیوبندیؒ کی شرح جزری فوائد مرضیہ منگوا دوں ہم تمام لڑکوں نے حضرت شیخ کو رقم اکٹھی کر کے دے دی تو حضرت نے ہمارے لئے فوائد مرضیہ کے نسخے انڈیا سے منگوائے۔

میں ایک مرتبہ اپنے گاؤں گیا ہوا تھا واپس آیا تو حضرت شیخ پڑھانے میں مصروف تھے میری آواز سنی تو مجھے کمرے میں بلوا لیا میں گاؤں سے دیسی گھی اور انڈے لایا تھا حضرت نے وہ مجھ سے لے لیں۔ دوسرے دن حضرت شیخ نے گھی کا ڈبہ واپس لا کر دیا خوب اچھی طرح دھلا ہوا ڈھکن کھول کر دیکھا تو اس میں ۱۰ روپے کا نوٹ موجود تھا جبکہ انڈوں اور گھی کی کل قیمت پانچ چھ روپے سے زیادہ نہ بنتی تھی میں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ نے رقم زیادہ دے دی ہے حضرت نے فرمایا بس چپ کرو اور پیسے رکھ لو۔ حضرت شیخ کی یہ عادت تھی کہ کسی کا حق کبھی نہیں رکھا۔ بلکہ دوسروں کی در پردہ اور کھلے بندوں مدد فرمایا کرتے تھے۔ حضرت شیخ بعض اوقات اپنے صاحبزادے بختیار احمد کو بھی مدرسے لے آتے ایک مرتبہ میں ان کو گود میں اٹھا کر باہر لے گیا اور کھانے کی کوئی چیز دلوا دی۔ بختیار صاحب جب حضرت شیخ کے پاس پہنچے تو پوچھا یہ چیز کہاں سے آئی انہوں نے میری جانب اشارہ کر دیا حضرت شیخ مجھ سے فرمانے لگے کیوں بھئی تم نے یہ پیسے کیوں خرچ کئے میں نے عرض کیا حضرت یہ ہمارے بھائیوں کی مانند ہے اگر کوئی چیز اس کو دلوا دی تو کوئی حرج نہیں۔ فرمایا تم تو خود یہاں وظیفے پر گزارہ کرتے ہو اور تنگی ترشی سے گزارہ ہوتا ہے آئندہ ایسا مت کرنا اور اس چیز کے پیسے مجھے باوجود انکار کے واپس کئے۔

میں ایک مرتبہ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا۔ تیز سے رنگ کی قمیض پہنی ہوئی تھی حضرت شیخ چپکے سے تشریف لائے اور میری قمیض اپنے ہاتھوں میں لے کر زور سے کھینچی اس کی وجہ سے قمیض پھٹ گئی۔ دوسرے دن حضرت نے مجھے فرمایا شام کو گھر آنا۔ اس زمانے میں حضرت پرانی انار کلی میں رہائش پذیر تھے شام کو میں حاضر ہوا تو اپنے پاس سے کپڑا لے کر مقدس مسجد کے نیچے درزی کی دکان میں مجھے لے گئے اور درزی کو کہا اس کا ماپ لو اور اس کے ناپ کا کرتہ سی دو۔ پھر مجھ سے فرمایا کل جو قمیض تو نے پہن رکھی تھی مجھے اس کا رنگ اچھا معلوم نہیں ہوا اس لئے میں نے وہ قمیض پھاڑ دی اس کے بدلے میں یہ قمیض سلوا کر تجھے دے رہا ہوں۔ تب مجھے معلوم ہوا کہ قمیض کس نے پھاڑی تھی۔ یہ شفقت و محبت کی ایک بے حد عمدہ مثال تھی۔

حضرت کے اپنے معاصر قراء سے بہت اچھے تعلقات تھے عموماً حضرت شیخ کے یہ ساتھی مدرسہ میں حضرت سے ملنے تشریف لاتے۔ حضرت بہت خوشدلی سے ان سے ملتے۔ مجھے یاد ہے ایک مرتبہ حضرت قاری عبدالقادر بہاولپوری

دامت برکاتہم تشریف لائے۔ تو مجھے بلوایا اور فرمایا قاری صاحب کو تلاوت سناؤ۔ میں نے قرآن شریف پڑھا تو بعد میں حضرت شیخ نے قاری صاحب سے فرمایا حضرت اس کے لئے آپ دعا بھی فرمائیں۔

قاری صدیق کیمل پوری جو کچھ عرصہ حضرت استاذ الاساتذہ قاری عبدالمالک صاحبؒ سے بھی پڑھے ہوئے تھے اور بعد میں حضرت شیخ سے فیض یاب ہوئے ان کو جب حضرت شیخ ہمارے ذریعے بلواتے تو فرماتے ان سے جا کر کہو اظہار نے بلایا ہے۔ یہ انکساری کی انتہا تھی۔ ہم سے یہ بات برداشت نہ ہوتی ایک دن میرے منہ سے نکل گیا حضرت آپ اپنے لئے جس طرح کا طرز تخاطب اختیار فرماتے ہیں وہ ہمارے لئے تکلیف کا باعث بنتا ہے۔ جواباً حضرت شیخ فرمانے لگے بھئی تم لوگوں کو کیوں ناگوار ہوتا ہے وہ میرے استاذ بھائی ہیں میرا اور ان کا آپس کا معاملہ ہے۔

جس دن میں نے حضرت قاری شریف صاحبؒ کو امتحان دینا تھا اس سے ایک دن قبل حضرت شیخ نے مقدمہ الجزریہ مع ترجمہ تین مرتبہ زبانی سنا۔

اسی طرح میں فارغ اوقات میں جزری بڑے موڈ میں حجازی لہجے میں پڑھ رہا تھا معلوم نہیں کب حضرت شیخ آکر میرے پیچھے کھڑے ہوگئے مجھے پتہ بھی نہ چلا ایک شعر میں بھول گیا تو حضرت شیخ نے مجھے لقمہ دیا اور پھر بعد میں اپنے کمرے میں لا کر مجھ سے دو تین مرتبہ مقدمتہ الجزریہ سنی۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت شیخ سے عرض کیا حضرت ذہن کام نہیں کرتا سبق یاد کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو بھول جاتا ہے۔ مسکراتے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی — فاوصانی الی ترک المعاصی

فان العلم نور من الٰہی — ونور اللہ لا یعطی لعاصی

اس کے بعد فرمایا سورۃ الفاتحہ کے ہمراہ رب زدنی علما کا عمل روزانہ اکتالیس مرتبہ کیا کرو۔

ایک مرتبہ دوران طالبعلمی مجھے مدرسہ سے وظیفہ ملنے میں تاخیر ہوگئی سب لڑکے اپنے گھروں کو چلے گئے میں رقم کی وجہ سے گھر نہ جا سکا شام کو حضرت شیخ پڑھا کر گھر تشریف لے جا رہے تھے مجھے دیکھا تو بلوایا اور پوچھا کہ گھر کیوں نہیں گئے ہو میں نے عرض کیا حضرت پیسے نہیں ہیں اور وظیفہ ابھی تک ملا نہیں۔ حضرت شیخ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور کچھ پیسے نکال کر میرے حوالے کئے کہ جاؤ گھر جاؤ۔ بعد ازاں میں گھر سے واپس آیا اور وظیفہ مجھے مل گیا تو میں رقم واپس کرنے کے لئے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے رقم لینے سے انکار فرما دیا اور فرمایا میں نے تمہارے سے لینے کے لئے پیسے تمہیں نہیں دیئے تھے۔

حضرت شیخ صرف شیخ القراء ات ہی نہ تھے بلکہ عربی ادب' صرف و نحو' تفسیر قرآن اور علوم حدیث پر بھی مکمل عبور رکتے تھے۔ ہمارے زمانہ طالبعلمی کے دوران کا واقعہ ہے جامعہ مسجد اہلحدیث چینیانوالی کے ساتھ واقع لڑکیوں

کے سکول کی ہیڈ مسٹرس نے کہلوایا کہ میں آپ سے قرآن شریف کا ترجمہ پڑھنا چاہتی ہوں۔ حضرت شیخ نے حامی بھر لی اور پھر ہم اکثر دیکھتے کہ کمرے کے درمیان میں ایک موٹا کپڑے کا پردہ لٹکا دیا جاتا اور اس کے ایک جانب حضرت شیخ بیٹھ جاتے اور دوسری جانب وہ ہیڈ مسٹرس خاتون اور اس طریقہ سے حضرت شیخ انہیں ترجمہ قرآن پڑھاتے۔
۱۹۷۰ء میں میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مدرسہ تجوید القرآن میں صدر شعبہ تجوید و قراء ت تھے۔ حضرت شیخ کے ترجمے سے آراستہ جزری چھپ کر اسی سال منظر عام پر آئی تھی دل تو بہت چاہ رہا تھا کہ ایک نسخہ خرید لوں لیکن اتفاق کی بات کہ میرے پاس رقم نہ تھی۔ حضرت نے چائے وغیرہ پلائی جب میں حضرت شیخ کے پاس سے چلنے لگا تو اپنے شاگرد کو چابی دے کر فرمایا بھائی تالہ کھول کر جزری نکالو۔ اور اس کے بعد وہ جزری مجھے عطا فرمائی اور فرمایا لو یہ میری طرف سے تحفہ رکھو۔ الحمدللہ وہ نسخہ میرے پاس اب تک محفوظ ہے۔

۱۹۹۱ء میں میں حضرت شیخ کو اپنے ہمراہ بصد اصرار اپنے مدرسے واقع عثمانوالہ قصور لے گیا۔ نہایت شفقت فرمائی اور وہاں تشریف لے گئے پورا گاؤں حضرت شیخ کے استقبال کے لئے اکٹھا ہوگیا۔ بعد ازاں حضرت نے وہاں تلاوت بھی فرمائی یہ حضرت کی کسی بھی محفل میں آخری تلاوت ہے یہ نومبر کا مہینہ تھا۔ ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کو حضرت شیخ نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔

آخری ملاقات حضرت شیخ سے مدرسہ تجوید القرآن میں ہوئی میں اپنے ایک شاگرد بچے کو حفظ کا امتحان دلوانے کے لئے حضرت شیخ کی خدمت میں لایا حضرت نے میری خواہش کا احترام فرماتے ہوئے اس بچے کا اسی وقت امتحان لیا اور خلاف توقع اسی وقت ہی اپنے پاس موجود حفظ کی سند پر کر کے سند سے اس بچے کو نوازا۔ اس ملاقات کا حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ ہم جو بات اور فرمائش کرتے چلے گئے حضرت شیخ اس کو پورا فرماتے رہے۔ اپنے ڈیسک میں سے برفی نکالی اور ہمارے سامنے رکھی پھر فرمانے لگے بھئی یہ میٹھی چیز کھا لی اب کچھ نمکین بھی ہو جائے۔ بعد ازاں نمکین کشمیری چائے منگوائی اور پھر کمال شفقت سے پان بھی ہمارے لئے منگوائے۔

اللہ اکبر یہ میری اپنے شیخ سے آخری ملاقات تھی۔ شیخ کی زندگی ہمہ وقت تدریس و مطالعہ میں صرف ہوئی آپ کی زندگی کا لب لباب یہ شعر کہا جاسکتا ہے۔ ؎

ہمیں دنیا سے کیا مطلب کتب خانہ ہے مکتب اپنا
مریں گے ہم کتابوں میں' ورق ہوگا کفن اپنا

شیخ محترم کی ساری زندگی اطاعت الٰہی سے بھرپور تھی۔ حضرت شیخ کی وفات کے بعد میری زندگی تو اس شعر کی مصداق ہے جو بہادر شاہ ظفر کے شعر میں تھوڑے سے تصرف کے بعد میں نے بنایا ہے۔ ؎

میرا رنگ روپ بگڑ گیا میرا شیخ مجھ سے بچھڑ گیا
جو چمن خزاں سے اجڑ گیا میں اس کی فصل بہار ہوں

حضرت شیخ کا علمی ذوق بہت بلند تھا۔ محفل میں جا کر کوئی بیٹھ جائے تو علمی لطائف' عربی' فارسی اور اردو کے اشعار اور اس پر حضرت شیخ کا سنانے کا اپنا مخصوص انداز ایسی چیزیں تھیں جو سامع کو اٹھنے کا موقع ہی نہ دیتی تھیں۔ بات بیان کرتے جا رہے ہیں پان کی ڈبیہ کھولی اور اس میں سے پان نکالا اس کے بعد چھالیہ کا بٹوا کھولا اس میں سے بڑی نفاست سے چھالیہ نکال کر پان پر رکھی الائچی کے دانے سجائے پھر تمباکو کی چھوٹی سی شیشی نکالی نہایت خوشبو دار تمباکو کو اس پر ڈالا اور منہ میں رکھا۔ اب جس کی طرف بھی منہ کر کے گفتگو فرما رہے ہیں اس کو حضرت شیخ کے منہ سے خوشبو آتی محسوس ہو رہی ہے۔ مزید یہ کہ حضرت شیخ نہایت عمدہ خوشبویات بھی استعمال فرماتے تھے گویا سراپا گل بنے رہتے تھے اب ایسی عمدہ وضع قطع خوشبو سے بسا ہوا وجود اور پھر اس پر نہایت عمدہ اور پاکیزہ گفتگو۔ کیوں نہ لوگوں کے دلوں پر اثر ہوتا۔ ایک مرتبہ اسی طرح محفل میں اپنی خوبصورت آواز میں یہ شعر پڑھے۔

الٰہی تبت من کل معاصی بالاخلاص الرجا الا الخلاصی
وفی کل شئی لہ ایتہ تدل علی انہ واحدو
ارب واحدا" ام الف رب ادین اذا تقسمتہ الامور و
ترکت اللات والعزی جمیعا کذلک یفعل الرجل البصیر و

آج حضرت شیخ ہم میں موجود نہیں ہیں لیکن ان کی باتیں' ان کی یادیں ان کے علمی جواہر پارے اور سب سے بڑھ کر ان کی دی ہوئی تعلیم قرآن بحمد اللہ دلوں اور ذہنوں میں محفوظ ہے۔

اپنے رب کریم سے عاجزانہ التجا ہے کہ وہ میرے شیخ محترم پر اپنی رحمتوں کا نزول فرمائیں اور اپنی بے پایہ عنایات ان کی لحد پر نازل فرمائیں۔ اور ان کو خادمین قرآن کی صف میں نمایاں مقام عطا فرمائے۔ آمین یارب ذوالجلال والاکرام۔

□□□

میرے مربی میرے استاذ

قاری عبدالرشید فاروقی صاحبؒ

آہ! میرے استاذ معظم نور اللہ مرقدھم آج بھی ان کی یاد میں میرا دل پھٹا جاتا ہے اور آنکھیں تر بہ تر ہو جاتی ہیں عزیزم عزیر احمد تھانوی صاحبزادہ حضرت شیخ القراء نور اللہ مرقدہ بضد ہیں کہ تو والد صاحبؒ کے متعلق کچھ لکھ مگر جب ارادہ کرتا ہوں تو آنکھیں بھیگ بھیگ جاتی ہیں جرات اور حوصلہ نہیں پاتا بڑی مشکل سے ہمت کی ہے۔ آنکھیں لیکن اب بھی نم برسا رہی ہیں۔

میں نے سکول، کالج اور مدارس عربیہ میں مختلف اساتذہ کرام سے مختلف علوم پڑھے ان میں ہر طبع و مزاج کے استاد ملے مگر حضرت قاری صاحبؒ جیسا مہربان، نرم خو، خوش مزاج، طلبا سے ہمدردی کرنے والا، ان میں اسلامی عادات پیدا کرنے والا اور خود اپنے عمل سے اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ پیش کرنے والا استاذ نہیں ملا۔

میرے سب بچے گرویدہ، میری اہلیہ جو مسائل میں سستی کا مظاہرہ بعض اوقات کر جاتی ہیں مگر جہاں میں نے یہ خوش خبری سنائی کہ حضرت قاری صاحبؒ گھر تشریف لا رہے ہیں تو گو وہ بیمار ہی ہوتی حضرت کے استقبال کے لئے مستعد ہو جاتی۔ حضرت قاری صاحبؒ کی تشریف آوری کچھ دیر کے لئے ہی ہوتی مگر میرے بچے ہفتوں ان کی باتیں کرتے اور ایک دوسرے کو ان کی کہی ہوئی باتیں یاد دلاتے۔

حضرت قاری صاحبؒ تھانہ بھون ضلع سہارنپور یو پی کے رہنے والے تھے۔ آپ کے والد حافظ اعجاز احمد تھانویؒ کی بھی زیارت کی ہوئی ہے اور گزشتہ سال ۱۹۹۰ء میں حضرت کے چھوٹے بھائی نسیم احمد تھانوی کے ہاں والدہ مکرمہ کی قدم بوسی بھی کی۔ حضرت کے چھوٹے بھائی (جو ماشاء اللہ امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے بڑے چہیتے شاگرد ہیں) قاری سرفراز احمد تھانویؒ صاحب مد ظلھم سے بڑی بے تکلفی رہی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ مظاہر العلوم سہارنپور کے فاضل اجل تھے۔ اساتذہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی صاحبؒ، امام الزھد و التقویٰ شیخ الحدیث مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری صاحبؒ، شیخ الحدیث مولانا عبدالشکور بہبودی صاحبؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مولانا محمد زکریا قدوسی صاحبؒ اور مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ سابقہ ناظم مظاہر العلوم کے نام نامی قابل ذکر ہیں جو اپنے وقت کے جبال العلم تھے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے یہ واقعہ حضرت مولانا طلحہ قدوسی خطیب جامع مسجد قدوسی سیٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ کے سامنے سنایا "کہ جب میں مظاہر العلوم سہارنپور میں داخلہ کے لئے گیا تو مولانا محمد زکریا قدوسی صاحبؒ نے ملا جامی کے مشکل ترین مقامات سے پوچھا تو میں نے فر فر جواب دیا اس پر حضرت بہت خوش ہوئے اور فرمایا کبھی جیب

خرچ وغیرہ چاہئے ہو تو مجھ سے لے لینا۔

حضرت شیخ سے چینیاں والی مسجد کے شعبہ تجوید میں تعلیم کے دوران ایک مرتبہ مجھے پنڈی جانا پڑا۔ تو حضرت شیخ نے مجھے فرمایا میرے مظاہر العلوم والی دورہ کی سند پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالشکور صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے دستخط نہیں ہیں وہ آج کل دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی میں ہیں۔ میری سند لے جانا اور ان سے دستخط کروا کے لے آنا۔ میں سند لے کر دارالعلوم تعلیم القرآن میں شیخ الحدیثؒ سے ملا۔ تو سند پر نظر ڈالتے ہی فرمانے لگے یہ وہی اظہار احمد لڑکا ہے جو ہمیں بروقت اور برجستہ اشعار سنایا کرتے تھے پھر حضرت شیخ الحدیثؒ نے چند اشعار سنائے اور فرمایا یہ اشعار میں نے ان سے سن کر یاد کئے ہیں۔

اس واقعے سے جہاں حضرت شیخ الحدیثؒ کی یادداشت اور حافظہ کی داد دینی پڑتی ہے وہاں حضرت شیخ القراء تھانویؒ کی غیر معمولی شہرت اور خداداد صلاحیتوں کی بھی داد دینی پڑتی ہے۔

بعد فراغت مظاہر العلوم پاکستان بنا تو حضرت شیخؒ لاہور تشریف لے آئے چھوٹی ہمشیرہ بھی ہمراہ تھیں۔ بعد ازاں والدین ماجدین اور چھوٹے بہن بھائی وغیرہ بھی لاہور پہنچ گئے۔ حضرت کی ایک بڑی بہن دہلی کے ایک شریف رئیس کے یہاں بیاہی گئیں، ان سے چھوٹی بخاری صاحب کے یہاں ہیں باب الاسلام کالونی کراچی میں ان کی رہائش ہے۔ حضرت شیخؒ کے بڑے سوتیلے بھائی جناب افتخار احمد تھانوی صاحب آج کل نارتھ ناظم آباد میں مع بال بچوں کے رہتے ہیں۔ اور چھوٹی بہن جن کو قاری صاحبؒ سے از حد لگاؤ تھا وہ عزیز بھٹی پارک میں محتشم الدین صاحب کے عقد میں تھیں حضرت شیخ کے انتقال کے صرف بیس روز بعد ہی فوت ہوئیں۔

حضرت کے ایک چھوٹے بھائی قاری سرفراز احمد تھانوی اسلام آباد میں مقیم ہیں اور سب سے چھوٹے بھائی نسیم احمد تھانوی یہیں کراچی میں قیام پذیر ہیں۔

لاہور پہنچ کر حضرت قاری صاحبؒ نے اخباری دنیا میں قدم رکھا مولانا عبدالمجید سالک صاحبؒ حضرت قاری صاحبؒ کے استاذ تھے جنہوں نے اخباری زبان و تحریر سے روشناس کرایا۔ حضرت قاری صاحب کا پہلے جامعہ اشرفیہ اور بعد ازاں پرانی انارکلی دارالعلوم اسلامیہ میں تقرر ہوا۔ بعد ازاں مدرسہ دار العلوم اسلامیہ میں شیخ الکل استاذ العصر حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ رونق افروز ہوئے اس وقت حضرت قاری صاحبؒ مدرسہ میں عربی کتب کے مدرس تھے۔ حافظ اور مولوی تو تھے ہی مقدس مسجد دھوبی منڈی پرانی انارکلی میں امامت و خطابت بھی کر رہے تھے اور قیام سہارنپور کے دوران حضرت شیخ العصر قاری عبدالخالق صاحبؒ سے مشق وغیرہ بھی خوب کی ہوئی تھی۔ آواز چونکہ پرکشش تھی۔ ایک مرتبہ مدرسہ میں فارغ اوقات میں خود ہی آہستہ آہستہ تلاوت فرما رہے تھے کہ بڑے قاری صاحبؒ نے سن لیا اور خود ہی فرمانے لگے مولوی اظہار احمد تم تجوید پڑھ لو اور زبردستی لے گئے اور چھ ماہ میں روایت حفص کی سند مل گئی۔ یہ واحد شاگرد تھے جو اتنی کم مدت میں سند کے مستحق ٹھہرے۔ بڑے قاری صاحبؒ

نے فرمایا کتابیں پڑھانے والے عالم قدم قدم پر ملیں گے مگر تجوید پڑھانے والے نایاب ہیں۔ اس مرد قلندر کی بات ایسی پلے باندھی کہ تاعمر خدمت قرآن میں ہی گزاری۔

جامعہ اسلامیہ (دارالعلوم اسلامیہ) سے فراغت کے بعد بڑے قاری صاحبؒ کے حکم پر ضلع کیمل پور کے موضع کھڈ میں استاذ الحفاظ مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے مدرسے میں تشریف لے گئے وہاں اس دور دراز علاقہ میں تجوید پڑھائی پھر واپس جامعہ اسلامیہ میں آکر بڑے قاری صاحبؒ کے نائب مقرر ہوئے۔

جامعہ اسلامیہ میں اس وقت تک رہے جب تک بڑے قاری صاحبؒ نے استعفیٰ نہ دیا۔ کچھ لوگوں نے بڑے قاری صاحبؒ اور حضرت الشیخؒ میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی الحمدللہ مگر یہ حربہ بھی کارگر نہ ہوسکا۔

حضرت بڑے قاری صاحبؒ کی زندگی میں ہی چینیانوالی میں تقرر ہوا۔ حضرت شیخؒ کو خوش الحانی تو قدرت کی طرف سے ودیعت شدہ تھی۔ آپ کے ہم عصر بھی خاصے خوش آواز تھے مگر تجوید پڑھاتے ہوئے حروف کی صفات کی ادائیگی میں حضرت شیخ کو خصوصی مہارت تھی۔ خصوصاً فنون کی کتب پڑھانے میں جو ملکہ حضرت استاذ المحترم کو حاصل تھا وہ خدا داد تھا اور کتابیں پڑھانے میں آپ کا کوئی ثانی نہ دیکھا۔ چینیانوالی مسجد میں حضرت مولانا سید محمدؒ داؤد غزنوی صاحبؒ کی وفات کے بعد تجوید القرآن کا شعبہ ختم ہوگیا تو حضرت قاری صاحب ۱۹۶۳ء میں مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کنوگراں تشریف لے گئے۔ اس سے قبل ۱۹۶۱ء میں مقدس مسجد سے حضرت قاری صاحبؒ جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز آگئے۔ وہ منظر بھی قابل دید تھا جب حضرت بڑی تمکنت اور خودداری سے تشریف لا رہے تھے منتظمہ کمیٹی کے ارکان پیچھے جا رہے تھے۔ پہلی نماز ظہر کی پڑھائی اور مجھے حکم دیا آج ذرا اپنی زور دار آواز میں اذان تو سناؤ۔

حضرت قاری صاحبؒ کے اپنے تمام ہم عصر قراء کرام سے بہت اچھے مراسم رہے۔ حضرت قاری عبدالوہاب مکی صاحب مد ظلھم کے ساتھ بھی حضرت شیخ کے مراسم تھے۔ وجہ محض یہ تھی کہ شیخ مکی صاحب کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے دوسرے قراء کرام شیخ مکی کی صاف گوئی سے گریزاں رہتے لیکن حضرت قاری صاحبؒ شیخ مکی کے اس وصف کے گرویدہ تھے۔ ایک مرتبہ شیخ مکی کو ٹائیفائیڈ ہوا۔ طبیعت بہت زیادہ خراب ہوئی دیار غیر کوئی پرسان حال نہ تھا۔ اخلاق محمدیؐ کے اس پیکر نے حضرت شیخ مکی کو اٹھایا اور اپنے دولت کدہ واقع انارکلی لائے۔ مکی صاحب کی یہ حالت تھی کہ ہاتھ تک ہلانا دوبھر تھا۔ اس وقت حضرت شیخ مکی صاحب کو دوا دینا، کھانا کھلانا سب حضرت شیخؒ نے کیا۔

۱۹۶۹ء میں بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ کوالالمپور ملائشیا ہوا تو حضرت قاری صاحبؒ بطور جج کے تشریف لے گئے۔ ۱۹۷۳ء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت کو حج بیت اللہ سے مشرف کیا۔ ۱۹۸۴ء میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے ہونے والی بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ مکۃ المکرمہ میں دوبارہ جج کے فرائض تفویض ہوئے۔

۱۹۸۱ء میں بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ تجوید و قراءت میں پروفیسر آف قراءت کا تقرر

ہونا تھا۔ سربراہ شعبہ قراءت کے طور پر الشیخ ظہران مصری کا تقرر ہو چکا تھا۔ بہت سے خوشامد پسند اور نام نہاد قاری اس وقت کے صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق شہید سے سفارش لے کے گئے لیکن انٹرویو لینے والوں میں مصر کی جامعہ ازھراور سعودی عرب کے ممتاز علماء و قراء شامل تھے۔ انٹرویو ہوئے تو سفارشیوں کے چھکے چھوٹ گئے صرف حضرت قاری صاحب ان کے معیار پر پورا اترے بقول حضرت شیخ اس انٹرویو میں انہوں نے مجھے کنگھال ڈالا اور میں نے اپنے علم کا نچوڑ اور سرمایہ ان کے سامنے بیان کیا۔

جامعہ الاسلامیہ بین الدول الاسلامی اسلام آباد میں حضرت قاری صاحبؒ کی صحیح علمی پذیرائی ہوئی۔ جامعہ میں مختلف ممالک اور پاکستان کے نہایت قابل طلباء حصول تعلیم کے لئے آتے ہیں۔ وہاں حضرت قاری صاحبؒ کی علمی قابلیت کی وہ دھاک بیٹھی کہ مصری علماء نے "صحیح مسلم شریف" پڑھانے کے واسطے آپ کا نام پیش کیا اور کئی سال تک قرآن مجید کے علاوہ مسلم شریف بھی پڑھانی نصیب ہوئی صحیح مسلم شریف احادیث کی ان بلند پایہ کتب میں سے ہے جس کی تدریس کے لئے بڑے مطالعہ اور وسیع علمی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔

مجھے یاد ہے ایک مرتبہ حضرت شیخ کراچی تشریف لائے تو دارالعلوم کورنگی کراچی کے شیخ الحدیث مولانا سبحان محمود صاحب سے ملاقات کی معلوم ہوا مظاہر العلوم سہارنپور میں دونوں اکٹھے پڑھتے رہے ہیں۔ ملاقات سے فارغ ہو کر باہر آئے تو راقم سے بڑی حسرت سے فرمایا دیکھو میرے ساتھی شیخ الحدیث بن گئے ہیں میں کچھ بھی نہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت آپ ایک حرف پڑھتے ہیں تو دس نیکیاں ملتی ہیں جب کہ وہ پوری حدیث پڑھیں تو دس نیکیاں ملتی ہیں بہرحال حضرت شیخ کی حسرت بھری باتوں کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم شریف کی تدریس کا موقع فراہم کر دیا۔

مدرسہ تجوید القرآن میں تدریس حضرت قاری صاحبؒ کو بہت محبوب رہی مدرسہ کی تدریس کے دوران باہر کے مختلف اداروں سے بڑی رقوم کی پیشکش بھی ہوئی مگر اس علمی ماحول کو ترک کرنا گوارا نہ کیا۔

ایک لڑکا ہمارے دور میں حضرت شیخ سے پڑھتا رہا۔ مگر سالانہ امتحان میں شریک نہ ہوا اور بعد میں سند لینے آیا حضرت شیخ نے فرمایا کیسی سند امتحان دو گے تو سند ملے گی وہ بڑے غصہ میں حضرت شیخؒ کے پاس سے رخصت ہوا اور حضرت شیخؒ کے ایک ہم عصر قاری صاحب سے سندیں حاصل کر لی۔ اور پھر بڑے فخر سے دکھانے کے لئے حضرت شیخؒ کے پاس آیا اس وقت حضرت شیخؒ پڑھانے میں مصروف تھے وہ آیا اور بڑی بے ہودگی سے کہنے لگا تو تو مجھے سند نہیں دے رہا تھا مگر میں لے آیا ہوں۔ حضرت شیخؒ نے بڑے پرمذاق انداز میں اس سے فرمایا یہ سندیں تو جعلی ہیں اس پر وہ مغلظات پر اتر آیا۔ مگر حضرت شیخ مسکراتے رہے اور طلباء کو بھی منع فرما دیا کہ کچھ مت کہنا۔ وہ لڑکا کمرے سے باہر ہی پہنچا کہ لہرا کر گر پڑا اور اسے فالج ہوگیا۔ پھر حضرت شیخؒ کی دعاؤں سے صحت یاب ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس ولی کامل کو کسی نے اس طرح سے پہچانا ہی نہیں جیسے کہ حق تھا۔

میں اپنے دوست شیخ الحدیث مولانا محمد عثمان حسینی رحمتہ اللہ علیہ کو حضرت شیخ کی خدمت میں مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندیگراں لے کر گیا۔ مولانا ماشاء اللہ خود صاحب نسبت تھے۔ حضرت شیخ الاسلام مولنا حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی صحبت باکمال میں تیرہ سال رہے وہ حضرت شیخ کو دیکھ کر فرمانے لگے بڑے بڑے قراء دیکھے مگر یہ عجیب باطنی کمالات کے حامل ہیں اور بھی قراء قرآن مجید پڑھاتے ہیں مگر ان کے پڑھانے میں عجیب نورانیت ہے زبان سے قرآن کریم پڑھ رہے ہیں اور دل علیحدہ اللہ اللہ کر رہا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب کبھی کبھار سیاسی بات ہوتی تو حضرت شیخؒ کا قلبی رجحان اور تعلق حضرت شیخ الاسلام مدنی قدس سرہ العزیز سے معلوم ہوتا تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے باطنی سلوک میں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوریؒ سے تعلق قائم فرمایا جو حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ کے خلیفہ تھے۔

۱۹۶۴ء میں گوجر خان میں محفل قراءت ہوئی جو صبح سے رات گیارہ بجے تک جاری رہی جس میں حضرت قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب مدظلہ العالی' قاری سرفراز احمد تھانوی صاحب' قاری رحیم بخش مظفر گڑھی اور حضرت شیخ القراءؒ قابل ذکر ہیں۔ کافی قراء تشریف لائے تھے۔ تمام رات ہم نے باتوں میں گزار دی آخر رات میں حضرت قاری صاحبؒ سب سے علیحدہ ہو کر اپنے معمولات کی تکمیل میں مصروف ہوگئے۔ نماز فجر کی ادائیگی کے بعد حضرت شیخؒ باہر کھیتوں میں نکل گئے کافی دیر ورزش کی اور فرمایا یہ بھی بہت ضروری ہے۔ حضرت الشیخؒ نے اپنی یادگار کتب جو چھوڑی ہیں ان میں جمال القرآن' تیسیر التجوید اور تنشیط الطبع کے شاندار حواشی' توضیح المرام فی وقف حمزہ و ہشام' الحواشی المفہمہ کا اردو ترجمہ جو ابن الجزریؒ کی نایاب شرح ہے' المقدمتہ الجزریہ کا اردو ترجمہ' خلاصہ التجوید' مجموعہ نادرہ اور المقدمتہ الجزریہ کی شاندار شرح الجواہر النقیہ جو تمام شروحات مروجہ سے فائق ہے اکثر مبالغہ اراء باتوں کی تردید' ایسی آسان اور علمی بحثیں ہیں جو پڑھنے والے کو بہت سی کتابوں سے بے نیاز کر دیتا ہے' ادق اور مشکلات کو بڑی روانی اور آسانی سے حل کیا ہے۔ شاطبیہ کی شرح امانیہ بھی بہت پائے کی شرح ہے نہ ہی مسائل کو طول دے کر سمجھ سے بالاتر کیا ہے نہ اتنا اختصار کہ سمجھ ہی میں نہ آئے بلکہ مسائل ذرا سی توجہ سے حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ احادیث کی ایک کتاب اخلاق محمدیؐ اور مسائل و احکام رمضان سے متعلق ایک کتاب پیغام رمضان بہت قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سی کتب زیر طبع اور نامکمل چھوڑ گئے ہیں۔ ہمیشہ حق گوئی سے کام لیا نہ ہی بالکل لٹھ مارنے پر اتر آئے اور نہ ہی مسائل کا اخفا کیا بلکہ ادع الی سبیل ربک بالحکمتہ کی مثال تھے۔

ہمارے بزرگ دوست مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمتہ اللہ علیہ جو کسی عالم کو مسائل میں بڑھنے نہ دیتے تھے مگر جب حضرت شیخ سے ملاقات ہوئی تو بعد میں فرمایا "حضرت کا علم بہت پختہ ہے۔" حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ اپنے دور کے ہم عصر اساتذہ میں ایک منفرد اور بلند مقام رکھتے تھے۔ اس دور کے بڑے بڑے اساتذہ کرام کو ڈنڈے بازی سے طلباء کو مشق ستم بناتے پایا بلکہ اساتذہ کی طبعی درشتگی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ بیچارے طالبعلم ہر وقت

مرعوب اور دہشت زدہ رہتے ہیں۔ اسی سبب سے بعض اوقات طلباء سبق بھی صحیح سمجھ نہیں پاتے۔ جبکہ حضرت شیخؒ ان ڈنڈے بازیوں اور تلخ گوئی سے بالکل ناآشنا تھے۔ جب بہت ہی زیادہ غصہ آتا تو فرماتے "کم بخت" یہ الفاظ جب ادا ہوتے تو ہم سمجھ جاتے کہ شیخ جلال میں ہیں۔ بلکہ اگر کبھی حضرت قاری محمد صدیق لکھنوی مدظلہم بھی اپنے درجہ میں کسی طالبعلم کو مارتے تو حضرت شیخ تشریف لے جا کر چھڑی پکڑ لیتے اور بڑے نرم لہجے میں فرماتے "بھئی قاری صاحب صرف زبانی سزا دے لیا کریں۔" یہی وجہ تھی کہ ہم جو سوال بھی ذہن میں آتا بے جھجھک کرتے اور حضرت شیخؒ کی جانب سے جواب عنایت ہوتا میں تو وقت بے وقت سوالات کرتا ہی رہتا اور بلا کسی اکتاہٹ کے جواب عنایت فرماتے۔ حضرت شیخ بہت خوددار تھے۔ خوشامد' چاپلوسی' جیسی بدخصائل سے بہت دور ہمیشہ بہت ٹھوس اور مدلل بات کرتے۔ راولپنڈی میں ہر سال سالانہ امتحان کے لئے تشریف لاتے بلا کم و کاست جو صحیح نتیجہ بنتا وہ دیتے اور بے لاگ تبصرہ لکھتے۔ اللہ جل شانہ نے جہاں ظاہری حسن' جسم سڈول اور ورزشی تن توش سے نوازا وہاں باطنی حسن سے بھی معمور کیا اخلاق محمدی اور سلف صالحین کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ الحمدللہ زبان ایسی میٹھی' باادب' شگفتہ اور شائستہ کہ جمعہ کے خطبات اور درس قرآن مجید میں مسجد میں ہجوم ہوتا۔

بلا مبالغہ لکھ رہا ہوں ایسے اخلاق اس دور کے بڑے بڑے گدی نشین پیر طریقت کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

حضرت شیخؒ کی جوتیاں سیدھی کرنے سے پہلے بھی راقم پڑھاتا ہوا آیا تھا اس وقت طلباء کی پٹائی اپنا فرض سمجھتا تھا مگر حضرت شیخؒ کی صحبت و تربیت نے وہ غصہ درشتی اور سختی سب ختم کر دی۔ اے اللہ! شیخ القراء میرے مربی میرے محسن میرے استاذ پر زمین و آسمان کی وسعتوں سے زیادہ رحمت فرما۔ ان کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا اور ان کی وہ مہمان نوازی فرما جو آپ اپنے محبوب بندوں اور خادمین قرآن کی کرتے ہیں۔ آمین یارب العالمین۔

(افسوس حضرت شیخ القراءؒ کے یہ عاشق زار شاگرد ۸ صفر المظفر ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۹۹۳ء کو اس فانی دنیا سے رحلت فرما گئے اللہ تعالیٰ درجات بلند فرمائے آمین۔ عزیر احمد)

□□□

بعض مسائل تجوید و قرآءت

از قاری عبدالرشید فاروقیؒ

(۱) قراء مصر جو پرانے اور منجھے ہوئے ہیں جیسے صدیق المنشاوی وغیرہ ان کے یہاں ادائے حروف میں جو بے تکلفی پائی جاتی ہے وہ قابل استفادہ ہے۔ ادا میں ایک بڑا لطیف مرحلہ تکلف اور تعسف سے آزاد ہو کر پڑھنے کا ہے یہ چیز کہیں برسوں کے ریاض اور پختگی آنے پر نصیب ہوتی ہے یہ وہی صفت ہے جس کو علامہ جزری مقدمتہ الجزری میں بیان فرماتے ہیں لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ ان لوگوں کی ہر ادا اور صفت صحیح ہے بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں۔ لیکن ان کی غین' واو متحرکہ یائے مشددہ ھاء خاء وغیرہ کچھ حروف کی لطافت بڑی عمدہ ہے جو ہم لوگوں میں اکثر مفقود ہے خاص کر قراء پانی پت تو بیچارے اس نعمت سے کوسوں دور ہیں۔

(۲) شیخ علی محمد ضباع رحمہ اللہ مصر میں فن کے امام تھے ہمارے تمام بزرگوں نے ان کی شروحات و کتب کو زیر مطالعہ رکھا ہے۔ ان کی متعدد کتابیں طالبین فن کے یہاں آج بھی مشعل راہ ہیں اس آخری دور کا ان کو امام جزری کہا جائے تو مبالغہ نہیں۔

(۳) نون و میم کے مخرج سے متعلق ایک بات ذہن میں آئی علامہ جزری نے نشر میں لکھا ہے کہ بحالت اخفا نون و میم کا مخرج خیشوم ہے گویا نون و میم کے دو مخرج ہوئے جس طرح واؤ اور یاء کے دو مخرج ہیں۔ اس کے بعد سوال یہ ہے کہ "لن عمر" میں جو نون میم ہیں یہ کونسے مراد ہیں آیا وہ جن کا مخرج طرف لسان اور شفتین ہے یا وہ جو خیشوم سے ادا ہوتے ہیں میں نے اول کو قرار دیا ہے کیونکہ خیشوم والوں میں تو صریح طور پر آواز کا استبداد ہے لہٰذا وہ رخوہ ہوں گے۔

(۴) علامہ جزری فرماتے ہیں کہ

"وقف و ابتدا میں آئمہ قراء ات کے اصول کا جاننا نہایت ضروری ہے تاکہ قرآءت میں ہر امام کے مذہب پر اعتماد رکھے..... آگے تفصیل قراء سبعہ کی بیان کی ہے۔ جس میں ابو عمرو بصری کا مسلک لکھا ہے کہ وہ آیات پر وقف کو پسند کرتے تھے اور امام عاصم کا مسلک ابو الفضل رازی اور خزاعی کے حوالہ سے نقل کیا ہے جو دونوں بہت بڑے امام ہیں کہ امام عاصم اور کسائی اس جگہ وقف کرتے تھے جہاں کلام پورا ہوتا ہو علامہ جزری کے الفاظ یہ ہیں۔

ذکر الخزاعی ان عاصما والکسائی کانا یطلبان الوقف من حیث یتم الکلام (نشر ص ۲۳۸ جلد اول)

لہٰذا قراء ات کا باب جو تمام متواتر ہے اس کے سامنے زاد المعاد کی روایت سے تقابل نہیں کیا جا سکتا لہٰذا روایات کی روشنی پر اصرار بیجا ہے البتہ ابو بکر بن مجاہد جو مشائخ قراء ات میں سے ہیں اور بڑے امام ہیں ان سے ابو الفضل خزاعی نے نقل کیا ہے کہ رؤس آیات پر حالت وصل میں مطلقاً" سکتہ صحیح ہے اور بعض علماء نے آیات پر وقف والی

حدیث کو اسی سکتہ پر محل کیا ہے اس کو نقل کر کے آگے علامہ جزری فرماتے ہیں کہ اگر حدیث کو اس پر محل کرنا صحیح ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ (نشر ص ۲۴۳ جلد اول)

(۵) میم جمع پر حفص کے کسی طریق میں صلہ نہیں، البتہ میم جمع کے بعد کوئی ضمیر آجائے **انلز مکموھا**، **رایتموہ** وغیرہ وغیرہ تو باجماع تمام قراء صلہ کریں گے ورنہ وصل کی حالت میں صرف ابن کثیر مکی، ابو جعفر اور قالون بالخلف صلہ کرتے ہیں۔

(۶) عند الملاقات تم نے غنہ کی مقدار ایک الف کے مسئلہ پر یہ کہا تھا کہ یہ ویسے ہی برائے تخمینہ کہا گیا ہے صحیح معیار مشق عند الاستاذ سے ہی معلوم ہو سکتا ہے نیز یہ بھی کہا تھا کہ الف حدر میں نہایت معمولی وقفہ سے ادا ہوتا ہے، ترتیل میں غنہ اس کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے، لیکن بعد میں مجھے خیال آیا کہ تم نے غلط کہا یہ معیار کہ غنہ برابر الف ہوتا ہے صحیح ہے اب دیکھنا یہ چاہئے کہ الف سے کیا مراد ہے ظاہر ہے کہ الف سے وہی الف مراد لیں گے جو ترتیل یا حدر میں پڑھا جائے گا اگر غنہ کی مقدار ترتیل میں معلوم کرنا ہے تو وہ یقیناً اسی الف کے برابر سمجھنا چاہئے جو الف کی مقدار ترتیل میں ہوئی ہے، علی ہذا حدر میں غنہ کی مقدار حدر میں پڑھے جانے والے الف کے برابر سمجھی جائے گی یہ میں نے اس لئے لکھ دیا کہ تمہاری غلط فہمی دور ہو جائے۔

(۷) ادغام متقاربین کی تعریف فوائد مکیہ میں جو کی گئی ہے وہ نہایت انسب اور اطبق ہے یعنی "مدغم اور مدغم فیہ اگر نہ مثلین ہوں اور نہ متجانسین تو وہ ادغام متقاربین ہے" لہٰذا تقارب مخرج یا صفت کو تلاش نہیں کرنا چاہئے بلکہ تقارب اہل زبان کا ایک ذوق ہے دیکھئے نا لام تعریف کا چودہ حرفوں میں ادغام ہے بڑی معمولی مناسبت سے ادغام ہوتا چلا گیا ہے جیسے قد ضل وغیرہ اسی لئے ادغام متقاربین سچی بات یہ ہے کہ سماعی ہوتا ہے یعنی اہل زبان سے سن کر کیا جاتا ہے قیاس کو اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے فواید مکیہ میں لکھا گیا ہے کہ "مثلین اور متجانسین کا پہلا حرف اگر ساکن ہو تو ادغام واجب ہے" متقاربین کا لفظ یہاں نہیں لائے کیونکہ وہ قیاسی نہیں اور اسی وجہ سے مقدمۃ الجزری میں ہے۔ **واولی مثل وجنس ان سکن ادغم کقل رب وبل لا**

متقاربین کا ذکر ہی نہیں گو بہت سے شراح نے ٹھونس ٹھانس کر کے متقاربین کو بھی عبارت سے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

(۸) نوافل میں اواخر سور میں تکبیر پڑھنے کا رواج نہیں۔ فقہا نے اس کو خارج صلوۃ تلاوت پر مستحب کہا ہے البتہ علامہ جزری اپنی رائے میں منفرد ہیں وہ فقہا کے اس قول کو پسند نہیں کرتے اور استدلال میں کہتے ہیں کہ اگر اس وجہ سے تکبیر کا نماز میں پڑھنا فقہا کے نزدیک پسند نہیں کہ وہ ضعیف یعنی شاذ روایت سے ثابت ہے تو پھر صلوۃ التسبیح میں سبحان اللہ والحمدللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر پڑھنے کو کیوں جائز کہتے ہیں حالانکہ یہ اس سے بھی زیادہ ضعیف روایت سے ثابت ہے۔ پوری بحث نشر جلد ثانی میں ہے۔

(۹) الحال المرتحل میں پہلی رکعت میں ناس ختم کر کے دوسری میں مفلحون تک پڑھنا بے شک صحیح مگر دونوں رکعتوں میں تناسب کا خیال رکھے یہ نہ ہو کہ پہلی رکعت میں ایک پاؤ پارہ پڑھا ہو اور دوسری میں مفلحون تک پڑھا ایسا کرنا مکروہ ہے بلکہ پہلی میں فلق اور ناس پڑھے دوسری میں مفلحون تک پڑھے یہ ہی مستحب ہے۔

(۱۰) بسم اللہ کا جہر سے پڑھنا عام اہل حدیث حضرات کے یہاں اور امام شافعی امام احمد بن حنبل کے یہاں سنت ہے امام عاصم جن کی روایت حفص ہم پڑھتے ہیں' کے یہاں بھی بسم اللہ جزو ہر سورت ہے' لیکن فقہاء حنفیہ کے یہاں بسم اللہ کا سراً پڑھنا بہتر ہے۔ (کذافی فتاوی رشیدیہ)

باقی احادیث دونوں طرح سے منقول ہیں سری بھی اور جہری بھی۔

(۱۱) صفت ہمس و جہر میں سانس کا جریان یا بندش بطور علامت ذکر کی گی ہے جزو تعریف نہیں یعنی حقیقت میں داخل نہیں حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ جہر میں حروف کی آواز بلند ہوتی ہے اور ہمس میں پست ان الفاظ کے لغوی معنی خود اس پر دال ہیں اور متقدمین نے اکثر اسی تعریف کو لیا ہے اور سانس کا ذکر اگر کیا بھی ہے تو بطور علامت نہ کہ بطور تعریف

(۱۲) الم نخلقکم میں ادغام تام کی وجہ صحیح بتلائی ہے اصل بات یہ ہے کہ ادغام میں اصل ادغام تام ہی ہے ادغام ناقص بدرجہ مجبوری ہوتا ہے مثلاً بسطت میں کہ طا' تا کے مقابلہ میں اکثر صفات میں اقوی ہے بخلاف قاف کے کہ وہ کاف کے مقابلہ میں اقوی نہیں بلکہ قوی ہے اس لئے اصل ادغام کو بہتر کہا گیا ہے جزری کے اشعار میں اسی مفہوم کی طرف اشارہ ہے اور بہت اچھا جواب پیدا ہوتا ہے۔

(۱۳) لن عمر میں چونکہ شدت و اخوت کے لفاظ سے توسط اور بینیت ہے اس لئے یہ حروف مکمل طور پر نہ شدیدہ کی ضد ہیں اور نہ رخوہ کی' البتہ فی الجملہ دونوں کی ضد ہیں کسی شے کی ضد دو طرح پر ہوتی ہے ایک ضد اکمل جیسے سفیدی کی ضد سیاہی' حرارت کی برودت وغیرہ اور ایک ضدیت ناقص ہوتی ہے جیسے سفیدی کی ضد نیلا' سبز اور سرخ و زرد رنگ وغیرہ یا حرارت کی ضد ایسی نارمل حالت کہ وہ نہ وہ حرارت ہی سے تعبیر کی جا سکتی ہے اور نہ برودت سے۔

(۱۴) ما" م م کی بھی خوب رہی' ما" میں جو الف لکھا ہوا ہے وہ بہ نیت وقف ہے نہ کہ بہ نیت وصل کیونکہ وصلاً الف مقروء نہیں اور ہجے وصل میں پڑھنے کے لئے ہی کرائے جاتے ہیں پھر ہجوں میں الف کو کیا دخل؟

(مرحوم قاری عبدالرشید فاروقی صاحبؒ نے ہمیں ازراہ عنایت حضرت شیخ القراءؒ کے بہت سے خطوط روانہ کئے تھے' ان خطوط میں سے مسائل تجوید کا انتخاب کر کے قاری صاحب مرحومؒ کے نام سے دیئے گئے۔)

□□□

قاری اظہار احمد تھانوی قدس سرہ

قرآءت کا ایک اہم باب

قاری تاج افسر
استاذ اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

میں جامعہ عربیہ اشاعت القرآن حضرو میں درجہ سادسہ کا طالب علم تھا جب مجھے کتب تجوید و قرآءت دیکھنے کا موقع ملا ان میں جمال القرآن ہو یا تیسیر التجوید، فوائد مکیہ ہو یا المقدمہ لجزریہ سب کے حواشی بھی زیر مطالعہ آئے جنہوں نے کتاب کی تزئین کو نمایاں کئے ہوئے تھا نہایت ہی قیمتی حواشی دیکھ کر فطری طور پر ذہن میں آیا کہ صاحب حواشی کا تعارف بھی ہو جب سرورق پر نظرڈالی تو سبھی پر "بحواشی مفیدہ از قاری اظہار احمد تھانوی" یا اس جیسے الفاظ پائے خوش قسمتی سے انہی دنوں میرے ایک قریبی رشتہ دار کراچی سے تجوید پڑھ کر آئے تھے ان کے ساتھ نشست و برخاست کی وجہ سے شوق تجوید بڑھتا گیا اور عزم مصمم کر لیا کہ درس نظامی سے فراغت کے بعد کسی بزرگ اور ماہر استاد سے تجوید کے لئے شرف تلمذ حاصل کرنا ہے اس کے لئے جب ارد گرد نظر دوڑائی تو حضرت قاری اظہار احمد تھانوی کے علاوہ کسی پر نظر نہ پڑی۔

حضرت قاری صاحب مرحوم ان دنوں مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندگراں موتی بازار لاہور میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ۱۹۸۴ء میں جب درس نظامی سے فراغت ہوئی تو اسی عزم دیرینہ کی تکمیل کے لئے مدرسہ تجوید القرآن لاہور پہنچا یہ شوال ۱۴۰۴ھ کا واقعہ ہے۔ داخلہ کے پانچ چھ روز بیت جانے کے بعد حسب سابق مسجد میں بیٹھے نئے دوست باہم متعارف ہو رہے تھے کہ ایک بزرگ سفید ریش کشادہ پیشانی پرنور چہرہ لبوں پہ ہلکی مگر پرکشش مسکراہٹ جیسے کھلا ہوا پھول جس کے چہرے سے علم کی خوشبو مہک رہی تھی مدرسہ میں داخل ہوا جس کو دیکھتے ہی دل نے شہادت دی کہ یہی قاری اظہار احمد تھانوی صاحب ہوں گے۔ وہاں کے مقیم دوستوں سے پوچھنے پر جواب اثبات میں ملا تو احساس اجنبیت یکسر زائل ہو گیا اور منزل کو قریب پانے اور حضرت قاری صاحب سے متوقع شرف تلمذ حاصل ہونے پر فخر ہونے لگا۔

آخر ایک دن آیا کہ اپنے آپ کو "غرفۃ التجوید" میں حضرت قاری صاحب کے سامنے زانوائے تلمذ طے کئے ہوئے پایا۔ حضرت قاری صاحب حسب عادت طلباء کرام سے متعارف ہو رہے تھے کہ میرا نمبر آیا اور اپنا تعارف کراتے ہوئے جب درس نظامی کا میں نے حوالہ دیا تو برجستہ فرمایا "کلاس کا تکرار آپ کے ذمہ ہے" تو قاری صاحب کے اس شفقت بھرے انتخاب پر میرے فخر میں مزید اضافہ ہوا جو ہونا چاہئے تھا۔

اس کے بعد پورا سال جب کسی طالب علم کو سبق یاد نہ ہوتا تو قاری صاحب شکوہ مجھ سے کرتے جب قاری صاحب نے پہلے ہی دن فوائد یکہ کا سبق پڑھایا تو یوں محسوس ہوا جیسے ذہن کی ساری عقدیں کھل گئی ہیں اور مقصد پورا ہونے پر قلبی مسرت محسوس ہونے لگی۔

اس دوران مجھے قاری صاحب کے انتہائی قریب رہنے کا موقع ملا اور جب کبھی کلاس کے بعد ملاقات کا موقع ملتا تو اسے غنیمت جان کر حضرت شیخ کے سامنے کوئی علمی اشکال اٹھا دیتا جس پر قاری صاحب فوراً جواب دینا شروع کر دیتے اور دھیمی انداز سے ایسی روانی کے ساتھ مسئلہ کھول دیتے جیسے کتاب سامنے پڑی ہے اور دیکھ کر پڑھتے جا رہے ہوں۔

تاریخ کا سوال ہو یا تفسیر کا' حدیث کا ہو یا تراجم کا' قرآءت کا ہو یا رسم و فواصل کا' قاری صاحب کے جواب میں ایسا تسلسل ہوتا جیسے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور جو چھوٹے موٹے اشکالات ہیں وہ اس کے سامنے ہلکے تنکے اور خس و خاشاک کی طرح بہہ رہے ہیں۔

ایک دن کلاس ختم ہونے کے بعد قاری صاحب کے پاس جا کر درخواست کی کہ میرے شوق تجوید سے متجاوز ہو کر قرآءت سبعہ کو چھو رہا ہے اور خواہش آپ ہی سے استفادہ کی ہے تو فرمایا کہ میں دو سال سے انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ قرآءت میں کام کر رہا ہوں اور اسی وجہ سے ہفتہ میں دو دن مدرسہ کو دے سکتا ہوں اور چار دن یونیورسٹی کو جو کہ اب میرے مشکل ہو رہا ہے اسی لئے آئندہ سال سے مدرسہ چھوڑنے کا فیصلہ کر چکا ہوں ساتھ میری راہنمائی یوں بھی کی کہ آپ وفاق المدارس کے حامل ہیں تو آپ کے لئے یونیورسٹی میں داخلہ کی گنجائش موجود ہے۔ بی اے کے ساتھ قرآءت سبعہ بھی ہو جائیں گی۔ چنانچہ میں نے اسی تجویز کو شوق صحبت میں اپنایا اور یونیورسٹی کا داخلہ کھلتے ہی فارم جمع کرا دیئے۔

وہ دن میرے دل و دماغ پر نقش ہے جب پہلا قدم یونیورسٹی میں رکھا تو قواعد و ضوابط کے متعلق کچھ نہ جانتا تھا چنانچہ حضرت قاری صاحب نے کمال شفقت کے ساتھ ہر مرحلہ پر میری راہنمائی فرمائی۔ حسن اتفاق سے داخلہ ہوا تو قاری صاحب کی روحانی پدری شفقت میں مزید اضافہ ہوتا گیا اور مجھے انتہائی قریب سے استفادہ کا موقع ملا۔ دوران تعلیم جب بھی کوئی اشکال ذہن میں آتا تو بجائے لائبریریوں کی طرح رجوع کرنے کے اور کتابیں تلاش کرنے کے' قاری صاحب کے کمرے کی طرف رجوع کرنے کے اور کتابیں تلاش کرنے کے' قاری صاحب کے کمرے کی طرف رجوع کرتا حضرت قاری صاحب ایسے پیارے انداز میں مسئلہ پر روشنی ڈالتے کہ ایک مسئلہ کے ساتھ کئی جزئیات حل ہو جاتیں اور اسی پر اکتفاء نہ کرتے بلکہ کتب کے حوالہ جات ذکر کرتے ہوئے مصنف کی زندگی کی ایک جھلک بھی بیان کر دیتے کبھی کبھی اپنے خاص مزاج کے مطابق بڑے بڑے ائمہ نحاۃ اور ائمہ قرآءت کے علمی لطیفوں سے بھی محظوظ فرماتے۔ بطور مثال ایک لطیفہ پیش خدمت ہے۔ فرمایا کہ کسائی اور سیبویہ ہم عصر تھے کسائی نے جملہ بولا

"**کنت اء سمع ان الزنبور کالعقوب فلاغنی فاذا ھو اباھا**" تو سیبویہ نے اسے چیلنج کر دیا کہ ایاھا ضمیر منفصل ہے منصوب ہے جب کہ یہاں ضمیر مرفوع مقام خبر میں آنی چاہئے۔ بادشاہ کے دربار میں مناظرہ ہوا.اور کسائی کے موقف کو صحیح قرار دیا گیا جس کے حزن و ملال کی وجہ سے سیبویہ بغداد کے راستے میں فوت ہو گئے۔ لطیفے کی لطافت اپنی جگہ مگر قاری صاحب کا انداز بیاں سامع کو مسحور کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ انہی مذکورہ معلومات کی بناء پر میرے اس کہنے میں مبالغہ نہ ہو گا کہ حضرت قاری صاحبؒ ایک ضخیم دائرۃ المعارف تھے۔

ایک طرف ان کے علم کا یہ حال کہ وہ بحر زخار تھے تو دوسری طرف سادگی کا یہ عالم ہے کہ کسی بھی موقع پر کسی علم کے پیاسے نے اپنی پیاس بجھانا چاہی تو یونیورسٹی کے اوقات کے علاوہ گھر میں بھی اور قریب واقع مسجد کی چٹائیوں پر بیٹھنے اور تعلیم کی تشنگی دور کرنے والوں کو مستفید ہونے کی سعادت بھی بخشی۔ مجھے پورا ایک سال شاطبی پڑھانا اس کی واضح دلیل ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے درس کی خصوصیات میں سے یہ بھی تھی کہ دوران درس اگر کسی قرآءت کے اوپر کسی نحوی کا اعتراض نقل کرتے جیسے علامہ زمخشری کا تو چہرہ متغیر ہو جاتا اور ایسے علمی اور تحقیقی انداز سے اس پر چڑھائی کرتے کہ سامع کا ذہن مکمل صاف ہو جاتا اور کسی قسم کے شبہ کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ عموماً عصر کے بعد سیر کرنے نکلتے تو راقم ساتھ ہوتا تو کسی مخالف کا اعتراض قرآءت پر نقل کر دیتا تو دلائل کے انبار لگا دیتے قرآءت کی حمایت میں۔

میں نے عرض کی حضرت' زمخشریؒ سوسیؒ کے ادغام کبیر کو کڑی تنقید کا نشانہ بنتے ہیں۔ چنانچہ "**فاذا استاذ نوک بعض شانھم فاذن لمن شئت منھم**" میں بعض کی ضاد کا جواد غام ہو رہا ہے۔ شین میں تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ "**واما کلام ابی شعیب فلا یخلو عن عیب**" تو قاری صاحبؒ یہ سن کر اپنے مخصوص دھیمے انداز میں مسکراتے ہوئے یوں گویا ہوئے۔ تعجب ہے زمخشری جیسا محقق اور فائق انسان ابو عمرو بصریؒ کی شان سے کیسے غافل رہ گیا۔ سوسی کے استاد تو ابو عمرو بصری وہ نحو کے امام ہیں جن کے بارے میں فرزدق جیسا بلند پایہ اور فصیح شاعریوں اپنے جذبات کا اظہار کرتا ہے جب وہ تمام ائمہ نحو کے پاس اپنی علمی تشنگی بجھانے گیا مگر مطمئن نہ ہوا اور ابو عمرو بصری کے پاس اس کا مقصد پورا ہوا۔ تو کہا

وما ذلت افتح ابوابا واغلقھا حتی اتیت علی باب ابن عمار

ترجمہ = "ہمیشہ میں تحصیل علم کے لئے دروازے کھولتا اور بند کرتا رہا یہاں تک کہ ابن عمار (ابو عمرو بصری) کے دروازہ پر آیا (اور مطمئن ہوا) اس کے بعد مزید تفصیل کے ساتھ بھی محظوظ فرمایا۔

جب بھی میں نے اپنے یونیورسٹی کی نتیجے کی خبر دی تو انتہائی خوشی کا اظہار فرما کر دعائیں دی۔ آج وہ دنیا میں نہیں مگر ان کی دعاؤں کا ثمرہ میں حاصل کر رہا ہوں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی تصانیف کی تعداد ۱۶ کے قریب ہے جن میں امانیہ شرح شاطبیہ الجواہر النقیہ شرح المقدمتہ الجزریتہ اور الدراری شرح الدرۃ المضیہ جیسے علمی شاہکار بھی شامل ہیں اور جن کو دیکھ کر قاری صاحبؒ کے علمی قد کا اندازہ ہوتا ہے۔

قاری صاحب مرحوم نے زندگی بھر کبھی اپنے عالم ہونے کا اظہار نہیں کیا انتہائی سادہ اور درویشانہ مزاج کے مالک تھے۔ اس لحاظ سے وہ درویش بادشاہ تھے۔ غالباً" یہی وجہ ہے کہ ان کی ساری زندگی اور ان کی وفات نے اسلاف امت کی یاد تازہ کر دی رات آرام کرنے اپنے کمرے تشریف لے گئے درحقیقت وہ اصلی آرام گاہ کی طرف جا رہے تھے۔ تقریباً سحری کے وقت جب اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت انسانیت کی طرف متوجہ ہوتی ہے ایسے مبارک وقت میں اپنی جان مالک حقیقی کے سپرد کر دی۔ یہ ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء کا دل خراش واقعہ ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ فوت ہوئے ہیں مگر میرا ذہن یہ تسلیم کرنے سے قاصر ہے اس لئے کہ فوت جو ہوتا ہے اس کے آثار دنیا سے مٹ جاتے ہیں۔ جبکہ قاری اظہار احمد تھانوی کی گراں قدر تصانیف اور ہزاروں کی تعداد میں ان کے تلامذہ جو اطراف و اکناف میں قرآن کی شمع کو روشن کئے ہوئے ہیں یہ ان کے وہ آثار ہیں جن کے اندر اظہار احمد تھانوی مرحوم کی جھلک نظر آ رہی ہے اور یہ وہ آثار ہیں جن پر ان کی روح آج بھی شہادت دے رہی ہے کہ۔

تلک اثار نا تدل علینا فانظر بعدنا الی الاثار اللھم ارحمہ واغفرہ وعافہ واعف عنہ واکرم نزلہ و وسع مدخلہ وابرد مضجعہ واجعل ماخرج الیہ خیرا مما خرج عنہ وابتہ وارا خیرا من دارہ واھلا خیرا من اھلہ وارض عنہ وعنا ورفعنا لما تحب وترضی۔ امین یا رب العالمین

(بشکریہ ماہنامہ "التجوید")

□□□

آہ رہبر قراءت

قاری احسان احمد دانش
ریاض، سعودی عرب

اس زندگی کا آخری انجام موت ہے، قرآن کریم کے "خلق الموت والحیاۃ" فرما کر جتلا دیا کہ زندگی بعد میں ہے اور موت پہلے ہے۔

صرف اللہ کی ذات لافانی ہے باقی ساری مخلوق فانی ہے۔ جو اس دنیا میں آیا ہے اسے ایک روز واپس جانا ہے انسان پیدا ہو کر اس عالم میں اپنا وقت گزار کر چلا جاتا ہے آج تک اربوں انسان اس مرحلہ سے گزر چکے ہیں لیکن ان اربوں انسانوں میں چند ایسے ہوتے ہیں جن کی ذات سے ایک دنیا فیض حاصل کرتی ہے۔

جو ہوتے تو ایک فرد ہیں لیکن ان کی حیثیت ایک عظیم الشان بے مثال ادارے کی ہوتی ہے۔ ایسے افراد کی رخصت ایک عہد پر "تمام شد" کی مہر ثبت کر دیتی ہے۔ ہمارے بزرگ و مشفق و مربی شیخ العرب والعجم شیخ الکل امام الفن شاطبی العصر جزری دوراں حضرت مولانا قاری المقری اظہار احمد صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ، کی ذات اقدس بھی ایسے ہی چند لوگوں میں شامل تھی۔ حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کو مرحوم کہنے اور لکھنے کا یارا نہیں لیکن اس کے بغیر چارا بھی نہیں ان کی مغفرت کی دعا زبانوں پر ہے ان سے بچھڑنے کا صدمہ دلوں میں ہے آنکھیں ہیں کہ بھیگی ہوئی ہیں اور قلم ہے کہ لڑکھڑا رہا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ کل ہماری باری ہے

حضرت الشیخ رحمتہ اللہ علیہ آسمان قراءت کے آفتاب تھے۔ آپ کی خدمت ایک درخشاں باب ہے تاریخ کا حصہ ہیں آپ ان لوگوں میں شامل ہیں جو اپنے کارناموں کے باعث ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

آپ کے انتقال سے چمنستان قراءت ویران ہوگیا اس عہد کے قراء اپنے ایک عظیم ترجمان سے محروم ہوگئے۔ آپ فن قراءت کا اہم ستون تھے ایسے دیدہ ور صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی عظمت کا احساس آئندہ ہوگا آپ عہد ساز شخصیت تھے۔

جانے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ چلے گئے اپنے پیچھے اپنی یادیں چھوڑ گئے۔ ان کی یادیں ان کے گھر کے درودیوار سے لے کر پاکستان تو کیا ہر ملک کے ہر خطے میں پھیلی ہوئی ہے۔ کونسی جگہ اور کونسا ملک ہے جہاں ان کو یاد نہیں کیا جا

رہا۔ ان کی ذات سے جتنا کسی کا تعلق تھا اسی نسبت سے ان کی یاد تڑپا رہی ہے۔ ان کا غم صرف ان کے اہل خانہ کا نہیں بلکہ پوری قراء برادری کا غم ہے اور دنیائے قراءت کا ماتم ہے وہ اپنے دور میں فن قراءت کے بے تاج بادشاہ تھے فن قراءت کی خدمت ان کا شب و روز کا مشغلہ تھا۔ وہ اپنے پیچھے ایسی عظیم یادگاریں چھوڑ گئے جن کی مثالیں بہت نادر اور کم ہیں۔

مالک ارض و سما کی طرف سے آپ کو جو فنی و علمی و صوتی کمالات مرحمت ہوئے تھے اور جو شخصی وجاہت و طبعی شرافت آپ کی فطرت میں ودیعت کی گئی تھی ان کی وجہ سے آپ کو ہمیشہ محبوبیت کا مقام حاصل رہا آپ کے ارادت کیشوں میں تمام طبقات کے لوگ شامل تھے اور آپ کے فنی وعلمی کمالات کے معترف تھے۔ اسلام آباد یونیورسٹی میں انٹرویو کے وقت انٹرویو لینے والے صاحبان کہہ اٹھے کہ حضرت آپ انٹرویو دے رہے ہیں یا لے رہے ہیں۔ مکہ المکرمہ میں عالمی مقابلہ حسن قراءت میں بطور جج شرکت فرمانا۔ ملائشیا کے مقابلہ حسن قراءت میں بطور جج شرکت فرمانا اور آپ کی تحریری علمی یادگاریں۔ پھر آپ کے صوتی کمالات' ہر لہجہ ہر انداز پر کامل عبور تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک عمر رسیدہ بزرگ کبھی کبھار تشریف لاتے تھے۔ کبھی وہ حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے کہتے کہ آج فلاں لہجہ میں پڑھنا ہے اور کبھی حضرت قاری صاحب فرماتے کہ بھئی آج فلاں لہجہ چلے گا۔ پھر تلاوت شروع ہوتی تو ایک عجیب سا سماں بندھ جاتا۔ بارہا میں نے آپ سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہیں؟ کیا نام ہے؟

بس اتنا فرماتے کہ پرانے ساتھی ہیں۔ اب خدا جانے وہ بزرگ کون تھے؟ بارہا تراویح آپ کی اقتدا میں ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا قرآن شریف کا بہت عمدہ ضبط تھا کہیں بھولنے یا اٹکنے کا نام نہیں۔ تلاوت لہجہ کی یکسانیت اور مترنم آواز سننے والا یہ ہی تمنا رکھتا کہ آپ تمام رات پڑھتے رہیں۔ تلاوت کیا تھی گویا موتی پرو رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ مطالعہ کتب کے بعد حد رسیا تھے۔ دن ہو یا رات' سفر ہو یا حضر مطالعہ ان کے معمولات میں داخل تھا گھر میں خاصا بڑا ذخیرہ کتب تھا فن قراءت پر بے حد نادر کتب اور قلمی مخطوطات ذاتی کتب خانہ میں موجود تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میں اسلام آباد یونیورسٹی میں دولت کی خاطر نہیں بلکہ صرف اور صرف اس لئے گیا ہوں کہ وہاں بہت بڑا کتب خانہ ہے۔

سردیوں کا موسم بہت پسند تھا فرماتے تھے کہ راتیں بہت لمبی ہوتی ہیں لکھنے لکھانے کا لطف آجاتا ہے۔ فرماتے تھے سردیوں کا موسم ہو روم ہیٹر لگا ہوا ہو پان کی ڈبیہ بھری ہوئی ہو پھر لکھنے کا لطف ہی کچھ اور ہے۔ حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے تعلق میرے لئے ہمیشہ بے انتہا فخر اور عزت افزائی کا باعث رہا ہے۔

انکی ذات اقدس سے میں نے ہمیشہ بے انتہا شفقت اور محبت پائی۔ میں جب بھی حضرت سے ملتا اسکے بعد ہمیشہ اپنے اندر ایک نیا عزم اور توانائی پاتا وہ زندگی کے مختلف معاملات کے بارے میں انتہائی تفصیل اور محبت سے

رہنمائی فرماتے اور میری غلطیوں اور کوتاہیوں کو ہمیشہ نظر انداز فرما کے میری اصلاح اور تربیت فرمایا کرتے تھے۔

۶۵ء کی جنگ کے بعد مدرسہ تجوید القرآن میں حفظ القرآن کیلئے داخل ہوا۔ ۸ سال کی عمر تھی مگر اس وقت سے ہی قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے قلبی لگاؤ ہوا۔ حضرت کو دیکھتا تو اپنے دل میں ایسا سرور محسوس کرتا تھا کہ ان احساسات اور جذبات کو قلم کی زبان دینے سے قاصر ہوں۔ حضرت قاری صاحب کی ذات اقدس میں ایسی کشش تھی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ چہرہ انور پر علم و فضل کی وہ بہار کہ ایسی بہار نہ دیکھی۔

آپ جلال و جمال کا حسین مرقع تھے۔ حفظ قرآن کے دوران ہی مشق کیلئے حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ اور تجوید پڑھنے کا شوق بڑھتے بڑھتے بحمدللہ مصمم ارادہ کی صورت اختیار کر گیا۔ تکمیل قرآن کے بعد آپ سے ہی جمال القرآن اور تیسیر التجوید پڑھی۔ سالانہ امتحان ہوا تو آپ نے مجھے مزید ایک سال کیلئے سال اول میں رہنے دیا۔

ڈرتے ڈرتے برستی آنکھوں اور سسکتی آواز کے ساتھ عرض کی تو فرمایا روتا کیوں ہے ابھی تو بچہ ہے تجھے بڑا قاری بننا ہے ایک سال اور پڑھ۔ آپ نے اتنی شفقت اور محبت سے فرمایا کہ میرا رونا دھونا اس وقت موقوف ہوگیا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے تو بڑی محنت و شفقت فرمائی لیکن ان سب کے باوجود میں ویسے کا ویسا ہی رہا آپ رحمتہ اللہ علیہ طلباء کے ساتھ اتنی شفقت اور محبت فرماتے کہ ہر طالب علم گرویدہ ہو جاتا۔ اپنی اولاد سے زیادہ پیار کرتے۔ حوصلہ افزائی ایسے پدرانہ مشفقانہ انداز میں فرماتے کہ سبحان اللہ۔

روایت حفص کے سالانہ امتحان کا وقت آیا تو مجھے انتہائی شفقت و محبت سے فرمایا کہ گھبرانا نہیں انشاء اللہ کامیاب ہوگا۔ ۱۳ سال اس وقت میری عمر تھی اور امتحان حضرت قاری شریف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو دینا تھا۔ جن لوگوں نے حضرت قاری شریف صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو امتحان دیا ہے وہ اس سے باخبر ہیں کہ قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ امتحان کیسا لیا کرتے تھے۔ سالانہ امتحان ۱۰' ۱۲ دنوں پر محیط ہوتا تھا اور صبح سے لے کر شام تک امتحان ہوتا تھا اور زیادہ سے زیادہ چار طالب علم فارغ ہوتے تھے۔ خیر الحمدللہ امتحان دیا اور الحمدللہ اول رہا حضرت قاری شریف رحمتہ اللہ علیہ خوش ہوئے۔ میرے ایک جواب پر اتنے محظوظ ہوئے کہ مجھے مٹھی بھر کر بھنے ہوئے چنے عنایت فرمائے (جو کہ آپؒ اس وقت نوش فرما رہے تھے) اور فرمایا کہ یہ اس وقت کا تیرا انعام ہے۔

۷۱ء کی جنگ کے بعد روایت حفص سے فارغ ہوا تو آپ ہی کے حکم سے جامعہ مدنیہ میں داخل ہوا آپؒ کے اصرار پر حضرت مولانا محمد رفیع صاحب حفظہ اللہ مہتمم مدرسہ تجوید القرآن خدا ان کا سایہ ہمارے سروں پر تادیر رکھے (آمین) مجھے جامعہ مدنیہ لے کر گئے۔ جامعہ مدنیہ میں طالب علمی کے دوران بلاناغہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی پرخلوص شفقت اور محبت سے مستفیض ہوتا رہا جو آپ نے حکم دیا اس کو پورا کرنا الحمدللہ میں نے اپنی زندگی کا نصب العین سمجھا۔ یہ عقیدت اور محبت کا تقاضا تھا۔ غالباً ۷۵ء کا زمانہ تھا۔ میرے گھر کے قریب شاہ عالمی بازار وچھو والی میں ایک مسجد کی انتظامیہ کا اصرار تھا کہ ذمہ داری سنبھالوں۔ لاابالی پن کا زمانہ تھا انکار کر دیا۔ اصرار بڑھتا

رہا انکار ہوتا رہا۔

احباب میں سے کسی نے منتظمین سے کہا کہ تم لوگ مدرسہ جاؤ اور حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں اپنا مدعا بیان کرو۔ چنانچہ وہ لوگ گئے حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا اچھا آنے دو کم بخت کو۔

میں حسب معمول ظہر کے بعد حاضر ہوا مشق کی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سنا ہے کہ تمہارے محلّہ میں مسجد والوں کو امام کی ضرورت ہے۔ میں سمجھ گیا کہ آگئے یہاں آنے والے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جاؤ اور مسجد کی ذمہ داری سنبھالو۔ سارا دن آوارہ گردی میں صرف ہو جاتا ہے نمازوں کا اہتمام نہیں ہوتا اسی بہانے نمازوں کی پابندی ہوگی اور پھر نماز کی اہمیت پر تفصیل کے ساتھ ارشادات سے نوازا اور نصیحتیں اتنی شفقت کے ساتھ فرمائیں کہ کسی انکار کی مجال وہاں کیا تھی۔ پھر یہ ہی نہیں اس کے بعد وقتاً" فوقتاً" مجھ سے پوچھتے کہ مسجد کے امور کیسے چل رہے ہیں پھر جیسی ضرورت محسوس فرماتے رہنما اصول بیان فرماتے پھر ۸۱ میں آپ ہی کے حکم سے کراچی کیلئے رخت سفر باندھا للھیت اور شفقت کی انتہا ہے کہ آپ رحمتہ اللہ علیہ میرے گھر تشریف لائے اور ارشاد فرمایا کہ کراچی جانے کیلئے تیار ہو جاؤ۔ فلاں مدرسہ میں استاد کی ضرورت ہے۔ ڈرتے ڈرتے بس اتنا عرض کیا کہ حضرت میری اتنی استعداد کہاں؟ فرمایا کہ کام کرو گے تو استعداد پیدا ہوگی۔ کتابیں مرحمت فرمائیں شروحات سے نوازا۔ پھر کراچی میں مقیم اپنے ایک شاگرد رشید قاری عبدالرشید فاروقی صاحب کو خط لکھا کہ اس کا ہر طرح خیال رکھنا۔ خدا انہیں جزائے غیر عطا فرمائے ہر قدم ہر مرحلہ پر انہوں نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور محسوس نہ ہونے دیا کہ لاکھوں کی آبادی والے اس شہر میں تنہا ہوں۔ قاری عبدالرشید فاروقی صاحب سخت طبیعت کے مالک ہیں مگر ان کا میرے ساتھ تو مشفقانہ سلوک ان کے تمام احباب کے لئے باعث حیرت تھا۔ یہ سب حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ سے تعلق اور قاری صاحبؒ کی شفقت اور کرامت تھی۔ کراچی میں سالانہ امتحان کیلئے آپ رحمتہ اللہ علیہ کو زحمت دی رمضان المبارک قریب تھا میری خواہش تھی اس لئے اصرار شدید تر تھا آپ رحمتہ اللہ علیہ نے شفقت فرمائی آپ تشریف لائے دو دن قیام رہا بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ سفر کی وجہ سے آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آگیا تھا مجھے دکھلا کر فرمایا کہ بچوں کی ضد پر بڑوں کا یہ حال ہوتا ہے۔ اتنی شفقت اور محبت اللہ اللہ۔ **سقی اللہ ثراہ وجعل الجنتہ مثواہ۔**

آپ کے پڑھانے کے انداز اتنا سلیس اور سادہ ہوا کرتا تھا کہ سبق کلاس میں ہی ازبر ہو جاتا۔ جب تک طالب علم سمجھ نہ جاتا آپ آگے نہ پڑھاتے۔ سوال در سوال پر کبھی آپ کے چہرہ مبارک پر تغیر رونما نہ ہوتا بلکہ آپ خوش ہوتے۔ غالباً ۸۳ء میں آپ کا آپریشن تھا ہسپتال میں داخل تھے میں عیادت کے لئے حاضر ہوا میرے ذہن میں چند سوالات تھے آپ کی تکلیف کو مدنظر رکھتے ہوئے حوصلہ نہیں ہو رہا تھا مگر قربان جاؤں کچھ دیر بعد فرمایا کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ عرض کی حضرت بعد میں دیکھا جائے گا۔ فرمایا نہیں پوچھو کیا مسئلہ ہے۔ آپ نے اپنے اسی انداز

میں ایسی تسلی و تشفی فرمائی کہ میں بامراد کراچی لوٹا۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کو عربی' فارسی اور اردو زبانوں پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ بلا تکلف گفتگو فرماتے عرب ممالک سے شیوخ آتے تو ان کے میزبان ترجمانی کے لئے آپ کی خدمت میں اپنی معروضات پیش کرتے۔ ایک مرتبہ مکی مسجد انارکلی میں محفل قراء ت تھی اچانک ایک عرب شیخ آگئے انہوں نے محفل سے خطاب کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ منتظمین محفل نے ترجمانی کے لئے حضرت شیخ رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ نے ایسی دلنشیں ترجمانی فرمائی کہ شریک محفل عش عش کر اٹھے جہاں جہاں عرب شیخ نے اپنی آواز کے زیروبم کو ابھارا ترجمہ میں آپؒ نے بھی وہی انداز اپنایا۔

۷۱ء کی جنگ کے بعد پاکستان میں پان کی قلت ہوگئی۔ لوگوں نے پان کے بدلے نجانے کیا کیا کھایا۔ میں حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے لئے جامعہ مدینہ سے الائچی کے پتے لایا کرتا تھا ایک دن پان کی شدید قلت کا سبب پوچھا تو ازراہ تفنن فرمایا کہ بھئی سارے پان شیخ مجیب کی بکری کھا گئی ساری محفل کشت زعفران بن گئی۔ میرے ایک ساتھی قاری خالد محمود صاحب شادباغ والے کا تذکرہ نہ ہو تو بے انصافی ہوگی موصوف لاہور میں پان کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں رہتے اور جہاں سے جس قیمت پر ملتے لاتے اور خدمت عالیہ میں پیش کرتے موصوف حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے آخری وقت تک دیوانہ وار خدمت گزار رہے اور دعاؤں سے مستفید ہوتے رہے۔ **جزاہ اللہ احسن الجزاء۔**

۸۴ء میں آپ ہی کے حکم سے سعودی عرب جانے کے لئے انٹرویو دیا اور آپ کی دعاؤں کے طفیل الریاض پہنچا۔ خط و کتابت سے تعلق بحمداللہ برقرار رہا ہر خط میں نصیحتیں فرماتے اور پردیس کی صعوبتوں پر صبر کی تلقین فرماتے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ کی کس کس بات کو یاد کیا جائے۔ کس کس کو لکھا جائے ۲۵ سال زندگی پر محیط داستان ہے۔ بہرحال نصف صدی تک یہ عندلیب نغمہ زار رہا اور اس چراغ سے بے شمار چراغ روشن ہوئے۔ آج ہر ملک ہر شہر ہر قریہ ہر بستی میں ان چراغوں سے بے شمار چراغ روشن ہو رہے ہیں۔

۱۷/ دسمبر۹۱ کی رات مطالعہ فرماتے ہوئے سوگئے اور تہجد کے وقت جو بڑی پختگی کے ساتھ بیدار ہو جانے کا باقاعدگی سے وقت چلا آتا تھا آج بجائے بیداری کے آسمان اول پر نزول فرمانے والے مالک عرش سے جا ملے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

اللہ سے دعا ہے کہ خدام قرآن سے جو تو نے وعدے فرمائے ہیں اپنے فضل و احسان سے حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ان وعدوں کا مورد بنائے ان کو رحمت و رضوان کی نعمتوں سے مالا مال فرمائے' آمین

□□□

قرآءت کا گل سرسبز

قاری عبدالستار فاضل قرآءت عشرہ

الحمدللہ وحدہ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ وعلی الہ وصحبہ الذین اوفوا عھدہ اما بعد!

راقم عرض گزار ہے کہ چونکہ قرآن حکیم فرقان حمید ایک سچی اور ایسی کتاب ہے جو منزل من اللہ ہے اور اسی پر دین اسلام کی اشاعت و ترویج کا دارومدار ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سیکھنے اور سکھانے والے کو سب سے افضل فرمایا اور دوسری حدیث میں اس کے پڑھنے اور پڑھانے کو سب سے افضل فرمایا۔ انبوہ انسانی میں کس قدر سعادت مند اور خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو قرآن حکیم کی تعلیم اور اشاعت میں مشغول ہوئے اپنی زندگیاں تعلیم و تعلم قرآن میں ہمہ وقت بسر کی علوم قرآن کی دل و جان سے ایسی خدمت کی کہ تاریخ عالم میں اپنا نام ثبت کرگئے۔ یہ عظیم الشان بزرگان کرام کا سلسلۃ الذہب جو سیدنا ابی بن کعبؓ سید القراء سے شروع ہو کر ہمارے اس موجودہ دور تک پہنچ رہا ہے جس میں بہت سے ایسے نامور نام شامل ہیں جو اپنے اندر علوم قرآن کے بے پناہ خزائن اور جواہر سمائے ہوئے بیٹھے تھے۔

یہ حضرات قراء کرام جنہوں نے قرآن حکیم کو حروف کے مخارج اور جمیع صفات سے پڑھنے میں اپنی عمر کی متاع گراں کو صرف کردیا ان میں بلاد ہند میں تجوید و قرآءت اور عربی لب و لہجہ اور لحون کی خدمت میں شیخ العرب والعجم استاذ استاذۃ الہند والپاکستان حضرت قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکیؒ آپ کے چھوٹے بھائی خاتمۃ القراء فی الہند شیخ الشیوخ حضرت قاری المقری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادیؒ کے نام اس روشن سلسلے کی نہایت دل آویز کڑیاں ہیں اور آپ سے ہی متصل آپ کے مایہ ناز شاگردان کرام استاذ القراء حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ اور استاذ الاساتذہ شیخ القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ کے نام نامی قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات کی خدمات جو پورے ایک صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہیں ایسی ہیں جو سنہرے حروف میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔

موخر الذکر حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الشیوخ القاری المقری مولانا عبدالمالک صاحبؒ کی ذات والا صفات ایسی ہے جس کی بدولت ہندوستان میں بالعموم اور پاکستان میں بالخصوص تجوید و قرآءت کے علوم کی بے پناہ خدمت ہوئی۔ آپ نے ایسے شاندار تلامذہ تیار فرمائے جو اپنی ذات میں علوم تجوید و قرآءت کے سمندر تھے۔ لیکن آپ کا بہت زیادہ فیض شیخ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحبؒ، شیخ القراء حضرت مولانا قاری حبیب اللہ صاحب ٹونکوی ثم کراچویؒ، حضرت استاذ المحترم استاذ الاساتذہ قاری المقری اظہار احمد تھانویؒ اور شیخ القراء حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتہم کے ذریعے پھیلا۔ ویسے تو ان تمام ذی قدر صاحبان نے تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اور تدریسی خدمات میں بھی بے پناہ قابل ستائش خدمات انجام دیں لیکن ان تمام بزرگ قراء میں جو نمایاں اور

منفرد مقام میرے شیخ محترم حضرت استاذ القراء والمجودین قاری اظہار احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کو حاصل تھا وہ بہت خصوصیت کا حامل ہے۔

آپ کی شخصیت' مقام و مرتبہ' علمی جلالت و منزلت' کریمانہ اخلاق' سنت نبویؐ سے آراستہ و پیراستہ عادات و اطوار' اللہ وحدہ لا شریک کی جانب سے ودیعت کردہ رعب و دبدبہ ایسی خوبیاں تھیں جو میرے استاذ المحترم کی خصوصی وصف شمار کئے جا سکتے ہیں۔ ممالک اسلامیہ میں آپ کا فیض خوب خوب پھیلا شاید ہی کوئی ایسا ملک ہو جس میں آپ کا کوئی نہ کوئی شاگرد تعلیم قرآن کا فریضہ ادا نہ کر رہا ہو بلکہ الحمدللہ بعض غیر مسلم ممالک میں بھی آپ کے فیض یافتہ قرآنی تعلیم سے ابناء اسلام کو سیراب کر رہے ہیں۔ آپ کی تلاوت اور درس قرآن عوام الناس میں بے پناہ مقبول تھیں اور وجہ یہی تھی کہ آپ سادہ اور واضح عربی لہجوں میں تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ حجازی' حسینی' مایہ' دوکا' سیکا' عشاقی' مصری غرض کوئی لہجہ ہو بلا تکلف پڑھ لینا آپ کا قابل ذکر وصف تھا۔ لیکن قدرتی طور پر آپ کا میلان حجازی لہجے کی جانب بہت زیادہ تھا۔ تراویح میں قرآن شریف پڑھنے کا انداز نہایت خوبصورت ہوتا مخصوص مایہ لہجے میں آپ کا پڑھنا ایسا ہوتا جیسے الفاظ نہیں آبدار موتی ہیں جو آپ کی زبان سے نکل رہے ہیں۔ خوبصورت آواز' ادائیگی اور صحت لفظی کے حسین امتزاج سے ایسا ماحول بنتا کہ سننے والا تلاوت کے سحر میں گم ہو جاتا دل چاہتا کہ حضرت شیخ تلاوت فرماتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔

جامع مسجد گورنمنٹ چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ کی مسجد نہایت بابرکت اور وہاں کے نمازی نہایت خوش نصیب تھے جو حضرت شیخ کی خوبصورت تلاوت سے مستفید ہوئے اور جہاں حضرت شیخ امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے۔ وہیں پر آپ نے درس قرآن کا سلسلہ بھی شروع کیا ہوا تھا جو ایک نہایت علمی اور معلوماتی فیوض سے بھرپور ہوتا اور جو لاہور کے کچھ مخصوص دینی دروس قرآن میں شمار ہوتا تھا۔

حضرت شیخ اپنی ذات میں بے پناہ خوبیاں رکھتے تھے آپ بیک وقت ایک بہترین مقرر' ایک بلند پایہ ادیب' ایک اچھے معقول تعداد کی کتب کے مصنف' بہت اچھی خوبصورت آواز کے مالک' بہت سے لہجوں پر عبور رکھنے والے ماہر قاری' مایہ ناز عالم اور درس و تدریس کے نہایت دلنشین انداز کے حامل استاذ کے نمایاں اوصاف سے متصف تھے اور یہ تمام پہلو اس قدر روشن تھے کہ علمی' ادبی' تدریسی و تالیفی اور دیگر مسائل کی تحلیل کے لئے ان شعبہ ہائے زندگی کے بہت سے لوگ آپ سے استفادہ کرتے اور آپ بلا تکلف اور بغیر کسی دنیاوی و مادی لالچ کے ان کو تعلیم سے آراستہ فرماتے۔

اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ آپ نے ان عظیم بزرگان دین سے استفادہ کیا ہوا تھا جو خلوص اور للہیت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے حفظ قرآن حکیم الامت حضرت تھانوی کے زیر سایہ کیا اور بعدازاں علوم حدیث' تفسیر و علوم عربیہ میں مہارت مادر علمی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی جہاں آپ نے حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ' شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری صاحبؒ' حضرت مفتی اعظم مولانا جمیل احمد تھانوی صاحب دامت برکاتہم' حضرت مولانا اسعداللہ شاہ صاحبؒ' حضرت مولانا مفتی قاری سعید احمد اجراڑوی صاحبؒ' حضرت مولانا الشیخ عبداللطیف صاحبؒ ناظم مدرسہ' حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کاملپوریؒ' حضرت مولانا منظور خان صاحبؒ اور حضرت مولانا زکریا قدوسی صاحبؒ جیسے اکابرین ملت سے حاصل کی۔ بعدازاں پاکستان تشریف لائے اور اول جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور میں حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کے فرمانے پر علوم عربیہ کی تدریس شروع فرمائی اور بعدازاں دارالعلوم اسلامیہ پرانی انار کلی میں بھی تدریس سے وابستہ رہے۔ ۱۹۵۳ء میں جب حضرت استاذ القراء والمجودین قاری المقری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ دارالعلوم تشریف لائے تو اپنے استاذ کے اصرار پر علوم تجوید و قرآءت سے مستفید ہوئے اور بعدازاں اپنے استاذ محترم کے کہنے پر اپنی ساری باقی ماندہ زندگی اس ذی قدر علم کی ترویج و اشاعت میں صرف کر دی۔ ۱۹۵۶ء میں آپ نے قرآءت عشرہ کی تعلیم مکمل کی۔ لیکن اس سے قبل ہی آپ اپنے قابل فخر استاذ کے نائب کے طور پر کام کرنے لگے۔ ۱۹۵۸ء میں حضرت قاری عبدالمالک صاحب نے لٹن روڈ مزنگ میں دارالترتیل والقرآن کا آغاز فرمایا تو حضرت شیخ مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیانوالی میں تشریف لے آئے اور ۱۹۶۳ء کے اواخر تک یہاں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۶۴ء میں حضرت استاذ الحفاظ مولانا قاری فضل کریم صاحب نور اللہ مرقدہ کی فرمائش پر مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل تشریف لائے اور تادم آخر تک اپنے فیوض قرآنی سے تشنگان علم کو سیراب فرماتے رہے۔ ۱۹۸۰ء میں جب اسلام آباد میں انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی کا آغاز ہوا تو وہاں شعبہ تجوید و قرآءت میں آپ کی خدمات عالیہ سے استفادہ کیا گیا۔ اسلامی یونیورسٹی میں جہاں آپ نے علوم تجوید و قرآءت کی تعلیم دی وہیں آپ نے علوم تفسیر' علوم حدیث اور علوم فقہ کی بھی تدریس خدمات انجام دیں۔ جس سے آپ کی ہمہ گیر عالمانہ شان مزید اجاگر ہوئی۔

حضرت شیخ سے احقر کی پہلی ملاقات اس وقت ہوئی جب احقر طالب علم کی حیثیت سے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور میں حاضر ہوا۔ حضرت مہتمم جناب قاری محمد رفیع صاحب دامت برکاتہم نے داخلے کے لئے امتحان لیا اور فرمایا ابھی طلبہ کی مطلوبہ تعداد تو پوری ہو چکی ہے لہٰذا آپ آئندہ سال آئیں۔ حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ ہی حضرت شیخ بھی تشریف فرما تھے میرے بہت زیادہ اصرار اور عرضداشت پر فرمایا اگر آپ کا مزید امتحان لیا جائے تو کامیابی کی صورت میں آپ کو داخلہ دیا جا سکتا ہے۔ راقم سے حضرت شیخ نے تجوید' صرف اور نحو میں مختلف سوالات کئے اور شافی جواب ملنے پر راقم سے فرمایا ابھی آپ کا داخلہ درجہ تجوید میں ہو گیا ہے۔ یہ ۱۹۶۸ء کی بات ہے اگلے سال سالانہ امتحان کے بعد قبلہ مہتمم صاحب دامت برکاتہم کے مشورہ سے حضرت شیخ نے بندہ کو شعبہ تجوید میں مدرس کی حیثیت سے اپنا معین رکھ لیا آپ کی معیت کا فخر مجھے ۱۹۸۳ء تک حاصل رہا۔

تجوید و قرآءت کے دقیق مسائل کو آپ اپنے مخصوص شفیقانہ طرز تدریس سے اپنے تلامذہ پر ایسے کھولتے چلے

جاتے تھے کہ ذہنی اطمینان کے ساتھ ساتھ علمی ذوق کی بھی بالیدگی ہوتی رہتی تھی۔ بارہا دیکھا کہ تجوید و قرآءت کے کسی مسئلہ میں جو الجھن فن کی کتابوں سے حل نہ ہو پاتی تھی حضرت شیخ کے گوش گزار کی جاتی اپنے مخصوص مربیانہ انداز میں ایسا حل بیان فرماتے کہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتا۔

سبق کی تقریر آسان، سہل اور اس قدر دلنشیں پیرایہ بیان پر مشتمل ہوتی کہ کند ذہن طالب علم بھی باآسانی سمجھ لیتا۔ ایسے آسان اور عام فہم الفاظ ہوتے کہ اب درس میں ایسے الفاظ قراء حضرات کے یہاں نہیں ملتے۔ چھوٹے سے جملے میں ایک بڑی عبارت کو سمو ڈالنا حضرت شیخ کا عجیب و غریب طرہ امتیاز تھا۔ بات کو نہ تو طوالت سے لایعنی بحث کا مجموعہ بنانا اور نہ اس قدر مختصر کہ مخاطب سمجھ ہی نہ پائے بلکہ تقریر "خیر الکلام ماقل وما دل" کی شاندار تفسیر ہوتی یہ رنگ آپ کی تصنیفات میں بھی غالب تھا۔

حضرت شیخ سبق پڑھانے اور سمجھانے کے بعد فرماتے بھائی اگر کسی کے ذہن میں کوئی سوال و اعتراض ہو تو پیش کرے۔ کوئی طالب علم سوال کرتا یا کائی اعتراض اٹھاتا تو بہت خوش ہوتے اور فرماتے تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے اور اسی طرح کے حوصلہ افزائی کے کلمات فرما کر طالب علم کو اس بات کی ترغیب دیتے کہ وہ کسی قسم کا سوال کرنے میں جھجک محسوس نہ کرے۔

بعض اوقات کسی محفل یا مجلس میں دیگر علماء اور اساتذہ کرام بھی تشریف فرما ہوتے کسی مسئلہ میں گفتگو چل نکلتی۔ بسا اوقات کسی عالم یا استاذ سے مسئلہ کے جواب میں کوئی تسامح ہو جاتا تو حضرت شیخ ایسے انداز میں اس کی تصحیح فرماتے کہ غلطی کرنے والے کو کوئی ندامت یا خفت محسوس نہ ہوتی۔

دوسروں کا احترام کا جذبہ ہر وقت آپ پر غالب رہتا۔ راقم نے بارہا دیکھا کہ بعض ناعاقبت اندیش حضرت شیخ کے متعلق بے سروپا ہرزہ سرائی کرتے اور وہ باتیں آپ تک پہنچتی لیکن نہایت بردباری سے ایسی باتوں کا کوئی جواب نہ دیتے غیبت سے بہت دور رہتے اگر کبھی کوئی ایسے کلمات کہنا بھی شروع کرتا جس سے غیبت کی بو آتی ہو تو فوراً حضرت شیخ موضوع بدل دیتے۔

اس قدر تبحر علمی اور عالمانہ شان کے باوجود غرور، جھوٹی انا اور تکبر جیسی بیماریوں سے حضرت شیخ بالکل پاک تھے۔ طبیعت میں سادگی، غنا اور توکل بہت زیادہ تھا کوئی مالدار شخص آجاتا تو اس سے مرعوب ہونا اور حسد و کینہ محسوس کرنا حضرت شیخ کی عادت میں بالکل نہ تھا۔ بلکہ غریب سادہ اور عالمانہ شخصیت والے حضرات کا دل و جان سے احترام کرتے۔

اپنے معاصرین کا حد درجہ محبت و الفت سے ذکر کرتے خصوصاً" حضرت استاذ القراء قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب دامت برکاتہم اور حضرت استاذ القراء قاری محمد شریف صاحبؒ کے خصوصی تعلقات کار حضرت شیخ سے تھے۔

صاف گوئی اور پراخلاص مشورے سے نوازنا بھی حضرت شیخ کی بڑی نادر صفت تھی۔ ابتدا میں جب راقم کو

حضرت شیخ کا معین ہونے کا شرف حاصل ہوا تو راقم نے تدریسی کام سے کچھ عذر پیش کیا کیونکہ بندہ کا ذہن زیادہ تر درس نظامی کی جانب تھا میرے اس رجحان کو حضرت شیخ نے محسوس فرمایا تو فرمانے لگے بھئی پہلے میں بھی درس نظامی کی کتابیں پڑھایا کرتا تھا مگر حضرت استاذ المکرم مولانا قاری عبدالمالک صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے مجھے فرمایا کہ درس نظامی میں پڑھانے والے بہت سے مل جاتے ہیں مگر شعبہ تجوید و قرآءت میں کام کرنے والے بہت کم ہیں۔ میں حضرت شیخ کی اس نصیحت سے بہت متاثر ہوا اور پھر تقریباً چودہ پندرہ سال حضرت شیخ کی معیت میں کام کیا۔

بعدازاں ۱۹۸۳ء میں حضرت کی معیت میں ہونے والی نائب مدرسی سے بندہ فارغ ہوا تو عازم سعودی عرب ہوا۔ وہاں ایک مرتبہ ایک مقامی اخبار میں کسی مصری قاری کا حرف ضاد کو دال مفخم پڑھنے کی حمایت میں مضمون شائع ہوا راقم نے اس مضمون کا تراشہ حضرت شیخ کو روانہ فرمایا حضرت شیخ کا جواب آیا کہ میں یہاں سے حرف ضاد کی صحیح ادائیگی سے متعلق مضمون لکھ کر روانہ کرتا ہوں تم اس اخبار میں اس کو جواب کے طور پر چھپوانا۔ غرض یہ علمی بحث خوب چلی حضرت شیخ مضمون مجھے روانہ فرماتے اور میں اسے اس اخبار میں شائع کرواتا۔ حضرت شیخ کے یہ تمام علمی مضامین راقم نے محفوظ کئے لیکن یہاں واپس پاکستان آکر وہ میری لاپروائی سے ضائع ہو گئے جس کا مجھے شدید رنج ہوا۔

موقع محل کی مناسبت سے بات کرنے کا ملکہ بھی اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوب دیا تھا۔ استاذ محترم حضرت مولانا بدیع الزمان صاحبؒ فاضل دیو بند جو مدرسہ تجوید القرآن میں کتب عربیہ کے استاذ اور جامع مسجد محمدی نشتر روڈ رحمان گلی میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے (آج کل راقم اس مسجد میں الحمدللہ یہ خدمات انجام دے رہا ہے) ان کا انتقال دسمبر ۱۹۹۰ء میں ہوا۔ ان کی یاد میں ایک محفل حسن قرآءت کا اہتمام کیا گیا حضرت شیخ بھی تشریف لائے آخر میں حضرت شیخ نے تلاوت فرمائی اور مختصر طور پر حضرت مولانا بدیع الزماں صاحبؒ کی شخصیت پر بہت موثر روشنی ڈالی اور بعدازاں دعا فرمائی قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت شیخ نے اس موقع پر ''**کل نفس ذائقة الموت**'' والا رکوع پڑھا اور اپنے مخصوص طرز تلاوت سے موت اور فکر آخرت کو گویا آنکھوں کے سامنے لا کر رکھ دیا۔

حضرت شیخ کی تصانیف جو نہ صرف اندرون ملک بلکہ بیرون ملک بھی بے حد مقبول ہوئیں۔ ایک نئی شان تحقیق سے بھرپور ہیں اور طالب علموں کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے نہایت سہل انداز میں مرتب شدہ یہ تصانیف ایک عجیب و غریب شان کی حامل ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جہاں اردو زبان میں حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ نے علوم تجوید و قرآءت کو پہلی مرتبہ پیش کیا ہے اور اس کام کو حضرت مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ نے مزید آگے بڑھایا وہاں حضرت استاذ المحترم مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ نے علوم تجوید و قرآءت کو اردو زبان میں نہایت آسان، سہل اور جامع و جدید اسلوب پر پیش کرنے کا کارنامہ انجام دیا۔

اور آپ کی تصانیف میں ان شان علمی کا ظاہر ہونے میں جہاں علوم قرآن پر بے پناہ دسترس تھی وہاں اردو

زبان پر بے پناہ قدرت بھی ایک اہم وجہ ہے۔ جمال القرآن' تیسیر التجوید' مجموعہ نادرہ' تنشیط الطبع فی اجراء السبع کے نادر حواشی خلاصتہ التجوید' توضیح المرام فی وقف حمزۃ و ہشام' شرح شاطبیہ' امانیہ شرح شاطبیہ' الجواہر النقیہ شرح المقدمتہ الجزریہ' الدراری شرح الدرۃ اور علامہ جزری کے صاجزادے کی شرح جزری الحواشی المفہمہ کا اردو ترجمہ اور دیگر بہت سی کتب آپ کی شاندار علمی یادگاریں ہیں جب تک علوم تجوید و قرآءت کی تدریس ہوتی رہے گی انشاء اللہ حضرت شیخ کے ان چشمہ فیوض سے استفادہ بھی ہوتا رہے گا۔

حضرت شیخ نے اپنے پیچھے اپنی کتب کے علاوہ نہایت قابل قدر شاگرد بھی چھوڑے ہیں جو خدمت قرآن میں مصروف ہیں اور حضرت شیخ کے لئے ان کی تالیفات کی مانند صدقہ جاریہ بنے ہوئے ہیں۔ ان میں درج ذیل حضرات خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن ڈیروی فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری عطاء اللہ ڈیروی فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری محمد ادریس عاصم فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری عبدالباعث سواتی فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری حاجی محمد مظفرگڑھی فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری فقیر محمد مردانی فاضل قرآءت عشرہ

حضرت مولانا قاری بزرگ شاہ الازہری فاضل قرآءت سبع وغیرہم بہت قابل ذکر ہیں۔ راقم کو بھی حضرت شیخ سے تجوید' قرآءت سبع و قرآءت عشرہ میں استفادہ کا موقع ملا جس پر راقم اللہ وحدہ لا شریک کا شکر گزار ہے۔

حضرت شیخ نے ۱۰ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ مطابق ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کو اس جہان فانی کو خیرباد کہا اور لاہور میں آپ کو قبرستان میانی صاحب میں سپرد خاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ میرے استاذ گرامی' شیخ مربی اور ماہر علوم و فنون قرآنی کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمت قرآن کے اس عظیم کارخیر میں مصروف و مشغول رکھے۔ آمین

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعلی علی رسولہ الکریم

□□□

میرے استاذ فخر المجودین

قاری محمد یحیٰ رسولنگری

استاذنا شیخ القراء فخر المجودین حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی رحمتہ اللہ علیہ تھانہ بھون میں پیدا ہوئے حضرت الاستاذ نے ابتدائی تعلیم اور قرآن کریم بھی وہیں حفظ کیا اس کے بعد موقوف علیہ اور دیگر فنون اور دورہ حدیث کے لئے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے جہاں یکتائے روزگار استاذ العلماء حضرت مولانا محمد ذکریا صاحب کاندھلوی جیسی عظیم ہستیوں سے اکتساب علم کیا اور باقاعدہ سند فراغت حاصل کی دوران قیام سہارنپور الشیخ القراء قاری عبدالخالق صاحبؒ سے بھی خوب استفادہ کرتے رہے۔

۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد لاہور تشریف لائے اور جامع مسجد مقدس پرانی انارکلی میں امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دینے لگے۔ انہی ایام میں مہتمم دارالعلوم اسلامیہ حضرت مولانا قاری سراج احمد صاحبؒ نے حضرت الاستاذ تھانویؒ کو ابتدائی کتب پڑھانے کی دعوت دی جس کو آپ نے قبول فرمایا اور ابتدائی کتب فارسی اور صرف و نحو کی تدریس شروع کر دی۔

اسی اثناء میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ دارالعلوم اسلامیہ لاہور میں تشریف لائے اور مسند تجوید و قراءت پر رونق افروز ہوئے۔ حضرت امام القراءؒ کا علمی حلقوں میں بے حد شہرہ تھا استاذ القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے حضرت الاستاذ تھانویؒ کو تجوید و قراءت پڑھنے کی ہدایت کی۔ شیخ تھانویؒ کے دل میں اشتیاق تو پہلے سے ہی امام القراءؒ سے پڑھنے کا موجود تھا لہٰذا آپ نے اس حکم کی بجا آوری کی اور باقاعدہ طور پر آپ کے سامنے زانوئے تلمذ اختیار کیا اور حضرت امام القراءؒ سے روایت حفص اور قراءت سبعہ و عشرہ کی تکمیل فرمائی۔

دوران تعلیم سبع' حضرت الاستاذ تھانویؒ شاطبیہ کے اشعار کو نحوی اور صرفی لحاظ سے حل کرتے اور سلیس اردو ترجمہ کر کے حضرت امام القراءؒ کی خدمت میں پیش کرتے جس کو ملاحظہ فرما کر حضرت امام القراءؒ بہت خوش ہوتے انہیں امور کی بنا پر آپ کے دل میں حضرت الاستاذ تھانویؒ کی قدر و منزلت بہت بڑھ گئی اور دیگر ہم سبق ساتھیوں پر بھی حضرت الاستاذ تھانویؒ کو فوقیت دیتے۔ حضرت شیخ الکرم قاری عبدالمالکؒ کو حضرت الاستاذ تھانویؒ کی علمی قابلیت پر پورا اعتماد تھا۔ حضرت الاستاذ تھانویؒ نے بہت تھوڑے عرصہ میں قراءت سبعہ و عشرہ کی تکمیل فرمائی اور بعد ازاں حضرت امام القراء کے نائب کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔

حضرتؒ الاستاذ کے زملاء حضرت مولانا قاری عبدالقادر صاحب بہاولپوری دامت برکاتہم' حضرت مولانا محمد افضل صاحبؒ راولپنڈی والے' حضرت مولانا قاری غلام نبی صاحبؒ کوئٹہ والے وغیرہم کے ساتھ نہایت اخلاص والے

تعلقات تھے ہم نے اپنے زمانہ طالب علمی میں بارہا مشاہدہ کیا کہ جب بھی ان حضرات میں سے کوئی بھی تشریف لاتا تو حضرت الاستاذ تھانویؒ ازحد خوش ہوتے اور نہایت الفت و محبت کے ساتھ پیش آتے اور اپنے زمانہ طالب علمی کی باتیں یاد کر کے لطف اندوز ہوتے۔ قاری محمد افضل صاحبؒ اکثر و بیشتر امتحانات اور محافل حسن قراءت میں حضرت الاستاذ تھانویؒ کو مدعو کرتے رہتے تھے۔ قاری عبدالقادر دامت برکاتہم بھی مسجد چینیانوالی میں ملاقات کے لئے تشریف لاتے۔ حضرت الاستاذ تھانویؒ کے ہمعصر قراء میں استاذ القراء قاری محمد شریف صاحبؒ، استاذ القراء قاری سید محمد حسن شاہ صاحب دامت برکاتہم حال مقیم مدینہ منورہ، استاذ القراء قاری عبدالوہاب مکی صاحب دامت برکاتہم شامل ہیں ان تمام اساتذہ فن کے ساتھ ہمارے شیخ محترم کے تعلقات نہایت محبت و خلوص والے اور برادرانہ تھے۔

خاص طور پر حضرت قاری محمد صدیق صاحب لکھنوی دامت برکاتہم کے ساتھ جو تعلق محبت ہمارے شیخ کا استوار تھا وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ دونوں بزرگ اکٹھے ہی مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیانوالی میں مصروف تدریس رہے اور بعد ازاں بھی جب کہیں اکٹھے ہوتے تو انتہائی محبت و خلوص کے ساتھ محو گفتگو ہوتے۔ ایسے ہی الشیخ قاری نور محمد صاحب مدظلہ العالی بھی حضرت الاستاذ تھانوی کے علمی کمالات اور قابلیت کے معترف تھے حد درجہ محبت و احترام فرماتے بندہ فقیر نے بارہا حضرت شیخ تھانویؒ کے مکان پر قاری نور محمد صاحب دامت برکاتہم کو دیکھا دونوں کا آپس میں الفت و محبت کا مثالی تعلق قائم تھا۔

ہمارے شیخ تھانویؒ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ کسی دوست میں کوئی فنی کمال ہوتا تو اس کو فراخ دلی سے قبول فرماتے اور بیان کر کے بے حد خوش ہوتے۔ آپ الشیخ قاری صدیق لکھنوی دامت برکاتہم کے حدر کے بہت معترف تھے کہ آپ بہت اعلیٰ حدر پڑھتے ہیں اور اس خوبی کو طلباء کے سامنے اکثر و بیشتر ذکر فرماتے۔ ایسے ہی محترم قاری نور محمد صاحب دامت برکاتہم کے ترتیل اور تلفظ کی خوبی کو بیان فرماتے کہ موصوف بہت اعلیٰ درجہ کے مشاق اور لاہور کے پرانے اساتذہ فن میں سے ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت الاستاذ تھانویؒ نے واقعہ سنایا کہ غالبا بوریوالہ یا وہاڑی میں محفل حسن قراءت تھی جس میں لاہور کے بہت سے قراء شریک تھے جن میں استاذ القراء قاری عبدالوہاب مکی صاحب بھی شامل تھے۔ آپ نے واپسی پر اس محفل کا پورا واقعہ سنایا اور قاری عبدالوہاب مکی صاحب کی بے حد تعریف فرمائی اور کہا مکی صاحب نے ایسے انداز سے تلاوت فرمائی ہے جو بیان سے باہر ہے مکی صاحب کی تلاوت سن کر مجمع پر ایک عجیب قسم کی کیفیت طاری تھی۔ اسی طرح استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحبؒ کی طلباء پر محنت اور بالخصوص مشق اور حدر میں تلفظ کی طلباء کو پختگی کرانے پر موصوف کے معترف تھے۔ اسی طرح ایک مرتبہ جامع مسجد نیلا گنبد میں ایک عظیم الشان محفل قراءت ہوئی جس میں خود حضرت الاستاذ تھانویؒ، قاری محمد افضل صاحبؒ، قاری عبدالقادر بہاولپوری صاحبؒ اور قاری عبدالوہاب مکی صاحب جیسے اکابر شامل تھے مہمان خصوصی استاذ القراء الشیخ قاری محمد حسن صاحب قلائیؒ بھی تشریف لائے آپ نے حجازی لہجے میں نہایت شاندار انداز میں سورۃ

والضحیٰ تلاوت فرمائی۔ دوسرے روز حضرت الاستاذ تھانوی جب مدرسے تشریف لائے تو ہر ایک شیخ کی بہت شاندار الفاظ میں تعریف فرمائی۔ قاری محمد افضل صاحبؒ کا خصوصیت سے ذکر فرمایا کہ انہوں نے حجازی لہجہ میں بہت عمدہ پڑھا۔ اسی طرح استاذ الحفاظ قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم سے بھی حضرت تھانویؒ بے حد شفقت آمیز برتاؤ فرماتے۔ قاری صاحب موصوف حضرت تھانوی کو اکثر و بیشتر اپنے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار میں بلاتے اور خوب محبت سے دعوتیں کرتے۔ قاری احمد دین صاحب حضرت الاستاذ تھانوی کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے عقیدت رکھتے تھے اور حضرت تھانویؒ کے کمالات علمی اور اخلاق حسنہ کے معترف تھے۔ اسی محبت کو برقرار رکھنے کے لئے اور تعلق خاطر کو استوار کرنے کے لئے جب حضرت تھانویؒ جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد میں قراءت کے پروفیسر مقرر ہوگئے تو اپنے مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ بازار کے لئے کچھ وقت مخصوص فرمایا جہاں حضرت تھانویؒ ہر ہفتے میں مخصوص کردہ ایام میں تشریف لاتے اور طلباء کو مستفیض فرماتے۔

تجوید و قراءت میں امام القراء سے تعلیم مکمل کرلی تو استاذ الحفاظ حافظ محمد یوسف صاحبؒ مکھڈ ضلع کیمل پور والے دارالعلوم تشریف لائے اور قاری سراج صاحبؒ اور حضرت امام القراءؒ سے درخواست کی کہ انہیں ایک بہترین مجود، ماہر فن تجوید و قراءت استاذ کی ضرورت ہے تو دونوں بزرگوں نے متفقہ طور پر حضرت الاستاذ تھانویؒ کا اسم گرامی پیش کیا حضرت الاستاذ تھانویؒ تدریس کے لئے مکھڈ ضلع کیمل پور تشریف لے گئے اور ایک عرصہ تک وہاں علم تجوید و قراءت کی آبیاری فرمائی اور بے شمار قراء پیدا کئے۔ ضلع کیمل پور کے قراء لحن داؤدی میں مشہور ہیں۔

اس کے بعد سرخیل جماعت اہلحدیث حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی صاحبؒ نے حضرت الاستاذ تھانویؒ کو مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیانوالی میں تجوید و قراءت کی مسند سنبھالنے کی دعوت دی۔ جس کو حضرت الاستاذ تھانویؒ نے بخوشی قبول فرمایا اور باقاعدہ سلسلہ تعلیم شروع کیا اور ایک لمبی مدت تک حضرت الاستاذ تھانویؒ نے یہاں علم تجوید و قراءت کو فروغ دیا اور نہایت قیمتی لعل و جواہر پیدا فرمائے۔ یہاں اتنی بات ضرور یاد رہے کہ حضرت الاستاذ سے قبل مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیانوالی میں استاذ القراء قاری محمد اسماعیل صاحبؒ اور استاذ الحفاظ قاری فضل کریم صاحبؒ ایک عرصہ تک خدمت قرآن فرماتے رہے۔

بندہ فقیر نے بھی آخری ایام ۶۳،۱۹۶۲ء مسجد چینیانوالی میں حضرت الاستاذؒ سے روایت حفص کی تکمیل کی اور دوران تدریس مدرسہ تجوید القرآن مسجد لسوڑیانوالی میں بحیثیت صدر مدرس شعبہ تجوید و قراءت ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۷ء حضرت الاستاذؒ سے مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار میں قراءت سبعہ و عشرہ میں استفادہ کیا۔ روایت حفص کی حضرت استاذ المکرمؒ سے تکمیل کے بعد بندہ فقیر کراچی چلا آیا تھا اور یہاں دورہ حدیث کے دوران ہی استاذ القراء حضرت مولانا قاری حبیب اللہ صاحبؒ افغانی ثم ٹونکوی ثم کراچوی سے مدرسہ تجوید القرآن نارتھ ناظم آباد جہاں حضرت پڑھاتے تھے حلقہ تلمذ میں شامل ہو کر پانچ سال میں قراءت سبع اور قراءت ثلثہ کی تکمیل کی اور بعدازاں حضرت

استاذ القراء قاری حبیب اللہ صاحبؒ نے راقم کو سند اجازت مرحمت فرمائی۔

دوران تدریس مسجد چینیانوالی حضرت الاستاذ مقدس مسجد انارکلی سے ۱۹۶۱ء میں بطور خطیب و امام جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز منتقل ہوگئے اور وہاں تادم حیات قرآن و حدیث کی خدمت میں مصروف رہے۔ حضرت الاستاذ کا درس قرآن کریم کا بڑا انوکھا انداز ہوتا تھا لوگ انتہائی ذوق و شوق سے آپ کا درس سنتے تھے بے شمار لوگوں کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔ آپ کے اخلاق حسنہ سے چھوٹے بڑے سب متاثر تھے اس لئے جب بھی آپ کے پاس حاضری ہوتی تو وہاں اہل محلہ میں سے کوئی نہ کوئی شخص آپ کی مجلس میں بیٹھا ہوتا اور مسائل پر گفتگو جاری رہتی۔

آپ کے جملہ شاگردوں کی فہرست اس گنہگار کو یاد نہیں چند تلامذہ کے نام یاد ہیں جنہوں نے اس فن میں خوب شہرت حاصل کی۔ مثلاً پیکر حسن و جمال صاحب اخلاق حمیدہ استاذ الحفاظ قاری محمد یوسف میر محمدیؒ ایک عرصہ تک خدمت قرآن کریم میں مشغول رہے اور عہد شباب میں اس دنیا فانی سے کوچ فرما گئے (انا للہ وانا الیہ راجعون) ان کی اولاد الحمد للہ اس وقت بھی خدمت قرآن میں مصروف ہے۔ اسی طرح قاری نور احمد ڈھلیانوالی صاحب جو ترتیل قرآن میں حضرت الاستاذؒ کے صحیح جانشین ہیں۔ ایک مرتبہ حضرت الاستاذؒ جامعہ عزیزیہ ساہیوال میں بطور ممتحن تشریف لائے اور قاری نور احمد صاحب سے سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات سن کر بے حد خوش ہوئے اور دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی بخشے نیز فرمایا کہ تم نے ابھی تک اپنے لہجہ کو کماحقہ محفوظ کیا ہوا ہے ان کے علاوہ قاری عبدالشکور صاحب برق حال مقیم جدہ سعودی عرب' الشیخ المقری مولانا قاری محمد عزیر صاحب فاضل قراءت سبعہ' الشیخ القاری محمد ادریس عاصم فاضل قراءت سبعہ و عشرہ خریج مدینہ یونیورسٹی' قاری عبدالعزیز رام گڑھیؒ' محترم قاری سیف اللہ حافظ آبادی' جناب الشیخ القاری احمد میاں تھانوی فاضل قراءت سبعہ و عشرہ خریج مدینہ یونیورسٹی' قاری محمد یوسف سیالوی فاضل قراءت سبعہ' قاری محمد سعید چترالوی حال مقیم دبئی' قاری الٰہی بخش نظامی' قاری عبدالحلیم چترالوی' قاری عبدالباعث سرحدی فاضل قراءت سبعہ و عشرہ' محترم قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی فاضل قراءت سبعہ و عشرہ' قاری محمد یوسف لکھوی' قاری عطاء اللہ ڈیروی فاضل قراءت سبعہ و عشرہ' قاری محمد امین کیمل پوری' قاری شیر محمد کیمل پوری' قاری عزیز الرحمٰن کیمل پوری' قاری سلطان محمود سیفی کیمل پوری' قاری عبدالستار فاضل قراءت سبعہ و عشرہ و قاری عبدالرشید عبیدالرحمٰن بلتستانی اور قاری بزرگ شاہ فاضل جامعہ الازہر قاہرہ وغیرہم جیسے نام نامی شامل ہیں۔

مخدوم المشائخ حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ حضرت الاستاذ سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ اور آپ کے لہجہ اور طرز ادا کو بے حد پسند فرماتے۔ کبھی کبھی دارالعلوم غزنویہ شیش محل روڈ میں دعوت کرتے اور بلا کر فرمائش کر کے آپ سے تلاوت سنتے اور زار و قطار روتے۔ مخدوم المشائخ سید محمد داؤد غزنویؒ کی وفات کے بعد ۱۹۶۴ء میں استاذ الحفاظ حضرت مولانا قاری فضل کریم صاحبؒ بانی مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار نے آپ کو دعوت تدریس دی

اور پورے اعزاز اور اہتمام کے ساتھ آپ مدرسہ تجوید القرآن میں تشریف لائے یہاں آپ نے تادم حیات علوم تجوید و قراءت کی بے پناہ خدمت کی اور بے شمار لوگوں کو ان علوم سے مالا مال کیا۔

حضرت الاستاذ کا علمی طور پر نہایت اونچا مقام تھا کیونکہ آپ علم قراءت کے علاوہ بقیہ فنون یعنی حدیث' تفسیر' فقہ' منطق' فلسفہ' معانی اور عربی و فارسی پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ حضرت الاستاذ کے پاس جس فن کی کتاب پڑھنے کے لئے کوئی طالب علم آیا اس کو واپس نہ لوٹایا بلکہ نہایت خوشی اور مسرت سے اس کے مطلوبہ علم کی تعلیم دی۔ ایک مرتبہ بندہ فقیر رات کے وقت حضرت الاستاذؒ کے گھر حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ محکمہ اوقاف کے ایک بہت بڑے افسر خواجہ اظہر عباس صاحب کو "کافیہ" کا درس دے رہے تھے جو علم نحو کی ادق کتاب مانی جاتی ہے۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت الاستاذ تھانویؒ نے خود فرمایا تھا کہ جامعہ اشرفیہ والوں نے مجھے حدیث کے اسباق پڑھانے کی دعوت دی مگر چونکہ علم تجوید و قراءت میں ہی اس قدر مصروفیت تھی کہ دوسری طرف وقت دینا نہایت مشکل تھا۔

تصنیف و تالیف کے میدان میں اللہ تعالٰی نے آپ کو اتنی فضیلت بخشی تھی کہ جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا موتی بکھیر دیئے۔ علم قراءت میں مشہور اور ادق کتاب الشاطبیہ کی شرح الامانیہ میں آپ نے ترجمہ و تشریح میں جو علمی کمال دکھایا ہے اہل علم اس کے معترف ہیں اس طرح علامہ جزریؒ کا فن تجوید میں مشہور رسالہ مقدمتہ الجزریہ کی شرح الجواہر النقیہ جس میں بے پناہ علمی خزائن ہیں جس کا شروح میں نہایت بلند تر مقام ہے اور جس کی علمی اہمیت طلباء و اساتذہ پر خوب روشن ہے۔ اسی طرح فن تجوید میں آپ کا عام فہم رسالہ "خلاصتہ التجوید" بھی اہل علم کے ہاتھوں میں ہے حقیقتاً اسم بامسمی ہے۔ فن تجوید کی درسی کتب جمال القرآن' اور تیسیر التجوید پر آپ نے نہایت قیمتی حواشی تحریر فرمائے جن کو اہل علم قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

اسی بنا پر آپ کے مخلص دوست استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحبؒ بانی دارالقراء ماڈل ٹاؤن لاہور فرماتے تھے کہ فن تجوید و قراءت پر قلم اٹھانا درحقیقت الشیخ القاری اظہار احمد تھانویؒ کا ہی حق بنتا ہے کیونکہ ان کو جملہ علوم اور بالخصوص فن تجوید و قراءت پر کماحقہ عبور حاصل ہے۔

ایسے ہی مصر' شام' الجزائر' السعودیہ اور تیونس وغیرہ سے قراء کا ایک وفد پاکستان آیا تو ان قراء میں شیخ خلیل محمود الحصریؒ شیخ الازہر بھی شامل تھے موصوف کا حضرت الاستاذ کے ساتھ کئی علمی مسائل پر تبادلہ خیال ہوا بالخصوص علم اوقاف پر حضرت الاستاذؒ سے طویل گفتگو ہوئی جس کی بنا پر الشیخ الحصریؒ آپ کی تبحر علمی کا معترف ہوا اور مصر واپس جا کر بھی اس نے حضرت الاستاذؒ کو خط لکھا جس میں اس ملاقات کا تذکرہ کیا۔

حضرت الاستاذ کو ملکی و غیر ملکی سطح پر بہت اونچا مقام حاصل تھا پورے ملک میں کوئی بھی مجلس قراءت یا مقابلہ حسن قراءت ایسا نہ ہوتا تھا جہاں آپ کو مہمان خصوصی یا بطور منصف دعوت نہ دی جاتی ہو۔ ایسے ہی بیرون

ملک مثلاً ملائشیا میں ۱۹۶۹ء کے بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت اور سعودی عرب میں مکہ مکرمہ میں منعقدہ ۱۹۸۴ء کا بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت میں پاکستان کی طرف سے بطور جج شرکت فرمائی۔

۱۹۸۰ء میں جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد میں علوم تجوید و قراءت کی تدریس کے لئے بہت سے علماء و قراء کے انٹرویو ہوئے تو صرف حضرت الاستاذؒ ہی ان کے مطلوبہ معیار پر پورے اترتے ہوئے منتخب ہوئے۔ جامعہ کی جانب سے انٹرویو لینے والی مقررہ کمیٹی نے بھی حضرت الاستاذؒ کے علمی مقام کو تسلیم کیا۔ حضرت الاستاذؒ وہاں تادم حیات نہایت خوش اسلوبی اور علمی قابلیت کی بنا پر قراءت سبعہ و عشرہ پڑھاتے رہے اس کے علاوہ علوم حدیث اور علوم فقہ کی تدریس بھی حضرت الاستاذؒ نے فرمائی جامعہ اسلامیہ اسلام آباد میں پاکستانی اور غیر ملکی طلباء آپ سے یکساں مستفید ہوتے رہے۔

دوران قیام مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور میں بندہ فقیر کی شادی پر رسول نگر ضلع اوکاڑہ میں تشریف لائے اور وہاں دو دن قیام فرمایا اور بندہ کا نکاح مسنونہ بھی پڑھایا علاقہ کے علماء و حفاظ حضرت الشیخؒ کی شہرت علمی سے باخبر تھے لہٰذا ملاقات کے لئے حاضر ہوئے بالخصوص استاذ المکرم حضرت مولانا حافظ عبدالرزاق امیؒ شیخ الحدیث ڈھلیانہ بھی تشریف لائے حضرت الشیخؒ کی اقتداء میں نماز ادا کی جس میں آپ نے سورۃ واقعہ کی تلاوت فرمائی آپ کی تلاوت سے حضرت حافظ صاحب بہت متاثر ہوئے اور فرمانے لگے کہ حضرت قاری صاحبؒ نے ایسی خوب سورت اور بے تکلف تلاوت فرمائی ہے جو کہ میں نے آج تک کسی سے بھی نہیں سنی واقعی حضرت قاری صاحبؒ کو جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا۔ بندہ فقیر نے اپنے بڑے بیٹے کا نام حضرت الاستاذؒ کے ارشاد پر ''اظہار احمد'' رکھا الحمدللہ وہ حافظ قرآن ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ اس کو حضرت الاستاذؒ کی نسبت سے خادم قرآن بنائے! آمین

زمانہ طالب علمی کے دوران جب میں مدرسہ بحرالعلوم کراچی میں دورہ حدیث کا طالب علم تھا تو حضرت الشیخؒ کو خط لکھا کہ کچھ نصائح فرمائیں حضرت الاستاذؒ نے جوابی خط میں قرآن کریم کی یہ آیت تحریر فرمائی۔ **لئن شکرتم لازیدنکم۔** یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے رہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو مزید علم عطا فرمائے گا۔ حضرت الاستاذؒ کو اچھی تلاوتیں سننے کا بہت شغف تھا رات کے وقت ریڈیو پر بڑے بڑے اسٹیشنوں مثلاً قاہرہ، ریاض، دمشق، کویت اور ایران سے قراء کرام کی تلاوتیں باقاعدگی سے سنتے تھے۔ عموماً ہر اچھی آواز اور صحیح تلفظ والے کو دلچسپی سے سنتے مگر الشیخ رفعت مصریؒ کو بہت اہتمام سے سنا کرتے۔ شیخ رفعت مصریؒ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ شیخ رفعت مصریؒ نے تو میرا دل چھلنی کر دیا ہے ان کے پڑھنے کا براہ راست دل پر اثر ہوتا ہے اس بات سے حضرت الشیخؒ کے قرآن کریم کے ساتھ شغف اور انابت الی اللہ کا پتہ لگتا ہے۔

حضرت کے اخلاق حسنہ کو ہر موافق اور مخالف تسلیم کرتا تھا آپ خوش خلقی اور حلیم الطبع عادات سے مالا مال تھے طلباء کے ساتھ بے پناہ شفقت فرمایا کرتے ایک مرتبہ جو طالب علم آپ کے حلقہ درس میں شامل ہو جاتا وہ

تکمیل کئے بغیر نہ جاتا۔ بندہ فقیر کو حضرت الاستاذ سے نہایت محبت و عقیدت تھی۔ حضرۃ الاستاذؒ بھی میرے ساتھ بہت شفقت و محبت والا سلوک فرماتے حضرت کی کرم نوازیاں اور علمی ابحاث میری زندگی کا سرمایہ افتخار ہیں جن پر میں بجا طور پر فخر کرنے میں حق بجانب ہوں۔ آپ کی شخصیت طلباء اور اساتذہ کے لئے نمونہ اور مشعل راہ ہے۔ حضرت کے ہمراہ جو چند گھڑیاں بھی گزارتا وہ بعد میں بھی متمنی رہتا کہ کاش آپ کی علمی محفل کا ماحول دوبارہ بھی میسر آئے اور آپ کےؒ اخلاق اور محبت سے مستفید ہو۔

آپ کا رنگ کھلتا ہوا گندمی چہرہ گول پیشانی کھلی جسم بھرا ہوا آنکھیں نہایت خوب صورت اور قد خوبصورت و درمیانہ تھا۔ داڑھی درمیانی مگر بھری بھری' شخصیت نہایت پر کشش اور اخلاق خلق عظیم کی تفسیر تھا۔ حضرت الاستاذ' جب بھی گفتگو فرماتے تو ہر حرف کو الگ واضح موتیوں کی طرح بیان کرتے مجلس میں بیٹھنے والے چاہے وہ اہل علم ہوں یا عام آدمی یکساں مستفید ہوتا۔ ہر چھوٹے بڑے سے اس کے مرتبہ کے مطابق گفتگو فرماتے ہر شخص یہی سمجھتا کہ جیسے سب سے زیادہ محبت حضرت مجھ سے فرماتے ہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنے آتا یا مصافحہ کرتا تو حضرت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنا ہاتھ چھڑانے میں پہل نہ کرتے اور نہ ہی یہ فرماتے کہ میں جا رہا ہوں حتیٰ کہ دوسرا شخص خود ان امور میں پہل کرتا۔ اس حدیث مبارکہ پر حضرت الشیخؒ کا بھی پورا پورا عمل تھا۔ بندہ فقیر جب بھی حضرت الشیخؒ کے مکان پر یا مدرسہ میں ملاقات کے لئے حاضر ہوتا تو بہت طویل نشست ہوتی بعض اوقات تو پوری پوری رات گزر جاتی لیکن آپ کبھی بھی اکتاہٹ کا اظہار نہ فرماتے بلکہ کئی مرتبہ میں عرض کرتا کہ حضرت میں چلتا ہوں آپ آرام فرمائیں تو انتہائی محبت بھرے انداز میں فرماتے۔ بیٹھو بھائی چلے جانا پہلے ہی بہت دنوں بعد ملاقات ہوئی ہے۔

حضرت الشیخؒ نے اسلام آباد میں ۱۷ / دسمبر ۱۹۹۱ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اول اسلام آباد میں ایک نماز جنازہ یونیورسٹی جس میں شیخ پڑھاتے تھے ادا کی گئی بعد ازاں لاہور میں بعد نماز عشاء نماز جنازہ ہوئی۔ جنازہ میں آپ کے فیض یافتہ قراء علماء' کبار' متعلقین اور آپ کی مسجد کے نمازیوں کی ایک بہت بڑی تعداد نے شرکت کی۔ شیخ المحترم حضرت قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور نے چند منٹ آپ کی خدمات اور اخلاق حسنیٰ پر روشنی ڈالی اور نہایت آبدیدہ آواز میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور بعد ازاں قبرستان میانی صاحب میں حضرت الشیخ کی تدفین عمل میں آئی اللہ تعالیٰ آپ کی تربت پر کروڑہا رحمتیں نازل فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ **امین یارب العالمین**

□□□

صاحب علوم و فنون

مولانا قاری احمد میاں تھانوی

اپنی اس تحریر میں میں کوشش کروں گا کہ اپنے جلیل القدر استاذ محترم حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانوی نور اللہ مرقدہ کے ساتھ گزارے ہوئے ماہ و سال کا تذکرہ کروں۔ اور ان کی شخصیت اور ان سے خاندانی روابط اور تلمذ کے تعلقات کا ذکر کروں۔

دارالعلوم اسلامیہ کا جب آغاز ہوا تو حضرت استاذ المحترم شروع سے ہی اس میں معاون تدریس ہوئے۔ حضرت استاذ المحترم اس زمانے میں مدرسہ ھذا میں عربی تدریس پر مقرر ہوئے۔ خاص طور پر صرف و نحو میں آپ کو ایک خاص ملکہ حاصل تھا۔ چونکہ دارالعلوم اسلامیہ اس زمانے میں درس نظامی کا ہی مدرسہ تھا۔ اس کے علاوہ حضرت استاذ المحترم مقدس مسجد دھوبی منڈی انارکلی لاہور میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے اور وہاں درس قرآن بھی دیا کرتے۔ حضرت استاذ المحترم ایک بے پایہ عالم اور خطیب تھے اور مظاہر العوم سہارنپور کی علمی درسگاہ سے فیض یافتہ تھے لہٰذا آپ کی حیثیت ایک عالم دین کے طور پر مسلم تھی۔ جب حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ دارالعلوم اسلامیہ میں تشریف لائے تو حضرت استاذ المحترمؒ نے ان سے تجوید اور قراءت سبع و عشرہ میں استفادہ کیا اور اس طرح قاری قرآن کا عظیم وصف حضرت استاذ المحترم کے عالمانہ شخصیت پر غالب آگیا ورنہ یہ حقیقت ہے کہ جہاں وہ ایک بے مثال عالم قراءت تھے وہیں وہ ایک بے بدل عالم فاضل شخصیت کے بھی مالک تھے۔

۱۹۶۰ء میں جب میں نے دارالعلوم اسلامیہ میں پڑھنے کے واسطے حاضری دی تو حضرت استاذ المحترم دارالعلوم اسلامیہ چھوڑ چکے تھے۔ لیکن خاندانی روابط کی وجہ سے عموماً میری مقدس مسجد اور گھر میں حاضری ہوتی رہتی تھی یا کبھی کبھار حضرت استاذ المحترم دارالعلوم اسلامیہ تشریف لے آتے۔

میری بالمشافہ ملاقات وہ کہی جا سکتی ہے جس میں میں نے حضرت استاذ المحترمؒ کو روایت حفص کا سال اول کا امتحان دیا یہ ۱۹۶۳ء کی بات ہے حضرت استاذ المحترم نے میرا جمال القرآن' فوائد مکیہ' ترتیل اور حدر کا امتحان لیا۔ ۱۹۶۴ء میں میں نے روایت حفص کی تکمیل کی۔ اس کے بعد میری خواہش سبع قراءت کی تکمیل کی ہوئی اور اس سلسلے میں میری پہلی نظر انتخاب حضرت استاذ المحترم پر پڑی۔ چونکہ حضرت استاذ المحترم اس زمانے میں چینیانوالی مسجد میں پڑھاتے تھے لہٰذا دارالعلوم کے طالبعلم کی حیثیت سے میرے لئے ممکن نہ ہوا کہ میں ان سے اس وقت استفادہ کر سکتا۔ میرے روایت حفص کے استاد حضرت مولانا قاری عبدالعزیز شوقی صاحبؒ تھے اور چونکہ وہ سبع قراءت پڑھے ہوئے نہ تھے اور ادھر ہم طلباء کا سبعہ قراءت پڑھنے کا شوق بڑھتا جا رہا تھا اس لئے ہمارے شوق کو مد نظر رکھتے ہوئے

منتظمین دارالعلوم نے حضرت قاری شوقی صاحبؒ سے درخواست کی کہ آپ قراءت سبع کی تکمیل کرلیں تاکہ دارالعلوم اسلامیہ میں طلباء کو قراءت سبع کی تعلیم بھی دی جاسکے۔

دارالعلوم اسلامیہ کے منتظمین کی اس فرمائش پر استاذ المحترم ہندوستان تشریف لے گئے اور وہاں رہ کر سبع قراءت کی تعلیم حاصل کرتے رہے لیکن وہ قراءت سبع کی تکمیل نہ کرسکے (کیونکہ ان کے استاذ محترم حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ اس دوران انتقال فرماگئے)

۱۹۶۶ء میں استاذ محترم حضرت قاری شوقی صاحبؒ نے مجھے شاطبیہ کی ابتداء بھی کرائی اور احقر نے ابتدائی چند اشعار اپنے استاذ محترم سے پڑھے بھی لیکن چونکہ خود استاذ محترم حضرت قاری شوقی صاحبؒ اپنی سبع قراءت مکمل نہ کرسکے تھے لہٰذا انہوں نے مجھے اس بات کی اجازت دی کہ میں کسی دوسرے استاد سے قراءت سبع مکمل کرلوں۔

اس کے بعد میں درس نظامی کی تکمیل کے لئے جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن میں داخل ہوگیا اور اس مشغولیت کی وجہ سے قراءت سبع کی تکمیل اس وقت ممکن نہ ہوسکی۔ گاہے بگاہے میری حضرت استاذ المحترمؒ کی خدمت میں حاضری بہرحال ہوتی رہتی۔ جامعہ اشرفیہ سے فراغت کے بعد احقر نے ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم دینیہ میں اپنی تدریسی سرگرمیوں کا آغاز کردیا۔ اس کے علاوہ ریڈیو پاکستان لاہور سے نشر ہونے والی محافل حسن قراءت میں بھی شریک ہوتا اور لاہور اور بیرون لاہور بھی بارہا حضرت استاذ المکرم کے ہمراہ محافل قراءت میں شرکت کا موقع ملتا۔ اس طرح ان ملاقاتوں سے حضرت استاذ المکرم سے ایک دیرینہ تعلق بڑھتا رہا۔ اسی دوران میں نے محسوس کیا کہ ریڈیو اور ٹی وی پر پڑھنے والے قراء حضرات کی ایک تنظیم قائم کی جائے اور اس نہج پر کام کرتے ہوئے ایک تنظیم ''مرکزی جمعیت القراء'' کے نام سے قائم کی گئی جس میں قاری غلام رسول صدر اور قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ نائب صدر کی حیثیت سے شریک ہوئے۔

تعلقات کار کا یہ سلسلہ مزید آگے بڑھتا رہا۔ ماہ و سن تو مجھے یاد نہیں صدر ضیاء الحق کا دور حکومت تھا جب انہوں نے احکامات جاری کئے اور دینی مدارس کے نصاب سے متعلق ایک کمیٹی قائم کی جس نے دینی مدارس کے بارے میں ایک رپورٹ بھی تیار کی۔ اس موقع پر احقر نے محسوس کیا کہ جب حکومت دینی مدارس کا مشترکہ نصاب مقرر کررہی ہے تو تجوید و قراءت کے مدارس بھی مل کر اور قراء کی جماعتیں متفق ہوکر ایک نصاب تعلیم تجوید و قراءت پر مشتمل حکومت پاکستان کو ارسال کریں۔ چنانچہ میں حضرت استاذ محترم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس تجویز کا تذکرہ کیا حضرت نے میری بہت حوصلہ افزائی فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ فوری طور پر ملک بھر سے تمام ہم خیال قراء کو لاہور میں جمع کرنے کا اہتمام کرو۔ چنانچہ اس سلسلے میں احقر' قاری عبدالرحمٰن ڈیروی صاحب' قاری فاروق احمد صاحب اور قاری عبدالملک صاحب کے باہمی تعاون سے قراء کی ایک میٹنگ لاہور میں بلوائی۔ جس کی تمام تر رہنمائی حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ قدم قدم پر فرماتے رہے اور یوں آپ کی سرپرستی میں ہم نے ''اتحاد

القراء" کے نام سے ایک قومی سطح کی تنظیم قائم کی جس میں ملک بھر کے قراء کرام اس تنظیم میں شریک ہوئے۔ اسی تنظیم نے آگے چل کر نصاب کمیٹی کو ایک مکمل نصاب تعلیم تجوید و قراءت ارسال کیا۔ اس نصاب تعلیم کی تیاری میں بھی ہمیں حضرت استاذ المحترمؒ کی رہنمائی قدم قدم پر حاصل رہی۔

اتحاد القراء کی ان تمام سرگرمیوں میں حضرت استاذ المحترم ہم نوجوان قراء کے ساتھ باوجود اپنی پیرانہ سالی کے مسلسل شریک رہے۔ تجوید و قراءت کے فروغ کے سلسلے میں جب بھی کسی محفل قراءت اور قراءت کانفرنس کا اہتمام کیا جاتا تو قاری صاحب محترم اس میں ہمارے ہمسفر ہوتے۔ یہاں تک کہ شدید سردیوں کے موسم میں ایک مرتبہ کوئٹہ میں ایک پروگرام ہوا تو اس میں بھی بڑی تندہی سے شرکت فرمائی۔

ادھر قراءت سبع کی تکمیل کا شوق میرے اندر ہی اندر پک رہا تھا مگر میں دارالعلوم دینیہ میں صدر قاری ہونے کی وجہ سے اور اتحاد القراء کے سیکرٹری جنرل کے عہدے کی مصروفیات کی بدولت اپنے اس شوق کی تکمیل نہ کر پا رہا تھا۔

۱۹۷۹ء میں ایک بار راقم الحروف، قاری عبدالغفور صاحب اور قاری فاروق احمد صاحب تینوں اتحاد القراء کے تنظیمی امور کے تبادلہ خیال کے سلسلہ میں حضرت استاذ المحترمؒ کی خدمت میں مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور حاضر ہوئے۔ راستے میں ہم تینوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم تینوں حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ سے قراءت سبع میں استفادہ کریں۔ مذکورہ دونوں حضرات اس سے قبل بھی قراءت سبع مکمل کر چکے تھے۔ چنانچہ ہم نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا کہ تنظیمی امور کے علاوہ اپنا ایک ذاتی مسئلہ بھی لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ حضرت استاذ المحترمؒ نے ہماری عرض داشت سنی اور غایت درجہ شفقت سے فرمایا۔ عزیزان من تم دونوں تو کچھ وقت نکال لو گے لیکن احمد میاں اپنی مصروفیت میں سے کیونکر وقت نکال پائے گا۔ جب کہ اس وقت تنظیم کو ان کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ بات تو میرے سامنے فرمائی میں کسی کام سے اٹھ کر باہر گیا تو میرے دیگر دو ساتھیوں سے فرمایا کہ جی تو میرا بھی یہی چاہتا ہے کہ احمد میاں سبع عشرہ کی تکمیل کر لے کہ اس سے امید ہے مستقبل میں بہت نفع ہوگا۔ مگر چونکہ ایک طویل عرصہ سے ریڈیو، ٹی وی اور اتحاد القراء کی وجہ سے معاصرت کا ایک دور چل رہا ہے اس لئے میں یہ سمجھتا ہوں کہ دوستی کے اس ماحول میں استادی شاگردی کا سلسلہ زیادہ دیر نہیں چل سکے گا۔ دوسرے دن قاری فاروق صاحب نے یہ بات میرے گوش گزار کی میں اسی دن حضرت شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بجائے شیخ کے ہمراہ مسند تدریس پر بیٹھنے کے تپائی کے دوسری طرف دو زانو ہو کر ادب سے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت احقر جب تپائی کے اس طرف بیٹھ گیا ہے تو انشاء اللہ فرق مراتب ملحوظ خاطر رہے گا اور استادی شاگردی کا فرق آپ خود ہی محسوس فرمائیں گے۔ احقر کی آنکھوں میں اس وقت آنسو تھے شیخ محترم نے بھی بھرائی ہوئی آواز میں ارشاد فرمایا پھر دیر کس بات کی ہے۔ کل ہی سے آجاؤ۔ چنانچہ میں سخت گرمیوں کی لو چلتی دوپہر میں دن کے ڈیڑھ بجے دارالعلوم دینیہ سے تدریسی

سرگرمیوں سے فراغت کے بعد مدرسہ تجوید القرآن پہنچتا۔ شیخ محترم میرے انتظار میں تشریف فرما ہوتے اور یوں تقریباً ایک سال تک میں حضرت شیخ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتا رہا۔ حضرت شیخ نے مجھے شاطبیہ جس انداز میں پڑھائی وہ میرے دل پر نقش ہے۔ شاطبیہ کے ایک ایک شعر پر حضرت مفصل شرح و توضیح فرماتے اور ہر شعر کا ترجمہ مجھے نوٹ کرواتے چنانچہ میں آج بھی اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ میرے پاس اپنے شیخ محترم کے منہ سے نکلا ہوا شاطبی کے اشعار کا مکمل اردو ترجمہ محفوظ ہے۔

شعبان کے آخر تک احقر کی شاطبی اور رائیہ مکمل نہ ہو سکیں تو شیخ محترم نے فرمایا بھئی اب تو بات اگلے سال پر چلی گئی میں نے عرض کیا حضرت رمضان المبارک میں میری تو چھٹی نہیں ہوتی میں تو رمضان میں بھی دارالعلوم دینیہ آتا رہوں گا۔ یہ سن کر حضرت شیخ نے فرمایا تو اچھا آپ گھر آجایا کیجئے اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے آج تک رمضان میں کسی کو نہیں پڑھایا لیکن خیر تمہاری بات الگ ہے۔ چنانچہ میں رمضان میں سحری کے بعد حاضر خدمت ہوتا اور شیخ مجھے سبق پڑھاتے بعض مرتبہ یہ بھی ہوتا کہ ظہر کی اذان ہو جاتی۔

حضرت شیخ محترم نے مجھے شاطبی اور رائیہ اس قدر شفقت اور محبت سے پڑھائی ہیں کہ میں اس کو ساری زندگی فراموش نہیں کر سکتا ہر مسئلے کو نہایت تفصیل سے سمجھانا اور نہ صرف یہ کہ قراءت کے مسائل حل کرتے بلکہ عربی ادب اور صرفی نحوی مسائل پر بھی روشنی ڈالتے۔ اس طرح میرا سبع قراءت کے حصول کا شوق پایہ تکمیل کو پہنچا۔

۱۹۸۰ء میں حکومت پاکستان نے اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے قیام کا اعلان کیا۔ حضرت استاذ المحترمؒ نے مجھ سے فرمایا کہ اسلامک یونیورسٹی والوں کو اتحاد القراء کی جانب سے لکھو کہ وہ یونیورسٹی میں قراءت کا بھی ایک شعبہ قائم کریں۔ چنانچہ میں نے حسب ہدایت ڈاکٹر محمود غازی صاحب سے ملاقات کی اور ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے ہماری رائے سے اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس سلسلے میں اپنی سفارشات حکومت کو دیں گے۔ لہٰذا جب یونیورسٹی کے شعبہ جات کی تدریسی آسامیوں کے لئے درخواستیں طلب کی گئیں تو اس میں پہلی مرتبہ پاکستان میں شعبہ قراءت کے لئے پروفیسر' ایسوسی ایٹ پروفیسر' اسسٹنٹ پروفیسر اور لیکچرر کی اسامیوں کو بھی مشتہر کیا۔ اخبار میں اشتہار آجانے کے بعد یہ اشتہار لے کر میں اور قاری فاروق صاحب استاذ المحترم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت آپ ایسوی ایٹ پروفیسر کی اسامی کے لئے کاغذات جمع کروائیں (راقم الحروف بھی اسسٹنٹ پروفیسر کی اسامی کے لئے درخواست جمع کرانے کا ارادہ رکھتا تھا اور اس سلسلے میں پھر یہ کاغذات جمع بھی کروائے) حضرت شیخ نے فرمایا میں تو یہاں بوریا نشین ہوں ساری عمر یہی گزر گئی ہے یہ تم نوجوانوں کا کام ہے۔ ہم دونوں نے اس پر شدید اصرار کیا تو حضرت شیخ نے فرمایا بھائی میرے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ میں درخواستیں لئے دفاتر میں چکر لگاتا پھروں۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ صرف ایک مرتبہ قبول فرمالیں دفتری کام' درخواست جمع کرانا اور

اس کے دیگر تمام امور کی تکمیل احقر کی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ کی درخواست میں نے خود جا کر جمع کرائی اور انٹرویو کے موقع پر حضرت استاذ المحترم کو ساتھ لے کر گیا۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ ملک بھر میں اس منصب کے لئے حضرت استاذ المقری الشیخ اظہار احمد تھانویؒ سے بہتر آدمی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا۔ الحمدللہ حضرت شیخ کو اسلامک یونیورسٹی میں شعبہ قراءت کے لئے استاذ مقرر کر دیا گیا اور احقر کو قراءت عشرہ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اسکالر شپ پر بھیج دیا۔ یہاں سے وقتی طور پر میں اپنے استاذ ذی وقار سے کچھ عرصہ کے لئے بچھڑ گیا۔ حضرت شیخ یونیورسٹی میں تدریسی خدمات میں مشغول ہوگئے اور میں مدینہ یونیورسٹی چلا گیا۔

قیام مدینۃ منورہ کے دوران حضرت استاذ المکرم سے میری خط و کتابت چلتی رہی۔ اور حضرت کے پند و نصائح اور عمدہ علمی کمالات نیز شگفتگی سے بھرے یہ خطوط میرے لئے رہنما اصول متعین کرتے رہے۔

جب میں حضرت سے قراءت سبع کی تکمیل میں مصروف تھا اور رائیہ کی شرح حضرت شیخ مجھے پڑھا رہے تھے اس زمانے میں رائیہ کی کوئی آسان اور عام فہم اردو شرح دستیاب نہ تھی۔ میرے زمانہ طالبعلمی میں حضرت استاذ المکرم اپنی ڈائری میں رائیہ کی شرح لکھ رہے تھے۔ جو سبق کے بعد میں روز دیکھا کرتا۔ ایک مرتبہ فیصل آباد کے سفر میں احقر حضرت شیخ کا رفیق سفر تھا حضرت شیخ نے کمال شفقت فرماتے ہوئے یہ ڈائری مجھے دی میں اس کی عام فہمی اور خوبصورت طرز بیان کی بدولت نہایت انہماک سے اسے پڑھنے لگا۔ حضرت شیخ نے میرا استغراق دیکھا تو ہنس کر فرمایا بھئی قاری صاحب اس کو بعد میں پڑھ لینا تم نے تو سفر پر ہی سکوت طاری کر دیا۔

ہر سفر میں حضرت استاذ المحترم اپنی شگفتہ مزاجی سے ہم سفروں کو محظوظ فرماتے۔ دلچسپ لطائف سناتے، بہترین علمی حقائق اور نکات بیان فرماتے۔ غرض سفر کی گرانی کا احساس حضرت شیخ کی رفاقت میں قطعاً نہیں رہتا تھا۔ میرے ساتھ آپ کا برتاؤ نہایت شفقت آمیز ہوتا اور اس کی وجہ شاید یہ بھی تھی کہ میرے والد محترم حضرت قاری صاحبؒ کے استاذ بھی ہیں نیز حضرت حکیم الامت تھانویؒ سے تعلق کا ہونا اور تھانہ بھون کے ہم وطن ہونے کی وجہ سے اور خاندانی قرابت داری یہ تمام امور اس شفقت آمیز تعلق میں بدرجہ اتم موجود ہوتے تھے۔

حضرت شیخ کے چھوٹے بھائی قاری سرفراز احمد تھانوی صاحب کی شادی ہوئی تو بارات میں ہم لوگوں نے بھی سرگودھا کا سفر حضرت شیخ کے ساتھ کیا۔ اس سفر میں حضرت شیخ تمام باراتیوں کو سارے راستے علمی لطائف سے محظوظ فرماتے رہے تھے۔ یہ تاریخی سفرنہ صرف یہ کہ مجھے یاد ہے بلکہ برادر عزیز مولانا اسد تھانوی بھی جو اس سفر میں ہمراہ تھے وہ بھی اب تک یاد آجانے پر بڑے دلچسپ پیرائے میں اس کا ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت استاذ المکرم قاری اظہار احمد صاحب تھانوی کو عموماً صرف قاری کی حیثیت سے ہی پہچانا جاتا ہے لیکن راقم الحروف یہ سمجھتا ہے کہ وہ ایک بہت عظیم الشان عالم بھی تھے۔ عربی ادب پر ان کی گہری نظر تھی، تفسیر قرآن پر ان کا وسیع مطالعہ تھا اور اس کا اندازہ ان کے اس، خط سے ہوتا ہے جو انہوں نے لفظ اللہ اکبر پر ایک نہایت عالمانہ

اور محققانہ جواب کی صورت میں لکھا تھا اور اس کی نقل مجھے بھی مرحمت فرمائی تھی (یہ خط حضرت کی اس سوانح میں شامل کیا جارہا ہے۔ جس کی نقول حضرت قاری صاحب محترم نے مجھے دی تھی)

اس کے علاوہ حضرت شیخ المحترم نے اپنی ایک ذاتی ڈائری کا فوٹو اسٹیٹ بھی مجھے عطا فرمایا ہے جس کا نام آپ نے "شذرات الذهب" رکھا تھا۔ اس ڈائری میں قراءت کے مسائل کے علاوہ علمی نکات' مختلف تاریخی واقعات اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت شیخ المحترم علوم قراءت سے ہٹ کر دیگر علوم میں بھی بے پناہ مطالعہ رکھتے ہیں۔

اس ڈائری میں ایک عجیب و غریب بات مذکور ہے۔ یعنی حضرت استاذ المحترم نے اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کو جو خطوط بیعت و سلوک کے سلسلہ میں لکھے ان کے جوابات اس ڈائری میں مذکور ہیں ایک جگہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین صاحبؒ فرماتے ہیں "ذکر قلبی کا بلا ارادہ و اختیار جاری ہونا موجب شکر ہے۔ اللهم زد فزد۔ اب آپ آخری تعلیم پر آیئے۔ یعنی آپ ذکر مسمی پر توجہ فرمایئے اب تک جو کچھ آپ کرتے رہے وہ اسم کا ذکر تھا اب مسمی یعنی ذات الہیہ کی طرف متوجہ ہوں اس خط پر ۱۹ / جمادی الاول ۱۳۷۳ھ کا سن مذکور ہے۔ اس خط سے حضرت کے سلوک کا مقامات کا بھی اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ (حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین صاحبؒ کے یہ خطوط شامل سوانح کئے جا رہے ہیں' عزیز احمد)

حضرت کی محافل بہت پر کشش ہوتی تھیں۔ حضرت شیخ کے پاس جانا تو بے شک اپنے اختیار اور مرضی سے ہوتا مگر واپسی! حضرت اس قدر علمی مباحث کی مجلس برقرار رکھتے کہ اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہتا تھا۔ جانے کے لئے کھڑے ہو جاتے تو بعض اوقات دروازے میں کھڑے کھڑے بھی دو دو گھنٹے تک علمی مسائل پر گفتگو ہوتی رہتی۔

شفقت کا معاملہ اس قدر عجیب تھا کہ ہم جیسے ادنیٰ طالبعلم نے بھی اگر کبھی کسی علمی رائے میں اختلاف کیا تو اس وقت نہایت محبت و شفقت سے ہماری رائے کو قبول کر لیا اور پھر کسی دوسرے وقت (اگر ہماری رائے تسامح پر مبنی ہوتی تو) اسے نہایت عالمانہ انداز میں رد فرماتے۔ لیکن جس وقت ہماری جانب سے اختلاف کیا جاتا اس وقت اختلاف رائے کو فوراً رد نہ فرماتے۔

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے استاذ عظیم الشیخ عبدالفتاح العجمی المرصفیؒ جو مصر کے قراء اور علوم قراءت کے ماہرین میں امام کا درجہ رکھتے ہیں۔ حضرت استاذ المحترم کا غایت درجہ احترام کرتے تھے اور چونکہ میں نے الشیخ مرصفیؒ سے قراءت عشرہ میں تکمیل و اجازت حاصل کی ہے لہٰذا ان امور کا احقر چشم دید گواہ ہے کہ دوران سبق الشیخ مرصفیؒ حضرت استاذ المحترم کا اپنے علمی معاصر کے اعتبار سے ذکر فرماتے تھے۔

میرے والد گرامی (حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتھم مفتی اعظم پاکستان) جو حضرت استاذ المحترم کے استاذ بھی ہیں ان سے ایک مرتبہ میں نے حضرت شیخ کے بارے میں استفسار کیا تو جواباً انہوں نے فرمایا کہ "زمانہ طالبعلمی میں مولوی اظہار صاحب بہت ذہین طالبعلموں میں شمار ہوتے تھے۔ اور تھانہ بھون کے ذہین

اور ذکی بچوں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔"

حضرت استاذ المکرمؒ کی تصانیف نہایت شاندار' محققانہ اور عام فہم ہیں ان کے متعلق میں یہی عرض کر سکتا ہوں کہ ان کے متعلق میرا کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھلانے کے مترادف ہے۔

میری آخری ملاقات حضرت سے یہیں مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ کی سالانہ محفل حسن قراءت میں ہوئی ہمارا یہ جلسہ اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منعقد ہوا تھا۔ احقر اس کی دعوت دینے حضرت الاستاذؒ کے در دولت پر حاضر ہوا تو نہایت خوشدلی سے اس محفل میں شرکت پر آمادگی فرمائی اور پھر اس محفل میں تشریف بھی لائے۔ اور رات کو اختتامی تلاوت دو بجے کے لگ بھگ حضرت استاذ المحترم نے ہی فرمائی۔ آپ نے سورۃ الحجرات کی اختلاف روایات کے ساتھ مفصل تلاوت فرمائی۔

۱۷ / دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کو آپ اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور خادمین قرآن کے ساتھ آپ کا حشر فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

☐☐☐

علم و عمل کا آفتاب

قاری محمد ادریس عاصم

حضرۃ الاستاذ جناب مولانا قاری اظہار احمد تھانوی کا اسم گرامی زبان پر آتے ہی ایک ممتاز عالم دین' بہترین ادیب' موثر و مایہ ناز استاد' ولی کامل' خلیق و شفیق اور منکسر المزاج شخصیت کا تصور ذہن میں نمودار ہوتا ہے۔

حضرۃ الاستاذ کیا فوت ہوئے علم تجوید و قراءت کا آفتاب غروب ہوگیا۔ ان کے اٹھ جانے کے بعد گلستان قراء میں ان جیسا گل سر سبز پیدا ہونا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ موت کا ایک دن معین ہے جسے نہ تو ٹالا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس سے انکار و فرار ممکن ہے۔ یہ ایک ایسا فطری عمل ہے جو ہر حال میں جاری و ساری ہے اور یہ حقیقت ہے کہ اس دنیا میں جو بھی آتا ہے وہ جانے کے لئے ہی آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے حضرات انبیا کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظامؒ کو بھی اس راہ سے گزرنا پڑا۔ اسی قانون فطرت کے تحت حضرۃ الاستاذ کو بھی پیغام اجل آگیا۔ بہت سی اموات ایسی ہوتی ہیں کہ جن سے صرف اہل خاندان اور چند فرد متاثر ہوتے ہیں مگر بعض اموات ایسی ہوتیں ہیں جن سے سارا ماحول اور ملک متاثر ہوتا ہے۔ حضرۃ الاستاذ کی موت سے بھی ہر جماعت اور ہر مکتب فکر کے لوگ متاثر ہوئے بلکہ پورا ملک متاثر ہوا۔

حضرۃ الاستاذ کی ذات گرامی کو قدرت نے بے شمار خوبیاں ودیعت فرمائی وہ اوصاف جمیلہ اور اخلاق حمیدہ کا مجسمہ تھے۔ جس سے بھی ملتے مسکراتے ہوئے اور تمتماتے چہرے سے ملتے۔ جو بھی ان کی مجلس میں آیا انہیں کا ہو کے رہ گیا اور ہمیشہ ان سے تعلق رکھتا اور اس تعلق پر فخر کرتا اور جب بھی حضرۃ الاستاذ سے ملتا علم کی جھولیاں بھر بھر کے لے جاتا۔

نظر کے نور نے روشن کیا سینے کو — اب اہل درد ترستے ہیں اس قرینے کو

علم کا سمندر

حضرۃ الاستاذ کو علامہ شاطبیؒ اور علامہ جزریؒ و علامہ دانیؒ کا حقیقی جانشین کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرۃ الاستاذ ان حضرات کے علوم کے صحیح معنوں میں وارث تھے۔ ان کے علم و تحقیق کی جھلک حضرۃ الاستاذ میں نظر آتی تھی۔ شیخ سے استفادہ کرنے والا اور ان کی کتب سے مستفید اس امر سے انکار نہیں کر سکتا۔

آپ کا ذوق علم و تحقیق اس قدر زبردست تھا کہ اگر کسی آیت کی تفسیر بیان فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے ان

جیسا مفسر قرآن کوئی نہیں اور موضوع سخن حدیث ہوتا تو ایسا محسوس ہوتا جیسے ان کے پائے کا کوئی عالم نہیں۔ جب کبھی کسی بھی علم اور مسئلہ پر بحث فرماتے تو یوں معلوم ہوتا جیسے اس فن میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ علوم تجوید و قراء ت میں تو وہ لاثانی تھے انداز تدریس نہایت ہی سہل' تحقیقی و علمی ہوتا۔ جب بھی کوئی سبق آپ نے پڑھایا تو طلباء کو ایسا لگتا جیسے ان کے ذہن میں نقش ہو گیا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا کہ طلباء کو سبق پڑھنے کے بعد مذاکرہ و تکرار کی ضرورت ہی نہ پیش آتی سبق پڑھتے پڑھتے ہی یاد ہو جاتا۔ غبی سے غبی طالب علم جب حضرۃ الاستاذ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتا تو وہ علم سے سرشار ہو کر واپس جاتا۔ مشکل ترین سبق عام فہم انداز اور سہل سے سہل مثال کے ذریعے سمجھا دینا حضرۃ الاستاذ کا بے پایاں کمال تھا۔ کوئی اشکال پیش کیا جاتا تو آسان الفاظ میں فوری حل بتاتے' اعتراضات و اشکالات سے گھبرانا یا طلبہ کو ڈانٹنا حضرۃ الاستاذ کی لغت میں نہ تھا۔ اگر کوئی طالب علم عام سی بات کو اشکال کے طور پر پیش کرتا تو ناراض نہ ہوتے بلکہ مسکراتے ہوئے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے اس کو جواب ضرور دیتے۔

حضرۃ الاستاذ کو عربی اور فارسی زبان پر پورا عبور تھا۔ کئی طلبہ ایران یا افغانستان سے آئے تو انہیں جزری' شاطبی اور عقیلہ و درۃ فارسی میں بغیر تکلف کے پڑھاتے۔ اگر کوئی عرب آیا تو اس کو عربی زبان میں بڑی روانی سے درس دیا۔ اردو زبان تو ان کی گھر کی لونڈی تھی۔ اردو زبان میں اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ کئی عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ اور اب تو پنجابی بھی اچھی خاصی بولتے تھے اس کو سمجھنے اور بولنے میں دقت نہیں ہوتی تھی۔ انگلش بھی لکھ اور پڑھ لیتے تھے۔ انگلش کی لکھائی بہت خوبصورت تھی۔ گویا آپ کو پانچ زبانوں پر دسترس تھی۔ عربی' فارسی' اردو' پنجابی اور انگلش۔

لحون العربیتہ

یوں تو حضرۃ الاستاذ کو تمام عربی لہجوں پر عبور تھا مگر زیادہ تر حجازی' مایہ اور حسینی پڑھتے اور خوب بلاتکلف پڑھتے۔ آواز میں قدرتی سوزوگداز تھا قدرت نے لحن داؤدی سے نوازا تھا جب تلاوت فرماتے یا طلبہ کو مشق کرواتے تو سننے والے پر سکتہ سا ہو جاتا۔ سوز و گداز اور وجد آفرینی کا کیا کہنا! سبحان اللہ تلاوت دلوں میں اترتی چلی جاتی ہر عام و خاص پر ایسا اثر ہوتا کہ وہ دیر تک اس کی حلاوت سے محظوظ ہوتا۔ کئی جلسوں اور محافل حسن قراءۃ میں آپ کی تلاوتیں جن لوگوں نے سنی ان سے جب مدتوں بعد بھی ملاقات ہوئی تو انہوں نے کہا فلاں وقت آپ کے حضرۃ الاستاذ نے جو تلاوت کی وہ اب بھی ہمارے کانوں میں گونج رہی ہے۔

تلاوت میں تکلف بالکل نہ ہوتا سادہ اور خوبصورت انداز بلکہ علامہ جزریؒ کے اس شعر کے مصداق۔

مکملا" من غیر ما تکلف　　　ما للطف فی النطق بلا تعسف

حضرۃ الاستاذ اپنے شیخ استاذ العرب والعجم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی بے حد تعریف کیا کرتے تھے اور اپنے قلبی لگاؤ کا اظہار فرمایا کرتے تھے حضرت شیخ کے علم اور خصوصاً ادا کے بہت ہی معترف تھے۔ حضرت شیخ کی ہر بات بڑے احترام اور عقیدت سے بیان فرماتے جب بھی اپنے شیخ کی تلاوت کا ذکر فرماتے تو آبدیدہ ہو کر فرماتے اب کھیل ختم ہے بھائی وہ لوگ جو لہجوں میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور آواز کو اپنے خافات سے نکالتے تھے وہ اس دنیا میں نہیں رہے اب تو نقالی ہی نقالی ہے۔ بناوٹ ہی بناوٹ ہے اصل چیزیں ختم ہو گئیں۔

اپنے شیخ کے بعد پھر ہم نے دیکھا کہ شیخ رفعت مصریؒ اور شیخ یوسف کاملؒ کی تلاوت بڑے ہمہ تن گوش ہو کر سنا کرتے اور اکثر ان کی تلاوتوں پہ آبدیدہ ہو جاتے۔ شیخ رفعت کی تلاوت کے بارے میں فرماتے "شیخ رفعت کی تلاوت کے کیا کہنے! وہ تلاوت کے ساتھ ساتھ علم تجوید اور آواز کے اتار چڑھاؤ اور وقف و ابتداء سے تفسیر سمجھاتے ہیں۔ سبحان اللہ قرآن کریم کے سننے کا ذوق بھی اللہ تعالیٰ ہر ایک کو نہیں دیتا۔

تاریخ نویسی

حضرۃ الاستاذ کو تاریخ پر بھی عبور حاصل تھا۔ راقم اور محترم حافظ فیاض احمد فیاض صاحب حضرۃ الاستاذ کو لے کر مختلف مقامات پر گئے۔ ایک مرتبہ جلو پارک اور پاکستانی بارڈر پر گئے تو راستہ میں بہت تاریخی واقعات بیان کئے۔ ایک مرتبہ مقبرہ جہانگیر گئے تو اس موقع پر قاری خالد محمود شاد باغ والے بھی ہمراہ تھے حضرت نے شہنشاہ جہانگیر کی تاریخ ساری کی ساری بیان کر دی جیسے اس کی تاریخ کے حافظ ہیں۔ ایک مرتبہ شالامار باغ لے گئے تو وہاں کی پوری تاریخ بیان کی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے حضرۃ الاستاذ نے تاریخ میں تخصص کیا ہوا ہے۔ اور یہ سب نتیجہ فکر تھا حضرۃ الاستاذ کے ذوق مطالعہ کا۔ حضرۃ الاستاذ کے وسعت مطالعہ کے کیا کہنے۔ اسلام آباد میں حضرۃ الاستاذ کا آپریشن ہوا۔ راقم، قاری سیف اللہ حافظ آبادی اور حافظ فیاض احمد فیاض نے حضرۃ الاستاذ کی عیادت کے واسطے اسلام آباد کا پروگرام بنایا۔ ہم لوگ سیدھا ہسپتال پہنچے اتفاق کی بات کہ ہمارے وہاں پہنچنے سے کچھ دیر قبل حضرۃ الاستاذ ہسپتال سے ڈسچارج ہو کر گھر تشریف لے جا چکے تھے۔ گھر کا ایڈریس ہمیں معلوم نہ تھا لہٰذا جامعہ اسلامیہ فیصل مسجد گئے اور وہاں سے گھر کا ایڈریس لیا اور حضرۃ الاستاذ کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے۔ حضرۃ سے ملاقات ہوئی تو نہایت خوش ہوئے ہمیں بہت دعائیں دیں۔ اور بھی ملاقاتی عیادت کے واسطے آرہے تھے ان سے تذکرہ فرماتے کہ یہ میری عیادت کے واسطے لاہور سے آئے ہیں۔ حضرۃ الاستاذ سے جب بھی اٹھنے کی اجازت طلب کریں تو مزید بیٹھنے کا حکم ملتا۔ اس دن یہ ملاقات چار پانچ گھنٹوں پر محیط رہی۔ باوجود کہ صاحب فراش تھے اور آپریشن کی نقاہت اور کمزوری بہت زیادہ۔ لیکن حسب عادت مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال فرماتے رہے۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہم حضرۃ الاستاذ کے سحر آفریں باتوں کے طلسم میں گھرے رہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے واقعات و حالات۔ مسلمانوں

کی باہمی آویزش مصر کی فاطمی حکومت اس کے دور کے واقعات، چنگیز خاں کی ہلاکت آفرینیاں، تیمور لنگ کی فتوحات ان تمام حالات و واقعات کے بیان کا انداز سونے پہ سہاگہ تھا انداز بیان ایسا زبردست جیسے۔

؎ وہی نقش روبرو ہے وہی عکس چار سو ہے

احترام اساتذہ

حضرۃ الاستاذ کو جب بھی دیکھا تین کاموں میں سے ایک کام میں مصروف پایا مطالعہ کرتے ہوئے یا پڑھاتے ہوئے یا اللہ کا ذکر کرتے ہوئے۔ حضرۃ الاستاذ اپنے اساتذہ کا بہت احترام فرماتے آپ کسی استاذ کا نام لیتے تو القابات ضرور استعمال کرتے خصوصاً حضرۃ امام القراء والمجودین شیخ التجوید والقراءت المقری عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ کے علم و فضل تقویٰ و طہارت کے معترف ہی نہیں بلکہ بڑے مداح تھے۔ دوران تدریس فرماتے کہ حضرت الشیخ نے یہ بات لکھی ہے یا اس بابت یہ فرمایا تھا بلکہ اپنی تصانیف میں بعض مقامات پر حضرت الشیخ کا قول بطور سند نقل فرماتے۔ اپنے اساتذہ کے متعلق کوئی غلط بات یا ھرزہ سرائی بالکل برداشت نہ کر پاتے۔ زندگی کے آخری ایام میں حضرت استاذی المقری عبدالمالک صاحبؒ پر ایک محققانہ مضمون تحریر فرمایا جس میں موضوع سخن اس بات کو رکھا ہے کہ بعض حضرات نے یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے قاری ضیاء الدین صاحبؒ سے پڑھا ہے۔ اس غلط فہمی اور تہمت کو بڑے مدلل انداز میں رد کیا ہے اور باقاعدہ ثبوت مہیا کر کے یہ بات ثابت کی ہے کہ مذکورہ بالا یہ الزام افترا پردازی اور دروغ گوئی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں۔ اپنے موقف کو مضبوط کرنے اور حقیقت کو واضح فرمانے کے واسطے حضرۃ الاستاذ نے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے خط و کتابت بھی کی اور وہاں سے بھی اس الزام کی تردید کے خطوط منگوائے۔ ایک ملاقات میں راقم کو بھی یہ خطوط دکھائے۔ یقیناً یہ احترام استاذ کی ایک اعلیٰ مثال ہے۔

ایک مرتبہ حضرت الشیخ المحترم قاری احمد دین صاحب کی مسجد سریانوالہ بازار میں تشریف فرما تھے ایک لڑکے کو راقم کی طرف بھیجا بندہ حاضر ہوا تو فرمایا میں نے اس لئے بلایا ہے کہ ایک تو کافی دنوں سے تم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ دوسرے رائیہ کی شرح کا خیال ہے نثر المرجان اور اس کے علاوہ رسم کی اور کتب ہوں تو مجھے دو میں نے اسی شام مذکورہ بالا کتب حضرۃ الاستاذ کے گھر پہنچا دیں۔ قابل ذکر بات یہاں یہ تھی کہ اس نشست کے دوران ہی ایک عورت آئی اس کے ہاتھ میں کپڑے کے اندر کچھ کتب لپٹی ہوئیں تھیں اس عورت نے یہ کتب لا کر خلیفہ محمد یعقوب صاحب مرحوم کے حوالے کر دیں۔ وہ یہ کتب لے کر دوسرے کمرے کی جانب جا رہے تھے میں نے آواز دی "خلیفہ جی یہ مال غنیمت کہاں سے آیا ہے اور کیا ہے" میرے اس طرز تخاطب پر حضرۃ الاستاذ مسکرائے۔ خلیفہ صاحب نے وہ کتب لا کر ہمارے سامنے رکھ دیں میں ان کو الٹ پلٹ کرنے لگا۔ حضرۃ الاستاذ نے بھی چشمہ نکال کر چہرے پر سجایا

اور کتب کو دیکھنا شروع کیا ان میں سے ایک چھوٹا سا رسالہ نکال کر الگ رکھا اور فرمانے لگے خلیفہ جی یہ رسالہ مجھے عنایت کر دیں کیونکہ یہ میرے استاذ محترم کا ہے (مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں آرہا) باقی یہ سب کتابیں قاری ادریس کو دے دو۔ خلیفہ صاحب نے کہا ان کے پاس بہت ہیں ان کو ضرورت نہیں تو مسکرا کر فرمانے لگے لو بھائی تمہیں ضرورت نہیں۔ ان کی ضرورت قاری احمد دین صاحب کی لائبریری کو ہے یہاں بھی قابل غور بات یہ ہے کہ وہ رسالہ صرف اور صرف اپنے استاذ کی تالیف ہونے کی بنا پر پسند فرمایا۔

حضرۃ الاستاذ کے صاحبزادے بھائی عزیر احمد نے بتایا کہ ایک مرتبہ ہندوستان سے حضرۃ الاستاذ کے ابتدائی عربی کے استاذ حضرت مولانا امیر علی صاحب پاکستان تشریف لائے اور چوبرجی کوارٹر والی مسجد میں حضرت کی معیت میں ہی نماز جمعہ ادا کی بعد میں حضرۃ الاستاذ سے ملے تو فرمایا مجھے پہچانا حضرت نے جواباً کہا کہ نہیں تو انہوں نے فرمایا میں امیر علی ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ حضرۃ الاستاذ دو زانو ہوگئے اور حضرت حضرت کہہ کر مولانا کو مخاطب کرنا شروع کر دیا۔ حضرۃ الاستاذ کو اس وقت کمر پر ایک پھوڑے کی شکایت تھی دو زانو ہو کر بیٹھنا بہت مشکل ہوتا تھا لیکن استاذ کے ادب و احترام میں اپنی تکلیف کی پروا نہ کی۔ مولانا جب تک حضرۃ الاستاذ کے پاس رہے بڑی خدمت کی اور جب رخصت ہونے لگے تو خدمت میں تحائف پیش کیے۔ اور استاذ محترم کو رخصت کرنے کے لئے مسجد کے بیرونی دروازے تک آئے۔ یہ ہے احترام استاذ اور میں سمجھتا ہوں کہ خدمت قرآن اور احترام استاذ کی بدولت ہی اللہ تعالیٰ نے حضرۃ الاستاذ کو وہ عروج اور قدرومنزلت عطا کی جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتی ہے۔

ضبط قرآن

حضرۃ الاستاذ کو ماشاء اللہ قرآن خوب مضبوط یاد تھا اور کیوں نہ ہوتا کہ ہروقت وردِ زبان رہتا۔ قرآن خود بھی ہمہ وقت پڑھتے اور اپنے تلامذہ کو بھی اس بات کی تاکید کرتے کہ ہمہ وقت قرآن کی تلاوت میں مصروف رہو۔

جنرل محمد ضیاء الحق شہید سابق صدر پاکستان کے دور میں ملک میں اہم شہروں میں رمضان کی آخری تین راتوں پر مشتمل شبینہ کا انعقاد شروع ہوا۔ بادشاہی مسجد لاہور میں یہ شبینہ ہوتا۔ شروع کے ادوار میں ماشاء اللہ اہل فن شریک ہوا کرتے تھے جن میں حضرت قاری نور محمد صاحب مدظلہ' استاذ القراء حضرت قاری سید حسن شاہ صاحب بخاری دامت برکاتہم اور حضرۃ الاستاذ رحمہ اللہ جیسے نامور اکابرین شریک ہوتے۔ اتفاق سے ان بزرگوں کے علاوہ راقم کو بھی پڑھنے کا موقع ملا اور مزید حسن اتفاق کہ میرے پارے حضرۃ الاستاذ کے فوراً بعد کے تھے۔ ایک دو واقعات اس شبینے کے بڑے یادگار ہیں ستائیسویں شب کو حضرۃ الاستاذ کے پارے تیسرے سپارے کا آدھا اور چوتھے سپارے کے تین پاؤ تھے اور میرے حصے میں چوتھے کا آخری پاؤ اور پانچواں سپارہ پورا تھا۔ دوسرے دن حضرۃ الاستاذؒ کے حصے میں تیرہویں سپارے کا آخری نصف اور چودہویں پارے کے تین پاؤ تھے اور میرے حصے میں

چودہویں سپارے کا آخری پاؤ اور پندرہواں پورا تھا۔

اب اس رات کو یہ ہوا حضرۃ الاستاذ سے پہلے پڑھنے والے نے اپنے حصے کا سپارہ پورا نہیں پڑھا اور سورۃ یوسف ختم کر کے سلام پھیردیا۔ مقصود حضرۃ الاستاذ کو تنگ کرنا تھا۔ لیکن اس کوتاہ عقل کو کیا معلوم تھا کہ بعد میں پڑھنے والا صرف ایک قاری نہیں قرآن کا پکا حافظ اور عاشق قرآن ہے اور قرآن جس کی ورد زبان ہمہ وقت رہتا ہے۔ حضرۃ الاستاذؒ نے اپنے مخصوص مایہ لہجہ میں اول اس کا چھوڑا ہوا پڑھا اور پھر اپنے حصے کے سپارے پڑھے۔ بعد ازاں راقم نے اپنے حصے کے پارے پڑھے۔ حضرۃ الاستاذ کا معمول تھا کہ میرے پارے سن کر جاتے تھے۔ میں پڑھ کر آیا تو مجھ سے فرمانے لگے بھائی کل میری مسجد میں قرآن شریف کا تراویح میں ختم ہے شاید دیر سے آؤں۔ اس لئے تم میرے حصے کے پارے پڑھ دینا اور میں تمہارے حصے کے پارے پڑھ لوں گا میں نے عرض کیا حضرت جیسے آپ کا حکم۔ اور تیسرے دن اسی طے شدہ معمول کے مطابق میں نے تیسویں کا نصف آخر اور چوبیسویں کے تین پاؤ پڑھے اور حضرت الاستاذ نے چوبیسویں کا آخری پاؤ اور پچیسواں پارہ پڑھا۔ راقم پڑھ کر آیا تو حضرۃ الاستاذ سے علیک سلیک ہوئی مسکراتے ہوئے اپنے معمول کے مطابق حال چال دریافت کیا اور پھر مزاحاً" فرمایا آج تیری آمین کی آواز بہت آہستہ تھی کیا وجہ ہوئی میں نے عرض کیا حضرت میں نے تو خاصی زور سے کہی لیکن چونکہ دوسرے مقتدی حضرات شامل نہ تھے اس لئے غالباً آپ کو ہلکی محسوس ہوئی۔

اصلاح تلامذہ

حضرۃ الاستاذ کی ایک بڑی عمدہ عادت تھی کہ اپنے تلامذہ میں اگر کوئی کوتاہی یا کمی دیکھتے تو فوراً اصلاح فرماتے۔ چینیانوالی مسجد کا واقعہ ہے ایک روز راقم نے ظہر کی اذان کہی۔ اذان عربی لہجہ میں نہیں تھی کہیں بڑے زور دار انداز میں دل میں گمان ہوا کہ حضرۃ الاستاذ بہت خوش ہوں گے مگر جب اذان دے کر مسجد کے صحن میں آیا تو فوراً بلایا اور ڈانٹ کر فرمایا "یہ کیا لہجہ ہے کہاں سے سیکھا کم بخت کہیں کے چلو اذان کہو" اور اسی وقت حجازی لہجہ میں اذان کی مشق کروائی اور فرمایا کہ روز آکر اس کی مشق کیا کرو۔ الحمدللہ راقم الحروف کو یہ فخر حاصل ہے کہ حضرۃ الاستاذ سے استفادہ کرنے کے خوب خوب مواقع ملے اور یہ فخر ایسا ہے جس میں دوسرا شاید ہی شریک ہو۔ جو لمحات بھی حضرۃ الاستاذ کے ہمراہ گزرے وہ محبت اور پیار کی اداؤں سے بھرپور ہوتے۔ حضرۃ الاستاذ سے ملاقات ہوتی، علمی گفتگو ہوتی تو علمی موتیوں سے دامن بھر جاتا۔ اللہ اکبر روح کی بیقراریاں اور اضطراب روحانی تسکین میں بدل جاتا۔ حضرۃ الاستاذ کے تلامذہ میں ہر مکتب فکر کے لوگ تھے جن میں دیوبندی، اہلحدیث، بریلوی اور شیعہ سب شامل ہیں یہ سب مکاتب فکر کے تلامذہ آپ سے مستفید ہوئے آپ کے علم و عمل، تقویٰ و پرہیزگاری کے معترف اور دل و جان سے آپ سے والہانہ عقیدت و محبت رکھنے والے۔

خودداری اور عزت نفس

حضرۃ الاستاذ کی دیگر خوبیوں میں سے ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ بے حد خوددار اور غیرت والے تھے کبھی کسی کو ناحق تکلیف دینے یا کسی پر بوجھ ڈالنے کے روادار نہ تھے۔ اپنا حق وصول کرنا ضروری خیال فرماتے اور دوسرے کا حق اس کو دینا فرض سمجھتے تھے۔

ایک مرتبہ راقم سے فرمانے لگے ”میں نے کچھ کپڑا خریدنا ہے اگر کوئی واقف ہے تو اس کے پاس چلتے ہیں پھر خود ہی فرمایا یہاں میرا ایک شاگرد بھی کپڑے کا کام کرتا ہے اس کے پاس چلتے ہیں۔ اس کا کارڈ بھی مجھے دکھایا کارڈ پڑھا تو معلوم ہوا کہ دکان نزدیک ہی ہے۔ اس کی دکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ صرف لیڈیز کپڑے کا کام کرتا ہے اس نے حضرت سے کہا میں اپنے دوست کی دکان سے کپڑا منگوا لیتا ہوں۔ حضرت نے جواباً فرمایا نہیں ہم خود ہی اس کی دکان پر چلتے ہیں جب ہم وہاں پہنچے تو مختلف کپڑے اور رنگ دیکھے اور گاہے بگاھے حضرۃ مجھ سے مشورہ بھی لیتے رہے۔ جب ہم نے اپنے مطلوبہ کپڑا خرید لیا تو حضرت کے اس شاگرد نے پیسے لینے سے انکار کر دیا اس کے کثرت سے انکار کرنے کے باوجود حضرۃ الاستاذ کی خودداری بغیر رقم ادا کئے کپڑا لینے میں مانع رہی اور فرمایا ”بھائی استادی شاگردی ایک طرف، دکانداری ایک طرف“ اور زبردستی کپڑے کی قیمت ادا کی۔

ایک مرتبہ راقم سے فرمایا شادباغ جانا ہے خلیفہ یعقوب صاحب فوت ہوگئے ہیں تعزیت کے لئے ان کے گھر چلیں گے۔ جب کبھی حافظ فیاض صاحب کی گاڑی فارغ ہوگئی تو مطلع کر دینا پروگرام بنا لیں گے۔ میں نے عرض کی حضرت یہ پروگرام آج ہی بنا لیتے ہیں اگر گاڑی نہ بھی دستیاب ہوئی تو رکشہ کروا کر چلے جائیں گے۔ حضرت نے رضامندی کا اظہار فرمایا۔ اور کہنے لگے بالکل ٹھیک ہے میں تمہاری طرف آجاؤں گا۔

جب وعدہ آپ وقت مقررہ پر تشریف لے آئے۔ اتفاقاً حافظ فیاض صاحب کی گاری بھی دستیاب ہوگئی بلکہ انہوں نے بھی ہمراہ چلنے کی خواہش ظاہر کی۔ شادباغ مذکورہ جگہ سے تعزیت کر کے واپس آرہے تھے واپسی میں حضرۃ الاستاذ کے شاگرد قاری خالد صاحب کے آٹے کی چکی بھی پڑتی تھی۔ حضرۃ الاستاذ نے قاری خالد صاحب سے ملنے کی خواہش کی۔ قاری خالد صاحب کی حضرۃ الاستاذ سے خاصی بے تکلفی تھی۔ حضرۃ الاستاذ ملنے کے واسطے ان کی دکان پر ٹھہرے تو قاری خالد صاحب نے حضرۃ الاستاذ کی کچھ عقیدتاً خدمت کرنا چاہی میرے مشورہ پر انہوں نے حضرۃ الاستاذ کے لئے آٹے کا تھیلا ڈگی میں رکھوا دیا۔ حضرۃ الاستاذ نے یہ منظر دیکھ لیا فوراً فرمایا جلدی سے میرا بیگ دو بیگ میرے پاس تھا۔ حضرت نے بیگ کھول کر آٹے کی قیمت نکالی اور قاری خالد صاحب کی طرف بڑھا دی اور فرمایا اپنے آٹے کے پیسے وصول کرو۔ قاری خالد صاحب نے بہت انکار کیا لیکن اتنے کثرت سے انکار کے باوجود حضرۃ الاستاذ نے آٹے کی قیمت ادا کی اور اپنی خودداری پر حرف نہ آنے دیا۔

مختلف ماہرین فن کا حضرۃ الاستاذ کے تبحر علمی کا معترف ہونا

یہ ایک لازمی امر ہے کہ ہر شاگرد اپنے استاذ کی تعریف و توصیف ہی کرے گا کیونکہ وہ اس کے لئے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن بات یقیناً وہ زیادہ وزن دار ہوتی ہے جو کوئی غیر متعلق شخص کسی کے علمی مقام اور مرتبے سے متاثر ہو کر کہے کیونکہ ایسی بات میں عقیدت' تعصب یا دوسرا کوئی قابل ستائش یا قابل نفرت جذبہ شامل نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے علم و تدبر سے مذکورہ شخص کو پرکھ کر کہتا ہے وہ بات خالص سونے کی مانند ہوتی ہے۔ ایسے ہی کچھ واقعات میں یہاں حضرۃ الاستاذ کے علم و فن و ادا سے متعلق گوش گزار کرتا ہوں جو کہ دوسرے علماء فن نے محسوس کئے اور بے اختیار ان کی زبان سے ادا ہوئے۔

حضرۃ الاستاذ مارچ ۱۹۸۴ء میں بحیثیت جج پاکستان کی طرف سے نامزد ہو کر مکہ مکرمہ سعودی عرب میں ہونے والے انٹرنیشنل مقابلہ حفظ قرآن والتجوید والتفسیر میں تشریف لے گئے۔ راقم اس دوران بسلسلہ تعلیم مکہ مکرمہ میں ہی قیام پذیر تھا۔ حضرۃ الاستاذ اپنے مخصوص پاکستانی لباس شیروانی' شلوار اور جناح کیپ زیب تن کر کے مقابلے کے ہال میں تشریف لاتے تو ایک عجیب شان ہوتی وضع قطع بارعب' باوقار انداز' مدمقابل پہلی ہی نظر میں مرعوب ہو جاتا' عام شخص بات کرنے کی جرات نہ کرتا' سعودی و دیگر غیر ملکی بڑے ادب و احترام سے گفتگو کرتے۔ مقابلے کا دستور تھا کہ روزانہ مقابلہ شروع کرنے سے قبل ایک جج افتتاحی تلاوت کرتا۔ ایک دن افتتاحی تلاوت حضرۃ الاستاذ نے فرمائی' روایت ورش میں کی جانے والی تلاوت نہایت سوز والی آواز۔ ہم سٹیج سے کافی دور بیٹھے تھے میں تو ٹیپ نہ کر سکا۔ میرے ایک انڈونیشی ساتھی نے چھوٹی سی ٹیپ کے ذریعے یہ تلاوت ریکارڈ کی۔ دوسرے دن اس ساتھی نے یہ تلاوت مرکز تدریب الدعاۃ (جہاں راقم پڑھتا تھا) میں لگائی تو ہمارا ایک عربی مراقب آیا اس نے حضرۃ الاستاذ کی تلاوت مقابلے والے ہال میں بھی سنی تھی یہاں اس کی ریکارڈنگ سنی تو مجھ سے مخاطب ہو کر کہنے لگا **"یا شیخ هل انت تعرف هذا الشیخ"** میں نے کہا **"نعم اعرفه جیدا" "لان هو استاذی"** وہ بہت خوش ہوئے تلاوت سنتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔ **"صوتا جیدا" وحلوا وتاثر القلوب جزاه الله"** آواز بڑی ہی عمدہ اور میٹھی ہے دلوں پر اثر کرتی ہے اللہ ان کو جزاء دے۔

بعد میں مجھے کہنے لگا **"هل عندک شریطه"** کیا ان کی آواز کی کیسٹ ہے میں نے نہ میں جواب دیا تو کہا کہ ایک کیسٹ مجھے ان کی تلاوت کا ضرور دو اور اپنی آواز کی کیسٹ بھی دو تمہاری اور ان کی آواز میں کافی مشابہت ہے۔

اسی مقابلہ میں ملیشیا سے الشیخ حسن الازہری بحیثیت جج تشریف لائے تھے۔ شیخ سے حضرۃ الاستاذ کی ۱۹۶۹ء میں انٹرنیشنل مقابلہ حسن قراءت منعقدہ کوالالمپور ملیشیا میں ملاقات ہوئی تھی۔ اب یہاں مکہ مکرمہ میں دوبارہ ملاقات ہوئی۔ شیخ حسن الازہری حضرۃ الاستاذ کا بہت زیادہ ادب اور احترام فرماتے۔ حضرۃ الاستاذ سے ملنے کے لئے اکثر ان

کے کمرے میں تشریف لاتے اور تلاوت کی فرمائش کرتے۔ تلاوت سن کر بہت لطف اندوز ہوتے۔ شیخ حسن الازہری اور حضرۃ الاستاذ کے مابین علمی تبادلہ خیالات بھی خوب ہوتا۔ شیخ نے بعض علمی اشکالات حضرۃ الاستاذ کے سامنے پیش کیے جن کا بہت مدلل و جامع حل حضرۃ الاستاذ نے انہیں بتایا۔ ان علمی اشکالات کی تحلیل کے بعد اکثر ملاقات کے لئے آتے تو حضرۃ الاستاذ کی تبحر علمی سے متاثر ہو کر فرماتے "کاش میرے پاس وقت ہوتا تو میں ضرور آپ سے استفادہ کرتا۔"

مدینہ یونیورسٹی میں میرے قراءت کے استاذ عظیم سندی واستاذی حضرت شیخ القراء استاذ الاساتذہ المقری عبدالفتاح سید عجمی المرصفی رحمتہ اللہ تھے۔ جن ایام میں، میں شیخ مرصفیؒ سے زانوئے تلمذ طے کر رہا تھا حضرۃ شیخ مرصفی اپنی مشہور تصنیف "ھدایتہ القاری" مرتب فرما رہے تھے۔ دوران ترتیب حضرۃ شیخ مرصفیؒ کو مشہور کتاب نثر المرجان (جو کہ سات جلدوں میں رسم قرآنی پر ایک زبردست انسائیکلو پیڈیا کہی جا سکتی ہے) کے مصنف قاری غوث الدینؒ کے حالات زندگی کی ضرورت ہوئی جو حضرۃ شیخ مرصفیؒ نے اپنی مذکورہ کتاب میں درج فرمانے تھے۔ راقم سے حضرۃ شیخ مرصفیؒ نے دریافت فرمایا "تمہارے پاس نثر المرجان ہے" میں نے عرض کیا حضرت موجود ہے۔ فرمانے لگے "صاحب نثر المرجان" کے حالات زندگی معلوم ہیں۔ میں نے جواباً عرض کیا کہ مصنف کے متعلق صرف اس قدر جانتا ہوں کہ وہ اصلاً عرب تھے ہجرت کر کے ہندوستان چلے آئے تھے۔ فرمانے لگے بس۔ میں نے عرض کیا جی حضرت مجھے اس قدر ہی معلوم ہے۔ حضرت شیخ فرمانے لگے کہ مجھے ان کے حالات زندگی درکار ہیں میں نے اپنی کتاب میں نقل کرنے ہیں۔ میں نے حضرت الشیخ سے عرض کیا میرے شیخ پاکستان میں ہوتے ہیں ان کو ضرور معلوم ہوں گے میں ان کو خط لکھ کر دریافت کروں گا فرمانے لگے کہ ہاں ضرور خط لکھو۔ میں نے حضرۃ الاستاذ کو پاکستان خط تحریر کیا۔ حضرۃ الاستاذ نے "صاحب نثر المرجان" کے حالات نزھتہ الخواطر (اردو ترجمے) میں سے نقل کر کے ان کا عربی ترجمہ کیا اور پھر مجھے روانہ کئے۔ میں نے وہ حضرۃ الشیخ مرصفیؒ کو پیش کئے حضرۃ الشیخ بہت خوش ہوئے اور جب ھدایتہ القاری طبع ہوئی تو اس میں حضرۃ الاستاذ کا ذکر بھی فرمایا۔ کتاب طبع ہونے کے بعد حضرۃ الشیخ مرصفیؒ نے تحفتہ" اپنی یہ کتاب حضرۃ الاستاذ کو بھی روانہ فرمائی۔ حضرۃ الاستاذ نے کتاب کا مطالعہ فرمایا اور دوران مطالعہ کتاب میں کچھ امور سے متعلق نشاندھی فرمائی اور حضرۃ الشیخ مرصفیؒ کو خط کے ذریعے مطلع فرمایا۔ حضرۃ الشیخ مرصفی ان امور کی نشاندھی پر بہت خوش ہوئے اور حضرۃ الاستاذؒ کی بابت بے ساختہ فرمایا۔

"ھذا رجل علامہ، اظن لا نظیر لہ فی الباکستان" یعنی یہ شخص علامہ ہے اور میرے خیال میں ان کے مثل پاکستان میں کوئی نہیں۔

اس کے بعد حضرۃ الشیخ مرصفیؒ اور حضرۃ الاستاذؒ کے بہت دلی تعلقات قائم ہوئے۔ بعد ازاں حضرۃ مرصفیؒ نے حضرۃ الاستاذؒ کے لئے بہت سی کتب تحفتہ" روانہ فرمائی جن پر الاخ الکبیر، الاخ الکریم، شیخ الکبیر اور استاذ القرا جیسے

القابات اور محبت بھرے الفاظ تحریر فرمائے۔

حضرۃ الشیخ مرصفیؒ نے اپنی کتاب "ھدایتہ القاری" کے صفحہ نمبر۶۲۷ پر حضرۃ الاستاذ کا تذکرہ و شکریہ ان الفاظ میں فرمایا۔

"اقدناء من رسالتہ خاصتہ بعث بہا الینا الاخ الکریم صاحب الفضیلتہ الشیخ اظہار احمد التھانوی رئیس قسم التجوید والقراءت بمدرستہ تجوید القران والقراءت فی لاہور باکستان خطیب جامع مسجد الحکومیتہ بلاہور و قاری فی الاذاعتین الرئیتہ ولمسوعتہ بباکستان و جاء فی اخر ھذہ الرسالتہ ما نقلت ھذہ السوانح من "نزھتہ الخواطر" تذکرۃ فی علماء الھند و باکستان وان ھذہ الترجمتہ نقلت من اللغتہ الاردیتہ الی اللغتہ العربیتہ وقام بالنقل من الاردیتہ الی العربیہ مرسلُ الرسالتہ فضیلتہ الشیخ اظہار احمد تھانوی"

ترجمہ ۔ اوپر درج حالات (غوث الدینؒ صاحب نثرالمرجان) یہ ہمیں ایک خاص خط کے ذریعے سے ہمارے بڑے بھائی فضیلتہ الشیخ اظہار احمد تھانویؒ رئیس تجوید و قراءت مدرسہ تجوید القرآن والقراءت جو لاہور پاکستان میں ہے اور خطیب جامع مسجد گورنمنٹ لاہور نے ارسال کئے ہیں جو ریڈیو اور ٹیلی ویژن (پاکستان) کے قاری ہیں۔ انہوں نے اپنے خط میں تحریر کیا ہے کہ میں نے یہ "نزھتہ الخواطر" جو کہ تذکرہ علماء ھند و پاکستان پر مشتمل ہے اس کے اردو ترجمہ سے نقل کر کے عربی میں منتقل کر کے روانہ کئے ہیں۔

(المرسل ۔ فضیلتہ الشیخ اظہار احمد التھانوی)

برسبیل تذکرہ بیان کرتا چلوں کہ حضرۃ الاستاذ کے اردو ترجمہ سے مزین دنیائے تجوید کی نادر و نایاب کتاب اور علامہ جزریؒ کے مقدمہ کی اولین شرح "الحواشی المفھمہ فی شرح المقدمتہ" جو کہ علامہ جزریؒ کے صاحبزادے علامہ احمد الجزریؒ کی تصنیف متین ہے (جو انہوں نے ناظم علیہ الرحمہ کی زندگی میں تحریر کی) طبع ہوئی تو اس میں مقدمتہ شرح اور تقریظ بالترتیب استاذ الشیخ عبدالغفور محمود مصطفیٰ استاذ جامعہ ازہر اور الشیخ عبدالحئی زھران استاذ علوم قراءت جامعہ اسلامیہ اسلام آباد نے تحریر فرمائی۔ اس مقدے اور تقریظ میں دونوں محترم اساتذہ نے حضرۃ الاستاذ کے لئے "فضیلتہ الشیخ" اور "شیخ القراء فی الباکستان" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضرۃ الاستاذ شیخ القراء فی الباکستان تھے۔ ان کی علمی دسترس اور تقویٰ و پرہیز گاری اس اعلیٰ معیار پر تھیں کہ جن کا مجموعہ بہت کم علماء حق میں دیکھنے میں آتا ہے۔

اکابرین بھی حضرۃ الاستاذ کی علمی شخصیت کے معترف تھے

۱۹۶۴ء کے لگ بھگ کی بات ہے سیالکوٹ شہر میں ایک عظیم الشان محفل قراءت ہوئی اس میں پورے پاکستان سے نامور اساتذہ کرام شریک ہوئے جن میں حضرت مولانا قاری عبدالعزیز شوقی صاحبؒ، حضرت مولانا قاری

محمد صدیق لکھنوی صاحب مدظلہ' حضرت مولانا قاری سید حسن شاہ صاحب" حضرت مولانا قاری عبدالوہاب مکی دامت برکاتہم' حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحب" حضرت استاذنا حضرت قاری اظہار احمد تھانوی" حضرت مولانا قاری محمد شاکر انور صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا قاری محمد حسن قلاتی صاحب جیسے نامور اکابر تشریف لائے۔ محفل میں پورے پاکستان سے خصوصی طور پر سامعین کی آمد ہوئی لاہور سے قراء حضرات چار پانچ کاروں اور دو بڑی بسوں میں سیالکوٹ گئے۔ ان نامور قراء حضرات کے علاوہ حضرت مولانا قاری نور محمد صاحب دامت برکاتہم' حضرت مولانا قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم' راقم' قاری احمد میاں تھانوی صاحب اور قاری غلام رسول بھی گئے۔ محفل قراء ت دو دن ہوئی' نہایت شاندار' اس محفل کی تین چار نشستیں ہوئیں جس میں اول بچوں کی' بعدازاں جوان لڑکوں کی اور آخر میں نامور قراء و اساتذہ کرام کی محفل ہوئی اس محفل میں ہر استاذ نے نہایت شاندار طریقہ پر تلاوت کی۔

محفل کے خاتمے پر اس کی روئیداد قلمبند کرنے کا مسئلہ ہوا یہ مسئلہ تمام اکابر قراء کے سامنے رکھا گیا تو استاذ القراء حضرت مولانا قاری محمد حسن قلاتی صاحب" نے فوراً فرمایا۔ "بھئی اس کے لئے تو مولانا قاری اظہار احمد تھانوی" سے رجوع کرو وہ عالم فاضل آدمی ہیں نہایت ادیبانہ انداز میں محفل کی روئیداد تحریر کریں گے۔"

اتفاق سے اس موقع پر حضرۃ الاستاذ" موجود نہیں تھے بلکہ دوسرے کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ حضرت قاری محمد حسن قلاتی صاحب" نے آپ کو بلوایا اور آپ سے فرمایا کہ آپ اس محفل کی روئیداد تحریر فرمائیں۔ حضرۃ الاستاذ" نے کاغذ قلم منگوایا اور اسی موقع پر ایک مفصل اور جامع روائیداد اس محفل کی لکھ دی۔

اس واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ اکابر بھی حضرۃ الاستاذ" کے علمی شخصیت کے معترف تھے۔

گھر والوں سے حسن معاملہ

حضرۃ الاستاذ اخلاق کریمانہ کے مالک تو تھے ہی اس کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں کے ساتھ بھی بہت شفیق اور مہربان تھے۔ راقم کے قیام مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ خط و کتابت کا سلسلہ چلتا رہتا تھا۔ ہر خط میں تاکید فرماتے کہ مسجد نبوی میں جا کر میرے لئے دعا کرنا۔ اللہ تعالیٰ صحت دے عافیت دے گھر میں برکت عطا فرمائے خصوصاً بچوں کے لئے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ سب کو صحت دے اور دنیا و آخرت میں کامیاب کرے۔ انہیں رزق حلال عطا فرمائے اور حرام سے محفوظ رکھے۔ حضرت خود بھی خصوصی دعائیں کیا کرتے اور گھر والوں اور بچوں کی بڑی فکر فرماتے۔ اس سے حضرۃ الاستاذ کی اپنے گھر والوں سے خصوصی تعلق اور برتاؤ کا پتہ لگتا ہے۔

ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ میرا حساب دھوبی کا سا ہے جو دوسروں کے کپڑے صاف کرتا ہے اور اس کے اپنے کپڑے میلے ہوتے ہیں یعنی میں اوروں کی اولادوں کو پڑھاتا ہوں اور میرے اپنے بچے گلیوں میں پھرتے ہیں ان کو

پڑھانے کے لئے میرے پاس وقت نہیں۔

معاصرین کا احترام

اس سے قبل میں لکھ چکا ہوں کہ حضرۃ الاستاذ اپنے اساتذہ کرام کا بہت ادب فرماتے تھے لیکن احترام معاصرین میں بھی حضرۃ الاستاذ اپنی مثال آپ تھے۔ جامع مسجد اہلحدیث چینیانوالی کا واقعہ ہے پہلا جلسہ تقسیم اسناد ۱۹۶۰ء میں منعقد ہوا حضرۃ الاستاذ کے اولین شاگردوں کو اسناد دی جانا تھیں۔ حضرت مولانا علامہ سید محمد داؤد غزنوی رحمتہ اللہ نے تقریر کے لئے حضرت مولانا سید عنایت اللہ بخاری صاحب کو دعوت دی۔ استاذ القراء حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ اور حضرۃ استاذ القراء جناب قاری عبدالوہاب مکی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ ان کے علاوہ اور بہت سے قراء کرام اور علماء حضرات تشریف لائے تلاوت اور تقاریر کا سلسلہ ہوا۔ اس دوران ہی دستار بندی کی تقریب ہوئی اور فارغین کو اسناد سے نوازا گیا۔ قاری عبدالوہاب مکی صاحب دامت برکاتھم نے حضرۃ الاستاذؒ کو مخاطب کر کے فرمایا "بھائی مولانا یہ اسناد جو آپ نے تقسیم کی ہیں ان میں کیا لکھا ہے پڑھ کر سنائیں۔" حضرۃ الاستاذ نے حضرت قاری صاحب موصوف کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے پوری سند اول تا آخر باآواز بلند تمام مجمع میں پڑھ کر سنا دی۔ سبحان اللہ! اس سے ایک تو احترام معاصرین ثابت ہوتا ہے دوسرا آپ کی علمیت بھی معلوم ہوتی ہے کہ تمام جید قراء اور علماء و فضلاء کی موجودگی اور ایک انبوہ کثیر میں سند باآواز بلند پڑھنا کوئی معمولی بات نہیں بہت اہم واقعہ ہے ایسا وہی کر سکتا ہے جو راسخ فی العلم ہو۔ ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔

مدرسہ عالیہ تجوید القرآن میں سالانہ قراءت کانفرنس منعقد ہوتی ہے۔ کانفرنس کے آغاز سے حضرۃ الاستاذ کا معمول رہا کہ اس میں ضرور تشریف لاتے۔ اختتامی تلاوت حضرۃ الاستاذ کی ہوتی بعد میں ایک نہایت خصوصی دعا فرماتے، بہت قیمتی مشورے بھی دیتے (آہ ان گوھر بیش بہا سے اب ہم محروم ہو چکے ہیں) دسمبر ۱۹۹۰ء میں ہونے والی قراءت کانفرنس حضرۃ الاستاذ کی آخری قراءت کانفرنس کی شرکت ثابت ہوئی، تشریف لائے تو ایک واقعہ بہت عجیب ہوا جو حضرۃ الاستاذ کی رحلت کے بعد بہت محسوس ہوتا ہے۔ قراءت کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے تو راقم کے دفتر میں تشریف فرما ہوئے۔ کسی لڑکے نے حضرۃ الاستاذ سے عرض کی حضرت آج اختتامی دعا فرمائیں تو حضرت مولانا بدیع الزماں صاحبؒ کے لئے ضرور دعا فرمائیں (حضرت مولانا بدیع الزماں صاحبؒ مدرسہ تجوید القرآن میں عربی کتب پڑھاتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل نہایت قابل اور علمی شخصیت، حیرت انگیز اتفاق کہ حضرت مولانا بدیع الزماں صاحبؒ کا انتقال ۱۷ / دسمبر ۱۹۹۰ء کو ہوا اور حضرت الاستاذ نے ۱۷ / دسمبر ۱۹۹۱ء کو رحلت فرمائی) حضرۃ الاستاذ فرمانے لگے "ضرور بھائی ان کے لئے ضرور دعا فرمائیں گے۔ وہ ہمارے بہت اچھے دوست تھے عالم آدمی تھے۔ ان کی بڑی علمی خدمات ہیں" پھر فرمانے لگے "یہ دنیا فانی ہے جو بھی آیا ہے اس نے جانا ہے آج

مولانا گئے ہیں تو کل ہماری باری ہے اس دنیا میں کون رہا ہے عقلمند وہ ہے جو موت کو ہر لمحہ یاد رکھے۔ دخول قبر کو یاد رکھے اپنے گلنے سڑنے کو نہ بھولے۔ منکر نکیر کے سوال و جواب کو نہ بھولے۔ ہروقت آخرت کی تیاری رکھے کیونکہ جانا تو ہے اور ضرور جانا ہے۔ پھر یہ شعر عربی کا پڑھا اور ترجمہ بھی بیان کیا۔

یا غفلتہ شاملتہ للقوم کانما یرونھا فی النوم میت غد یحمل میت الیوم

یعنی لوگوں کی غفلت بھی کس درجہ بڑھی ہوئی ہے کہ گویا اس بیداری میں پیش آنے والے معاملہ کو خواب میں دیکھ رہے ہیں کہ جو شخص کل مرنے والا ہے وہ آج مرنے والے کا جنازہ لے جا رہا ہے۔ حضرۃ الاستاذ یہ شعرو ترجمہ بیان کر چکے تو آنکھیں پرنم تھیں رومال سے آنسو خشک کئے اور کافی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ بقول شاعر ؎

کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی
گماں تک نہ ہوا وہ بچھڑنے والا ہے!

یہ آخری قراء ت کانفرنس تھی جس میں حضرۃ الاستاذ نے شرکت کی۔ اگلے سال منعقد ہونے والی قراءۃ کانفرنس ۱۹/ دسمبر۱۹۹۱ء جب ہوئی تو حضرۃ الاستاذ اس دنیائے فانی کو چھوڑ کر اپنے اللہ کے حضور پہنچ چکے تھے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون۔**

مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک صدیوں
تب خاک کے ذروں سے ہوئے یہ گوہر پیدا

آخری ملاقات

مدرسہ عالیہ تجوید القرآن لسوڑیوالی کی سالانہ قراء ت کانفرنس کے حضرت الاستاذ بانی تھے۔ قراء ت کانفرنس کے آغاز سے ہی ہمیشہ تشریف لاتے اور بہت دلچسپی سے شرکت فرماتے بارہا یہ علمی مجلس چھ سات گھنٹے سے بھی متجاوز کر جاتی لیکن نہایت انہماک سے تلاوت قرآن کو سنتے رہتے۔ اور بعد ازاں اختتامی تلاوت کے ساتھ دعا فرماتے۔ ۱۹ / دسمبر۱۹۹۱ء بروز جمعرات کو ہونے والی قراء ت کانفرنس کی تاریخ حسب سابق حضرت الاستاذ نے ہی مقرر فرمائی۔ تاکید مزید کے لئے اشتہارات چھپنے کے بعد راقم اور محترم حافظ فیاض احمد فیاض حضرت الاستاذ کے در دولت پر بروز جمعتہ المبارک ۱۳ / دسمبر۱۹۹۱ء بعد از نماز جمعہ حاضر ہوئے۔ حضرت نے خود ہی دروازہ کھولا اور اندر آنے کو فرمایا۔ حال احوال کے بعد حضرت نے بذات خود تواضع فرمائی اور اشیائے خوردونوش ہمارے سامنے لا لا کر رکھیں۔ اور پھر کھانے کی یہ اشیاء حافظ صاحب کے ڈرائیور کو بھی بھجوائیں۔ اس دوران نہایت علمی گفتگو فرماتے رہے۔ علامہ جزریؒ اور علامہ شاطبیؒ کا علمی مقام و مرتبہ اور تصانیف پر سیر حاصل گفتگو کی۔ النشر کے متعلق فرمایا کہ بڑی

علمی کتاب ہے اسے ہمیشہ مطالعہ میں رکھنا چاہیے۔ النشر، منجد المقرئین اور تقریب النشر جیسی عظیم الشان تصانیف کی وجہ سے بعد میں آنے والے علماء علامہ جزریؒ کی علمی قابلیت کا لوہا ماننے پر مجبور ہیں۔ اس کے علاوہ علامہ دانیؒ کی سو سے زائد کتب ہیں حقیقتاً ان لوگوں نے ہی دین کی صحیح خدمت کی ہے اپنے استاذ محترم امام القراء عبدالمالک صاحبؒ کا تذکرہ بھی فرمایا کہ ان کے بھی یہ کتب بہت زیادہ مطالعہ میں رہتی تھیں۔ حال احوال ہمارے سے پوچھا فرمانے لگے بازو میں کچھ درد ہے اسلام آباد میں سردی زیادہ ہوتی ہے انشاء اللہ صحیح ہو جائے گا۔ ہم نے نماز عصر حضرت استاذ المحترم کی اقتداء میں باجماعت ادا کی۔ عصر کی نماز کے بعد ہم اٹھنے لگے اور اجازت طلب کی تو ہم لوگوں کو کھانے کے لئے بہت اصرار فرمایا۔ ہم نے ہفتے کو جامعتہ العلوم الاثریہ جہلم جانا تھا حضرت سے بھی عرض کیا کہ ہمارے ساتھ چلیں۔ فرمایا ہاں اس کی تعریف تو بہت سنی ہے کل میں آپ کو حتمی بتاؤں گا کہ میں ہمراہ جاؤں گا یا نہیں (لیکن ہفتے والے دن ارادہ ملتوی فرما دیا اور ہمیں مطلع کر دیا) قراءت کانفرنس کے متعلق وعدہ فرمایا کہ جمعرات کو میں اسلام آباد سے سیدھا تمہارے مدرسے آجاؤں گا۔ اور اگر پہلے آگیا تو تم لوگ آکر مجھے گھر سے لے جانا۔ ہم سلام کر کے باہر نکلنے لگے۔ تو حافظ فیاض صاحب کو فرمایا بھئی آپ کے پاس کوئی نادر و نفیس چیز آئے تو وہ ہمارے گھر ضرور دکھا لیا کریں۔ یہ تھی حضرت الاستاذؒ سے ہماری آخری ملاقات۔

علم و عمل کا آفتاب غروب ہوتا ہے

۱۷/ دسمبر ۱۹۹۱ء بروز منگل کو میں صبح گھر پر ہی تھا جب مدرسے سے حافظ فیاض صاحب نے لڑکا بھیجا کہ فوراً مدرسے آجائیں۔ میں مدرسے جانے کے لئے گھر سے نکلا تو راستے میں دو لڑکے اور ملے جو مجھے بلانے کے لئے گھر کی طرف آرہے تھے۔ مدرسے پہنچا تو حافظ صاحب کی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ حافظ صاحب کے صاحبزادے حافظ محمد عمر سلمہ گاڑی کے پاس کھڑے تھے میں نے اس قدر پیغامات بھیجنے کی وجہ دریافت کی تب حافظ عمر نے بتایا کہ حضرت شیخ الشیوخ قاری اظہار احمد تھانویؒ رحلت فرما گئے ہیں۔ مجھے یقین نہ آیا اتنی دیر میں حافظ فیاض صاحب مدرسے سے باہر تشریف لائے اور اس اندوھناک حادثے کے متعلق مجھے بتایا اور کہا کہ حضرت قاری صاحبؒ کے گھر سے فون آیا ہے۔ ہم حضرت الاستاذ کے گھر پہنچے راستے بھر دل و دماغ اس خبر کو تسلیم کرنے سے انکاری تھے۔ آہ آج اس گھر میں ہمارے لئے علمی رہنمائی، مشفقانہ سرپرستی کرنے والی شخصیت موجود نہ تھی۔ حضرت الاستاذؒ کے صاحبزدگان سے گلے ملا۔ بعد ازاں حضرت الاستاذ کے صاحبزادے بھائی عزیر احمد کے ہمراہ قبر کی جگہ دیکھنے کے لئے لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب گئے۔ پرچی بنوانے کے لئے کارپوریشن کے دفتر گئے تو کلرک بھی حضرت الاستاذؒ کی علمی شخصیت سے واقف تھا۔ حضرت کا نام سن کر وہ بھی دل گرفتہ ہوگیا۔

مغرب کی نماز کے بعد حضرت الاستاذؒ کا جسد خاکی آپ کے گھر اسلام آباد پہنچا۔ چہرے پہ انتہاء کا سکون اور

ایک ملکوتی مسکراہٹ، نہائے دھوئے گویا ابھی آنکھیں کھول کر گفتگو فرمانا شروع کر دیں گے۔ ٹوٹے دل اور اشکبار آنکھوں سے اپنے عظیم محسن اور مربی کی زیارت کی۔ حضرت الاستاذؒ کے بے شمار شاگرد اور رفیق خاص حضرت استاذ القراء قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب دامت برکاتہم جیسے حضرات بھی گھر پر موجود تھے۔ بعد ازاں میت کو ایمبولینس میں چوبرجی کوارٹرز کی گراؤنڈ پہنچایا گیا جہاں حضرت الاستاذ کی نماز جنازہ ہونا قرار پائی تھی۔ تاحد نظر انسانوں کا ہجوم اور سر ہی سر نظر آتے تھے۔ مہتمم مدرسہ تجوید القرآن مولانا قاری محمد رفیع صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بہت زیادہ ہجوم ہونے کی وجہ سے جنازے کے لئے چارپائی سے بانس باندھے گئے تھے تاکہ یہ سعادت زیادہ سے زیادہ لوگوں کے حصے میں آسکے۔ جنازہ جب قبرستان کی جانب روانہ ہوا تو لوگوں کا ہجوم اس قدر زیادہ تھا کہ خطرہ ہوا کہ کہیں بانس ٹوٹ نہ جائیں۔ مجوزہ قبر کی جگہ پر پہنچ کر حضرت الاستاذ کے جسد خاکی کو قبر میں اتارا گیا راقم اور مدرسہ تجوید القرآن کے مدرس قاری ظہور الحق نے یہ خدمت انجام دی۔ بعد ازاں استاذ الحفاظ حضرت مولانا قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم نے نہایت خشوع و خضوع سے دعا کروائی۔ آہ علم و عمل کا آفتاب غروب ہوگیا۔ آہ چراغ مسند و منبر رخصت ہوا، آہ علوم قراءت کا بے تاج بادشاہ داغ مفارقت دے گیا۔ آہ گمراہی اور ضلالت کے اندھیاروں میں مزید اضافہ ہوگیا۔ ٹوٹے دل اور لڑکھڑاتے قدموں سے واپسی ہوئی۔ بعد ازاں ۲۰ / دسمبر ۱۹۹۱ء کو حضرت الاستاذ کے آئے ہوئے دیگر شہروں سے شاگردوں نے غائبانہ نماز جنازہ جامع مسجد لسوڑیوالی میں بعد نماز جمعہ ادا کی۔ راقم الحروف نے اس نماز مذکورہ کی اقتدا کی۔

اللھم اغفرلہ وارحمہ رحمتہ واسعتہ و مغفرۃ کاملتہ

□□□

حضرۃ الاستاذ کے علمی جواھر پارے

مولانا قاری محمد ادریس عاصم

حضرۃ الاستاذ طلباء کو اہمیت علم پر خصوصی درس دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ آج کل طلبہ جو علم سے محروم ہیں اس کی بہت ساری وجوہات ہیں ان میں سے ایک وجہ علم اور کتاب کا احترام نہ کرنا بھی ہے۔

اس پر ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ شیخ حماد الدین رومی ایک مرتبہ رات کو طلبہ کے کمروں کی طرف تشریف لے گئے تو دیکھا کہ صرف دو طلبہ مطالعہ میں مصروف ہیں۔ ایک کی کیفیت یہ تھی کہ تکیہ سے ٹیک لگائے ہوئے کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہے۔ دوسرے کی حالت یہ ہے کہ وہ دو زانو ہو کر مستعد بیٹھا مطالعہ کر رہا ہے اور دوران مطالعہ جا بجا موقع بموقع کچھ نہ کچھ حواشی مرقوم کر رہا ہے۔ شیخ محترم نے جب یہ حالت اور کیفیت دیکھی تو پہلے کے بارے میں فرمایا کہ۔

ان لا یبلغ درجتہ الفضل۔ یہ علم کے اعلیٰ درجے تک نہ پہنچے گا اور دوسرے کے بارے میں فرمایا **سیحصل لہ الفضل ویکون لہ شان** یہ علم میں اعلیٰ درجہ حاصل کرے گا۔ باادب بامراد' بے ادب بے مراد۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ علم اور کتاب کا احترام علم میں بلند مراتب کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں حضرۃ الاستاذ نے علم کے متعلق حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بیان فرمایا کہ "علم مال سے بہتر ہے کیونکہ مال کی تمہیں نگرانی کرنا پڑتی ہے مگر علم تمہارا نگہبان ہوتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے ختم ہوتا ہے مگر علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ علم حاکم ہے اور مال محکوم۔ مالدار چل بسے لیکن علم والے زندہ ہیں اور رہتی دنیا تک زندہ رہیں گے۔ بے شک ان کے جسم مٹ گئے مگر ان کے علمی کارنامے نہیں مٹیں گے وہ زندہ ہیں۔

ایک مجلس میں میں نے عرض کیا حضرۃ علماء علم تجوید و قراءت کی مخالفت کیوں کرتے ہیں فرمایا "یہ بات تقریباً ہر مکتب فکر کے بعض علماء میں پائی جاتی ہے مگر محقق اہل علم ایسا نہیں کرتے پھر یہ شعر پڑھا۔

وضد کل امرء ما کان یجھلہ　　　والجاھلون لا ھل العلم اعداء

آدمی جس بات سے جاھل ہوتا ہے اس کا مخالف ہوتا ہے اسی لئے جاہل علماء کے دشمن ہوتے ہیں۔

حضرۃ الاستاذ تحقیق و تدقیق میں بڑے ماہر تھے اور ہر معاملہ پر ماہرانہ روشنی ڈالتے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ **لنسفعا** اصل میں **لنسفعن علی وزن لنفعلن** تھا اس کلمہ میں "نون" نون خفیفہ ہے نون خفیفہ کو نون تنوین سے لکھنے کی توجیہ یہ ہے کہ نون خفیفہ نون ساکن ہوتا ہے اور تنوین بھی نون ساکن ہوتا ہے۔ جس طرح کہ اس کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ نون ساکنہ زائدہ جو کلمہ کے آخر میں لاحق ہوتا ہے لہٰذا نون خفیفہ و نون تنوین دونوں

نون ساکن ہوئے اور نون خفیفہ کو نون تنوین کی مشاکلت کی وجہ سے بصورت تنوین لکھ دیا جاتا ہے اور علماء صرف اسی قاعدہ کے مطابق اضربن اضربن کو اضربا' اضربی' اضربو پڑھنا جائز قرار دیتے ہیں۔

اسی طرح ایک مرتبہ کلمہ دسها میں امالہ پڑھاتے ہوئے اس کی تعلیل بھی بیان فرمائی کہ یہ صیغہ دسهی ہے جو اصل میں دسس تھا دوسرے حرف تضعیف کو حرف علت یاء سے بدل دیا پھر یاء کو ما قبل مفتوح ہونے کی وجہ سے الف کیا اور ضمیر مفعول لاحق ہونے سے دسها ہوا۔ حرف تضعیف کو حرف علت سے بدلنا کلام عرب میں بکثرت موجود ہے۔ ایک مرتبہ راقم کا کلمہ ولتات پر اپنے چند ساتھیوں سے اختلاف ہوا تو راقم اس کی تصدیق و توثیق کے لئے حضرۃ الاستاذ کے پاس حاضر ہوا حضرۃ الاستاذ نے فرمایا کہ اس کو لکھ لو چنانچہ حضرۃ نے اس طرح بیان فرمایا "یہ صیغہ واحد مونث امر غائب معروف مہموز فا و ناقص یائی باب ضرب سے ہے لام امر واؤ پر داخل ہونے سے ساکن ہوگیا ہے اور قاعدہ اس طرح ہے کہ لام امر واؤ کے بعد وجوباً اور فا کے بعد جواز ساکن ہو جاتا ہے اور ساکن ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جہاں بھی فعل کا وزن بالا صالت یا بالعرض ہو اہل عرب اس کے وسط کو ساکن کر دیتے ہیں جیسے کتف کو کتف پڑھتے ہیں چونکہ امر کا مابعد متحرک ہوتا ہے اس لئے اس پر واؤ یا فاء داخل ہونے سے فعل کی صورت بالعرض پیدا ہوتی ہے جیسے ولتا اور فلتا۔ اس لئے لام امر ساکن کر دیتے ہیں اور واؤ کے ساتھ لام کا وجوباً سکون کثرت استعمال کی وجہ سے ہے۔ ولتات مضارع تاتی سے بنا ہے یاء لام کلمہ امر کی وجہ سے حذف ہوگئی ہے۔ ایک مرتبہ علوم قراءت کی حقانیت پر گفتگو فرمائی۔ فرمانے لگے کہ کسی قراءت کے صحیح اور متواتر ہونے کی شرائط علامہ جزری اپنے قصیدے طیبتہ النشر میں بیان کی ہیں۔

فکل ما وافق وجہ نحو   وکان للرسم احتمالاً یحوی

وصح اسناداً ھو القران   فھذہ الثلاثتہ الارکان

یعنی وہ قراءت اور وجوہ جو کہ قاری پڑھے ان میں ذیل کی شرائط ہوں تو وہ صحیح مانی جائے گی اول نحو کی کسی وجہ کے موافق ہو دوم عثمانی مصاحف کی رسم کے مطابق ہو اور سوم وہ سند کی رو سے بھی ثابت ہو۔ پس ان تین شرائط کو پورا کرنے والی قراءت ہی صحیح اور متواتر ہے۔

پھر فرمانے لگے کہ شاذ قراءت انہی اصولوں کی بنا پر شاذ ہیں۔ فرمایا اگر لغت کے اعتبار سے کسی قراءت کو صحیح اور متواتر ہونے کا درجہ دینا بالفرض مقصود ہوتا تو قراءت حسن بصریؒ اس کی بڑی بہترین مثال ہوتی اس میں لغت اور نحوی ادب کا ایسا عمدہ اظہار ہے جو دیگر قراءت میں نہیں ملتا۔ اس بات سے حضرت الاستاذؒ کی قراءت کے علوم پر وسعت نظری اور عمیق مطالعہ کی کارگزاریاں صاف معلوم ہوتی ہیں۔

ایک مجلس میں فرمایا "علامہ جزریؒ کے اس شعر میں بعض شارحین کو بڑی غلط لگی ہے۔ واللام اننا ھا لمنتھاھا' اننا ھا کی ضمیر حافہ کی طرف لوٹتی ہے اور لمنتھاھا کی ضمیر زبان کی طرف لوٹتی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ

لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے لے کر زبان کے آخر تک ہے۔ لیکن بعض شارحین نے لمنتهاها کی ضمیر حافہ کی طرف لوٹائی ہے جس کا معنی یہ ہے کہ لام کا مخرج ادنیٰ حافہ سے آخر حافہ تک ہے مطلب یہ ہوا کہ لام میں پورے حافہ کو دخل ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے اور اصل مخرج لام کا ادنیٰ حافہ سے زبان کے آخر تک ہے طرف لسان جب کہ ثنایہ رباعی انیاب اور ضواحک کے مسوڑھوں سے لگے اور لام میں پورا حافہ نہیں لگتا بلکہ پورا حافہ "ض" میں لگتا ہے۔ زبان کے بارے میں فرمایا کہ واللسان تذکر وتئونث اس پر علامہ شاطبیؒ کا شعر بھی دال ہے۔ **وحرف بادناها الی منتهاها۔**

ایک مرتبہ فرمایا کہ قرآن کریم میں دو مقام ایسے ہیں کہ اگر اس کو سیدھا پڑھا جائے یا الٹا دونوں طرح بالکل صحیح پڑھا جاتا ہے ایک کل فی فلک اور دوسرا ربک فکبر۔

ایک مرتبہ مدرسہ تجوید القرآن میں نئے سال کے داخلے ہو رہے تھے ایک لڑکا داخلے کی غرض سے حاضر ہوا حضرۃ الاستاذ نے دریافت فرمایا کیسے آئے۔ اس نے جواباً عرض کیا داخلے کی غرض سے آیا ہوں۔ حضرت نے پوچھا کیا پڑھنا ہے کہنے لگا کہ سبعہ پڑھنا چاہتا ہوں حضرت نے پوچھا عربی کا کیا حال ہے کہاں تک پڑھے ہوئے ہو اس نے بتایا کہ کافیہ تک۔ حضرت نے سوال کیا "قرن میں کیا تعلیل ہوئی" وہ کافی دیر سوچتا رہا۔ پھر حضرۃ الاستاذ نے فرمایا یہ اصل میں اقررن ہے را کی حرکت نقل کر کے قاف ساکن کو دی را کو حذف کر دیا جیسا کہ دو حرف تضعیف سے ایک کو حذف کر دیتے ہیں۔ قاف ساکن اب متحرک ہوا لہٰذا ہمزۃ الوصل کی ضرورت نہ رہی اس کو بھی حذف کر دیا تو قرن ہوگیا۔

یاء ات کا بیان شاطبی میں پڑھا رہے تھے کہ دو لڑکوں نے آپس میں بات چیت کی جس سے حضرت نے ناراضگی کا اظہار فرمایا کہ میں پڑھا رہا ہوں اور تم باتیں کر رہے ہو اس حالت میں سوال کیا کہ یہ بتاؤ فاتقون کا کیا صیغہ ہے جب وہ نہ بتا سکے تو پھر خود ہی فرمایا کہ صیغہ جمع مذکر امر حاضر معروف ناقص باب افتعال سے ہے اصل میں یہ صیغہ اتقوا تھا فاء داخل ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصلی حذف ہوگیا آخر میں نون اعرابی نہیں بلکہ نون وقایہ ہے جو آخر فعل کو کسرہ سے بچانے کے لئے فعل اور یائے متکلم کے درمیان لایا جاتا ہے۔ یاے متکلم حذف ہونے سے پہلے فاتقونی تھا یا حذف کر کے نون وقایہ کے کسرہ پر اکتفا کیا گیا اور یہ اکثر کیا جاتا ہے۔ پھر کسرہ نون وقف کی وجہ سے حذف ہوگیا یہ صیغہ حسب قاعدہ مضارع تتقون سے بنا ہے جس کا اصل تتقیون تھا یاء ضمہ ماقبل کو دے کر یاء کو واؤ کر کے اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا تتقون ہوا۔ مزید فرمایا کہ فارهبون بھی فاتقون کی مانند ہے فرق یہ ہے کہ یہ صحیح باب فتح سے ہے اور فاتقون ناقص سے ہے۔

حضرۃ الاستاذ موقع کی مناسبت سے بات کیا کرتے اور علمی گفتگو اور جامع کلام فرماتے تھے۔ مقبرہ جہانگیر ایک مرتبہ حافظ فیاض صاحب، راقم اور قاری خالد محمود صاحب کے ہمراہ حضرۃ الاستاذ تشریف لے گئے۔ وہاں مغلیہ

خاندان کے کارناموں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا "اس خاندان کی شہزادیاں بھی صاحب علم ہوتی تھیں۔ مغل شہزادیوں کو اعلیٰ تعلیم و تربیت دی جاتی ان میں سے کئی صاحب علم اور سخنور تھیں انہوں نے شعرو ادب کی سرپرستی میں بھی گہری دلچسپی لی۔ "گلبدن بیگم" ہمایوں کی بہن اور مغل خاندان کے بانی شہنشاہ بابر کی صاحبزادی تھیں۔ انہوں نے "ہمایوں نامہ" تصنیف کیا جو کہ ہمایوں کی زندگی کے لئے بہترین تاریخی ماخذ ہے۔ "ماھم انگہ" نے دھلی میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ "سلیمہ بیگم، نور جہاں اور ممتاز محل" سبھی برجستہ شعرگوئی اور سخن فہمی میں مشہور تھیں۔ شاہ جہان کی صاحبزادی "جہاں آراء بیگم" نے ایک کتاب "مونس الارواح" لکھی جس میں بزرگوں کے حالات قلبند کئے۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی صاحبزادی "زیب النساء" مشہور شاعرہ تھیں اور "مخفی" تخلص کیا کرتی تھیں۔ شہزادی زیب النساء کی سرپرستی میں امام رازی کی تفسیر کا فارسی میں ترجمہ ہوا جس کا نام "زیب التفاسیر" رکھا گیا۔

شاطبیہ کے باب الادغام الکبیر میں ایک عنوان باب ادغام الحرفین المتقاربین فی کلمتہ وفی کلمتین کے نام سے ہے۔ لیکن اس باب میں متقاربین کا بیان ہے متجانسین کا بیان نہیں۔ حضرۃ الاستاذ سے اس بابت سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ متقاربین بول کر متجانسین و متقاربین دونوں قسمیں مراد لی ہیں۔ مزید فرمایا کہ آنے والے حروف مدغم میں حروف متقاربین کی اکثریت کی وجہ سے "تغلیبا" یہ عنوان ادغام متقاربین کا اختیار کیا گیا ہے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر حرف کا مخرج محققین کے نزدیک مستقل اور جدا جدا ہے یعنی ۲۹ حروف کے ۲۹ ہی مخرج ہیں لہٰذا عنوان مبنی برحقیقت ہے۔

ایک مرتبہ تلاوت سے قبل تعوذ کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ابتدائے تلاوت میں استعاذہ کا حکم سورہ نمل میں آیا ہے کہ فاذا قرات القران فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم (ترجمہ) پس جب تو قرآن پڑھنا چاہے تو شیطان مردود سے اللہ تعالیٰ کی پناہ حاصل کر لیا کر۔ اب سوال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم کیوں دیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے ابتداء تلاوت میں استعاذے کے حکم کی وجہ یہ ہے کہ جو کچھ انسان نے منہ سے بے ہودہ بات یا لغو کلمات قبل از تلاوت نکالے تھے اب استعاذہ سے وہ زبان تلاوت قرآن کے لئے پاکیزہ ہو جاتی ہے یعنی زبان کو پاک کرنے کے لئے اور شیطان کے شر سے محفوظ ہونے کے لئے استعاذہ ضروری ہے۔ شیطان انسان کا دشمن ہے وہ پوری کوشش کرتا ہے کہ یہ قرآن نہ پڑھے کیونکہ قرآن پڑھنے سے انسان کے درجات بلند ہوتے ہیں اور وافر نیکیاں ملتی ہیں اس لئے وہ وسوسے ڈالے گا اور قرآن پڑھنے سے روکنے کے نت نئے حربے اور حیلے استعمال کرے گا لہٰذا جب انسان استعاذہ پڑھے گا تو پھر اللہ تعالیٰ کی امان میں آجائے گا اور شیطان کے شر سے محفوظ ہو جائے گا۔

علامہ شاطبیؒ نے اپنے درج ذیل شعر میں ادغام کبیر کو بیان کیا ہے۔ ؎

ودونک الادغام الکبیر و قطبہ　　ابو عمرو البصری فیہ تحفلا

قراءت سبع میں ادغام کبیر سوسیؒ کے لئے ہوتا ہے اور سوسیؒ ابو عمرو بصریؒ کے دوسرے راوی ہیں۔ قراءت کا اصول ہے کہ جب امام کا نام لیا جائے تو اس میں دونوں راوی مراد ہوتے ہیں جب راویوں میں اختلاف ہو تو پھر امام کا نام نہیں بلکہ ان راویوں کی الگ الگ روایت بیان کی جاتی ہیں۔ لیکن مذکورہ بالا شعر میں ادغام کبیر جو کہ صرف سوسی کرتے ہیں ان کی روایت میں بیان کرنے کی بجائے علامہ شاطبیؒ امام قراءت امام ابو عمرو بصریؒ کا نام لیتے ہیں یہاں اعتراض ہے کہ علامہ شاطبیؒ نے ایسا کیوں کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نحویوں نے سوسی کے ادغام پر اعتراضات کئے ان کا منہ بند کرنے کے لئے علامہ شاطبیؒ نے ابو عمرو بصریؒ کا نام لیا ہے یہ ادغام سوسیؒ نے ابو عمرو بصریؒ سے نقل کیا ہے اور ابو عمرو بصریؒ کا نام ہی اس ادغام کی صحت پر بطور سند پیش کر دینا کافی ہے کیونکہ نہ صرف وہ نقل و روایت کے بہت بڑے شیخ و امام ہیں بلکہ عربی ادب، شعر، نحو و معانی میں بھی ابو عمرو کو امام جلیل تسلیم کیا گیا ہے چنانچہ " کتاب الشعر و الشعراء" میں "ابن قتیبہ" اور دوسرے محققین اہل قلم نے ابو عمرو بن العلا کے اقوال و آراء کو بطور سند پیش کیا ہے۔

شاطبیہ کی تکمیل کے بعد حضرۃ الاستاذ نے رائیہ شروع کروائی ایک روز دوران درس حضرۃ الاستاذ نے فرمایا کہ مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ سے اپنی رائیہ کی شرح اسہل الموارد میں "اللؤلؤ" کی رسم میں سہو ہوا ہے۔ میں نے عرض کی کہ حضرت اس کی اطلاع حضرت قاری صاحبؒ کو دینی چاہیے تاکہ آئندہ اشاعت میں اس کی تصحیح ہو سکے۔ حضرۃ الاستاذ نے فرمایا کہ میں نے قاری فتح محمد صاحبؒ کو اس بابت خط تحریر کر کے نشاندہی کی تھی اور جواباً قاری صاحب کا شکریے کا خط بھی موصول ہوا جس میں انہوں نے میرے موقف کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے لکھا کہ میں نے ذاتی نسخے میں آپ کی تحقیق کے مطابق اصلاح کر لی ہے۔ حضرۃ الاستاذ نے راقم کو حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ کا خط بھی دکھایا۔ اس خط کا عکس اگلے صفحہ پر دیا جاتا ہے۔ اس سے حضرۃ الاستاذ کی قابلیت اور کتب پر ان کی باریک بین نظر اور علمی گرفت کا پتہ لگتا ہے۔ بلاشبہ ہمارے شیخ اپنے وقت کے شاطبی تھے۔

ایک مرتبہ راقم نے حضرۃ الاستاذ سے سوال کیا کہ لکنا ھو اللہ سورۃ الکھف میں الف وصلا" الف نہیں پڑھا جاتا مگر سورۃ طہ میں پڑھا جاتا ہے۔

اس کے جواب میں حضرۃ الاستاذ نے فرمایا "لفظ لکنا نون مشدد مع الف کے قرآن کریم میں چار مقام پر آیا ہے۔ ایک سورۃ الکھف میں لکنا ھو اللہ' دوسرا سورۃ طہ میں ولکنا حملنا' تیسرا اور چوتھا سورۃ قصص میں یعنی لکنا انشانا قرونا" اور ولکنا کنا مرسلین۔ پھر اس کی وضاحت فرمائی کہ سورۃ الکھف میں نون مشدد کے بعد کا الف وقف میں پڑھا جاتا ہے اور وصل میں نہیں کیونکہ یہ اصل میں لکن انا ہے۔ انا ضمیر واحد متکلم کے ہمزہ کو حذف کر کے نون کا نون میں ادغام کیا تو لکنا ہو گیا چونکہ انا ضمیر واحد متکلم میں الف پڑھنے میں نہیں آتا کیونکہ یہ ان تفسیریہ سے امتیاز کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ انا کا نون ساکن نہیں ہے بلکہ مفتوح ہے اس

۷۸۶

مخدومی و مکرمی حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم سلام مسنون

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یاد فرمائی کا دل و جان سے شکر گزار ہوں۔ اگر میں قدر کروں تو جناب کی یاد فرمانے کے سبب سولہ ربیع الثانی بجنسہ کا دن خوشی میں گذرا ہے جس طرح بھی کم نہیں ہے لؤلؤاً کے بارے میں جناب کی تحقیق نہایت عظیم الشان اور جلیل القدر ہے صحیح اور تحقیق امر وہی ہے جو جناب نے تحریر فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ ان تین سورتوں میں ناظم اس لؤلؤاً کو بیان فرما رہا ہے جو رجا منصوب ہے اور وہ لؤلؤاً منثوراً دھر ہے یا اختیارًا منصوب ہے اور وہ حج اور فاطر کا والا ہے۔ پس یہاں انہیں تین مقامات کو بیان فرمانا چاہتے ہیں اور اس تحقیق کی بنیاد پر تسہیل الموارد صفحہ ۷۸ سطر ۳ میں لؤلؤۂ میں اس الف کی صورت الخ کے بجائے لؤلؤاً میں الف کی صورت لکھنا مناسب تھا منصوب کے بجائے جو دو حرف سہواً درج ہو گئے اور اسی طرح صفحہ مذا کی سطر ۱۲ میں بھی (لؤلؤۂ میں الف کے زیادہ کرنے کی دو وجوہ ہیں) الخ اس کے بجائے لؤلؤاً میں الف کے زیادہ کرنے کی دو وجوہ ہیں ہونا چاہیے تھا۔ خلاصہ یہ کہ مرفوع اور مجرور کا ذکر غلطی کی بنا پر آ گیا ہے۔ صحیح تحقیق وہی ہے جو جناب نے درج فرمائی ہے کہ یہاں صرف الف زائد کا وجود محل اشکال تھا اس لئے ناظم نے اس کی توجیہ بتا دی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ الف یا تو فاصل ہے جو کلمہ کو تمامی بتانے کیلئے لایا گیا ہے یا ہمزہ کی صورت کو قوی کرنے اور یہ بتانے کیلئے لکھا گیا ہے کہ یہاں جو واو لکھا ہوا ہے وہ ہمزہ کی صورت ہے اور جناب کی اس تحقیق کی روشنی میں تسہیل الموارد میں سات نوشتوں میں اصلاح کی ضرورت ہے

غلط	صحیح	صفحہ	سطر
(۱) لؤلؤاً کا ہر ایک لفظ	لؤلؤاً منصوب کا ہر ایک لفظ	۷۶	۶
(۲) باقی نوشتوں میں نہیں	ناظم میں نہیں	"	۹
(۳) باقی نوشتوں میں نہیں	سورہ انسان میں نہیں	"	۱۲
(۴) لؤلؤاً تمام نوشتوں میں	لؤلؤاً منصوب تمام نوشتوں میں	"	۱۲
(۵) لؤلؤۂ	لؤلؤاً	"	۱۷
(۶) لؤلؤۂ	لؤلؤاً	"	۲۱
(۷) اور اسی طرح لؤلؤ میں بھی واو کی صورت اور دوسرے ہمزہ کے بعد الف لکھا جاتا ہے اور... [illegible] لؤلؤاً سورہ میں الف تنوین کا عوض ہے [illegible]	اور اسی طرح لؤلؤاً میں بھی واو کی صورت اور دوسرے ہمزہ کے بعد الف کی [illegible]	۷۹	۳

پس جو عبارت نوشتوں کے درمیان درج ہے وہ تسہیل الموارد میں زائد اور متروک ہے اور میں نے تسہیل الموارد کے نسخے میں ان ساتوں نوشتوں کو اسی طرح درست کر لیا ہے

جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء واعظمہ

یہ جناب والا کا احسان عظیم ہے

فقط والسلام (قاری) فتح محمد پانی پتی (مدظلہ)

لئے سورۃ کہف کے لکنا میں الف وقفا" پڑھا جاتا ہے۔ اور وصلاً نہیں۔

جبکہ سورۃ طٰہ اور سورۃ قصص میں جو صورتحال ہے اس میں الف برابر پڑھا جاتا ہے کیونکہ اس کا اصل لکن انا بصیغہ جمع ہے۔ ان میں ھمزہ کو حذف کر کے کاف مکسور کو نون مشدد سے ملا کر پڑھا اور لکھا جاتا ہے اور لکن کے نون ساکن کی ضرورت کتابت و قراءت ہر دو میں نہ رہی اور نون مشدد کے بعد کا الف بوجہ ضمیر جمع متکلم کے ساتھ ہونے کے برابر پڑھا گیا جیسا کہ وہ اپنی اصلی صورت میں یعنی انا جمع میں برابر پڑھا جاتا ہے۔

دوران سبق حضرۃ الاستاذ ہم سے اچانک کوئی سوال سبق سے ہٹ کر بھی کر لیتے اس سے ہماری علمی استعداد میں اضافہ ہر حال میں کرنے کا جذبہ اور شفقت کارفرما ہوتی۔

ایک مرتبہ پڑھاتے ہوئے دریافت فرمایا "بتاؤ وہ کونسی فرض نماز ہے جس کی ہر رکعت میں تشہد ہوگا۔ ہم تمام ہم سبق سوچ کر خاموش ہوگئے۔ فوری طور پر کوئی جواب ذہن میں نہ آیا۔ تو خود ہی جواباً فرمایا یہ مغرب کی نماز ہے اگر کوئی شخص نماز کے لئے مسجد میں آئے اور امام ایک رکعت پڑھا چکا ہو اور یہ نیا نمازی دوسری رکعت میں شامل ہوا ہے تو اب یہ امام کے ساتھ دو رکعت پڑھے گا تو ہر رکعت میں تشہد کرے گا اور ایک رکعت بعد میں خود پڑھے تو تیسری مرتبہ آخری تشہد کرے گا اس طرح اس کی ہر رکعت میں تشہد ہوگیا۔

ایک مجلس میں عرض کیا گیا کہ حضرت بارہا ایسا ہوا کہ کسی محفل یا جلسے میں اس قدر اچھا نہ پڑھا جا سکا جتنی پڑھنے والے کی اپنی خواہش تھی۔ نہایت حکیمانہ جواب ارشاد فرمایا کہ بھائی دراصل سٹیج یا محفل یا کسی جلسے میں پڑھنا اور بات ہے اور استاذ کی مسند پر بیٹھ کر پڑھانا کچھ اور بات ہے۔ سٹیج کے قاری اور مسند کے قاری میں بہت فرق ہے۔ مسند پر بیٹھا ہوا قاری سٹیج پر بھی اچھا پڑھ سکتا ہے لیکن سٹیج کا قاری مسند علمی پر براجمان ہو کر تلامذہ کو فیض یاب نہیں کر سکتا۔ ہمارے شیخ استاذ الاساتذہ قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ کو ہم نے بارہا دیکھا کہ حضرت کا سٹیج پر پڑھنا اور تلامذہ کو مشق کراتے ہوئے پڑھنا دونوں بہت واضح فرق رکھتا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ مسند علمی پر براجمان قاری سٹیج اور محفل کے قاری سے کہیں زیادہ افضل ہے۔

راقم نے تدریسی میدان میں جز وقتی طور پر سعودیہ جانے سے پہلے ہی قدم رکھ دیا جاتا تھا اور زمانہ تعلیم جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کئی لڑکوں کو تجوید پڑھا کر حضرۃ الاستاذ سے امتحان دلوا دیا اور سند فراغت دی گئی مگر جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ سے فارغ ہونے کے بعد مستقل پڑھانا شروع کیا۔ ایک دن حضرۃ الاستاذ کے دولت کدہ پر حاضری دی اور عرض کیا کہ حضرت پڑھانا تو شروع کیا ہے مگر تدریس کے اصولوں سے ناآشنا ہوں کہ ایک استاذ کے کیا اوصاف ہونے چاہئے۔ فرمانے لگے بھائی اصول کیا ہوتے ہیں اصل تو آدمی کا تجربہ ہے وہ انشاء اللہ بتدریج ہو جائے گا۔ مگر استاذ کے لئے جن اوصاف کا ہونا ضروری ہے ان میں اول چیز اخلاص ہے استاذ کو علم اور طلبہ کے لئے مخلص ہونا چاہئے اگر استاذ مخلص نہ ہوگا تو علم میں برکت نہ ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ دنیاوی لالچ نہ ہو' تیسرے ریاکار نہ ہو'

اللہ کی رضا کی خاطر پڑھائے متکبر نہ ہو تکبر انسان کو ذلیل کر دیتا ہے۔ تقویٰ کا وصف استاذ کے لئے لازم ہے یہ وصف بے حد جامع اور دیگر اوصاف پر حاوی ہے۔ استاذ خوش اخلاق اور خندہ جبیں ہو۔ نرم مزاج ہو ترش رو نہ ہو تند خو آدمی اچھا استاذ نہیں بن سکتا۔ استاذ و شاگرد کا تعلق افادہ و استفادہ کا ہوتا ہے یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب دونوں کے باہمی تعلقات خوشگوار ہوں اور شاگرد بلا تکلف اور بلا جھجک علمی فوائد حاصل کر سکتا ہو۔ تنگ دل استاذ سے یہ ممکن نہیں۔ استاذ کی ناراضگی' خیر خواہی' ہمدردی اور محبت پر مبنی ہونی چاہئے وہ بے شک انہیں جفا کشی' محنت اور مسلسل کام کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ اور اس دوران سختی سے کام لینا معیوب نہیں مگر اس کے دل کی گہرائیوں میں حسد و انتقام کا کوئی جذبہ پنہاں نہ ہو۔ استاذ کے لئے متبع شریعت ہونا نہایت ضروری ہے ایک بے عمل شخص کی بات میں کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔

عزت و خودداری کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا استاذ کے لئے موزوں نہیں۔ شاہ بخارا نے حضرت امیرالمومنین فی الحدیث امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ قصر شاہی پر حاضر ہو کر اس کے بچوں کو صحیح بخاری کا درس دیں امام صاحبؒ نے اس کی خواہش کو ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ تمہیں علم کے اعزاز کو قائم رکھنا چاہئے۔ اسی طرح خلیفہ ہارون الرشید نے حضرت امام مالکؒ سے درخواست کی کہ میرے پاس حاضر ہو کر مجھے حدیث پڑھائیں۔ حضرت امام مالکؒ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ تمہیں علم کو سربلند کرنا چاہئے اگر خلیفہ وقت ہی علم کی تذلیل پر اتر آئے تو علم کی شان کیونکر قائم رہے گی۔

صبرو استقلال

استاذ کو چاہئے کہ وہ صابر اور مستقل مزاج ہو کسی حالت میں صبر و حوصلہ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے ہمارے بزرگ اکابر حضرت امام ابو حنیفہؒ' حضرت امام مالکؒ' حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے اس راہ میں جو شدائد و تکالیف کے پہاڑ برداشت کئے وہ بہت صبر آزما تھے۔

وسعت قلب

استاذ کے لئے وسعت قلبی کا مالک ہونا ازبس ضروری ہے ایک تنگدل شخص ہرگز کامیاب استاذ نہیں بن سکتا۔ شاگرد شعوری یا غیر شعوری طور پر استاذ سے متاثر ہوتا ہے والدین کی تربیت کے بعد بچہ جس شخصیت کا اثر سب سے زیادہ لیتا ہے وہ استاذ ہے طلبہ کی اثر پذیری کا دائرہ بہت وسیع ہے یہ تاثیر اخلاق و عادات' طرز زندگی' علم و فضل اور زہد و تقویٰ سب امور پر محیط ہیں اس سے معلوم ہوا کہ استاذ کے انتخاب میں بڑی باریک بینی کی ضرورت

ہے۔ اساتذہ میں اس اخلاص کا فقدان ہوتا جا رہا ہے جو سلف کا امتیاز تھا اساتذہ محض کسب معاش کے لئے علم حاصل کرتے ہیں۔ تحصیل علم کی لگن ایک پیاس ہے جو ایک عالم میں ہونی چاہئے وہ اساتذہ میں باقی نہیں رہی ہے علم بڑا ہی غیور واقع ہوا ہے وہ ان لوگوں کے سینوں کو اپنا نشیمن کبھی نہیں بناتا جو اسے نیک مقاصد کے لئے حاصل نہ کرتے ہوں۔ جب استاذ محض کسب معاش کے لئے پڑھتا ہے تو اسے اپنے مضمون پر دسترس نہیں ہوتی۔ ہر دم مطالعہ کرو ہمیشہ مطالعے کو اپنا معمول بنا لو۔ بغیر مطالعہ کے کبھی سبق نہ پڑھانا۔ اکابرین کی تالیف شدہ کتب خصوصا عربی کتب جو فن کی بابت ہوں ضرور مطالعہ کرتے رہو۔ بہت فائدہ ہوگا۔

راقم الحروف کو ایک مرتبہ حضرت الاستاذ نے ایک بہترین وظیفہ بتایا۔ یہ دشمن سے حفاظت کا آزمودہ ورد ہے۔ آزمائش شرط ہے فرمایا کہ "**اللھم انا نجعلک فی نحورھم ونعوذ بک من شرورھم**" اکیس دن فجر کی سنتیں ادا کرنے کے بعد فرض نماز سے قبل اکیس مرتبہ اول آخر درود شریف گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھو۔ بندہ نے اس کو کئی بار آزمایا الحمدللہ مجرب پایا ہے۔ ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے اس کی عام اجازت ہے۔

زمانہ طالبعلمی میں احقر نے حضرت الاستاذ سے سوال کیا کہ حضرۃ روح اور نفس میں کیا فرق ہے؟ حضرۃ نے فرمایا بعض علماء کے نزدیک روح اور نفس ایک ہی شئے کے دو نام ہیں مگر علماء محققین کے نزدیک روح اور نفس دو علیحدہ علیحدہ شے ہیں۔

استاذ ابوالقاسم قشیریؒ فرماتے ہیں اخلاق حمیدہ کے معدن اور منبع کا نام روح ہے اور اخلاق ذمیمہ کے معدن اور سرچشمہ کا نام نفس ہے مگر جسم لطیف ہونے میں مشترک دونوں ہیں۔ جیسے ملائکہ اور شیاطین جسم لطیف ہونے میں مشترک ہیں مگر ملائکہ نورانی اور شیاطین نار سے پیدا کئے گئے۔ اس پر قرآن و حدیث سے دلائل بھی پیش کئے جو طوالت کی وجہ سے یہاں بیان نہیں کر رہا ہوں۔

ایک مرتبہ حضرت الاستاذ نے ایک مجلس میں فرمایا "استاذ ہو یا شاگرد صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرے وہی حقیقت میں متقی ہوگا اور یہ اشعار پڑھے۔

خل الذنوب کبیرھا و صغیر ھا فھو التقی

واصنع کما ش فوق ارض الشوک یحذر ما یری

لاتحقرن صغیرۃ ان الجبال من الحصا

ترجمہ ۔ تمام کبیرہ صغیرہ گناہوں کو ترک کر۔ یہی تقوی ہے اور زمین پرخار پر اس طرح چل جیسے کہ ہوشیار آدمی اپنے دامن کو کانٹوں سے بچا کر چلتے ہیں کسی گناہ صغیرہ کو حقیر مت جان دیکھ کہ ذرے مل کر پہاڑ بن جاتے ہیں۔ حضرت الاستاذ محقق عالم اور علم دوست تھے علماء کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے مگر جاہل واعظوں سے نفرت کرتے تھے کہ یہ موضوع روایات، من گھڑت واقعات بے بنیاد قصے سنا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور فرمایا کہ یہ ہر

دور میں ہوتے ہیں۔ اس پر ایک واقعہ سنایا کہ علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "القصاص والمذکرین" میں ذکر کیا ہے جعفر بن محمد الطیالسی سے روایت ہے امام احمد بن حنبلؒ اور امام یحییٰ بن معینؒ نے مسجد رصافہ میں نماز پڑھی وہاں ایک واعظ نے کھڑے ہو کر وعظ کہنا شروع کیا اور کہا ہم سے احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین نے روایت کی ان دونوں نے بیان کیا کہ ان سے عبدالرزاقؒ نے اور ان سے معمرؒ نے اور ان سے قتادہؒ نے اور ان سے انسؓ نے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے لا الہ الا اللہ کہا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر ایک کلمہ سے ایک پرندہ پیدا کرے گا جس کی چونچ سونے کی اور پر مرجان کے ہوں گے یوں اس نے تقریباً بیس اوراق جتنا بیان کرنا شروع کیا اب احمد بن حنبلؒ یحییٰ بن معینؒ کی طرف دیکھتے تھے اور یحییٰ بن سے پوچھتے تھے کہ کیا آپ نے اس سے حدیث بیان کی ہے اور پھر جواب میں ایک دوسرے سے کہتے بخدا میں نے تو یہ حدیث ابھی سنی ہے اس سے قبل کبھی نہ سنی تھی پھر وہ دونوں وہاں خاموش بیٹھے رہے یہاں تک کہ واعظ اپنے وعظ سے فارغ ہوگیا۔ واعظ نے لوگوں سے وظیفے اور عطیات وصول کئے پھر بیٹھ کر مزید عطیات کا انتظار کرنے لگا۔ تب یحییٰ بن معینؒ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے پاس بلا لیا وہ اس خیال سے چلا آیا کہ شاید کچھ انعام ملے گا یحییٰ بن معین نے کہا یہ حدیث جو تم نے سنائی تم سے کس نے بیان کی؟

اس نے کہا احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے۔ یحییٰ بن معینؒ نے فرمایا دیکھو میں یحییٰ بن معینؒ ہوں اور یہ احمد بن حنبلؒ ہیں۔ ہم نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں سے یہ حدیث کبھی نہیں سنی اور اگر یہ روایت ہے بھی جھوٹ ہے جو کسی اور نے گھڑی ہوگی۔ واعظ نے کہا تم یحییٰ بن معینؒ ہو؟ انہوں نے کہا ہاں! کہنے لگا میں سنتا رہتا تھا کہ یحییٰ بن معینؒ احمق ہے مگر آج میں نے خود دیکھ لیا ہے کہ بات درست ہے' یحییٰؒ نے کہا تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں احمق ہوں؟ وہ کہنے لگا وہ اس طرح کہ تمہارا خیال ہے کہ تم دونوں کے علاوہ دنیا بھر میں کوئی اور یحییٰ بن معینؒ اور احمد بن حنبلؒ نہیں ہیں۔ حالانکہ میں نے سترہ احمد بن حنبلؒ اور سترہ یحییٰ بن معینؒ سے روایات نقل کی ہیں۔ اس پر احمد بن حنبلؒ نے اپنا چہرہ اپنی آستین سے ڈھانپ لیا اور فرمایا اسے چھوڑ کہ چلا جائے۔ وہ واعظ اٹھ کھڑا ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ان دونوں کا مذاق اڑا رہا ہو۔

امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا! "اکذب الناس القصاص والسوال" یعنی لوگوں میں سب سے زیادہ جھوٹے واعظ اور سوالی ہوتے ہیں۔

ایک مرتبہ کتے کے بارے میں فرمایا کہ یہ بڑا ہی وفادار جانور ہے علامہ ابن الجوزیؒ اور علامہ دمیریؒ لکھتے ہیں کہ حضرۃ ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے "امین (امانت دار) کتا خائن دوست سے بہتر ہے۔" پھر حضرۃ الاستاذ نے واقعہ بیان فرمایا کہ حارث بن صعصہ کے چند بڑے گہرے دوست تھے ان کی آپس میں اس قدر محبت تھی کہ کسی وقت بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے تھے ایک مرتبہ حارث ایک سیرگاہ میں گیا اور اپنے دوستوں کو بھی ہمراہ لے گیا

صرف ایک دوست کو اپنے گھر کی حفاظت کیلئے پیچھے چھوڑ گیا۔ یہ دوست جو گھر میں حفاظت کیلئے پیچھے رہ گیا تھا ح
کی بیوی پر بدنیت ہوگیا۔ حارث کی بیوی بھی اسکے پھندے میں آگئی آپس میں محبت و پیار کی باتیں ہونے لگیں
ازاں دونوں نے ملکر کھانا کھایا۔ حارث نے گھر میں ایک کتا پال رکھا تھا وہ کتا ان دونوں کی حرکات کو بڑے غور
دیکھتا رہا دونوں جب فعل شنیعہ میں مصروف ہونے لگے تو کتا بڑا زبردست تھا دونوں پر ایسا شدید حملہ کیا کہ دونو
کام تمام کر دیا۔ حارث جب سیرگاہ سے واپس گھر آیا تو دونوں کو برھنہ حالت میں مرے ہوئے پایا قرائن سے معاملہ
تہہ تک پہنچ گیا اس دوست کی خیانت کی وجہ سے باقی تمام دوستوں کو رخصت کر دیا اور اس المناک حادثہ پر یہ شعر

فیا عجبا" للخل یھتک حرمتی

ویا عجبا" للکلب کیف یصون

یعنی تعجب ہے انسان دوست پر کہ وہ میری عزت کو بٹہ لگاتا ہے اور حیرت ہے اس کتے پر کہ وہ میری عزت
کس طرح حفاظت کرتا ہے۔

حضرۃ الاستاذؒ نے فرمایا کہ یہ واقعہ "حیوۃ الحیوان" اور "کتاب الاذکیاء" میں پڑھا ہے۔

یہ ہیں حضرت الاستاذ کے نصائح و قیمتی ارشادات' لا تعداد تلامذہ اور کثیر علمی کتب حضرۃ الاستاذ کی یادگار
جو رہتی دنیا تک حضرۃ الاستاذ کے نام کو تابندگی بخشتی رہیں گی۔

حضرۃ الاستاذ کی تصنیفی خدمات کے صرف نام یہاں ذکر کروں گا۔ جو درج ذیل ہیں۔

(۱) پیغام رمضان (۲) اخلاق محمدی (۳) جمال القرآن کے حواشی (۴) تیسیر التجوید کے حواشی (۵) مقد
الجزری و تحفتہ الاطفال کے تراجم (۶) مجموعہ نادرہ (۷) الجواھر النقیہ شرح المقدمتہ الجزریہ (۸) الحواشی الم
شرح المقدمہ کا اردو ترجمہ (۹) شرح شاطبیہ (اردو) اور بعد ازاں (۱۰) امانیہ شرح شاطبیہ (۱۱) توضیح الرام
وقف حمزہ و ھشام (۱۲) تنشیط الطبع فی اجراء السبع کی تصحیح تبویب و اضافہ مزید (۱۳) خلاصتہ التجوید (۱۴) الم
فی التجوید والوقف (عربی) (۱۵) الدراری شرح الدرۃ المضیہ (۱۶) ایضاح المقاصد شرح عقیلہ اتراب القصائد (
تقاریر ابو داؤد شریف (۱۸) شجرۃ الاساتذہ۔ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ان میں سے اکثر کتب طبع ہو چکی ہیں اور بعض ابھی مسودہ کی شکل میں موجود ہیں۔ آخر میں حضرت الا
کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کا ذکر دو اشعار کی صورت میں تحریر کرتا چلوں۔

کیا کریں عرض ہنر' فن کا شناسا نہ رہا
گوش شنوا نہ رہا' دیدہ بینا نہ رہا
کوے جاناں سے جو نکلے تو ہوئے آوارہ
دل جہاں ٹھہرے کوئی ایسا ٹھکانہ نہ رہا

□□□

میرے عظیم المرتبت استاذ

قاری عبدالرحمٰن ڈیروی

راقم الحروف نے روایت حفص ۱۹۶۲ء میں استاذ القراء قاری عبدالعزیز شوقی صاحبؒ سے پڑھی۔ ارادہ یہ بنا کہ آپ سے ہی سبع قراءت شروع کروں لیکن ان دنوں استاذ محترمؒ کا ارادہ دیوبند جانے کا ہو رہا تھا جہاں کے استاذ محترمؒ فیض یافتہ تھے۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں دیوبند سے ہو آؤں پھر تمہیں واپس آکر سبعہ شروع کرواؤں گا۔ لیکن حضرت استاذ محترم کا دیوبند روانگی کا پروگرام کچھ سیاسی حالات اور کچھ خانگی پریشانیوں کی وجہ سے تبدیل در تبدیل ہی ہوتا رہا۔

آخر میں نے مناسب سمجھا کہ کسی دوسرے صاحب فن شخصیت سے استفادہ کروں۔ اس سلسلے میں میرے دل و دماغ نے یہی مشورہ دیا کہ حضرت استاذ القراء جناب قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔ میں ۱۹۶۵ء کے اوائل میں حضرت کے گھر واقع جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ حاضر ہوا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت استاذ محترم نے فرمایا مدرسے آجاؤ۔ دوسرے دن میں مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل حاضر خدمت ہوا اور حضرت الاستاذ نے مجھے سبعہ کی کلاس میں داخل فرمالیا۔

کوئی غرور یا بڑائی والی بات نہیں صرف تحدیث نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ دوران پڑھائی الحمدللہ اپنے ساتھیوں میں اہم اور ممتاز رہا۔ اور صرف ایک سال کی قلیل مدت میں میں ۲۲۔ دسمبر ۱۹۶۵ء کو بہت نمایاں طور پر قراءت سبع پڑھ کر فارغ ہوا۔ سبعہ کا امتحان استاذ القراء حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ نے لیا۔

دوران طالب علمی حضرت استاذ مکرم کا رویہ میرے ساتھ اس قدر مشفقانہ اور کریمانہ رہا کہ جو بیان سے باہر ہے۔ دیگر ہم جماعتوں کو سبق کی تکرار کروانے کا اہم کام حضرت بارہا میرے سپرد فرمایا کرتے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ حضرت کے تلامذہ میں سے کسی نے کوئی سوال کیا تو میری استعداد کو بڑھانے کے واسطے عموماً اس سوال کرنے والے کو فرما دیتے جاؤ یہ سوال عبدالرحمٰن سے پوچھو۔ بعض اوقات الحمدللہ سوال کرنے والے طالبعلموں کو مطمئن کر دیتا اور ایسا بھی ہوتا کہ وہ مسئلہ مجھے معلوم نہ ہوتا اور میں حضرت استاذ المکرمؒ سے پوچھ کر پھر لڑکوں کو جواب دیتا۔

۱۹۶۵ء میں سبعہ سے فراغت ہوئی تو دلی خواہش ہوئی کہ عشرہ کی تکمیل بھی کر لوں۔ حضرت استاذ المکرمؒ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو جواب میں فرمایا بھئی عبدالرحمٰن میری خواہش یہ ہے کہ پہلے تم کسی مدرسے میں تجوید اور سبعہ پڑھاؤ اس کے بعد انشاء اللہ تمہیں عشرہ کی تکمیل بھی کرائیں گے۔ حضرت استاذ المکرم کے فرمان کے مطابق میں نے تدریس کے لئے مدرسے کی تلاش شروع کر دی۔ مجھے ۱۹۶۷ء میں جامعہ مدنیہ میں پڑھانے کی جگہ مل گئی۔

الحمدللہ اول وہاں تجوید پڑھائی بعد ازاں وہاں سبعہ کی کلاس بھی پڑھائی سبعہ کے فارغ التحصیل طلباء نے مطالبہ کیا کہ ہمیں عشرہ کی تکمیل بھی کرائیں۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ اب عشرہ کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے۔

یہ ۱۹۷۰ء کا سن تھا میں حضرت الاستاذ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قراءت عشرہ کی تکمیل کی خواہش کا اظہار کیا اور پھر اسی سال راقم حضرت استاذ المکرمؒ سے ثلاثہ پڑھ کر عشرہ قراءت میں فارغ ہوا۔ احقر کا امتحان استاذ القراء قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتہم نے لیا۔ ان پانچ سالوں میں حضرت استاذ المکرم سے فیض یاب ہونے کا خوب خوب موقع ملا۔ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۰ء تو خیر میرے زمانہ طالب علمی کے سال تھے اور ان میں میں روز ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ لیکن جامعہ مدنیہ کے تدریسی دور میں بھی دوران تدریس پیدا ہونے والے اشکال کے حل کے لئے ہفتے میں ایک دو دن ضرور آتا۔

حضرت استاذ المکرمؒ کا رویہ میرے ساتھ نہایت اعلیٰ ظرفی کا رہا اور یہ میرے ساتھ ہی موقوف نہیں تھا بلکہ حضرت استاذ المکرمؒ تو ہر ایک کے ساتھ سراپا شفقت و محبت تھے۔ کبھی کوئی سوال یا اعتراض یا اشکال عرض کیا تو اس کی تحلیل سے کبھی اغماض نہیں برتا کبھی بتانے میں بخل سے کام نہیں لیا۔ کبھی کثرت سوالات سے پریشان نہیں ہوئے۔ کبھی ماتھے پر شکن نہ آئی کبھی غصے کے آثار چہرے پر نمودار نہ ہوئے۔ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اساتذہ اور شیوخ سے سوالات کی کثرت کی جائے تو اس سے تنگ آجاتے ہیں سوالات کی ہیئت پر ہی اعتراض لگا کر مسترد کر دیتے ہیں کہ یہ کیا سوال ہوا یا یہ غیر متعلق سوال ہے یا یہ سوال مہمل ہے۔ لیکن حضرت استاذ المکرمؒ میں ایسی کوئی بات نہ تھی ہر سوال کو غور سے سننا اور پھر ایسا شافی اور مکمل و جامع جواب عنایت فرمانا کہ جس سے دل کو بھرپور طمانیت ہو جائے اور بالفرض اگر اس کے باوجود دل کی تسلی نہیں ہوئی تو سوال در سوال کرتے چلے جایئے جوابات نہایت ہی خندہ پیشانی سے ملتے چلے جاتے۔ ناراض ہو جانا' سوالات سے تنگ آجانا یا مصروفیت کا عذر کر دینا یا اپنی تھکاوٹ کا بہانہ کر دینا ایسی عادات اور حیل و حجت والی باتیں حضرت استاذ المکرمؒ کی لغت میں ہی نہ تھی۔ اسی وجہ سے حضرت کے تلامذہ ہر دم سوال کرنے میں مستعد ہوتے اور اسی کی بدولت ان کی علمی استعداد بھی دیگر قراء سے بلند ہوتی۔

عموماً اساتذہ کو دیکھا ہے کہ اپنے کمرے میں پڑھا رہے ہیں تو دروازہ بند ہے ملاقات کی کسی کو اجازت نہیں ہے۔ ملاقات کا ٹائم الگ ہے تدریس کا ٹائم الگ ہے۔ لیکن حضرت استاذ المکرم کے معمولات میں ایسی کوئی تقسیم نہ تھی۔ جس وقت مرضی چلے جائیں جیسا مرضی سوال کرلیں جواب بھی ملے گا ملاقات کا وقت بھی ہر لمحہ ملے گا۔ گویا حضرت استاذ المکرمؒ تو وقف ہی تعلیم و تعلم کے لئے تھے۔

حضرت استاذ المکرمؒ کی یہ خوبی بھی دیکھی کہ کبھی نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کو ڈانٹا نہ کبھی کسی کو دھکے دے کر اپنے درس سے نکالا نہ پڑھانے سے انکار کیا۔ یہ شاندار وصف اپنے زمانہ طالب علمی میں بھی دیکھا اور بعد فراغت

بھی حضرت کا یہی معمول سنا۔ اسی وجہ سے حضرت کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اس میں ہر مسلک کے حضرات شامل ہیں۔

بعض اوقات یہ تو ہوا کہ حضرت سے کوئی سوال کیا اس وقت تسلی بخش طریقہ سے حل نہ ہو پایا تو اپنے مخصوص انداز میں فرماتے اچھا بھائی اس کی تفصیل فن کی کتب میں تلاش کریں گے۔

اسی سلسلے کا واقعہ حضرت کی وفات سے کچھ ماہ قبل کا ہے۔ ۱۹۹۱ء ہی کا سن تھا حضرت اس زمانے میں درۃ کی شرح مرتب فرما رہے تھے میں درۃ سے متعلق کچھ اشکالات لے کر مدرسہ تجوید القرآن حاضر ہوا۔ حضرت اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ اپنے ہمراہ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتیؒ کی درۃ کی اردو شرح القرۃ الرضیہ بھی ہمراہ لے کر گیا۔ اشکال پیش کئے تو کافی تفصیلی گفتگو ہوئی مسئلہ حل نہ ہوا تو فرمانے لگے اس طرح کرو کہ یا تو چوبرجی کوارٹرز کی مسجد آجانا یا پھر گھر آجانا وہاں انشاء اللہ اس مسئلے کو حل کریں گے میں اول جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز حاضر ہوا ملاقات نہ ہو سکی تو پھر حضرت کے در دولت حاضری دی ملاقات ہوئی دعا سلام کے بعد فوراً اس مسئلہ کے متعلق گفتگو شروع فرما دی۔ مجھے قراءت کی اہم کتب میں سے اس کا بڑا صحیح تسلی و تشفی والا حل بتایا اس کے بعد احقر اور حضرت استاذ المکرمؒ کی اس موضوع پر بڑی سیر حاصل بحث تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے ہوتی رہی اور جب اس مسئلہ کے حل سے فراغت ہوگئی تب فرمانے لگے بھائی چائے پیؤ گے یا شربت۔ کام کو ہر لمحہ اولیت دینا حضرت کی مخصوص عادت تھی۔ ہمیشہ علمی کاموں میں مگن رہتے۔ تدریس' تصنیف' مطالعہ یا ذکر الٰہی ان چار امور کے علاوہ آپ کسی کام کی طرف متوجہ نہ ہوتے۔ مطالعے کا بے انتہا شوق تھا۔ مطالعے کا اس قدر حریص میں نے کسی کو نہیں دیکھا جس قدر حضرت استاذ المکرم تھے۔ حضرت سے ملاقات کے لئے گھر چلے جائیں یا مدرسہ تجوید القرآن پڑھانے کے اوقات کے علاوہ فارغ نہ ہوتے بلکہ سامنے کتاب کھلی ہوئی ہے مطالعہ ہو رہا ہے۔ موسم کے تغیر و تبدل حضرت کے معمولات پر اثر انداز نہ ہو پاتے ہر دم مطالعہ' ہر وقت مطالعہ۔ حضرت الاستاذ کی مطالعہ کی اس عادت کی وجہ سے آرام کرنے کے اوقات بھی متاثر ہوتے۔ اور مناسب وقت آرام کے لئے نکال نہ پاتے۔ حضرت استاذ المکرمؒ کا طریقہ تعلیم بھی نہایت شاندار تھا۔ تدریس کا انداز یہ تھا کہ اول شعری ترکیب' صرفی نحوی ابحاث اس کے بعد خوب اچھی طرح وضاحت سے تشریح و توضیح۔ حضرت کا یہ انداز تدریس دیکھ کر میں نے ایک دن عرض کیا حضرت آپ جو اس قدر وضاحت فرماتے ہیں اگر آپ سبق کا ماحصل بیان فرمائیں تو طالبعلم کو یاد کرنے میں آسانی ہو۔ فرمانے لگے میں اس قدر وضاحت اور تفصیل سے اس لئے سمجھاتا ہوں کہ (طالبعلموں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) ان کے کچھ نہ کچھ تو پلے پڑ جائے گا۔ اور کچھ نہ کچھ تو یہ ذہنوں میں محفوظ کرلیں گے۔ لیکن پھر دوبارہ حاضر خدمت ہوا تو دیکھا کہ تشریح و توضیح میں وہ کیفیت نہیں صرف ماحصل ہی بیان فرما رہے ہیں میں نے عرض کیا حضرت آپ نے طریقہ تدریس بدل لیا۔ فرمانے لگے ہاں بھئی طریقہ کار تبدیل کرلیا ہے۔

ایک بات میں نے جو حضرت استاذ المکرمؒ کی نمایاں محسوس کی وہ یہ تھی کہ فن تجوید سے زیادہ فن قراء ت سے حضرت کا لگاؤ بہت زیادہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت استاذ المکرمؒ درس نظامی کے فارغ تھے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں نہایت محنت اور جانفشانی سے پڑھا اس لئے اساتذہ بھی ان کو بہت عزیز رکھتے تھے جب پاکستان تشریف لائے تو بھی اول یہاں عربی کتب ہی پڑھانے پر مامور ہوئے۔ علوم عربیہ میں اسی ماہرانہ دسترس کو دیکھتے ہوئے امام القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ نے حضرت استاذ المکرمؒ کو تجوید اور قراء ت عشرہ پڑھنے کا حکم دیا اور جس کو حضرت استاذ المکرمؒ نے بطریق احسن پورا بھی کیا۔ اب جب استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی توجہ اور کوششوں سے حضرت استاذ المکرمؒ قراء ت کی طرف راغب ہوئے تو علوم عربیہ کی مہارت' دسترس اور اس کا ذوق و شوق علم قراء ت کی توضیح و تشریح میں ڈھل گیا ایسے ایسے فنی نکات نہایت آسان اور عام فہم پیرائے میں بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی۔ اس بات کی گواہی حضرت کی علوم قراء ت پر تصنیف شدہ تالیفات بھی ہیں۔

علوم عربیہ سے حضرت استاذ المکرمؒ کو کس قدر لگاؤ تھا اس کا اظہار ایک مرتبہ راقم سے اس طرح فرمایا کہ عبدالرحمٰن میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی حدیث پڑھاتا۔ میں نے عرض کیا حضرت اللہ نے آپ کو حدیث کی بجائے قرآن کی خدمت کا موقع دیا ہے جو زیادہ عز و شرف والا علم ہے جواباً فرمانے لگے ہاں یہ تو ہے لیکن حدیث کا علم بہت وسیع ہے اور اس میں علوم عربیہ کا بھی خوب دخل ہے۔ اللہ کی شان کہ حضرت کی اس خواہش کی تکمیل اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں ہوگئی جہاں حضرت استاذ المکرمؒ نے مسلم شریف جیسی عظیم القدر حدیث کی کتاب اور فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا درس دیا۔ بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ آپ کے علمی کمال کی بین دلیل ہے کہ اس قدر زیادہ عرصہ ان کی تدریس سے دور رہنے کے باوجود نہایت علمیانہ شان سے پڑھائیں اور کسی قسم کا کوئی تردد نہ فرمایا۔

راقم نے یہ بات بھی نوٹ کی کہ حضرت استاذ المکرم اپنے اساتذہ کا ذکر بہت عزت و احترام بلکہ والہانہ انداز میں فرمایا کرتے۔ کیونکہ ماشاء اللہ ذی فہم اور ذہین تھے لہٰذا اساتذہ کرام کی عنایات بھی حضرت پر ہوتی ہوں گی بعض اوقات ان عنایات و نوازشات کا تذکرہ بھی فرماتے ایک مرتبہ اپنے مظاہر العلوم کے طالب علمی کا واقعہ سنایا کہ اتفاقاً میرا کرتا کثرت استعمال کی وجہ سے پھٹ گیا میں اسی حالت میں اسباق میں شرکت کرتا۔ میرے ایک استاذ محترم کافی دن اس پھٹے ہوئے کرتے کو دیکھتے رہے آخر انہوں نے مجھے اپنا ذاتی کرتا عنایت کیا۔ یہ کرتا پا کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی گویا ہفت اقلیم مل گئی۔ اسی طرح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کا ذکر انتہائی عقیدت و احترام سے فرمایا کرتے تھے۔

امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کا ذکر تو تقریباً ہر سبق میں ہوتا تھا۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے اپنے شیخ محترم کی جو عادت سب سے زیادہ پسند تھی وہ ان کی خودداری اور عزت نفس تھی۔ بڑے سے بڑے دولت مند اور

ظاہری کروفر کے حامل شخص کو خاطر میں نہ لاتے۔ ایک مرتبہ حضرت الشیخؒ نے مدینہ مسجد پرانی انارکلی میں تراویح میں قرآن شریف سنایا۔ منتظمین کی تجویز یہ ہوئی کہ حضرت امام القراءؒ کی کچھ مالی خدمت کر دی جائے اس سلسلے میں تقریباً ۳۰۰ روپے کی رقم اکٹھی ہوئی جو اس زمانے کے حساب سے بڑی معقول رقم تھی۔ حضرت امام القراء کو اس بات کا علم ہوا تو یہ رقم لینے سے صاف انکار فرما دیا۔ حالانکہ حضرت کے ان دنوں مالی حالات بھی اچھے نہ تھے۔ لیکن خود داری اور عزت نفس کی او صاف اس رقم کو لینے سے مانع رہے۔

اپنے ہم عصر قراء حضرات میں حضرت استاذ المکرمؒ کے تعلقات سب سے اچھے تھے۔ لیکن استاذ القراء قاری عبدالعزیز شوقی صاحبؒ' استاذ القراء قاری محمد شریف صاحبؒ اور استاذ القراء قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب دامت برکاتھم کے ساتھ نہایت اچھے اور خوشگوار تعلقات تھے۔ ان حضرات کے پاس حضرت استاذ المکرم خود بھی گاہے بگاہے تشریف لے جاتے اور جب یہ حضرات بھی آپ کے پاس تشریف لاتے تو دلی مسرت محسوس فرمایا کرتے۔

حضرت استاذ المکرمؒ ۱۹۶۳ء میں مدرسہ تجوید القرآن میں تشریف لائے اور مسلسل مستقل بنیادوں پر ۱۹۸۱ء تک پڑھایا اور اس کے بعد بھی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد چلے جانے کے باوجود مدرسہ تجوید القرآن سے اپنا تعلق استوار رکھا۔

میں یہ سمجھتا ہوں کہ تجوید القرآن میں حضرت استاذ المکرم کا یہ تدریسی دور مدرسہ ہذا کا سنہری دور ہے۔ ۱۹۶۲ء سے ۱۹۸۱ء تک کا تجوید القرآن کا دور علوم قراء ت کی ترویج و ترقی کا ایک ایسا شاندار دور ہے جو بہت کم مدارس کو نصیب ہوتا ہے۔

اس دور میں حضرت استاذ المکرمؒ سے ان لوگوں نے استفادہ کیا جو موجودہ دور میں تدریسی خدمات بہت وسیع پیمانے پر انجام دے رہیں ہیں لاہور کی سطح پر ہی صرف جائزہ لیں تو راقم الحروف دارالعلوم اسلامیہ پرانی انارکلی میں' قاری عطاء اللہ ڈیروی صاحب دارالترتیل والقرآن لٹن روڈ میں' قاری احمد میاں تھانوی صاحب دارالعلوم کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن میں' قاری ادریس عاصم صاحب مدرسہ عالیہ تجوید القرآن میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

لاہور سے باہر بھی اگر آپ نظر ڈالیں تو مدارس میں حضرت استاذ المکرمؒ کے شاگرد بہت کثیر تعداد میں ترویج علوم تجوید و قراء ت میں مصروف و مشغول ہیں۔ غرض یہ سب اساتذہ جو اس وقت تندہی سے فروغ تجوید و قراء ت میں مصروف ہیں وہ حضرت استاذ المکرمؒ کے ہی تیار کردہ ہیں اس کے علاوہ ملک اور بیرون ملک بھی آپ کے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد خدمت قرآن میں مصروف ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے تلامذہ میں سے جو فیض حضرت قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ کا پھیلا ہے وہ اور کسی کا نہیں پھیلا۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی حضرت استاذ المکرم بہت آگے تھے۔ آپ کی تالیفات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ بات کھل کر

سامنے آتی ہے کہ لمبی چوڑی باتوں طویل اور لایعنی ابحاث سے احتراز کرتے ہوئے مختصراور جامع انداز میں بات کو سمجھایا ہے۔ وہ کتابیں جن پر آپ نے حواشی تحریر فرمائے ان میں یہ خوبی ہے کہ جس بات کو مصنف علام نے سرسری انداز میں بیان کیا ہے مگر دیگر فنی کتب میں ان کی تفصیل موجود ہے اس سرسری انداز کو حضرت استاذ المکرمؒ نے اپنے حواشی و تعلیقات میں اچھے اور واضح انداز میں بیان فرما دیا۔ اس کی ایک مثال بیان کروں جیسے جمال القرآن میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے افا بسرہ کی را پر سرسری انداز میں بحث کی ہے لیکن حضرت استاذ المکرمؒ نے اس را سے متعلق نہایت محققانہ اور جامع حواشی تحریر فرمائے۔ یہ را باریک کیوں ہو اس کے لئے تمام نامور شیوخ قراء ت کے اقوال تحریر فرمائے بعد ازاں پھراپنی رائے یعنی راجح قول بھی تحریر فرما دیا۔ یہ بات دیگر مصنفین کے یہاں موجود نہیں۔

حضرت استاذ المکرمؒ کی رحلت سے جو علمی اور تحقیقی خلا پیدا ہوا ہے وہ ایسا ہے جس کو آپ کی زندگی میں بھی آپ کے ہم عصروں میں سے کوئی پورا نہیں کر سکا تھا۔ اور بعد از رحلت تو اس کا پورا ہونا بہت مشکل ہے۔ اس کی وجہ میں پہلے بھی بیان کر آیا ہوں کہ حضرت استاذ المکرمؒ کی علوم عربیہ میں دسترس کلی اور مطالعہ کی مسلسل اور عمیق عادت جیسی عظیم وجوہ کا ہونا ہے۔ عادت حضرت استاذ المکرم کی یہ تھی کہ فن سے متعلق کوئی کتاب آئی اس کا مطالعہ کیا اس کے علمی اور مفید نکات کو اخذ کیا اور ذہن نشین کیا بعد ازاں اس سے بہتر کوئی کتاب آئی اس کا مطالعہ کیا اور اس کے اہم نکات کو ذہن نشین کیا۔ غرض خوب سے خوب تر کی تلاش میں حضرت الاستاذؒ اپنے علم کو جلا بخشتے رہتے۔ انہی اخذ شدہ علمی نکات کو نہایت چابکدستی اور ادیبانہ انداز میں اپنی کتب میں سمو دیتے یہ شاندار صلاحیتیں سوائے حضرت استاذ المکرمؒ کے علاوہ ہمیں اور کسی میں نظر نہیں آتی۔ ہاں حضرت کی زندگی میں استاذ القراء مولانا قاری رحیم بخش صاحبؒ میں نظر آتی ہیں کیونکہ وہ بھی دیوبند کے فارغ اور انہی خصوصیات کے خوگر تھے۔

حضرت استاذ المکرمؒ کی ترجمہ کی گئی کتب کو پڑھیئے۔ ان میں آپ دیکھیں گے کہ علوم کی عربی کتب کو پڑھ کر ان کا فی البدیہ خوبصورت اور جچے تلے انداز میں اردو ترجمہ کر ڈالنا حضرت استاذ المکرمؒ کا ایسا شاندار کمال تھا جو اب مجھے کسی میں نظر نہیں آرہا ہے۔

راقم کے ساتھ حضرت استاذ المکرمؒ کے تعلقات نہایت ہی مشفقانہ اور خلیقانہ تھے۔ بعض اوقات میری طرف سے حاضر خدمت ہونے میں سستی ہو جاتی تو ملاقات کے لئے حضرت خود میری مسجد میں تشریف لے آتے تھے۔ جب تک حضرت استاذ المکرمؒ کی والدہ ماجدہ رحمہ اللہ انارکلی میں قیام پذیر رہیں ان سے ملاقات کے لئے آتے تو میرے پاس بھی ضرور تشریف لاتے بلکہ بعض اوقات نماز وغیرہ بھی پڑھا دیتے۔ جب ملاقات کے لئے تشریف لاتے تو نہایت خلیقانہ انداز میں فرماتے بھئی عبدالرحمٰن بہت دنوں سے تم سے ملاقات نہ ہو سکی۔ دل تم سے ملنے کو چاہ رہا

تھا سوچا تم سے ملتا جاؤں۔

اسی طرح جب اسلامی یونیورسٹی تشریف لے گئے تو اپنے پاس پڑھنے کے لئے آنے والوں کو راقم کی طرف بھیج دیتے۔ راقم جب بھی اپنی طالب علموں کے امتحان کی درخواست لے کر حضرت استاذ المکرمؒ کی خدمت میں حاضر ہوا کمال شفقت و محبت فرماتے ہوئے تشریف لائے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں امتحانات میں بھی میری بہت زیادہ اصلاح حضرت استاذ المکرمؒ کے طفیل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ میرے شفیق اور میرے مربی استاذ المکرم مخدومنا حضرت قاری اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ کو اپنے بہترین انعام و اکرام سے نوازیں ان کو اپنی کتاب عظیم کے خدام میں جگہ عنایت فرمائیں اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے آمین یا رب العالمین۔

❑❑❑

شناور علوم و فنون

استاذ الحفاظ حضرت قاری احمد دین صاحب مدظلہ العالی

وہ بھی بچھڑ گئے مجھے جن پہ ناز تھا
نوحہ یہ زندگی کا سناؤں کہاں کہاں

میرے محسن' بھائیوں سے بڑھ کر خلیق' شفقت و محبت کا پیکر' علم و حلم کا مجسمہ استاذ القراء ماہر علوم قراءت حضرت الشیخ قاری مولانا اظہار احمد تھانوی نور اللہ مرقدہ بھی اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ آپ ہمہ جہت پہلو اور گوناگوں خصوصیات کے مالک تھے۔ علوم و فنون کی بوقلمونیاں ایسے آپ کی ذات میں اللہ تعالیٰ نے جمع فرما دی تھیں کہ قرون اولیٰ کے مسلمان اکابر کی یاد تازہ ہوتی تھی۔

حافظ قرآن' حافظ قراءت' عالم باعمل' علوم قراءت کے مبلغ' علوم تفسیر کے ماہر' علوم حدیث کے شارح' بیش بہا کتب کے مصنف' بے مثال خطیب یہ خوبیاں شاید تلاش بسیار کے بعد مل ہی جائے لیکن ان پر جو اخلاقی خوبیاں آپ میں موجود تھی وہ سونے پہ سہاگہ تھیں۔

کریمانہ اخلاق کا چلتا پھرتا مجسمہ تھے۔ نہایت خوش اخلاق' متین' بردبار' خوش گفتار' خوش کردار' بزرگوں کا بے تحاشہ ادب کرنے والے' اپنے برابر والوں کا بھی عزت و احترام کرنے والے اور اپنے چھوٹوں پر بے تحاشہ مہربان اور خلیق' یہ ان بے تحاشہ خوبیوں میں سے کچھ خوبیاں ہیں جو اس وقت میں نے یہاں ذکر کی ہیں۔

بہت اجل علماء سے ہندوستان کی عظیم علمی درسگاہ مظاہر العلوم سہارنپور میں اکتساب فن کیا۔ وہاں یہ عظیم طالب فن کہیں تو مولانا ذکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کے قدموں میں بیٹھا نظر آیا تو کہیں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ کے علمی دسترخوان پر بیٹھا نظر آیا' کہیں مفتی اعظم مظاہر العلوم حضرت مولانا قاری سعید احمد اجراڑویؒ صاحب کا علمی فیض بصورت بارش اس طالب فن پر برسا اور کہیں حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ جیسے مایہ ناز ادیب و بیش بہا عالم کبیر کی جوتیاں سیدھی کرنے کی سعادتوں سے مالا مال ہوا۔

قدرت کی مہربانیاں اس طالب فن پر سایہ فگن تھیں ایک نہیں بلکہ دو دو قراءت کے عظیم اساتذہ فن سے مستفید ہونا عطیہ خداوندی نہیں تو اور کیا ہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور میں اکتساب فن کے دوران حضرت شیخ القراء والمجودین قاری عبدالخالق صاحبؒ سے اول علوم تجوید و قراءت کے بیش بہا موتی اکٹھے کئے تو بعد ازاں امام القراء استاذ اساتذہ ہندو پاکستان حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ نور اللہ مرقدہ سے علوم تجوید و قراءت کا سمندر اپنی پیاس بجھانے کے واسطے سمیٹ لیا۔

پھر مسند کا یہ شاہین مدرسہ تجوید القرآن چینیانوالی مسجد میں جلوہ افروز ہوا تو کہیں اس چاند نے اپنی ضیاء پاشیوں سے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل کو منور کیا اور کہیں علوم کا آفتاب بن کر انٹرنیشنل اسلامی یونیورسٹی میں اپنے علوم کی کرنیں بکھیریں۔

احقر کو ریڈیو پاکستان لاہور پر تقاریر کا موقع ملا۔ پروڈیوسر صاحب نے کہا قاری صاحب فلاں پروگرام میں فلاں موضوع پر تقریر کرنا ہے میں حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کیا کہ حضرت ریڈیو پر فلاں موضوع پر تقریر میرے نام آئی ہے میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ فوری طور پر یہ تقریر تیار کر سکوں۔ جواباً فرمایا کاغذ اور قلم لاؤ۔ دس منٹ کی تقریر لکھ کر بغیر کوئی کتاب یا مراجع کے میرے حوالے کر دی۔

طرز تحریر نہایت ادیبانہ اور لکھائی ایسی کہ کیا کوئی کاتب لکھے گا۔ صاف ستھرا واضح اور نکھرا ہوا خط۔ میں یہ تقریر لے کر ریڈیو اسٹیشن پہنچا۔ ریڈیو والے مضامین کی کانٹ چھانٹ اور نوک پلک درست کرتے ہیں مگر حیران کن امر یہ ہوا کہ میں مضمون لے کر جناب عبدالحئی صاحب پروڈیوسر ریڈیو پاکستان کے پاس پہنچا مجھے ریکارڈنگ روم میں لے گئے اور تقریر ریکارڈ کر لی وجہ صرف یہی تھی کہ ان کو حضرت قاری صاحبؒ کی ادیبانہ صلاحیتوں پر مکمل بھروسہ تھا۔

تین سال تک میں حضرت قاری صاحبؒ سے اصلاح لیتا رہا اور گاہے بگاہے مضامین بھی لکھواتا رہا لیکن حضرت کا عالی حوصلہ ملاحظہ فرمائیے کہ کبھی بھی زبان سے انکار کا لفظ نہیں کہا۔ یہ حضرت کا مجھ پر کمال شفقت اور کریمانہ برتاؤ کی انتہاء تھی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس سے حضرت کے علمی کمالات بھی ظاہر ہوتے ہیں۔

مطالعے کے بہت زیادہ حریص تھے۔ ضخیم سے ضخیم کتاب ہو مطالعہ فرمانا شروع کرتے تو شروع سے آخر تک پڑھتے کسی جگہ کوئی علمی اختلاف یا علمی خیانت ہوتی تو حاشیہ میں اپنا موقف ضرور لکھتے۔ خوب ضخامت والی کتب کا تین یا اس سے کچھ زائد دنوں میں مطالعہ کر لیتے۔ عموماً میری لائبریری سے کتب لے جاتے تھے اس لئے ان امور کے متعلق مجھے بارہا آگاہی ہوئی۔ مطالعے کی بے انتہاء عادت نے معلومات کے دائرہ میں بہت زیادہ وسعت پیدا کی لہذا حضرت قاری صاحبؒ کی ادبی و علمی محفل میں بیٹھ کر عموماً دیکھا کہ کسی موضوع پر کسی مسئلہ پر اور کوئی اشکال حضرت کے سامنے رکھئے فوراً جواب ملے گا۔ حدیث کے معانی و مطالب ہو یا تفسیر قرآن کی تشریح و توضیحی امور ہوں، تجوید و قراءت کے پیچیدہ گتھیاں ہوں یا اردو و عربی اور فارسی ادب کی پرپیچ راہیں۔ حضرت کے یہاں ہر مسئلے کا جواب ملے گا اور خوب تشفی آمیز جواب ہوگا۔ علمی تحقیق بھی ہوگی اور زبان کی سادگی بھی۔ ایسی ہی مجالس کے بارے میں شاعر نے کہا ہے۔ ؎

نہ تاج و تخت میں نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور میں حضرت قاری صاحب ۱۹۶۴ء میں تشریف لائے اور ۱۹۸۰ء تک یہاں مسلسل پڑھایا۔ اس عرصہ میں تمام مدرسین کے ساتھ حضرت قاری صاحب کے تعلقات نہایت ہی خوشگوار رہے۔ بااخلاق عادات' سنجیدہ مزاجی اور خوش اطواری کی بے بہا خوبیوں کی بدولت آپ دیگر مدرسین کے دلوں میں گھر کر گئے۔ حضرت قاری صاحب کی کردار کی عظمت' پاکیزہ اطوار' نفیس طبیعت اور علمیت کے ہمراہ باغ و بہار شخصیت نے حضرت قاری صاحبؒ کو مدرسے کا محبوب ترین مدرس بنا دیا۔ اس تمام عرصہ میں اور بعد ازاں بھی حضرت قاری صاحبؒ کے تعلقات میرے ساتھ نہایت دوستانہ اور مشفقانہ رہے جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

حضرت قاری صاحب کی ہر دلعزیزی اور محبوبیت کی ایک وجہ ان کی خوش اخلاقی' علمی کمالات کا مجتمع ہونا بھی ہے۔ علمی تبحر کے باوجود انکساری' بردباری اور ملنساری اس قدر زیادہ تھی جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

الحمدللہ احقر کے بارے میں اکثر فرماتے تھے کہ یہ میرا چھوٹا بھائی ہے اور میں اس کی بات ٹال نہیں سکتا ہوں۔ مدرسہ تجوید القران میں سال دوم' سبع قراء ت اور عشرہ کی کلاسیں ہوتی تھیں سال اول کی کلاس حضرت قاری صاحب کے نائب کے سپرد تھی۔ لیکن میں نے جب بھی کبھی عرض کیا کہ میرے حفظ کے فارغ طلباء پہلے سال بھی آپ سے فیض یاب ہونا چاہتے ہیں تو مجھ پر خصوصی شفقت فرماتے ہوئے سال اول کی کلاس میں بھی قائم فرما لیتے۔ بعض حضرات کے اختلاف رائے کے باوجود حضرت قاری صاحبؒ احقر کی بات کو اہمیت دیتے۔ جن طلباء کو آپ نے پڑھایا وہ سب اس وقت تجوید و قراء ت کی تدریسی سرگرمیاں سرانجام دے رہے ہیں اور مختلف مقامات پر قرآن حکیم کی خدمت میں مشغول ہیں۔ ان طلباء میں سے بعض طلباء سعودی عرب میں عربوں کو پڑھا رہے ہیں۔ بعض عربوں نے جب ان سے سوال کیا کہ تم مصر سے پڑھ کر آئے ہو تو جواباً انہوں نے کہا کہ ہم نے تو مصر کا نام ہی سنا ہے ہم تو پاکستان میں عظیم درسگاہ مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور سے اپنے قابل فخر اساتذہ سے فارغ التحصیل ہیں حفظ میں ہم قاری احمد دین کے شاگرد ہیں اور تجوید و قراء ت میں ہم شیخ الشیوخ المقری اظہار احمد تھانویؒ کے فیض یافتہ ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں حضرت قاری صاحب نے جامعہ اسلامیہ اسلام آباد جانے کا فیصلہ کیا اور وہاں رئیس شعبہ قراء ت کے انٹرویو کے لئے تشریف لے گئے وہاں آئے ہوئے مصری اور عرب علماء اور فضلاء حضرت قاری صاحبؒ کے تبحر علمی سے بے پناہ متاثر ہوئے۔ اور قراء ت کے ایسوسی ایٹ پروفیسر کے عہدہ پر منتخب کر لئے گئے۔

آپ کو عربی پر بے پناہ عبور حاصل تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے ہم عصر ایک قاری صاحب کا قول نقل کرنا چاہوں گا ان کا ارشاد ہے کہ حضرت قاری صاحبؒ میں علمی استعداد اور عربیت اس پائے کی ہے کہ وہ شاطبیہ کی شرح باسانی عربی میں تحریر فرما سکتے ہیں۔ فارسی بھی آپ کے لئے ایک قادر الکلام زبان کی حیثیت رکھتی تھی۔ اردو تو آپ کی مادری زبان تھی اس کے علاوہ انگریزی بھی آپ بہ آسانی لکھ پڑھ لیتے تھے۔ دس برس کے عرصہ میں حضرت

قاری صاحبؒ نے جامعہ اسلامیہ میں اپنی علمی قابلیت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ عربی' اردو اور فارسی میں بلاتکلف تدریس کا انداز جس میں تجوید و قراءت کی دقیق فنی کتب کے علاوہ حدیث کی بلند پایہ کتاب مسلم شریف' فقہ میں ہدایہ اور تفسیر میں جلالین جیسی عظیم المرتبت کتب کا درس دیا۔

حضرت قاری صاحبؒ کے پڑھانے کا انداز بہت سہل ہوتا۔ طلباء بہت آسانی سے علوم کو اخذ کرتے اور استفادہ کرتے کیونکہ حضرت کو مسائل سمجھانے میں بے پناہ ملکہ حاصل تھا۔ مشکل سے مشکل نکات کو نہایت آسانی اور بے تکلفی سے بیان فرماتے چلا جانا طلباء کے گوناگوں مسائل کی لاینحل گتھیاں سلجھانے میں ممد و معاون ہوتا اور جس کی بدولت ان کا حصول علم کے شوق کو مزید مہمیز لگتی۔ آپ پڑھائی میں سختی کو پسند نہیں کرتے تھے بلکہ طلباء کے لئے شفقت و محبت کے جذبات ہمیشہ غالب رہتے۔

تدریس جامعہ اسلامیہ کے دوران لاہور تشریف لاتے تو جہاں اپنی مسجد واقع چوبرجی کوارٹرز میں جمعہ پڑھاتے احقر کے مدرسہ مدرسہ تجوید القرآن سریانوالہ ضرور تشریف لاتے اور بغیر کسی دنیاوی لالچ کے بچوں اور بڑوں کو تجوید پڑھاتے۔ کسی نے اتفاقاً یہ بات حضرت قاری صاحبؒ سے عرض کی کہ حضرت آپ یہاں چھوٹے چھوٹے بچوں کو پڑھا رہے ہیں ہمارے مدرسہ میں تشریف لا کر تجوید و قراءت کے صدر مدرس کی مسند کو زینت بخشیں آپ کی خدمت میں معقول مشاہرہ بھی پیش کیا جائے گا۔ احقر اس بات کا گواہ ہے کہ تقریباً تین اہم مدارس کی جانب سے حضرت کو اس بابت پیش کش ہوئی لیکن جواباً حضرت نے فرمایا احمد دین میرا بھائی ہے اور میرے ساتھ بہت مخلص ہے اور سب سے اہم تو یہ ہے کہ میری کوشش اور تگ و دو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ چھوٹے بچے ہوں یا بڑے قرآن شریف ہی پڑھانا ہے بلکہ چھوٹے بچے اخذ کرنے کی صلاحیت میں بڑوں کی نسبت زیادہ آگے ہیں۔

یہ عرصہ جس میں حضرت نے احقر کے مدرسے میں خدمت قرآن انجام دی تقریباً سات آٹھ سال پر محیط ہے۔

احقر کی گزارش پر ہی وفات سے کچھ عرصہ قبل آپ بڑے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں تشریف لائے۔ میرا حضرت قاری صاحبؒ کو وہاں لے جانے کا مقصد یہی تھا کہ حضرت جب یونیورسٹی سے ریٹائر ہوں تو مدرسہ تجوید القرآن میں پھر وہی دور بہار لوٹ آئے۔ یہ حقیقت ہے کہ مدرسہ تجوید القرآن پاکستان کا سب سے پرانا اور قدیم مدرسہ ہے جہاں حفظ قرآن کے کام کے علاوہ تجوید و قراءت کا کام بھی بہت اعلیٰ پیمانہ پر ہوا ہے۔ اور اس مدرسہ کی مسند قراءت پر استاذ القراء قاری محمد شریف صاحبؒ' استاذ القراء قاری عبدالماجد ذاکر صاحب دامت برکاتہم' استاذ القراء قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتہم اور استاذ القراء شیخ الشیوخ قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ' قاری محمد تقی الاسلام صاحب اور قاری فضل ربی صاحب جیسے اساتذہ فن نے تجوید و قراءت کی خدمات انجام دیں۔ اس مدرسہ کے بانی استاذ الحفاظ حضرت قاری فضل کریم صاحب نور اللہ مرقدہ کے الفاظ میرے قلب و ذہن پر ثبت ہیں جو انہوں نے بیماری کے ایام میں مجھ سے فرمائے تھے۔ احقر کا انتخاب جناب سیٹھی محمد یوسف صاحبؒ نے سعودیہ

عرب کے لئے کرلیا تو حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ نے مجھ سے فرمایا دیکھو میں شدید بیمار ہوں تمہیں اس مدرسہ میں کام کرنا ہے اس مدرسے کو خراب نہیں ہونے دینا ہے۔ حضرت قاری فضل کریم صاحب کے ارشاد کو میں نے حرز جان بنا لیا اور سعودیہ عرب جانے سے انکار کر دیا۔ باوجود اپنی مصروفیات کے تاحال اسی مدرسہ میں درجہ حفظ سے منسلک ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ کریم مجھے تاحیات قرآن حکیم کی تعلیم و تعلم سے منسلک رکھے۔ آمین

حضرت قاری صاحبؒ بھی قرآن مجید سے آخری دم تک وابستہ رہے۔ تجوید و قراءت کی تدریسی اور تصنیفی وہ وہ خدمت فرما گئے کہ اب تک کوئی نہ کر سکا تھا۔ ان کی تصانیف طالبین فن کے لئے ہمیشہ مشعل راہ اور مدد و معاون برائے حصول فن ہوتی رہیں گی۔ حضرت قاری صاحبؒ کے دوران تدریس مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں طلباء تجوید کی مشکلات پر نظر کرتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ نصاب تجوید کی چار بنیادی کتب کے ہمراہ اگر کوئی ایسی معاون کتاب ہو جو ان چاروں کتب کے مسائل کو اختصار اور سہل انداز میں بیان کر دے تو طلباء کی تعلیمی سرگرمیوں میں بہت معاون ہوگی اس خیال کو میں نے حضرت قاری صاحبؒ کے گوش گزار کیا تو حضرت نے بھی اس خیال کو پسند فرمایا اور اپنی مشہور کتاب "خلاصۃ التجوید" تالیف فرمائی آج یہ کتاب علمی سرگرمیوں میں جس اہم مقام پر ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ کو لحون عربیہ میں جو وافر حصہ عطا ہوا تھا وہ حیرت انگیز تھا۔ لحن داؤدی کی سی صلاحیت کے مالک اس عظیم شخصیت کے شاگرد بھی اس وصف سے مالا مال تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ جو امام القراءؒ کے مایہ ناز شاگرد تھے اپنے استاذ عظیم کی مانند بہت سے لحون عربیہ اور لحون مصری کے ماہر تھے۔ کسی بھی لہجے کو کسی بھی موقع پر پڑھ دینا حضرت قاری صاحب کا ایک انتہائی قابل رشک وصف تھا۔ ان لہجوں میں بلاتکلف پڑھنا اور سننا ان کا خاص الخاص شوق تھا۔ طرز ادا اور لحون میں وہ اپنے استاذ کو استاذ الکل سمجھتے اور جانتے تھے اور فی الحقیقت یہ بات درست بھی تھی۔ اس کے بعد شیخ رفعت مرحومؒ شیخ یوسف کامل بتیمی کی تلاوت کے عاشق تھے حدر میں حضرت الشیخ جمیل آشی کو بہت ذوق و شوق سے سنا کرتے۔ حجازی لہجہ حضرت قاری صاحبؒ کو بے حد پسند تھا۔ میرے یہاں مدرسے تشریف لاتے تو حضرت کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے حرمین کی اذان سنواتا بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ ؎

یہ اشک محبت ہیں حقارت سے نہ دیکھو تم
دامن میں چھپا لو ان لعل و گوھر کو

کبھی حضرت کے گھر چوبرجی کوارٹرز حاضر ہونے کا موقع ملتا تو بارہا دیکھا کہ حضرت اذان دیتے خوبصورت عربی لہجہ میں اس اذان سے سماں بندھ جاتا اور دل قدرتی طور پر خوشی اور مسرت محسوس کرتا۔ اچھی آواز اور اچھے لہجوں کو خوب توجہ سے سنتے۔ راقم الحروف کو قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا تو وہاں سے تلاوتوں کے کیسٹ اور کوکب الشرق ام

کلثوم کے کچھ حمدیہ اور نعتیہ قصائد کی کیسٹیں بھی لایا۔ ام کلثوم نے مشہور قصیدہ (جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ آمد پر انصار کی بچیوں نے پڑھا) طلع البدر علینا من ثنیات الوداع بھی پڑھا ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کو جب یہ قصیدہ میں نے لا کر سنوایا تو بہت خوش ہوئے اور پھر اس کی ریکارڈنگ اپنے لئے بھی کروائی اور جناب عبدالحیٔ صاحب پروڈیوسر پاکستان لاہور کی بھی یہ کیسٹ دیا اور فرمایا کہ اسے آپ ریڈیو پر نشر کریں۔

میرے درجہ میں تشریف لاتے تو عمدہ آواز والے بچوں کو فرماتے چلو بھئی بچو آؤ اور مشق کرو۔ ان میں ایک بچے بختیار احمد مرحوم جس کی آواز اور لہجہ نہایت عمدہ تھا اس کو مشق کراتے اور اصلاح بھی فرماتے۔

آپ کے حدر کی رفتار نہایت عمدہ تھی نہ بہت تیز نہ بہت آہستہ۔ الفاظ کی ادائیگی نہایت خوبصورت۔ عموماً مایہ لہجہ کو پسند فرماتے تراویح میں خوب تسلسل اور روانی سے پڑھتے۔ مانسہرہ کے مرحوم قاری محمد ذکریا صاحب جو استاذ القراء حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ کے شاگرد تھے۔ موصوف انتہائی ناقدانہ طبیعت کے مالک تھے بڑے بڑے ان کی تنقید سے نہ بچ پاتے۔ لیکن جب بھی لاہور تشریف لاتے تو تراویح حضرت قاری صاحبؒ کی اقتدا میں ادا کرتے اور فرماتے کہ اس قدر عمدہ تراویح میں قرآن شریف پڑھنا میں نے اور کسی میں نہیں دیکھا ہے۔ میں لاہور میں اور کسی کے پیچھے تراویح نہیں پڑھتا اور نہ ہی مجھے حضرت قاری صاحبؒ کے علاوہ کہیں تراویح پڑھنے کا لطف آتا ہے۔

مشق اور ترتیل میں ویسے تو آپ سب لہجے خوب پڑھتے مگر زیادہ لگاؤ حجازی لہجہ سے تھا جب پڑھتے تو ایک سماں بندھ جاتا اکثر شیخ رفعتؒ کا انداز حضرت کے تلاوت میں نظر آتا۔

طبیعت میں ایمانداری، راست بازی اور حق گوئی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی جس کے معترف ہر خاص و عام اور ہر مکتب فکر کے لوگ تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے ہمراہ بارہا پاکستان کے بہت سے مدارس میں امتحان لینے کے لئے ہمراہی کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت تجوید و قراءت کا امتحان لیتے اور احقر حفظ و ناظرہ کا بارہا یہ ہوتا کہ حفظ اور ناظرہ کے طلباء کی تعداد بہت زیادہ ہوتی تو آپ مجھ پر شفقت فرماتے ہوئے حفظ اور ناظرہ کا امتحان بھی لے لیتے اور اس بات میں کبھی عار محسوس نہ کرتے کہ میں سبعہ عشرہ کا نامور قاری ہو کر حفظ اور ناظرہ کا امتحان لے رہا ہوں۔ بچوں کو نہایت پیار محبت اور شفقت سے تلاوت قرآن اور تعلیم قرآن کا شوق دلاتے۔ اگر کہیں کوئی علمی کمزوری یا کجی دیکھتے تو بلا کم و کاست اور بغیر رو رعایت کے استاذ اور مہتمم مدرسہ کے گوش گزار کرتے۔ ایسا ہی واقعہ کا احقر چشم دید گواہ ہے ایک مدرسہ میں حضرت قاری صاحبؒ شعبہ تجوید کا اور راقم شعبہ حفظ کا امتحان لے رہا تھا۔ حضرت نے دوران امتحان محسوس فرمایا کہ طلباء میں معیار کی شدید کمی ہیں حضرت نے مجھے طلب فرمایا اور کہا کہ یہاں تو کام معیاری اور مکمل نہیں ہے اب کیا کرنا ہے کچھ طلباء کا امتحان لیا جا چکا تھا اور آدھے طلباء کا امتحان حضرت نے ابھی لینا تھا باہم مشورہ کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے مدرسہ کے مہتمم کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ اس مرتبہ طلباء کا کام

نامکمل اور ناپختہ ہے لہٰذا یہ امتحان تیاری کروانے کے بعد طلباء سے لیا جائے مہتمم مدرسہ نے جواباً عرض کیا کہ حضرت بجا ارشاد آپ کے فیصلے کا میں تہہ دل سے احترام کرتا ہوں اور اس طرح حضرت قاری صاحبؒ نے یہ امتحان چھوڑ دیا اور واپس تشریف لے آئے۔

یہ تھی حضرت کی امانت و دیانت علمی۔ کوئی اور ممتحن ہوتا تو کچھ نہ کچھ کر کرا کے کچھ طلباء کو پاس اور کچھ کو فیل کر کے چلا آتا لیکن حضرت کی علمی دیانت نے اس چیز کو گوارہ نہ کیا۔ کیمبل پور کے علاقے کھڈ میں حضرت تشریف لے گئے احقر اور حضرت کے خصوصی شاگرد قاری خالد صاحب بھی ہمراہ تھے وہاں حضرت نے تجوید کا امتحان لیا اور درجہ حفظ کا امتحان احقر کے سپرد ہوا وہاں کا تعلیمی معیار دیکھ کر حضرت قاری صاحب بہت خوش ہوئے اس مدرسہ کے مہتمم جناب حافظ محمد یوسف صاحبؒ نابینا تھے۔ نابینا ہونے کے باوجود بچوں کو باادب' اور بہترین تعلیم نیز کنٹرول پر بڑا عبور رکھتے تھے۔ امتحان کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے مدرسہ کے معیار تعلیم کی خوب تعریف فرمائی۔

راولپنڈی میں حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کے مدرسہ واقع راجہ بازار میں بھی حضرت قاری صاحبؒ کے ہمراہ احقر کو بسلسلہ امتحانات جانے کا اتفاق ہوا۔

کسی کا کوئی وصف اور صلاحیت نظر آتی تو حضرت اس کو بھی بلا کم و کاست نہایت ایمانداری سے بیان فرما دیتے پشاور میں قاری فیاض الرحمٰن علوی صاحب (جو کہ استاذ القراء قاری شریف صاحبؒ کے شاگرد ہیں) کے مدرسہ میں بھی حضرت قاری صاحبؒ نے کئی مرتبہ امتحان لیا۔ اور بعد ازاں احقر سے فرمایا کہ قاری فیاض جوان ہیں اچھی محنت کرتے ہیں اور بچوں کی تربیت بھی اچھی کرتے ہیں یہاں کافی محنت نظر آتی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں پشاور میں امتحانات کے سلسلہ میں احقر بھی ہمراہ تھا بعد از امتحانات پروگرام بنا کہ افغانستان چلا جائے ویزا وغیرہ بھی لگ چکا تھا کہ اچانک خبر آئی کہ جنرل ضیاء الحق شہید نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ دیا ہے اس وجہ سے افغانستان جانے کا پروگرام ملتوی کر دیا۔ بسلسلہ امتحانات ان اسفار کے دوران حضرت قاری صاحبؒ کے اخلاق و عادات اور اطوار کا بغور مطالعہ کے موقع سے حضرت کی زندگی کے کئی اور پہلو بھی کھل کر سامنے آئے۔ یاد الٰہی میں آپ کی بے انتہا کثرت' ذکر و شغل کی حد درجہ مشغولیت اور قرآن شریف کی بہت زیادہ تلاوت نمایاں پہلو تھے۔ اس کے علاوہ باوجود تھکاوٹ کے تہجد کا اہتمام بھی قابل رشک پہلو تھا۔

آپ خشک مزاج نہ تھے۔ مزاح اور شگفتگی سے بھرپور گفتگو فرماتے۔ علمی لطائف اور بزرگوں کی حکایات سناتے جس کی بدولت پوری محفل کی توجہ کا مرکز بنے رہتے۔ نفیس ادبی ذوق کے مالک اردو' فارسی اور عربی کے بے تحاشہ اشعار زبان زد عام رہتے۔ عربی اور اردو میں فی البدیہہ اشعار کہتے۔ ایک مرتبہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے میں نے پوچھا حضرت کیا وجہ ہے آج خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ تو حضرت نے مسکرا کر یہ شعر پڑھا۔ ؎

کچھ کہو کیوں خاموش بیٹھے ہو
اے رفعت خوش بیاں بہار آئی ہے

ایک روز راقم حاضر خدمت ہوا تو چہرہ پر خوشی کے آثار نہ تھے میں نے دریافت کیا حضرت کیا سبب ہے تو جواباً فرمایا۔ ؎

دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہوگئی

پھر دوسرا شعر سنایا۔ ؎

وفا شعار ہمیں تھے اٹھی ہمیں پہ نظر
جو دل معتبر ہوں وہی دکھائے جاتے ہیں

شعر و سخن کا ذوق اور ادب سے آپ کا لگاؤ مسلمہ تھا۔ اپنے استاذ المکرم شیخ العرب والعجم حضرت قاری عبدالمالک کا سن وفات عربی اشعار کی صورت میں نکالا ہے۔ بہت سی عربی کتب کا ترجمہ اردو میں کیا جس میں شیخ ابوبکر الجزاہری مدرس مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف پیغام رمضان کا اردو ترجمہ اور المقدمتہ الجزریہ کی اولین شرح الحواشی المفہمہ کا اردو ترجمہ بہت واضح ثبوت ہیں۔

حضرت الشیخؒ نے شیخ سعدی کی مشہور نعتیہ رباعی بلغ العلی بکمالہ کشف الدجی بجمالہ کی تضمین میں عربی کے نہایت خوبصورت نعتیہ اشعار لکھے جو حضرت قاری صاحبؒ کی کتاب اخلاق محمدیؐ میں شامل ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ احقر کا تعلق اس وقت سے ہے جب حضرت کی جوانی کا دور تھا۔ حضرت نورانی چہرے، بھری بھری داڑھی، گٹھے ہوئے جسم کے مالک تھے، شیریں سخن تھے۔ بہت صاف ستھرا لباس اور پر تکلف خوشبویات استعمال کرتے۔ پہلے پہل سفید کرتا پاجامہ استعمال فرماتے تھے بعد ازاں سفید کرتا اور شلوار کا لباس زیب تن فرمانے لگے سفید ٹوپی دیوبند والوں کی جس کو تھانوی کیپ کہا جاتا ہے اور سردیوں میں گرم واسکٹ یا اچکن زیب تن فرماتے۔ طبیعت میں وضعداری بہت تھی بے حد خوددار اور حساس طبیعت دوسروں کی تکالیف اور خوشی میں ہمدرد اور مونس رفیق۔ معاصرانہ چشمک سے بالکل پاک زندگی۔ ایسے لوگ دنیا میں بہت کم دیکھے بلکہ ایسے انسان تو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ؎

وہ لوگ ہم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈا تھا جنہیں آسماں نے خاک چھان کر

آج حضرت قاری صاحبؒ ہم میں موجود نہیں ہیں مگر ان کے اوصاف و کمالات کا تذکرہ فنا پذیر نہ ہوا۔ اور اس کا سبب ان کے علمی کمالات، ان کے بے تحاشہ تلامذہ کا ایک انبوہ کثیر، ان کے علم و تقویٰ کے تذکرے۔ ان کے

اخلاق حمیدہ' ان کے اوصاف جمیلہ' معرفت الٰہی کی قربت' علوم و فیوض کا بیش بہا چشمہ جو وہ اپنے شاگردوں کی صورت میں جاری و ساری فرما گئے۔ اور ان امور کی بناء پر وہ زندہ جاوید ہوگئے۔

ایں سعادت نہ بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

قانون فطرت ہے کہ موت ہر کسی کا مقدر ہے یہ ایسا مرحلہ ہے جس سے ہر جن و انس' مقرب بارگاہ اور راندہ درگاہ' نیک و بد ہر ایک کو پیش آنا ہے۔ ہر ذی نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے قرآن کا یہی واشگاف اعلان ہے۔ باقی رہنے والی ذات صرف اور صرف خداوند ذوالجلال ہی کی ہے۔ فنا کی صفت کائنات کی ہر شے کا جزو لاینفک ہے۔ جیسے کہ بقا کی عظیم الشان صفت ذات باری تعالیٰ کی بے پناہ خوبیوں میں سے ایک خوبی ہے۔

مگر یہاں میں عرض کرتا چلوں کہ موت' موت میں فرق ہے۔ حضرت انبیاءؑ اولیاء' علماء' اتقیاء' صلحا اور شہداء کی موت اور عام انسان کی موت میں فرق ہے۔ ؎

موت التقی حیات لا نفاد لها
قدمات قوم وهم فی الناس احیاء

(ترجمہ) متقی اور پرہیز گار کی موت غیر فانی زندگی ہے یہ لوگ بظاہر مر چکے ہیں حالانکہ حقیقت میں دراصل زندہ یہی ہیں۔ ہر شخص کو بزرگوں سے محبت ہوتی ہے مگر حضرت کی زندگی صبر و قناعت' ایمان و یقین' صبر و رضا اور ایک کامل مومن کی زندگی نظر آتی ہے۔ جس میں تسلسل اور مداومت ہے۔

دنیا نے اپنے آپ کو بدلا گھڑی گھڑی
اک اھل عشق ہیں کہ جہاں تھے وہیں رہے

قرآن پڑھنے سے زندگی کا آغاز کیا اور تمام عمر زندگی بھر قرآن پڑھا اور پڑھایا۔ زندگی کے آخری دن بلکہ آخری رات تک علوم قرآن کی خدمت کرنے میں گزارہ۔ یہ آفتاب علوم و معارف اور قرآن حکیم کے اپنے دور کے عظیم استاذ' ساری زندگی درس و تدریس میں صرف کی آخر دم تک قرآن کے پڑھنے پڑھانے کو اوڑھنا اور بچھونا بنائے رکھا۔ اور اسی حالت میں اپنے مالک حقیقی کے حضور میں پیش ہوگئے۔ ؎

جو تھے مقربوں کے تاج
ہوگئے وہ غریق رحمت آج

آپ کے بہت سے تلامذہ دنیا بھر میں قرآن پاک کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے کچھ نام یہاں تحریر کرتا ہوں۔

قاری احمد میاں تھانوی قاری قراء ت عشرہ' قاری محمد ادریس عاصم لاہوری قاری قراء ت عشرہ' قاری

عبدالرحمٰن ڈیروی قاری قراءت عشرہ' قاری عطاء اللہ ڈیروی قاری قراءت عشرہ' قاری عبدالباعث سواتی صاحب قاری قراءت عشرہ' قاری محمد یحییٰ رسولنگری قاری قراءت عشرہ' قاری عبدالستار صاحب قاری قراءت عشرہ' قاری حاجی محمد قاری قراءت عشرہ' قاری بزرگ شاہ قاری سبعہ' قاری مومن شاہ قاری سبعہ' قاری عبدالرشید فاروقی' قاری عبدالصبوح' قاری محمد سعید' قاری زبیر احمد' قاری فقیر محمد مسعودی وغیرہم بہت قابل ذکر ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ نے ۱۷/ دسمبر۱۹۹۱ء بروز منگل اسلام آباد میں وفات پائی۔ اول جامعہ اسلامیہ اسلام آباد کے سبزہ زار میں مولانا عبداللہ صاحب خطیب مرکزی جامع مسجد اسلام آباد نے نماز پڑھائی بعد ازاں جسد خاکی لاہور لایا گیا اور گورنمنٹ چوبرجی کوارٹرز کی گراؤنڈ میں نماز جنازہ ہوئی۔ نمازہ جنازہ حضرت مولانا قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار رنگ محل لاہور نے پڑھائی۔

آپ کے جنازہ میں بکثرت علماء' حفاظ اور صالحین نے شرکت کی۔ اس موقع پر جس کو دیکھا اس کے ہوش گم تھے۔ فریاد لب' اشک ریز' جس کو دیکھا مضطرب' بے چین و بے قرار جس کو دیکھو دل و جگر مجروح' سوز و گداز سے معمور دل لئے۔ کرب و حماں اور یاس و حسرت کا شکار' رنج و اندوہ میں غرق' حسرت و افسوس کا نمونہ بنا ہوا' جذبات مضطرب' چہرہ غمگین' آنکھوں سے آنسو! یہ تھے حضرت استاذ القراء والمجودین شیخ الشیوخ قاری اظہار احمد تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کے عاشق۔

اس گراؤنڈ میں جہاں جنازہ ہوا تل دھرنے کو جگہ نہ تھی لاہور کے مشہور قبرستان میانی صاحب جو علماء و صلحا اور قراء عظام کی آخری آرام گاہ ہے وہاں میرے اس دیرینہ رفیق اور بھائی کو سپرد خاک کیا گیا۔

بعد ازاں دفن قبر پر دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے کا مسئلہ کھڑا ہوگیا احقر نے اس بدمزگی کو ختم کرتے ہوئے نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ بغیر ہاتھ اٹھائے کافی دیر دعاء مغفرت کی اور جو ٹوٹے پھوٹے الفاظ احقر کو یاد تھے ان کے ذریعہ اپنے ساتھی دوست مربی کے لئے بارگاہ خداوندی میں دلی تمناؤں اور آہوں کے ساتھ دعا کی۔ اللہ تعالیٰ احقر کی ان دعاؤں کو قبول فرمائے۔

آہ! اپنے رفیق دیرینہ اور زندگی بھر کے ساتھی کو منوں مٹی کے نیچے لٹا کر الوداع کہا اور اللہ کے سپرد کر کے چلا آیا۔ ؎

لہ ملک ينادی كل يوم
لدوا للموت وابنوا للخراب
الا یاساکن القصر المعلی
ستدفن عن قريب فی التراب
قليل عمر فانی دار دنيا

ومرجعنا الی بیت التراب

ترجمہ روزانہ ایک فرشتہ منادی کرتا ہے کہ سب کا انجام موت ہے جو بنا ہے وہ ایک دن لوٹے گا جو آیا ہے وہ جائے گا۔ اے شاندار عمارتوں میں رہنے والوں سنو کہ یہ عمارتیں ایک دن ویران ہو کر زمین بوس ہو جائیں گی عمر کم ہے اس دنیا کے فانی گھر کی اور لوٹ کر جانا ہے مٹی کے اس گھر میں

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالٰی میرے مربی' میرے دوست' میرے محسن' میرے دیرینہ رفیق' قرآن کے اس عظیم خادم' اخلاق حسنہ کے اس بے مثال پیکر اور عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بے پایاں رحمتوں کا نزول فرمائے اور ان کی مغفرت کاملہ فرمائے ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

اور ہمیں اس عظیم انسان کے نقش پا پر قدم بہ قدم چلتے ہوئے خدمت قرآن کی ہر وقت اور زندگی کے آخری سانس تک توفیق عطا فرمائے۔ آمین

❑❑❑

سراپا خلوص و محبت

حضرت قاری نور محمد صاحب دامت برکاتہم

میں اپنے قابل احترام دوست استاذ القراء حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ کا ذکر خیر اس مضمون میں کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرت قاری اظہار صاحب میرے استاد' میرے مربی اور میرے شفیق دوست تھے۔ باوجود اس کے کہ میں نے ان سے مشق وغیرہ میں استفادہ کیا ہوا تھا اور علمی مقام کے لحاظ سے انہیں حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ کا قراءت میں جانشین سمجھتا تھا ان کی انتہائی دلاویز شفقت تھی کہ وہ مجھ کو اپنے ساتھیوں' دوستوں اور اپنے برابر میں جگہ دیا کرتے تھے۔

محترم قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ سے میری پہلی ملاقات امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی زندگی میں ہوئی جب انجمن حمایت اسلام کے ایک جلسہ میں امام القراء تشریف لائے تو محترم قاری اظہار صاحبؒ بھی ان کے ہمراہ تھے۔ اس وقت کی یہ ملاقات تو سرسری سی ہوئی۔ مگر میرے بے تکلفانہ روابط استاذ الحفاظ و استاذ المحترم قاری فضل کریم صاحبؒ کی منعقدہ ان قیام الیل کی محافل میں قاری اظہار صاحبؒ سے مزید بڑھے۔ جو کہ وہ لاہور اور بیرون لاہور رمضان المبارک کے درمیان کرواتے تھے۔ قیام الیل کی ان محافل میں بارہا حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ ہم دونوں کو لے کر بعض اوقات بارڈر کے نزدیک مساجد میں بھی گئے۔ ان مواقع پر محترم قاری اظہار احمد صاحبؒ سے بے تکلفی کی فضا بڑھتی گئی۔ پھر جب شہید صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے دور میں سرکاری طور پر محافل شبینہ کا اہتمام کیا گیا تو میں اور محترم قاری صاحبؒ اکٹھے شاہی مسجد میں شبینہ پڑھانے کے لئے جاتے رہے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے ساتھ جب بھی کوئی محفل ہوتی تو اس میں بے تکلفی کا ماحول ہوتا۔ قاری صاحب محترم تنہائی میں بے تکلف ہوتے۔ ہنسی مذاق چلتا' علمی' ادبی اور دیگر مسائل پر گفتگو کرتے میرے ساتھ خصوصی برتاؤ اور محبت کرتے تھے بارہا مجھے فرماتے بھائی قاری صاحب آپ تو ماشاء اللہ بابائے لاہور ہیں۔ غرض قاری صاحب کی محافل میں بیٹھ کر دل کو ایک عجیب سی راحت ہوتی۔ قاری صاحب محترم بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت تو خیر فرماتے ہی تھے اپنے ساتھی حضرات کا ادب بھی ملحوظ خاطر رکھتے ان کی محفل میں گھنٹوں بیٹھے رہنے لیکن کہیں یہ محسوس نہ ہو پاتا کہ وہ علمی لحاظ سے بہت بڑے مقام کے حامل ہیں اور دیگر ساتھی اور قراء جو ان کے ہمراہ بیٹھے ہیں وہ ان سے کم تر ہیں۔ بلکہ اپنے سے کم تر اور علمی مقام سے کم لوگوں کو بھی خوش اخلاقی اور اعلیٰ ظرفی سے ملنا ان کا

خاصہ تھا۔ دوسروں کی حوصلہ افزائی فرماتے رہنا یہ محترم قاری صاحب کا نمایاں پہلو تھا۔

میں اور قاری عبدالمجید بھاکری صاحب ریڈیو وغیرہ پر بھی پڑھتے تھے میں نے قاری عبدالمجید صاحب سے کہا کہ حضرت قاری اظہار صاحب ایک جید عالم دین اور قاری ہیں ان کی خدمات سے ریڈیو والوں کو ضرور فائدہ اٹھانے چاہیے۔ قاری عبدالمجید بھاکری صاحب نے جناب عبدالحئ قریشی صاحب سے بات کی اور ان کو حضرت قاری صاحب محترم کے علمی مقام و مرتبہ سے آگاہ کر کے انھیں اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ ان کو ریڈیو پر موقع دیں۔ اس طرح قاری صاحب محترم ریڈیو پر آنا شروع ہوئے اور یہاں کے میل ملاقات سے میرے حضرت قاری صاحبؒ سے تعلقات مزید فروغ پذیر ہوئے۔

دوسروں کی عزت کرنا' دھیمے لہجہ میں گفتگو کرنا' ہر دم مسکرا کر بات کرنا حضرت قاری صاحب محترم کی عادت خاصہ تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دوستوں کو برابری کا درجہ دینا اور ان کی عزت نفس کو مجروح ہونے سے ہر دم بچانا بھی حضرت قاری صاحب محترم کی بڑی پیاری عادت تھی۔ عموماً یہ ہوتا کہ لاہور اور بیرون لاہور محافل ہوتیں تو حضرت قاری صاحب بڑے ذوق و شوق سے شرکت کرتے اسی طرح کا ایک واقعہ ہے ملتان میں ایک محفل قراءت ہوئی بہت سے قراء اس میں مدعو تھے میں اور حضرت قاری صاحب بھی اس میں شریک ہوئے لاہور سے اکٹھے ہی ملتان گئے واپسی میں میں نے حضرت قاری صاحبؒ سے عرض کیا کہ ساہیوال میرے ایک دوست رہتے ہیں ان سے ملتے ہوئے چلتے ہیں ملاقات بھی ہو جائے گی اور تازہ دم ہو کر ذرا ناشتہ وغیرہ بھی کر لیں گے۔ قاری صاحبؒ نے حسب عادت فرمایا بالکل ٹھیک ہے۔ ہمارے ساتھ ایک قاری صاحب اور بھی تھے میں ان کا دانستہ نام ذکر نہیں کرنا چاہتا۔ ہم لوگ ساہیوال اترے تو میں نے لپک کر قاری صاحب محترمؒ کا بیگ اٹھا لیا اور ہم لوگ چل پڑے۔ رستے میں معلوم نہیں کیوں ان قاری صاحب موصوف نے یہ بات قاری صاحب محترمؒ سے فرمائی کہ "جی ہاں آپ کو یہاں آنے میں کیا اعتراض ہو سکتا تھا آپ کو ایک تھیلا اٹھانے والا خدمت گار جو مل گیا ہے" یہ بات سن کر حضرت قاری صاحب محترمؒ چلتے چلتے رک گئے اور ان قاری صاحب سے فرمایا قاری صاحب یہ آپ نے بہت غلط بات کی مجھے اس بات سے بہت تکلیف پہنچی ہے قاری نور محمد میرا بھائی ہے میری عزت کرتا ہے۔ اس عزت کرنے کو آپ نے خدمت گار کا روپ دے دیا مجھے آپ کی بات سے شدید صدمہ پہنچا ہے آئندہ میں آپ کے یہاں کبھی محافل میں شرکت نہیں کروں گا۔ اس واقعہ سے آپ حضرت قاری صاحب محترم کا دوسرے ساتھیوں اور رفقاء سے محبت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب محترمؒ کے گھر واقع جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز بھی حاضر ہوتے خوب دیر تک محافل ہوتیں۔ بڑی خوشدلی سے اور بے تپاک انداز میں ملتے۔ اور جتنی دیر تک بھی بیٹھے رہتے نہایت بے تکلفی کی فضا رہتی۔ بارہا رمضان المبارک میں حضرت کے گھر حاضر ہوتا اور ہم دونوں بیٹھ کر قرآن شریف کا دور کرتے۔ ایسا بھی

ہوتا کہ میں حضرت قاری صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے عرض کی حضرت آج مشق کرائیں تو فوراً مشق کرانا شروع کر دیتے ایک مرتبہ اسی طرح مشق کرائی تو فرمانے لگے آج تو قاری صاحب آپ نے حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے لہجوں کی یاد تازہ کر دی۔ یہ سب حضرت قاری صاحبؒ کا حسن ظن تھا حوصلہ افزائی اور ہمت بندھانا حضرت پر ختم تھا۔ حالانکہ حضرت قاری صاحبؒ خود بھی بہت عمدہ پڑھا کرتے تھے مجھے یاد ہے ایک مرتبہ حضرت قاری صاحبؒ نے بادشاہی مسجد میں منعقدہ محفل شبینہ میں نہایت شاندار اور خوبصورت پڑھا اور ہو بہو امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے انداز میں۔ شبینہ پڑھا کر واپس آئے میرے پاس آکر بیٹھ گئے میں نے پڑھنے کی تعریف کی تو فرمانے لگے ہاں بھئی آج میں نے حضرت استاذ المحترم کی طرح پڑھا ہے۔

ریڈیو پاکستان سے حضرت قاری صاحب محترمؒ کا پروگرام "آیئے قرآن شریف پڑھیں" براڈ کاسٹ ہوا۔ حقیقت میں یہ پروگرام اس سلسلے کے تمام پروگراموں میں سب سے زیادہ علمی اور معیاری تھا۔ اس میں حضرت قاری صاحبؒ کے فرزند قاری نجم الصبیح سلمہ اور میرا لڑکا قاری عبدالماجد سلمہ شریک ہوئے یہ میرے لئے ایک بہت اعزاز کی بات ہے کہ میرا بیٹا حضرت قاری صاحبؒ سے پڑھتا رہا۔ اس کے علاوہ میرے لئے ایک اعزاز اور فخر کی بات یہ بھی ہے کہ میرے دونوں صاحبزادیاں حضرت قاری صاحبؒ کی فارغ شدہ ہیں اور ان دونوں کے پاس حضرت قاری صاحبؒ کی عطا کردہ روایت حفص کی سند ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ سے میں نے درخواست کی کہ آپ ان کا امتحان لے لیجئے۔ حضرت نے ھامی بھرلی اور کمال شفقت فرماتے ہوئے ایک دن حضرت قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور کے ہمراہ احقر کی مسجد تشریف لائے۔ اور یہاں میری بچی کا امتحان لیا اور سند عطا فرمائی۔ اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ بھئی قاری صاحب ماشاء اللہ آپ کی بچی نے خوب اچھی تیاری کی ہوئی ہے اور اس نے وہ وہ جواب دیئے ہیں جو ایک طالب علم بھی اس انداز میں نہیں دے سکتا ہے۔

میرے بچوں کے پاس حضرت قاری صاحبؒ کی اسناد خود ان کے لئے اور میرے لئے سرمایہ فخر ہیں۔ وہ میرے بھی استاد تھے اور دوستی اور رفاقت کا شرف بھی مجھے ان سے حاصل رہا۔ ایک اور بڑی خوبی حضرت قاری صاحبؒ میں یہ تھی کہ صرف قرآن پڑھنا ہی ان کا مطمع نظر تھا محافل قراءت میں بڑے ذوق و شوق سے شرکت فرماتے۔ جس درجہ عموماً محافل میں ہوتا ہے کہ درجہ بندی اور بڑے چھوٹے کا بڑا خیال رکھنا پڑتا ہے ورنہ عموماً قراء حضرات ناراض ہو جاتے ہیں کہ جناب فلاں قاری صاحب کو مجھ پر ترجیح کیوں دی گئی ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ میں یہ عادت نہ تھی پہلے یا آخر، بڑا یا چھوٹا اس کا چکر میں حضرت قاری صاحبؒ کبھی بھی نہ پڑے۔ حضرت قاری صاحبؒ ان چیزوں سے بالکل ماورا تھے۔

علمی لحاظ سے وہ جس مقام کے حامل تھے وہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ ہر فن میں یکتا، درس نظامی کے

فارغ التحصیل تجوید و قراءت میں ماہر۔ مجھے تجوید و قراءت کے مسائل میں یا دیگر علمی مسائل میں کوئی اشکال پیش آتا تو میں اس کے حل کے لئے حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں ہی حاضر ہوتا۔ اور الحمدللہ وہ ان اشکال کو دور بھی فرماتے۔

مجھے یہ فخر حاصل ہے کہ میں نے حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ سے بھی زانوے تلمذ طے کیا ہے۔ اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جس طرح حضرت قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ اپنے وقت کے قراءت میں امام الکل تھے اور لوگ اس فن میں ہر قسم کے مسائل کے لئے ان سے رجوع کرتے تھے اسی طرح آپ کی وفات کے بعد یہ مقام اور مرتبہ حضرت قاری اظہار احمد صاحبؒ کو حاصل ہوگیا تھا بلکہ حضرت قاری اظہار صاحبؒ میں ایک اضافی خوبی یہ بھی تھی کہ وہ ایک جید عالم بھی تھے۔ دینی مسائل میں بھی لوگ رجوع کرتے۔ حضرت قاری اظہار احمد صاحبؒ امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے بڑے اچھے اور قابل اعتماد شاگردوں میں سے تھے۔ اور امام القراء کو اپنے اس ہونہار شاگرد پر بے پناہ اعتماد تھا۔ قاری اظہار احمد صاحبؒ کو بھی اپنے استاذ محترم سے عشق تھا۔ بارہا جب کوئی محفل ہوتی یا ملاقات ہوتی تو ہمیں حضرت امام القراء کے واقعات سناتے۔ چونکہ میں بھی حضرت امام القراءؒ کا صحبت یافتہ ہوں۔ لہٰذا جب میں استاذ محترم کے واقعات گوش گزار کرتا تو بہت توجہ' محبت اور انہماک سے یہ واقعات سنتے احقر کی حضرت قاری صاحب محترمؒ سے بہت بے تکلفی تھی گھر میں بھی حاضری ہوتی اور حضرت کے پاس مدرسہ تجوید القرآن بھی جاتا۔ جو علمی اور دوستانہ محافل جمتی وہ میرے لئے ایک سرمایہ ہیں جن پر میں فخر کر سکتا ہوں۔ آج میں اپنے اردگرد نظر ڈالتا ہوں تو اساتذہ اور علم دوست لوگوں کا قحط محسوس کرتا ہوں۔ لاہور کی علمی فضائیں جہاں میں بہت عظیم علمی ہستیوں کی خدمت گزاری میں رہا ہوں۔ جن میں استاذ القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ' استاذ القراء قاری کریم بخش صاحبؒ' حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ بانی مدرسہ تجوید القرآن لاہور' حضرت قاری اسمٰعیل صاحبؒ' حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ اور میرے قابل احترام دوست حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ جیسی علم دوست شخصیات شامل ہیں۔ یہ تمام حضرات اپنے رب العزت کے حضور پہنچ چکے ہیں۔ میں اللہ پاک سے دعا کرتا ہوں کہ میرے ان مربی اور محسن اساتذہ اور علم دوست حضرات کو اپنی رحمت کاملہ سے نوازے اور ہمیں اہل علم اور اہل اللہ سے محبت و عقیدت عطا فرمائے۔

آمین یا رب العالمین

❑❑❑

یادوں کے روشن چراغ

قاری سرفراز احمد تھانوی، اسلام آباد
برادر اصغر جناب قاری صاحب مرحوم و مغفورؒ

جب میں نے اس عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولی تو قبلہ والد صاحب جناب حافظ اعجاز احمد تھانویؒ جلال آباد ضلع مظفر نگر (یو پی) انڈیا کے ایک مدرسہ میں تدریس قرآن سے وابستہ تھے۔ سب سے بڑے بھائی حافظ افتخار احمد تھانوی صاحب جو آج کل نارتھ ناظم آباد کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ ہمارے والد صاحب کی پہلی بیوی کی اولاد ہیں۔ ان کے انتقال کے بعد والد صاحب نے ہماری والدہ سے شادی کی ان سے اول ہماری بڑی بہن قمر النساء تولد ہوئیں ماشاء اللہ حیات ہیں اس کے بعد قبلہ بھائی صاحب یعنی حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ جو ۱۷ دسمبر ۱۹۹۱ء کو ہم سے جدا ہوئے۔ ان کے بعد مجھ سے بڑی بہن زیب النساء جو پچھلے سال ۱۰ فروری ۱۹۹۳ء کو وفات پا گئیں ان کے بعد میں پیدا ہوا۔ مجھ سے چھوٹی ایک بہن زینت النساء پیدا ہوئیں جو قبلہ بھائی اظہار احمد کی وفات کے تھوڑے دنوں بعد ۷ جنوری ۱۹۹۲ء کو وفات پا گئیں اور سب سے چھوٹا بھائی نسیم احمد تھانوی ہے جو کراچی میں قیام پذیر ہے۔

میں قبلہ بھائی صاحب سے تقریباً سات آٹھ سال چھوٹا ہوں۔ کچھ ہوش سنبھالا تو بھائی صاحب حفظ قرآن پاک سے فارغ ہو چکے تھے اور ابتدائی عربی اور فارسی کی کتب مدرسہ امداد العلوم جو حضرت تھانویؒ کی خانقاہ امدادیہ میں ہی قائم تھا پڑھ رہے تھے۔

بھائی صاحب کو شروع سے ہی کتب بینی اور مطالعہ کا شوقین پایا۔ رات کو ایک ڈیڑھ بجے تک پڑھتے رہنا ان کا معمول تھا۔ ایک میز اور کرسی گھر میں ان کی رکھی رہتی اس پر ان کی کتابیں اور لالٹین اور دوسرے لوازمات رکھے رہتے تھے۔ عصر کے وقت میں ان کی کتابوں کو اور میز وغیرہ کو جھاڑ پونچھ دیتا۔ لالٹین کی چمنی صاف کر کے اس میں تیل وغیرہ دیکھ کر میز پر رکھ دیتا۔ میرا پلنگ بھائی صاحب کے ساتھ ہی بچھا ہوتا۔۔ رات کو بھائی صاحب پڑھتے رہتے اور میں ان کے ساتھ والے پلنگ پر سوتا رہتا۔ بارہا یہ بھی ہوتا کہ رات کافی بیت جاتی تو والد صاحب اگر گھر میں موجود ہوتے تو آواز دیتے۔ اے اظہار میاں بس کرو رات بہت ہو گئی اب سو جاؤ اور یہ سن کر بھائی صاحب لالٹین بجھاتے اور آرام کرنے کے لئے اپنے بستر پر لیٹ جاتے۔

۱۹۴۳ء کے اوائل میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے یادداشت کے پردہ پہ ان کی وفات اور جنازے کے واقعات ثبت ہیں۔ حضرت حکیم الامت بھائی صاحب قبلہ کے اوپر بہت شفقت فرماتے تھے چونکہ ہمارے رشتہ داری کا تعلق بھی آپ سے تھا نیز قبلہ بھائی صاحب پڑھائی میں بھی اہم

مقام کے حامل تھے۔ اسی طرح کی خصوصی شفقت و محبت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتھم بھی قبلہ بھائی صاحبؒ سے فرمایا کرتے تھے۔

جس سال حضرت حکیم الامت کی وفات ہوئی بھائی صاحب مدرسہ امداد العلوم سے فراغت پاکر مزید تعلیم کے حصول نیز درس نظامی کی تکمیل کے واسطے مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور چلے گئے اور میں نے مدرسہ امداد العلوم میں داخلہ لیا۔ بعدازاں میں بھی الحمدللہ انہی اساتذہ کرام سے حصول علم کرتا رہا جن سے بھائی صاحب اپنے دوران طالب علمی پڑھتے رہے تھے۔ ان میں حفظ کے استاذ جناب محترم خلیفہ اعجاز احمد صاحبؒ بہت قابل ذکر ہیں۔

مظاہر العلوم میں حصول تعلیم کے ایام میں میں بارہا قبلہ بھائی صاحبؒ سے ملنے کے لئے والدہ سے اجازت لے کر سہارن پور چلا جاتا۔ رات کو پہنچتا بھائی صاحب مجھے دیکھتے تو بہت خوش ہوتے فرماتے ارے سرفراز تو اس وقت یہاں میں جواب دیتا جی ہاں ملنے کو دل چاہ رہا تھا اس لئے چلا آیا۔ اس وقت بھائی صاحب اپنی حتیٰ المقدور کوشش کر کے میری خاطر تواضع فرماتے وہاں بھی میں یہ بات شدت سے محسوس کرتا کہ دیگر ساتھ رہنے والے ساتھی تو اپنے اپنے بستر پر آرام کرنے کے لئے لیٹ جاتے لیکن بھائی صاحب کونے میں لالٹین جلا کر اپنی کتب کا مطالعہ فرماتے رہتے۔ علی الصبح اٹھ کر نماز پڑھتے اور بعدازاں تجوید و قراءت کے استاذ عظیم حضرت استاذ القراء قاری عبدالخالق صاحبؒ کے پاس مشق کے لئے ان کے مدرسے تجوید القرآن تشریف لے جاتے۔ وہاں سے واپس آکر اپنی مدرسے کی پڑھائی کے معمولات میں مصروف ہو جاتے۔ ان ایام سہارنپور کے قیام کے دوران میں یہ بھی دیکھا کہ بھائی صاحب اپنے اساتذہ کرام میں کافی ہردلعزیز ہیں اور کیوں نہ ہوتے کہ ہونہار طالب علم اپنے استاذ کا قیمتی سرمایہ ہوتے ہیں۔ اس خصوصی توجہ کا ارتکاز جو کہ بھائی صاحب پر ہوتا اس علمی و ادبی لحاظ ارتقاء کا ظہور بھی بھائی صاحب میں نظر آتا تھا۔

اس خصوصی توجہ میں استاذ العلماء حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ جو بعدازاں مظاہر العلوم کے ناظم کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ حضرت مولانا صدیق صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی قاری سعید احمد اجراڑوی صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ اور حضرت مولانا زکریا قدوسی صاحبؒ بہت قابل ذکر ہیں۔

جولائی ۱۹۴۷ء میں بھائی صاحب مظاہر العلوم سہارن پور سے فارغ ہوئے تو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نور اللہ مرقدہ کے ڈابھیل میں قائم کردہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ سے ملازمت کی چٹھی موصول ہوئی۔ بھائی صاحبؒ نے مدرسہ مذکور کو ملازمت کے لئے آمادگی کا خط لکھ کر روانہ کر دیا۔ اگست ۱۹۴۷ء میں پاکستان ظہور میں آگیا اور حالات خراب سے خراب ہوتے چلے گئے۔ بھائی صاحب بڑی بہن زیب النساء کے ہمراہ پاکستان آگئے اور یہاں آکر واپس ڈابھیل جانا بالکل ناممکن ہو گیا۔

بھائی صاحب اور بہن کے پاکستان آجانے کے بعد والدہ محترمہ کو ان دونوں کی طرف سے بہت فکر رہنے لگی ہر

دوسرے تیسرے دن خط روانہ کرتی۔ دو سال کے صبر و انتظار کے بعد آخر ۱۹۴۹ء میں ہم سب بہن بھائی اور والدہ معہ بڑے بہنوئی جناب انعام الٰہی صاحب مرحومؒ کے ہمراہ پاکستان آگئے۔ قبلہ والد صاحبؒ ہمارے ساتھ نہ آئے بلکہ وہ ۱۹۵۱ء میں پاکستان پہنچے۔ بھائی صاحب کو ہمارے آنے کی اطلاع نہ ہو سکی کیونکہ ڈاک کا نظام تقسیم ہند کے افتادگی کی بدولت زبوں حالی کا شکار تھا۔ پتہ بہرحال ہمارے پاس موجود تھا پوچھتے پچھاتے ہم پرانی انار کلی دھوبی منڈی پہنچ گئے رات کا وقت تھا۔ بھائی صاحب ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ بڑی بہن قمر النساء اور بہنوئی صاحب مرحوم تو کچھ عرصہ لاہور ٹھہر کر کراچی چلے گئے۔ لیکن ہم لوگ یہی بھائی صاحب کے ساتھ رہائش پذیر ہو گئے۔

مجھے اور چھوٹے بھائی نسیم احمد کو سکول میں داخل کرا دیا گیا۔ اس زمانے میں بھائی صاحب مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے پاس بھی جایا کرتے تھے اول پاکستان آکر جامعہ اشرفیہ میں عربی کتب کی تدریس کی۔ اس کے علاوہ مقدس مسجد دھوبی منڈی پرانی انار کلی لاہور میں امامت و خطابت کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ بعدازاں جب قاری سراج احمد صاحب مرحوم و مغفور نے دارالعلوم اسلامیہ چرچ روڈ کا آغاز کیا تو بھائی صاحب عربی کتب کی تدریس کے لئے وہاں استاذ ہو گئے۔

مفتی محمد حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کی محفل میں بھائی صاحب جاتے ہی تھے۔ مفتی صاحب قبلہ بھائی صاحب کے تبحر علمی سے متاثر تھے۔ نیز تقسیم کے بعد عمومی طور پر مہاجر خانوادوں کی اقتصادی پسماندگی کا بھی انہیں بخوبی علم تھا اس لئے انہوں نے اپنے حلقہ اثر میں قبلہ بھائی صاحب کو متعارف کرایا۔ علامہ علاؤ الدین صدیقی صاحب جو جامعہ پنجاب کے وائس چانسلر بھی رہے وہ بھی حضرت مفتی صاحبؒ کے پاس تشریف لایا کرتے تھے۔ حضرت مفتی صاحبؒ نے علامہ صاحب موصوفؒ کو بھائی صاحب سے ملوایا انہوں نے بطور امتحان کچھ سوالات بھائی صاحب سے فرمائے اور تسلی بخش جواب ملنے پر بہت خوش ہوئے۔ بعدازاں علامہ علاء الدین صاحبؒ نے جامعہ پنجاب میں اسلامیات کے شعبے کا اجراء فرمایا جو کہ بہت مقبول ہوا اور لاہور اور بیرون لاہور سے ایک بہت بڑی تعداد نے اس شعبے میں داخلہ لیا۔ حضرت علامہ صاحبؒ نے اس شعبہ کے طالب علموں کو مشورہ دیا کہ وہ اپنی تعلیم میں مزید افادے کے لئے حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ کے پاس جایا کریں اور اس طرح اس شعبے کے بہت سے طلباء پڑھنے کے واسطے گھر آنے لگے۔ بعدازاں عربی اور فارسی کے طالب علموں نے بھی قبلہ بھائی صاحب سے رجوع کیا۔ آج ان میں سے بہت سے طالب علم بڑے اچھے اچھے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔

اس کے علاوہ بھائی صاحب روزنامہ انقلاب جو کہ مولانا عبدالمجید سالک صاحب مرحومؒ کی زیر ادارت نکلا کرتا تھا اس میں بھی رات کو کام کرتے۔ اس اخبار کے سنڈے ایڈیشن کے بھائی صاحب انچارج بھی رہے اور مضامین وغیرہ بھی لکھتے رہے۔ اس قدر مصروف زندگی گزارنے کی وجہ سے گھر کے کام کاج کے لئے بھائی صاحب کے پاس وقت بالکل نہ بچ پاتا اور آہستہ آہستہ گھر کے کام بتدریج میرے سپرد ہوتے چلے گئے۔

۱۹۵۳ء میں بھائی صاحب کی والدہ محترمہ نے شادی کر دی اور اسی سال امام القرا حضرت مولانا قاری المقری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سے دارالعلوم اسلامیہ تشریف لے آئے۔ اس سلسلے میں قاری سراج صاحبؒ نے حضرت استاذ محترم کو لاہور لانے میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور لاہور آنے کے بعد بھی حضرت استاذ محترم کے پاس جب ملازمت کی شرائط وغیرہ طے کرنے کے لئے گئے تو بھائی صاحبؒ کو بھی ہمراہ لے کر گئے۔

حضرت استاذ محترم کے دارالعلوم اسلامیہ تشریف لانے سے دارالعلوم کو چار چاند لگ گئے اہل لاہور جوق در جوق آپ سے استفادے کے لئے مدرسہ میں آنے لگے اور قراءت کا شعبہ خوب پھلتا پھولتا گیا۔ بھائی صاحب قبلہ قیام تھانہ بھون میں جب حفظ کر رہے تھے اس وقت بارہا حضرت استاذ محترمؒ سے مشق و استفادہ فرما چکے تھے اور اسی وقت سے عزم صمیم لئے بیٹھے تھے کہ علوم قراءت میں استفادہ صرف حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے کروں گا۔ اسی عزم و ارادے کی بدولت قیام مظاہر العلوم حضرت قاری سلیمان دیو بندی صاحبؒ جو حضرت قاری ضیاء الدین صاحبؒ کے شاگرد تھے اور مدرس ہذا میں شیخ التجوید تھے ان کے بلانے کے باوجود بھائی صاحبؒ نے ان سے استفادہ نہ فرمایا جب حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ لاہور دارالعلوم اسلامیہ تشریف لائے تو بھائی صاحب کی دلی مراد بن آئی اور یہاں پھر آپ نے روایت حفص، قراءت سبع و قراءت عشرہ کی تکمیل حضرت قاری صاحبؒ سے فرمائی۔ حضرت قاری صاحبؒ کی نظروں میں بھی قبلہ بھائی صاحبؒ کا بہت مقام تھا اور وہ قبلہ بھائی صاحب کی بے انتہا عزت کرتے تھے۔ بلکہ قبلہ بھائی صاحبؒ اور حضرت قاری صدیق صاحب لکھنوی کو مدرسہ میں تجوید و قراءت میں اپنا نائب مقرر فرمایا ہوا تھا۔

قبلہ بھائی صاحبؒ کو بھی حضرت قاری صاحبؒ سے عشق تھا۔ گھر آتے تب بھی حضرت قاری صاحبؒ کے تذکرہ ہی فرماتے۔ اکثر قاری صاحبؒ ہمارے گھر تشریف لاتے۔ چونکہ حضرت قاری صاحب ہمارے تشریف لاتے اس لئے دوسرے قراء حضرات مثلاً قاری عبدالوہاب مکی صاحب، قاری صدیق لکھنوی صاحب، صاحبزدگان حضرت قاری صاحب جناب قاری عبدالماجد ذاکر صاحب حال مقیم سعودی عرب اور جناب قاری محمد شاکر انور صاحب حال مقیم کراچی جیسے اکابر تشریف لاتے۔ حضرت قاری صاحبؒ کے اس قدر تذکرے سننے کی وجہ سے میرے دل میں بھی حضرت قاری صاحبؒ سے استفادے کا شوق پیدا ہوا آخر رہا نہ گیا اور قبلہ بھائی صاحب سے کہا کہ بھائی مجھے بھی قاری صاحبؒ کی خدمت میں لے چلو میں بھی تجوید پڑھنا چاہتا ہوں۔ بھائی صاحب مجھے بلا تامل حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں لے گئے اور میں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہوا جو کہ حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحبؒ سے علوم تجوید و قراءت میں مستفید ہوئے۔

۱۹۵۵ء کے لگ بھگ دارالعلوم اسلامیہ کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا جو اس لحاظ سے بہت یادگار تھا کہ اس میں شیخ الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ سابقہ مہتمم دارالعلوم دیو بند تشریف لائے۔ حضرت کی یہ لاہور بلکہ

پاکستان آمد پہلی مرتبہ تھی۔ اس جلسے میں فارغین قراء کرام کو اسناد سے نوازا گیا۔ حضرت قاری صاحبؒ اور قاری طیب صاحبؒ نے فارغین قراء حضرات کی دستار بندی فرمائی اس موقع پر راقم اور بھائی صاحبؒ کی بھی دستار بندی ہوئی اور سندات فراغت سے بھی نوازا گیا۔ بھائی صاحبؒ اس وقت تک روایت حفص اور قراءت سبع کی تکمیل کر چکے تھے۔ بعدازاں ۵۷-۱۹۵۶ء کے لگ بھگ قبلہ بھائی صاحبؒ نے حضرت قاری صاحبؒ سے قراءت عشرہ کی تکمیل کی۔

بھائی صاحب اور حضرت قاری صاحبؒ کے جو تعلقات خصوصی تھے وہ محتاج بیان ہرگز نہیں۔ اگر بھائی صاحب دل و جان سے حضرت قاری صاحبؒ کے خدام ادب میں شمار ہوتے تھے تو حضرت قاری صاحبؒ بھی قبلہ بھائی صاحبؒ کو دل و جان سے عزیز جانتے تھے بلکہ بھائی صاحبؒ کی تبحر علمی کے معترف بھی تھے۔

تعلقات خصوصی تو راقم کے ساتھ بھی حضرت قاری صاحبؒ کے ایسے تھے کہ تاحیات ان کو بھلانا ناممکن ہے۔ حضرت میرے ساتھ اپنی اولاد جیسا سلوک فرماتے۔ اس کے متعلق میں تفصیل سے سوانح امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ میں تحریر کر چکا ہوں جو جناب کرنل قاری فیوض الرحمٰن صاحب کی تصنیف متین ہے۔ یہاں میں قبلہ بھائی صاحب اور حضرت قبلہ قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کے درمیان خصوصی تعلقات کار کا ذکر کروں گا۔

قبلہ بھائی صاحبؒ کے بڑے صاحبزادے بختیار احمد سلمہ پیدا ہوئے تو حضرت قاری صاحبؒ ہمارے گھر واقع دھوبی منڈی پرانی انار کلی تشریف لائے قبلہ بھائی صاحبؒ نے بختیار احمد سلمہ کو لا کر حضرت قاری صاحبؒ کی گود میں دے دیا۔ حضرت قاری صاحب بہت خوش ہوئے دیکھ کر دعا کی۔ بعدازاں بطور انعام ایک روپیہ دیا اور پھر بختیار احمد سلمہ کا تاریخ ہائے ولادت بھی بتلائی جو آج تک میرے ذہن میں محفوظ ہے آپ نے بچے کا تاریخی نام "مرغوب احمد" تجویز کیا۔

حضرت قاری صاحبؒ نے پاکستان تشریف لا کر تین مرتبہ رمضان میں قرآن سنایا ایک مرتبہ گورنر جنرل خواجہ ناظم الدین مرحوم کے یہاں گورنر جنرل ہاؤس کراچی میں' ایک مرتبہ ٹنڈوالہ یار کے قیام کے دوران وہاں کی مسجد میں اور تیسری اور آخری مرتبہ مدینہ مسجد پرانی انار کلی لاہور کی مسجد میں۔ اس موقعہ پر بھائی صاحبؒ نے حضرت قاری صاحبؒ کے پیچھے سماعت کے فرائض انجام دیئے۔ یہ یقیناً ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

اسی طرح جب مدرسہ تعلیم القرآن کھڈ والوں کو ایک قابل اعتماد قاری کی ضرورت ہوئی تو وہ دارالعلوم اسلامیہ میں اس مقصد کے لئے حاضر ہوئے۔ اس موقعہ پر حضرت قاری صاحبؒ کی نگاہ مردم شناس نے قبلہ بھائی صاحب کا انتخاب فرمایا۔ بھائی صاحبؒ کھڈ میں تقریباً ایک سال رہے۔ بعدازاں واپس آئے اور دوبارہ حضرت قاری صاحبؒ کے نائب کے طور پر کام کرتے رہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کو بھائی صاحب قبلہ پر بہت زیادہ اعتبار تھا بعض اوقات اپنے ذاتی مسائل بھی آپ سے

ذکر کرتے۔ حضرت قاری صاحب جس جلسہ میں' محفل قراءت میں یا کسی اور تقریب میں تشریف لے جاتے قبلہ بھائی صاحب ساتھ ساتھ ہوتے۔

دارالعلوم اسلامیہ میں حضرت قاری صاحبؒ کی جو ڈاک آتی اس کے جوابات حضرت قاری صاحبؒ قبلہ بھائی صاحب سے ہی لکھواتے کیونکہ قبلہ بھائی صاحب ایک اچھے خوشنویس بھی تھے اور ان کا خط حضرت قاری صاحبؒ کو بہت پسند تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ نادر و نایاب کتب برائے علوم تجوید و قراءت کے بے حد شائق تھے ذاتی کتب خانے میں بہت سی نادر و نایاب کتب تھیں اور ایسی کتب کو نہایت عزیز اور احتیاط سے رکھنا ایک قابل فہم بات ہے لیکن حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے کتب خانے سے بلا تکلف استفادے کی اجازت بھائی صاحب کو دے رکھی تھی۔ اب بھی بھائی صاحبؒ کے کتب خانے میں ایسی بہت سی کتب کی نقول ہیں جو انہوں نے حضرت قاری صاحبؒ کی کتب سے کی ہیں اور کتاب نقل کرنے کے بعد حوالہ دیا ہے کہ یہ کتاب میرے مشفق اور مہربان استاذ نے مجھے مطالعے کے لئے عنایت فرمائی اور بعدازاں ان کی اجازت سے میں نے اسے اپنے پاس نقل کیا۔

حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ سہارنپوری جو ہمارے حضرت قاری صاحبؒ کے بڑے بھائی ہیں۔ ان کی ایک تصنیف "تیسیر التجوید" بڑی مشہور خلائق کتاب ہے اور عموماً مدارس تجوید میں داخل نصاب ہے اس پر بھائی صاحبؒ نے ایک حاشیہ "حواشی مفیدہ" کے نام سے بھی لکھا ہے۔

کہنے کی بات یہ ہے کہ حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ نے ایک کتاب "القول الجمیل" کے نام سے تالیف فرمائی۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کے چھپنے کی نوبت آتی حضرت قاری صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ بعدازاں اس کتاب کو استاذ محترم حضرت قاری صاحبؒ نے چھپوانے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے مسودہ کی تصحیح و تبویب کا کام حضرت قاری صاحبؒ نے بھائی صاحب قبلہ کے ہی سپرد کیا۔ اس بات کا تذکرہ بھائی صاحبؒ نے تیسیر التجوید کے حواشی میں ذکر بھی کیا ہے جو کچھ یوں ہے۔

"افسوس مولف کے وصال ہو جانے کی وجہ سے ان کی حیات میں یہ کتاب نہ چھپ سکی مولف مرحومؒ کے انتقال کے بعد ان کے برادر خورد استاذنا حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ نے اس کتاب کو طبع کرنے کا ارادہ فرمایا۔ لیکن تاخیر در تاخیر ہوتی چلی گئی اور وجہ یہ تھی کہ یہ کتاب مسودہ کی شکل میں تھی حک و اضافہ کی نیت سے مولف مرحومؒ نے جگہیں چھوڑ رکھی تھیں' ایک جزء' حضرت استاذؒ نے کمترین سے بھی صاف کروایا تھا کتاب ابھی اس تبییض کے مرحلوں میں ہی تھی کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ بھی وصال فرما گئے اور طباعت نہ ہو سکی۔" (تیسیر التجوید ص ۱۳ مطبوعہ قراءت اکیڈمی)

۱۹۵۸ء میں حضرت قاری صاحبؒ نے دارالعلوم اسلامیہ سے علیحدگی اختیار فرمائی اور مزنگ میں لٹن روڈ پر مدرسہ دارالترتیل والقرآن کے نام سے اپنے مدرسے کی بنیاد رکھی اس واقعہ کے ایک ڈیڑھ مہینہ بعد ہی قبلہ بھائی صاحبؒ

نے بھی مدرسہ دارالعلوم اسلامیہ کو چھوڑ دیا۔

حالانکہ حضرت قاری صاحبؒ نے قبلہ بھائی صاحب کو کہا کہ اگر آپ مدرسے میں کام جاری رکھیں تو بہتر ہے کیونکہ آپ عیالدار ہیں فوری طور پر ملازمت کا بندوبست ہونا مشکل ہو گا لیکن بھائی صاحبؒ کی جانثار طبیعت نے یہ گوارہ نہ کیا اور مدرسہ چھوڑ دیا۔

بعدازاں قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب اور بھائی صاحبؒ نے مدرسہ تجوید القرآن چینیانوالی مسجد میں تدریس کا شعبہ سنبھال لیا۔

یہاں یہ عرض کرتا چلوں کہ دارالعلوم اسلامیہ والوں نے بھائی صاحبؒ سے یہ عرض کیا کہ آپ مدرسہ ہذا کا تجوید و قراءت کا شعبہ سنبھال لیں اس سلسلے میں جو ترغیبات وغیرہ بھائی صاحب کے گوش گزار کئے گئے اس کی تفصیل بہت لمبی ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں لیکن قبلہ بھائی صاحبؒ نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ جو جگہ میرے استاذ محترم چھوڑ چکے ہوں اس پر میں کسی صورت میں بھی بیٹھنا مناسب نہیں سمجھتا ہوں۔

بہت سے کینہ پرور حضرات نے اس موقع پر حضرت قاری صاحبؒ اور بھائی صاحبؒ کے تعلقات خصوصی کو بگاڑنے کی سازشیں کی لیکن ان کو متاثر نہ کر سکے۔ حضرت قاری صاحبؒ پرانی انار کلی کی رہائش ترک فرما کر سمن آباد ملتان روڈ پر واقع کوٹھی میں اٹھ آئے۔ بھائی صاحبؒ اور راقم گاہے بگاہے وہاں حاضر ہوتے رہتے۔

۱۹۵۹ء میں ۳۰ دسمبر بروز منگل حضرت امام القراء و المجودین اس دنیائے فانی سے رحلت فرما کر اعلیٰ علیین میں تشریف لے گئے۔ میرے اور بھائی صاحبؒ کے لئے تو عالم تاریک ہو گیا۔ مینارہ نور و ہدایت ہم سے جدا ہو گیا اور چشمہ علوم و فیوض بند ہو گیا۔ یہ ایسا جانکاہ واقعہ ہے جو میرے دل و دماغ پر آج تک نقش ہے۔ اس سے قبل میں حضرت حکیم الامتؒ کی رحلت کے جان گسل واقعہ بھی دیکھ چکا تھا۔

۱۹۶۰ء میں میرا دل حضرت قاری صاحبؒ کی رحلت کی وجہ سے لاہور سے اچاٹ ہو گیا اور میں حصول ملازمت کے سلسلہ میں ملتان آگیا۔ میرے آجانے سے گھر کے معاملات جو میں نے سنبھالے ہوئے تھے کافی ڈسٹرب ہوئے اور بھائی صاحب کو بھی میری کمی محسوس ہوئی لیکن میں ضروری سمجھتا تھا کہ بھائی صاحب کے بوجھ میں کچھ کمی کی جائے کہ وہ اکیلے ہم بھائی بہنوں والدین اور اپنے بیوی بچوں کا خرچ اٹھا رہے تھے اور یقیناً میری ملازمت سے ان کو کافی سہارا اور تقویت ملی۔

مقدس مسجد دھوبی منڈی پرانی انار کلی اور لاہور میں گزارے ہوئے یہ لمحات یقیناً بہت سنہری دور تھا۔ میں اور بھائی ایام رمضان کے اخیر عشرہ میں تین راتوں کا ایک شبینہ مقدس مسجد میں کرتے جس میں پانچ سپارے میں پڑھتا اور پانچ سپارے قبلہ بھائی صاحب پڑھتے اور اس طریق پر ہم پورا قرآن شریف پڑھا کرتے۔

ایک واقعہ اور بھی بہت یادگار ہے میں ایک مرتبہ مدینہ مسجد میں قرآن شریف سنا رہا تھا (یہ حضرت قاری

صاحبؒ کی حیات کا واقعہ ہے) مگر رمضان کے پہلے عشرہ میں ہی شدید بیمار ہو گیا اور تراویح میں قرآن سنانے کے قابل نہ رہا۔ بھائی صاحب قبلہ مقدس مسجد میں سنا رہے تھے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ میں قرآن تراویح میں نہیں سنا سکوں گا تو جناب قاری محمد صدیق صاحب لکھنویؒ کے پاس گئے اور سارا ماجرا کہا اور انہیں تجویز دی کہ آپ میری جگہ مقدس مسجد میں تراویح پڑھائیں اور میں مدینہ مسجد میں سرفراز کی جگہ تراویح پڑھاؤں گا۔ اتفاق کی بات کہ جناب قاری صدیق صاحب اس موقع پر کہیں قرآن نہیں سنا رہے تھے انہوں نے کمال مہربانی کرتے ہوئے اس بات کی ہامی بھرلی اور اس طرح بھائی صاحبؒ نے میری جگہ اور قاری صدیق صاحب نے بھائی صاحبؒ کی جگہ قرآن سنایا۔

۱۹۶۱ء کے وسط میں بھائی صاحبؒ بھی مقدس مسجد سے جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ منتقل ہو گئے۔ میں اس زمانے میں ملتان میں ایک سکول سے وابستہ تھا جب مجھے یہ خبر ملی تو بہت خوشی ہوئی حقیقت یہ ہے کہ پاکستان آنے کے بعد بھائی صاحب نے بہت زیادہ محنت کی۔ معمولی تنخواہوں پر کام کیا بہت سی جگہوں پر بیک وقت کام کرتے رہے لیکن ہم گھر والوں کو کبھی تنگی ترشی میں زندگی بسر نہ کرنے دی۔ ۱۹۶۲ء میں محترم جناب والد صاحبؒ کا انتقال میرے یہاں ملتان میں ہی ہوا۔ قبلہ بھائی صاحب کو لاہور اطلاع کی گئی تو وہ ملتان آئے اور نماز جنازہ پڑھائی۔ والد صاحب وہیں ملتان میں مدفون ہیں۔

۱۹۶۳ء میں میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا۔ بارات سرگودھا گئی جس میں سفر کے دوران ہم سفروں نے بھائی صاحب کی علمی نیز پرلطف باتوں سے بہت حظ اٹھایا۔ اس سفر میں قاری احمد میاں تھانوی صاحب' مولانا مشرف علی تھانوی صاحب وغیرہم بھی ہم سفر تھے وہ بھی یقیناً اس سفر کو محو نہ کر پائیں ہوں گے۔

۱۹۶۴ء کے بالکل شروع میں بھائی صاحب مدرسہ تجوید القرآن چینیانوالی مسجد سے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور منتقل ہو گئے۔ یہ مدرسہ بڑے علم پرور لوگوں کی آماجگاہ رہا ہے۔ اس کا سنگ بنیاد حضرت قبلہ استاذ المحترمؒ نے رکھا اور بانی حضرت قبلہ قاری فضل کریم صاحبؒ جیسے ولی اللہ وقت تھے۔ بعدازاں شعبہ تجوید و قراءت میں حضرت قاری محمد شریف صاحبؒ' حضرت قاری عبدالماجد ذاکر صاحب دام مجدہ اور قاری حسن شاہ صاحب جیسے اکابرین فن کام کرتے رہے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ بھائی صاحب جنہوں نے یہاں کم و بیش ستائیس سال کے طویل عرصہ تک کام کیا نے وہ وہ مایہ ناز شہسوار و مایہ ناز قراء شاگرد پیدا کئے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ یقیناً اس دور کو مدرسہ تجوید القرآن کا انتہائی مثالی دور قرار دیا جا سکتا ہے۔

۶۵-۱۹۶۴ء میں میں بھی ملتان سے اسلام آباد منتقل ہو گیا۔ ۱۹۶۹ء میں بھائی صاحب عالمی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ کوالالمپور ملائیشیا میں بطور منصف کے گئے۔ ۱۹۸۱ء میں جب جنرل ضیاء الحق صاحب نے جامعہ اسلامیہ اسلام آباد قائم کی تو اس میں قراءت کے شعبے میں بھائی صاحب کا انتخاب ہوا۔ یہاں بھائی صاحب نے مشرق وسطیٰ' عرب اور مصر و دیگر بلاد عربیہ کے مایہ ناز اساتذہ کے ہمراہ تدریسی فرائض انجام دیئے اور نہ صرف علوم تجوید و قراءت بلکہ علوم

تفسیر' علوم حدیث اور علوم فقہ کی بھی تدریس کی۔ ان متفرق علوم کی تدریس گوناگوں سے یقیناً بھائی صاحب کی علمی قابلیت مسلم ہوتی ہے۔

یہ ایک مختصر اور جستہ جستہ باتوں پر مشتمل کچھ نامکمل سی یادیں ہیں جو میں آپ کے سامنے عزیز احمد سلمہ کی ضد اور فرمائش پر تحریر کر رہا ہوں۔ مجھے احساس ہے کہ بھائی صاحب کی علمی قابلیت اور میری ان کے ساتھ بے تحاشہ محبت اس سے کہیں زیادہ تفصیل اور مزید واقعات کی متقاضی ہے۔ لیکن یادوں کے ہجوم بے کراں اور اشک کا سیل رواں اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ لکھنے بیٹھتا ہوں تو لکھا نہیں جاتا اور دماغ سن اور ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ بھائی صاحب ہمارے لئے ایک مضبوط سائبان اور گھنے سایہ دار شجر کی مانند تھے اور یہ حقیقت بھی ہے کیونکہ جیسے ہی بھائی صاحب اس دنیائے فانی سے رخصت ہوئے مصائب نے یلغار کر دی۔ بھائی صاحب کی رحلت کے اکیس دن بعد ۷ جنوری ۱۹۹۲ء کو میری سب سے چھوٹی بہن کا انتقال ہو گیا۔ پھر ۵ فروری ۱۹۹۳ء کو میری واجب الاحترام والدہ ماجدہ محترمہ اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ گئی اور تین چار دن بعد ہی ۱۰ فروی ۱۹۹۳ء کو میری بڑی بہن (بھائی صاحب سے چھوٹی) اس دنیا سے رخصت ہوئیں۔ اس قدر عزیز و غمگسار رشتہ داریوں کے حامل انسانوں کا جدا ہو جانا اور وہ بھی یکے بعد دیگرے ایک زبردست سانحہ سے کم نہیں ہے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بھائی صاحب' ان کے والدین اور مرحومہ بہنوں کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت فرمائیں اور ان کے اساتذہ کرام اور دیگر عامتہ المسلمین کو جو اس دنیا سے ایمان و دین کی سلامتی سے رخصت ہو چکے ہیں ان کو بھی اس نعمت سے سرفراز فرمائیں۔ آمین

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت تواب الرحیم

□□□

میرے بھائی اور شفیق دوست

استاذ القراء حضرت
قاری عبدالوہاب مکی
صاحب دامت برکاتھم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین الذی ارسل رسولہ محمد بن عبد اللہ بالھدی و دین الاسلام بالحق لیظھرہ علی الادیان کلہ۔ وانزل علیہ الکتاب المبین العربی ولم یجعل لہ عوجا ھدی ورحمتہ للمتقین والصلاۃ والسلام علی اشرف خلقہ و خاتم انبیائہ المبعوث رحمتہ للعلمین وعلی الہ وصحبہ الکرام البررۃ الذین حملوا امانتہ القران الکریم سالمتہ نقیتہ من کل نقص و وصلت الینا بالسند المتواتر النقی الشریف بارزۃ فیھا معجزۃ قول اللہ العظیم۔

انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون

وبعد!

اللہ تعالٰی نے الاستاذ الفاضل المولوی الحافظ قاری اظہار احمد تھانوی مرحوم کی متعدد کتابوں کے مطالعہ کی مجھے عزت بخشی۔ الاستاذ اظہار احمد جو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں "اصول الدین والدعوۃ" کے شعبہ کے استاذ تھے۔

فضیلتہ المقری اظہار احمد نے علم تجوید اور قرات سبعہ کی کتب کے تراجم اور ان کی ترتیب و تالیف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی' انہوں نے ماشاء اللہ ضرورت کے اعتبار سے طویل اور مختصر کتب اور رسائل مرتب فرمائے اور ایسی طوالت سے اپنے آپ کو بچایا جو پریشانی کا موجب ہو جہاں تک الفاظ قرآن اور اس کے حروف کی ادائیگی کا تعلق ہے تو اس سے وہی حضرات واقف ہوئے ہیں جو اس فن (ادائیگی) میں مہارت رکھتے ہوں اور اس فن شریف کے مبادیات اور انتہائی مدارج سے آگاہ ہوں اور اس نے یہ فن اکابر اساتذہ اور مشائخ فن سے مسلسل مشق کے ساتھ اخذ کیا ہو اس اعتبار سے بھی ان کا مقام و مرتبہ ماشاء اللہ خوب تھا۔

میرے بھائی اور شفیق دوست فضیلتہ المقری مرحوم نے حدیث' فقہ' صرف و نحو اور دیگر علوم مظاہر العلوم سہارنپور میں جید علمائے کرام سے حاصل کئے تھے اسی طرح انہوں نے علوم قراءت کی تحصیل بھی امام القراء حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ سے کی' اپنی طالب علمی کے دور میں وہ اپنے اساتذہ کے مقرب تلامذہ

میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت امام القراءؒ کے بھی بہت معتمد شاگردوں میں سے تھے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے کافی شاگردوں نے تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ راقم نے بھی علامہ دانیؒ کی تیسیر فی القراءت السبع اس وقت طبع کرائی جب وہ ہند و پاک میں بالکل نایاب تھی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے میرے شفیق دوست فضیلۃ المقری مرحوم نے بھی تصنیف و تالیف کا کام خوب کیا اور بہت محنت سے کیا۔ میں نے ان کی تصانیف کا مطالعہ کیا ہے ماشاء اللہ انہوں نے کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ میرے خیال میں اگر وہ تصنیف و تالیف کا کام جو انہوں نے قراءت کے شعبے میں کیا ہے اپنے آغاز سے بیس پچیس سال قبل شروع کرتے تو اپنے پیچھے ایک گراں قدر سرمایہ قراءت کے طالب علموں کے لئے چھوڑ جاتے۔ چونکہ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس سے قبل وہ درس نظامی کی تکمیل کر چکے تھے اور قراءت کی لائن کی طرف انہیں امام القراء لے کر آئے۔ لیکن اس قلیل عرصہ میں بھی انہوں نے بہت زیادہ کام سرانجام دیا۔ میں نے ان کی تحریر کردہ امانیہ شرح شاطبیہ کا مطالعہ کیا ہے یہ تشریح و توضیح میں جہاں نہایت مفید ہے وہاں غیر ضروری طوالت سے بھی خالی ہے۔

الاستاذ الفاضل مولوی حافظ قاری اظہار احمد تھانوی صاحبؒ علوم قراءت کے علاوہ علوم حدیث علوم فقہ اور تقریر و تحریر کے فنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔

میرے ساتھ ان کے نہایت قریبی و دوستانہ بلکہ برادرانہ تعلقات تھے میرے ساتھ بہت عزت و احترام سے پیش آتے اور میرا بڑے بھائیوں کی طرح احترام کرتے۔ چونکہ میں امام القراء سے ٹنڈو الہ یار میں پڑھا تھا اور ان کا ایک سینئر ساتھی بنتا تھا اس وجہ سے بھی وہ میرا بہت احترام کرتے۔ میرے ان کے ساتھ تعلقات بہت قدیمی تھے پرانی انارکلی میں جہاں وہ رہائش پذیر رہے میں اکثر ان کے گھر جایا کرتا بہت عزت و احترام سے پیش آتے خوب خاطر تواضع کرتے بہت مہمان نواز تھے۔ عالم تو ماشاء اللہ وہ تھے ہی لیکن ان کی مہمان نوازی بھی مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔

ان کے گھر میں یا باہر کبھی کوئی نشست ہوتی یا میل ملاقات کا موقع ہوتا تو بہت محبت اور خلوص سے ملتے عموماً مجھ سے فرمائش کر کے تلاوت سنا کرتے تھے اور سن کر بہت خوش ہوتے۔ قرآن سننے کا ویسے بھی بہت ذوق و شوق رکھتے تھے۔ اور لازمی امر ہے کہ جب سامع دل کی گہرائیوں سے سنے تو پڑھنے میں بھی خوب لطف آتا ہے۔ اس وجہ سے میں بھی انہیں خوب عربی لہجوں میں قرآن شریف سناتا بارہا مجھ سے اس بات کا تقاضا کرتے کہ میں فلاں فلاں لہجے میں پڑھ کر سناؤں۔ جب میرا کوئی شاگرد ملاقات کے لئے الاستاذ الفاضل مولوی حافظ اظہار احمد تھانویؒ کے پاس گیا تو عموماً" ان سے میری تعریف و توصیف کرتے اور بالخصوص اس بات کا ذکر کرتے کہ آپ کے استاذ محترم لحون عربیہ کے خوب ماہر ہیں۔ یہ ان کی تجوید و قرات میں ماہر ہونے کی دلیل ہے۔

جب میں مسجد ریاض اسلامیہ پارک پونچھ روڈ میں ہوتا تھا تو ان کی مسجد چوبرجی کوارٹر والی نزدیک ہی تھی ان سے بارہا ملاقات ہوتی کبھی میں ان کے گھر چلا جاتا کبھی وہ میرے گھر آتے غرض ان کے واقعات اس قدر ہیں جو بیان

سے باہر ہیں۔ ان کے پڑھانے کا انداز بھی بہت شاندار تھا اپنے طالب علموں پر خوب محنت کرتے اور ان کی اچھے نہج پر تعلیم و تربیت کرتے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے جو انہوں نے قرآن اور علم قرآن کے لئے کی ہیں۔

فضیلۃ المقری مرحوم کے لئے اللہ پاک کی رحمت سے امیدوار ہوں کہ ان کا یہ عمل قبول ہوگا جس کے واضح آثار سامنے ہیں اور اس فن کے اساتذہ اور طلبہ کو ان کی تالیفات سے استفادہ کی توفیق میسر ہو۔ اور اس طرح یہ سب حضرات اس حدیث کے مصداق بن جائیں جس میں ارشاد ہے کہ۔

"تم میں اچھا وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھلائے"

اے اللہ تو ہم سب کو قرآن کریم کی تلاوت کی اسی طرح توفیق عطا فرما جس طرح نسلاً" بعد نسلاً" سب کو تو نے توفیق بخشی اور یہ سلسلہ جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا۔

□□□

دیرینہ عبقری رفیق

استاذ القراء حضرت قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب
مدرسہ نظامیہ قرآنیہ
قلعہ گوجر سنگھ لاہور

میری انتہائے نگارش یہی ہے
تیرے نام سے ابتداء کر رہا ہوں

خدائے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ جس نے مرتب کو اپنے رفیق کی سوانح عمری اور عبقری شخصیت کی حیات پاکیزہ کے بکھرے ہوئے اوراق کو مجتمع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

محبت ضابطوں کی پابند نہیں ہوتی۔ اکثر اوقات ادب و احترام کی حدود سے بے خبری میں نظرانداز ہو جاتی ہے۔ میں نے شوق محبت کے باوجود انتخاب الفاظ میں احتیاط برتی ہے۔ اگر کہیں افراط و تفریط نظر آئے تو نظرانداز فرما دیجئے۔

مرتب ۳ / اپریل ۱۹۵۳ء میں خاک ہندوستان کو جب محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے خیرباد کہتے ہوئے لاہور آیا۔ عجیب بے سروسامانی کی کیفیت' نیا ماحول' نئے لوگ' کدھر جائیں' کدھر کا رخ کریں۔

دو دن اسی شش و پنج میں گزرے۔ دل نے یہی کہا کہ حضرت الشیخ استاذ القراء مولانا قاری عبدالمالک صاحب رحمتہ اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا جائے۔

یہ خیال آتے ہی دارالعلوم اسلامیہ حاضر ہوا۔ اس وقت حضرت الاستاذ پڑھانے میں مصروف تھے۔ نیک انسان درس و تدریس کی وسیع وادی میں اس طرح کھو جاتے ہیں کہ اس سے نکلنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتے۔

جس طرح نشہ شراب سے سرشار پیادہ سوار کا حکم رکھتا ہے۔ اسی طرح بادۂ عقیدت کا مخمور بھی بہت اونچی فضا میں اڑتا ہے۔ اس کی عقیدت کا مقام اتنا بلند اور وسعت اتنی ہمہ گیر ہوتی ہے کہ کل کائنات اک ذرہ خاک دکھائی دیتی ہے۔

مجھے دیکھا تو فرمایا' صدیق آگئے

اور آپ نے اپنے پاس رکھ لیا۔ ابتدائی تجوید (یعنی سال اول) پڑھانے کا حکم صادر فرمایا۔ عرض کیا کہ حضرت کا حکم سر آنکھوں پر۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات کر کے اٹھا تو دل کو اس قدر اطمینان و سکون حاصل ہوا جو بیان سے باہر ہے۔

ابتدائی تجوید میرے سپرد ہوئی۔ مدرسے پہنچا۔ دارالعلوم اسلامیہ میں اس وقت درجہ حفظ میں دو استاد قاری رونق علی اور قاری حاجی محمد دین (جو آج کل مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں ہوتے ہیں) کتب و عربیہ صرف و نحو

میں مولانا قاری اظہار احمد تھانوی۔ ابتدائی تجوید میں جناب حضرت الاستاذ کے فرزند اکبر اور میرے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ کے ہم سبق قاری محمد شاکر انور اور دوسرا راقم الحروف' حضرت استاذ الاساتذہ فضیلتہ الشیخ قاری عبدالمالک صاحب رحمتہ اللہ علیہ تجوید سال دوم' سبعہ اور عشرہ قرات کے پڑھانے کے لئے مامور تھے۔

پڑھانے کے لئے پہنچا تو پہلا کمرہ حضرت شیخ کا اس کے بعد جہاں آج کل دارالعلوم اسلامیہ کا بورڈ لگا ہوا ہے۔ وہ کمرہ مجھے ملا۔ اس کے ساتھ والے کمرے میں جو کہ ہال کمرہ ہے۔ اس میں مولانا اظہار احمد تھانوی عربی کتب پڑھاتے تھے آہستہ آہستہ ہر ایک سے تعارف حاصل ہوا۔ یوں تمام مدرسین کے ساتھ تعلقات قائم ہوگئے۔ لیکن طبیعت کا میلان اور خیالات کا رجحان قدرتی طور پر قاری اظہار احمد تھانوی سے بہت زیادہ ہوا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ موصوف بہت زیادہ ملنسار' بااخلاق' حد درجہ متواضع اور گوناگوں خصوصیات کے مالک علمی لحاظ سے تو خیر ایک بلند مقام رکھتے ہی تھے۔ لیکن اپنی انکساری کی بدولت بھی بہت ہر دلعزیز شخصیت کے مالک تھے۔ میرا اس وجہ سے بہت احترام کرتے تھے۔ کہ میں حضرت شیخ القراء قاری عبدالمالک صاحب سے ۱۹۳۸ء میں مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ سے پڑھ کر فارغ ہوا تھا۔ اور اس لحاظ سے ایک سینئر ساتھی تھا۔

۱۹۵۳ء میں جب دارالعلوم اسلامیہ میں آیا تو قاری اظہار احمد صاحبؒ روایت حفص سے فراغت حاصل کر چکے تھے۔ اور سبعہ حضرت الاستاذ سے شروع کر چکے تھے۔

قاری اظہار احمد صاحب کے دیگر ہم سبق ساتھیوں میں قاری راز محمد' قاری غلام نبی' قاری احمد دین گجراتی' مولانا حکیم عبدالحکیم' قاری حسن شاہ صاحب قابل ذکر ہیں۔ حضرت الاستاد کا فیض دارالعلوم اسلامیہ سے خوب خوب جاری ہوا۔ حضرت الاستاذ سے حصول فن کیلئے لوگوں کا ہجوم ہوا تو تجوید و قراء ت کا کام وسیع ہوا۔ ۱۹۵۴ء میں قاری محمد شاکر انور جو میرے ہمراہ تجوید سال اول کے مدرس تھے۔ مدرسہ تفہیم القرآن سرگودہا میں تجوید کے مدرس ہو کر چلے گئے۔ اور قاری اظہار احمدؒ اب میرے ساتھ تجوید سال اول کے مدرس ہوگئے۔

میں نے اور قاری اظہار احمد صاحبؒ نے تقریباً ۳ یا چار سال تک حضرت شیخ الاستاد کے نائبین کی حیثیت میں کام کیا۔ اور خاطر خواہ تعداد ہم دونوں سے سال اول میں استفادہ کرتی رہی۔ اور جب ہم ان کو ابتدائی تجوید اور مشق نیز کتب پڑھا دیتے تو یہ طلباء دوسرے سال میں حضرت شیخ الاستاد سے فارغ ہو کر سند تجوید حاصل کرتے یقیناً دارالعلوم اسلامیہ کی ان سالوں کی روئیداد میں واضح طور پر درج ہوگا کہ کون سے حضرت الشیخ کے تلامذہ ہیں جو کہ سال اول میں مجھ سے اور قاری اظہار احمدؒ سے پڑھتے رہے۔

عربی کتب میں قاری اظہار صاحب کی دسترس اور مہارت ایک قابل فہم بات تھی۔ اور کیوں نہ ہوتی کہ مظاہر العلوم سہارنپور میں انہوں نے جید علمائے کرام سے استفادہ کیا تھا۔ اور اس سے قبل اپنے بچپن کے زمانہ قیام تھانہ بھون میں وہ مدرسہ امداد العلوم میں بھی نامور اساتذہ فن سے زانوئے تلمذ طے کر چکے تھے۔

حضرت الاستاد کے بعض نامور شاگرد جنہوں نے بڑا نام پیدا کیا۔ عربی صرف و نحو میں قاری اظہار صاحب کے

شاگرد تھے۔ ان میں نمایاں نام مولانا قاری عبدالماجد ذاکر صاحب جو حضرت الاستاد کے صاحبزادے' قاری عبدالقادر بہاولپوری' قاری عزت علی' قاری صدیق کیمبل پوری جو اس وقت لندن میں ہیں شامل ہیں۔

قاری اظہار صاحب ایک نہایت ذکی فہم' جادہ شناس' حقیقت طلب اور علمی شخصیت کے مالک تھے۔ عربی کتب درسیہ ہوں' علوم تفسیر القرآن ہو مسائل فقہ ہوں' غرضیکہ علوم عقلیہ و نقلیہ پر کامل عبور رکھتے تھے۔ برجستہ جواب دینے کا فن وسعت مطالعہ کی بے پناہ قوت' اپنے شاگردوں کو علمی لحاظ سے مطمئن کرنا یہ اوصاف تھے جو خال خال ہی کسی فرد واحد میں پائے جاتے ہیں۔

اس کا مکمل ثبوت اور واضح دلیل دارالعلوم اسلامیہ کے دوران تدریس کتب عربیہ کا زمانہ ہے جب ہر شاگرد ان سے مکمل طور پر مطمئن ہو کر گیا۔ اور زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں پڑھا رہے تھے۔ تو جوہر قابل کھل کر اور نمایاں ہوئے۔ اسلامی یونیورسٹی میں علوم قراءت کے علاوہ علوم حدیث میں مسلم شریف اور علوم فقہ میں مشہور زمانہ فقہ کی کتاب "ہدایہ" بھی پڑھاتے رہے۔ نیز اسلامی اقتصادیات کے متعلق بھی یونیورسٹی میں ان کی گرانقدر خدمات رہیں۔

علوم قراءت کا میں بالخصوص الگ ذکر کروں گا۔ کیونکہ قاری اظہار صاحب اس میں جس مقام پر پہنچے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاستاد کے تلامذہ میں جو مقام علمی لحاظ سے انہیں حاصل تھا۔ وہ اور کسی کو حاصل نہ ہوا۔

حضرت شیخ کے تلامذہ میں ان کو ہر اعتبار سے فوقیت حاصل ہے۔ اور اس کا مشاہدہ تو میں نے بارہا کیا۔ کہ حضرت الشیخ قاری عبدالمالک صاحبؒ آپ کی علمی قابلیت پر بہت بھروسہ اور اعتماد فرماتے۔ قاری اظہار صاحب کے علوم کے معترف حضرت شیخ بھی تھے۔ بلکہ بعض اوقات اپنے گھریلو اور دیگر مسائل بھی قاری اظہار صاحب سے مشورہ کے طور پر ذکر فرماتے تھے۔ حضرت الشیخ کو قاری اظہار صاحب کے تبحر علمی پر کس قدر اعتماد تھا۔

ایک واقعہ گوش گزار کرتا ہوں۔ تفصیل میں جانے سے پہلے تمہیداً بیان کرتا ہوں۔ کہ حضرت الاستاذ شیخ العرب والعجم قاری عبدالمالک صاحبؒ نور اللہ مرقدہ سے استفادہ کرنے کے بعد قاری پیدا نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ ان کے شاگرد مقری (قاری بنانے والے) ہوتے تھے۔ جو بعد میں استاد الاستاذہ اور شیخ القراء کے القابات سے نوازے جاتے تھے۔ خیر کسی وجہ سے ایک دن حضرت الاستاد دارالعلوم اسلامیہ پڑھانے کے لئے تشریف نہ لا سکے۔ دوسرے دن مدرسے تشریف لائے۔ تو حضرت الشیخ سے ایک صاحب نے عرض کی۔ حضرت کل ایک مسئلہ میں بہت ذہنی دشواری اٹھانا پڑی۔ حضرت الاستاد نے دریافت فرمایا کیا مسئلہ پیش آگیا تھا۔

انہوں نے عرض کی۔ حضرت میں سوچ رہا تھا کہ لن اضطر میں اگر فن پر وقف کیا جائے تو آگے اضطر سے کیسے شروع کیا جائے گا۔

حضرت شیخ نے ان صاحب کو جواب بتایا۔ اور پھر فرمانے لگے تم میری عدم موجودگی میں پریشان کیوں ہوتے

رہے۔ اور قاری اظہار صاحب کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ یہ مولوی اظہار یہاں موجود تھے ان سے پوچھ لینا تھا۔

میری رائے کے مطابق حضرت الشیخ کا فیض پاک و ہند میں خوب پھیلا۔ اور حضرت الشیخ کے کثیر تلامذہ کی تعداد کے بعد قاری اظہار صاحب کے تلامذہ کی تعداد حضرت الشیخ کے دیگر تلامذہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ اس تعداد مین میرے خیال سے ابھی مزید بہت اضافہ ہوتا۔ اگر قاری اظہار صاحب مدرسہ تجوید القرآن یا تجوید کے کسی اور مرکزی ادارے میں رہتے۔ گو اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد چلے جانے کے بعد وہ شاطبیہ اور دیگر فنی کتب کا درس دیتے رہے۔ اور ان کا فیض .بفضلہ تعالیٰ دیگر ممالک میں پہنچا۔

۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۷ء میں تقریباً ایک سال کیلئے کھڈ ضلع کیمبل پور میں واقع مدرسہ تعلیم القرآن میں بھی قاری اظہار صاحب بطور استاد تجوید کام کرتے رہے۔ لیکن پھر وہاں سے واپس آگئے۔ اور دوبارہ ابتدائی تجوید کے مدرس کے طور پر دارالعلوم اسلامیہ میں کام شروع کر دیا۔

حضرت الاستاد حضرت جناب قاری عبدالمالک صاحب نے جب ایک مرتبہ مدینہ مسجد پرانی انار کلی میں قرآن شریف رمضان میں سنایا تو سماعت کے لئے حضرت الاستاد نے قاری اظہار صاحب کو ہی مقرر فرمایا۔ ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت الاستاد اپنے اس قابل اور لائق شاگرد پر کس قدر اعتماد فرماتے تھے۔

جب ہم دونوں حضرت مولانا محمد داوٗد غزنوی کی دعوت پر مسجد چینیانوالی میں تجوید کی درس و تدریس کے لئے آئے چونکہ مسجد اہل حدیث حضرات کی تھی اور اہل حدیث حضرات اولین وقت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ عموماً" یہ ہوتا کہ اذان ہوتی اور جماعت میں ہم لوگ بھی شامل ہو جاتے اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ تدریسی مصروفیت کی وجہ سے جماعت میں شامل نہ ہو پاتے۔ ایسے ہی ایک دن ظہر کی اذان کے بعد جماعت کھڑی ہو گئی۔ ایک نمازی تشریف لائے۔ مجھے جو بیٹھے دیکھا تو کہا "**من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر**" یہ حدیث پڑھی۔ مجھے یہ سن کر شدید غصہ آیا۔ میں نے کہا عجیب مصیبت ہے یہاں کوئی تو ہمیں تارک صلوۃ بنا رہا ہے اور کبھی ہم پر کفر کے فتوے جڑے جا رہے ہیں۔ قاری اظہار صاحب سے بھی واقعہ ذکر کیا' نہایت صبر و تحمل اور اطمینان سے مجھ سے کہنے لگے قاری صاحب یہ تو جاہل اور کم علم آدمی تھا۔ آپ کیوں اس کی بات کا اثر لیتے ہیں۔ میں نے غصے کے عالم میں کہا نہیں جی آپ یہ مسئلہ حضرت مولانا داوٗد غزنوی صاحب سے بیان کریں میرے شدید اصرار پر قاری اظہار مرحوم نے یہ بات ان کے گوش گزار کی۔ ماشاء اللہ صاحب علم تھے۔ فرمانے لگے قاری صاحب آپ لوگ کس کی باتوں پر اثر لے رہے ہیں۔ کم علم اسے کیا معلوم تارک صلوۃ کون ہوتا ہے۔ میری نظر میں آپ کا جو مقام ہے وہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔

دارالعلوم اسلامیہ کا پہلا جلسہ تقسیم اسناد و دستار بندی مدینہ مسجد پرانی انارکلی میں منعقد ہو رہا تھا۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم جناب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب جلسہ کے مہمان خصوصی کے طور پر مدعو تھے۔ اور پہلی دفعہ پاکستان تشریف لا رہے تھے۔ واہگہ بارڈر پر ان کو لانے کے لئے مدرسہ سے میں ہی گیا تھا۔ خیر رات کو جلسے کا

پروگرام شروع ہوا تو حضرت قاری طیب صاحب کو آنے میں کچھ دیر ہوئی۔ کسی صاحب کی تجویز ہوئی کہ جب تک قاری صاحب کو آنے میں دیر ہے تلاوتیں شروع کرا دی جائیں عموماً آج کل جیسا کہ محافل میں ہوتا ہے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے یہ بات سن لی۔ فوراً فرمایا نہیں کسی کے انتظار کی خاطر قرآن نہیں پڑھا جائے گا۔ جب قاری طیب صاحب تشریف لائے۔ تو حضرت قاری عبدالمالک نے نے سارا واقعہ گوش گزار کیا۔ حضرت قاری طیب صاحب نے فرمایا۔ حضرت قاری صاحب آپ نے بالکل صحیح فیصلہ فرمایا۔ قرآن کسی کے انتظار میں نہیں پڑھا جا سکتا۔ اسی جلسہ تقسیم اسناد میں حضرت قاری اظہار صاحب کو بھی سند ملی اور دستار بندی بھی عمل میں آئی۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحب نے ۱۹۵۸ء میں دارالعلوم اسلامیہ سے استعفیٰ دیدیا۔ اس کے ایک ماہ بعد میں نے اور قاری اظہار صاحب نے بھی دارالعلوم سے استعفیٰ دے دیا۔ رجب کا مہینہ تھا۔ ہم دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ مقدس مسجد پرانی انارکلی میں مدرسہ قائم کیا جائے۔ جس میں حفظ و ناظرہ کا کام شروع ہو۔

مدرسہ کا نام زینت القرآن رکھا۔ شعبان اور رمضان ہم اس مدرسے کے سلسلے میں سرگرم رہے۔ اب مدراس چلانے کیلئے تو رقم درکار ہوتی ہے۔ چندہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ صلاحیت نہ مجھ میں تھی اور نہ قاری اظہار صاحب میں۔ دونوں مسجد میں بیٹھے ہیں۔ وہ مجھے کہتے تھے کہ چلو چندہ وغیرہ کر کے لے آؤ۔

میں کہتا کہ نہیں تم جاؤ۔ اسی شش و پنج میں یہ دو مہینے گزر گئے۔ عید کے تین چار دن بعد جامع مسجد چینیانوالی سے حضرت مولانا داؤد غزنوی صاحبؒ تشریف لائے اور ہم دونوں سے کہا کہ بھئی میں تجوید کی تدریس کے لئے آپ لوگوں کو لے جانا چاہتا ہوں۔ اور ہم دونوں چینیانوالی مسجد میں آگئے یہاں میری اور قاری اظہار صاحبؒ کی رفاقت تقریباً تین سال رہی۔ اسی دوران ۱۹۵۹ء کے آخر میں ۳۰ دسمبر کو استاذ الاساتذہ شیخ الشیوخ قاری عبدالمالک صاحبؒ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی۔ ۱۹۶۱ء میں میں چینیانوالی مسجد چھوڑ کر جامعہ اشرفیہ چلا آیا لیکن قاری اظہار صاحب بدستور چینیانوالی میں پڑھاتے رہے۔ ۱۹۶۳ء میں انہوں نے چینیانوالی کو خیرباد کہا اور حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ کے مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل میں آگئے۔ اور پھر ساری عمر یہیں پڑھایا۔ ۱۹۸۰ء میں جب اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کا آغاز ہوا تو قراءت کے شعبہ میں پورے پاکستان سے صرف قاری اظہار صاحبؒ ان کے معیار علمی پر پورے اترے۔ حقیقتاً وہ علوم قرآنی میں حضرت الشیخ قاری عبدالمالک صاحبؒ کے جانشین ثابت ہوئے۔

جہاں تک قاری اظہار صاحبؒ کے پڑھنے پڑھانے کا سلسلہ تھا نہایت چابکدستی اور روانی کے ساتھ بہت بے تکلف اور ہر لہجہ میں نہایت آسانی کے ساتھ پڑھتے ماشاء اللہ خوبصورت آواز کے مالک تھے۔ حجازی' مایہ' عشاق' حسینی غرض کوئی لہجہ ہو خوب پڑھتے۔ مصری لحون پر بھی عبور رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں ایک واقعہ مجھے حضرت الشیخ کا یاد آرہا ہے یہ اس زمانے کی بات ہے جب حضرت الشیخ مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں صدرمدرس شعبہ قراءت کی مسند پر فائز تھے۔ مدرسہ میں کوئی مصری قاری صاحب جناب مہتمم مدرسہ کے پاس تشریف لائے۔ مہتمم صاحب نے آدمی دوڑایا کہ جا کے حضرت الشیخ کو بلا لاؤ۔ اتفاقاً حضرت الشیخ اس وقت گھر میں تیل میں پکا ہوا کوئی پکوان کھا رہے

تھے پیغام ملا تو فوراً مدرسے تشریف لائے۔ ان مصری قاری صاحب نے حضرت الشیخ سے قرآن سنانے کی فرمائش کی حضرت نے جواباً فرمایا میں ذرا چل کر آرہا ہوں میرا سانس درست ہو اس لئے پہلے آپ تلاوت فرمائیں ان مصری قاری صاحب نے پڑھا اور اس کے بعد حضرت الشیخ نے بھی انہی کے لہجہ میں پڑھا بلکہ ان سے کہیں بہتر پڑھا اور آواز کے اتار چڑھاؤ سے ان کی خامیوں پر بھی انہیں مطلع کر دیا۔ تو یہ اخذ کرنے اور فوراً ادراک کی ایک زبردست صلاحیت ہوتی ہے جسے حضرت الشیخ نے استعمال کیا۔ حضرت الشیخ جیسی صلاحیت سے قاری اظہار صاحب بھی مالا مال تھے اور مختلف لہجوں کو بعینہ اسی طرح پڑھ دینا انہوں نے اپنے استاد جلیل سے ہی سیکھا تھا۔ مسائل کو سمجھنے میں بھی ان کا ذہن خوب چلتا تھا اور ان سے مسائل کا استنباط ان کی ایک غیر معمولی خوبی تھی۔ ان کی تصانیف نہایت محققانہ، علمی عام فہم اور لوگوں میں نہایت مقبول و متداول حیثیت رکھتی ہیں۔ حضرت شیخ قاری عبدالمالک صاحبؒ کے تلامذہ میں قاری حبیب اللہ صاحبؒ کراچویؒ، قاری محمد شریف صاحبؒ لاہوریؒ اور قاری اظہار احمد تھانویؒ صاحبؒ نمایاں مقام کے حامل ہیں جن کی تصانیف منصہ شہود پر آئیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ تصانیف قاری اظہار صاحبؒ کی ہیں۔

حدیث میں اخلاق محمدی، فقہ میں پیغام رمضان اور تجوید میں خلاصۃ التجوید، جمال القرآن، تیسیر التجوید اور مجموعہ نادرہ کے حواشی، الجواھر النقیہ شرح المقدمۃ الجزریہ، الحواشی المفہمہ جو علامہ جزری کے صاحبزادے کی تحریر کردہ مقدمہ کی شرح ہے اس کا اردو ترجمہ مولانا قاری اظہار صاحب نے کیا۔ تقویم صلوۃ اور قراءت میں شاطبی کی شرح شاطبیہ اور امانیہ شرح شاطبیہ، توضیح المرام فی وقف حمزہ و ہشام، تنشیط الطبع فی اجراء السبع کے حواشی، درۃ کی شرح اور رائیہ کی شرح بہت نمایاں ہیں اس کے علاوہ بہت سی کتب وہ نامکمل چھوڑ گئے۔

قاری اظہار صاحب کی زندگی خیر کم من تعلم القران و علمہ کی بہترین تشریح ہے وہ اپنے پیچھے ایک صدقہ جاریہ تلامذہ کی شکل میں چھوڑ گئے جو ایک بہت بڑی تعداد میں ان سے فیض یاب ہو کر اب مزید ان کے فیوض کو پھیلا رہے ہیں۔ اور دوسرے ان کی محققانہ تصانیف ہیں جو علوم کے میدان میں طلباء کے لئے نہایت معاون ثابت ہو رہی ہیں۔ خدمت قرآن ایک بہت بڑی سعادت ہے اور اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو انہیں بھی عطا ہوا۔ اس کتاب عظیم کو پھیلانے میں قاری اظہار صاحب مرحوم اور دیگر خادمین قرآن نے اپنی زندگیاں اس کے لئے وقف کیں انشاء اللہ جب تک قرآن پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کا سلسلہ چلتا رہے گا اللہ تعالیٰ ان خادمین قرآن کو ثواب سے فیض یاب فرماتے رہیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قاری اظہار صاحبؒ پر ان کے اساتذہ پر ان کے ساتھیوں پر جو اس دنیا سے اٹھ گئے رحم و کرم فرمائے اور ہم لوگوں کو بھی قرآن پڑھنے پڑھانے کی توفیق عطا فرمائے۔ کہ ہم لوگ **ورتل القران ترتیلا** کے مصداق خود بھی قرآن عربی لب و لہجہ، مخارج اور صفات کی عمدہ ادائیگی کے ساتھ پڑھتے رہیں اور دوسروں کو بھی اس کی تعلیم دیتے رہیں۔ آمین

❑❑❑

آسمان تجوید و قراءت کا درخشندہ ستارہ

استاذ القراء حضرت
مولانا قاری عبدالماجد ذاکر صاحب
ریاض، سعودی عرب

یہ تقریر حضرت مولانا قاری عبدالماجد ذاکر صاحب نے حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کی یاد میں منعقدہ تعزیتی اجلاس جو ۱۹ / دسمبر۱۹۹۱ء بروز جمعرات کو ریاض سعودی عرب میں ہوا تھا اس اجلاس میں کی تھی۔

عزیزان محترم!

آج ہمارا یہ اجتماع ایک ایسی عظیم شخصیت کی یاد میں منعقد ہوا ہے جس کو بلاشبہ آسمان تجوید و قراءت کا درخشندہ ستارہ کہا جا سکتا ہے۔ اب سے ساٹھ سال پہلے حافظ اعجاز احمد رحمتہ اللہ علیہ کے گھر میں جس بچے نے جنم لیا تھا اور اس عالم رنگ و بو میں آنکھ کھولی تھی کسی کو یہ معلوم نہ تھا کہ یہ بچہ دین اسلام کی خدمت کا وہ ممتاز ستون بن کر ابھرے گا کہ جس کی خدمات سے ایک عالم مستفید ہو گا۔

وہ بچہ جس نے تھانہ بھون کی گلیوں میں بزرگوں کی خدمت میں رہتے ہوئے نشوونما پائی۔ حضرت مولانا تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ مظاہر العلوم سہارنپور کی علمی درسگاہ میں اساطین ادب سے خوشہ چینی کی۔ ادب میں اس کو اللہ تعالیٰ نے دستگاہ عطا فرمائی تھی۔ اردو زبان ہو یا عربی اور فارسی تینوں زبانوں میں ماہرانہ قدرت کے ساتھ اس کو اللہ تعالیٰ نے شعور عطا فرمایا تھا۔ جہاں اس ہستی میں یہ کمال تھا وہاں ہی ہم دیکھتے ہیں کہ خطابت میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ میں چشم دید گواہ ہوں اس بات کا کہ پرانی انارکلی کی مسجد میں جہاں وہ خطابت کے فرائض انجام دیتے تھے ایک مرتبہ جمعہ کی تقریر میں موضوع تھا ان تین صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کا جو غزوہ تبوک میں جانے سے رہ گئے تھے۔

قرآن شریف کی آیت۔

وعلی الثلثۃ الذین خلفوا حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت وضاقت علیھم انفسھم وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ ثم تاب علیھم لیتوبوا ان اللہ ھو التواب الرحیم ○

اس آیت کو بنیاد بنا کر حضرت مرحومؒ نے تقریر کی تو بلاشبہ لوگوں کی ہچکیاں بندھی ہوئی تھیں۔ انداز بیان اس قدر زبردست تھا گویا چودہ سو سال پیشتر ہونے والا واقعہ ہماری آنکھوں کے سامنے پھرتا تھا۔

جہاں تک ان کی للہیت کا تعلق ہے اور تقویٰ اور طہارت کی بات ہے اس میں بھی بہت اونچے مرتبہ پر تھے جس پر ہم صرف رشک اور اس کی تمنا ہی کر سکتے ہیں۔ جہاں تک حضرت مرحومؒ کی خوش خلقی اور کریمانہ اخلاق کی

بات ہے اس میں بھی ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ان تمام خوبیوں کے باوجود جو چیز ان کو اقران میں ممتاز کرتی تھی وہ ان کا عجز اور خاکساری تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جتنے علوم عطا فرمائے تھے وہ اتنے ہی متواضع تھے۔ اس درخت کی مانند جو پھلوں سے لدا ہوا ہے اور اس کی شاخیں زمین کی طرف جھکی جا رہی ہوں۔

من تواضع للہ رافع ھو اللہ۔ اس کا وہ چلتا پھرتا نمونہ تھے۔

حضرت والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے آخری ایام میں ان کی عمر کا جو آخری وقت لاہور میں گزرا تو اس دور میں جن حضرات نے ان سے خوشہ چینی کی اور بھرپور انداز سے ان سے استفادہ کیا حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ ان میں بھی ممتاز نظر آتے ہیں۔ ان کے ساتھیوں میں قاری شریف صاحبؒ' قاری حسن شاہ صاحب' قاری اسلم صاحب بلوچیؒ' قاری غلام النبی صاحبؒ اور قاری عبدالوہاب مکی صاحب اور بہت سے وہ حضرات شامل تھے جو اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔

ان چراغوں سے ہزاروں چراغ روشن ہوئے اور دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی خدمات کو قبول فرمائے اور قیامت میں ہم کو اپنے اساتذہ کے ساتھ' اپنے بزرگوں کے ساتھ اور خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور ہم نشینی کا شرف جنت الفردوس میں عطا فرمائے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحبؒ کو اور ان کے اساتذہ کرام اور ان کے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے نوازے اور جو ان کی روحانی اولاد باقی ہے ان کو بھی ان کے رستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

□□□

وہ مدارس اور ادارے جہاں حضرت شیخ القراءؒ نے تحصیل علم کی

ا۔ مدرسہ امداد العلوم (تھانہ بھون)

خانقاہ امدادیہ سے ملحقہ یہ مدرسہ علوم عربیہ کا ایک بہت پرانا مرکز ہے جو غالباً شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے قیام تھانہ بھون کے عرصہ میں قائم کیا گیا حضرت شیخ القراءؒ اس مدرسے میں تقریباً ۶ سے ۸ سال کے عرصہ تک پڑھے۔ یہاں سے حفظ قرآن پاک اور عربی و فارسی کی کتب پڑھیں۔ حکیم الامت حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانویؒ نے اپنے تجوید کے منظوم رسالے "یادگار حق القرآن" میں اس مدرسے کا ذکر کچھ یوں کیا ہے۔

بعد اس کے سن کہ امداد العلوم　　　مدرسہ دینی ہے یاں اے ذی فہوم

اس شعر کے حواشی میں حضرت شیخ القراءؒ لکھتے ہیں۔

"امداد العلوم یہ وہی مدرسہ ہے جس کو خانقاہ امدادیہ بھی کہا گیا' حضرت شیخ الاولیاء حاجی امداد اللہ صاحب کے نام نامی پر یہ نام رکھا گیا قبل از ہجرت ۱۸۵۷ء حضرت موصوف رحمہ اللہ کا قیام اسی جگہ ہوتا تھا۔

راقم الحروف نے اسی مدرسہ میں قرآن مجید حفظ کیا' فارسی' خوشخطی' حساب اور عربی تا شرح جامی اسی مدرسہ میں پڑھی' حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمتہ حیات تھے' سالکین و علماء وقت کی حاضری کی وجہ سے ہجوم ہوتا تھا' اب یہ خانقاہ سنسان ہے۔

ـ　سدا رہے نام اللہ کا۔۔۔ حضرت مولانا کی وفات فروری ۱۹۴۳ء میں ہوئی۔

(مجموعہ نادرہ ص ۴۴)

حضرت شیخ القراءؒ نے یہاں جن اصحاب باکمال سے پڑھا اس کی ترتیب و تفصیل کچھ یوں ہے۔

اولاً قرآن پاک حفظ کیا۔ ڈھائی تین سال میں اس سے فراغت ہوئی استاذ قرآن حضرت خلیفہ اعجاز احمد صاحبؒ تھے۔ بعدازاں فارسی کا مروجہ نصاب تین سال میں مکمل کیا۔ فارسی کے استاذ مولانا محی الدین بنگالی فاضل دارالعلوم دیو بند (بعدازاں مفتی دارالعلوم ڈھاکہ بنگلہ دیش) تھے۔ تیسرے سال میں فارسی کی بڑی کتابوں کے ساتھ تاریخ' سیرت مبارکہ اور حساب مولانا محمد شریف صاحبؒ سے پڑھا اور خوشخطی مولانا محمد عمران صاحب مرحومؒ سے سیکھی جو ماہنامہ رسالہ "النور" کے کاتب تھے۔ ابتدائی عربی ہدایتہ النحو تک مولانا امیر احمد صاحب میرٹھیؒ سے پڑھی۔ ادب' منطق اور فقہ کی ابتدائی کتب مولانا مدثر صاحب بنگالیؒ سے پڑھیں۔ کافیہ' فصول اکبری' نفحتہ الیمن' حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتھم سے پڑھیں۔ شرح جامی' اصول الشاشی' قدوری۔ کنزالدقائق شرح تہذیب اور قطبی وغیرہ مولانا محمد شریف صاحبؒ سے مکمل کیں"

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات تالیف از سید محمد شاہد سہارنپوری ص ۴۹۹)
یاد رہے کہ اس مدرسے سے ۱۲-۱۹۱۱ء میں حضرت امام القراء مولانا قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ بھی وابستہ رہے ہیں اور مشہور صاحب تصنیف قاری محمد یامین صاحبؒ بھی اس مدرسہ سے کافی عرصہ منسلک رہے ہیں۔

۲۔ مدرسہ مظاہر العلوم (سہارنپور)

یہ وہ مادر علمی ہے جہاں حضرت شیخ القراءؒ نے نامور علمائے حق سے زانوے تلمذ طے کیا۔ یہ مدرسہ جو کہ یکم رجب المرجب ۱۲۸۳ھ مطابق ۹ نومبر ۱۸۶۶ء کو معرض وجود میں آیا اس تاریخی واقعے کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ اس طور پر بیان کرتے ہیں۔
"عرصہ کے ذکر تذکرہ اور تمنا و خواہش کے بعد دفعتہ تاریخ مذکور میں مولانا سعادت علی صاحبؒ فقیہ سہارنپور کو جوش و ولولہ پیدا ہوا اور چوک کی مسجد میں مدرسہ کی بنیاد ڈال دی اور مولانا سخاوت علی صاحب انبٹھویؒ کو جو پہلے انبٹہ میں پڑھایا کرتے تھے عشاہرہ تیرہ روپے ماہانہ مدرس عربی مقرر فرمایا" (تاریخ مظاہر جلد اول ص ۵)
اس عظیم الشان علمی درسگاہ کے اساتذہ و فارغین کا ذکر یقیناً اس محدود مضمون میں کرنا ناممکن ہے بطور تبرک صرف نام تحریر کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔
مولانا سخاوت علی صاحب انبٹھویؒ، مولانا سعادت حسین صاحب بہاریؒ، مولانا احمد حسن صاحب کانپوریؒ، مولانا صدیق احمد صاحبؒ، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سہارنپوریؒ، حضرت مولانا قمرالدین صاحب سہارنپوریؒ، مولانا مشتاق احمد صاحب انبٹویؒ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ مدنی، حضرت مولانا شاہ محمد اسعداللہ صاحبؒ، حضرت مولانا امیرباز خاں صاحب سہارنپوریؒ، مولانا عبدالقدیر صاحب دیوبندی، مولانا شبیر علی صاحب تھانویؒ، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھیؒ، مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ، مولانا قاری سعید احمد صاحب اجڑاڑویؒ اور دیگر بہت سے نامور فضلا و علماء وقت جن کے نام میں مجبوراً تنگی صفحات کی وجہ سے ترک کر رہا ہوں۔ (ماخوذ از علمائے مظاہر العلوم)
اب پلٹتا ہوں دوبارہ حضرت شیخ القراءؒ کی جانب! "آپ نے یہاں ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں داخلہ لیا۔ داخلہ کے امتحان میں بڑے اچھے نمبروں سے پاس ہوئے اس پہلے سال میں آپ نے شرح وقایہ، نور الانوار، تعلیم المتعلم، مختصر المعانی اور سلم العلوم کی کتب پڑھیں۔ ۱۳۶۴ھ میں آپ نے ملا حسن، ہدایہ اولین، مقامات حریری، میبذی، ملا جلال، میر زاہد، سراجی، سبعہ معلقہ پڑھیں۔ ۱۳۶۵ھ میں جلالین شریف، شرح عقائد، مشکوۃ شریف، مقدمہ مشکوۃ، شرح نخبہ اور امور عامہ پڑھیں۔ ۱۳۶۶ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھا۔ کتب صحاح میں آپ کے اساتذہ مع کتب کے اس طرح تھے۔ بخاری جلد اول اور ابو داؤد شریف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، بخاری جلد ثانی و

ترمذی حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ، مسلم شریف و طحاوی از مولانا منظور احمد خاں صاحبؒ، نسائی و ابن ماجہ از مولانا شاہ محمد اسعداللہ صاحبؒ قابل ذکر ہیں۔

علامہ صدیق احمد صاحب کشمیریؒ، مولانا ظریف احمد صاحب پور قاضویؒ، مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ، مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ، مولانا عبدالشکور صاحب کاملپوریؒ اور مولانا قاری مفتی سعید احمد اجراڑویؒ جیسے اعیان و اکابر سے بھی حضرت شیخ القراءؒ کو شرف تلمذ حاصل ہوا۔" (علمائے مظاہر العلوم ص ۵۰۰ جلد اول)

۳۔ مدرسہ تجوید القرآن (سہارنپور)

اس موقعہ پر مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور کا ذکر خیر کرنا از بس ضروری ہے جہاں حضرت شیخ القراءؒ عرصہ دراز تک ماہر فنون تجوید و قرآءت حضرت مولانا قاری المقری عبدالخالق صاحبؒ سے مشق اور ابتدائی تجوید کے رموز حاصل کرتے رہے۔

مدرسہ ہذا ۱۳۲۱ھ میں قائم ہوا۔ مکہ مکرمہ سے تعلیم حفظ قرآن و تجوید قرآن حضرت شیخ العرب والعجم قاری عبداللہ مکیؒ سے حاصل کرنے کے بعد حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ یکم ذی قعدہ ۱۳۲۳ھ میں دونوں بھائی بطور مدرس یہاں تشریف لائے۔ بعدازاں حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ تو بوجہ اصرار حکیم الامت حضرت تھانویؒ تھانہ بھون تشریف لے گئے۔ مگر حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ نے مستقل یہیں قیام فرمایا اور تاحیات اسی مدرسہ سے منسلک رہ کر خدمات قرآنی انجام دیتے رہے۔

۱۱ اپریل ۱۸۵۷ء بروز جمعرات سہارنپور کے اسی مدرسہ میں تدریس فرماتے ہوئے حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ واصل بحق ہوئے۔ **رحمہ اللہ واوصلہ فی جنت الفردوس**

۴۔ دارالعلوم الاسلامیتہ پرانی انار کلی (لاہور)

دارالعلوم اسلامیہ پہلے دارالعلوم عثمانیہ کے نام سے وجود میں آیا اور اس کے بانیان میں حافظ سخاوت علی صاحبؒ قاری آل احمد صاحبؒ، مولانا محمد مسلم صاحبؒ فارغ دیو بند اور قاری سراج احمد صاحبؒ شامل ہیں۔

دارالعلوم ہذا کے قیام کا پس منظریہ جذبہ تھا کہ یہاں درس نظامی کی ایک جاندار درسگاہ قائم کی جائے گی۔

مدرسے کے قیام کے اولین عرصہ میں ہی حضرت شیخ القراءؒ یہاں عربی و فارسی کی کتب کی تدریس کے لئے مقرر ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں حضرت امام القراء قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ یہاں تشریف لائے تو حضرت شیخ القراءؒ نے ان سے اکتساب فن کیا اور اولین چھ فارغین روایت حفص میں آپ کو شامل ہونے کا فخر حاصل ہوا ۱۹۵۵ء میں آپ نے قرآءت سبع حضرت امام القراءؒ سے مکمل فرمائیں اور ۱۹۵۶ء میں قرآءت عشرہ بطریق درۃ کی تکمیل فرمائی۔ بعدازاں مدرسہ ہذا میں ہی آپ کو حضرت امام القراءؒ کا معین اور نائب ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا پاکستان تشریف

لانے کے بعد حضرت امام القراءؒ کے اکثر تلامذہ اسی مدرسہ کے فارغین میں سے ہیں۔ جن میں حضرت شیخ القراءؒ کے علاوہ حضرت مولانا قاری محمد شریف صاحبؒ' حضرت مولانا عبدالحکیم صاحبؒ' حضرت مولانا قاری عبدالماجد ذاکر صاحب دامت برکاتھم' حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتھم' حضرت مولانا قاری غلام النبی صاحبؒ اور قاری سرفراز احمد تھانوی دامت برکاتھم برادر اصغر حضرت شیخ القراءؒ جیسے اکابر شامل ہیں۔

۵۔ پنجاب یونیورسٹی (لاہور)

پاکستان کی یہ عظیم درسگاہ جو کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ حضرت شیخ القراءؒ نے یہاں سے منشی فاضل اور مولوی فاضل کے امتحانات پاس کئے۔
شیخ القراء نے ۱۹۵۲ء میں منشی فاضل اور ۵۵۔۱۹۵۴ء میں مولوی فاضل کی تکمیل پنجاب یونیورسٹی سے کی۔

وہ ادارے جہاں حضرت شیخ القراء نے تدریسی خدمات انجام دیں

۱۔ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد (لاہور)

حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ کے قائم کردہ اس مدرسے میں حضرت شیخ القراء نے اس وقت تدریسی خدمات انجام دیں جب آپ تھانہ بھون سے پاکستان تشریف لائے۔ اس کی تدریس کا زمانہ کس قدر رہا یہ صحیح اندازہ لگانا مشکل ہے۔ لیکن اس تدریسی دور کا تذکرہ حضرت شیخ القراءؒ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی کے باہمی خطوط میں ہوا ہے۔ حضرت قاری صاحب یہاں عربی و فارسی کی کتب پڑھانے پر مامور ہوئے۔ تقسیم ہند کے بعد دارالعلوم دیو بند وغیرہ سے جو نامور علماء وقت ہجرت کر کے پاکستان تشریف لائے اور جنہوں نے لاہور میں قیام فرمایا وہ اکثر اسی ادارے سے وابستہ ہوئے۔ جن میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ' حضرت شیخ الحدیث مولانا رسول خان صاحبؒ اور مفتی پاکستان حضرت مولانا جمیل احمد تھانوی صاحب دامت برکاتھم جیسی گرانقدر ہستیاں شامل تھیں اور ان بابرکت ہستیوں کی بدولت علوم قرآن و حدیث اور علوم فقہ کی لاہور کی فضاؤں میں خوب خوب ترویج ہوئی۔ حضرت قاری صاحب جامعہ اشرفیہ سے مختصر عرصہ منسلک رہنے کے بعد دارالعلوم اسلامیہ چرچ روڈ پرانی انار کلی منتقل ہو گئے۔

۲۔ دارالعلوم اسلامیہ (لاہور)

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ کی یاد میں قائم ہونے والا ادارہ اول ان کے نام پر دارالعلوم عثمانیہ اور بعدازاں دارالعلوم اسلامیہ چرچ روڈ پرانی انار کلی میں قائم ہوا۔ بانیوں میں حافظ سخاوت علی مرحومؒ' ان

کے داماد قاری آل احمد صاحبؒ دیو بند کے ایک عالم دین مولانا محمد مسلم صاحبؒ اور قاری سراج احمد صاحبؒ کے نام شامل ہیں۔

حضرت شیخ القراءؒ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد سے یہاں منتقل ہو گئے اور حسب سابق عربی و فارسی کتب کی تدریس پر مامور ہوئے۔ ۱۹۵۲ء میں حضرت الشیخ قبلہ قاری عبدالمالک صاحبؒ دارالعلوم اسلامیہ تشریف لائے اور ان کو مدرسے میں لانے کا کام قاری سراج احمد صاحبؒ کا کارنامہ تھا۔ اس کے متعلق حضرت شیخ القراءؒ اپنے سوانحی مضمون "بابائے تجوید و قرآءت" جو کہ "سوانح امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحب" میں شامل ہے اس طرح بیان کرتے ہیں

"ایک گرمی کی دوپہر کو قاری سراج احمد صاحبؒ مجھے ہمراہ لے کر موچی دروازہ پہنچے۔ جہاں حضرت قیام پذیر تھے۔ بڑے بڑے وعدوں میں لپٹے ہوئے پروگرام سجا کر پیش کرتے رہے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے لاہور میں تشریف فرما ہو جانے اور دارالعلوم اسلامیہ سے وابستگی کا وعدہ فرما لیا اور کچھ روز بعد مع متعلقین لاہور تشریف لے آئے"

(سوانح امام القراء ص ۸۴)

حضرت امام القراءؒ کے دارالعلوم اسلامیہ تشریف لے آنے کے بعد حضرت شیخ القراءؒ نے آپ سے استفادہ فرمایا اور تجوید و قرآءت کے علوم کی تکمیل فرمائی اور بعدازاں حضرت امام القراءؒ کے فرمانے پر ہی عربی کتب کی تدریس سے تجوید کے شعبہ میں حضرت امام القراءؒ کے معین مقرر ہوئے۔ اس عرصہ میں ایک سال کے لئے جو ۵۸-۱۹۵۷ء کے لگ بھگ کا عرصہ بنتا ہے حضرت شیخ القراءؒ مدرسہ تعلیم القرآن مکھڈ سے بھی وابستہ رہے اور بعدازاں وہاں سے واپس آکر دوبارہ حضرت امام القراءؒ کے معین کے طور پر کام کیا تا آنکہ حضرت امام القراءؒ ۱۹۵۸ء کی آخر ششماہی میں دارالعلوم اسلامیہ سے علیحدہ ہوئے تو حضرت شیخ القراءؒ بھی دارالعلوم کو خیرباد کہہ گئے۔ دارالعلوم اسلامیہ میں حضرت شیخ القراءؒ کا تدریسی زمانہ تقریباً نو دس سال پر محیط ہے۔ نیز اس مدرسے کی تدریسی ایام کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ حضرت شیخ القراءؒ عربی کتب کی تدریس سے تجوید و قرآءت کے تدریسی شعبے سے منسلک ہوئے۔

مدرسہ تعلیم القرآن مکھڈ (ضلع کیملپور)

مدرسہ تعلیم القرآن مکھڈ حضرت مولانا حافظ محمد یوسف صاحب امی کی علمی یادگار ہے جو انہوں نے پنجاب کے نہایت دور افتادہ مقام مکھڈ ضلع کیملپور حال ضلع اٹک میں قائم فرمایا۔ دریائے سندھ کے ساتھ پہاڑ پر واقع اس گاؤں میں حافظ صاحب نور اللہ مرقدہ کی کوششوں سے قرآن شریف صحیح تلفظ سے پڑھنے پڑھانے کا کام خوب پھلا پھولا۔ حضرت حافظ صاحبؒ کے خلوص و محبت اور محنت و لگن نے اس مدرسے کو خوب ترقی کی منازل طے کروائیں ۵۷-۱۹۵۶ء کے لگ بھگ حافظ یوسف صاحبؒ دارالعلوم اسلامیہ میں قاری سراج احمد صاحبؒ کے پاس تشریف لائے

اور ان سے عرض کیا کہ ہمیں اپنے مدرسے میں تجوید کے شعبہ کے لئے ایک ماہر استاذ کی ضرورت ہے۔ قاری سراج صاحبؒ نے حضرت امام القراءؒ سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت شیخ القراءؒ کا نام کمڈ کے مدرسے کے لئے تجویز کیا اور حافظ یوسف صاحبؒ سے یہ فرمایا کہ قاری اظہار احمد صاحبؒ ہمارے مدرسے کی ایک اہم ضرورت ہیں لیکن ہم اپنی ضرورت پر آپ کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس طرح حضرت شیخ القراءؒ نے مدرسہ تعلیم القرآن میں ایک سال کام کیا۔ مگر گھریلو بیماری وغیرہ سے واپس لاہور آگئے اور زیادہ عرصہ مدرسہ ہذا میں قیام نہ کر سکے۔ مگر بعد ازاں باقی ماندہ زندگی میں مدرسہ ہذا سے نہایت مضبوط تعلق قائم ہوا اور ہر سال شعبان میں امتحان لینے کے واسطے کمڈ ضرور تشریف لے جاتے۔

۴۔ مدرسہ تجوید القرآن مسجد چینیانوالی اہلحدیث لاہور

۱۹۵۸ء کے اواخر میں حضرت شیخ القراءؒ نے دارالعلوم اسلامیہ کو خیرباد کہا' اول پہلے حضرت استاذ القراء قاری محمد صدیق لکھنوی صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ مقدس مسجد دھوبی منڈی پرانی انار کلی میں مدرسہ زینت القرآن قائم فرمایا مگر مالی معاملات میں تنگی کی بدولت مدرسے کا یہ پروگرام کامیاب نہ ہوا۔ دو تین مہینے کے بعد ہی جامع مسجد اہلحدیث چینیانوالی رنگ محل سے حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی صاحبؒ تشریف لائے اور دونوں صاحبان کو اپنے مدرسے میں واقع شعبہ تجوید سے منسلک ہونے کی دعوت دی جو دونوں حضرات نے قبول فرمالی۔

یہاں پر حضرت شیخ القراءؒ نے مستقل بنیادوں پر کام کیا اور نہایت قابل فخر جواہر پیدا کئے۔ چونکہ حضرت مولانا سید داؤد غزنوی صاحبؒ کی جانب سے نہایت حوصلہ افزا اور بہترین ماحول کام کے لئے ملا اس لئے کام میں خوب برکت ہوئی اور اولین سالوں میں ہی مدرسہ ہذا لاہور کی اہم مراکز تجوید و قرآءت میں شمار ہونے لگا۔ حضرت شیخ القراءؒ نے یہاں دسمبر ۱۹۶۳ء تک کام کیا اور پانچ سال کے قلیل عرصہ میں بہت شاندار تلامذہ کا ایک گروہ تیار کیا جس میں قاری محمد یوسف میر محمدیؒ' قاری عبدالرشید فاروقیؒ' قاری محمد یحیٰ رسولنگری صاحب' قاری نور احمد صاحب اعمیٰ' قاری رحیم بخش مظفر گڑھی حال مقیم سعودی عرب اور قاری محمد سعید قاری عشرہ بہت نمایاں مقام کے حامل ہیں۔

یاد رہے کہ مدرسہ ہذا کے اس مرکز تجوید سے استاذ الحفاظ حضرت مولانا قاری فضل کریم صاحبؒ بانی مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل اور حضرت مولانا قاری محمد اسماعیل صاحبؒ بانی مدرسہ مرکزی دارالتجوید والقرآءت چوک شاہ عالمی بھی منسلک رہے ہیں۔

۵۔ مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل (لاہور)

حضرت مولانا قاری فضل کریم صاحبؒ کے قائم کردہ اس مدرسے میں تجوید القرآن کے کام کو بہت فروغ ہوا اور بہت نامور اساتذہ فن تجوید و قرآءت اس سے منسلک رہے۔ جس میں حضرت استاذ القراء قاری محمد شریف صاحبؒ

حضرت شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانویؒ' حضرت مولانا قاری عبدالماجد ذاکر صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا قاری حسن شاہ صاحب دامت برکاتہم جیسے نامور اکابر قراء شامل ہیں۔ فروری ۱۹۶۴ء میں حضرت شیخ القراءؒ مدرسہ ہذا میں تشریف لائے اور کچھ عرصہ کو چھوڑ کر عمر عزیز کا بقایا تمام حصہ یہی تدریسی مشاغل میں صرف فرمایا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت شیخ القراءؒ کا دور تدریس جو ستائیس سال پر محیط ہے مدرسہ تجوید القرآن کا درخشاں دور ہے۔ اس دور میں بہت نامور اساتذہ وقت نے حضرت شیخ القراءؒ سے استفادہ کیا جن میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب ڈیروی' حضرت مولانا قاری عطاء اللہ ڈیروی صاحب' حضرت مولانا قاری محمد ادریس عاصم صاحب' حضرت مولانا قاری احمد میاں تھانوی صاحب' حضرت مولانا قاری عبدالستار صاحب' حضرت مولانا قاری عبدالباعث صاحب سواتی' حضرت قاری محمد حاجی صاحب اعمٰی (تمام حضرات قرآءت عشرہ کے حامل) حضرت قاری امین اللہ صاحب سواتی' قاری بزرگ شاہ صاحب الازہری' قاری محمد یوسف سیالوی صاحب' قاری محمد عزیر صاحب' قاری محمد احسان دانش صاحب وغیرہم (تمام حضرات قرآءت سبع کے فارغ) جیسے نامور قراء و علماء کے نام شامل ہیں۔ یہ چیدہ چیدہ نام جو دراصل اس وقت مسند تجوید و قرآءت کے روشن چراغ بنے ہوئے ہیں اسی مدرسہ تجوید القرآن کی تدریسی ماہ و سال میں روشن ہوئے۔ یہاں صفحات کی کمی کی وجہ سے میں روایت حفص کے فارغین کا ذکر نہیں کر رہا ہوں جو بلاشبہ سینکڑوں میں جا پہنچتے ہیں اور بے تحاشہ دینی مدارس میں اپنے قابل فخر استاذ کی میراث اگلی نسلوں کو منتقل کرنے کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

۶۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی (اسلام آباد)

۸۱۔۱۹۸۰ء میں فیصل مسجد سے ملحقہ اس یونیورسٹی میں تدریسی سرگرمیوں کا آغاز ہوا۔ حضرت شیخ القراء کا تقرر یہاں بطور ایسوسی ایٹ پروفیسر برائے قرآءت ہوا۔ لیکن علوم قرآءت کے علاوہ حضرت شیخ القراء کی دیگر عالمانہ پہلو سے بھی ارباب یونیورسٹی نے فائدہ اٹھانے کا سوچا اور بتدریج حدیث' فقہ' تفسیر قرآن وغیرہم کی کلاسیں بھی حضرت شیخ القراءؒ کے سپرد کی گئی جو آپ نے نہایت شان علمی سے پڑھائیں۔ حدیث میں مسلم شریف کی تدریس' فقہ میں ہدایہ جیسی کتاب اور تفسیر قرآن میں تفسیر ابن کثیر کی تدریس آپ کے سپرد رہی۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۹۱ء تک کا عرصہ جو دس سال پر محیط ہے۔ یونیورسٹی میں آپ نے خوب خوب کام کیا۔ یونیورسٹی میں بی اے قرآءت کی ڈگری دی جا رہی تھی۔ حضرت شیخ القراءؒ نے محسوس فرمایا کہ قرآءت میں ماسٹر کی ڈگری کا بھی یونیورسٹی ہذا کی طرف سے اجراء کیا جائے۔ ارباب اختیار سے منظوری ملنے کے بعد آپ نے ایم اے کے نصاب کے لئے کام بھی کرنا شروع کر دیا تھا لیکن اسی دوران آپ اپنے رب کے حضور حاضر ہو گئے۔ یونیورسٹی میں بھی علوم و فنون کی ترویج میں حضرت شیخ القراءؒ سرگرم عمل رہے اور اس دوران آپ نے کئی پر عزم اور ماہر استاذ تیار کر کے یونیورسٹی کو دیئے۔ جن میں علوم

قرآءت میں قاری تاج افسر صاحب لیکچرار یونیورسٹی ہذا کلیہ اصول الدین' قاری سمیع الحق صاحب لیکچرار یونیورسٹی ہذا کلیہ اصول الدین' جناب کرامت اللہ صاحب پروفیسر یونیورسٹی ہذا نہایت قابل ذکر ہیں۔

اس کے علاوہ بہت سے ملکی اور غیر ملکی (جن میں بلاد افریقہ سے لے کر انڈونیشیا کے جزائر تک کے) طالب علم شامل ہیں ان کو آپ سے حصول علم کا فخر حاصل ہوا۔

یاد رہے کہ یونیورسٹی ہذا میں دیگر شعبوں میں ماہرین فن کے علاوہ صرف قرآءت کے شعبہ میں ہی الشیخ عبدالحیٔ ظہران صاحب مصری اور الشیخ عبدالغفور الازہری مصری جیسے اکابر وابستہ ہیں۔

۷۔ مدرسہ تجوید القرآن (سریانوالہ بازار لاہور)

یہ مدرسہ جو بہت نو آموز ہے اور حضرت مولانا قاری احمد دین صاحب دامت برکاتہم کے زیر نگرانی قائم ہے۔ اس مدرسے کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں حضرت شیخ القراءؒ نے تقریباً چار سال تدریسی فرائض انجام دیئے۔

حسب دستور طالبین فن حصول علم کے واسطے یہاں بھی حاضر ہونے لگ گئے اور بظاہر گمنام سی اس جگہ سے بعض ایسے قابل فخر اساتذہ فن پڑھ کر فارغ ہوئے جو اس وقت صوبہ سرحد' صوبہ بلوچستان اور ہمسایہ ملک افغانستان میں گرانقدر خدمات قرآنی میں مصروف و مشغول ہیں۔

ان خوش قسمت حضرات میں جو کہ یہاں حضرت شیخ القراءؒ کے فیوض علمی سے بہرہ مند ہوئے قاری محمد صادق صاحب بلوچی' قاری حمیداللہ صاحب بلوچی (دونوں عشرہ کے قاری) جیسے ذی فہم قراء فارغ ہوئے۔

یہ ایک سرسری سا تعارف ہے ان اداروں کا جہاں حضرت شیخ القراءؒ نے تدریسی خدمات انجام دیں ورنہ یہ حقیقت ہے کہ بعض حضرات ایسے بھی ہیں جو صرف اور صرف حضرت والاؒ سے گھر اور مسجد میں استفادہ فرماتے رہے اور بعینہ ان مدارس کی طرح حضرت والاؒ نے گھر کو بھی ایک تدریسی مرکز کے طور پر استعمال کیا اور اس کی واضح مثال جناب خواجہ ازہر عباس صاحب سابقہ ڈائریکٹر محکمہ اوقاف ہیں جو کہ سالہا سال حضرت شیخ القراءؒ سے گھر پہ آکر ہی علوم عربیہ و فارسی پڑھتے رہے۔

وہ مساجد جہاں حضرت شیخ القراءؒ نے امامت و خطابت کے فرائض انجام دیئے

جامع مسجد مقدس (پرانی انار کلی لاہور)

قیام پاکستان کے بعد حضرت شیخ القراءؒ جب لاہور تشریف لائے تو کچھ ہی عرصہ بعد مقدس مسجد کی امامت و خطابت کے فرائض سنبھال لئے یہ تقریباً ۱۹۴۸ء کا دور تھا۔ مسجد کے نزدیک ہی حضرت شیخ القراء کی رہائش تھی۔ پنج گانہ نمازوں کی امامت اور جمعہ کی تقاریر و خطابت کے علاوہ حضرت قاری صاحبؒ نے یہاں درس قرآن کا سلسلہ بھی

شروع کیا ہوا تھا جس سے بے پناہ مخلوق خداوندی کی اصلاح ہر دم ہوتی رہی۔ حضرت قاری صاحبؒ کا یہ شاندار علمی وصف جس کو حضرت قاری صاحبؒ کی برکت بھی کہا جا سکتا ہے یہ تھی کہ لوگوں کو آسان انداز بیان اور کھلے الفاظ میں دین کے متعلق معلومات مہیا کی جاتیں اور جس کی بدولت یہ لوگوں کے قلوب کو اپنے گرفت میں لے لیتی بہت سے افراد اپنے گناہ گار زندگی سے تائب ہو کر متبع سنت زندگی گزارنے والے بن گئے اور بہت سے غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

رمضان المبارک میں تراویح میں قرآن سنانے کے علاوہ حضرت شیخ القراءؒ اپنے برادر اصغر جناب قاری سرفراز احمد تھانوی دامت برکاتھم سے مل کر اخیر عشرہ میں تین راتوں کا شبینہ بھی کرتے جس میں دونوں بھائی باری باری سپارے پڑھا کرتے۔ اس کے علاوہ ایک خاص اہتمام رمضان کے دنوں میں نماز تہجد کا بھی ہوتا جس کی باقاعدہ پہلے اذان ہوتی اور بعد میں لوگوں کی ایک معقول تعداد اس تہجد کی جماعت میں شریک ہوتی۔ حضرت قاری صاحبؒ کے دور میں ہی ایک دینی مدرسے "زینت القرآن" کی بھی بنیاد رکھی گئی جو ماشاء اللہ اب بھی کامیابی سے چل رہا ہے۔ یاد رہے کہ اس مسجد سے حضرت شیخ القراءؒ کے بعد معروف عالم دین جناب مولانا محمد محترم صاحب مرحومؒ بھی وابستہ رہے۔

جامع مسجد گورنمنٹ چوبرجی کوارٹر (ملتان روڈ لاہور)

ستمبر ۱۹۶۱ء میں حضرت شیخ القراءؒ مقدس مسجد دھوبی منڈی سے جامع مسجد گورنمنٹ چوبرجی کوارٹر ملتان روڈ لاہور میں تشریف لے آئے اور تاحیات یہاں خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ سے قبل مشہور عالم دین جناب حضرت مولانا شہاب الدین صاحبؒ یہاں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے تھے۔ حضرت شیخ القراءؒ کے علمی فیوض و برکات اس جامع مسجد میں خوب خوب پھیلے اور مقدس مسجد میں شروع کیے ہوئے دینی اور علمی امور کو اس مسجد میں مزید جلا ملی۔

صحیح تلفظ سے قرآن شریف کے ادائیگی حروف اور تفہیم قرآن کے لئے ہونے والا درس قرآن یہاں حضرت شیخ القراءؒ کے خاص ترجیحات میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

نوجوان طبقہ کو دین کے امور کی جانب مائل و راغب کرنا حضرت قاری صاحبؒ کا بہت اہم کارنامہ ہے اور الحمدللہ اس مسجد میں نمازیوں کی تعداد اور علاقے کے رہائشی حضرات کی روشن خیالی اس بات کا بین ثبوت ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کا یہاں ہونے والا درس قرآن شریف اور تقاریر جمعۃ المبارک جو خالص لوگوں کو دین کا علم بالکل صحیح طور پر پہنچا دینے کے جذبے سے ہوتی تھیں علاقہ کے عوام الناس میں بے تحاشہ مقبول تھیں۔ درس قرآن کا تو یہ عالم تھا کہ گھروں میں موجود خواتین تک اس سے استفادہ کرتیں اور بعض خواتین تو یہ درس قرآن لکھا

بھی کرتیں تھیں۔

حضرت قاری صاحبؒ نے مسجد ہذا میں تقریباً بائیس تیئس قرآن شریف بھی سنائے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنی ساری زندگی میں تقریباً چھیالیس قرآن شریف سنائے جس میں بیالیس قرآن پاکستان میں اور چار تھانہ بھون (انڈیا) میں سنائے ہیں۔

❑❑❑

حضرت قاری صاحبؒ اور تصنیف و تالیف

معہ چھپوائی نادر و نایاب کتب

عزیز احمد تھانوی

مدیر قراءت اکیڈمی

حضرت قاری صاحبؒ کو جہاں علم و ادب سے لگاؤ تھا وہاں حضرت کی یہ بھی کوشش رہتی کہ اپنی کتب قراءت و دیگر موضوعات پر تصنیف کی جائیں نیز وہ کتب جو کہ نادر و نایاب حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہیں ان کو افادہ عام کے لئے طبع کیا جائے اور اس سلسلے میں بعض کتب طبع بھی ہوئیں۔ کتب کی تصحیح و تبویب کر کے ان کو اچھے اور خوبصورت انداز میں شائع کرنا بھی حضرت قاری صاحبؒ کا ہی ایک انداز تھا۔

حضرت قاری صاحب نے لکھنا کب شروع کیا اس کا اندازہ زمانہ طالبعلمی مظاہر العلوم سہارنپور کے بعض مفید ابحاث وغیرہ جو کہ مسودہ جات کی شکل میں الحمداللہ محفوظ ہیں ہوتا ہے۔ حضرت کی ادبی اور شاعرانہ ذوق کی آبیاری کرنے میں حضرت مولانا استاذنا مفتی محمد جمیل صاحب مدظلہ العالی' حضرت مولانا استاذنا محمد اسعد اللہ صاحبؒ کی اولین کوششیں شامل ہیں۔ اور اس کے بعد مولانا عبدالمجید سالک صاحبؒ ایڈیٹر روزنامہ انقلاب لاہور اور مولانا ظفر علی خانؒ صاحب ایڈیٹر روزنامہ زمیندار لاہور سے استفادہ کر کے حضرت قاری صاحب نے اپنے زور قلم میں مزید اضافہ کیا۔

پہلی مطبوعہ کتاب اپنے استاذ مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ نور اللہ مرقدہ کے وہ حواشی تھے جو انہوں نے فواید مکیہ پر تعلیقات مالکیہ کے نام سے تحریر فرمائے ہوئے تھے اور جو حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے قیام لکھنؤ کے دوران چھپے تھے۔ ان حواشی کی اس وقت پاکستان میں بہت شدید ضرورت ہو رہی تھی جو کہ حضرت قاری صاحبؒ نے چھپوا کر پوری کی۔ امام القراء کی فرمائش نیز تصحیح و اضافہ حاشیہ کے ساتھ یہ حواشی طبع ہوئے۔

۱۹۶۰ء میں حضرت قاری صاحبؒ نے علامہ ابوبکر جابر الجزائریؒ مدرس مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب جو کہ مسائل رمضان سے متعلق عربی میں تھی اس کا اردو ترجمہ پیغام رمضان کے نام سے چھاپا۔ جس کا دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں چھپا۔

حضرت قاری صاحب نے چار صد احادیث مبارکہ کا مجموعہ معہ سلیس اردو ترجمے کے چھپوایا۔ اس مجموعے کا

نام اخلاق محمدیؒ ہے۔

تجوید میں اپنی ذاتی تصنیف کی ابتداء مقدمتہ الجزریہ کے اردو ترجمے سے کیا جو ۱۹۷۰ء میں چھپ کر منظرعام پر آیا۔ ۱۹۷۲ء میں حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانویؒ کے مدارس میں داخل نصاب کتاب جمال القرآن کا مشہور و معروف حواشی جدیدہ تحریر کئے۔

۱۹۷۳ء میں استاذ القراء حضرت مولانا قاری عبدالخالق صاحبؒ کی کتاب تیسیر التجوید کو حواشی سے مزین کر کے زیور طبع سے آراستہ کیا ان حواشی کا نام بعد میں حواشی مفیدہ رکھا گیا۔

۱۹۷۴ء میں حضرت قاری صاحبؒ کی تحریر کردہ شاطبیہ کی شرح منظرعام پر آئی جو علمی حلقوں میں بے انتہا پسند کی گئی اور ھمسایہ ملک کے ایک شیخ التجوید نے بڑی دیدہ دلیری سے ہو بہو کتاب کی نقل کر کے شرح کو اپنا الگ نام دے کر اپنے نام سے طبع کرائی۔ چونکہ حضرت قاری صاحبؒ کی شرح مذکورہ ایک تجارتی ادارے نے چھاپی لہٰذا باوجود اس کی بے پناہ مقبولیت کے اسے دوبارہ طبع نہ کیا گیا اصرار کرنے پر تجارتی ادارے کے مالک صاحب نے بہت سے حیلے بہانے کئے آخر کار یہ ستم ہوا کہ یہ شرح شاطبیہ نایاب ہوگئی اس وجہ سے مذکورہ شیخ التجوید کی علمی خیانت کی نشاندہی عام طبقہ قراء میں نہ ہو سکی۔ لیکن وہ اہل علم جن کے پاس حضرت قاری صاحبؒ کی پرانی شرح کے نسخے موجود تھے وہ اس علمی سرقہ زنی سے واقف ہیں۔

۱۹۷۵ء میں حضرت قاری صاحبؒ کی المقدمتہ الجزریہ کی مایہ ناز شرح الجواھر النقیہ منظرعام پر آئی اس شرح میں حضرت نے المقدمتہ الجزریہ کو گویا طشت ازبام کر کے رکھ دیا اور تشریح و توضیح کا حق ادا کر دیا۔ بقول مولانا محمد شاھد سہارنپوری کہ یہ کتاب مظاہر العلوم سہارنپور کے لئے ایک ایسا سرمایہ افتخار قرار دی جا سکتی ہے جس پر مظاہر العلوم بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔

۱۹۷۸ء میں حضرت قاری صاحبؒ کی مشہور کتاب خلاصتہ التجوید منظرعام پر آئی۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے تحریر کردہ شاطبیہ کے عربی حواشی جو عرصہ سے ہندوپاک میں نایاب تھے ۱۹۸۰ء میں طبع کروائے۔ ۱۹۸۲ء میں حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی کی تحریر کردہ رائیہ کی عربی شرح افضل الدرر جو کہ بہت عرصہ سے ہندوپاک میں نایاب تھی شائع کرائی۔

ان کتب میں سے اکثر کے ایڈیشن متعدد مرتبہ چھپے اور علمی حلقوں میں بہت مشہور و معروف ہوئے۔ ۱۹۸۴ء میں حضرت قاری صاحبؒ کی اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی میں مصروفیت کے باعث طباعت و اشاعت کا کام مدرسہ تجوید القرآن سے اردو بازار منتقل کر دیا گیا۔

۱۹۸۴ء میں یکم فروری کو قراءت اکیڈمی کا قیام عمل میں آیا۔ اور اس کی سرپرستی حضرت قاری صاحبؒ اور انتظام و انصرام مجھ نالائق کے سپرد کیا گیا۔

حضرت نے آخری کتاب جزری کا ترجمہ چھپوائی جو دکان پر ہی پہنچی۔ ۳۱/ جنوری کی رات کو مجھے کتب کو باہر بھیجنے کے لئے پیکٹ بنانا سکھایا پہلے خود ایک پیکٹ بنایا اس کے بعد مجھے فرمایا کہ اب اس طرح پیکٹ بنا کر دکھاؤ۔ میں نے پیکٹ بنا کر دکھایا تو فرمانے لگے بس اب صبح سے دکان پر بیٹھو۔ اللہ برکت دے گا۔ پہلے سال یعنی ۱۹۸۴ء میں راقم الحروف نے حضرت کی سرپرستی میں جمال القرآن' الجواھر النقیہ' تیسر التجوید' اوقات نماز کا دائمی نقشہ اور فواہد مکیہ چھپوائیں۔ ۱۹۸۵ء میں حضرت قاری صاحبؒ کے مشورے سے شاطبیہ کا متن چھپوایا۔

پہلی شرح شاطبیہ کے نایاب ہونے کے بعد حضرت قاری صاحبؒ نے شاطبیہ کی دوبارہ شرح لکھی جو امانیہ شرح شاطبیہ کے نام سے ۱۹۸۵ء میں چھپ کر منظر عام پر آئی۔ اس دفعہ یہ شرح دو جلدوں میں چھپی پہلی جلد میں اصول اور دوسری جلد جو کہ ۱۹۸۶ء میں چھپی اس میں فرش کی بحث شامل تھی۔

۱۹۸۶ء میں ہی حضرت قاری عبداللہ صاحب مکیؒ کے رسالے تعلیم الوقف' حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانوی کے دو رسائل تجوید القرآن اور یادگار حق القرآن کو بزرگوں کی یادگار سمجھ کر چھپوایا گیا مذکورہ تینوں رسائل نایاب تھے مزید یہ کہ حضرت قاری صاحبؒ نے انہیں حواشی سے مزین کیا اور مجموعہ نادرہ کے اسم بامسمی سے روشناس کرایا۔ حضرت قاری صاحبؒ کے پاس علامہ جزریؒ کے صاحبزادے احمد الجزریؒ کی تحریر کردہ مقدمتہ الجزریہ کی شرح الحواشی المفہمہ رکھی تھی جو کہ دنیائے علم میں نایاب تھی یہ وہ شرح ہے جو کہ علامہ جزریؒ کی حیات میں ہی ان کے صاحبزادے نے تحریر کی تھی اور المقدمتہ الجزریہ کی اولین شرح تھی۔ حضرت قاری صاحبؒ نے اس کے فیوض کو مزید عام کرنے کے لئے اس کا اردو ترجمہ بھی ساتھ ملحق کیا اور الشیخ عبدالغفور محمود مصطفیٰ استاذ جامعتہ الازہر و سابقہ استاذ جامعہ اسلامیہ اسلام آباد کے مقدمے اور الشیخ عبدالحئ احمد زہران استاذ جامعہ اسلامیہ کی تقریظ سے مزین کروانے کے بعد ۱۹۸۷ء میں شائع کی۔

۱۹۸۷ء میں ہی قراءت عشرہ کی مشہور و معروف کتاب البدور الزاھرۃ مولفہ فضیلتہ الشیخ عبدالفتاح القاضیؒ استاذ الجامعتہ الازہر رئیس قسم القراءت الجامعتہ الاسلامیتہ المدینتہ المنورہ چھپوائی گئی۔

تنشیط الطبع فی اجراء السبع مولفہ حکیم الامت حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانویؒ بڑی اہم کتاب ہے مگر بدقسمتی کہ اپنے آغاز سے ہی یہ کتاب اغلاط در اغلاط سے پر ہو کر طبع ہوتی رہی میں نے حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں اس کی تصحیح و اضافہ مفید کے متعلق عرض کیا۔ حضرت نے حامی بھر لی اور فی الحقیقت کہ اس کی تصحیح اور اضافے میں بہت مشقت اٹھائی جس کا بعد میں حضرت قاری صاحبؒ نے اعتراف بھی کیا فرمایا کہ اس کتاب میں اس قدر اغلاط کی بھرمار تھی کہ دل و دماغ چکرا کر رہ گیا۔ یہ کتاب ۱۹۸۹ء میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ اب اس کتاب سے استفادہ کرتے ہوئے متعلم حضرات ضرور قاری صاحب کو دعا دیں گے کہ ان کے اوپر یہ شفقت عظیمہ ہے جو حضرت قاری صاحبؒ فرما گئے ہیں۔

اوقات نماز کا دائمی نقشہ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے قیام مقدس مسجد دھوبی منڈی میں ہی ترتیب دیا تھا میرے خیال سے اسے اگر قاری صاحبؒ کی اولین مطبوعہ شے کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ حالات اور ضرورتوں کے مطابق نو بہ نو بہتر ہوتا گیا۔ ۱۹۸۹ء میں حضرت قاری صاحب نے پاکستان کے چھ مرکزی شہروں کراچی، لاہور، کوئٹہ، اسلام آباد، پشاور اور مظفر آباد کے اوقات صلوٰۃ اس ایک کتاب میں مدون کر کے شائع کئے۔

شاطبیہ جو قراءت سبع میں مروجہ و متداول قصیدہ ہے۔ اس میں "وقف حمزہ و ہشام" سب سے مشکل باب تصور کیا جاتا ہے اور طلباء کو اس باب کے سمجھنے میں کافی دقت ہوتی اسی باب کی تسہیل و تشریح کے لئے ۱۹۸۹ء میں حضرت قاری صاحبؒ کی تصنیف " توضیح المرام فی وقف حمزة و هشام" منظر عام پر آئی یہ کتاب جو حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ سے استفادے کے دوران مرتب ہونا شروع ہوئی اور جس کی تحسین حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے بھی فرمائی مزید تشریح و توضیحی نکات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے منظر عام پر آئی۔

یہ وہ کتب ہیں جو حضرت قاری صاحبؒ اپنی حیات میں چھاپ گئے۔ عرصہ سے میں حضرت سے عرض کر رہا تھا کہ الحمدللہ آپ کی شائع کردہ کتب میں اب صرف الدرة المضيه اور عقيلة اتراب القصائد المعروف رائیہ کی شروح کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ جون ۱۹۹۱ء میں حضرت قاری صاحبؒ نے درۃ کی اردو شرح کا مسودہ کتابت کے لئے میرے حوالے کیا اور اصول تک کے پروف ریڈنگ بھی خود فرما گئے تھے۔ رحلت سے کوئی دو ہفتے قبل ہی مجھ سے شرح کی کتابت کے متعلق دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ کتابت جاری ہے حضرت کی رحلت کے بعد میں نے ان کی کتب اور مسودہ جات کا جائزہ لیا تو حضرت کی عالی ہمتی کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ حضرت قاری صاحب نے بیک وقت کئی کتب شروع کی ہوئی تھیں۔

رائیہ کی اردو شرح جس پر تقریباً دو تہائی کام مکمل ہو چکا تھا ۲۲۵ اشعار کی تشریح و توضیح ہو چکی تھی بقایا ۷۳۔ اشعار کی رہتی ہے جو انشاء اللہ مکمل کروا کر جلد شائع کی جائے گی۔

حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے شاطبیہ کے عربی حواشی تصحیح و تبویب۔ جس میں حضرت قاری صاحب پہلے آٹھ اشعار کی تصحیح و تبویب ہی کر سکے تھے۔ شوال ۱۴۱۱ھ میں تعلیمی سال کا آغاز ہوا تو کافی لوگوں نے شاطبیہ محشیٰ طلب کی۔ حضرت قاری صاحب کا کافی عرصہ سے ارادہ ہو رہا تھا کہ ان حواشی کو صاف کر کے عربی ٹائپ میں طبع کیا جائے اس لئے پرانے مسودے کو دوبارہ نہ چھاپا گیا لیکن پھر حضرت قاری صاحب کی مصروفیت در مصروفیت میں تصحیح کا کام لیٹ ہی ہوتا چلا گیا ہے۔ ۱۴۱۱ھ کے شوال میں لوگوں کی مذکورہ حواشی کی طلب سے میں نے حضرت قاری صاحبؒ کو آگاہ کیا۔ فرمانے لگے یہ سب استاذ المکرم حضرت مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ کے خلوص کا نتیجہ ہے کہ باوجود اغلاط سے پر ہونے کے لوگ ان حواشی کو طلب کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ پھر اس کی تصحیح کا کام شروع فرما دیں حضرت قاری صاحب نے یہ عرض منظور کر لی اور ایک الگ رجسٹر میں کام شروع کیا جو صرف آٹھ اشعار تک ہی کر

پائے تھے کہ رحلت فرما گئے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے تیسری کتاب شجرۃ الاساتذہ کے نام سے شروع کی ہوئی تھی اس میں اپنی تجوید اور قراءت کی اسناد میں تصحیح کا کام شروع کیا ہوا تھا۔ حضرت قاری صاحبؒ نے چوتھی کتاب حدیث مبارکہ ’’سبع احرف‘‘ کی تحقیق و توضیح میں شروع کی ہوئی تھی کہ قبائل عرب کے لسانی اور گروہی فرق کے متعلق جستجو کی جائے۔

پانچویں کتاب عربی میں ایک مختصر تجوید اور علم وقف سے متعلق مرتب کر رہے تھے جس میں تجوید کے اسباق مکمل کر لئے تھے اور وقف کے اسباق نامکمل چھوڑ گئے۔

چھٹی کتاب محقق فن حضرت علامہ محمد بن محمد الجزریؒ کے سوانحی حالات تھے جو کہ بڑے مفصل مرتب کرنے کی کوشش حضرت قاری صاحبؒ کی لگتی تھی۔ مارچ ۱۹۸۴ء میں حضرت قاری صاحبؒ جب بین الاقوامی مقابلہ حسن قراءت منعقدہ مکہ مکرمہ تشریف لے کر گئے تو حضرت کو یہ سعادت بھی حاصل ہوئی کہ خانہ کعبہ کھولا گیا اور دیگر شرکاء مقابلہ کے ساتھ آپ بھی خانہ کعبہ میں داخل ہوئے۔ یہ واقعہ واپس آکر تجوید القرآن رنگ محل کے دفتر میں بیٹھ کر سنایا میں ہمراہ ہی تھا۔ چونکہ سعودی عرب سے واپسی کے بعد پہلی مرتبہ ہی مدرسے جانا ہوا تھا اس لئے مدرسے کے مدرسین حضرت قاری صاحبؒ سے ملنے کے واسطے آگئے۔ مصافحہ و معانقہ بات چیت چلتی رہی باتوں کے دوران حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے دخول خانہ کعبہ کا واقعہ سنایا اور اندر کا حال بھی بیان کیا کہ دیواروں پر اور چھت پر سبز پھولوں والا شیل کا کپڑا لگا ہوا ہے اور فرش پر دبیز قالین ہے۔ فرمانے لگے بڑا ہی عجیب و غریب منظر تھا سب کسی نہ کسی کونے میں رکوع و سجود اور نوافل ادا کرنے میں مصروف تھے۔ آنسوؤں آہوں اور نالوں کی صدائیں کبھی کبھی بلند بھی ہو جاتی۔ پھر میری طرف منہ کر کے آہستہ سے مجھے فرمایا تیری قراءت اکیڈمی کے لئے میں وہاں بہت دعائیں کر کے آیا ہوں۔ یہ تمام باتیں سن کر حضرت قاری احمد دین صاحب نے فرمایا حضرتؒ اپنے ہاتھ ادھر کیجئے حضرتؒ نے اپنے ہاتھ ان کی طرف بڑھائے تو حضرت قاری احمد دین صاحب نے حضرت قاری صاحب کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور پھر حضرت کے ہاتھوں کو اپنے چہرہ پر پھیرا۔ پھر قاری احمد دین صاحب فرمانے لگے حضرت یہ سعادت ہمیں تو حاصل نہیں ہوئی اس لئے برکت کے واسطے آپ کے ہاتھوں کو ہی بوسہ دیتے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ کی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد میں مصروفیت کے سبب مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار میں کتب کی خرید و فروخت حضرت مولانا صوفی محمد دین صاحب کے سپرد تھی کتب کی فروخت کی رقم جو صوفی محمد دین صاحب حضرت قاری صاحبؒ کے حوالے کرتے پوری کی پوری لا کر میرے حوالے کرتے۔ والدہ محترمہ فرماتی ہیں کہ ہم مزاحاً‘‘ کہہ دیا کرتے تھے اگر یہ رقم آپ ہمیں دے دیں گے تو ہم بھی اسے ہی دیں گے۔ لیکن حضرت قاری صاحب جواباً فرماتے نہیں یہ رقم عزیر کی امانت ہے میں اس کے حوالے ہی کروں گا۔

حضرت قاری صاحب کی قراءت اکیڈمی کے معاملات میں دلچسپی بہت زیادہ تھی جب بھی اسلام آباد سے

تشریف لاتے مجھ سے دکان کے متعلق ضرور پوچھتے فرماتے تھے اپنی کتب کی قیمتیں مناسب رکھو کیونکہ اس علم کو حاصل کرنے والے عموماً غریب لوگ ہوتے ہیں کتب کو مہنگا کرنا ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ والدہ محترمہ بتاتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حضرت قاری صاحب سے ذکر کیا کہ عزیر کے حالات بہت سخت چل رہے ہیں جواباً فرمایا عزیر سے کہو گھبرائے نہیں انشاء اللہ اللہ بہتری کرے گا۔ اور اس کا کام خوب پھیلے گا۔ وفات سے تقریباً ایک مہینہ قبل حضرت ملا علی قاریؒ کی شرح شاطبیہ کے متعلق بھی گفتگو ہوئی میں نے کہا کچھ اس پر بھی محنت کی جائے۔ فرمانے لگے تو نے میری کتب میں شرح شاطبی ملا علی قاری کی دیکھی ہوگی میں نے عرض کیا کہ نہیں جی میں نے نہیں دیکھی۔ فرمایا آج کل میں وہ شرح اسلام آباد لے کر گیا ہوا ہوں دارالعلوم دیوبند والوں نے چھاپی ہے بہت باریک لکھائی ہے ایک نسخہ اس کا کابل کا چھپا ہوا بھی ملتا ہے میں سوچتا ہوں پہلے ان دونوں کا تقابل کیا جائے اور اس کے بعد ایک الگ رجسٹر میں تصحیح کا کام شروع کیا جائے۔ پھر فرمانے لگے یہ کام بہت بڑھ جائے گا ٹائپ میں چھپوایا تو دو جلدیں تو لازماً بنے گی میں نے عرض کیا کہ کوئی پروا نہیں فرمانے لگے اچھا بھائی تو راضی ہے تو انشاء اللہ جلد یہ کام شروع کریں گے۔ میں نے کہا کابل والا نسخہ شاید حضرت قاری ادریس عاصم صاحب کے پاس ہو۔ وفات کے بعد حضرت قاری محمد ادریس عاصم صاحب نے مجھے بتایا کہ حضرت قاری صاحبؒ نے مجھ سے دریافت فرمایا تھا کہ تمہارے پاس دونوں نسخے دارالعلوم دیوبند والا مطبوعہ اور کابل کا مطبوعہ موجود ہیں۔ میں نے عرض کیا جی حضرت موجود ہیں فرمانے لگے چلو بہت اچھا ٹھیک ہے۔

الجواھر النقیہ کا پانچواں ایڈیشن مئی ۱۹۹۰ء میں چھپا میرا معمول تھا کوئی نئی کتاب چھپتی یا پرانی کتاب کا نیا ایڈیشن چھپتا تو حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں ضرور پیش کرتا۔ میں نے کتاب پیش کی تو بہت تحسین فرمائی پھر فرمانے لگے اب یہ کتاب صحیح خوب صورت طریقے سے چھپنا شروع ہوئی ہے میں نے جب الجواہر النقیہ کا اولین ایڈیشن شائع کرایا تو میرے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ سفید کاغذ پر چھپواتا لہٰذا اخباری کاغذ پر چھپوائی۔ پھر فرمانے لگے میرا دل چاہتا ہے کہ اس کے شروع میں ایک مقدمہ شاندار سا ہو۔ میں نے عرض کیا آپ مجھے لکھ کر دے دیں آئندہ اشاعت میں شامل کر دوں گا۔ فرمانے لگے بہت اچھا لیکن پھر فرصت ہی نہ نکال سکے۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے جب شرح شاطبیہ (جو کہ ملک سراجدین نے طبع کرائی) چھاپی تو کتابت میں نے کروا کر دی تھی کاتب نے بہت تنگ کیا لاکھ حیلے بہانے کرتا کبھی کتابت کا خود پتہ کرتا کبھی مدرسے سے لڑکوں کو بھیجتا۔ اتنی مشکلات کے بعد چھپی تو سراجدین والوں نے دوبارہ نہ چھپوائی۔ آخر تنگ آکر میں نے امانیہ شرح شاطبیہ لکھی۔ پھر ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ الجواھر النقیہ میں نے بہت مشقت اٹھا کر لکھی۔ گرمیوں کے دن تھے تم لوگ تو جا کر سو جاتے تھے میں رات کو کمرے میں بیٹھ کر دو دو بجے تک لکھا کرتا تھا بعض اوقات بیٹھ کر لکھتے لکھتے تھک جاتا تو سینے کے نیچے تکیہ رکھ لیتا اور الٹا لیٹ کر لکھا کرتا۔ گرمیوں کے دن سخت گرمی اور پسینہ سب چیزیں ہی بہت تنگ

کرتیں لیکن اللہ کا کرم رہا کہ شرح مذکور پایہ تکمیل کو پہنچی۔ حضرت قاری صاحبؒ کو کتب کی طباعت و اشاعت سے ہمیشہ دلچسپی رہی۔ قاری محمد ادریس عاصم صاحب نے اپنی دو کتب تحیر التجوید اور جزری کا ترجمہ الفوائد السلفیہ چھپوایا تو خواہش ظاہر کی کہ ٹائٹل پر قراءت اکیڈمی کا نام آئے میں نے کہا کہ جناب والد صاحبؒ سے پوچھ کر بتاؤں گا میں نے حضرتؒ سے ذکر کیا تو بلا تامل فرمایا کوئی حرج نہیں ہے ٹائٹل پر اپنی دکان کا نام آنے دو۔ بعد ازاں حضرتؒ نے قاری ادریس صاحبؒ کی دونوں کتب پر تقاریز بھی لکھ کر دی۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے لگتا ہے آج کل تو کچھ صدقہ خیرات نہیں کر رہا ہے۔ میں بہت حیران ہوا کیونکہ یہ صحیح بھی تھا کتب کی چھپائی کے لئے میں کنجوسی کی حد تک بچت کر رہا تھا اور سوال کرنے والوں کو بھی لوٹا دیتا تھا۔ میں نے جی ہاں یہ تو صحیح کہا آپ نے میں آج کل واقعی سوال کرنے والوں کو لوٹا دیتا ہوں فرمانے لگے دکان پر جو بھی حاجت مند آئے اسے کچھ نہ کچھ دے دیا کرو۔ میری حیرانگی برقرار تھی میں نے پوچھا آپ کو کیسے معلوم ہوا فرمانے لگے رات میں نے خواب دیکھا کہ بارش ہو رہی ہے ہر جگہ بارش کا پانی گر رہا ہے لیکن تیری دکان پر ایک گنبد سا بنا ہوا ہے اس وجہ سے بارش دکان کے اندر نہیں جا رہی میں نے اس خواب کی یہ تعبیر نکالی کہ بارش رحمت ہے اور رحمت تجھ تک نہیں پہنچ رہی۔ چونکہ رحمت متوجہ ہوتی ہے صدقہ و خیرات کرنے سے لہٰذا گنبد سے میں نے یہ مطلب اخذ کیا کہ تو صدقہ خیرات سے ہاتھ روکے ہوئے ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کتب کے ٹائٹل کے متعلق بہت خیال کرتے ٹائٹل بہت اہتمام سے بنوایا جاتا۔ حضرت قاری صاحب کی زیادہ تر کتب کے ٹائٹل حضرت سید نفیس حسین رقم صاحب دامت برکاتھم کے تحریر کردہ ہیں۔ جن میں المقدمتہ الجزریہ' فوائد مکیہ' تیسیر التجوید' خلاصتہ التجوید' امانیہ شرح شاطبیہ' الجواھر النقیہ اور الحواشی المفہمہ شامل ہیں۔

جب کہ جمال القرآن' تنشیط الطبع' مجموعہ نادرہ' البدور الزاہرہ' توضیح المرام اور الدراری شرح الدرۃ کے ٹائٹل جناب شیر زمان صاحب نے تحریر کئے ہیں۔

اردو بازار میں قراءت اکیڈمی کا آغاز ہوا تو مولانا نذیر احمد سبحانی صاحب جنہوں نے یہ دکان دلوا کر دی تھی میرے سے فرمانے لگے دکان کی افتتاحی تقریب کے لئے حضرت قاری صاحبؒ اور قاری رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن آجائیں تو دعا اور مٹھائی وغیرہ ہو جائے۔ میں نے شام کو جا کر سبحانی صاحب کی تجویز حضرت قاری صاحبؒ سے ذکر کی۔ فرمانے لگے مٹھائی اور تقریب وغیرہ غیر ضروری ہے رہی دعا تو وہ ہر دم کر رہے ہیں۔

قراءت اکیڈمی کا قیام فروری ۱۹۸۴ء میں عمل میں آیا اس وقت سے لے کر وفات تک دکان پر چار مرتبہ تشریف لائے۔ پہلے اس وقت جب دکان کا فرنیچر تقریباً مکمل ہو گیا تھا حضرت قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن بھی ہمراہ تھے۔ اس کے بعد ایک مرتبہ اکیلے ہی آئے۔ اور دو مرتبہ قاری محمد ادریس عاصم صاحب کے ہمراہ

آئے۔

دکان پر جو بھی نئی کتب آتیں وہ حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں ضرور پیش کرتا۔ ایک مرتبہ علامہ دانیؒ کی المکتفی فی الوقف والابتدا آئی میں ایک نسخہ حضرت قاری صاحب کی خدمت میں لے گیا دیکھ کر بہت خوش ہوئے فرمانے لگے بھئی علامہ دانی قراءت کے بہت بڑے محقق ہوئے ہیں ان کی کوئی کتاب آیا کرے تو مجھے ضرور مطلع کیا کرو۔

اسی طرح تذکرہ قاریان ہند چھپ کر آئی تو اس کا بھی ایک نسخہ حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

ایک مرتبہ مجھ سے فرمانے لگے سوانح قاری عبدالمالک صاحبؒ پڑھی ہے میں نے کہا جی ہاں پڑھی ہے۔ فرمانے لگے اس کے مضمون بڑے بے ربط ہیں کتابت کی خامیوں اور کاپی کی غلط جڑائی سے ربط منقطع ہوا اور مضامین کا لطف جاتا رہا ہے۔ پھر فرمانے لگے میرے پاس اپنے استاذ المکرم حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے متعلق اس قدر معلومات اور باتیں محفوظ ہیں جو شاید ہی کسی کے پاس ہوں دل کرتا ہے کہ حضرت استاذ المکرم کے شایان شان ایک سوانح مرتب کروں۔

بہت سے علمی حلقوں میں ایک غلط فہمی جو کہ دانستہ طور پر پھیلائی گئی ہے وہ یہ کہ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے سبعہ کی تکمیل حضرت مولانا قاری ضیاء الدین صاحبؒ سے کی ہے اور عشرہ کی تکمیل حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادیؒ سے کی۔ اس کا میں نے بارہا حضرت قاری صاحب سے تذکرہ فرمایا اور انہوں نے پرزور طریقے سے اس کی تردید کی اور فرمایا کہ ہماری سبعہ کی اسناد حضرت استاذ المکرمؒ نے حضرت قاری عبدالرحمٰنؒ کے نام سے جاری کی ہے حضرت قاری ضیاء الدین صاحبؒ کے نام سے نہیں۔ اس سلسلے میں ایک طویل تحقیقی اور وضاحتی مضمون حضرت نے اپنی وفات سے کچھ دن قبل ہی مکمل کیا تھا۔ جس میں اپنے موقف کو مضبوط کرنے کے لئے مدرسہ فرقانیہ لکھنؤ سے خطوط کے ذریعے معلومات بھی کی اور انہوں نے بھی اس غلط فہمی پر مبنی خبر کی تردید کی تھی۔

حضرت قاری صاحبؒ میں ایک عادت یہ بھی تھی کہ کوئی بات' کوئی مضمون کا اقتباس پسند آگیا تو اس کو اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا اس طرح ایک خطیر مجموعہ مرتب ہوگیا جس کو حضرت قاری صاحبؒ نے "کشکول" کا نام دیا۔ یہ بات حضرت کے شاگرد حضرت قاری عظیم جان صاحب نے مجھے حضرتؒ کی وفات کے بعد بتائی۔ اس قسم کے ملفوظات جو کہ حضرت کے تحریر کردہ ہوتے تھے نظر سے گزرتے تو تھے لیکن ہم اس کو حضرتؒ کی ڈائری ہی سمجھا کرتے تھے لیکن ان کو کشکول کے نام سے مرتب کرنے کا ارادہ حضرت قاری صاحبؒ نے مجھ پہ کبھی ظاہر نہ کیا ہاں اس کو مذکورہ بالا نام سے چھپوانے کا ارادہ قاری عظیم جان صاحب سے بارہا کیا۔ انشاء اللہ یہ شذرات بھی ضرور چھپوائیں گے۔

دسمبر کے پہلے ہفتے میں حضرت قاری صاحب اسلامک یونیورسٹی کی لائبریری کے لئے اپنی کچھ تصنیف شدہ کتب میرے سے لے کر گئے تھے۔ ۱۲/ دسمبر بروز جمعرات کو میں دکان سے واپس گیا ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے بھئی تو نے اپنی کتب کی قیمتیں بہت کم رکھی ہیں یونیورسٹی میں سب نے کتب دیکھ کر یہی کہا کہ اس معیار کی کتب اسلام آباد میں دوگنا قیمت پر دستیاب ہوں۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے خود کتب کی قیمتیں کم رکھی ہیں تاکہ گاھک کی قوت خرید سے باہر نہ ہوں دوسرے دیگر اداروں کے مقابلے میں زیادہ فروخت ہوں الحمدللہ میں اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوں ہماری مطبوعہ کتب کی طلباء میں غیر معمولی پذیرائی اور مقبولیت اس کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ یہ بات سن کر خوش ہوئے اور فرمانے لگے چلو اللہ تیرے کام میں برکت دے۔ (آمین)

یہ آخری گفتگو تھی جو کہ حضرت قاری صاحبؒ نے قراءت اکیڈمی اور اپنی مطبوعہ کتب کے متعلق فرمائی۔ اس کے پانچ دن بعد ۱۷/ دسمبر ۱۹۹۱ء کو آپ اس دنیائے فانی کو خیرباد کہہ گئے۔

دینی رسائل میں مضمون نگاری

دینی رسائل وغیرہ میں کب لکھنا شروع کیا اس کے متعلق کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ لیکن خیال واثق ہے کہ اپنا اولین مضمون ہفت روزہ ''الاعتصام'' میں لکھا تھا اور یہ اس وقت کی بات ہے جب حضرت قاری صاحب مدرسہ تجوید القرآن چینیانوالی میں پڑھایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حضرت قاری صاحب کے مضمون ''دارالعلوم'' ''البلاغ'' ''الحق'' ماہنامہ ''فکر و نظر'' جو کہ اسلامی یونیورسٹی کا علمی و دینی مجلہ ہے میں بھی شائع ہوئے اس کے علاوہ ہفت روزہ خدام الدین' ماہنامہ اردو ڈائجسٹ' گلزار مدینہ وغیرہ میں بھی شائع ہوتے رہے۔ حضرت قاری صاحب کے آخری مضامین ماہنامہ ''التجوید'' فیصل آباد اور ہفت روزہ خدام الدین میں شائع ہوئے تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے بہت سی کتب پر تقاریظ بھی تحریر کی جن میں قاری محمد یحییٰ رسولنگری صاحب کی کتاب اسھل التجوید' ماسٹر محمد بابر کی مرتبہ کتاب '' کتاب الاشارات فی السبع المتواترات'' قاری محمد ادریس عاصم لاہوری کی دو کتب الفوائد السلفیہ علی المقدمۃ الجزریہ اور تحبیر التجوید شامل ہیں۔

ان کے علاوہ بہت سی دیگر کتب بھی شامل ہیں جن کے نام مذکور کرنے سے مضمون کی طوالت کا اندیشہ ہے لہذا انہی پر اکتفا کرتا ہوں۔

❑❑❑

مختصر تبصرہ

شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانویؒ کی تصنیفی خدمات

قاری محمد ادریس عاصم

جمال القرآن مع حواشی جدیدہ

تجوید کی یہ ابتدائی کتاب برصغیر پاک و ہند کے تمام دینی مدارس میں پڑھائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی تشریح و توضیح میں مختصر اور طویل دونوں طرح کے حواشی اہل علم حضرات نے تحریر کئے ہیں۔ مگر ضرورت تھی کہ غیر ضروری طوالت سے ہٹ کر شگفتہ انداز میں ایسی فنی ضرورتوں کو حاشیہ میں جگہ دی جائے جو کتاب کی وضاحت میں مفید ہوں۔ عرصہ کے بعد بحمدللہ مفید اور پر از معلومات حواشی سے جمال القرآن کو مزین کیا گیا ہے۔ کچھ اہل قلم نے جو جمال القرآن کے بعض مسائل پر اشکالات کئے ہیں ان کے مدلل جوابات دیئے گئے ہیں۔ غرضیکہ کتاب کی افادیت حواشی جدیدہ سے دو چند ہو گئی ہے' عمدہ اور دیدہ زیب گرد و پیش' عمدہ کاغذ' خوبصورت طرز تحریر مزید نکھار پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی ہیں۔

تیسیر التجوید مع حواشی مفیدہ

ماہر فن اور پرانے مانے ہوئے استاذ حضرت قاری عبدالخالق سہارنپوریؒ کی یہ تصنیف جو برصغیر کے بہت سے دینی مدارس میں شامل نصاب ہے' اساتذہ فن کے یہاں ایک مستند اور اعلیٰ کتاب سمجھی جاتی ہے کتاب کے ادق مسائل کو ماہرانہ انداز میں حل کیلئے حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ کا قلم حرکت میں آیا ہے جس نے نہایت سہل طرز پر مذکورہ حواشی مفیدہ سے کتاب کو مزین کیا ہے۔ جس سے کتاب کی قدر و قیمت میں بے حد اضافہ ہوا ہے۔ واللہ اعلم اس کتاب کے مزید کسی نے حواشی لکھے ہیں یا نہیں لیکن حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کے حواشی سے مزین ہونے کے بعد یہ کتاب طلباء تجوید کیلئے ایک نہایت معاون و سہل کتاب کی شکل اختیار کر گئی ہے۔

اشعار مقدمتہ الجزریہ و تحفتہ الاطفال کا اردو ترجمہ

علام کبیر محقق فن جزریؒ کی ذات' بابرکات کے فیوض علوم تجوید و قرآۃ میں بارش کی طرح برسے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی علامہ جمزوریؒ کے تحفتہ الاطفال کو بھی خداداد مقبولیت حاصل ہے۔ دونوں قصائد کے تراجم ہندو پاک میں بہت سے اجل قراء حضرات نے تحریر کئے ہیں لیکن حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کے ترجمے سے مزین یہ قصائد مفہوم کے مطابق اور عام فہم ہیں جس سے بغیر کسی طوالت کے صحیح اور مختصر ترجمے کو طلباء کے سامنے پیش کیا

گیا ہے جو یقیناً طلباء کے لئے شفقت والے جذبات کا آئینہ دار ہے۔ تسہیل میں طلباء کا خیال رکھنے کے باوجود اس بات کا بھی خیال رکھا گیا ہے کہ وہ تن آسانی کا شکار نہ ہونے پائے اور اسی لئے متن قصائد اور تراجم الگ الگ بیان کیا گیا ہے جو طلباء کو اشعار یاد کرنے میں معاون ہوتا ہے۔

خلاصتہ التجوید

اپنے نام کی طرح اسم بامسمی یہ کتاب تجوید کی بہت سی بھاری بھاری کتب پر حاوی نظر آتی ہے۔ چالیس اسباق میں پورا فن تجوید آسان انداز پر ترتیب دیا گیا ہے طلباء امتحان کی تیاری میں اس کتاب کو بہترین مددگار پائیں گے۔ سکول کے بچوں کے لئے نہایت مفید۔ پڑھے لکھے لوگ جو تجوید کے شائق ہوں اور فرصت کے اوقات میں آسان انداز میں تجوید کے مسائل کا مطالعہ کریں تو وہ اس کتاب کو ایک بہترین استاذ پائیں گے۔ پاکستان کے بہت سے علاقوں میں جاری ہونے والے چالیس روزہ قاری کورس کے لئے بہترین کتاب ہے اور مذکورہ کورسز میں یہ کتاب بطور بنیادی کتاب پڑھائی بھی جا رہی ہے۔ آسان' جامع اور واضح اسلوب کی بدولت طلباء کے لئے استفادے میں بہت آسانی اس کتاب میں میسر ہے۔

مجموعہ نادرہ

استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبداللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاری اشرف علی صاحب تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے وہ رسائل جو عرصہ سے متاع گم گشتہ ہو گئے تھے' انہیں حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کی ذاتی توجہ کی بدولت زیر طبع سے آراستہ ہونے کے مرحلے سے بالاخر گزارا گیا۔ یہ تین رسالے جو تعلیم الوقف از قاری عبداللہ مکیؒ' تجوید القرآن و یادگار حق القرآن از مولانا تھانویؒ کو حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ نے اپنے مخصوص انداز میں حواشی سے مزین کیا ہے۔ جابجا مسائل تجوید وقف پر لطیف توجیہات و اشارات کی وجہ سے مذکورہ رسائل ایک نئی طاقت و توانائی کے ہمراہ منظر عام پر آئے ہیں۔

الجواہر النقیہ شرح مقدمتہ الجزریہ

حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کی یہ مشہور عالم شرح جس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور جو نامور اہل فن اور اساتذہ علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے کسی بھی تعارف کی محتاج نہیں۔ پچاس سے زائد فنی کتب کا نچوڑ' متعلقہ مسائل پر کھل کر بحث شیوخ تجوید اور دیگر شراح مقدمہ کے مباحث میں جس انداز میں بے لاگ اظہار رائے اس کتاب میں سامنے آیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ذہین طلباء اور اساتذہ دونوں ہی اس شرح کے محتاج ہیں اور مقدمتہ الجزری کی طلباء کے لئے نظر آنے والی چیستاں کو جس طرح نرمی اور تسہیل نیز طلباء کے ساتھ شفقت کے

خیال رکھتے ہوئے حل کیا گیا ہے وہ دیگر شروح سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کتاب کے بغیر مدارس کی لائبریریوں اور طلباء کا ذاتی ذخیرہ کتب نامکمل ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ اپنے نام کی طرح اسم بامسمی

الحواشی المفہمہ فی شرح المقدمہ

شمس المحققین علامہ محمد بن الجزریؒ نویں صدی ہجری میں فن قرات کے امام مانے گئے ہیں۔ اس کے بعد اس میدان میں انؒ کا مقابل پیدا نہیں ہوا۔ تجوید پر ان کا منظوم رسالہ "المقدمتہ الجزریہ" ہر دور میں مقبول اور داخل نصاب رہا ہے بے شمار اس کی شروح لکھی گئیں۔ اس کتاب کے پہلے شارح مصنف کے صاحبزادے احمد الجزریؒ ہیں جنہوں نے اپنے والد محترم کی حیات میں یہ شرح لکھی گویا بعد کے آنے والے تمام شارحین کے لئے یہ شرح راہنما رہی ہے اور ہر شارح پر احمد الجزریؒ کا احسان ثابت ہے۔ یہ شرح عرصہ سے دنیائے تجوید میں نایاب تھی۔ افادہ کی دنیا میں اس کا طبع نعمت غیر مترقبہ ہے۔ عبدالغفور مصطفیٰ شیخ القراء فی الجامعہ ازہر ونیز فضیلتہ الشیخ عبدالحیٔ ظہران صاحب کے تقدیم اور تقریظ سے مزین یہ کتاب جسے اردو ترجمے کے ساتھ حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ نے زینت بخشی ہے استفادے کے لئے زبردست توجہ مانگتی ہے۔

شرح شاطبیہ اردو

حضرت قاری صاحبؒ کی تصنیف شدہ مذکورہ شرح شاطبیہ جو اب خال خال اہل علم کے پاس نظر آتی ہے علم و فن قرات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ معمولی کاغذ اور عام سی چھپائی سے اس کی افادیت میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ اہل علم حلقوں میں اس کتاب کی مانگ کا بدستور ہونا اس کی مقبولیت کی ایک واضح دلیل ہے۔ کتاب کے نایاب ہونے سے کچھ دیدہ دلیر مصنفین کی بھی بن آئی ہے جنہوں نے پوری شرح ہو بہو نقل کر کے اپنے نام سے چھپوا کر علمی بددیانتی کا ایک نہایت برا انداز بھی علمی حلقوں میں پیش کیا ہے جو اہل علم کی پیش بین نظروں سے پوشیدہ نہیں رہ سکا لیکن اس سے شرح اور مصنف علامؒ کی مقبولیت اور صلاحیتیں دونوں مزید آشکارہ ہوئی ہیں۔

امانیہ شرح شاطبیہ (اردو)

دو جلدوں پر مشتمل اردو میں شاطبیہ کی بہترین شرح شاطبیہ کی مشکلات کو آسانی سے حل کرتی ہے۔ نہ بہت طویل نہ بہت مختصر۔ حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ کی پہلی شرح شاطبیہ کے نایاب ہونے کے بعد مذکورہ شرح منظر عام پر آئی ہے جس میں ماہ و سال کے اضافے سے قاری صاحب کی علم میں مزید وسعت نظر اس کتاب میں موجود ہے۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ آپ اس کے مطالعہ ہی سے کر سکتے ہیں۔ شاطبیہ ادق اور قرات سبعہ کی درسی کتاب ہے بغیر استاذ اور بغیر آسان اردو شرح کے طلباء کے لئے اس کتاب کی مشکلات پر قابو پانا آسان

نہیں۔ زیر بحث شرح سے دوران تعلیم استفادے کی بدولت طلباء قرات ایک علمی توانائی اپنے اندر محسوس کریں گے۔

توضیح المرام فی وقف حمزۃ و ہشام (اردو)

شاطبیہ میں باب وقف حمزۃ و ہشام ہمیشہ مشکل اور کثیر الانواع فروع پر مشتمل باب مانا گیا ہے۔ دور قدیم میں اس باب کی تشریح و توضیح پر اسلاف نے عربی میں چھوٹی بڑی شروح لکھی ہیں۔ اردو میں حضرت قاری محب الدین صاحب کا رسالہ بھی عرصہ ہوا ناپید ہے۔ ضرورت تھی کہ اس باب کی تشریح میں مناسب تسہیلی انداز میں لکھا جائے۔ حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ نے اپنے زمانہ طالب علمی کے دور میں اس باب پر کام کیا اور اپنے استاذ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کو دکھایا۔ انہوں نے حضرت قاری صاحب موصوفؒ کے کام کو بہت پسند کیا۔ اب اس کو طلباء کے استفادے کے لئے کتابی صورت میں طبع کرایا گیا ہے جس میں تشریح و تسہیل کے لئے انتہائی عمدہ وضاحتی جداول کا بھی اضافہ ہے۔ ایک نہایت ہی مشکل موضوع پر فاضل مصنفؒ کی لاجواب تصنیف۔

تنشیط الطبع فی اجراء السبع محشی (اردو)

حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانویؒ کا یہ رسالہ جمع الجمع میں اجراء قراءات سبعہ کی تعلیم پر عمدہ تصنیف ہے۔ شاطبیہ پڑھنے کے بعد جمع الجمع میں اجراء کرنا طلباء کے لئے ایک مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ اس کتاب میں نقشوں کی مدد سے اجراء کے طریقہ کو آسان کیا گیا ہے۔ رسالہ اپنی پرانی شکل میں اغلاط سے پر تھا۔ حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ نے اس کی اغلاط کی اصلاح کی اور ایک ضخیم کام قراء سبعہ اور ان کے رواۃ کے اصول و قواعد کی واضح تفصیلات پر قلم اٹھایا ہے جس سے اصول و قواعد سب ذہن میں محفوظ ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کام میں محشی کو بہت کاوش اور محنت کرنا پڑی ہوگی جس کے لئے محشی موصوف مبارکباد کے مستحق ہیں لیکن اس محنت اور کاوش سے کتاب کی افادیت و ضخامت میں گرانقدر اضافہ ہوا ہے۔

الدراری شرح الدرۃ (اردو)

قرات ثلثہ میں علامہ جزریؒ محقق فن کی تقریباً ڈھائی سو اشعار کی کتاب درۃ ادق اور مشکل کتاب ہے اور جس سے استفادہ بذات خود ایک بڑی ذہنی جدوجہد کا تقاضا کرتا ہے۔ کتاب داخل نصاب ہے۔ طلباء اور اہل علم کے بے حد اصرار پر اپنے مخصوص و مشفقانہ انداز میں حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ نے کتاب درۃ کی تسہیل و توضیح کے لئے بھی قلم اٹھایا اور نہایت جامعیت کی شان سے یہ شرح اردو میں مرتب ہوئی ہے جو کہ قراءات ثلثہ کے طلباء پر حضرت قاری صاحبؒ کا احسان عظیم ثابت ہوگی اور قوی امید ہے کہ مطالعہ کرنے سے طلباء اس شرح مذکورہ کو اپنے لئے نہایت مفید اور سہل پائیں گے۔

ایضاح المقاصد شرح عقیلہ (اردو)

علامہ شاطبی کے علم رسم قرآنی پر تحریر شدہ منظوم قصیدے عقیلۃ اتراب القصائد کی حیثیت علمی حلقوں میں مسلمہ ہے اور جس کی افادیت سے انکار ممکن نہیں۔ عربی کی ایک شرح افضل الدرر مولفہ استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ موجود ہے لیکن زمانہ حال میں عربی زبان سے دوری اس سے استفادے میں ایک بڑی رکاوٹ بنی۔ حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی کی شرح اسہل الموارد بزبان اردو بھی پرانے اسلوب تحریر پر مشتمل ہے جبکہ موجودہ دور کے طلباء آسان' عام فہم' مختصراور جامع تشریح و توضیح کے طالب ہیں۔ طلباء کے ان مطالبات کو حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ کی شرح مذکورہ پورا کرتی نظر آتی ہے جس میں حضرت مصنف نے اپنے مخصوص انداز میں قصیدے کی تحلیل و تشریح کی ہے۔ یہ کتاب منظرعام پر آنے کے بعد طلباء کیلئے اطمینان قلبی کا باعث بنے گی اور طلباء کی تسیلی خواہش کو بدرجہ اتم پورا کریگی۔ فی الحال زیر بحث شرح مسودہ کی شکل میں ہے۔ مدیر قرات اکیڈمی اور حضرت قاری صاحب کے صاحبزادے اسکو زیر طبع سے آراستہ کرنے کا عزم صمیم لئے بیٹھے ہیں۔ اللہ پاک تکمیل کرے۔

اخلاق محمدیؐ

چار سو احادیث مبارکہ کا یہ مجموعہ جن کے ہمراہ دوسرے کالم میں اردو ترجمہ بھی موجود ہے موجودہ دور کی تیز رفتار زندگی میں جس میں وقت کی تنگی داماں کا رونا ہماری زبانوں پر زدعام ہے۔ اسی تنگی داماں کے علاج کے طور پر یہ کتاب ایک نہایت معلوماتی ہونے کے علاوہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے جذباتی وابستگی کو مزید جلا دینے میں مدد و معاون ثابت ہوگی۔ قاری اظہار احمد تھانوی صاحب نے اس مجموعہ کے لئے وہ احادیث مبارکہ کو منتخب کی ہیں جو ہمارے روزمرہ کے معمولات' عبادات و عقائد کی اصلاح میں بہت معاون ثابت ہوں۔ حضرت قاری محمد رفیع صاحب مہتمم مدرسہ تجوید القرآن رنگ محل لاہور کے پیش لفظ اور حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تقریظ نے کتاب کو مزید مزین کیا ہے۔ کتاب کے آخر میں حدیث اور علم حدیث سے متعلقہ نہایت اہم مباحث بھی شامل ہیں۔

پیغام رمضان (اردو)

زیر بحث کتاب دراصل علامہ ابو بکر الجزاہریؒ سابق خطیب مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف ہے جسے حضرت قاری صاحب نے اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے۔ اس کتاب میں' جیسا کہ نام سے ظاہر ہے' ماہ رمضان المبارک کے فضائل اعمال اور مسائل کا بیان ہے اور جس میں آیات قرآنی' احادیث نبویؐ نیز ائمہ اربعہ کے اخذ

کردہ ملفوظات کی روشنی میں تفصیل بیان کی گئی ہے۔ الحمدللہ کتاب مسائل رمضان' تراویح کے فضائل' صدقہ فطر کے احکامات اور دیگر روزہ کے متعلق امور کا مکمل طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے مترجم حضرت مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ کی ترجمان صلاحیت بھی واضح آشکارا ہوتی ہے۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**

شجرۃ الاساتذہ (اردو)

زیر بحث کتاب اپنے موضوع کی ندرت اور تحریر کے لحاظ سے منفرد حیثیت کی حامل ہے۔ صاحب مصنفؒ نے اس کتاب میں اپنی تجوید و قرآءت کی اسانید پر بڑی واضح بحث کی ہے اور سندات مذکورہ میں شامل اساتذہ قراءت کے مختصر مگر جامع تعارف بھی دیئے ہیں۔ بعض اساتذہ پر کئے گئے اعتراضات نیز غلط فہمیوں کو بھی اس کتاب میں حضرت الاستاذؒ نے مدلل انداز میں رد فرمایا ہے۔ میرے خیال کے مطابق اردو ادب کا دامن ایسے موضوع سے خالی ہے ہاں مصنف عظیم و محقق زمانہ الشیخ علی محمد الضباع المصریؒ کی ایک کتاب کا تذکرہ ان کی تالیف شدہ کتب میں ملتا ہے جو تاحال مخطوط ہے۔ فی الحال حضرت قاری صاحبؒ کی بھی یہ کتاب طبع نہیں ہوئی مسودے کی شکل میں ہے۔

تقاریر ابو داؤد شریف (اردو)

تقاریر ابو داؤد شریف کا یہ نہایت مفصل مجموعہ حضرت قاری صاحبؒ نے اپنے زمانہ طالب علمی مظاہر العلوم سہارنپور میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ کی تقاریر کی سماعت فرما کر مجتمع کیا ہے۔ علوم حدیث خصوصا" ابو داؤد شریف کے متعلمین کے لئے یہ مجموعہ نہایت مفید و معاون ثابت ہو گا۔ فی الحال یہ تقاریر کا عظیم الشان مجموعہ مخطوطہ ہے قوی امید ہے کہ قرآءت اکیڈمی اس کو چھاپ کر جلد منظر عام پر لائے گی۔ انشاء اللہ

المرشد فی التجوید والوقف (عربی)

زیر بحث کتاب حضرت قاری صاحبؒ نے بزبان عربی جامعہ اسلامیہ اسلام آباد کے متعلمین کے لئے ترتیب دیا تھا۔ لیکن اس کتاب کے بھی چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ مختصر انداز میں نہایت چابکدستی اور ماہرانہ انداز میں تجوید اور علم وقف کے ابواب کو اس میں بیان کیا گیا ہے امید ہے انشاء اللہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو گا۔

ان کتب کے علاوہ حضرت قاری صاحبؒ نے درج ذیل کتب عربیہ کے تراجم بھی کئے۔ جن میں "حضرت عثمانؓ" مصری مصنف کی کتاب کا اردو ترجمہ آپ کے قلم سے ہے مگر نام عبدالصمد صارم کا ہے۔ اسی طرح عباس محمود العقاد کی کتاب "اللہ" کا ترجمہ بھی آپ کے قلم سے ہے مگر نام مصنف کا ہی لکھا گیا ہے مترجم موصوفؒ کا نہیں۔

"رحمتہ الاسلام للنساء" عربی کا ترجمہ بھی حضرت قاری صاحبؒ نے کیا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ نے "سوانح امام جزری" اور "سبعہ احرف" نامی دو کتب نامکمل چھوڑی ہیں۔

مولانا قاری اظہار احمد صاحب صدیقی تھانوی

والد محترم کا نام حافظ اعجاز احمد ہے۔ قاری صاحب موصوف کی پیدائش ۱۹۳۰ء میں قصبہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔ اولاً قرآن پاک حفظ کیا۔ ڈھائی تین سال میں اس سے فراغت ہوئی۔ استاذ قرآن کا نام خلیفہ اعجاز احمد ہے۔ ابتدائی تعلیم خانقاہ امدادیہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں ہوئی۔ یہاں پر فارسی کا مروجہ نصاب تین سال میں مکمل کیا۔ فارسی کے استاذ مولانا محی الدین بنگالی فاضل دارالعلوم دیو بند حال مفتی دارالعلوم ڈھاکہ بنگلہ دیش تھے' تیسرے سال میں فارسی کی بڑی کتابوں کے ساتھ تاریخ' سیرت مبارکہ اور حساب مولانا محمد شریف صاحب سے پڑھا اور خوشخطی مولانا محمد عمران صاحب مرحوم سے سیکھی جو ماہنامہ رسالہ النور کے کاتب تھے۔

ابتدائی عربی ہدایتہ النحو تک مولانا امیر احمد صاحب میرٹھی سے پڑھی۔ ادب' منطق اور فقہ کی ابتدائی کتابیں مولانا مدثر صاحب بنگالی مرحوم سے پڑھیں۔ کافیہ' فصول اکبری' نفحتہ الیمن حضرت مولانا مفتی محمد جمیل احمد صاحب تھانوی سے پڑھیں۔ شرح جامی اصول الشاشی قدوری۔ کنز الدقائق' شرح تہذیب' قطبی وغیرہ مولانا محمد شریف صاحب سے مکمل کیں۔

۱۹۴۵ء' ۱۳۶۳ھ میں (حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے وصال کے بعد) آپ نے مظاہر علوم میں داخلہ لیا۔ داخلہ کے امتحان میں بڑے اچھے نمبروں سے پاس ہوئے۔ اس پہلے سال میں مولانا نے شرح وقایہ' نور الانوار' تعلیم المتعلم' مختصر معانی اور سلم العلوم اپنے لئے تجویز کرائیں۔ ۱۳۶۴ھ میں آپ نے ملا حسن' ہدایہ اولین' مقامات حریری' میبندی' ملا جلال' میر زاہد' سراجی' سبعہ معلقہ' ۱۳۶۵ھ میں جلالین شریف' شرح عقائد' مشکوۃ شریف مقدمہ مشکوۃ' شرح نخبہ' امور عامہ پڑھ کر ۱۳۶۶ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھا۔

کتب صحاح میں آپ کے اساتذہ مع تعیین کتب کے یہ تھے۔ بخاری جلد اول' ابو داؤد از حضرت شیخ زاد مجدہ' بخاری جلد ثانی و ترمذی از حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مسلم شریف و طحاوی از مولانا منظور احمد خاں صاحب' نسائی' ابن ماجہ از مولانا محمد اسعداللہ صاحب زاد مجدہ' مولانا سرفراز احمد تھانوی' مولانا جمال احمد صاحب بنوی..... استاذ حدیث دارالعلوم لائلپور' مولانا فروغ احمد تھانوی' مولانا خلیق الرحمٰن کاندھلوی' آپ کے دورہ حدیث کے خصوصی رفقاء میں سے ہیں۔

علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری' مولانا ظریف احمد صاحب پور قاضوی' مولانا امیر احمد صاحب کاندھلوی' مولانا عبدالشکور کاملپوری' مولانا قاری سعید احمد صاحب اجراڑوی جیسے اعیان و اکابر سے قاری صاحب کو شرف تلمذ حاصل ہے۔

ان کے علاوہ لاہور میں حضرت قاری عبدالمالک صاحب سے چھ سال تجوید و قرآءت میں استفادہ کیا اور قراۃ عشرہ کی تکمیل کی۔ اب سالہا سال سے استاذ تجوید و قرآءت ہیں۔ آج کل مدرسہ تجوید القرآن (موتی بازار) لاہور

میں شعبہ تجوید و قرآءت کے صدر اور جامع مسجد چوبرجی گارڈنز لاہور کے خطیب ہیں۔

اپنے اساتذہ کے متعلق قاری صاحب موصوف نے جن تاثرات کا اظہار کیا وہ یہ ہیں۔

(۱) میری ادبی آبیاری حضرت مولانا اسعداللہ صاحب مدظلہم کی خدمت میں ہوتی تھی۔ حضرت سے علاوہ درس کے اوقات کے بھی اکثر حاضری میں مختلف علمی' ادبی اور شاعری (اردو عربی) میں بڑی مفید معلومات حاصل ہوتی تھیں۔ بہت سے ادبی نکات نوٹ کیے تھے جو گم ہو گئے۔

(۲) ہدایہ کی نہایت مبسوط' دل نشیں اور بغیر رطب و یابس کے واضح تقریر حضرت مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ کی دل پر نقش ہوتی تھی اور ہدایہ کی پیچیدگیوں کی نہایت عمدہ تحلیل و تشریح میرے لئے بڑی عمدہ ذوق کی چیز ہوتی تھی' یوں بھی مرحوم بڑے قابل استاذ تھے جو کتاب بھی پڑھاتے اس کا حق ادا کر دیتے بڑے محنتی' متواضع' مطالعہ کے دھنی اور علمی مذاق کے بزرگ تھے۔ افسوس ان کی عمر کچھ زیادہ نہ ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۳) حضرت قاری سعید احمد صاحب کے یہاں مشکوٰۃ شریف کا دو گھنٹہ کا درس عجیب پر کیف درس تھا۔ ایسی عمدہ اور واضح تقریر ہوتی تھی کہ وقت کے گذرنے کے بعد جی چاہتا تھا کہ کاش وقت مزید کچھ طویل ہو جاتا' دوران درس متعلقہ مباحث' پیش رفت مسائل پر نہایت مدلل محاکمہ مثلاً حجیت حدیث جھوٹی نبوت وغیرہ موضوعات پر ہمیں عمر میں پہلی مرتبہ سیر حاصل مباحث سننے کا موقعہ نصیب ہوا تھا۔

(۴) حضرت مولانا محمد صدیق صاحبؒ نحو معانی اور منطق کے مشہور استاذ تھے ان کا کافیہ' شرح جامی' سلم اور مختصر معانی کا درس پورے ہندوستان میں مشہور تھا۔ اللہ اکبر کس قدر اطمینان سے شرح صدر کے ساتھ مسائل پر کلام کرتے تھے' جواب نہ تھا' ان اوصاف کے باوجود انتہائی سادہ اور منکسر المزاج تھے۔ مرحوم گدڑی میں لعل تھے' اللہ تعالیٰ ان پر رحمتوں کا مینہ برسائے' مجھ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔

(۵) پانچویں شخصیت حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوری کی تھی۔ ان کا تقویٰ' اتباع سنت' ذکر و شغل سب کے لئے قابل رشک تھا۔ ترمذی اور طحاوی ان کے یہاں ہوتی تھی۔ اکثر و بیشتر فتح الباری' شامی' فتح القدیر کی روشنی میں استدلال و جواب ہوتے تھے۔ حضرت مرحوم نے ان کتابوں کا..... بالاستیعاب نہ جانے کتنی مرتبہ مطالعہ از اول تا آخر کیا تھا۔ یہ کتابیں اکثر مطالعہ میں رہا کرتی تھیں۔ میرے تعلیمی دور میں اتفاق سے ملاحسن کا درس حضرت کے پاس تجویز ہوا ہم دیکھا کرتے تھے کہ حضرت پڑھانے سے پہلے کبھی ملاحسن کا مطالعہ نہیں فرماتے تھے مگر درس میں وہ نکات بیان ہوتے کہ لطف آجاتا۔ مزید حیرانی اس پر ہوتی تھی کہ ملاحسن کے دلائل کا اکثر نہایت تحقیر سے رد فرمایا کرتے تھے۔ اعتراضات ایسے دقیع ہوتے کہ ہم کہتے کہ اگر خود ملا حسن اس وقت موجود ہوتا تو حضرت کے سامنے لاجواب ہو جاتا۔ مرحوم کی سوانح عمری ان کے صاحبزادے قاری سعید الرحمٰن نے لکھی ہے پاکستان آنے کے بعد حضرت مرحوم سے میرا تعلق ارشاد و سلوک میں بھی رہا ہے جو نہایت قوی الاثر تھا۔

(۶) چھٹی ہستی حضرت شیخ الحدیث مدظلہم میرے لئے عظمت کا مینار تھے ابو داؤد جس سال ہماری شروع ہوئی فرمایا کہ اٹھائیسویں مرتبہ شروع کرا رہا ہوں۔ واقعی حدیث کا بحر ذخار ہیں۔ کتاب نہیں فن پڑھاتے تھے جو سالہا سال سے دور دراز کتابوں کا عطر کشید کیا ہوا تشریح حدیث کا ذخیرہ حضرت مدظلہم کے سینے میں اس وقت تھا اور اب ہے میرے خیال میں تو اس کا ثانی اس وقت دنیا میں نہیں ہے۔ طالب علمی کا زمانہ و ذہن طفلانہ ہوتا ہے ایک واقعہ عجیب پیش آیا۔ حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مرحوم سخت علیل ہو گئے۔ بخاری شریف کا کچھ ہی حصہ ہوا تھا۔ مناسب سمجھا گیا کہ جلد اول حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوری اور جلد ثانی حضرت شیخ الحدیث کو دے دی جائے۔ ہم نے کہا کہ شیخ کا حال اب معلوم ہو گا کہ واقعی شیخ الحدیث ہیں یا شیخ ابو داؤد۔ مگر بخاری شریف پر ایسا لاجواب بولے معلوم ہوتا تھا کہ سالہا سال سے پڑھا رہے ہیں۔ ابواب پر ایسا زور دار مضمون مختلف شراح کے فیصلے اور آخر میں اپنی بہترین جچی تلی رائے' سننے میں آئی کہ دل پکار اٹھا واقعی شیخ الحدیث ہیں۔ مشہور تھا کہ شیخ تیز بولتے ہیں' کوئی ان کی تقریر ضبط نہیں کر سکتا۔ میں نے کہا یہ کام میں کروں گا۔ چنانچہ رف کاغذوں میں پنسل سے پہلے جلدی جلدی اکثر بلفظہ تقریر لکھ لینے میں کامیاب ہو جاتا اور سبق کے بعد فوراً اس کو صاف کرنا شروع کر دیتا۔

میرے شب ہائے دراز اس تقریر ابو داؤد کی تسوید و تبییض میں گذریں مجھ پر دیوانگی سوار تھی۔ اوجز' بذل کا مطالعہ علیحدہ کرتا تھا۔ تاہم کبھی ایسا بھی ہوتا کہ مضمون الجھ جاتا یا فرمائی بات یاد نہ رہتی تو مدرسہ قدیم میں مغرب کی نماز پڑھ کر شیخ کی واپسی کا منتظر بن کر مسجد کے دروازہ پر کھڑا رہتا' الحمدللہ حضرت بکمال شفقت جواب مرحمت فرماتے۔ کبھی اشکال تحریری پیش کرتا۔ عرض کرتا کہ حضرت اوجز میں یہ مسئلہ نہیں ہے جواب میں تحریر فرماتے "معلوم نہیں آپ اوجز کو کس طرح دیکھتے ہیں فلاں صفحہ فلاں جلد دیکھو"

یہ تقریر جو ابو داؤد کے اس حصہ پر محیط ہے جو بذل کی چار جلدوں میں ہے۔ میرے پاس ضبط شدہ موجود ہے۔ وقت مہلت دے تو جی چاہتا ہے کہ اس پر نظر ثانی کر کے شائع کر دوں۔

مولانا نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ۱۹۵۲ء میں منشی فاضل اور ۱۹۵۴ء میں مولوی فاضل کیا۔ ایک طویل عرصہ تک ایم۔ اے اسلامیات' ایم۔ اے عربی کے طلباء کو پڑھایا۔

تبلیغی جماعت کے متعلق مولانا کے تاثرات یہ ہیں۔

"تبلیغی جماعت کے ساتھ مجھے محبت ہے۔ مسلمانوں کی اس تنظیم کو وسیع صورت میں موجود ہونے کی از حد ضرورت ہے۔ بندہ حسب توفیق حصہ لے رہا ہے"

اللہ تعالیٰ نے آپ کو تصنیف و تالیف کا خصوصی ذوق دیا ہے۔ بڑی مفید اور جامع تالیفات آپ کے قلم سے نکلیں۔ صحافتی زندگی میں بھی رہ کر آپ نے مفید خدمات انجام دیں اور اپنے قارئین کے لئے تسکین بخش تحریریں پیش کیں۔ پاکستان منتقل ہو جانے کے بعد ۱۹۴۸ء اور ۱۹۴۹ء میں آپ اخبار انقلاب لاہور کے سنڈے ایڈیشن کے

حصہ مضامین کے ایڈیٹر رہے۔

تصنیفات و تالیفات

۱۔ شرح شاطبیہ اردو:۔ علامہ ابو القاسم کی شہرہ آفاق کتاب' حرز الامانی ووجہ التہانی المعروف بہ الشاطبیہ کی یہ مفصل اور جامع شرح ہے۔

عربی اشعار کے رواں دواں اردو ترجمے' الفاظ کی تشریح' لغوی تحقیق اور جابجا فنی نکات نے اس کتاب کی افادیت اور معنویت میں بیش قیمت اضافہ کر دیا۔ کتاب کا سائز ۲۰ x ۲۶/۸ ہے اور صفحات (۴۱۶) ہیں۔ کتاب کا پہلا ایڈیشن ملک سراج الدین اینڈ سنز ناشران و تاجران کتب کشمیری بازار لاہور (پاکستان) کی جانب سے شائع ہوا۔

۲۔ ترجمہ مقدمتہ الجزریہ:۔ مولانا موصوف نے مقدمہ جزریہ کا یہ اردو ترجمہ تحریر فرمایا ہے جو بڑا مختصر اور جامع ہے۔ اس ترجمہ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ سلیس اور سہل زبان میں کیا گیا ہے۔ متن عربی کی کتابت پاکستان کے مشہور خطاط و خوش نویس جناب نفیس الحسینی صاحب نے کی ہے۔ ۲۳ شوال ۱۳۸۶ھ میں یہ ترجمہ مکمل ہو کر آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت کے ساتھ شائع ہوا۔ اس کے صفحات (۴۸) ہیں اور سائز ۲۰ x ۳۰/۸ ہے۔

۳۔ الجواہر النقیہ فی شرح المقدمتہ الجزریہ:۔ یہ مقدمہ جزریہ کی ایک مکمل اور مبسوط شرح ہے جو مولانا نے بڑی دیدہ ریزی اور عرق ریزی سے ترتیب دی ہے۔ اپنی اس تالیف میں مولانا نے جو محنت شاقہ برداشت کی اس کا اظہار انہوں نے خود ان الفاظ سے کیا ہے۔

> "جس قدر کتابیں میسر آئیں ان کی طرف رجوع کیا گیا اور طلب علمی کا کاسہ گدائی لے کر ہر محقق فن کے دروازہ پر صدائیں لگائیں۔ اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود مجھے یہ اعتراف ہے کہ جب تک کسی بھی مسئلہ کا مکمل جائزہ نہیں لیا گیا وہ معرض تحریر میں نہیں لیا گیا۔ اس شرح کی تکمیل میں میں نے شب ہائے دراز جاگتے ہوئے بسر کیں۔ شاید میری ہمت میرا ساتھ دینے میں قاصر ہو گئی ہوتی مگر دوستوں کے اصرار نے مجھے بیٹھنے نہیں دیا" (مقدمہ الجواہر النقیہ)

مصنف نے کتاب کی شرح لکھتے وقت فن قرآءت و تجوید کی پچاس سے زائد کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان کی روشنی میں اپنی یہ شرح ترتیب دی۔

الفاظ کی تحقیق' لغات کی تشریح' معانی و مطالب کی تفہیم' موضوع سے متعلق معلومات کے وسیع ذخیرے نے اس شرح کی حیثیت اور قدر و قیمت بلند سے بلند تر کر دی۔

جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کی علمی ساکھ اور اس کی رفعت و برتری میں اس کتاب اور مصنف کتاب نے

بلاشبہ مزید اضافہ کر دیا۔

۲۴ رجب ۱۳۹۴ھ ۱۴ اگست ۱۹۷۴ء چہار شنبہ کو یہ تالیف حسن اختتام کو پہنچی اور مکتبہ اشاعت التجوید' مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور پاکستان سے شائع ہوئی۔ اس کے صفحات (۳۰۰) ہیں اور سائز ۸/۳۰ x ۲۰ ہے۔

(۴) حواشی جدیدہ جمال القرآن:۔ حضرت اقدس تھانوی ؒ کی شہرہ آفاق کتاب جمال القرآن پر مولانا موصوف نے یہ حواشی تحریر فرمائے ہیں۔ کتاب کا تعارف خود شارح کتاب نے ان الفاظ سے کرایا ہے کہ۔

"کتاب میں بعض مسائل بچوں کو ذہن نشین کرانے کے لئے طویل عبارتوں میں آئے ہیں ان کا مختصر سا خلاصہ حواشی میں جا بجا دیا گیا ہے تاکہ زبانی یاد کرانے میں آسانی ہو نیز فنی لحاظ سے بعض ضروری مسائل جو تنقیح طلب تھے زیر بحث آئے ہیں۔ آخر میں حفص بن سلیمان صاحب روایت' امام عاصم صاحب قرآءت اور ان کے شیوخ زر بن جیش اور ابن حبیب سلمی رحمہما اللہ کے حالات و سوانح بھی لکھ دیئے گئے ہیں" (عرض محشی ص ۲)

کتاب کے صفحات (۷۲) ہیں اور سائز ۸/۳۰ x ۲۰ ہے۔ ماہ ذیقعدہ ۱۳۹۲ھ میں یہ حواشی مکمل ہوئے۔ دیدہ زیب کتابت' عمدہ طباعت کے ساتھ یہ کتاب مدرسہ تجوید القرآن کوچہ کندیگراں موتی بازار لاہور پاکستان سے شائع ہوئی۔

(۵) تیسیر التجوید محشی:۔ تیسیر التجوید حضرت الحاج قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوری کی تالیف ہے جو قرآءت و تجوید کے مسائل پر ایک مختصر مجموعہ ہے مولانا قاری اظہار احمد صاحب موصوف نے اس پر تعلیقات اور حواشی کا اضافہ فرما کر اس کی افادیت میں مزید اضافہ کر دیا۔

آفسٹ کی خوش نظر کتابت و طباعت کے ساتھ یہ حواشی شعبہ تجوید و قرات مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور پاکستان سے شائع ہو چکے۔ کتاب کے صفحات (۶۴) ہیں اور سائز ۸/۳۰ x ۲۰ ہے۔

(درج بالا مضمون ہم نے "علمائے مظاہر العلوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات" جلد اول سے لیا ہے)

□□□

حضرت شیخ القراءؒ کے اساتذہ کرام

حضرت مولانا الحاج مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت برکاتہم

والد محترم کا نام مولانا سعید احمد اور جد محترم کا نام حافظ امیر احمد ہے۔ موصوف کی پیدائش ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ میں ہوئی۔ تاریخی نام "غریب علی" ہے۔ آپ کا وطن اصلی تھانہ بھون ضلع مظفر نگر ہے۔ جس کا نام پرانے کاغذات میں محمد پور بھی لکھا ہوا ہے۔ مولانا کی ننھیال راجو پور ضلع سہارنپور کی ہے۔ قرآن شریف کی ابتداء وہیں ہوئی۔ والد محترم کی ملازمت چونکہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں تھی اس لئے مولانا کو بھی وہیں زیادہ رہنے کا اتفاق ہوا۔ قرآن پاک ناظرہ وہیں ختم کر کے کسی اسکول میں اردو تعلیم شروع کی۔ اسی زمانے میں جارج پنجم تخت نشین ہوا تو اسکول کے دوسرے طلباء کے ساتھ مولانا کو بھی یادگاری تمغہ دیا گیا۔ ۱۳۳۲ھ میں تھانہ بھون آئے اور مدرسہ امداد العلوم خانقاہ اشرفیہ میں داخلہ لے کر تیسیر المبتدی سے یوسف زلیخا تک فارسی اور میزان الصرف سے ہدایۃ النحو تک عربی پڑھی۔ یہاں سے جلال آباد چلے آئے اور مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کے قائم کردہ مدرسہ میں شرح جامی پڑھی۔ اس عرصہ میں عزیز و اقارب نے بہت زور دیا کہ کسی انگریزی کالج میں داخلہ لے کر علوم مغربیہ پڑھیں۔ مگر موصوف اس پر رضامند نہ ہوئے۔ اسی درمیان مفتی صاحب موصوف کی بڑی ہمشیرہ کی شادی مولانا مظہر علی خاں راجو پوری سے ہوئی جو حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی اہلیہ کے بھانجے ہیں۔

حضرت سہارنپوری اس نکاح میں شرکت کے لئے تھانہ بھون تشریف لے گئے اور وہاں مفتی صاحب موصوف کے والد ماجد مولانا سعید احمد صاحب سے دینی تعلیم کے مسئلہ پر گفتگو فرمائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ عرصہ بعد والد محترم نے مفتی صاحب موصوف کو مظاہر علوم میں داخل کر دیا۔ موصوف کی آمد مظاہر علوم میں ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۶ھ میں ہوئی۔ یہاں پہنچ کر اولیں سال میں کافیہ کبریٰ، نور الایضاح مرقات وغیرہ اسباق تجویز ہوئے۔ یہاں سے آخر تک کل تعلیم مظاہر علوم میں رہ کر حاصل کی۔ تعلیم کے دوران حضرت اقدس سہارن پوری کی محبتوں اور شفقتوں کا مورد بنے رہے۔ فرط تعلق سے حضرت اپنا عزیز فرمایا کرتے تھے، اپنے حجرہ کے برابر کے حجرہ میں ٹھہرایا۔

مولانا موصوف کے درجہ ابتدائی میں کل کتابوں کے استاذ مولانا ظہور الحق صاحب دیو بندی تھے۔ دیگر کتب میں آپ کے اساتذہ یہ بھی رہے۔ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب زاد مجدہ، مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی، مولانا عبدالوحید صاحب سنبھلی، مولانا بشیر احمد صاحب نگینوی، مولانا نور احمد صاحب کاملپوری۔ مشکوۃ شریف میں آپ کے استاد حضرت مولانا ثابت علی صاحب تھے۔ موصوف کی فراغت مظاہر علوم سے ۱۳۴۲ھ میں ہوئی۔ کتب صحاح میں آپ کے اساتذہ یہ ہیں۔

ترمذی، بخاری و طحاوی از حضرت مولانا عبداللطیف صاحب، ابو داؤد ابن ماجہ از حضرت مولانا عبدالرحمٰن

صاحب، مسلم، نسائی، مسلسلات اور موطائین از حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ، حضرت سہارنپوری کی جانب سے تمام کتب حدیث کی خصوصی اجازت بھی آپ کو حاصل ہے۔

کتب صحاح کے ساتھ آپ نے فنون کی یہ کتابیں پڑھیں۔ بیضاوی شریف، تفسیر، مدارک اتقان، ہدایہ اخیرین، حماسہ، عروض باقافیہ، شافیہ، شاطبی

امتحان سالانہ میں مفتی صاحب موصوف پوری جماعت میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوئے۔ آپ نے تیرہ کتب میں امتحان دے کر (۲۴۷) نمبرات حاصل کئے جس پر مدرسہ کی جانب سے کئی قیمتی کتابیں انعام میں ملیں۔ حضرت مولانا الحاج حافظ عبدالعزیز صاحب گمتھلوی جانشین خاص حضرت اقدس رائپوری مولانا محمد عادل صاحب گنگوہی۔ مولانا محمد حیات صاحب دیوبندی، مولانا اخلاق احمد صاحب سہارن پوری۔ آپ کے دورہ حدیث کے خصوصی رفقاء میں ہیں۔

بیعت و ارشاد کا تعلق حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ سے ہے شعبان ۱۳۴۴ھ میں آپ حضرت سے بیعت ہوئے۔ حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کی جانب سے آپ کو اجازت بیعت و خلافت حاصل ہے۔

مظاہر علوم سے فراغت کے بعد کھم ضلع ورنگل حیدر آباد دکن میں آپ نے بحکم حضرت اقدس سہارنپوری، دینی و درسی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ نظامیہ حیدر آباد میں نائب شیخ الادب کا عہدہ آپ کو سونپا گیا۔ تقریباً گیارہ ماہ وہاں قیام کے بعد ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ میں مظاہر علوم میں آگئے اور کتب خانہ مظاہر علوم کے نگراں بنے۔

شوال ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت سہارنپوری حجاز تشریف لے گئے تو آپ شعبہ تعلیم میں آگئے اور یہ کتابیں آپ کے لئے تجویز ہوئیں۔ میزان الصرف، تہذیب، نور الایضاح۔ نفحۃ الیمن۔

مظاہر علوم میں آپ نے ۱۳۷۰ھ تک متعدد علوم و فنون کی مختلف کتابیں پڑھائیں۔ اس چھبیس سالہ عرصہ میں بعض ضرورتوں کی بنا پر طویل رخصت لینے کا بھی مولانا کو اتفاق ہوا۔ چنانچہ ۱۳۶۰ھ میں حضرت تھانوی کی علالت کی وجہ سے مفتی صاحب موصوف کو تھانہ بھون قیام کرنے کی نوبت آئی تو مدرسہ سے سال بھر کی رخصت لی۔ اس دوران اس خانقاہ اشرفیہ اور مدرسہ امداد العلوم میں فتاویٰ اور درس میں مشغول رہے۔ غالباً شوال ۱۳۶۴ھ میں آپ پھر مظاہر علوم میں تشریف لے آئے اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔

آپ نے مظاہر علوم میں مقامات حریری، سبعہ معلقہ، نور الانوار، دیوان متنبی، میبذی، بحث اسم، ملا حسن، ملا جلال، مختصر المعانی، کنز الدقائق، شرح وقایہ، جلالین شریف، متعدد مرتبہ پڑھائیں، ۱۳۷۰ھ میں یہ کتابیں آپ کے زیر درس تھیں۔ قطبی تصدیقات، تفسیر ابن کثیر، شرح تہذیب، مقامات، نور الانوار۔

۱۳۷۰ھ میں ہندوستان کی اقامت و سکونت ترک فرما کر پاکستان تشریف لے گئے اور وہاں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد، بعد ازاں مسلم ٹاؤن لاہور میں دینی و علمی خدمات میں مصروف ہو گئے۔ فقہ و فتاویٰ، وعظ و ارشاد کی ذمہ داریاں بھی

انجام دیں۔ ۱۳۹۱ھ سے بلڈ پریشر اور ضعف قلب کی بنا پر اسباق بند فرما دیئے۔ اب صرف دارالافتاء کے ذریعہ دینی خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔

مولانا نے جس طرح اپنی تصنیفات و تالیفات کے ذریعہ دین قیم کی بلند و بالا خدمات انجام دیں اسی طرح اخبارات و رسائل میں بھی وہ بڑے پر مغز اور فکر انگیز مضامین آئے دن لکھتے رہتے ہیں۔ چنانچہ مولانا کے بہت سے طویل مضامین رسالہ خدام الدین لاہور' پیام اسلام لاہور' ترجمان اسلام لاہور' صوت الاسلام لاہور' پیام مشرق لاہور میں شائع ہو چکے جو بعد میں اپنی افادیت و نافعیت کی وجہ سے کتابی شکل میں بھی طبع ہوئے۔

ان سب کے علاوہ چونکہ شعر و شاعری کا بھی بہترین مذاق اور پاکیزہ ذوق پایا ہے۔ اس لئے منظومات' تاریخی قطعات اور مخصوص شخصیتوں کے حادثہ ارتحال پر مرثیے بھی کہتے رہتے ہیں جو عربی' فارسی' اردو تینوں زبانوں میں ہوتے ہیں۔ مولانا نے اپنا ایک عربی قصیدہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں ریاست بھوپال کے ڈائریکٹر تعلیمات کی آمد پر ایک اعزازی جلسہ میں بھی پڑھا تھا۔

تصنیفات و تالیفات

۱۔ نصاب و نظام دینی مدارس' ۲۔ اظہار الطرب علی شرح ازہار العرب' ۳۔ زکوۃ الحلی' ۴۔ تفسیر المنطق حاشیہ تیسیر المنطق' ۵۔ تراجم الحماسیین' ۶۔ تبلیغ دین محشی' ۷۔ حاشیہ سبعہ معلقہ' ۸۔ دعوت التجارت' ۹۔ جمال الاولیاء' ۱۰۔ دلائل القرآن علی مسائل نعمان' ۱۱۔ ارث الحفید' ۱۲۔ حلیتہ الحلیتہ' ۱۳۔ التحریر النادر فی حتمہ بنیش القبر للشیخ عبدالقادر' ۱۴۔ البحث والسفر عن عدم افتراض القبر بالحفر' ۱۵۔ ضرورت مذہب' ۱۶۔ دعوت التبلیغ' ۱۷۔ مثنوی علاج المصائب' ۱۸۔ مثنوی خرابی سینما' ۱۹۔ مثنوی عظمت حدیث' ۲۰۔ مثنوی مسدس اصلاح کالج' ۲۱۔ عقائد مشرقی' ۲۲۔ شرح بلوغ المرام کتاب الادب' ۲۳۔ فضائل بیعت' ۲۴۔ آٹھ تراویح بدعت ہیں' ۲۵۔ اسباب شکست' ۲۶۔ احرام جدہ کا قضیہ' ۲۷۔ نبیؐ کل کائنات صلی اللہ علیہ وسلم' ۲۸۔ تحریک خاکسار کا مقصد' ۲۹۔ قصائد عربی' ۳۰۔ تسہیل بیان القرآن' ۳۱۔ شرح فیصلہ ہفت مسئلہ' ۳۲۔ آسان مسائل نماز' ۳۳۔ الحاوی علی الطحاوی

□□□

حضرت اقدس مولانا الحاج محمد زکریا صاحب مہاجر مدنیؒ

مشہور مردم خیز قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں آپ کی پیدائش گیارہ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ میں ہوئی۔ قرآن مجید، بہشتی زیور، فارسی کی ابتدائی کتب اور دینی رسائل حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب سے پڑھ کر صرف میر، پنج گنج، فصول اکبری، کافیہ، مجموعہ اربعین، ترجمہ، پارہ عم، نفحتہ الیمن، قصیدہ بردہ، قصیدہ بانت سعاد وغیرہ۔ دیگر کتابیں اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے پڑھیں۔

مظاہر علوم کے ساتھ تعلق و وابستگی اور اس کی زریں خدمات

۱۳۲۹ھ میں آپ مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور ان کتب سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا مرقات، ایسا غوجی، کافیہ، ہدایتہ النحو، شرح تہذیب، شرح مائتہ عامل، صغریٰ، کبریٰ

آپ نے ۱۳۳۰ھ میں الفیہ ابن مالک، شرح تہذیب، قطبی تصدیقات و تصورات، میر قطبی، تلخیص المفتاح، مقامات، حساب ناکسور عام، ترجمہ قرآن، نفحتہ الیمن، ۱۳۳۱ھ میں حسامی، نور الانوار سبعہ معلقہ، مقامات حریری، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح میبذی، میر قطبی، قطبی تصدیقات، ۱۳۳۲ھ میں مشکوۃ شریف، دیوان متنبی، ہدایہ اولین، حماسہ، طحاوی، شرح نخبتہ الفکر۔ ۱۳۳۳ھ میں، موطا امام مالک، موطا امام محمد، ملا حسن، حمداللہ، سلم العلوم، میرزاہد، ملا جلال، میرزاہد شرح مواقف، رسالہ میرزاہد، اقلیدس پڑھ کر ۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث شریف پڑھا۔

کتب حدیث میں آپ کے اساتذہ یہ ہیں۔ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی۔

فراغت کے بعد یکم محرم الحرام ۱۳۳۵ھ میں مظاہر علوم کے ابتدائی مدرس بنائے گئے اور اصول الشاشی، علم الصیغہ، مائتہ عامل منظوم، شرح مائتہ عامل وغیرہ، ابتدائی کتب مدرسہ کی جانب سے پڑھانے کو ملیں۔ پھر درجہ بدرجہ تقریباً تمام کتابیں پڑھانے کے بعد ماہ رجب ۱۳۴۱ میں استاذ حدیث بنائے گئے۔

درس و افادہ کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک چل کر ۱۳۸۸ھ پر منتہی ہوا کہ نزول آب کی وجہ سے دقت اور دشواری پیش آنے لگی تھی۔ اس عرصہ میں صرف کتب حدیث میں سے مشکوۃ شریف تین مرتبہ، ابو داؤد شریف تقریباً تیس مرتبہ، بخاری صرف جلد اول پچیس مرتبہ اور کامل دونوں جلدیں سولہ مرتبہ پڑھائیں۔ اس عرصہ میں سات سو انتالیس طلبائے حدیث نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔

ذیقعدہ ۱۳۴۵ھ میں مدینہ منورہ سے روانگی کے موقعہ پر حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے آپ کو اجازت بیعت و خلافت عطا فرمائی اور اسی سال مظاہر علوم کے شیخ الحدیث اور مشیر ناظم بنائے گئے۔

تیس ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ میں اپنی مادر علمی کے سرپرست منتخب ہوئے۔ اس طور پر حضرت شیخ مدظلہ' مظاہر علوم کے ان سرپرستان میں پانچویں نمبر پر ہیں جو مظاہر کے فیض یافتہ ہو کر بہ حیثیت سرپرست اس کے خادم بنے۔ ۱۳۷۰ھ سے ۱۳۸۲ھ تک بارہ سال آپ دارالعلوم دیو بند کی مجلس شوریٰ کے ممبر بھی رہے۔

حضرت شیخ زاد مجدہ کے وجود بابرکت سے مظاہر علوم کو جو قوت و توانائی اور رفعت ملی ہے وہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو دلائل اور شواہد کے ذریعہ ثابت کیا جائے' کھلا مشاہدہ ہے۔

طبقہ اہل علم اور عالم اسلام میں مظاہر علوم کے ہزاروں اور لاکھوں قدردان اور شناسا ایسے مل جائیں گے جو مظاہر کو ان کی تالیفات و شروحات حدیث سے پہچانے ہوئے ہیں اور غائبانہ اس سے تعلق و ہمدردی رکھتے ہیں۔ تبلیغی رسائل کی تالیف اور جماعت تبلیغ کی سرپرستی فرمانے کی بنا پر مظاہر علوم نے وسیع و عریض تبلیغ حلقہ میں جو اپنا بلند مقام بنا لیا ہے وہ اس پر مزید اضافہ ہے۔ **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

علمی کاوشیں اور تالیفی خدمات

(۱) اوجز المسالک شرح موطا امام مالک (۲) لامع الدراری علی جامع البخاری (۳) الکوکب الدری علی جامع الترمذی (۴) جزء حجۃ الوداع و العمرات (۵) الابواب و التراجم للبخاری (۶) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی (۷) فضائل قرآن مجید (۸) فضائل رمضان (۹) فضائل تبلیغ (۱۰) حکایات صحابہ (۱۱) فضائل نماز (۱۲) فضائل حج (۱۳) فضائل صدقات (۱۴) فضائل درود شریف (۱۵) تاریخ مشائخ چشت (۱۶) تاریخ مظاہر جلد اول (۱۷) اختلاف الائمہ (۱۸) قرآن عظیم اور جبریہ تعلیم (۱۹) الاعتدال فی مراتب الرجال (۲۰) دہلی کی تبلیغی جماعت پر چند اعتراضات اور ان کے مفصل جواب (۲۱) رسالہ اسٹرائک (۲۲) آپ بیتی (۲۳) تحفۃ الاخوان فی بیان احکام تجوید القرآن (۲۴) اکابر کا رمضان (۲۵) ضمائم خوان خلیل (۲۶) نصائح حج اور مکتوب گرامی (۲۷) موت کی یاد (۲۸) فتنہ مودودیت (۲۹) داڑھی کا وجوب (۳۰) فضائل زبان عربی (۳۱) شریعت و طریقت کا تلازم (۳۲) فضائل تجارت (۳۳) نسبت و اجازت (۳۴) اکابر علمائے دیوبند وغیرہ۔ اس کے علاوہ تقریباً پچاس کے قریب تالیفات ایسی ہیں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں۔

❑❑❑

حضرت مولانا الحاج مفتی سعید احمد صاحب اجراڑوی

والد محترم کا نام جناب نور محمد خاں اور جد محترم کا نام نصیب خاں تھا۔ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۲۲ھ میں اجراڑہ ضلع میرٹھ میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ اصلی وطن بٹالہ ضلع میرٹھ تھا، مگر اجداد میں سے کوئی بزرگ اجراڑہ آگئے تھے۔ اس لئے یہی وطن بن گیا۔

مفتی صاحب موصوف نے قرآن پاک کا کچھ حصہ اپنے جد محترم جناب منشی نصیب خاں کے پاس پڑھا۔ اس کے بعد اپنی بستی کے مشہور مدرسہ گلزار حسینیہ اجراڑہ میں حضرت حافظ محمد حسین اجراڑوی کے پاس تکمیل کی۔ اس وقت آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی تھی، بعدازاں اسی مدرسہ میں اردو، حساب اور عربی فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

مظاہر علوم میں آمد اور اس کی گرانقدر خدمات

مظاہر علوم میں آپ کی آمد اپنے استاد حضرت حافظ محمد حسین صاحب کے فرمانے پر ۱۳۳۵ھ میں ہوئی، پہلے سال میں جو کتابیں آپ نے پڑھیں وہ یہ تھیں شرح تہذیب بحث فعل، کافیہ، تہذیب، میزان، قدوری، نور الایضاح، مفید الطالبین، مرقات، فصول اکبری، آپ نے ۱۳۳۸ھ میں تلخیص المفتاح، میر قطبی، بحث اسم، قطبی تصدیقات، کنز الدقائق، اصول الشاشی، ۱۳۳۹ھ میں مختصر المعانی، ملا حسن، میبذی، سلم العلوم نور الانوار، شرح وقایہ، ۱۳۴۰ھ میں جلالین، مشکوۃ شرح نخبتہ الفکر، ہدایہ اولین، میر زاہد، ملا جلال پڑھ کر ۱۳۴۱ھ میں یہ کتابیں پڑھیں، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، نسائی، موطا امام مالک، موطا امام محمد، طحاوی، ہدایہ اخیرین، ترمذی، درمختار، تصریح، اقلیدس، شرح چغمینی، سبع شداد۔ مولانا حکیم ایوب حسن صاحب سہارنپوری، مولانا شیخ عبدالقیوم صاحب سہارنپوری، مولانا اخلاق احمد صاحب سہارنپوری آپ کے دورہ حدیث کے رفقاء میں سے ہیں۔ دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں قاری صاحب موصوف (۲۴۸) نمبرات حاصل کر کے پوری جماعت میں امتیازی طور پر کامیاب ہوئے۔

۱۳۴۲ھ میں آپ نے فنون میں داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں۔ بیضاوی شریف، مدارک اتقان، ابو داؤد شریف، امور عامہ، تلویح، مسلم الثبوت، دیوان متنبی، رسالہ میرزاہد، شافیہ، شرح عقائد مع خیالی۔

فراغت کے بعد سے عمر کے آخری لمحات تک مدرسہ کے ساتھ والہانہ و مخلصانہ تعلق رہا اور پوری عمر مظاہر علوم کی چہار دیواری میں گذار دی، چنانچہ ۱۳۴۳ھ میں استاذ دوم، درجہ تجوید ۴۷ھ میں نائب مفتی، ۱۳۴۹ھ میں درجہ تجوید کے مدرس اول، ۱۳۵۲ھ میں مظاہر کے مفتی اعظم اور قائم مقام صدر مدرس بنائے گئے۔ مفتی صاحب موصوف مظاہر کے سالانہ جلسوں میں بھی برابر شرکت فرماتے تھے اور پیش آمدہ مسائل میں پوری تحقیق کے ساتھ شرعی و فقہی نقطہ نظر کو شرکاء جلسہ پر واضح فرماتے، حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ کے امتثال امر میں مدرسہ مظاہر علوم کی مسجد مدرسہ قدیم میں نماز پڑھاتے تھے۔ تیس سال تک اس اہم خدمت کو بلا کسی معاوضہ و مشاہرہ کے

انجام دیتے رہے۔ مدرسہ کے قیام کے زمانہ میں آپ نے شرح جامی مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، کنزالدقائق، حسامی، رسم المفتی، جمال القرآن، فوائد مکیہ، جلالین شریف (جو تیس مرتبہ سے بھی زائد پڑھائی) مشکوۃ شریف، شرح وقایہ، ہدایہ، بیضاوی وغیرہ بہت سی کتابیں پڑھائیں۔ بیعت و ارشاد کا تعلق حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ سے تھا۔ پہلے قبل البلوغ بیعت ہوئے۔ بلوغ کے بعد دوبارہ بیعت ہوئے۔

۹ ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں آپ اپنے پہلے سفر حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے، حج و زیارت سے فارغ ہو کر گیارہ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ میں واپس تشریف لائے۔ مفتی صاحب موصوف نے آخری علالت میں شدید تکالیف اٹھائیں، اسہال کبدی میں مبتلا ہوئے اور یہی تکلیف جان لیوا ثابت ہوئی۔ دو صفر المظفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۵۷ء بروز پنجشنبہ صبح کی نماز کے وقت انتقال ہوا اور قبرستان حاجی شاہ میں تدفین عمل میں آئی۔

آپ کے حادثہ انتقال پر مدرسہ مظاہر علوم کی جانب سے جو تعزیتی قرارداد پاس کی گئی وہ یہ ہے۔

"یہ خبر انتہائی رنج و غم کے ساتھ سپرد قلم کی جا رہی ہے کہ ۲ صفر ۱۳۷۷ھ مطابق ۲۹ اگست ۱۹۵۷ء کی صبح جامعہ کے گرامی قدر بزرگ حضرت الحاج مولانا الحافظ قاری سعید احمد صاحب مفتی اعظم و صدر مدرس جامعہ مظاہر علوم طویل بیماری کے بعد اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

مرحوم بڑے فضیلت ماب، بالغ النظر عالم تھے، آج کے دور قحط الرجال میں عموماً" جید الاستعداد علماء کم ہیں اور افتاء میں خصوصی درک و مہارت رکھنے والے تو اس قدر کم کہ صرف انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں انہی محدود حضرات میں حضرت مفتی صاحب" ایک اعلیٰ اور امتیازی شخصیت کے مالک تھے۔ وہ جامع کمالات حضرات میں سے تھے۔ محاسن و فضائل کا مجموعہ تھے۔ مسائل و معاملات میں ان کی نگاہیں بہت دور رس تھیں۔ تقویٰ و طہارت کا مظہر، صاحب الرائے اور صائب الرائے تھے اور ان بہت سے علمی و عملی مدارج کے باوصف سادگی کے پیکر، تکلف و تصنع سے دور اور نام و نمود سے نفور تھے۔ مدرسہ کے خصوصی ارکان میں سے تھے، ان کی رائے امور مہمہ میں بہت ہی وقیع درجہ رکھتی تھی۔ مدرسہ ہر موقعہ پر ان کی رائے گرامی سے مستفید ہوتا تھا، افسوس ہے کہ مدرسہ اور ملت اسلامیہ ایسے باکمال عالم باعمل سے محروم ہو گئی۔ (روداد مدرسہ ۷۷۱۳ھ ص ۱۵)

تالیفات و تصنیفات

۱۔ فیض العزیز، ۲۔ القلائد الجوہریہ فی جید مقدمہ الجزریہ، ۳۔ شرح شاطبیہ، ۴۔ معلم الحجاج، ۵۔ آئینہ نماز، ۶۔ نوٹ کی حقیقت اور اس کے شرعی احکام، ۷۔ کشف حقیقت، ۸۔ آداب السلام، ۹۔ مشرقی کا اسلام، ۱۰۔ الحج المبرور، ۱۱۔ شرح عقود رسم المفتی، ۱۲۔ حاشیہ مختصر المعانی، ۱۳۔ حاشیہ نور الایضاح، ۱۴۔ حاشیہ بہشتی زیور

امام النحو علامہ صدیق احمد صاحب فاروقی کشمیریؒ

والد محترم کا نام حکیم حمداللہ تھا۔ آپ کی پیدائش جموں کشمیر کی ہے۔ ۱۳۳۰ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لے کر شرح جامی، نور الانوار، قطبی تصدیقات، نفحۃ الیمن، شرح تہذیب سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔ ۱۳۳۴ھ میں جامعہ مظاہر علوم سے فارغ ہوئے۔ صحاح ستہ کے ساتھ آپ نے بیضاوی شریف، ہدایہ اخیرین، نخبتہ الفکر، رشیدیہ، توضیح تلویح بھی پڑھی۔ حضرت مولانا الحاج محمد زکریا صاحب زاد مجدہ، حضرت مولانا الحاج محمد اسعداللہ صاحب ناظم مدرسہ، مولانا خیر محمد صاحب مظفرگڑھی، مولانا بشیر الدین صاحب دیناجپوری، استاذ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مولانا محمد بخش ولد خان محمد گورمانی ضلع ڈیرہ غازی خاں پاکستان آپ کے دورہ حدیث کے رفقاء میں سے ہیں۔

۱۳۳۹ھ میں اٹھارہ روپے پر مدرسہ کے ابتدائی مدرس بنائے گئے جس کی انتہا ۱۳۸۹ھ میں انتقال پر ہوئی۔ اس طویل عرصہ میں جو کتابیں علامہ صاحب علیہ الرحمتہ نے اکثر و بیشتر پڑھائیں وہ یہ تھیں۔

علم نحو میں شرح جامی، بحث اسم، ہدایتہ النحو، کافیہ، نحو میر۔ منطق میں، ملاحسن، سلم العلوم میر قطبی، مرقات کبریٰ، ایسا غوجی، قال اقول، میر زاہد، ملا جلال، تہذیب، شرح تہذیب، حمداللہ اور بقیہ علوم و فنون میں شرح مائتہ عامل، فصول اکبری، میبذی، نور الایضاح منیتہ المصلی، قدوری، کنزالدقائق، اصول الشاشی، رسم المفتی مختصر المعانی تلخیص المفتاح، ہدیہ سعیدیہ، حسامی وغیرہ وغیرہ کتب متعدد مرتبہ پڑھائیں۔ ملا حسن اور شرح جامی یہ دو کتابیں خاص طور سے آپ کے پاس ہوتی رہیں۔ حضرت شیخ زاد مجدہ کی ایک قدیم بیاض دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شرح جامی کا سبق مولانا کے پاس مدرسہ کی جانب سے ۱۳۴۵ھ میں بھی تھا (اس سے قبل کتنے سال تک ہوتا رہا یہ معلوم نہیں) گویا حتمی طور سے ۱۳۴۵ھ سے لے کر ۱۳۸۸ھ تک شرح جامی کا درس آپ ہی کے پاس رہا۔

آپ نحو کے امام تھے اور منطق و فلسفہ جیسے اوق علوم میں زبردست قابلیت رکھتے تھے اور اسی قابلیت، اہلیت اور بے پناہ فنی صلاحیتوں کی بنا پر آپ "علامہ" کے لقب سے مشہور تھے۔ اسی لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ نصف صدی تک آپ نے مظاہر علوم میں علمی اور درسی خدمات انجام دیں۔ مدرسہ میں آپ کے طلب علم کا زمانہ بڑا سیدھا سادہ بلکہ فقیرانہ گذرا ہے۔ ہر وقت مطالعہ و مذاکرہ میں مشغول رہتے تھے۔ کھانے پینے کی طرف بھی کچھ توجہ نہیں تھی۔ آپ کا معمول تھا کہ مطبخ سے صرف روٹی بغیر سالن کے لیتے اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جیب میں بھر لیتے۔ جب موقع ملتا اور فرصت ہوتی تو کھا لیتے اور فرمایا کرتے تھے کہ روٹی کو سالن کے ساتھ کھانے سے وقت ضائع ہوتا ہے اور مطالعہ کا نقصان۔

اٹھارہ شوال المکرم ۱۳۸۹ھ مطابق انتیس دسمبر ۱۹۶۹ء بروز دو شنبہ عصر و مغرب کے مابین آپ کا انتقال ہوا۔ مدرسہ مظاہر علوم میں نماز جنازہ ہو کر حاجی شاہ میں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

تصنیفات و تالیفات

۱۔ فوائد نجیبہ ۲۔ تعلیقات شرح جامی

مولانا ظہور الحسن صاحب کسولویؒ

والد ماجد کا نام سید محبوب علی اور جد محترم کا نام سید طالب علی ہے' مولانا موصوف کی پیدائش موضع محی الدین پور عرف کسولی میں سات شعبان ۱۳۲۲ھ مطابق نومبر ۱۹۰۴ء میں ہوئی' تاریخی نام محمد ظہور احسن ہے' مولانا کا نام پہلے' مبارک علی تھا جس کو بعد میں موجودہ نام سے بدل دیا گیا۔ قرآن پاک کے چند پارے والد مرحوم سے پڑھے۔ اس کے بعد مقامی پرائمری اسکول میں درجہ چہارم تک پڑھ کر تین محرم الحرام ۱۳۳۸ھ میں مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں داخلہ لیا اور قرآن شریف اور فارسی درجہ کی کتب شروع کیں۔ دو سال یہاں پڑھا پھر حضرت اقدس تھانوی کے فرمانے پر مدرسہ محمود العلوم سروٹ ضلع مظفر نگر چلے گئے۔ مختصر عرصہ وہاں رہ کر واپس مدرسہ امداد العلوم میں آگئے اور ایک سال یہاں پڑھا۔ بعدازاں مدرسہ ارشاد العلوم گڈھی پختہ ضلع مظفر نگر میں شرح جامی تک تعلیم حاصل کر کے خانقاہ اشرفیہ میں داخلہ لیا اور موقوف علیہ کی تکمیل کی' دورہ حدیث پڑھنے کے لئے حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ سے مشورہ لیا تو آپ نے مظاہر علوم میں داخل ہونے کا مشورہ دیا۔ اس پر آپ ۱۳۴۹ھ میں مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور صحاح ستہ پڑھا۔

آپ نے بخاری شریف' ابو داؤد شریف حضرت شیخ زاد مجدہ سے' ترمذی شمائل ترمذی طحاوی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب سے' مسلم شریف' نسائی' ابن ماجہ' موطا امام محمد حضرت مولانا منظور احمد خاں صاحب سے پڑھی ہے۔

دورہ حدیث میں آپ کے خصوصی رفقاء و شرکاء یہ حضرات تھے۔ مولانا عبدالجبار صاحب اعظمی حال شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مراد آباد۔ مجاز بیعت حضرت شیخ زاد مجدہ' مولانا محمد یامین صاحب کاندھلوی مہتمم کتب خانہ مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمہ خلیفہ و مجاز حضرت شیخ زاد مجدہ مولانا عبدالمنان صاحب بخاری۔ مولانا قاری حافظ محمد مراد صاحب مدنی' مولانا نظام الدین صاحب اعظمی۔

فراغت کے بعد مولانا کا ارادہ تھا کہ واپس وطن لوٹ جائیں۔ لیکن حضرت مولانا الحاج عبداللطیف صاحبؒ کی ترغیب پر فنون میں داخلہ لیا اور یہ کتابیں پڑھیں' کشاف ہدایہ رابع' بیضاوی شریف' اتقان' حسامی' مطول' میر زاہد' ملا جلال' تفسیر مدارک' ملا حسن' درمختار' اپنے اساتذہ کے بارے میں مولانا کا تاثر یہ ہے کہ

"یہ اساتذہ مجسم اخلاق' سراپا انکسار اور بے نفسی و تدین میں اپنی نظیر آپ تھے اس لئے ان سب سے ہی اپنی ناقص استعداد کے مطابق تاثر ہوا"

تکمیل علوم کے بعد مولانا موصوف کا تقرر جامعہ مظاہر علوم کے دارالفتاء میں نقل فتاویٰ کے لئے ہوا۔ یہاں مولانا نے شعبان ۱۳۶۳ھ تک جانفشانی و تندہی سے کام کیا اور اس عرصہ میں فتاویٰ مظہریہ کی پندرہ جلدیں لکھیں۔ کچھ عرصہ آپ نے مظاہر علوم میں درس بھی دیا ہے اور ابتدائی کتابیں پڑھائیں۔ چھ ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ میں مظاہر علوم

میں چھبیس سالہ قیام کے بعد بحکم حضرت مولانا شبیر علی صاحب اور حضرت مولانا وصی اللہ صاحب خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون چلے گئے اور وہاں کی انتظامی خدمات سنبھالیں' تھانہ بھون میں دیگر دینی معمولات و مشاغل کے علاوہ بعد نماز عشاء اور بعد نماز جمعہ حضرت اقدس تھانوی کے مواعظ و ملفوظات اور آپ کی کوئی سی تصنیف سنانے کا التزام کر رکھا ہے' موصوف حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے مجازین صحبت میں سے ہیں اور حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کے خلیفہ و مجاز بیعت ہیں۔

اٹھارہ شعبان ۱۳۹۸ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۷۸ء میں آپ کا وصال قصبہ تھانہ بھون میں ہوا اور وہیں تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

تصنیفات و تالیفات

۱۔ بیان کی تعلیم

۲۔ ارواح ثلاثہ

□□□

حضرت مولانا الحاج سید عبداللطیف صاحبؒ

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا جمیت علی صاحب ہے' آپ کی ولادت پور قاضی ضلع مظفر نگر میں ہوئی تحقیق طور پر آپ کا سنہ پیدائش معلوم نہیں' تخمینی اندازہ ۱۲۹۹ھ کا ہے' قرآن پاک اپنے وطن میں حافظ امانت علی صاحب بکھروی کے پاس رہ کر حفظ کیا۔ حافظ صاحب موصوف مدرسہ تعلیم الاسلام جامع مسجد پور قاضی میں پڑھاتے تھے' حفظ قرآن پاک کے بعد ابتدائی کتب فارسی اپنے والد محترم سے بہاولپور جا کر پڑھیں' ایک مرتبہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ بہاولپور تشریف لے گئے تو اس موقعہ پر والد محترم نے مولانا کو دینی تعلیم کے لئے حضرت اقدس سہارنپوری کے حوالہ کر دیا اور آپ اس طرح حضرت کے ہمراہ سہارنپور آگئے۔ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۱۵ھ میں آپ کا داخلہ جامعہ مظاہر علوم میں ہوا۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال تھی۔ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر آپ نے ان کتب سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

میزان الصرف' ایسا غوجی' قال اقول' زرداری' مراح الارواح' بوستاں' بعدازاں سالہا سال آپ نے درس نظامی کی تکمیل کرتے ہوئے ۱۳۲۰ھ میں مشکوٰۃ' ہدایہ اول' ملا جلال' میبذی اور ۱۳۲۱ھ میں جلالین' بیضاوی' مقامات' حمداللہ پڑھی' ۱۳۲۲ھ میں آپ نے کتب صحاح کے ساتھ بیضاوی' ہدایہ اخیرین اور قاضی مبارک پڑھ کر فراغت پائی' ۱۳۲۳ھ میں شعبہ فنون میں داخلہ لے کر توضیح تلویح' دیوان متنبی' صدرا پڑھی۔

آپ نے بخاری' مسلم' ابو داؤد' ترمذی' ابن ماجہ حضرت اقدس سہارنپوری' نسائی حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحب سے اور مشکوٰۃ شریف مولانا ثابت علی صاحب سے پڑھی۔

دورہ حدیث کے امتحان سالانہ میں موصوف اپنی تمام جماعت میں اول نمبرات سے کامیاب ہوئے جس پر آپ کو منجانب مدرسہ بطور انعام بیضاوی شریف' تفسیر' سورہ بقرہ' مسامرہ شرح مسایرہ' تاریخ تیموری فتوح الشام دی گئی۔

درس و تدریس

فراغت کے بعد ۱۳۲۳ھ میں آپ اعلیٰ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری کی تجویز کے مطابق مظاہر علوم کے استاد بنائے گئے جس کی تقریب اس طرح ہوئی کہ ۲۳ھ میں جب مولانا علی محمد صاحب نائب مہتمم بیمار ہوئے اور امور اہتمام کی انجام دہی سے معذور ہو گئے تو اعلیٰ حضرت نے مولانا عنایت الٰہی صاحب کو مدرسہ کا مہتمم تجویز کر دیا اور مولانا کے اسباق کے متعلق یہ ترتیب قائم کی کہ چند اسباق مولانا عبداللطیف صاحب کے حوالہ کر دیئے جائیں' ارباب مدرسہ کو اپنی تجویز کی اطلاع دیتے ہوئے حضرت نے تحریر فرمایا کہ "مولوی عبداللطیف جو قریب الفراغ اور نہایت مستعد طالب علم ہیں عشاہرہ دس روپے ان کی جگہ مقرر کئے جائیں۔ یکم جمادی الاولیٰ سے اس کا اجراء کیا جائے۔" حضرت اقدس شیخ الہند نور اللہ مرقدہ نے اس تجویز کی منظوری ۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ میں فرما کر اپنے دستخط

فرمائے۔ اس تجویز کے مطابق آپ کا تقرر بعہدہ معین مدرس ہوا اور یہ کتابیں آپ کے لئے طے ہوئیں' شرح وقایہ' شرح تہذیب' امیر قطبی' ہدیہ سعیدیہ' فصول اکبری' اصول الشاشی

۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۴ھ میں اجتماع سرپرستان کے موقعہ پر اکابر مدرسہ نے آپ کی جانفشانی' مستعدی اور مدرسہ کے معاملات میں دلچسپی کو دیکھتے ہوئے فیصلہ کیا کہ آپ کا پندرہ روپیہ مشاہرہ پر مستقلا" تقرر کر دیا جائے۔

شوال ۱۳۲۹ھ میں آپ استاذ حدیث بنائے گئے چونکہ اس زمانہ میں حضرت اقدس سہارن پوری نور اللہ مرقدہ بذل المجہود کی تالیف میں مشغول تھے اس لئے صبح کے وقت کے تمام اسباق دوسرے اساتذہ پر تقسیم کئے گئے' مولانا کے پاس بخاری شریف اور ترمذی شریف کے اسباق آئے' اس طور پر پہلی مرتبہ حدیث کی ان دو بڑی کتابوں کا درس مولانا کے حوالہ ہوا' مولانا موصوف جید الاستعداد علماء میں سے تھے۔ ہر فن کی کتاب بلا تکلف پڑھاتے۔ درس نظامی کی تمام کتابوں پر آپ کو عبور حاصل تھا' لیکن آپ کی محنت کا اصل میدان حدیث شریف تھا فن حدیث کی بلند و بالا کتاب بخاری کا درس سالہا سال تک آپ نے دیا ہے۔ ۱۳۴۴ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری حجاز تشریف لے جا رہے تھے تو صحاح ستہ کے اسباق حضرت مولانا عبداللطیف صاحب' حضرت مولانا عبدالرحمٰن کاملپوری اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ پر تقسیم کئے گئے۔ حضرت شیخ زاد مجدہ جب ۱۳۴۶ھ میں مدینہ منورہ سے واپس آئے تو وہ بھی اساتذہ حدیث کی اس بزم میں شامل ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ سے لے کر ۱۳۷۲ھ تک بخاری جلد ثانی کا درس حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کے یہاں ہوتا رہا۔ اس کے علاوہ اس طویل عرصہ میں یہ کتابیں بھی آپ نے متعدد مرتبہ پڑھائیں۔ ترمذی شریف' طحاوی شریف' شاطبی' مطول' ملا حسن' تہذیب تلخیص المفتاح منیتہ المصلی' ابن کثیر' رسم المفتی وغیرہ۔

بیعت و اجازت خلافت

آپ حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے اور ان ہی کے فرمائے ہوئے طریقہ پر اور اورادو معمولات کے پابند تھے ۱۳۷۳ھ کے سفر برما کے موقعہ پر حضرت شیخ زاد مجدہ نے انتہائی متواضعانہ اور خاکسارانہ لہجہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت آپ میرے استاذ ہیں۔ بڑے ہیں۔ لیکن ضرورت کی وجہ سے مجبور ہو کر عرض کرتا ہوں کہ برما میں سلوک و روحانیت کی لائن چلانے کی ضرورت ہے۔ وہاں اگر جناب سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو میری طرف سے بیعت فرمالیں۔

وفات حسرت آیات

حضرت موصوف کی علالت کا سلسلہ کافی عرصہ سے چل رہا تھا' طویل علالت سے کچھ طبیعت سنبھلی تھی کہ یہ طویل سفر برما کا ہوگیا۔ دوران سفر طبیعت نے پھر پلٹا کھایا اور علالت کا آغاز ہوگیا۔ واپسی کے بعد مرض کی شدت

بڑھتی رہی بالآخر دو ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ دو شنبہ کی صبح وصال ہوا اور ڈھائی بجے شام قبرستان حاجی شاہ محمد تدفین عمل میں آئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

□□□

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا حکیم گل احمد ہے۔ بہبودی ضلع کیمبل پور (مغربی پنجاب پاکستان) میں حضرت مولانا کی پیدائش ۲۷ اگست ۱۸۸۲ء میں ہوئی' ابتدائی فارسی اور عربی کی تعلیم کافیہ تک اپنے علاقہ کے ایک عالم مولانا فضل حق شمس آبادی (شاگرد رشید اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی) سے حاصل کی۔ اس کے بعد مختلف علوم و فنون کی تعلیم متفرق اساتذہ مولانا قاضی عبدالرحمٰن صاحب' مولانا عبدالرؤف صاحب' مولانا حسن الدین صاحب مولانا عبدالحکیم صاحب سے حاصل کی۔

مظاہرعلوم میں آمد اور اس کی خدمات جلیلہ

مظاہر علوم میں آپ نے ۱۳۳۱ھ مطابق ۱۹۱۳ء میں دورہ حدیث پڑھا اور بیضاوی شریف' بخاری' مسلم' ابو داؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' موطا امام مالک' موطا امام محمد' نخبۃ الفکر' توضیح تلویح' ہدایہ اخیرین' طحاوی سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

آپ نے توضیح تلویح' بیضاوی' ہدایہ اخیرین' ترمذی اور بخاری شریف حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے اور ابو داؤد' نسائی' ابن ماجہ حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب سے اور بقیہ کتب دیگر اساتذہ مظاہر سے پڑھیں۔

حضرت مولانا شبیر علی صاحب تھانوی' مولانا محمد حیات صاحب مراد آبادی آپ کے دورہ حدیث کے مخصوص رفقاء میں سے ہیں۔ دورہ حدیث کے امتحان سالانہ میں آپ پوری جماعت میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے اور مجموعی طور سے تیرہ کتابوں کا امتحان دے کر اعلیٰ نمبرات حاصل کئے اور انعام میں پانچ روپے نقد کے ساتھ قرآن مجید مترجم' تفسیر بیان القرآن جلد اول و دوم' میبذی الوعظ الاعظم کتابیں حاصل کیں۔

ایک سال بعد یعنی ۱۳۳۲ھ میں آپ نے مظاہر علوم میں دوبارہ فنون میں داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں۔ سبعہ معلقہ' مقامات حریری' حماسہ' شرح چغمینی' تحریر اقلیدس' تصریح صدرا' دیوان متنبی' مسلم الثبوت' خلاصۃ الحساب' سبع شداد' شمس بازغہ' اس مرتبہ بھی آپ امتحان سالانہ میں اول نمبرات سے کامیاب ہوئے اور مجموعی طور پر بارہ کتابوں میں امتحان دے کر دو سو چھتیس (۲۳۶) نمبرات حاصل کئے۔

مظاہر علوم سے فراغت کے بعد ایک سال آپ نے دارالعلوم دیو بند میں گزارا اور وہاں حضرت شیخ الہند کے درس حدیث میں شریک ہوئے۔ ۱۳۴۳ھ میں دیو بند سے واپسی پر آپ کو مظاہر علوم میں پندرہ روپے مشاہرہ پر استاذ بنا دیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ مدرس دوم بنا دیئے گئے۔ اس موقعہ پر روداد مظاہر علوم میں آپ کے متعلق یہ لکھا گیا کہ

"مولوی عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری جو اس مدرسہ سے گذشتہ سال میں قابل اطمینان کامیابی کے ساتھ فارغ التحصیل ہو چکے تھے اور نہایت قابل و مستعد ہیں۔ طلبہ کو طالب علمی کے وقت سے ہی ان کی طرف گرویدگی تھی۔ ان سے طلبائے مدرسہ اس وقت بھی پڑھتے رہتے تھے' مدرس عربی مقرر کئے گئے" (روداد مدرسہ ۱۳۴۳ھ)

عہدہ صدارت پر

۱۳۴۴ھ میں جب حضرت اقدس سہارنپوری نور اللہ مرقدہ حجاز تشریف لے گئے تو اپنی غیبت میں آپ نے جو انتظامات مدرسہ کے لئے فرمائے تھے ان میں ایک یہ بھی تھا کہ حضرت مولانا کو صدر مدرس اور حضرت مولانا عبداللطیف صاحب کو ناظم مدرسہ تجویز فرمایا۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے زمانہ صدارت کی کل مدت (۲۳) سال ہے۔ مجموعی طور پر مولانا نے تقریباً (۳۵) سال مدرسہ میں پڑھایا' اس عرصہ میں جو کتابیں عموماً" زیر درس رہیں وہ یہ تھیں' فن حدیث میں مسلم شریف' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' طحاوی' مشکوۃ شریف' شمائل ترمذی' موطا امام محمد اور بقیہ علوم و فنون میں بیضاوی' توضیح تلویح' ہدایہ رابع' صدرا' شمس بازغہ' مدارک' میرزاہد' درمختار' ملا حسن

اقلیدس آپ کا خاص سبق تھا اور اس میں بڑی مہارت رکھتے تھے' جب شکل کھینچنے کی ضرورت پیش آتی تو چٹائی ہٹا کر انگلی سے زمین پر بنا کر سمجھا دیتے' کاغذ پنسل وغیرہ کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔

آپ اردو' فارسی' عربی' پشتو' پنجابی اور بنگالی زبان بخوبی جانتے تھے اور بے تکلف ان زبانوں میں گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ ہندوستان کے دینی و علمی اداروں سے آپ کا خصوصی ربط تھا اور اورینٹل کالج لاہور اور مدرسہ فتحپوری کے آپ ممتحن بھی رہے

ترمذی شریف سے مولانا کو خاص لگاؤ تھا اور سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے اس کتاب کا حق ادا کر دیا۔ ایک عرصہ تک آپ نے مدرسہ میں یہ کتاب پڑھائی ہے اور سب کا اس پر اتفاق رہا کہ حضرت مولانا سے بہتر طریقہ پر ترمذی پڑھانے والا اس وقت پورے ملک میں نہیں ہے' چنانچہ آپ کی مطبوعہ تقریر ترمذی سے پورے طور پر اس کی تائید و توثیق حاصل ہوتی ہے۔

بیعت و ارشاد

آپ نے اپنا روحانی تعلق سب سے پہلے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی سے قائم کیا' فطری صلاحیتوں اور مجموعہ کمالات و محاسن ہونے کی وجہ سے حضرت بھی مولانا پر خصوصی توجہ و شفقت فرماتے تھے۔ حضرت کے وصال کے بعد حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دامن فیض سے وابستہ ہوئے۔ آپ نے حضرت تھانویؒ کو سب سے پہلا خط تمیں جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ میں تحریر فرمایا جس میں لکھا تھا کہ

"احقر کا ارادہ حضرت اقدس کے سلسلہ میں داخل ہو کر ذکر و اذکار کرنے کا حسب تجویز اقدس ہے"

حضرت نے جواباً" تحریر فرمایا کہ گو میں حضرات اہل کمال کی خدمت کی اہلیت نہیں رکھتا' لیکن تاہم خدمت سے عذر نہیں۔

حضرت مولانا مرحوم اپنے پیش آمدہ مشکل مسائل اور سلوکی معاملات میں حضرت اقدس تھانوی سے مسلسل خط و کتابت رکھتے تھے۔ ان مکاتیب کی اہمیت و افادیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ تمام جواہرپارے اس راہ کے سالکین کے لئے مشعل راہ قرار دے کر حضرت اقدس کی سوانح "اشرف السوانح" کا جز بنا دیئے گئے۔

حضرت اقدس تھانوی مولانا کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ مولانا کامل پوری نہیں' کامل پورے ہیں۔

جس زمانے میں آپ مظاہر علوم میں صدارت تدریس کے منصب پر فائز تھے تو حضرت اقدس تھانوی نے از خود مولانا کو مجاز بیعت بنا دیا' اس پر مولانا نے معذرت کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ میں نے تو ابھی تک بیعت بھی نہیں کہ پھر خلافت کا استحقاق کیسا؟

اس پر حضرت اقدس نے جو جواب مرحمت فرمایا وہ یہ تھا کہ۔ میرے نزدیک اہلیت شرط ہے بیعت شرط نہیں۔

حق تعالٰی نے آپ کی ذات کو محاسن و مفاخر کا مجموعہ بنایا تھا' حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ اور حضرت اقدس تھانوی کی روحانی توجہات و برکاتؔ نے آپ میں مزید چار چاند لگائے اور آپ نے ارشاد و سلوک میں ایک خاص مقام پیدا کیا' درس و تدریس کے مشاغل کے ساتھ ساتھ سالکین کی روحانی تربیت میں بھی مشغول رہتے' کبار علماء' طلباء' تجار' ملازمین' غرض ہر شعبہ کے لوگ آپ کے فیوض سے مستفیض ہوئے اور رشد و سلوک کے منازل آپ کی رہنمائی میں طے کئے خود حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ بیعت ہونے والے اکثر علماء و فضلاء کو تربیت کے لئے حضرت مولانا ہی کے حوالے فرماتے تھے۔

آپ کے فیوض و برکات سے مظاہر علوم اس طرح سے محروم ہوا کہ ۱۹۴۷ء کے ہولناک فسادات سے قبل رمضان المبارک کی تعطیلات میں اپنے وطن بہبودی تشریف لے گئے' ادھر ملک تقسیم ہو گیا اور آمد و رفت کے راستے مسدود ہو جانے کی وجہ سے آپ کا مظاہر علوم میں واپس آنا مشکل ہو گیا چونکہ پاکستان میں دینی مدارس کا قیام

بھی تیزی سے عمل میں آرہا تھا' اس لئے آپ کا وہاں رہ جانا بھی ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا اور آپ اولوالعزمی کے ساتھ خدمت دین اور نشر علم میں مشغول و منہمک ہو گئے۔ چنانچہ پہلی مرتبہ ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۶۹ھ تک تین سال مدرسہ خیر المدارس ملتان میں رہے اس مختصر قیام میں (۱۰۸) طلباء نے آپ سے علوم حدیث کی سند حاصل کی اور فارغ التحصیل ہوئے۔

۱۳۶۹ھ سے ۱۳۷۲ھ تک دارالعلوم الاسلامیہ ٹنڈوالہ یار حیدر آباد میں شیخ الحدیث کے اہم اور عالی عہدہ پر رہے' اس کے بعد چار سال جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کی مسند حدیث سنبھالی اور وہاں کے شیخ الحدیث منتخب ہوئے' آخر عمر تک آپ یہیں حدیث کی خدمات انجام دیتے رہے۔

ستائیس شعبان ۱۳۸۵ھ مطابق اکیس دسمبر ۱۹۶۵ء کو پنڈی (پاکستان) میں علم و عمل' زہد و تقویٰ' پارسائی و پاکبازی کا یہ روشن مینارہ آسودہ خاک ہوا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ واسعہ۔

آپ کی سوانح' "تجلیات رحمانی" کے نام سے آپ کے صاجزادے مولانا سعید الرحمٰن صاحب ترتیب دے چکے جو شائع ہو چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری زاد مجدہ نے حادثہ انتقال سے متاثر ہو کر ماہنامہ بینات میں جن بلند الفاظ سے مولانا کے محامد و محاسن کا تذکرہ کیا ہے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس کو بعینہ نقل کر دیں۔ کیونکہ ہمارے نزدیک یہ شذرہ قدر جوہر شاہ داند کی بہترین مثال ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب رحمہ اللہ کی وفات دنیائے علم و اخلاق کا ایک بڑا حادثہ ہے اور ایسے اکابر علماء کی رحلت امارات ساعۃ (علامات قیامت) میں سے ہے' مولانا مرحوم علوم اسلامیہ دینیہ اور نقلی و عقلی فنون علم کے جامع ترین عالم تھے' اصناف علم و فضل و کمال ان کی شخصیت میں مجتمع تھیں۔ وہ عالم و عارف تھے' صوفی و محقق اور فقیہ و محدث تھے' علم اصول و کلام کے ایک ماہر اصولی اور فاضل متکلم تھے۔ غرض علمی دنیا کے آفتاب و ماہتاب تھے کوہ وقار تمکنت' پیکر حلم و رزانت' مجسم خمول و تواضع اور صلاح و تقویٰ میں یگانہ روزگار تھے' فطری ملکات میں ان کو ایک نمایاں امتیاز حاصل تھا۔ ریاضت و مجاہدہ کے بغیر طبعی طور پر مرتاض تھے' اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو وھبی اور فطری اخلاق و ملکات کے وہ مقامات عالیہ عطا فرمائے تھے کہ ریاضت و مجاہدات کے بعد بھی ان کا حاصل ہو جانا قابل فخر اور وجہ شرف ہے' اس علم و فضل اور شرف و کمال کے ساتھ انکسار و تواضع خاموشی اور کم گوئی ان کی ایک فطری کرامت تھی۔

ایسی جامع کمالات شخصیت اور مجمع فضائل ہستی کی وفات سے پاکستان کے دینی اور علمی حلقوں میں جو زبردست خلا پیدا ہوا ہے افسوس ہے کہ اس کے پر ہونے کی توقع نہیں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

"دعا ہے کہ اس پیکر صدق و صفا' سراپائے وقار و تمکنت' مجسمہ ورع و تقویٰ' مخزن علم و عمل' جامع

کمالات بزرگ کی روح پاکیزہ ابر رحمت کے فیض قدسی سے ہمیشہ سرشار اور شاداب رہے اور ان کی قبر مبارک، آفتاب کرم کی ضوفشانی سے ہمیشہ بقعہ نور بنی رہے اور ان کا نورانی چہرہ سراپا نور ہو"

تصنیفات و تالیفات

۱۔ الحاوی علیٰ مشکلات الطحاوی، ۲۔ تقریر ترمذی شریف

حضرت مولانا الحاج مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی

والد محترم کا نام جناب حامد حسن اور جد محترم کا نام محمد خلیل تھا۔ دس جمادی الثانیہ ۱۳۲۵ھ شب جمعہ میں آپ کی پیدائش مشہور عالم قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور میں ہوئی۔

آپ نے اولاً گنگوہ میں حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ کی صاجزادی صاحبہ کی بیٹھک میں حافظ کریم بخش صاحب نابینا سے قرآن پاک پڑھا' اٹھارہ سطریں ختم قرآن میں باقی تھیں کہ حافظ صاحب موصوف کا انتقال ہو گیا۔ بعد ازاں حافظ عبدالکریم صاحب امام جامع مسجد گنگوہ کے پاس قرآن مجید کی تکمیل کی۔

کتب فارسی میں کچھ حصہ آمد نامہ اور کچھ حصہ بوستاں مولانا فخر الدین صاحب گنگوہی سے پڑھا' عربی کی ابتدا تعلیم میں میزان منشعب اپنے والد محترم سے پڑھی۔

مفتی صاحب موصوف کی آمد مظاہر علوم میں ۱۳۴۱ھ میں ہوئی۔ یہاں آکر آپ نے درس نظامی کی ابتدائی کتب' علم الصیغہ' فصول اکبری' صرف میر' نحو میر' قال اقول وغیرہ سے اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔ ۱۳۴۷ھ تک آپ نے جامعہ مظاہر علوم میں پڑھا' میر زاہد' غلام یحییٰ' قاضی مبارک' دیوان حماسہ' دیوان متنبی' حمداللہ کتابیں پڑھ کر شوال ۱۳۴۸ھ میں آپ نے دارالعلوم دیو بند میں داخلہ لیا اور ہدایہ اخیرین' مشکوۃ شریف پڑھی' ۱۳۴۹ھ میں بیضاوی' ابو داؤد' مسلم شریف ۱۳۵۰ھ میں بخاری شریف و ترمذی شریف پڑھی۔

آپ نے مشکوۃ شریف مولانا نبیہ حسن صاحب دیو بندی سے ابو داؤد حضرت میاں اصغر حسین صاحب سے' مسلم مولانا رسول خاں صاحب سے' بخاری و ترمذی حضرت اقدس مدنی نور اللہ مرقدہ سے پڑھی۔

دیو بند سے تکمیل علوم کے بعد آپ پھر جامعہ مظاہر علوم میں آگئے اور یہاں داخلہ لے کر بخاری اور ابو داؤد شریف حضرت شیخ زاد مجدہ سے' طحاوی' موطا امام مالک' موطا امام محمد مولانا منظور احمد صاحب سے' نسائی' ابن ماجہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری سے پڑھی۔

فن قرات و تجوید کی تکمیل بھی آپ نے جامعہ مظاہر علوم میں کی' اس فن کی اعلیٰ کتابوں کو پڑھ کر پورے درجہ قرات میں اول نمبرات سے آپ کامیاب ہوئے' اس موقعہ پر بطور انعام ایک قیمتی گھڑی الحاج وجیہ الدین صاحب رئیس میرٹھ کی جانب سے آپ کو دی گئی۔

چار ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ میں آپ کا تقرر دس روپے مشاہرہ پر بحیثیت معین مفتی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور ہوا' مولانا منور حسین صاحب بہاری' مولانا ظہور الحسن صاحب کسولوی' مولانا عمر احمد صاحب تھانوی' مولانا سمیع الحق صاحب پشاوری یہ سب حضرات اسی زمانے میں مظاہر علوم کے دارالافتاء میں آپ کے رفیق تھے اور مشق افتاء کرتے تھے۔ ۱۳۵۲ھ میں آپ نائب مفتی بنائے گئے۔ ۱۳۷۰ھ تک اسی عہد پر رہے۔ درسی کتابوں میں آپ نے میزان الصرف'

تہذیب قدوری، نور الانوار، کنز الدقائق، ہدایہ اولین اور جلالین بھی مظاہر علوم میں پڑھائیں۔

محرم الحرام ۱۳۷۱ھ میں آپ جامع العلوم کانپور تشریف لے گئے اور وہاں رہ کر درس و تدریس، فقہ و فتاویٰ، وعظ و ارشاد کے ذریعہ دینی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۷۵ھ میں آپ جامع العلوم کے شیخ الحدیث منتخب ہوئے اور پہلی مرتبہ بخاری شریف کا درس دیا۔

۱۳۸۴ھ میں آپ بصد عزت و احترام دارالعلوم دیو بند میں تشریف لائے یہاں مسند افتاء پر متمکن ہوئے۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے ارشاد پر بخاری جلد ثانی کا درس بھی دیا ۱۳۸۶ھ میں جامعہ مظاہر علوم کے سرپرست بنائے گئے۔ مولانا موصوف کا شمار مظاہر علوم کے ان سرپرستان میں آٹھویں نمبر پر ہے جو مظاہر علوم کے فیض یافتہ ہو کر بہ حیثیت سرپرست اس کے خادم بنے۔

ایک طویل عرصہ تک آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری اور حضرت شیخ زاد مجدہ کی صحبت مبارکہ میں رہ کر ریاضت و مجاہدات اور ذکر و اذکار کئے۔ بعدازاں حضرت شیخ مدظلہ کی جانب سے مجاز بیعت و خلیفہ بنائے گئے۔ ایک سلسلہ گفتگو میں حضرت شیخ زاد مجدہ نے مفتی صاحب موصوف کے متعلق فرمایا تھا کہ میں نے مفتی محمود کو چالیس سال تک رگڑا تب کہیں جا کر خلاف و اجازت دی۔

تصنیفات و تالیفات

۱۔ مسئلہ تقلید اور جماعت اسلامی، ۲۔ حواشی بہشتی گواہر، ۳۔ مسئلہ تنقید اور جماعت اسلامی، ۴۔ گلدستہ اسلام، ۵۔ نغمہ توحید، ۶۔ وصف شیخ، ۷۔ اسباب غضب حدیث کی روشنی میں، ۸۔ حقوق مصطفیٰ

□□□

حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا رشید اللہ بن مولانا مفتی بشارت اللہ ہے۔ ۱۳۱۵ھ میں آپ کی پیدائش ریاست رامپور میں ہوئی۔ تاریخی نام مرغوب اللہ اور چراغ علی ہے۔

آپ نے قرآن شریف اپنی والدہ ماجدہ سے پڑھ کر کچھ عرصہ رامپور کے ایک سرکاری اسکول میں انگریزی تعلیم حاصل کی۔ شوال ۱۳۲۹ھ کے آخر میں آپ اپنے چچا حکیم محمد فضل اللہ صاحب کے ساتھ رامپور سے تھانہ بھون تشریف لے آئے۔ یہاں پہنچ کر حضرت مولانا الحاج عبداللہ صاحب گنگوہی سے تعلیمی رشتہ قائم فرمایا۔ ابتدائی عربی سے متوسط کتابوں تک آپ کے استاذ مولانا مرحوم رہے۔ ترجمہ قرآن پاک اور مشکوۃ شریف حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ سے پڑھی۔ مشکوۃ شریف کے چند اسباق حضرت مولانا عبداللہ صاحب کے پاس بھی ہوئے۔

تھانہ بھون کے زمانہ قیام میں آپ نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب، حضرت مولانا شبیر علی صاحب سے بھی متعدد کتابیں پڑھیں۔ شوال ۱۳۳۳ھ میں آپ مظاہر علوم سہارنپور میں تشریف لائے۔ یہاں مشکوۃ، ہدایہ اولین، مختصر المعانی، سلم العلوم، مقامات حریری، ہدیہ سعیدیہ، ملا حسن، نخبۃ الفکر سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا۔

۱۳۳۴ھ میں دورہ حدیث میں داخلہ لے کر صحاح ستہ کی تکمیل فرمائی۔ کتب صحاح کے ساتھ جلالین شریف، شرح عقائد نسفی مع خیالی، ملا جلال بھی پڑھی۔

دورہ حدیث میں اس سال پندرہ طلبا شریک ہوئے جن میں چند ممتاز اور مخصوص حضرات یہ تھے۔ حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، مہاجر مدنی، مولانا خیر محمد صاحب مظفر گڑھی مہاجر مکی بانی رباط منزل الخیر مدینہ منورہ، مولانا عبدالغنی صاحب بارہ بنکوی سابق استاذ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری امام النحو والمنطق، مولانا محمد بخش صاحب ڈیرہ غازی خان (پاکستان)

۱۳۳۵ھ میں آپ نے درجہ فنون میں داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں۔ بیضاوی، مسلم شریف، ہدایہ اخیرین، سراجی، حمداللہ، قاضی مبارک، میر زاہد، توضیح و تلویح۔ ۱۳۳۶ھ میں آپ نے ابو داؤد اقلیدس، صدرا، شمس بازغہ، درمختار، سبع شداد، شرح چغمینی، تصریح، مسلم الثبوت پڑھی۔

۱۳۳۷ھ میں آپ مظاہر علوم کے معین مدرس بنائے گئے۔ ایک سال بعد شوال ۱۳۳۸ھ میں پندرہ روپے مشاہرہ پر مستقل استاذ تجویز کئے گئے۔ مظاہر علوم میں آپ نے تمام علوم و فنون کی کتابیں پڑھائیں۔ درجہ ابتدائی اور درجہ اوسط کی متعدد کتابوں کے علاوہ درجہ اعلیٰ کی یہ کتابیں بہت سی مرتبہ آپ کے یہاں ہوئیں۔ جلالین، شرح عقائد خیالی، امور عامہ، خلاصۃ الحساب، دیوان متنبی، دیوان حماسہ، توضیح تلویح، صدرا، اقلیدس، شمس بازغہ، بیضاوی، تقسیم مدارک، ہدایہ ثالث، ہدایہ رابع، حمداللہ، رسم المفتی

یکم صفر ۱۳۶۵ھ میں آپ اپنی مادر علمی جامعہ عربیہ مظاہر علوم سہارنپور کے نائب ناظم بنائے گئے۔ حضرت مولانا

عبداللطیف صاحب کے سانحہ ارتحال کے بعد یکم محرم الحرام ۱۳۷۴ھ میں آپ ناظم اعلیٰ منتخب ہوئے۔ مظاہر علوم جیسی معیاری دینی درسگاہ کے عہدہ اہتمام و انتظام کو آپ نے جس بیدار مغزی اور حوصلہ مندی کے ساتھ سنبھالا اس سے آپ کی قوت عمل انتظامی صلاحیت اور بھرپور فہم و فراست کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

حضرت موصوف مدظلہ العالی کی عمر کا ایک بڑا حصہ خدمت حدیث شریف میں گذرا۔ آپ ۱۳۴۷ھ میں مظاہر علوم سہارنپور کے استاد حدیث بنائے گے۔ اس سال آپ نے پہلی مرتبہ مشکوٰۃ شریف کا درس دیا۔ ۱۳۵۳ھ میں دورہ حدیث کی کتابوں میں سے نسائی شریف پہلی مرتبہ آپ کے لئے تجویز ہوئی۔ ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۸۹ھ تک متواتر حدیث کی کتابیں آپ کے یہاں ہوتی رہیں۔ اس تینتالیس سالہ عرصہ میں آپ نے مشکوٰۃ شریف' مسلم شریف تین تین مرتبہ' ابو داؤد شریف گیارہ مرتبہ' طحاوی شریف اٹھارہ مرتبہ' نسائی شریف سولہ مرتبہ پڑھائی۔

شاعری کا ذوق آپ کو ہمیشہ رہا نوعمری سے ہی اشعار' غزلیں' نعتیں اور مدحیہ قصائد بکثرت کہے۔ مشاعروں میں شرکت بھی فرمایا کرتے تھے۔ اپنا کلام بھی سناتے۔ لیکن شاعری میں کسی کو اپنا استاذ نہیں بنایا۔ اس کے باوجود اونچے اونچے نامور شعرا آپ کے کلام سے محظوظ ہوتے اور آپ کو سلطان کشور سخندانی' سریر آرائے ملک معانی' تاج البلغاء' سراج الادباء جیسے القاب سے یاد کرتے۔

آپ کا مختصر مجموعہ کلام "کلام اسعد" کے نام سے طبع ہو چکا جس سے آپ کے خداداد ذوق سلیم کا اندازہ ہوتا ہے۔

اسی طرح آپ کے ادبی خطوط کا مجموعہ "صحائف اسعد" کے نام سے شائع ہو چکا۔ یہ خطوط جناب تسکین صاحب قریشی کو لکھے گئے۔ قریشی صاحب نے ان کو ترتیب دے کر' مکاتیب جگر کے ساتھ ملحق کر کے شائع کر دیئے۔

آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت اقدس تھانوی نور اللہ مرقدہ سے قائم کیا۔ کثرت کے ساتھ خدمت والا میں حاضر ہوتے۔ بعض مرتبہ طویل قیام کی نوبت بھی آجاتی۔

تصنیفات و تالیفات

۱۔ اسعاد النحو' ۲۔ تکمیل العرفان فی تسہیل حفظ الایمان' ۳۔ فتنہ ارتداد اور مسلمانوں کا فرض' ۴۔ الطائف من اللطائف' ۵۔ رہبر حجاج' ۶۔ اسعاد الطالبین' ۷۔ صحائف اسعد' ۸۔ کلام اسعد' ۹۔ مصباح الطحاوی' ۱۰۔ اسعاد الاسعد' ۱۱۔ المکالمۃ بینی وبین بعض المعقولین۔

مولانا امیر احمد صاحب کاندھلویؒ

آپ کے والد محترم کا نام جناب عبدالغنی ہے۔ دو شنبہ پانچ صفر المظفر ۱۳۲۷ھ میں مشہور قصبہ کاندھلہ ضلع مظفر نگر میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ ۱۳۴۲ھ میں مظاہر علوم میں آپ نے داخلہ لیا۔ اس وقت آپ کی عمر سولہ سال کی تھی۔ اس اولیں سال میں آپ نے کافیہ' قدوری' مفید الطالبین' نور الایضاح' ہدایۃ النحو' مرقات قال اقول' ایسا غوجی پڑھی۔ شعبہ تجوید میں بھی آپ مشق کرتے رہے۔ ۱۳۴۳ھ میں آپ نے اصول الشاشی' کافیہ' شرح تہذیب بحث فعل' کنزالدقائق' قدوری ۱۳۴۴ھ میں شرح وقایہ' شرح جامی' تلخیص المفتاح' قطبی' میر قطبی' ۱۳۴۵ھ میں ہدایہ اولین' مختصر المعانی' نور الانوار وغیرہ۔ ۱۳۴۶ھ میں جلالین شریف' مشکوۃ شریف' مقامات حریری' سبعہ معلقہ' ترجمۃ القرآن وغیرہ کتابیں ------ پڑھ کر ۱۳۴۷ھ میں آپ نے دورہ حدیث شریف پڑھا۔ بیضاوی' تفسیر مدارک' شاطبی بھی اسی سال پڑھیں' سالانہ امتحان کے موقعہ پر تیرہ کتابوں کا امتحان دے کر مجموعی طور سے دو سو پینتیس (۲۳۵) نمبرات حاصل کئے۔ اس طرح دورہ حدیث کی پوری جماعت میں آپ اول نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

مولانا الحاج احتشام الحسن صاحب کاندھلوی خلیفہ و مجاز حضرت مولانا شاہ محمد الیاس صاحب دہلوی۔ مولانا الحاج جمیل الرحمن صاحب امروہوی (حال ناظم شاخ مدرسہ) مولانا عبدالحلیم صاحب فیض آبادی مجاز بیعت حضرت شیخ زادہ مجدہ و ممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیو بند آپ کے دورہ حدیث کے خصوصی رفقاء میں سے ہیں۔ آپ نے بخاری شریف جلد اول' ابو داؤد و شمائل ترمذی حضرت شیخ زادمجدہ سے۔ بخاری جلد ثانی حضرت مولانا عبداللطیف صاحب سے مسلم و ترمذی و طحاوی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری سے' نسائی' ابن ماجہ حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے پڑھی ہے۔

۱۳۴۸ھ میں آپ نے فنون میں داخلہ لے کر یہ کتابیں پڑھیں۔ دیوان متنبی' حماسہ' درمختار' صدرا' اقلیدس' سبعہ شداد' ہدایہ جلد ثالث' حمداللہ' تصریح' شرح چغمینی' قاضی مبارک' شمس بازغہ

۱۳۴۹ھ میں عربی کی ابتدائی تعلیم کے لئے پندرہ روپے مشاہرہ پر آپ کا تقرر مدرسہ خلیلیہ شاخ میں ہوا۔ اس اولیں سال میں آپ نے ان کتابوں کا درس دیا۔ کبریٰ' ایساغوجی قال اقول' علم الصیغہ' تیسیر المنطق' شرح مائۃ عامل' ہدایۃ النحو' مرقات زنجانی' زرداری' فصول اکبری' منیۃ المصلی' نور الایضاح

شاخ میں استاذ ہونے کے زمانہ میں قرآن پاک حفظ کیا' فرمایا کرتے تھے کہ چہل حدیث فضائل قرآن کے ختم پر جو قوت حافظہ کی دعا ہے اس کا تجربہ کرنے کی غرض سے حفظ کرنا شروع کیا تھا۔ ایک گھنٹہ صبح کی نماز کے بعد اور عصر و مغرب کے مابین حفظ کیا کرتے تھے ایک سال سے بھی کم مدت میں حفظ کر لیا اور محلہ خانعالم پورہ میں سنایا۔

ماہ شوال ۱۳۵۵ھ میں آپ شاخ سے منتقل ہو کر مدرسہ میں آئے اور درسی خدمات میں مشغول ہو گئے۔

۱۳۶۳ھ میں ہدایہ اولین اور ۱۳۶۵ھ میں جلالین شریف پہلی مرتبہ پڑھائی۔ ۱۳۶۷ھ میں استاد حدیث بن کر مشکوۃ شریف کا درس دیا۔ اس کے بعد ۱۳۷۴ھ میں نسائی شریف ۱۳۷۷ھ میں ترمذی شریف' ۱۳۸۱ھ میں طحاوی شریف پہلی مرتبہ آپ کے لئے تجویز ہوئی۔ حضرت مولانا الحاج قاری سعید احمد صاحب کے انتقال کے بعد سے چونکہ صدارت تدریس کا عہدہ خالی تھا اس لئے مجلس سرپرستان کی تجویز کے مطابق چھ شوال ۱۳۷۸ھ میں آپ اس کے لئے منتخب ہوئے اور یہ عہدہ آپ کو سونپا گیا۔

مظاہر علوم سہارنپور میں انہوں نے سترہ سال تک حدیث کا درس دیا۔ اس مدت میں آپ نے مشکوۃ شریف چودہ مرتبہ' ترمذی شریف آٹھ مرتبہ' طحاوی شریف تین مرتبہ پڑھائی۔

مرض الوفات کا آغاز نو ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ کو ہوا۔ آپ عیدالاضحیٰ کی تعطیل میں اپنے وطن کاندھلہ گئے ہوئے تھے کہ نو ذی الحجہ کی شب میں مرض کا حملہ ہوا۔ گیارہ بجے کھانسی میں خون آیا اور بہت شدت کے ساتھ آیا۔ ڈاکٹروں نے حرکت کرنے سے بھی منع کیا۔ لیکن صبح کو کھڑے ہو کر نماز ادا فرمائی۔ دس ذی الحجہ کی صبح کو رکشہ کے ذریعہ عیدگاہ تشریف لے گئے گیارہ ذی الحجہ کی دوپہر میں کھانسی اٹھی اور اسی کے ساتھ خون کی قے ہوئی اور ساڑھے بارہ بجے آپ نے عالم بالا کی راہ لی۔ آپ کی تدفین اپنے وطن قصبہ کاندھلہ میں عمل میں آئی۔ **رحمہ اللہ تعالی رحمتہ واسعتہ**

استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالخالق صاحب رحمہ اللہ علیہ

پیدائش :- استاذ محترم حضرت قبلہ قاری عبدالخالق صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پیدائش ۱۲۹۸ھ میں علی گڑھ میں ہوئی آپ کے والد محترم کا نام شیخ جیون علی تھا۔ آپ کے والد محترم کی دو شادیاں ہوئیں پہلی بیوی سے ایک صاحبزادے حاجی عبداللہ صاحب اور ایک صاحبزادی ہوئیں۔ ان کی والدہ کی وفات کے بعد دوسری شادی کی جن سے اخیر عمر میں قاری عبدالخالق صاحب اور آپ کے برادر خورد قاری عبدالمالک صاحب پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم :- پدر بزرگوار کی وفات کے بعد آپ کی والدہ محترمہ نے آپ کو محلّہ کی ایک معلمہ کے سپرد کر دیا جن سے آپ نے قاعدہ اور چند پارے پڑھے۔ بعد میں جناب مولوی صدیق حسین صاحب مرحوم (جو خود جناب مولانا مفتی لطف صاحب مرحوم کے پاس عربی پڑھتے تھے اور محلّہ کٹھرہ کی مسجد میں تعلیم دیتے تھے) کے سپرد کر دیا۔ یہاں آپ نے قرآن پاک ناظرہ ختم کر کے حفظ شروع کر دیا۔

آپ کی والدہ محترمہ آپ کے برادر خورد قاری عبدالمالک اور بڑے بھائی حاجی عبداللہ صاحب کو ہمراہ لے کر ماہ رجب المرجب ۱۳۱۳ھ میں اس مبارک سفر پر روانہ ہو گئیں رخصت کے وقت آپ کے استاد صاحب نے آپ کی والدہ صاحبہ کو وصیت کی کہ عبدالخالق کو مکہ مکرمہ جا کر علم قرات ضرور پڑھانا۔ مکہ میں آمد کے بعد آپ کی والدہ محترمہ نے مستقل طور پر وہیں قیام فرما لیا اور آپ کو حصول تعلیم کے لئے قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکی مدرس مدرسہ صولتیہ کے سپرد کر دیا۔ آپ نے اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی قاری عبدالمالک صاحب کو بھی مدرسہ لے جانا شروع کر دیا۔ آپ چونکہ طبعاً" زیادہ شرمیلے ہونے کی وجہ سے استاد صاحب کے سامنے کھل کر نہ پڑھتے تھے اور استاد صاحب یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح بے تکلف ہو کر پڑھنے لگیں۔ اس لئے جہاں جاتے آپ کو ہمراہ لے جاتے۔ متعدد مرتبہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مکان پر لے جا کر ختم قرآن میں شرکت کراتے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی جگہوں پر لے جا کر پڑھواتے زمانہ طالب علمی میں طالب علم کچھ مالی خدمت تو کر نہیں سکتا لیکن اگر خلوص کے ساتھ صرف خدمت کرتا رہے تو استاد کے دل میں اپنے لئے خاص مقام پیدا کر لیتا ہے۔ چنانچہ قاری صاحب بھی استاد صاحب کی خدمت کے علاوہ آپ کے دو صاحبزادوں احمد و حامد کا کام تختی دھونا' قلم بنانا' سبق پچھلا یاد کرانا وغیرہ بڑے شوق کے ساتھ کرتے تھے۔ نیز گھر کا تمام کام کاج بھی کرتے۔ نماز مغرب سے نماز عشاء تک روزانہ پابندی کے ساتھ استاد صاحب کی خدمت میں حرم شریف میں رہتے اور نماز عشاء کے بعد رخصت کر کے واپس آتے۔

آپ نے تقریباً سات سال کے اس قیام مکہ میں تمام قرآن مجید از اول تا آخر ایک ایک مشق میں پورا کیا اور

جتنے رسائل تجوید داخل نصاب تھے پڑھے۔

بعدازاں آپ واپس ہندوستان تشریف لے آئے اور ۱۳۲۳ھ میں مع اپنے چھوٹے بھائی حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے مدرسہ تجوید القرآن میں بطور مدرس کام کرنا شروع کیا۔ قاری عبدالمالک صاحبؒ تو بعدازاں مدرسہ تجوید القرآن کو خیرباد کہہ گئے لیکن حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ نے اپنی تمام عمریہیں تدریس میں گزار دی اور یہیں مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور میں ہی حضرت قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ نے آپ سے استفادہ فرمایا۔

وفات:۔ استاذ الاساتذہ قاری عبدالخالق صاحب نور اللہ مرقدہ کی وفات ۱۱ اپریل ۱۹۵۷ء بروز جمعرات سہارنپور میں ہوئی اور حضرت الشیخ البارع سیدنا قاری عبدالمالک صاحب ۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء کی درمیانی رات میں لاہور میں واصل بحق ہوئے۔ **رحمہ اللہ واوصلہ فی جنت الفردوس**

□□□

بابائے تجوید و قرآءت

مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ

استاذ القراء فضیلۃ الشیخ حضرت قاری عبدالمالک نور اللہ مرقدہ نے مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمہ میں حضرت استاذ العرب والعجم قاری عبداللہ بن شیخ بشیر خان الہ آبادی ثم المکی قدس سرہ کی خدمت میں اپنے نشوونما کے ابتدائی دور میں آنکھیں کھولیں۔ پہلے حفظ کلام اللہ میں مشغول رہے پھر تجوید کے میدان میں جو قدم رکھا تو سات آٹھ سال کے لگ بھگ فن کے تمام نشیب و فراز میں غواصی فرمائی۔ تحقیق' ترتیل' تدویر اور حدر ہر ہر انداز پر حضرت مشفق استاذ نے اپنے اس ہونہار شاگرد کو خوب دوڑایا۔ کبھی خود استاذ المکرم پڑھ رہے ہیں اور شاگرد سن رہا ہے۔ کبھی شاگرد کو جولانیوں کا موقع دیا گیا ہے اور وہ اسی راہوں کو بڑی دقیقہ سنجی ہونہار تربیت کے کمال کو لے کر پڑھتا جا رہا ہے۔ فنی کتابیں خوب ضبط کرائی گئیں۔ پھر مکۃ المکرمہ میں حرم شریف کی حاضری خوب شب و روز نصیب تھی۔ قرآن کی زمزمہ سنجیاں شب و روز ایک ایسے ہونہار طالب علم کے کانوں میں رس بس رہی تھیں جو قدرت کی فیاضیوں سے بہترین استعداد فطری سے پہلے ہی مالا مال تھا۔ اس پوری مدت مذکورہ میں فطری بلندیوں اور حضرت استاذ کی شب و روز کی تربیت نے اس قدر مضبوط قاری بنا دیا کہ جس کی ہم رکابی یا ہمسری کا دعویٰ کسی کیلئے بہت مشکل تھا۔ ہر کسے را بہر کارے ساختند' اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ ایک ایسا کامل اور ماہر فن استاذ تیار ہو کر ہندوستان واپس ہو جو اس سرزمین میں ایک دفعہ پھر عربی لب و لہجہ کے نشوونما میں آئندہ نسلوں کیلئے مکمل رہنما ہو۔

حضرت الشیخ رحمہ اللہ کبھی کبھی اپنے اس دور کی کچھ باتیں سنایا کرتے تھے۔ فرمایا کہ صبح کے ناشتہ اور اس کے کھانے پینے کے لوازم از قسم چائے' ڈبل روٹی' مکھن پراٹھے اور انڈوں کا تو اس وقت کوئی تصور بھی نہ تھا۔ صبح اٹھ کر گھر سے نہار منہ نکلتا۔ والدہ صاحبہ رحمہا اللہ ہم دونوں بھائیوں (حضرت الشیخ برادر بزرگ حضرت قاری عبدالخالق) کو ایک دو پیسہ عنایت فرما دیتی تھیں۔ ہم اس میں کسی دکان سے روٹی دال یا کچھ اور لے کر کھاتے اور مدرسہ میں حاضر ہو جاتے تھے۔ میں نے پوچھا حضرت آپ نے' حضرت حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ کی زیارت کی ہو گی۔ فرمایا ہاں۔ والدہ صاحبہ ہمیں لے کر کبھی کبھی حضرت حاجی صاحب کے یہاں تشریف لے جاتی تھیں وہیں حاجی صاحب کی خدمت میں حاضری ہوتی تھی۔

حضرت شیخ کے لئے اچھی اچھی مترنم آوازیں قلبی کشش کا باعث ہوتیں۔ مختلف انداز و آواز قاریوں یا حرم شریف کے موذنوں کو سنتے اور پھر وہی ہو بہو نقل بڑی کامیابی سے اتار دیتے تھے اس زمانے میں لاؤڈ سپیکر نہ تھا۔ حرم شریف کے میناروں سے بیک وقت اذانیں ہوتی تھیں حجازی لہجوں کی مقررہ اتار چڑھاؤ میں ایسے عمدہ انداز پر ایک مینار سے دوسرے مینار پر جواب ہوتا تھا کہ فنی طور پر ذرا سا سقم بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شیخ الموذنین صاحب کی

طرف سے ایسے ایسے مضبوط آواز کے مالک موذنین مقرر تھے کہ کبھی بھی صحیح راہوں سے انحراف بڑی بھاری غلطی تصور ہوتی۔ اس سارے حوصلہ آزما ماحول میں یہ اکثر ہوتا کہ حضرت الشیخ کسی بھی موذن صاحب سے خاموشی سے اجازت لے کر مینار میں پہنچے اور اسی مقرر موذن کی آواز کی وہ عمدہ کاپی کرتے کہ معلوم نہ ہوتا کہ کسی اور کی آواز ہے۔ اس معمولی واقعہ سے صوتی قدرت اور اس کی نقل پر قابو ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی دور کا ایک واقعہ حضرت سے سنا کہ میں عربی قمیض ڈھیلی ڈھالی پاؤں تک پہنے ہوئے تھا بچپن کی بے احتیاطی کی رفتار کے ساتھ مینار سے نیچے اتر رہا تھا کچھ عجلت میں تھا اس ڈھیلی ڈھالی قمیض میں کچھ ایسا الجھا کہ سنبھل نہ سکا گرا اور لڑکھڑاتا ہوا سیڑھیوں سے نیچے آرہا۔ چوٹ آئی' مگر اس سے بے پرواہ ہو کر کپڑے جھاڑتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ ایک روز کچھ درد جسمانی میں مبتلا رہا اور بس۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ' جو بعد میں حضرت الشیخ کے مرشد بھی ہوئے' غالباً" حضرت الشیخ سے پہلے حضرت قاری عبداللہ صاحب سے فن تجوید میں استفادہ کر چکے تھے۔ حکیم الامتؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت قاری عبداللہ صاحب سے استفادہ کرنے سے پیشتر میں اپنے متعلق یہ سمجھتا تھا کہ میں قرآن شریف صحیح پڑھتا ہوں۔ مگر جب استفادہ شروع کیا تو معلوم ہوا کہ مجھے کچھ بھی نہیں آتا اور دل میں بے حد پشیمانی تھی۔ بہرحال حضرت حکیم الامت میں قابلیت و استعداد ہر لحاظ سے بڑی اچھی تھی اور حضرت چونکہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں روحانی تربیت کے لئے مکہ تشریف لے گئے تھے۔ اپنی مصروفیات کی وجہ سے وقت پورا نہ تھا۔ صرف چھ ماہ تک تجوید و قرآءت میں استفادہ کر سکے لیکن چھ ماہ ہی میں بڑی اچھی استعداد بہم پہنچائی۔ حتیٰ کہ آپ کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل میں جہاں حضرت الاستاذ سے حکیم الامت مشق کرتے تو ایسی عمدگی کے ساتھ استاذ کے ہم آواز ہوتے تھے کہ نیچے سننے والے امتیاز نہ کر سکتے تھے کہ استاذ پڑھ رہا ہے یا شاگرد؟

اس روایت سے ہمیں یہ بات ملتی ہے کہ حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت الشیخ اس قرآنی تعلیم ے وسیلہ سے استاذ بھائی ہوئے۔ بعد کے آنے والے دور میں ہمیشہ دونوں بزرگوں کو اس تعلق کا احترام رہا۔ کافی مدت بعد حضرت الشیخؒ کا جب علی گڑھ میں نکاح ہوا' تو اس سے پہلے حضرت الشیخ نے مولانا تھانوی صاحب کو اطلاع دی۔ اطلاع دینے کا مقصد استدعاء دعا تھا مگر دیکھا یہ گیا کہ حضرت مولانا تھانوی عین نکاح کے وقت علی گڑھ پہنچے اور چند طلائی چوڑیاں حضرت الشیخ کو ہدیہ فرمانے اور نکاح میں شرکت کے بعد فوراً مراجعت فرمائے وطن ہو گئے۔ مولانا تھانویؒ کے ذوق و مزاج میں اس قسم کے معمولات کی قطعاً" گنجائش نہ تھی کہ وہ اس طرح دور دراز کا سفر چند منٹ کی شرکت کے لئے کریں۔ وہ تو اپنے عزیزوں کی شادیوں میں شریک نہ ہوتے تھے۔ شادیوں وغیرہ کی رسوم سے ویسے بھی متنفر اور اصلاحی ذہن رکھتے تھے۔ اس لئے مشہور کتاب اصلاح الرسوم تصنیف فرمائی۔ مگر مذکورہ واقعہ غالباً" مولانا تھانوی کی پوری

زندگی کا ایک نہایت شاذ اور خلاف معمول واقعہ ہے جس میں کہنا چاہئے کہ کسی رسمی مظاہرہ کی بجائے پر خلوص الفت کا جذبہ کار فرما ہے۔ وہ مولانا تھانوی جو بڑے نوابوں کے یہاں بھی کبھی ایسی پیش کش نہیں کرتے تھے یہاں تشریف آوری استاذ بھائی کے واسطہ سے فرمائی' جو انتہائی قلبی لگاؤ کی آئینہ دار ہے۔

بہرحال حضرت قاری عبداللہ صاحب سے ان دونوں کے استفادہ کا زمانہ ایک نہیں بلکہ زمانی تقدیم و تاخیر ہے جو بعد میں ملاقاتوں سے اس برادرانہ تعلق کے انکشاف پر منتج ہوئی۔ ہوا یوں کہ ۱۹۱۰ء میں دارالعلوم دیو بند کا شاندار جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ یہ جلسہ ایک عظیم اجتماعی شکل میں تھا۔ حضرت مولانا محمود حسن شیخ الہندؒ کی سیادت و رہنمائی میں ہوا تھا۔ پورے ہندوستان سے دینی شغف والے عامتہ المسلمین اور علماء کرام جوق در جوق شریک ہوئے تھے۔ علماء کرام کی تقریروں سے پہلے حضرات قراء کی تلاوت ہوتی تھی۔ اس جلسہ میں حضرت الشیخ اور برادر بزرگ حضرت قاری عبدالخالق صاحب بھی مدعو تھے۔ جلسہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء تو مدعو ہیں ہی۔ بڑے بڑے قراء کرام بھی تشریف لائے ہوئے ہیں۔ دونوں برادر اپنی نو خاستگی کی وجہ سے کچھ گھبرائے ہوئے تھے کہ ہم بڑے بڑے قراء کے سامنے کیا پڑھ سکیں گے ترتیب یوں تھی کہ پہلے قراء اکابر سے پڑھوایا گیا۔ انکی تلاوت سن کر دونوں بھائیوں کا خوف جاتا رہا کیونکہ آوازوں کی تمکنت اور عربیت کا نکھار مفقود تھا۔ لب و لہجہ میں کوئی سوز اور کشش نہ تھی۔ عربی جبہ و عقال میں ملبوس دونوں بھائی اب تو پڑھنے کیلئے اپنے اندر ایک نئی امنگ محسوس کرنے لگے۔ بعد میں ان نوجوان عرب قراء سے پڑھنے کیلئے درخواست ہوئی سبحان اللہ ایسی پر سوز اور حجازی لہجوں کی پختہ گرفت کے ساتھ فن تجوید سے معمور تلاوت ہوئی کہ تمام مجمع حیرت و استعجاب سے آگے نکل کر درد و سوز میں ڈوب گیا اور آنسوؤں کی لڑیاں بندھ گئیں۔ اسی مجمع میں حضرت مولانا تھانوی تشریف فرما تھے۔ تڑپ اٹھے۔ سمجھے پیارے استاذ کے تازہ نمونے مکہ مکرمہ سے وارد شدہ ہیں۔ تلاوت ختم ہوئی تو آکر لپٹ گئے اور حضرت الشیخ کو بہت دیر تک اپنے سینہ سے لگائے رکھا۔ تعارف حاصل کیا۔ کون ہو۔ کیا نام ہے کس سے پڑھا ہے۔ کب وارد ہندوستان ہوئے ہو۔ تمام واقعات معلوم ہوئے۔ حضرت مولانا سے درخواست کی کہ تم میرے ہمراہ چلو۔ حضرت قاری عبدالخالق صاحب تو غالباً" سہارنپور میں کسی مدرسہ سے منسلک ہو چکے تھے نہ جا سکے۔ حضرت الشیخ تیار ہو گئے۔ غالباً" تنخواہ یہ تجویز ہوئی تھی کہ دس روپیہ ماہوار مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون کی طرف سے پیش کئے جائیں گے اور پانچ روپیہ حضرت تھانوی اپنی جیب سے دیا کریں گے۔ وہ وقت بڑا خیر و برکت اور رزق کی فراوانی کا تھا۔ معاشرت بھی سادہ تھی۔ تھانہ بھون تشریف لائے۔ حضرت تھانوی کی نشست گاہ والی سہ دری میں جنوب مشرق دو دروازہ والا ایک کشادہ کمرہ رہائش کیلئے خالی کیا گیا۔ بعد میں یہ کمرہ دارالفتاویٰ اور کتب خانہ کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔

حضرت الشیخ کی تلاوت کے حضرت تھانوی عاشق زار تھے۔ پس دیوار بیٹھ کر گھنٹوں سنا کرتے۔ حضرت مولانا ظفر احمد تھانویؒ (خواہر زادہ مولانا تھانوی) محمد مظہر علی (برادر خورد مولانا تھانوی) افسر اعلیٰ انٹیلی جنس انڈیا قاری محمد یامین:

وغیرہ وغیرہ ترتیل و حدر میں مشق کرتے تھے۔
قصبہ تھانہ بھون کے امراء بھی قرآن سننے آتے۔ انہیں میں تھانہ بھون کے رئیس قاضی امیر احمد صاحب بھی تشریف لاتے۔ انہوں نے بڑی عقیدت و ادب سے درخواست کی کہ قاری صاحب کے لئے دونوں وقت کھانا اور صبح کا ناشتہ خادم کے گھر سے آئے گا۔ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے قاضی صاحب کے اخلاص کے پیش نظر حضرت الشیخ سے سفارش کی کہ ان کی درخواست قبول کرلیں' اس طرح بڑے اہتمام سے قاضی صاحب کے یہاں پر تکلف کھانا اور صبح کا ناشتہ حضرت الشیخ کے لئے نوکر کے ذریعہ سے پیش خدمت ہونے لگا۔
حضرت الشیخ نے یہ وقت تھانہ بھون میں ایک سال کے لگ بھگ گزارا۔ اس وقت کو جب یاد کرتے تو بڑی گہری تاثری کیفیت اور ناقابل فراموش لمحوں کے انداز میں گفتگو فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت کے وہ پندرہ روپیہ اتنی بڑی رقم معلوم ہوتی کہ والدہ صاحبہ کو بھیجنے کے بعد بھی جو بچ جاتی وہ کسی طرف صرف میں نہ آتی کیونکہ ضرورت ہی کوئی نہ تھی۔ کبھی دودھ پینے کی خواہش ہوتی تو صرف تین پیسہ میں نہایت عمدہ اعلیٰ درجہ کا دودھ ملتا جو تمام پی نہ سکتا تھا۔
حضرت قاری عبداللہ صاحب کے زمانہ قیام مکہ مکرمہ میں ایک نابینا قاریہ عورت فاطمہ مصریہ حج کے زمانہ میں مصر سے آتی۔ حرم شریف کے دروازہ کے قریب بیٹھ کر سورۂ یوسف کی تلاوت مصری لہجہ میں ایسے اعلیٰ اور عمدہ انداز میں کرتی کہ گزرنے والے ٹھہر جاتے۔ وہ بھی پڑھنے میں ایسی محو ہوتی کہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ اول سے آخر تک سورۂ یوسف پڑھتی رہتی۔ نہ تھکتی اور نہ رکتی' داد و دہش تو خیر اس پر سامعین کی طرف سے ہوتی ہی تھی۔ بات کہنے والی یہ ہے کہ ہمارے حضرت الشیخ اس کی تلاوت سننے میں پوری محویت و توجہ کو کام میں لاتے اور اس کی تلاوت پوری ختم تک سنتے اور پھر اپنی قیام گاہ پر آکر اس کی تمام آواز کے خانات کو بار بار دہراتے۔ یہی سلسلہ مشق روزانہ کا معمول ہوا تو فاطمہ کے لہجہ پر بڑی پختگی کے ساتھ قابو ہوگیا۔ حتیٰ کہ اگر قاری صاحبؒ پس پردہ تلاوت فرماتے تو سامعین تمیز نہ کرپاتے کہ فاطمہ پڑھ رہی ہیں یا خود قاری صاحب۔
زمانہ قیام تھانہ بھون میں ایک مرتبہ حضرت مولانا تھانوی نے حضرت الشیخ سے فرمائش کی کہ فاطمہ کے انداز میں تو سنائیے۔ حضرت الشیخ نے فرمایا کہ حکم ہے تو اب ہی سنا دوں۔ مگر اپنے شوق میں خود میری طبیعت جب پڑھنے پر آمادہ ہو تو اس وقت لطف دوبالا ہو سکتا ہے فرمایا کہ ٹھیک ہے جب آپ کی طبیعت موزوں ہو۔ کچھ دنوں بعد آسمان ابر آلود ہوا ہلکی ہلکی بارش شروع ہوئی اور حضرت شیخ میں ذوق و جذبے نے کروٹ لی۔ مولانا تھانوی کو کہلا بھیجا کہ اب میں تلاوت کر رہا ہوں سماعت فرمایئے مگر یہاں تشریف نہ لائیں۔ آواز وہیں پہنچے گی۔ تلاوت ہوئی۔ گویا نغموں کی بارش ہوئی۔ بس ادھر پڑھنے والا اور ادھر سننے والے سب ہی بے خود تھے۔
فاطمہ کا کمال ملاحظہ ہو کہ پوری سورۂ یوسف اول سے آخر تک جس تمکنت اور طنطنہ سے پڑھتی تھی۔ کہیں

بھی تکان کا اثر یا آواز میں اضمحلال کا قطعاً" کوئی جھول نہ آتا تھا۔ یہ بڑی مشاقی کی علامت تھی۔ اس قاریہ نے مسلسل کئی سال حجاج سے خراج تحسین وصول کیا اور اپنے دور میں بڑی نامور ہوئی۔ صرف حج کے زمانہ میں مصر سے آتی اور حج کے بعد واپس چلی جاتی۔ معلوم نہیں کب انتقال ہوا۔

حضرت الشیخ کے قیام تھانہ بھون کا زمانہ بڑی سادگی سے خانقاہی در و بام میں محدود تھا۔ حضرت تھانوی بہت خیال رکھتے کہ یہاں کے قیام میں ان کو افسردگی نہ پیدا ہو۔ ایک مرتبہ بعد عصر حضرت الشیخ کے کمرہ میں دروازہ کھول کر بے تکلف اندر تشریف لے آئے اور فرمایا کہ اگر آپ کی طبیعت چاہے تو اس وقت ذرا جنگل میں سیر کے لئے چلے جایا کریں۔ میرے پاس بندوق موجود ہے۔ شکار کھیلا کریں۔ قاضی امیر احمد صاحب کے یہاں گھوڑا موجود ہے۔ اس پر سواری کیا کریں۔ حضرت الشیخ نے فرمایا نہیں مجھے تو آپ وہ چیز عنایت فرمائیں جو آپ کے سینہ میں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اور حضرت حاجی صاحب سے حاصل ہوئی ہے۔ حضرت تھانوی یہ سن کر واپس مڑے اور فرمایا وہ تو میرے پاس بھی موجود نہیں۔ لیکن حضرت الشیخ کا دوبارہ اصرار ہوا تو فرمایا ابی آپ کے پاس سلطان الاذکار (قرآن مجید) موجود ہے پھر بھی اصرار ہوا تو حبس دم کا کوئی ورد تجویز فرمایا۔ جس سے کچھ دنوں بعد حضرت الشیخ فرماتے تھے کہ تمام جسم میں آگ کی سی شورش ہونے لگی اور گھبرا کر میں نے وہ ورد ترک کر دیا۔ پھر کچھ اور متبادل اذکار تجویز ہوئے اور سلسلہ سلوک قائم ہوا۔ مگر حضرت الشیخ نے ایک خاص بات اس زمانہ کی یہ فرمائی کہ اس روحانی تربیتی دور میں مولانا تھانوی کے تعلق کا رنگ بدل گیا تھا۔ یا تو پہلے برادرانہ بے تکلفی سی تھی یا اب ایک شیخ روحانی کے تربیتی انداز کے موافق کچھ لگی بندھی سی توجہ تھی۔ یعنی بے تکلفی کی بجائے اب مرشدانہ انداز نے لے لی تھی اور یہ ہوتا ہی ہے۔

قیام تھانہ بھون ہی کے زمانہ کا ایک واقعہ سنایا کہ تھانہ بھون میں جو صمصام والا محل ہے۔ اس وسیع عمارت میں تنہا ایک بہت بوڑھی عورت رہتی تھی۔ سب ان کو دادی محل والی کہا کرتے تھے۔ حضرت الشیخ کبھی کبھی ادھر سے گزرتے اور دادی محل والی کو معلوم ہوتا تو محبت سے بلاتیں اور پان وغیرہ سے تواضع کرتیں۔ ایک ایسی ہی نشست میں دیکھا کہ وہ بزرگ بی بی اوپر گئیں اور خالی برتن اور اس میں پیسے ایک طاق میں رکھ کر بولیں۔ صمصام! دودھ لا دو' تھوڑی دیر بعد گئیں اور برتن میں دودھ رکھا ہوا اٹھا لائیں۔ معمہ حل نہ ہوا تو پوچھا یہ صمصام کون ہے۔ اس کو آتے جاتے تو دیکھا نہیں دودھ آگیا۔ بولیں یہ ایک بوڑھا جن ہے۔ مدت سے ہمارے ہاں مقیم ہے۔ بس میرے سارے کام یہی کرتا ہے۔

تھانہ بھون میں اس نام کا محل ہمارے گھر کے قریب اب بھی ہے۔ اس محل کے مالک مولانا ممتاز احمد ہوئے ہیں جو ریاست جوناگڑھ سے وابستہ تھے۔ ہمارے خاندانی بزرگ ہوئے۔ اس محل کے صمصام والے واقعات متواتر ہم نے بھی سنے۔ مگر چشم دید کوئی واقعہ نہیں ہے۔ یہ بی بی انہیں مولانا ممتاز کی بیوہ تھیں۔

حضرت الشیخ کو تھانہ بھون سے وطن کی سی محبت تھی۔ جب ذکر چھڑ جاتا تو بہت سے واقعات میں ربط پیدا ہونے

لگتا۔ یہ بات اب ہم چھوڑ کر آگے بڑھتے ہیں' حکیم الامت حضرت تھانوی کے حقیقی چھوٹے بھائی منشی اکبر علی صاحب جو بریلی میں کسی سرکاری منصب پر ممتاز تھے۔ تھانہ بھون تشریف لائے۔ خانقاہ اشرفیہ میں حضرت الشیخ کو مشق کراتے ہوئے سنا تو بہت محظوظ ہوئے۔ مولانا تھانوی سے عرض کی کہ میں ان کو بریلی ہمراہ لے جانا چاہتا ہوں' وہاں ہم ایک مدرسہ میں ان کے ذریعہ کچھ نمایاں حیثیت میں کام کریں گے۔ کافی رد و قدح کے بعد منشی صاحب کا اصرار غالب رہا اور حضرت الشیخ بریلی جانے کیلئے آمادہ ہو گئے۔ بریلی میں حضرت الشیخ کو تجوید و مشق کے کام میں کچھ زیادہ وسعت سے کام کا موقعہ ملا اور شہر میں بڑے مبارک فوائد و تشہیرات حاصل ہوئیں۔ بریلی سے سیر کرنے کیلئے حضرت الشیخ کانپور آگرہ وغیرہ بھی تشریف لے جاتے۔ اس طرح کام اور نام میں بڑی جلدی شہرت حاصل ہو گئی۔ مجالس تلاوت جابجا منعقد ہونے لگیں سننے والوں کا ہجوم رہنے لگا۔ آگرہ میں کسی جلسہ سے پہلے حضرت الشیخ کی تلاوت تھی۔ کانگریس کا اجلاس تھا۔ جس سے مولانا ابو الکلام آزاد نے خطاب کرنا تھا۔ سورۂ قصص کا رکوع ولما توجہ کی تلاوت کی۔ ہندو مسلم سب پر ایک عجیب کیفیت تھی۔ سڑک پر ٹریفک رک گیا۔ جتنی دیر تلاوت رہی جو جہاں تھا دم بخود کھڑا رہ گیا۔ لطف یہ کہ پھر مولانا ابو الکلام آزاد نے اسی رکوع کے مضمون پر اسلامی معاشرت اور حیا اور پردہ کے مضمون کو بڑی دقیق نکتہ سنجیوں کے ساتھ بیان کیا۔ یہ تلاوت حضرت الشیخ کی شہر آگرہ میں زبردست شہرت کا باعث ہو گئی۔ آگرہ کی جامع مسجد کی تنظیم نے حضرت الشیخ سے رابطہ کیا اور بہر شرط و قیود جو ان پر ڈالی گئیں منظور کرتے ہوئے وہ آگرہ میں لے آئے۔ آگرہ میں آپ کا فیض بہت ہوا' کانپور کے مشہور قاری احتشام الحسنؒ نے حضرت الشیخ سے آگرہ ہی میں استفادہ کیا۔ جو حضرت الشیخ کے بے حد عاشق تھے اور بہت عمدہ قرآن شریف پڑھتے تھے۔ تراویح رمضان میں انکی تلاوت کانپور کے پورے شہر میں مسلمانوں کیلئے ایک زبردست ذوق کی چیز تھی۔ حضرت الشیخ نے بھی ایک مرتبہ رمضان میں ان کا سنا تو پھولوں کی پتیاں قاری احتشام الحسن پر نچھاور کیں۔ وللہ درہ

ماہ و سنین کی قیود تو مجھے یاد نہیں البتہ یہ معلوم ہے کہ حضرت الشیخ آگرہ سے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ میں تشریف لے گئے اور پھر کچھ مدت کے لئے بعض علماء لکھنؤ کے اصرار پر ریاست ٹونک تشریف لے گئے۔ جہاں ایک بہت بڑا تعلیمی مرکز بنانے کا پروگرام علماء لکھنؤ کے پیش نظر تھا۔ چنانچہ اس کی تفصیل "پرانے چراغ" میں مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہم نے تحریر فرمائی ہے۔ حضرت الشیخ کو قدرت نے ملکہ عطا فرمایا تھا کہ ایسے خوبصورت انداز میں استفادہ کراتے تھے کہ منجھے ہوئے مشاق قراء کا گروپ تیار ہوتا تھا۔ یہ انداز تعلیم بہت کم دیکھنے میں آیا ہے چنانچہ تلامذہ کی ایک بہت بڑی تعداد جس طرح تھانہ بھون' بریلی' آگرہ' کانپور اور لکھنؤ میں وجود میں آئی۔ ٹونک میں بھی یہ رونق روز افزوں ہوئی۔ ایک بڑی حویلی پرانی وضع کی آپ کے لئے خالی کرائی گئی۔ جس میں رہائش بھی تھی۔ طلبہ کی رہائش بھی اور درسگاہ بھی۔ مگر نہ معلوم وہ کب سے بند تھی۔ خانہ ویراں دیواں گیرند کے مصداق اس کے تہ خانہ اور متعدد کمروں پر جنات کا قبضہ تھا۔ یہ رہائشی اور تدریسی انتظامات ابھی ابتدائی مرحلے میں ہی تھے کہ حضرت الشیخ حسب

معمول تہجد کے لئے اٹھتے تو کچھ اجنبی سائے تھرکتے دوڑتے نظر آتے۔ سمجھ گئے کہ جنات ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے روحانی قوت سے نوازا تھا بالکل نہیں گھبرائے، صبح طلبہ سے فرمایا کہ تم لوگ تلاوت دمشق تمام وقت انہیں تہ خانوں اور کمروں میں کرو، تلاوت کی برکت سے سب جنات بھاگ گئے۔ شہر والوں نے یہ حضرت الشیخ کی کرامت سمجھی، ورنہ اس سے پہلے نہ معلوم کتنے عاملین کی محنتیں ناکام ہو چکی تھیں۔

زمانہ ٹونک کے قیام میں نواب صاحب ٹونک سے تعلقات تھے۔ نواب صاحب کے یہاں حضرت الشیخ کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا مگر شروع سے ہی ہمیشہ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے استغناء سے نوازا، کبھی تقرب حاصل کرنے یا انعامات پانے کا جذبہ دامنگیر نہیں ہوا۔ فرمایا کرتے تھے کہ نواب صاحب کے اردگرد پھیلے ہوئے ہر نوع کے انسان اس قدر بہروپئے اور مصنوعی قول و عمل کے لوگ تھے کہ سب نے نواب صاحب کو بیوقوف بنایا ہوا تھا اور اکثر دربار میں انہیں فضولیات کے ذریعہ انعامات حاصل کرتے تھے۔ کوئی نواب صاحب کی خوشخطی کی تعریف کر رہا ہے۔ کوئی شاعری پر جھوم رہا ہے۔ کوئی ان کے جسم و شباب پر صدقے ہو رہا ہے اور نواب صاحب بھی ایسے سادہ عقل کے تھے کہ ان کی خوشامدیوں کی لن ترانیاں بڑے شوق سے سنتے اور انعامات سے نوازتے۔ حضرت الشیخ کا تعلق نواب صاحب سے صرف بکار مدرسہ تھا۔ مدرسہ کے مصارف میں صرف ریاست کی طرف سے بڑا حوصلہ افزا تعاون تھا۔ جس کی وجہ سے تعلیمی کام میں بہت فروغ ہوا۔ شیخ کے لئے مناسب تھا کہ ضروری مشورہ کے لئے نواب صاحب کے پاس حسب ضرورت تشریف لے جائیں مگر دربار میں ان خوشامدیوں کے کردار سے سخت تکدر کے ساتھ ہی واپس تشریف لاتے اور ان کی رنگین باتوں پر بڑا طناز تبصرہ فرماتے جس سے سامعین کو بڑا حظ حاصل ہوتا۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ اپنے بانی حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب قدس سرہ کی توجہات عالیہ اور نیک خواہشات و حسن مساعی کی وجہ سے ایک عالی شان مشہور درسگاہ کے طور پر برصغیر میں ابھر رہا تھا۔ عالیشان عمارت، درس گاہیں، ہوسٹل، دفاتر، کشادہ دالان، غرض ایک عالیشان مکمل درس گاہ تھی۔ جس میں قرآن شریف کی ابتدائی تعلیم، اردو نوشت و خواند، حفظ قرآن، فارسی، عربی، خوشخطی، طب کے علاوہ مرکزی اور بنیادی علت غائیہ کے طور پر تجوید و قرآءت کی تعلیم کو مقام دیا گیا تھا۔

حضرت مولانا عین القضاۃ مادر زاد والی تھے۔ سلسلہ ازدواج سے اپنی زاہدانہ افتاد طبع کی وجہ سے آزاد رہے۔ ان کا زہد تقشف کی حدوں تک پہنچا تھا۔ صائم الدہر، تہجد، اوابین، اشراق، چاشت اور بہت لمبے وظائف میں مشغول اکثر اوقات خلوت میں رہتے۔ گاڑھے کا تمام سفید دھلا ہوا عمامہ اور لباس زیب تن کرتے۔ دنیا والوں کے ملنے سے اجتناب فرماتے۔ گفتگو مختصر فرماتے۔ علوم عقلیہ و نقلیہ کے امام تھے۔ چنانچہ فلسفہ کی مشہور کتاب میبذی پر ان کا حاشیہ اب بھی ان کی شان علمی کا بڑا مظہر سمجھا جاتا ہے۔

سلسلہ مجددیہ قادریہ کے بڑے شیخ دوراں تھے۔ ان کی زاہدانہ ریاضتیں حیرت انگیز تھیں کھانا بڑا سادہ اور معمولی

تناول فرماتے۔ عبادت و ریاضت کی وجہ سے منحنی' دھان پان اور زرد رو تھے۔ بڑے امراء اور روساء وقت ان کی نگاہ التفات اور دعا کو انتہائی قیمتی سرمایہ تصور کرتے تھے۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے وسیع اخراجات پورے کرنے کے لئے ظاہری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مدرسہ کا کوئی سفیر تھا نہ کسی سے مالی اعانت کی اپیل' نہ اشتہار اور نہ روئیداد لیکن حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ مدرسہ کے اس قدر اعلیٰ اور گراں اخراجات بڑی آسودگی سے پورے ہو رہے تھے۔ کس مد سے اور کہاں سے یہ کثیر رقم آ رہی تھی۔ کس کے ہاتھوں پہنچ رہی تھی۔ یہ بات ہمیشہ راز ہی رہی۔ مگر راز ہی کیوں کہا جائے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے۔ **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب' ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ان اللہ بالغ امرہ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا**

شان بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ والیہ ریاست بھوپال نواب شاہجہاں بیگم نے حاضری چاہی اور مدرسہ کے لئے اعانت کی خواہش مند ہوئیں تو مولانا رحمتہ اللہ نے فرمایا۔ ہمیں ضرورت نہیں۔ دیو بند یا سہارنپور کے مدرسوں کو بھجوا دیجئے۔ ہم آپ کے لئے دعاگو ہیں۔ یہاں تشریف نہ لائیں۔

عمدہ قرآن شریف پڑھنے والوں کے عاشق تھے۔ ان پر سونے کی اشرفیاں لٹاتے' فرماتے جی چاہتا ہے جواہر اور موتیوں سے ان کا منہ بھر دوں۔ اپنے حجرے میں تشریف لے جاتے۔ اندر سے مٹھی میں بند اشرفیاں بے گنے عطا فرما دیتے۔ فرماتے کسی سے نہ بتانا' بڑے بڑے قاری عرب و عجم کے آتے تلاوت سناتے اور اپنے اپنے مقام و فن کے مطابق عطیات سے مالا مال ہو کر جاتے' پرسوز عربی تلاوت کی حلاوت سے کبھی آسودہ نہ ہوتے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ پورے برصغیر میں تجوید و قرآءت کی سب سے بڑی معیاری درسگاہ ہونے کا سہرا مدرسہ عالیہ فرقانیہ کو حاصل ہوا۔ اس مدرس گاہ سے مایہ ناز ہستیاں وابستہ رہیں۔ چمنستان تلاوت کے خوش آہنگ قراء اس پر رونق بازار سے کسی نہ کسی عنوان سے وابستہ تھے۔ حضرت شیخ القراء قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی' قاری ضیاء الدین' قاری محمد صدیق بنگالی' قاری محمد نظر صاحب قاری عبدالمعبود وغیرہ وغیرہ اکابرین مایہ ناز مقام کے مالک تھے۔

لکھنؤ سے حضرت الشیخ ٹونک تشریف تو لے گئے مگر حضرت مولانا عین القضاۃ رحمہ اللہ نے حضرت الشیخ کے بغیر مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں ایک ایسا خلا محسوس کیا کہ جس کی تلافی ان کے عالی خیال میں بغیر حضرت الشیخ کے پوری ہونی ناممکن تھی۔ بے تابانہ خطوط روانہ فرمائے گئے۔ مدرسہ کے تعلیمی اصولوں اور طریقہ کار میں پیشکش کی گئی کہ اپنی مرضی کے مطابق جو طریقہ موزوں خیال کیا جائے گا ہم اس سے پوری طرح متفق ہوں گے۔ تشریف لائیے' اور مدرسہ کو سنبھالئے۔ اگرچہ' حضرت الشیخ کی اپنی کوئی خواہش واپس لکھنؤ جانے کی نہ تھی۔ مگر اکابر بالخصوص اہل اللہ کے لئے حضرت الشیخ کے قلب میں انتہائی فرمانبردارانہ احترام کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہتا تھا۔ چنانچہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں پہلے سے زیادہ اعزاز و تکریم کے ساتھ تشریف لائے' صدر لمدرسین مقرر فرمائے گئے اور پوری بالغ نظری کے

ساتھ تعلیمی ڈھانچہ' طلبہ کی جماعتی و تعلیمی تقسیم' اساتذہ کرام کے اپنے اپنے دائرہ کار تعین ایسے عمدہ نظم سے قائم کیا کہ یہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے پچیس سال' تعلیمی ارتقاء و انتہا میں زریں دور شمار ہوتا ہے۔

ظاہری اسباب میں تو قطعاً" کوئی بھی امید کی کرن نہیں دکھائی دیتی کہ لکھنؤ ہی نہیں پورے برصغیرپاکستان و ہند کی کسی بھی درسگاہ کو تجوید و قرآءت کی اس قدر اعلیٰ' پختہ اور عالیشان علمی و عملی تدریس کا دور نصیب ہو سکے۔ مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی ترقی کے دو معمار تھے۔ ایک حضرت ولی اللہ مولانا عین القضاۃ صاحب کی شاندار اور حوصلہ افزاء مالی سرپرستی' اور دوسرے حضرت الشیخ کی انتھک محنتیں جو انہوں نے بہترین قاری تیار کرنے میں خود بھی کیں اور دیگر اساتذہ کے لئے ایک معیار مقرر فرمایا۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی اخراجاتی مدیں اتنی پھیلی ہوئی تھیں کہ ان کو پورا کرنے کے لئے ایک پوری ریاست کی ضرورت تھی مگر فضل الٰہی شامل حال تھا۔ حضرت مولانا عین القضاۃ کے بابرکت سایہ میں ان کی حیات تک مالی کمی کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مولانا رحمہ اللہ کو بھی نواب ہی بنایا تھا۔ ہر سال مدرسہ عالیہ فرقانیہ کا سالانہ جلسہ فراغت ہوتا۔ اس میں بریانی' قورمہ اور زردہ انتہائی عمدہ تیار ہوتا۔ گوشت کے لئے لکھنؤ کے اطراف سے عمدہ قسم کے بکرے منگوائے جا رہے ہیں جو ٹرکوں میں لائے جا رہے ہیں۔ زردہ کے لئے زعفران خالص اس طرح پس رہا ہے جیسے مصالحے پستے ہیں۔ تمام رات بے شمار دیگیں ماہر پکانے والوں سے پکوائی جا رہی ہیں۔ تمام لکھنؤ شہر کی دعوت ہے۔ اس عام دعوت کو کھانے میں شہر کے تمام امیر' غریب مسلمان ذوق شوق سے شرکت کر رہے ہیں۔ زردہ اس قدر عمدہ کہ ہفتوں خراب نہیں ہوتا' تحفہ کے طور پر بنگال تک جا رہا ہے۔

ایک اور دوسرا اجتماعی پروگرام اس وقت ہوتا جب حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے سالانہ عرس کا موقعہ ہوتا۔ حضرت مولانا عین القضاۃؒ مدرسہ کے اکابر اساتذہ اور طلبہ کو لکھنؤ سے سرہند کے لئے گاڑی کا ایک مکمل درجہ ریزرو کرا کر روانہ فرماتے تاکہ مزار پر حاضری اور تلاوت کلام کی سعادت نصیب ہو۔ یہ وفد بڑے اہتمام سے روانہ ہوتا۔ ہزاروں روپیہ خرچ ہوتا۔ اس موقع پر حضرت الشیخ بھی اکثر سرہند تشریف لے جاتے تھے۔

اس دور کے منتخب اور شیریں صوت طلبہ و فضلاء مدرسہ عالیہ فرقانیہ کی تلاوتوں کو سننے والے اب بھی کہیں بوڑھے لوگ بیان کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ مجالس قرآءت بڑی پرکشش اور جاذب قلب و گوش ہوتی تھیں لوگ اس عرس میں ان تلاوتوں کو سننے کے لئے پنجاب' سندھ' سرحد' افغانستان تک سے آتے تھے۔

یہ عرس خالص روحانی قسم کا ہوتا تھا۔ قوالیاں' گانے' عورتوں کی حاضری' راگ رنگ بالکل ممنوع تھے اور اب بھی ہیں۔ خاموشی کے ساتھ فاتحہ پڑھ کر آدمی چلے آتے ہیں۔ مروجہ بدعات بالکل نہیں۔

خود حضرت مولانا عین القضاۃ لکھنؤ سے باہر کہیں تشریف نہیں لے جاتے تھے۔ جوق جوق اہل کمال بالخصوص قراء ان کے یہاں آتے اور حضرت مولانا ان سے تلاوت کی فرمائش کرتے۔

ایک مرتبہ بڑا عمدہ کوئی عرب قاری بعد از عصر حضرت مولانا عین القضاۃ کے یہاں حاضر ہوا۔ حضرت مولانا نے گھر آدمی بھیج کر حضرت الشیخ کو یاد فرمایا۔ حضرت الشیخ اس وقت گھر میں بے تکلف تیل میں پکے ہوئے پکوان سے بچوں کے ہمراہ بیٹھ کر لطف اٹھا رہے تھے۔ پیغام پہنچا کہ حضرت مولانا نے یاد فرمایا ہے۔ کوئی عرب قاری صاحب آئے ہیں۔ حضرت الشیخ مدرسہ میں تشریف لائے۔ عرب قاری صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حضرت مولانا نے بڑے زور دار لفظوں میں حضرت الشیخ کا تعارف کرایا تو عرب صاحب نے حضرت الشیخ سے تلاوت سننے کی فرمائش کر ڈالی۔ حضرت الشیخ پہلے خود اس عرب سے سننا چاہتے تھے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ پڑھنے میں کس معیار کا آدمی ہے۔ عذر کے طور پر فرمایا کہ پہلے آپ پڑھیں۔ میں چل کر آیا ہوں' ذرا سانس لے لوں۔ عرب صاحب نے پڑھا اور عمدہ پڑھا۔ حضرت الشیخ باوجودیکہ تیل کا پکوان کھا کر تشریف لا رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ تیل سے آواز پر ناگوار اثر پیدا ہوتا ہے۔ مگر شیخ میں ان کا اپنا مد و جزر جاگ چکا تھا۔ نفاست اور قوت سے اسی لہجے میں پڑھا کہ جس میں عرب صاحب پڑھ چکے تھے اور پڑھنے میں عرب صاحب کو لطیف اشارات دیتے گئے کہ اس خانہ کو اتنا اونچا لے جانا تھا جو تم نہیں لے جا سکے۔ سن کر عرب صاحب بسمل ہو گئے۔ تاثرات دیکھ کر حضرت مولانا نے عرب سے دریافت کیا کیف وجدتہ؟ کہنے لگا واللہ وجدتہ تفاحا حلوا اس مختصر جواب میں اس نے اچھی تعریف کی۔ مطلب یہ تھا کہ یہ مکمل ہیں' پختہ ہیں' خامی کا نام نہیں۔

اس جواب سے حضرت مولانا کو بے حد خوشی ہوئی اور حضرت الشیخ کی صدر مدرسی پر فخر محسوس کیا۔ غرض یہ دور مدرسہ عالیہ فرقانیہ اور حضرت الشیخ دونوں کا شبابی کا دور تھا۔ تمام ہندوستان کے مایہ ناز اور منتخب طلبہ استفادہ کے لئے آتے اور سالہا سال مشق و محنت سے پڑھ کر فراغت حاصل کر کے واپس ہوتے۔

پاکستان بننے سے کافی پہلے حضرت عین القضاۃ رحمہ اللہ نے وفات پائی۔ تمام لکھنؤ تڑپ اٹھا۔ جنازہ پر تمام شہر امڈ آیا اور آنسوؤں اور آہوں کی بارش میں حضرت مولانا مدرسہ عالیہ فرقانیہ کے صحن میں ابدی آرام فرما ہو گئے۔

موسم گل رفت و آں ساقی نماند

عالیشان درسگاہ کی تاریخ میں یہ جانکاہ حادثہ تھا۔ سب سے بڑا خلا جو سامنے آیا وہ مالی مشکلات تھیں۔ جناب الحاج اصطفی خان صاحب مالک کارخانہ تمباکو و عطریات لکھنؤ نے اگرچہ مالی سرپرستی قبول کی لیکن وہ بہرحال محدود تھی۔ طلبہ کا داخلہ محدود کرنا پڑا اور کئی قسم کے اخراجات میں تخفیف عمل میں آئی۔ رونق گھٹی اور عروس نو بہار کے ماتھے کا ٹیکہ میلا ہونے لگا۔

تقسیم ملکی کے بعد تو حالات بہت ہی ابتر ہوئے۔ جناب اصطفا خان صاحب کا کام کمزور ہوا۔ دوسرے انہوں نے پاکستان میں نقل مکانی فرمائی اور اسی دور میں حضرت الشیخ بھی لکھنؤ کو خیرباد کہہ کر دارالعلوم اسلامیہ ٹنڈو الہ یار سندھ میں تشریف لے آئے۔ یہاں تشریف آوری کے لئے مولانا احتشام الحق تھانوی مہتمم دارالعلوم ٹنڈو الہ یار

حضرت مولانا مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور اور مختلف اکابر بے حد مصر ہوئے۔ چنانچہ حضرت الشیخ ۵۰ھ میں وارد پاکستان ہوئے۔

دارالعلوم ٹنڈو الہ یار آرزوؤں کا سبز باغ تھا جس میں وقت کے انتہائی بالغ الفن علماء و اکابر کی راہنمائی میں علوم اسلامیہ کی تدریس کا آغاز ہوا۔ شروع میں ہی اتنا بڑا کام بڑی مالی وسعتوں کا متقاضی تھا۔ مالی وسعتوں سے بھی صرف نظر کیا جائے تو اہتمام و انتظام کی نہایت عمدہ اور قابو یافتہ جو شکل ہونی چاہئے اسکا عشر عشیر بھی نہ تھا۔ فراہمی زر میں بے قاعدگیاں' تنخواہوں اور دیگر اخراجات میں بے حسی اور غفلت کیلئے آئے دن مظاہرے ہوئے۔ نتیجہ یہ کہ جس تیزی سے یہ بہار آئی اسی تیزی سے اس پر خزاں کا موسم بھی آگیا۔ تمام بڑے بڑے تعلیم و تدریس کے ماہر اساتذہ ایک ایک کر کے دارالعلوم سے رخصت ہونے لگے۔ انہیں اکابر میں حضرت الشیخ نے بھی رخت سفر باندھا۔

لاہور میں ایک درسگاہ دارالعلوم عثمانیہ اور پھر دارالعلوم اسلامیہ کے نام سے پرانی انار کلی میں قائم ہوئی۔ اس کی ابتدا ایک متروکہ سکول میں اس جذبہ سے کی گئی کہ اس میں درس نظامی کی ایک جاندار درسگاہ قائم کی جائے گی۔ اس کے بانیوں میں حافظ سخاوت علی مرحوم یو پی سوڈا واٹر فیکٹری' ان کے داماد قاری آل احمد' دیو بند کے ایک عالم دین مولانا محمد مسلم وغیرہ تھے۔ بعد میں ایک اور شخصیت قاری سراج احمد صاحب شامل انتظام تصور کئے گئے۔

اس مدرسہ میں کسی بھی شخصیت کو انتظامی یا تدریسی لحاظ سے استقلال یا ٹھہراؤ نصیب نہیں ہوا۔ پہلے حافظ سخاوت علی صاحب پھر مولانا مسلم صاحب یکے بعد دیگرے انتقال کر گئے۔ جو باقی رہ گئے وہ مدرسہ پر زیادہ وقت نہ لگا سکے۔ میدان قاری سراج احمد صاحب کے ہاتھ میں رہا۔ بتدریج وہ اس مدرسہ پر ہمہ مقتدر شخصیت ثابت ہوئے۔ جس مدرس یا طالب علم کو چاہا رکھا اور جسے چاہا نکال باہر کیا۔ علمی قابلیت سے وہ خالی تھے۔ انتظامی ذہن سے ناآشنا تھے۔ آندھی کی رفتار سے ان کا ذہن فیصلے کرتا تھا۔ مدرسہ میں جب مالی وسعت ہوئی۔ مدرسین بھرلئے جب تنگی ہوئی نکال باہر کئے۔ کانوں سے اونچا سنتے۔ اپنی ہی کہتے۔ دوسرے کی بات سے ان کو کوئی غرض نہ تھی۔ ان کو قدرت نے ایک ہی حوصلہ بخشا تھا کہ مالدار جو بھی ملے اس سے ٹکرا جاؤ اور اس کو اتنا زچ کر ڈالو کہ کچھ دے ڈالنے میں ہی اس کو اپنی عافیت نظر آئے۔ قاری سراج مرحوم نے لاکھوں روپیہ چندہ کیا۔ دارالعلوم اسلامیہ کی اپنی عالیشان عمارت بھی لاہور سے باہر بنا گئے مگر علمی وراثت اپنے پیچھے کچھ نہ چھوڑ سکے۔ وجہ یہ تھی کہ ان کا ذہن مدرسہ کے لئے مالی فراہمی میں تو بے حد مخلص تھا اور وہ بڑی حوصلہ افزا سکیمیں مرتب کر لیتے تھے مگر مستقل مزاجی سے ان کو پایہ تکمیل تک لے جانا ان کے بس کی بات نہ تھی۔

قاری سراج احمد صاحب نے بڑی تیزی سے فیصلہ کیا کہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور کو تجوید و قرآءت کی مرکزی درسگاہ بنانا چاہئے اور اس کے لئے جس طرح بھی ہو حضرت الشیخ قبلہ قاری عبدالمالک صاحب کی تدریسی خدمات حاصل کر لینی چاہئیں۔ بہت عجلت اور سرعت کے ساتھ انہوں نے حضرت الشیخ سے رابطہ قائم کیا۔ تمام آرام و

آسائش فراہم کر ڈالنے کے وعدے کئے۔ احتیاطا" حضرت الشیخ نے لاہور تشریف لا کر غور و فکر کے بعد فیصلہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ ایک گرمی کی دوپہر کو قاری سراج احمد صاحب مجھے ہمراہ لے کر موچی دروازہ پہنچے۔ جہاں حضرت قیام پذیر تھے۔ بڑے بڑے وعدوں میں لپٹے ہوئے پروگرام سجا کر پیش کرتے رہے۔ حضرت قاری صاحب نے لاہور میں تشریف فرما ہو جانے اور دارالعلوم اسلامیہ سے وابستگی کا وعدہ فرما لیا اور کچھ روز بعد مع متعلقین لاہور تشریف لے آئے۔ دارالعلوم اسلامیہ لاہور جو اب تک گوشہ گمنامی میں تھا اچانک واردین و مستفیدین کی کثرت سے نہایت پررونق درس گاہ میں تبدیل ہو گیا' سامعین کے علاوہ مساجد کے آئمہ' حفاظ' عربی درسگاہوں کے اساتذہ و طلبہ سے حضرت الشیخ کی درسگاہ اس قدر تنگ داماں ثابت ہوئی کہ برابر والے تمام تعلیمی درجے بھی سامعین قرآءت کے لئے خالی کرنے پڑے' جو جا رہا تھا وہ اگلے روز اپنے دو چار احباب کے ہمراہ لے کر پھر لوٹ رہا تھا۔ واردین میں مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ۔ شیخ القرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب' حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری صاحب مولانا ابو الحسن ندوی' قاری فضل کریم صاحب بانی مدرسہ تجوید القرآن۔ مولانا داؤد غزنوی' پروفیسر ظفر اقبال وغیرہم کے علاوہ ممتاز شہریان لاہور کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

حضرت الشیخ نے بڑے خلوص' محنت اور لگن سے تجوید و قرآءت کا نصابی فن روایتی کمال و مہارت سے پڑھانا شروع کیا' پہلے سال میں روایت حفص میں چھ' دوسرے سال میں آٹھ تیسرے سال تجوید و قرآءت دونوں میں نہایت عمدہ فارغین سے معمور جلسہ تقسیم اسناد ہوا۔ تقسیم کے بعد پہلی بار حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند' قاری سراج احمد صاحب کی انتہائی مساعی سے لاہور تشریف لائے اور دارالعلوم اسلامیہ لاہور کے جلسہ تقسیم اسناد سے خطاب فرمایا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ جلسہ ہر لحاظ سے بڑا کامیاب رہا اور آئندہ ہونے والے جلسوں میں تو یہ رونق بڑی ارتقائی اور روز افزوں شکل اختیار کر گئی۔

خوش درخشید لے شعلہ مستعجل بود۔ حضرت الشیخ ۱۹۵۲ء میں دارالعلوم اسلامیہ لاہور میں تشریف لائے اور ۱۹۵۸ء میں مستعفی ہوئے۔ تدریس کی دنیا میں چھ سال کوئی بڑی مدت شمار نہیں ہوتی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ کام میں بے حد برکت اور نصرت الٰہی شامل ہوئی۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے یہ الفاظ میں تو الہامی ہی سمجھتا ہوں کہ حضرت قاری صاحب کا وارد پاکستان ہونا عامتہ المسلمین کے لئے عموما" اور مسلمانان لاہور کے لئے خصوصا" رحمت خداوندی کا ابر محیط ہے جو پرجوش ہو کر برسے گا۔" یہ ابر محیط برسا اور اس شان سے جھوم جھوم کر برسا کہ یا تو ایک وہ وقت تھا کہ اسی لاہور میں کوئی صحیح پڑھنے والا نہ تھا یا ایک عظیم انقلاب رونما ہوا کہ ہر مسجد' ہر مدرسہ' ہر سکول' ہر کالج میں قاری کا وجود لازمی قرار دیا جا رہا ہے۔ کوئی جلسہ قاری کی تلاوت کے بغیر شروع نہیں ہوتا۔ کوئی مقرر صحیح تلفظ سے قرآن نہ پڑھے تو معیاری مقرر شمار نہیں ہوتا' غرض قاری کے بغیر تمام منبر و محراب بے رونق ٹھہرے اور بتدریج اب تو ہر طبقہ فکر خواہ اپنی طبقاتی فکر میں وہ مسلم ہو یا نہ ہو' مگر قرآن کی خوشنما آواز کا

اہتمام ہر جگہ سے۔ مرزائی' شیعہ' اہل حدیث' بریلوی' دیو بندی' منکرین حدیث' اسلامی' غیر اسلامی سب کے سب جس اکائی پر متفق الرائے ہیں۔ وہ خوشنما قرآنی آواز ہے ریڈیو' ٹی وی پر بڑے اہتمام سے خوبصورت تلاوتوں کے پروگرام ترتیب دیئے جا رہے ہیں۔ غرض داستان پھیلی ہوئی ہے مگر نوجوانوں میں ایک ذہنی خلا بھی ہم جیسے غفلت شعاروں کی گوشہ نشینیوں اور خاموشیوں سے پیدا ہو چکا ہے کہ یہ نسل نواس بابائے قرات کے نام اور کام سے آشنا نہیں جس کے لئے کسی نے کہا تھا۔

بلبلیں سن کر میرے نغمے غزل خواں ہو گئیں

ہمارے خیال میں اس سوانحی سطروں میں ان اسباب سے بحث کرنا اور تفصیلات میں جانا بیکار اضاعت وقت ہے۔ جن کی وجہ سے حضرت الشیخ نے دارالعلوم اسلامیہ لاہور سے استعفیٰ دیا۔ بعض ناگزیر حالات کے سبب مستعفی ہو گئے۔ استعفیٰ کے ایک سال چند ماہ بعد حضرت الشیخ نے داعی حق کو لبیک کہی اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اس درمیانی وقفہ میں لٹن روڈ لاہور میں مرکزی دارالترتیل و القرات کے نام ایک درسگاہ کی بنیاد بھی ڈالی اور کام بھی خوب جم گیا تھا۔ حضرت کو عرصہ دو سال سے قلبی اختلاج اور سانس میں گھٹن محسوس ہونے لگی تھی تاہم تعلیمی مشاغل اور مدرسہ کی مصروفیات میں قطعا" کوئی فرق پیدا نہیں ہونے دیا۔ مشق بڑے بڑے شاندار انداز میں اس روز بھی ایک بجے دوپہر تک کراتے رہے جو زندگی کا آخری دن تھا۔ رات کو کھانے اور نماز سے فارغ ہو کر حسب معمول المنح الفکریہ شرح جزریہ ملاحظہ فرماتے ہوئے سو گئے اور تہجد کے وقت جو بڑی پختگی کے ساتھ بیدار ہو جانے۔ اور نفل و تلاوت کا باقاعدگی سے وقت چلا آتا تھا۔ آج بجائے بیداری کے آسمان اول پر نزول فرمانے والے مالک عرش سے جا ملے۔

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد

ولکنہ بنیان قوم تھدما

حضرت امام القراء مولانا قاری عبدالمالک صاحبؒ سے متعلق سوانحی مضمون کے لئے مناسب سمجھا گیا کہ سوانح امام القراء میں شامل حضرت شیخ القراء قاری اظہار احمد تھانویؒ کا ذاتی مضمون ہی شامل کر لیا جائے۔

□□□

علمی نکات

مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ

راقم الحروف کی عادت تھی کہ زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ القراء صاحب الفضیلۃ قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہم سے جو باتیں علمی اور نوادر قسم سے ہوتیں اور مجھے اس میں حضرت الشیخ رحمتہ اللہ کی ان کی اپنی تحقیق کی جھلک محسوس ہوتی۔ میں ان کو فوراً ایک کاپی میں جو اسی مقصد کے لئے بنائی ہوئی تھی اور اس نوادراتی مجموعہ کا نام "فوائد مالکیہ" رکھا ہوا تھا۔ لکھ لیتا تھا۔ میری اسی علمی تشنگی کو دیکھ کر حضرت بھی اکثر علمی نوادرات بیان کرنے کے وقت بطور خاص اس خاکسار کو مخاطب فرماتے۔

اس موقعہ پر مناسب ہے کہ ان علمی فوائد سے ناظرین کو بھی مستفید ہونے کا موقعہ فراہم کیا جائے۔ وباللہ التوفیق

۱۔ فرمایا ادغام و اظہار میں اظہار اصل ہے اور فن تجوید کی تعریف اخراج حرف کما اقتضی ذاتہ وصفاتہ یعنی حرف کو اس کی ذات و صفات کے تقاضہ کے مطابق ادا کرنے کا مفہوم بھی یہی چاہتا ہے کہ اظہار ہی اصل ہو۔ اسی لئے اظہار کے مقابلہ میں ادغام قبل الوقوع ہے' ادغام زیادہ تر امام ابو عمرو بصری' امام ابن عامر شامی کے پہلے راوی ہشام امام حمزہ اور امام کسائی رحمہم اللہ کے یہاں پایا جاتا ہے لغت قریش میں اظہار بہت ہے اسی لئے ابن کثیر مکی رحمہ اللہ کے یہاں ادغام بالکل برائے نام ہے' کیونکہ ان کی قرآءت لغت قریش پر ہے۔ بہرحال ادغام کی وجہ ثقل تلفظ سے بچ کر سہولت کو حاصل کرنا ہے۔

۲۔ فرمایا لفظ ترتیل کا مادہ رتل ہے جس کے معنی ہیں دانتوں کا کشادہ ہونا۔ جس عورت کے دانت علیحدہ علیحدہ ہوں اس کو رتلاء کہتے ہیں تو ترتیل کے معنی ہیں ایسا کھلا کھلا پڑھنا کہ ایک ایک حرف و صفات کے ساتھ واضح پڑھا جائے۔ اسی لئے قاضی بیضاوی صاحبؒ نے **ورتل القران ترتیلا** کی تفسیر میں بیان فرمایا کہ حرفوں کو مخارج و صفات کے ساتھ ادا کیجئے بیضاویؒ نے فرمایا **ای جودہ تجویدا** اسی تفسیر کی بنا پر قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنے کا وجوب نکلتا ہے اور یہ تفسیر تقریباً متعین ہے۔ ترتیل کے معنی اس جگہ اور کچھ لینا صحیح نہیں۔ اب سمجھنا چاہئے کہ۔

ترتیل دو معنی میں بولا جاتا ہے ایک تو یہی بمعنی تجوید اور اس صورت میں یہ لفظ خوب ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھنے یا متوسط رفتار سے پڑھنے (یعنی تدویر) اور جلدی جلدی پڑھنے (یعنی حدر تینوں پر بولا جائے گا' یعنی تجوید کے ساتھ پڑھا جائے۔ خواہ وہ کتنی رفتار سے بھی ہو۔ اور ایک معنی اس کے ٹھہرا کر اطمینان سے پڑھنے کے ہیں۔ اس صورت میں یہ لفظ باقی دو قسموں یعنی تدویر اور حدر کا مقابل ہوتا ہے۔

۳۔ فرمایا' پڑھنے کی رفتار کے تین طریقے مشہور ہیں۔ ترتیل' تدویر' حدر۔ لیکن محققین نے پانچ قسمیں کی ہیں۔ ایک تحقیق یعنی پڑھنے میں بہت ہی ٹھہراؤ اور صفائی ہو دوسرا اس سے ذرا رواں وہ ترتیل ہے تیسرا اس سے

ذرا رواں جیسا کہ جہری نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ تدویر ہے۔ چوتھا اس سے بھی رواں جس کو حدر کہتے ہیں جیسے بالعموم تراویح میں پڑھتے ہیں اور پانچواں اس سے بھی تیز جیسے کوئی منزل یاد کرتے ہوئے یا چلتے پھرتے آہستہ آواز میں پڑھ رہا ہو۔ اس کو زمزمہ کہتے ہیں۔ لیکن تجوید کا پایا جانا سب قسموں میں ضروری ہے۔ اس لئے علامہ سخاوی نے ان پانچوں قسموں کے بیان کے بعد فرمایا ہے۔ **ولا بدفی هذه الانواع کلها من التجوید** یعنی تمام قسموں میں تجوید کا ہونا ضروری ہے۔

۴۔ فرمایا۔ وقف کی اقسام میں ایک قسم وقف معانقہ ہے ایسے موقع پر عموماً" حاشیہ میں مع لکھا ہوتا ہے۔

جیسے **فاصبح من النادمین○ من اجل ذلک' کتبنا علی بنی اسرائیل** لفظ **من اجل ذلک** کا تعلق **ماقبل فاصبح من النادمین** سے بھی ہو سکتا ہے اور مابعد **کتبنا علی بنی اسرائیل** سے بھی ہو سکتا ہے' اس قسم کے وقف کے متعلق ملا علی قاری نے **المنح الفکریہ** میں فرمایا ہے کہ فصل کل اور وصل کل دونوں ناجائز ہیں وصل اول فصل ثانی یا فصل اول وصل ثانی پڑھنا چاہئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ فصل کل کو تو بیشک ناجائز کہنا ٹھیک ہے مگر وصل کل کو ناجائز کہنا ٹھیک نہیں' اس میں کوئی قباحت نظر نہیں آتی لہٰذا صرف فصل کل ناجائز ہوا باقی تینوں قسمیں جائز ہیں۔

۵۔ فرمایا۔ امام غزالی رحمہ اللہ نے نماز میں قرآءت قرآن کے وقت خشوع کے کمال میں یہ فرمایا ہے کہ مخارج و صفات کی طرف دھیان لگانا اور صحت تلفظ کی طرف متوجہ رہنا خشوع کے منافی ہے' گویا اس دھیان سے نماز کے ثواب میں کمی واقع ہوتی ہے۔ مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ نماز میں قرآءت نماز کا رکن ہے اور قرآءت کا مامور بہ درجہ یہ ہے کہ تلفظ صحیح ہو مخارج و صفات کے ساتھ حروف کو صحیح ادا کیا جائے اور مامور بہ کا اہتمام یہ عین خشوع ہے۔ اس کو خشوع کے منافی نہیں کہا جا سکتا اور میں کہتا ہوں کہ تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنے والے ماہر قاری کو قرآءت کے دوران' مخارج و صفات کا خیال ہوتا ہی نہیں۔ صحیح پڑھنا اس کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے وہ بغیر کسی وسوسہ کے اور مخرج و صفات کی طرف دھیان دیئے بغیر تمام قرآن صحیح پڑھتا چلا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر وہ سوتے ہوئے بھی قرآن کی تلاوت کرے تو وہ بھی صحت تلفظ ہی کے ساتھ ہو گی۔ غرض صحیح پڑھنے میں مخارج و صفات کی طرف دھیان کا جانا غیر ماہر کے لئے تو ضروری ہے مگر ماہر کے لئے یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ لہٰذا اس کی تلاوت میں صحت ادا کا وسوسہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔

۶۔ فرمایا منح الفکریہ شرح المقدمتہ الجزریہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سورۂ مومنون کی ابتدائی آیات اور سورہ معارج کے پہلے رکوع کے نصف آخر کی آیات الفاظ و معنی میں تقریباً ایک جیسی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ سجاوندی رحمہ اللہ نے سورۂ مومنون کی آیت **والذین هم علی صلوتهم یحفظون○** پر وقف لازم کی رمز بنائی ہے اور **والذین هم علی صلاتهم یحفظون○** معارج میں وقف لازم کی رمز نہیں بنائی ہے۔ حالانکہ

مضمون دونوں جگہ آیتوں کا یکساں ہے۔ قاری فرماتے ہیں کہ میں نے خود کافی غور کیا' مسئلہ حل نہیں ہوا تو پھر میں نے یہ سوال علماء حرم شریف پر پیش کیا۔ مگر وہ بھی حیران رہ گئے اور کوئی توجیہ پیش نہیں کر سکے۔

اس کی توجیہہ میری سمجھ میں یہ آتی ہے کہ مومنون میں آگے ہے **اولئک هم الوارثون الذین یرثون الفردوس** اور معارج میں ہے **اولئک فی جنت مکرمون** ○ فرق یہ ہے کہ مومنون میں **اولئک** کے بعد ضمیر مرفوع منفصل **هم** آتی ہے اور معارج میں نہیں ہے۔ ھم سے کلام میں حصر پیدا ہوا۔ اب اگر **والذین هم علی صلواتهم یحفظون** کو **اولئک هم الوارثون** سے وصل کر کے پڑھا جائے گا تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ جو لوگ نمازوں پر پابندی کرتے ہیں بس وہی وارثین جنت الفردوس ہوں گے اور اس سے اوپر جو دیگر اوصاف مومنین بیان ہوئے **قد افلح** سے وہ مومنین' وارثین جنت الفردوس نہیں ہوں گے کلام کو اس وہم سے بچانے کے لئے لحافظون پر وقف لازم بنایا کہ ہم ضمیر کا مرجع صرف نمازوں کی پابندی کرنے والے مسلمان ہی نہیں ہے بلکہ مجموعی طور پر تمام اوصاف مذکورہ بالا والے مومنین ہیں۔ بخلاف معارج کے کہ یہاں وصل میں یہ وہم پیدا نہیں ہوتا' کیونکہ یہاں ھم ضمیر نہیں ہے۔ صرف **اولئک** ہے جس کا مشار الیہ تمام مومنین مذکورہ بالا خود بخود ہو رہے ہیں۔

۷۔ فرمایا وقف کے معنی انقطاع نفس کے ساتھ ٹھہرنے کے ہیں تو وقف بوجہ مجبوری کے یعنی سانس لینے کے لئے ہوتا ہے۔ اگر بالفرض کسی کا سانس اس قدر لمبا ہو کہ تمام قرآن شریف ایک سانس میں پڑھ سکے تو وصل ہی بہتر ہو گا۔

یہ مذہب امام حمزہؒ کا ہے اور امام عاصم وغیرہ رحمہم اللہ کے یہاں وقف کا مقصد معنی کی افہام و تفہیم بھی ہے' لہٰذا معانی اور مضامین کے ربط کے مواقع میں وصل بہتر ہے اور مضمون کے انقطاع کے مواقع میں وقف بہتر ہے۔

۸۔ فرمایا وقف کے مواقع میں اکثر اجتماع ساکنین ہوتا ہے جیسے علیم○ خبیر○ یہ اجتماع ساکنین اگرچہ جائز کی قسم سے ہے مگر ثقالت سے خالی نہیں۔ اس ثقالت کو دور کرنے کے لئے مدصوت سے کام لیا گیا۔ تاکہ ثقالت دور ہو جائے۔ اسی طرح حرف مد کے بعد جب ہمزہ ہو تو حرف مدہ ضعیف اور ہمزہ قوی کا اجتماع ہوتا ہے' اجتماع ضعیف و قوی ثقیل تھا اس ثقالت کو دور کرنے کے لئے مد متصل و منفصل پر مدصوت سے اس کا تدارک کیا گیا۔

۹۔ فرمایا قطب جد حروف قلقلہ ہیں' شدت و جہر کی وجہ سے قلقلہ ہوا مگر ہمزہ میں قلقلہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ وہ بھی شدید مجہورہ ہے' کیونکہ اس کا مخرج حلق ہے اور حلق بھی ابعد' ہمزہ میں خود ثقالت تھی' قلقلہ سے یہ ثقالت زیادہ ہو جاتی لہٰذا ہمزہ میں قلقلہ نہیں' قلقلہ کے معنی ہیں' مخرج میں آواز کا ٹکرا کر دوبارہ ظاہر ہونا۔

قلقلہ کا مفہوم جو کتابوں میں لکھا ہے کہ مخرج میں آواز کو ہلانا' اس کا مقصد رجع صوت ہے یعنی حرف ساکن ہونے کے بعد اس کی آواز دوبارہ پلٹ کر آئے۔

۱۰۔ مد کی تین قسمیں کی گئی ہیں لازم واجب جائز۔ یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ یہ اصطلاح مجودین کی ٹھہرائی

ہوئی ہے یا یہ حکم شرعی ہے؟

واجب کے متعلق علماء نے کہا ہے کہ واجب سے شرعی حکم مراد ہے۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مجھے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **انما الصدقات للفقراء** میں لفظ للفقراء پر مد کرنے کا حکم فرمایا والا مرللوجوب لہٰذا مد متصل پر اگر کوئی مد نہ کرے تو وہ تارک واجب ہو گا اور باقی دو اصطلاحیں لازم اور جائز' مجودین کی ٹھہرائی ہوئی ہیں۔ شرعی حکم نہیں ہے۔

۱۱۔ فرمایا سورہ یوسف میں **لا تامنا** پڑھنے کا قاعدہ یہ ہے کہ میم مفتوحہ کو نون میں ملاتے ہوئے جب نون کو ساکن پڑھا جائے تو اشمام کیا جائے۔ دوسرا طریقہ یہ بھی منقول ہے کہ نون اول پر ضمہ پڑھا جائے۔ لیکن اس ضمہ کا اظہار بکمال نہ ہو بلکہ ناقص ہو' اس کو اس طرح پڑھنے کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ مروی یہی دو طریقے ہیں' لیکن نکتہ بعد الوقوع کے طور پر وجہ یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ اصل میں **لا تامننا** تھا۔ یعنی لائے نفی ہے لائے نہی نہیں دو حروف ایک جنس کے یعنی نونین جمع ہوئے اول کو ساکن کر کے دوسرے میں ادغام کر دیا ادغام کی وجہ سے نون ساکن ہو جانے سے بظاہر لائے نہی کا اشتباہ ہونے لگا تھا۔ لہٰذا اسی اشتباہ کو دور کرنے کے لئے اور لائے نفی پر تنبیہ کرنے کے لئے قرآءت کے یہ دو طریقے ایجاد ہوئے۔

۱۲۔ فرمایا۔ نون ساکن کے بعد اگر کوئی حرف حلقی ہو تو غنہ آنی ہوتا ہے۔ ورنہ غنہ زمانی ہوتا ہے۔

۱۳۔ فرمایا۔ مدفرعی کے اقسام میں مد لازم سب سے قوی ہے' پھر متصل پھر مد عارض پھر منفصل اور ورش کا مدبدل سب قسموں میں اضعف ہے' چنانچہ اسی کو حسب ذیل شعروں میں کہا گیا ہے۔

اقواه السکون یلیه المتصل

فعارض نالسکون ثم المنفصل

ثم کامنوا وذا اضعفها

قاعدة یفربها متقنها

ترجمہ۔ سب سے زیادہ قوی سکون اصلی والا ہے' اور اس کے قریب ہی مد متصل ہے پھر عارضی سکون والا عارض ہے پھر مد منفصل ہے' پھر آمنوا کے مانند اور یہ سب سے زیادہ ضعیف قسم ہے۔ یہ ایک قاعدہ ہے کہ مدوں کی قسموں میں ماہر ہی اس کو یاد کرنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

۱۴۔ فرمایا۔ سکتہ کے معنی لغتہ وقف ہی کے ہیں گویا لغوی اعتبار سے سکتہ اور وقف میں کوئی فرق نہیں ہے' قرآن شریف میں سکتہ کل آٹھ جگہ لکھا ہوا ہے۔ سکتہ کی اصطلاحی معنی ہیں۔ انقطاع الصوت دون النفس اور وقف کے معنی ہیں انقطاع النفس والصوت' قرآن شریف میں چار جگہ سکتہ اصطلاحی ہے یعنی کہف یاسین' قیامہ اور مطففین میں اصطلاحی ہے' جو صاحب روایت امام حفص سے منقول ہے اور باقی چار جگہ بمعنی وقف جوازی ہے جو

حفص کے بعد والوں نے کہا ہے۔ ان چار جگہوں میں یا تو بالکل وقف کیا جائے اور یا بالکل وصل کیا جائے جیسے **یوسف اعرض عن ھذا سکتہ واستغفری لذنبک**

۱۵۔ حضرت الاستادؒ نے والعصر تلاوت فرمائی تو الا پر وقف فرمایا۔ پوچھنے پر فرمایا کہ خسر○ پر راس آیت ہے مگر وہاں میں نے وقف نہیں کیا۔ کیونکہ مجودین میں دو قسم کے مذاق ہیں' ایک جماعت یہ کہتی ہے کہ جہاں راس آیت ہو' وہیں وقف کرنا بہتر ہے' کیونکہ وہ قرآن کی طرح منزل ہے اور اس میں اتباع اثر ہے جو بہرحال بہتر ہے۔

اس آیت پر وقف کی وجہ سے اگر کوئی معنی ایہام پیدا ہو تو ہوا کرے' اہل عربیت کلام کے سیاق و سباق سے خود تعین کلام کر کے مراد معنی کو پہنچ سکتے ہیں۔ لیکن دوسری جماعت قراء کا مذاق یہ ہے کہ قاری کو رعایت معنی ملحوظ رہنی چاہئے اور سامعین کو ایہام معنی سے بچانا چاہئے۔ جیسا کہ اسی آیت میں اگر الا پر وقف کر لیا جائے تو پہلی آیت سے تمام انسانوں کا خسارت میں ہونا موہوم نہیں ہوتا لفظ الا پر وقف سے مستاب اور خارجین عن الخسارت کے وجود پر اشارہ ہو جاتا ہے۔ فرمایا میرا مذاق اسی کو ترجیح دیتا ہے اگرچہ دوسرا خیال بھی بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۶۔ **واستبقا الباب** تلاوت فرماتے ہوئے فرمایا کہ بعض اساتذہ پانی پت (رسالہ فیوض الرحمٰن رحمانی بزبان فارسی تصنیف قاری عبد السلام انصاری پانی پتی میں یہ بحث "تفصیلا" موجود گے۔) اور بہت سے لوگ ان کی اتباع میں ایسی جگہ الف تثنیہ کو باقی رکھتے ہوئے۔ ذرا اشباع کے ساتھ پڑھ کر آگے ملاتے ہیں۔

لیکن یہ صحیح نہیں الف کا گرانا ضروری ہے کیونکہ التقاء ساکنین علی غیر حدہ جائز نہیں ہے اور قواعد نحویہ کا لحاظ رکھتے ہوئے الف کو گرانا ضروری ہے۔

اساتذہ پانی پت اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ الف گرانے کی شکل میں صیغہ تثنیہ کا صیغہ واحد کے ساتھ التباس ہوتا ہے اور التباس و ایہام سے کلام اللہ کو بچانا ضروری ہے۔ مگر محققین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک تحقیقی اور ایک الزامی۔ الزامی تو یہ کہ **قل ادعو اللہ اوادعو الرحمن** وغیرہ میں واؤ کو تم گرا کر ہی پڑھتے ہو حالانکہ اس صورت میں بھی صیغہ جمع کا صیغہ واحد کے ساتھ التباس لازم آتا ہے۔ اس التباس سے بچنے کی فکر کیوں نہیں کرتے ہو۔ صرف الف تثنیہ پر ہی کیوں توجہ ہے؟ تحقیقی جواب یہ ہے کہ صیغوں کا التباس صرف عالم تربیت ہی کو ہو سکتا ہے' جاہل کو ہرگز نہیں ہو سکتا اور عالم عربیت کے لئے سیاق و سباق سے معنی و مراد کی تعیین مشکل نہیں ہوتی۔ وہ قرائن سے خود ہی صیغوں کی تعیین بھی باآسانی کر سکتا ہے جیسے **فلما ذاقا الشجرۃ بدت لھما سوا تھما وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ الایۃ** اس آیت کے سیاق میں آنے والے صیغے اور ضمیریں خود ہی ذاتا کے تثنیہ ہونے پر دلالت کر رہے ہیں۔

۱۷۔ فرمایا قصبہ جلال آباد ضلع مظفر نگر (یو پی) کے رہنے والے قاری محمد علی صاحب بن بہادر علی خان کوئی پرانے

اساتذہ میں سے ہوئے ہیں انہوں نے ایک رسالہ جہتہ القاری تصنیف کیا ہے جو فنی حیثیت سے بہترین رسالہ ہے، مگر اب وہ نایاب ہے اس میں انہوں نے اور تو سب باتیں بہترین ترتیب اور تامل و تفکر سے کہی ہیں، مگر ایک تحقیق میں ان سے تسامح ہو گیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اللہ اسم جلالہ میں لام مفخم ہے لیکن پہلے لام کو بھی مفخم پڑھنا غلط ہے کیونکہ یہ اصل میں ال لاہ تھا، لام تعریف کو لام اسم الجلالہ میں ادغام کیا گیا۔ اللہ ہو گیا تو تفخیم اس طرح پر ہونی چاہئے کہ پہلے لام کے پڑھنے کے وقت اس کی ترقیق باقی رہے اور صرف دوسرا لام مفخم ہو۔ فرمایا اس میں غلطی یہ ہے کہ لام مدغم اور مدغم فیہ کو الگ سمجھا ہے لیکن یہ ادغام کی تعریف سے ناواقفیت کی دلیل ہے ادغام کی تعریف یہ ہے **ضم المتجانس الاول فی المتجانس الاخر** اور ضم کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے متجانس کو پہلے متجانس کا ہم مخرج وہم صفت بنا دیا جائے ورنہ ادغام نہیں ہو گا۔ لہٰذا قاعدہ مذکورہ کا تقاضا یہ ہوا کہ دونوں لام مفخم پڑھے جائیں۔

۱۸۔ ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ جس لہجہ میں (یعنی حسینی میں) پڑھ رہا ہوں، میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ یہ وہی لہجہ ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا کیونکہ یہ لہجہ بسلسلہ اساتذہ بتواتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے اور **زینو القران باصواتکم** وغیرہ احادیث میں تحسین صوت سے غالباً" یہی لہجہ مراد ہے۔ باقی اس کے علاوہ جو دوسرے لہجے ہیں جیسے مصری، عشاقی وغیرہ وغیرہ ان کے متعلق تواتر کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، ہو سکتا ہے کہ وہ بعد میں پیدا ہوئے ہوں اور ہمارا یہ لہجہ کا تواتر پانی پتی حضرات پر حجت ہے کہ وہ خوش آوازی کو بدعت قرار دیتے ہیں اور گا کر پڑھنے والے بتلاتے ہیں۔

۱۹۔ فرمایا خوش آوازی کے لئے ایک ہندی دوہا مشہور ہے، جو کسی سادھو نے کہا ہے۔

مرچ کلیجن بانچی بچ پیپل اور پان
شہد ملا کر چاٹ لے کنٹھ کو کو کلامان

یعنی سیاہ مرچ، خولنجان فلفل دراز، بانچی بچ اور پان ہموزن لے کر کوٹ چھان کر شہد میں ملا کر چاٹ لے اور سمجھ لے کہ گلا کو کلا پرندہ کی سی آواز والا ہو گیا۔

۲۰۔ فرمایا تمام وہ ذوات الیاء کلمات کہ جن میں امام حمزہ وکسائی یا صرف کسائی نے امالہ کیا ہے ورش کے لئے ان تمام کلمات میں فتح و تقلیل دو وجہ ہیں، جیسا کہ مشہور قاعدہ ہے۔ مگر علامہ دانی وغیرہ نے بتلایا ہے کہ اس اصول سے تین کلمات مرضات مشکوۃ اور کلاہما مستثنیٰ ہیں۔ لیکن علی نوری سفاقسی صاحب غیث النفع نے ایک چوتھے کلمہ ربا کا اضافہ کیا ہے۔ لہٰذا کل چار کلمے مذکورہ اصول سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی ورش کے لئے ان چاروں میں صرف فتح ہے۔ چنانچہ ان چاروں کلمات کو علی نوری سفاقسی نے شاطبیہ کی بحر میں وزن بھی کیا ہے فرماتے ہیں۔

وحمزة او وحده علی عمال

امله لورش لا نزاع مزللا
سوای اربع وھی الربا وکلاھما
ومرضاۃ مشکوۃ وذا حمث انزلا

یعنی جس کلمہ میں صرف علی کسائی نے یا حمزہ و کسائی دونوں نے امالہ کیا ہو' اس میں ورش کے لئے (بطور جواز) امالہ صغریٰ کرو اس مسئلہ میں کوئی اختلاف بھی باعث لغزش نہیں ہے۔ البتہ چار کلمات اس اصول سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ہیں۔ **ربا کلاھما مرضات** مشکوۃ۔ یہ الفاظ قرآن میں جہاں بھی ہوں یہی حکم ہے۔

۲۱۔ فرمایا مراتب مد متصل میں علی وجہ التفصیل یہ کہا گیا ہے کہ ورش و حمزہ کے لئے بقدر پانچ الف عاصم کے لئے بقدر چار الف شامی و کسائی کے لئے بقدر تین الف اور قالون' مکی اور بصری کے لئے بقدر دو الف ہے۔ مگر اتنی احتیاط و تدقیق مشکل ہے لہٰذا دو ہی درجوں پر اکتفا کیا جانے لگا یعنی یوں کہہ دیتے ہیں کہ ورش و حمزہ کے لئے طول اور باقین کے لئے توسط ہے۔ چنانچہ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

وقد قرا الشیخان طولی لورشھم
وحمزۃ والوسطی لباقیھم الملا

ترجمہ۔ اور تحقیق شیخین (علامہ شاطبی و جزری) نے ورش و حمزہ کے لئے طول اور باقین' معزز قراء کے لئے توسط کیا ہے۔

۲۲۔ فرمایا اقصائے لسان کے اوپر جو نرم گوشت حلق کی طرف مائل ہے۔ اس کو غلصمہ کہا گیا ہے جو قاف کا مخرج ہے اور تالو کا ہڈی والا وہ حصہ جو غلصمہ سے ملا ہوا ہے وہ عکدہ ہے لہٰذا مخرج قاف و کاف اس طرح ہوا کہ اقصائے زبان و غلصمہ قاف کا مخرج' اور اقصائے زبان و عکدہ کاف کا مخرج ہے۔

۲۳۔ فرمایا اکثر مجودین نے صفات لازمہ غیر متضادہ کے اضداد ذکر نہیں فرمائے اسی لئے ان کو صفات لازمہ منفردہ کہا جاتا ہے مگر بعض محققین نے ان کے اضداد بھی ذکر کئے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ جرسیہ ضد صفیریہ۔ استقراء ضد قلقلہ' ثابتہ ضد منحرفہ' قصیرہ ضد استطالت' صحیحہ ضد حروف علت ہیں۔

۲۴۔ فرمایا کہ قاری محمد علی جلال آبادی وغیرہ بعض قراء عجم نے ہمزہ کو تحقیق ادا کرنے پر زور دیا اور یہ بات کہی کہ اس کی ادائیگی میں پڑھنے والے کی ناف ہلتی ہوئی محسوس ہو' خصوصاً" اجتماع ہمزتین میں مثلاً **ءانذرتھم** مگر استاذ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی نے اس کا رد کیا ہے کہ ہمزہ کی ادا میں تحقیق ہونی چاہئے مگر نہ اس قدر کہ ناف ہل جائے' ہمزہ کا ناف سے کوئی تعلق نہیں۔

۲۵۔ فرمایا کہ قاری محمد علی صاحب جلال آبادی نے حجتہ القاری ص ۴۰ پر یہ بات بڑی عمدہ کہی ہے کہ سورۂ زمر میں **یرضہ لکم** کی ہائے ضمیر کو حفص وغیرہ نے باوجود حرکت طرفین صلہ سے نہیں پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ اصل یرضاہ

تھا۔ ہائے ضمیر کا ماقبل الف بسبب حرف شرط گر گیا۔ پس منہ کی قسم سے ہوا۔ لیکن اشکال ہوتا ہے کہ سورۂ بلد میں **ان لم یرہ احد** میں بھی تقریباً یہی صورت تھی پھر وہاں کیونکر صلہ باقی رہنے دیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بیشک یرہ اصل میں یراہ تھا اور الف حالت جزمی کی وجہ سے گر گیا۔ لیکن ہا کے صلہ کو اس لئے باقی رکھا گیا کہ یہاں ھا کے بعد ہمزہ ہے لہٰذا ہا میں صلہ کو باقی رکھا گیا' تاکہ یہ صلہ ہمزہ کے محقق ادا ہونے میں مددگار ہو یعنی ہمزہ اپنے مخرج و صفت سے بوجہ احسن ادا ہو۔

۲۶۔ فرمایا کہ قاری محمد علی صاحب نے جہتہ القاری میں فرمایا ہے کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ مدفرعی کی حقیقت مفہومی میں مدطبیعی داخل ہے یا نہیں؟ یعنی مدفرعی علاوہ مدطبیعی کے ہے یا مدطبیعی کے ساتھ ہے۔ بعض مشائخ کہتے ہیں کہ مد فروعی سے مراد مدطبیعی کے علاوہ مقدار مراد ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مدفرعی مدطبیعی کے سمیت ہوتا ہے اور مدطبیعی اس میں داخل ہے۔ غور کرنے سے یہی بات بہتر معلوم ہوتی ہے اور طبیعی' مدفرعی میں داخل ہے اس لئے کہ قصر کی حد باتفاق ایک الف قرار دی گئی ہے' چنانچہ مد منفصل کو قصر کے وقت بقدر یک الف کھینچتے ہیں اور اس قصر کے اوپر جو زیادتی ہوتی ہے وہ مدفرعی کہلاتی ہے اور قصر اسی زیادتی کے ترک کا نام ہے' اسی لئے کہا جاتا ہے کہ قصر میں مد ایک الفی ہوتا ہے۔ لہٰذا دو الفی قصر کا دو چند ہوا اور تین الفی مد قصر کا تین گنا ہوا' اور چار الفی قصر کا چار گناہ ہوا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قصر سے مراد ایک الفی' توسط سے دو الفی اور طول سے مراد تین الفی مع المدا لطبیعی ہے۔

۲۷۔ فرمایا کہ روایت حفص کے دو طریق ہیں ایک من طریق الاشنانی عن عبیداللہ بن صباح عن حفص دوسرا من طریق الفیل عن عمرو عن حفص۔ پہلے طریق میں حفص کے لئے ساکن غیر مدہ قبل از ہمز پر سکتہ ہے۔ مثلاً **قران' من امن' الارض' واسئلہ' یسئلونک' شیئا'** شئی وغیرہ پر سکتہ لفظی کہلاتی ہے جو برائے تحقیق ہمزہ ہوتا ہے۔ اس طریق پر حفص کے لئے۔ مد منفصل میں چار الفی مد ہے' قصر نہیں ہے اور طریق الفیل میں حفص کے لئے مد منفصل میں قصر ہے' لیکن سکتہ لفظی نہیں۔ لہٰذا روایت حفص پڑھنے والے کے لئے ضروری ہے۔ کہ سکنات پڑھتے وقت قصر نہ کرے اور قصر کر رہا ہو تو سکنات نہ کرے۔ ورنہ خلط فی الطریق ہو گا جو مشائخ کے یہاں جائز نہیں۔

چنانچہ جہتہ القاری میں ہے کہ سکتہ لفظی اور عدم سکتہ لفظی کی مد منفصل کی مقدار کے ساتھ چار صورتیں ہیں ان چار میں سے تین جائز اور ایک وجہ ناجائز ہے۔

۱۔ (سکنات لفظی مع مد منفصل چار الفی (منقول از نشر و اتحاف)

۲۔ سکنات لفظی مع منفصل چار الفی (منقول از شاطبیہ)

۳۔ عدم سکنات لفظی مع قصر مد منفصل (منقول از نشر و اتحاف)

۴۔ قصر مد منفصل مع سکنات (یہ ناجائز ہے)

۲۸۔ فرمایا کہ شیخ ابو جعفر محمد بن طیفور سجاوندی صاحب نے جو اوقاف کے رموز مثلاً لازم' مطلق' جائز مجوز وغیرہ مقرر کئے ہیں۔ ہمارے بلاد ہندو پاکستان کے مصاحف میں وہی رائج ہیں۔ ماوراء النہر کے مشائخ نے انہیں کو ترجیح دی ہے' گو اور طرح بھی اصطلاحات وارد ہیں' اور ابن الانباری ابن الجزری اور اشمونی وغیرہ حضرات نے بھی اس موضوع پر تصانیف فرمائی ہیں اور مواقع وقف میں ہی اختلاف ہوا ہے۔ مگر یہ اختلاف' اختلاف تفسیری پر متفرع ہے اور کہیں ترکیب نحوی کے اختلاف کے نتیجہ میں ہے۔ مطلب یہ کہ کوئی بڑا اختلاف نہیں یا یوں کہئے کہ صرف اختلاف لفظی ہے۔ حقیقی نہیں۔

۲۹۔ فرمایا جس آیت میں لفظ کلا ہو گا وہ آیت لازماً" مکی ہو گی' مدنی نہیں علماء نے استقراء کیا ہے' دیگر یہ کہ کلا صرف قرآن کے نصف آخر میں ہے نصف اول میں نہیں' تیسرے یہ کہ یہ لفظ قرآن میں چھتیس جگہ واقع ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

وما نزلت کلا بیثرب فاعلمن
ولا جاء فی القران فی نصفہ الاعلی

یعنی کلا کے لفظ یثرب والی آیات میں نازل نہیں ہوا اور نہ نصف اول میں آیا ہے۔ اس لفظ پر مزید بحث دیکھنی ہو تو نہایتہ القول المفید کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

۳۰۔ فرمایا اس میں اختلاف ہے کہ حروف مدہ اصل اور حرکات ان کی فرع ہیں یا حرکات اصل اور حروف مدہ ان کی فرع ہیں' یہ بحث ایسی ہی ہے کہ پہلے انڈا تھا یا مرغی؟ یعنی انڈا مرغی سے پہلے پیدا ہوا یا مرغی انڈے میں سے پہلے نکلی؟

بہرحال ایک جماعت کہتی ہے کہ حروف مدہ اصل اور حرکات فرع ہیں' کیونکہ اگر حقیقت اس کے برعکس ہو گی تو یقیناً حرکات' حروف مدہ سے پہلے ہوں گی۔ لیکن حرکات تو قائم بنفسہا ہو ہی نہیں سکتیں۔ لہذا وہ شی کس طرح لازم ہو سکتی ہے جو قائم بنفسہ ہی نہ ہو۔

اور دوسری جماعت کی رائے ہے کہ حروف مدہ حرکات ثلثہ سے ماخوذ ہیں اور حرکات اصل ہیں۔ کیونکہ حرکات کو کھینچنے سے ہی یہ تینوں حروف مدہ پیدا ہوتے ہیں۔ نیز یہ بھی دلیل لاتے ہیں کہ اہل عرب بعض کلاموں میں واو کی جگہ ضمہ پر اور یا مدہ کی جگہ کسرہ اور الف کی جگہ فتحہ پر اکتفا کرتے ہیں اور اکتفا اصل پر ہی کیا جاتا ہے معلوم ہوا کہ حرکات ثلثہ اصل اور حروف مدہ فرع ہیں۔ یہ بحث مفصل کتاب الرعایہ لابی محمد مکی بن ابی طالب قیسی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ جس میں مصنف نے فرمایا ہے کہ کوئی بھی کسی کی اصل نہیں دونوں مستقل الوجود ہیں۔ وہو قول صحیح ان شاء اللہ تعالٰی

۳۱۔ فرمایا۔ ضاد اور ظاء میں مخرج اور صفت استطاعت سے فرق کیا گیا ہے جو مشہور ہے۔ لیکن ایک فرق اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ ضاد میں اطباق اور تفخیم ظاء معجمہ کے اطباق و تفخیم سے زیادہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ فرق دقیق ہے اور ماہرین اس کا ادراک کر سکتے ہیں۔ اس لئے اس فرق کو علامہ جزری وغیرہ نہیں لائے' یہ بات ساچقلی زادہ محقق ترکی نے جہد المقل میں کہی ہے۔

۳۲۔ فرمایا زمانہ حال کے مصری قراء کا امالہ کبریٰ میں تلفظ صحیح نہیں' وہ بجائے امالہ ابدال کرتے ہیں۔ امالہ یہ ہے کہ الف کو بجائے انفتاح کامل کے صرف یاء کی طرف جھکا کر پڑھا جائے۔ نہ یہ کہ خالص یاء مدہ سے تبدیل کیا جائے۔ **وما ادریک** پڑھا جائے۔ یہ فاش غلطی ہے۔

۳۳۔ مدرسہ تجوید القرآن لاہور کا سالانہ جلسہ تھا۔ ایک نوجوان خوش گلو قاری نے آل عمران میں **وامراتی عاقر قال کذلک اللہ** پڑھتے ہوئے لفظ اللہ پر وقف کیا۔ تلاوت ختم ہوئی تو حضرت قاریؒ صاحب نے قاری کو تنبیہہ کی اور فرمایا تمہارے اس بے موقعہ وقف سے تلاوت کا سارا لطف جاتا رہا۔ کیونکہ **وامراتی عاقر** کے جواب میں **قال کذلک اللہ** کا مطلب ہوا کہ اگر بیوی عاقر ہے تو کوئی بات نہیں نعوذ باللہ اللہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس وقت اسٹیج پر اکابر کا مجمع تھا۔ علماء میں سے حضرت مفتی محمد حسن صاحب جامعہ اشرفیہ والے اور مولانا داؤد غزنوی صاحب اور حضرت مولانا احمد علی صاحب تھے قراء میں سے قاری کریم بخش صاحب اور قاری فضل کریم صاحب رحمتہ اللہ علیہم اجمعین تھے' مگر فاش غلط وقف کی طرف کسی کا بھی ذہن نہیں گیا' حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی تنبیہہ کے بعد سب ہی حضرات بے ساختہ طور پر حضرت قاری صاحب کی قرآن فہمی پر داد و تحسین دینے لگے۔ بلکہ مفتی محمد حسن صاحب نے تو فرمایا کہ حضرت ہمارا تو اس طرف ذہن ہی نہیں گیا۔ قرآن سننے کا بھی صحیح ذوق اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی بخشا ہے۔ غرض اسی طرح حضرت رحمہ اللہ وقف و ابتدا میں حسن معنی کا بے حد خیال رکھتے تھے اور کسی قاری کے اچھی جگہ وقف کرنے پر خوش ہو کر داد و تحسین فرماتے تھے۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی تحریری علمی یادگاروں میں ان کا "فوائد مکیہ" کا حاشیہ تعلیقات مالکیہ ہے۔ یہ کتاب استاذ الاساتذہ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی کی بہترین تصنیف ہے اور مہارت فنی کا اعلیٰ نمونہ ہے' اس کتاب پر حواشی بہت سے مشائخ نے لکھے۔ مگر حق یہ ہے کہ تعلیقات مالکیہ کا مقام منفرد ہے' بہترین معلومات اور حواشی سے کتاب کو ایسا مزین کیا کہ اصل کتاب کی قدر و قیمت میں بہت بڑا اضافہ ہوا ہے۔ مثلاً صفات ممیزہ' استعاذہ' ابتدائے سورۂ توبہ میں بسملہ پر بحث حروف قلقلہ کی تعداد اور اس صفت کا انطباق' ادغام' اخفاء' اجتماع ساکنین' وقف کی بحثیں قابل دید ہیں' نیز کتاب کے آخر میں باب التکبیر کے ضروری مسائل بڑی جامعیت اور اختصار سے لائے گئے جو کسی اردو کتاب میں ایسی جامعیت کے ساتھ بیان نہیں ہوئے' اسی طرح الحال المرتحل' تکرار سورۂ اخلاص فی التراویح۔ ہدایتہ العباد الی حقیقتہ النطق الضاد اور تائید مزید میں علماء حرمین شریفین کے فتاویٰ

ایک قول فیصل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ تجوید کی اس کتاب میں قراء کے لئے سجدہ تلاوت کے عنوان کے تحت فقہی مسائل کا بیان بڑی ضرورت کی تکمیل ہے۔

دوسری علمی یادگار۔ حضرتؒ کے وہ عربی حواشی ہیں جو موصوف نے حرز الامانی المعروف شاطبیہ پر لکھے ہیں' اختصار' جامعیت اور آسان و سادہ عربی زبان میں اشعار کی تشریح ایسا علمی کارنامہ ہے کہ بڑی بڑی شروح و حواشی سے بے نیاز کرتا ہے۔ الحمدللہ کتاب شاطبیہ اور یہ حواشی لاہور میں مطبوع ہو چکے ہیں اور وقت کی بڑی ضرورت پوری ہوئی ہے۔ اسی طرح فوائد مکیہ مع حاشیہ تعلیقات مالکیہ ہندو پاک میں بے حد مقبول ہے' چھ سات ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ تقسیم ملک سے پہلے یہ دونوں کتابیں لکھنؤ میں چھپی تھیں' تقسیم کے بعد ملک میں ان کی بڑی ضرورت تھی۔ ان کے چھپنے سے بڑا علمی خلا دور ہوا ہے۔ **فللله الحمد علی ذلک**

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ فن ادا کے امام تھے' ان کو اللہ تعالیٰ نے اس فن کا وہ اعلیٰ مقام عطا فرمایا تھا کہ غالباً" حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ اپنے اس ہونہار شاگرد کو دیکھتے اور سنتے تو نہ معلوم کس قدر داد و تحسین سے نوازتے' شاگرد نے حضرت الاستاذ کے آگے دس سال ترتیل و حدر میں مشق کی' آج کون ہے جو روایت حفص پر دس سال لگائے۔ علاوہ ازیں حفظ قرآن بھی حضرت قاری عبداللہ صاحب زعیم و صدر مدرس مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمہ کی خدمت میں رہ کر ہی کیا' ترتیل میں حضرت لہجہ حسینی کے امام تھے اس لہجہ میں ایسی عمدہ تنوعات پیدا کی تھیں کہ اسکی جھلک' قاری رفعت صاحب مرحوم کی تلاوت میں ہی سنی جا سکتی ہے' اسکے علاوہ دیگر حجازی لہجوں یعنی مایہ عشاقی' دوکا' سیکا حرب' رکب اور مصری لہجہ پر بڑی فنی مہارت تھی۔ قرآن شریف کا بہت عمدہ ضبط تھا' تراویح میں کہیں بھولنے اور اٹکنے کا نام نہ تھا۔ مجال ہے کہ کہیں مد منفصل یا متصل کی مقداروں میں تفاوت ہو جائے' غنہ کی مقدار میں کمی زیادتی ہرگز نہ ہو سکتی۔ غرض تلاوت' لہجہ یکسانیت اور مترنم آواز میں علامہ جزری کے قول۔

واللفظ فی نظیرہ کمثلہ

کا مصداق تھی اور یہ وہ وصف ہے کہ لفظوں میں اسکا بیان جس قدر آسان ہے' عمل میں اسکا وجود اتنا ہی مشکل و نایاب ہے اور خود اس کمال کو سمجھنے کیلئے بھی صاحب کمال ہونا ضروری ہے ہر شخص اس کو ہرگز نہیں سمجھ سکتا۔

ایک دفعہ فرمایا کہ اکثر رمضان المبارک میں ہمیں حضرت الاستاذ قاری عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کا حدر سننے کا موقعہ میسر آتا۔ تلامذہ کو یہ موقعہ بہت ہی محسوس ہوتا۔ بڑے بڑے ماہر قاری تلاوت سننے کے لئے آموجود ہوتے تھے یہ سن کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ اب اللہ تعالیٰ نے استاذ کی یہ وراثت اور کمال ادا' حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو منتقل فرمائی بلاشبہ آپ اس وراثت کے حامل اور اپنے استاذ مرحوم کے جانشین ہیں۔ تلاوت کیا تھی گویا موتی پرو رہے ہیں۔

□□□

شیخ القراء، استاذ المجودین، ماہر فن تجوید والقرآءت
حضرت مولانا قاری محمد عبدالرحمٰن مکی الہ آبادی
خاتمتہ القراء فی الہند

حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن مکیؒ حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے چھوٹے بھائی اور محمد بشیر خان کے منجھلے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۸۶۴ء میں محمد بشیر خان کے قیام گوالیار کے دوران پیدا ہوئے۔ ان کی پیدائش کے تین سال بعد محمد بشیر خان بمعہ اپنے بڑے بھائی اور بیوہ بہن ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۷ء میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے۔ حفظ قرآن پاک کے بعد بڑے بھائی قاری عبداللہ مکیؒ (جو حضرت قاری ابراہیم سعدؒ کے نامور شاگرد تھے) سے تجوید قراءت سبع اور قراءت عشرہ بطریق درۃ و طیبہ کی تکمیل کی۔ حدیث و فقہ کی تکمیل حضرت مولانا رحمت اللہ مکیؒ سے فرمائی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک آپ مدرسہ صولتیہ میں درس و تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔

ایک دن حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب مکیؒ نے متعدد علماء و صلحاء کی موجودگی میں ان دونوں بھائیوں (حضرت قاری عبداللہ مکیؒ اور حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ) کو سینہ سے لگایا آبدیدہ ہو گئے اور پھر طویل دعا فرمائی اور اپنی پوری قلبی توجہ کے ساتھ یہ الفاظ فرمائے "عبداللہ تم کو تو میں یہاں مدرسہ صولتیہ کے لئے رکھتا ہوں اور عبدالرحمٰن تم کو حکم دیتا ہوں کہ ہندوستان جا کر قرآن کی خدمت کرو اور علوم قراءت و تجوید کی ترویج کرو نیز مصری اور عربی لہجوں کی بھی تعلیم دو جن سے اہل ہند نابلد ہیں" حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی اس حکم کی تعمیل میں ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ء میں ہندوستان پہنچے اور مزید تعلیم کے حصول کے لئے کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ جو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے خلیفہ تھے کے مدرسے جامع العلوم میں جو کہ کانپور کی سب سے قدیم درس گاہ ہے میں داخلہ لیا۔ یہاں آپ نے درس نظامی کا تمام کورس پڑھا اور علوم عربیہ کی کتب اول تا اخیر پڑھیں۔ تحصیل علم کے دوران ہی آپ کا علوم قرآن کا فیض بھی جاری ہو گیا اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے صاحبزدگان اور دیگر طالب علموں نے حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ سے استفادہ کیا۔ تحصیل علم کے بعد آپ جامع العلوم میں ہی شعبہ تجوید و قراءت کے صدر مدرس مقرر ہوئے جس پر آپ نے ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۷ء تک کام کیا اسی اثنا میں ۱۳۰۷ھ میں قاری محمد غازی صاحبؒ علوم قراءت کی تکمیل کرنے کے بعد گولڑہ ضلع راولپنڈی پہنچے تو حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی نے مزید علمی استفادے اور تبرکاً قاری محمد غازی صاحبؒ سے قراءت ثلثہ بطریق درۃ کی سند حاصل کی حالانکہ اس سے پیشتر وہ یہ سند اپنے بڑے بھائی حضرت قاری عبداللہ مکیؒ سے حاصل کر چکے تھے۔ قاری محمد غازی صاحبؒ اولاً

مدرسہ صولتیہ میں مدرس تھے اور علوم قراءت کی تکمیل انہوں نے قاری محمد بن احمد المکیؒ سے کی۔

کانپور میں تحصیل علم کے بعد جب آپ جامع العلوم میں ہی مدرس ہو گئے تو ایک روز حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ نے کانپور کے بڑے بڑے تاجروں کو اپنے پاس بلایا حضرت مولانا احمد حسن کانپوریؒ کانپور کے علمی و دینی حلقوں میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور کانپور کے تاجروں میں بھی آپ کا کافی اثر و نفوذ تھا۔ تاجروں کے اس مجمع سے مخاطب ہو کر آپ نے فرمایا آپ لوگ اپنی لڑکیوں کے لئے اچھے لڑکوں کی تلاش کرتے ہیں مدرسہ کے فارغ التحصیل طلباء میں بڑے معزز گھرانوں کے لڑکے ہیں۔ تم امیر گھرانوں میں اپنی بیٹیاں دینے کی بجائے ان شریف زادوں کی طرف توجہ کیوں نہیں کرتے۔ اکثر تاجروں نے حضرت مولانا احمد حسن کانپوری صاحب کے مشورہ کو قبول کیا اور اپنی لڑکیاں مدرسے کے فارغ التحصیل لڑکوں سے بیاہ دیں۔ ان میں سے ایک تاجر کی صاحبزادی سے حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کا بھی عقد ہو گیا۔

اس کے بعد الہ آباد کے ایک رئیس شیخ عبداللہ نے آپ کو الہ آباد بلا لیا۔ وہاں ان رئیس صاحب نے ایک مسجد جو انہی کے نام پر عبداللہ کی مسجد کہلاتی تھی اور ریلوے اسٹیشن الہ آباد کے ساتھ ہی تھی اس میں آپ کا تقرر ہوا مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد کا آغاز ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۷ء میں ہوا تو حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ صدر مدرس مقرر ہوئے۔ یہاں آپ کا فیض خوب پھیلا۔ آپ کے بڑے بڑے نامور شاگرد ہیں آپ سے پڑھ کر علوم قراءت کی خدمت میں پورے برصغیر میں پھیلے۔ آپ کی خصوصی توجہ اور غیر معمولی کوششوں کی بدولت یہ مدرسہ عرصہ دراز تک علم و قراءت کا مرکز بنا رہا۔ احیاء العلوم میں آپ کا قیام ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۹۲۹ء تک رہا یعنی تقریباً ۳۲ سال یہاں آپ نے خدمت قرآن انجام دی۔

قیام الہ آباد کے دوران آپ نے ایک مرتبہ حجاز مقدس واپس جانے کا ارادہ فرمایا۔ مکہ مکرمہ کے سفر کے لئے ہر طرح کی تیاری مکمل ہو چکی تھی سامان بندھا رکھا تھا۔ رات گزارنا باقی تھی اور صبح کو گاڑی سے روانہ ہونا تھا۔ رات کو خواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی آپؐ نے حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ کو فرمایا۔

عبدالرحمٰن تم ہندوستان میں رہو اللہ نے تم سے بہت کام لینا ہے"۔

یہ خواب دیکھنے کے بعد آپ نے مستقل حجاز جانے کا ارادہ ترک فرما دیا اور سامان کھلوا دیا۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ نے چونکہ حجاز میں تعلیم پائی تھی اس لئے حجازی لہجہ پر زور دیتے تھے یہی چیز آپ کے شاگردوں میں بھی نمایاں تھی۔ خاص طور پر حضرت قاری عبدالخالق سہارن پوری صاحبؒ اور حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں تعلیم حاصل کی اس لئے ان دونوں کو مصری اور عربی لہجوں پر مکمل عبور تھا۔ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ کا حافظہ بہت قوی تھا شاطبیہ' درۃ اور طیبہ کے متون زبانی ازبر

تھے اس کے علاوہ قراءت سبعہ و عشرہ کے اصول و فرش اور تمام طریق بھی بوقت ضرورت حرف زبان ہوتے۔ مطالعے کا بہت شوق تھا اسی شوق کی وجہ سے نادر و نایاب کتب آپ کے پاس جمع ہو گئی اور اچھا وسیع کتب خانہ بن گیا تھا۔ حضرت کے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی جو بچپن میں فوت ہو گئی تھی قاری محبوب علی لکھنوی کو آپ نے متبنی کیا تھا اور تمام کتب خانہ وغیرہ ان کے ہی حوالے کیا تھا تقسیم ہند کے بعد قاری محبوب علی پاکستان چلے آئے اور یہیں انتقال ہوا۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ رمضان شریف میں تراویح کے دوران دو قرآن سناتے تھے۔ تراویح میں تلاوت بڑی چابک دستی سے کرتے۔ تلاوت میں روانی ہوتی لحن جلی و لحن خفی سے مبراء' حروف کی ادائیگی نہایت نفیس' اخفاء و غنہ اور مد موتیوں کی طرح پروے ہوئے ادائیگی ایسی صاف اور واضح کہ ہر حرف صاف سنائی دیتا یاد کا یہ عالم تھا کہ کہیں کسی کو لقمہ دینے کی ضرورت نہ ہوتی۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحب شیخ التجوید دارالعلوم دیو بند فرمایا کرتے تھے کہ استاذ گرامی قاری عبدالرحمٰن مکیؒ اشراق چاشت تہجد اور اوابین میں علیحدہ علیحدہ سلسلہ سے قرآن ختم فرماتے۔ قاری سراج الحق صاحبؒ جو آپ کے شاگرد تھے ان کا بیان ہے کہ قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ نے شہورش شہنشاہ اجنہ کو جدہ میں قرآن سنایا تھا۔

مجلس میں قرآن شریف پڑھنے کی فرمائش ہوتی تو بغیر تکلف' تصنع اور بناوٹ کے نہایت سادگی سے قرآن سنا دیا کرتے۔ ایک مرتبہ ۱۳۴۳ھ بمطابق ۱۹۲۵ء میں مولانا غلام مجتبیٰ جعفریؒ کے یہاں قراءت کی ایک محفل ہوئی جس میں قاری ابراہیم رشید خطیب جامع مسجد حیدر آباد دکن بھی شریک تھے ان کی باری آئی تو انہوں نے اونچی آواز سے خوب للکار کر پڑھا۔ ان کے بعد قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ سے فرمائش ہوئی آپ نے مقابلے کا خیال کئے بغیر نہایت سادگی سے سنا دیا۔

الہ آباد میں حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا آپ کی علمیت' بزرگی اور شریف النفسی نے لوگوں کے دلوں میں گھر کیا ہوا تھا۔ حضرت قاری صاحب کا فیض اس قدر عام تھا کہ آپ کے شاگرد حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ مدرسہ احیاء العلوم الہ آباد میں حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب کی ذات گرامی منبع القراءت تھی آپ سے بے حد فیض ہوا۔ مدرسہ احیاء العلوم کے ماشکی' دھوبی' فراش سب ہی قاری تھے سب کے لئے حکم تھا کہ قاریوں سے قرآن صحیح کریں۔

اچھے اور محنتی طالب علموں کی بہت قدر کرتے اور ان پر خصوصی توجہ فرماتے۔ اچھی اور عمدہ آواز کے عاشق تھے اپنے چھوٹے بھائی قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ جن کی آواز نہایت حسین تھی ان سے قرآن شریف خود فرمائش کر کے سنتے بارہا یہ ہوتا کہ حضرت قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ حضرت قاری عبدالرحمٰن کی فرمائش پر قرآن کی تلاوت کرتے تو حضرت قاری صاحب منہ پر رومال رکھ کر زار زار روتے۔ حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ نے حضرت قاری

عبدالرحمٰن مکیؒ سے استفادہ فرمایا اور سبعہ و عشرہ کی تکمیل کی ان کی آواز کی خوبصورتی، عمدہ پڑھت سن کر یہ حکم فرمایا کہ یہاں جس قدر طلبا برائے تجوید و قراءت داخل ہیں ان کو مشق کرایا کرو۔

اچھے اور قابل شاگردوں کا تعلق قلبی بھی بہت زیادہ رہتا۔ ۱۳۴۳ھ میں قاری عبدالمالک صاحبؒ کا فرقانیہ والوں سے کچھ اختلاف ہوا تو مولانا قاری حیدر حسن ٹونکیؒ کی دعوت پر ٹونک تشریف لے گئے جہاں علوم شرعیہ اور قراءت کی بہت بڑی درسگاہ تھی۔ ٹونک میں قاری عبدالمالک صاحبؒ نے تقریباً چار پانچ سال قیام کیا۔ ایک روز دوپہر کے وقت اچانک قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ تشریف لائے اور آکر کھڑے رہے۔ قاری عبدالمالک صاحبؒ نے بیٹھنے کی درخواست کی تو فرمایا پہلے وعدہ کرو تو پھر بیٹھتا ہوں ورنہ بغیر بیٹھے واپس جا رہا ہوں عرض کی گئی جو حکم ہو گا سر آنکھوں پر منظور ہو گا فرمایا واپس فرقانیہ چلو تمہارے آنے کے بعد فرقانیہ میں تعلیمی کام کا بہت حرج ہو رہا ہے۔ عرض کیا بہتر ہے اور اس طرح حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ اپنے شاگرد رشید قاری عبدالمالک صاحبؒ کو منا کر واپس لائے۔

ایک مرتبہ تراویح میں حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ قرآن سنا رہے تھے۔ سورہ عصر کے بعد سورہ فیل اور بعد کی سورتیں پڑھی اور ختم کر دیا سامعین میں سے کسی کو ٹوکنے کی جرات تو نہ ہوئی لیکن آپس میں کھسر پھسر کرتے رہے اس پر حضرت نے دریافت فرمایا کیا بات ہے؟ کسی نے جواباً" عرض کی حضرت دوران تراویح سورہ ہمزہ رہ گئی۔ فرمایا یاد کیوں نہیں دلایا پھر خود ہی فرمایا سچ ہے قرآن ہی حاوی ہے بشر کی طاقت نہیں کہ اس پر حاوی ہو اس کے بعد دوگانہ دہرایا۔

حضرت قاری صاحب ہندوستان آنے کے بعد دو مرتبہ حج کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے ایک مرتبہ تو بڑے بھائی قاری عبداللہ مکیؒ کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے وہاں پر اراکین مدرسہ صولتیہ نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ مستقلاً" مکہ مکرمہ میں سکونت اختیار فرمائیں لیکن آپ نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرما رہے ہیں تم ہندوستان جاؤ تمہاری وہاں ضرورت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا ہے کیونکہ صاحب فیضان رحمت اس کو مکہ مکرمہ میں بیان کرتے ہیں اور صاحب تذکرہ قاریان ہند قیام الہ آباد میں اسی طرح کا واقعہ بیان فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اسی طرح جب دوران قیام مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ آپ دوسری مرتبہ حج کے لئے تشریف لے کر گئے تو حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ کے فرزندگان نے اصرار فرمایا کہ اب آپ کی ضعیف العمری ہے لہٰذا ہمارے پاس مکہ مکرمہ میں ہی قیام فرمائیں تو حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اور میرے استاذ محترم حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبؒ کا حکم میرے قیام مکہ مکرمہ میں مانع ہیں اور آپ ہندوستان واپس تشریف لے آئے۔ ایک واقعہ قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ اور مولانا محمد علی مونگیریؒ کے درمیان ملاقات کا مولانا محمد علی

مونگیریؒ کے صاحبزادے مولانا منت اللہؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ نے قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کو اپنی خانقاہ میں ٹھہرایا دوسرے روز فجر کی نماز کے بعد شیخ القراء قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ سے مولانا مونگیری نے فرمایا آپ میرے کمرے میں تشریف لائیں چائے وہیں پیئیں گے حضرت مولانا محمد علی صاحبؒ کا دستور تھا کہ صبح کی نماز کے بعد چائے پیتے تھے شیخ القراء جب کمرے میں داخل ہوئے اور بیٹھ گئے تو مولانا مونگیری نے قاری عبدالرحمٰن مکیؒ سے فرمایا قاری صاحب ایک رکوع سنا دیجئے۔ قاری صاحب نے ایک رکوع تلاوت فرمایا سن کر حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ پر رقت طاری ہو گئی۔ فرمایا اور سنایئے حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ نے ایک رکوع اور تلاوت فرمایا اس بار قاری صاحب بھی رو پڑے اس طرح سماں بندھ گیا تلاوت کے ساتھ دونوں روتے جاتے یہاں تک کہ یہ سلسلہ دن کے ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا۔ جو لوگ کمرے سے باہر بھی موجود تھے وہ بھی رو رہے تھے۔ غرض اس روز چائے پینے کی نوبت ہی نہ آنے پائی۔

ذکر الٰہی اور یاد الٰہی میں حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی بہت مصروف رہا کرتے۔ ایک مرتبہ سینے پر ایک پھوڑا ہو گیا۔ ڈاکٹر نے اس کا آپریشن کیا۔ اس دوران آپ مسلسل ذکر کرتے رہے۔ دوران آپریشن ایک مرتبہ اللہ کا لفظ منہ سے باآواز بلند نکلا جس میں کچھ ایسی کشش تھی کہ بعد میں ڈاکٹر نے بارہا آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا قاری صاحب ایک مرتبہ پھر اسی طرح اللہ کا نام لے دیجئے مجھے اس سے ایک خاص کیفیت حاصل ہوئی تھی۔

آپ کے چھوٹے بھائی قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ علوم تجوید و قراءت کی تکمیل اپنے بڑے بھائی قاری عبداللہ مکیؒ سے مدرسہ صوتیہ میں کر کے ہندوستان چلے آئے یہاں آکر قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ نے لکھنؤ میں قیام فرمایا اور مدرسہ عالیہ فرقانیہ میں تدریسی سرگرمیوں کا سلسلہ شروع فرمایا ۱۳۴۲ھ بمطابق ۱۹۲۴ء میں تپ دق کے عارضہ میں مبتلا ہوئے تو لکھنؤ سے الہ آباد حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے پاس تشریف لے آئے اور وہیں انتقال فرمایا۔ الہ آباد میں ہی مدفون ہیں۔ ۱۳۴۸ھ بمطابق ۱۹۲۹ء میں قاری عبدالرحمٰن فرقانیہ میں آگئے۔ یہاں حضرت قاری صاحب نے اپنے آخری وقت تک کام کیا۔

۲ رجب ۱۳۴۳ھ بمطابق ۸ جنوری ۱۹۲۵ء کو مولانا عین القضاۃ صاحبؒ کا انتقال ہوا تو نماز جنازہ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ نے ہی پڑھائی۔

حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کو فنون سپہ گری، کشتی پہلوانی اور پیراکی میں کمال حاصل تھا روزانہ ورزش کرتے جس کی بدولت جسم خوب بنا ہوا تھا۔ پٹا، بنوٹ، بانک میں ماہرین بھی آپ کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ الہ آباد میں قیام کے دوران جب آپ سالانہ امتحانات کے لئے لکھنؤ تشریف لاتے تو مدرسے کے تلامذہ اور اساتذہ کو بھی ورزش کی ترغیب دیا کرتے۔ عشاء کی نماز کے بعد بعض اوقات ورزشی مظاہرے بھی کرتے۔

آپ کو اپنی ۴۹ سالہ درس و تدریس کے دوران چالیس روپے ماہوار سے زیادہ تنخواہ نہیں ملی لیکن آپ نے جو

کام کئے وہ ہزاروں روپے تنخواہ لینے والوں کو کرنا نصیب نہیں ہوتا۔ ایسی شاندار محنت علوم قراءت کو پھیلانے میں آپ نے روا رکھی کہ متحدہ ہندوستان میں دور دور تک قرآن پڑھنے کا فیض پہنچا دیا آپ کے شاگردوں نے قراءت سبعہ و عشرہ کو پھیلانے میں جو سعی و کوشش کی وہ محتاج بیان نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ برصغیر میں علوم القرآن اور خصوصاً" قراءت کی ترویج و ترقی میں آپ کی خدمات بیش بہا ہیں۔

۶ جمادی الاول ۱۳۴۹ھ بروز پیر بمطابق ۱۹۳۰ء میں ایک روز کی مختصر علالت کے بعد قاری عبدالرحمٰن مکیؒ نے وفات پائی آپ کے ایک شاگرد نے ایک قطعہ زمین خرید رکھا تھا جو کہ جھوائیں ٹولہ محبوب گنج متصل وزیر باغ میں تھا وہیں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ عمر بحساب ہجری ۶۹ سال اور بحساب عیسوی ۶۷ سال بنتی ہے۔

وفات کے کافی عرصہ کے بعد قاری حفظ الرحمٰن صاحب لکھنؤ گئے جی چاہا کہ استاد محترم کی قبر پر حاضری دیں۔ لیکن معلوم نہ تھا کہ قبر کہاں ہے قاری عبدالمعبود صاحبؒ اور دیگر ساتھیوں کو ساتھ لیا۔ صبح آٹھ بجے یہ لوگ قبرستان کی تلاش میں نکلے۔ مدت سے کوئی حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ کی قبر پر نہ گیا تھا قاری عبدالمعبود صاحب کے اندازے کے مطابق جنگل میں قبر تھی اسی اندازے پر لکھنؤ شہر سے باہر تلاش شروع ہوئی تلاش کرتے کرتے بارہ بج گئے لیکن قبرستان نہ ملا تھک ہار کر ایک درخت تلے بیٹھ گئے قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں سے کہا آپ لوگوں کو بڑی زحمت ہوئی اب آپ لوگ جائیں میں تو جب تک حضرت قاری صاحب کی قبر معلوم نہ کر لوں گا گھر واپس نہ جاؤں گا۔ مروتاً" اور اخلاقاً" دوسرے لوگ بھی ٹھہرے رہے۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے ایک دیہاتی کو جو وہاں سے گزر رہا تھا پکارا تاکہ اس سے قبر کے متعلق پوچھا جا سکے۔ قاری عبدالمعبود صاحبؒ ہنسنے لگے کہ حضرت ہم لکھنؤ کے رہنے والے جب قبر تلاش نہ کر سکے تو یہ دیہاتی کیا بتائے گا جس نے قاری صاحب کا نام بھی نہ سنا ہو گا۔ قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے کہا اب کیا کیا جائے کسی نہ کسی سے تو پوچھنا ہے۔

دیہاتی نزدیک آیا تو قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے پوچھا بھائی اس نواح میں حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ صاحب کی قبر ہے کیا تم اس کا پتہ بتلا سکتے ہو۔ اس نے کہا ہاں جناب مجھے معلوم ہے آپ میرے ساتھ آئیں۔ وہ دیہاتی ان تمام لوگوں کو شہر میں لے آیا اور اس قبرستان کی نشاندہی کر دی۔ قبرستان کے نزدیک پہنچ کر سب نے کہا ہاں یہی قبرستان ہے۔ سب نے دعا مغفرت کی اور فاتحہ پڑھی۔ باغ کی بربادی اور قبر کے اطراف بندروں کے غول کے غول موجود تھے۔ انہیں دیکھ کر سب نے بہت افسوس کیا اور واپس ہوئے۔ رات کو قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے خواب میں حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ کو دیکھا کہ اسی قبر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آٹھ بجے سے بارہ بجے تک تم قبر تلاش کرتے رہے اور تمہیں نہ ملی۔ دیکھتے ہو یہاں کیا حالت ہے۔ دوسرے روز حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ نے کچھ رقم ساتھیوں کے حوالے کی کہ قبر کی درستگی کا انتظام کریں اور مزید رقم کی ضرورت پڑی تو وہ بھی قاری حفظ الرحمٰن صاحب نے فراہم کرنے کی یقین دہانی کرائی۔ (یہ واقعہ تذکرہ قاریان ہند جلد ۱ صفحہ ۲۵ پر

مصنف تذکرہ قاری بسم اللہ بیگ نے حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے خود سن کر نقل کیا ہے)

حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ کے نصف صدی پر محیط خدمت قرآن کے دور میں بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور آپ کا فیض پورے ہندوستان میں خوب پھیلا۔

آپ کے تمام شاگردوں کا تذکرہ کرنا تو بہت دشوار ہے لیکن خاص خاص اور مشہور تلامذہ کے نام درج ذیل ہیں۔

حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوریؒ، حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ، حضرت قاری ضیاء الدین احمد صاحبؒ، حضرت قاری عبدالوحید الہ آبادی صاحبؒ، حضرت قاری حفظ الرحمٰن پرتاب گڑھی صاحبؒ، حضرت قاری عبدالمعبود صاحبؒ، حضرت قاری مفتی نصیر الدین نعمانی صاحبؒ، حضرت قاری نواب حبیب الرحمٰن خاں شیروانی صاحبؒ، حضرت قاری محمد حسین الہ آبادیؒ، حضرت قاری محمد سراج الحق صاحب پروفیسر فارسی الہ آباد یونیورسٹیؒ، حضرت قاری منت اللہ صاحبؒ سجادہ نشین مونگیر، حضرت قاری مولانا عبدالحئی ناظم ندوۃ العلماء (والد بزرگوار مولانا ابو الحسن علی ندوی مدظلہ العالی) جناب پروفیسر مصطفیٰ خاں صاحبؒ پی ایچ ڈی، حضرت قاری محمد نظر صاحبؒ، حضرت قاری محمد صدیق صاحبؒ، وغیرہم حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ نے تجوید میں ایک کتاب "فوائد مکیہ" بزبان اردو تحریر فرمائی جو برصغیر پاک و ہند میں بے تحاشہ مقبول ہوئی برصغیر کے تمام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ کتاب پر متعدد قراء نے حواشی تحریر فرمائے۔ اس کتاب میں تین ابواب اور تیرہ فصلیں ہیں۔

دوسری کتاب "افضل الدرر المعروف بہ درر العقیلہ فی شرح متن عقیلہ للشاطبی" بزبان عربی ۱۳۴۶ھ میں چھپی جو کہ رسم قرآنی سے متعلق علامہ شاطبیؒ کے مشہور قصیدے عقیلہ اتراب القصائد کی شرح ہے۔ کتاب ادق اور مشکل ہے مگر شارحؒ نے اپنی فصیح عربی میں اس کی مشکلات سے بڑی آسان تفہیم میں پردہ اٹھایا ہے۔

اس کے علاوہ ملا علی قاری کی معروف شرح شاطبیہ جو کہ قاری محمود حسن صاحبؒ نے ۱۳۴۸ھ میں دیو بند سے شائع کی اس پر حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ کی تقریظ موجود ہے۔ اس سے قبل ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ میں انہی قاری محمود حسن صاحبؒ نے قرآن شریف بھی طبع کرایا تھا۔ اس کی ابتدا میں سبعہ کے قواعد درج تھے اور بین السطور حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانوی صاحبؒ کا ترجمہ تھا۔ حاشیے پر اختلافات سبعہ قراءت واضح طور پر درج کئے گئے تھے۔ اس پر بھی حضرت قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ کی تقریظ موجود تھی۔

اب ہم یہاں استفادے کے لئے حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ اور حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ صاحب کی سند بھی ذکر کرتے ہیں جو مقبول و متداول ہے۔

(۱) قاری عبدالرحمٰن مکیؒ (۲) قاری عبداللہ مکیؒ (۳) قاری ابراہیم سعد بن علیؒ (۴) قاری حسن بدیرؒ (۵) شیخ محمد شمس متولی (۶) شیخ سید احمد التہامیؒ (۷) الشیخ احمد سلمونہؒ (۸) شیخ ابراہیم العبیدیؒ (۹) شیخ عبدالرحمٰن الاجہوریؒ (۱۰) شیخ احمد البقریؒ (۱۱) شیخ محمد البقریؒ (۱۲) شیخ عبدالرحمٰن الیمنیؒ (۱۳) شیخ شحاذہ الیمنیؒ (۱۴) شیخ ناصر الطبلاویؒ (۱۵) شیخ الاسلام زکریا

الانصاریؒ (۱۶) شیخ رضوان العقبیؒ (۱۷) شیخ محمد النویریؒ (۱۸) محقق فن الشیخ محمد الجزریؒ (۱۹) شیخ ابن لبانؒ (۲۰) محمد بن احمد بن عبدالخالق الصائغ المعروف بالتقی الصائغ (۲۱) الشیخ احمد داماد علامہ شاطبی (۲۲) علامہ شاطبیؒ (۲۳) شیخ ابو الحسن علی بن ہذیلؒ (۲۴) شیخ ابو داؤد سلیمان بن نجاحؒ (۲۵) علامہ ابو عمرو عثمان الدانیؒ (۲۶) ابو الحسن طاہر بن غلبونؒ (۲۷) شیخ ابو الحسن علی بن محمد بن صالح الہاشمیؒ (۲۸) شیخ ابو العباس احمد بن سہل الاشنانی (۲۹) شیخ ابو محمد عبید بن صباحؒ (۳۰) صاحب روایت حضرت علامہ شیخ حفص صاحبؒ (۳۱) حضرت امام عاصمؒ (۳۲) زر بن حبیشؒ و عبداللہ بن حبیب السلمیؒ (۳۳) سیدنا حضرت عثمانؓ سیدنا حضرت علیؓ سیدنا حضرت زید بن ثابتؓ و سیدنا حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ و سیدنا حضرت ابی بن کعبؓ اور ان حضرات نے براہ راست حاصل کیا علوم قرآنی کو آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

یہ سند روایت حفص کی ہے جو کہ قاری عبداللہ صاحب مکیؒ نے قاری ابراہیم سعد سے حاصل کی اور تجوید سبعہ قراءت اور ثلثہ معہ عشرہ قراءت میں قاری عبدالرحمٰن مکیؒ اور قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ دونوں بھائیوں نے اپنے برادر اکبر حضرت قاری عبداللہ مکیؒ سے حاصل کی۔

ان روایات کی تصریح کہ دونوں بھائیوں نے قراءت عشرہ کی اسناد اپنے برادر اکبر حضرت قاری عبداللہ مکی سے حاصل کی درج ذیل مقامات سے ہوتا ہے۔

''قاری عبداللہ صاحب کے دونوں بھائیوں قاری عبدالرحمٰن مکیؒ اور قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ نے قراءت عشرہ سیکھیں جنہوں نے ہندوستان جاکر قراءت کا سلسلہ جاری کیا'' (فیضان رحمت صفحہ ۳۷ مولفہ جناب امداد صابری) اسی طرح صاحب تذکرہ قاریان ہند تحریر فرماتے ہیں۔

''حضرت ہی سے (قاری عبداللہ مکیؒ) سے آپ کے دونوں چھوٹے بھائیوں نے قراءت عشرہ سیکھیں اور ہندوستان واپس آکر یہاں قراءت کا سلسلہ جاری کیا''

(تذکرہ قاریان ہند جلد اول صفحہ نمبر ۲۴۳ مولفہ قاری بسم اللہ بیگم صاحبؒ)

اس کے علاوہ قاری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ نے قراءت ثلثہ کی سند بطور تبرک قاری محمد غازی صاحبؒ مقیم گولڑہ سے بھی حاصل کی جس کا تذکرہ مولانا حبیب الرحمان خیرآبادی اپنی کتاب تذکرۃ المصنفین میں کیا کرتے ہیں۔

''قاری عبدالرحمٰن مکیؒ استاذ القراء قاری عبداللہ مکیؒ کے چھوٹے بھائی تھے۔ حضرت علامہ رحمت اللہ کیرانویؒ سے مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں ان دونوں بھائیوں نے استفادہ کیا اور لمبی مدت تک یہ دونوں حضرات مولانا صاحب کے پاس رہے یہ دونوں بھائی باب ابراہیم کے پاس رہتے تھے ان دونوں کو مدرسہ صولتیہ کے سب سے پہلے مشہور مصری قاری ابراہیم سعدؒ کے حوالے کیا جن کو حضرت مولانا رحمت اللہ مکیؒ نے بڑے اہتمام کے ساتھ مدرسہ میں تجوید و تعلیم اور قرآن مجید کے حفظ کے لئے رکھا۔ قاری ابراہیم سعدؒ صاحب نے ان دونوں پر بڑی محنت کی تھی اور عمدہ تربیت دی تھی تھوڑے دنوں کے بعد ان دونوں کی والدہ کا انتقال ہو گیا تو یہ دونوں کلی طور پر حضرت مولانا

رحمت اللہ صاحبؒ کے پاس رہنے لگے تھے۔ جب یہ دونوں بھائی تعلیم سے فارغ ہو گئے اور روایت حفص اور قراءت سبع کی تکمیل کر لی تو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کو حکم دیا کہ تم ہندوستان جاؤ آپ جب ہندوستان تشریف لے گئے تو گولڑہ پنجاب پہنچے اور قاری محمد غازی صاحبؒ سے پڑھ کر عشرہ کی سند حاصل کر لی قراءت و تجوید کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے کانپور تشریف لے گئے اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری کے مدرسہ میں داخل ہوئے وہاں درس نظامی کا کورس پڑھنا شروع کیا اور علوم عربیہ کی کتابیں اول تا آخیر پوری پڑھیں اور وہیں سے سند فراغت حاصل کی اور اسی مدرسہ میں مدرس مقرر ہوئے اور کئی سال تدریسی خدمات انجام دیں۔
(تذکرہ المصنفین صفحہ ۲۳۹ مولفہ مولانا حبیب الرحمان خیر آبادی)

مندرجہ بالا عبارت میں بعض امور نہایت مضطرب ہیں جن کو ہم بالترتیب بیان کرتے ہیں۔

ا۔ حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ نے حضرت قاری ابراہیم سعد مصریؒ سے استفادہ نہیں کیا بلکہ تجوید اور قراءت سبع بطریق شاطبیہ اور قراءت عشرہ بطریق درہ وطیبہ سب اپنے بڑے بھائی حضرت قاری عبداللہ مکیؒ سے حاصل کی نیز سب سے چھوٹے بھائی حضرت قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ بھی اپنے برادر کبیر حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے ہی صحبت یافتہ تھے۔ اس کے ثبوت میں ہم فیضان رحمت اور تذکرہ قاریان ہند کے حوالے دے آئے ہیں۔ نیز قاری عبدالوحید الہ آبادیؒ کی تصنیف ہدیۃ الوحید میں انہوں نے اپنا سلسلہ سند برائے تجوید بیان کرتے ہوئے بواسطہ قاری عبدالرحمٰن بواسطہ قاری عبداللہ بواسطہ قاری ابراہیم سعد سے ہی بیان کیا ہے براہ راست قاری عبدالرحمٰن کو قاری ابراہیم سعد کا شاگرد نہیں بتایا۔

(۲) قاری عبدالرحمٰن مکیؒ ہندوستان آنے کے فوراً بعد سیدھے گولڑہ نہیں پہنچے اس لئے کہ قاری محمد غازی صاحبؒ تو ۱۳۰۷ھ میں حجاز سے گولڑہ پہنچے جب کہ قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ ۱۳۰۰ھ بمطابق ۱۸۸۳ میں ہندوستان تشریف لائے۔ اس سلسلے میں پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے سفر حجاز اور قاری محمد غازی صاحبؒ کے ہمراہ آنے اور اسباق قراءت کی جلد تکمیل کے واقعات پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کی سوانح عمری جو کہ مولانا فیض احمد صاحب فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ نے "مہر منیر" کے نام سے مرتب کی ہے تفصیل سے درج ہے۔

مہر منیر صفحہ نمبر ۱۱۶ پر مولانا فیض احمد صاحب لکھتے ہیں۔

"۱۳۰۷ھ میں ایک روز پیر مہر علی شاہ صاحبؒ اچانک حجاز مقدس کے سفر پر روانہ ہو گئے"

صفحہ نمبر ۱۱۸ پر قاری غازیؒ کے متعلق رقم طراز ہیں

"مولانا غازیؒ موچی کڑی علاقہ اٹک کے خٹک پٹھان تھے۔ مولانا احمد حسن کان پوریؒ سے تعلیم حاصل کی اور مکہ شریف میں حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ سے علم حدیث کی تکمیل کر کے وہیں مدرسہ صولتیہ میں مدرس ہو گئے۔ آپ تمام علوم متداولہ میں تبحر رکھتے تھے۔ خصوصاً علم تجوید و قراءت میں مہارت تامہ تھی۔ حضرت قبلہ عالم قدس

سرہ (پیر مہر علی شاہ صاحبؒ) سے ملاقات ہوئی تو محبت و شوق میں اس قدر از خود رفتہ ہو گئے کہ مدرسہ صولتیہ کی تدریس میں مستعفی ہو کر گولڑہ آگئے اور باقی عمر اسی جگہ درس و تدریس اور فتاویٰ نویسی میں گزار دی"

اسی صفحہ پر مولف مہر منیر لکھتے ہیں

"جب آپ واپس ہونے لگے تو فرمایا مولوی صاحب آپ کی والدہ کا تقاضا ہے کہ آپ واپس وطن تشریف لے چلیں میں نے عرض کی کہ فن قراءت میں کچھ اسباق ایک مغربی قاری صاحب سے لینے ابھی باقی ہیں سند لے کر انشاء اللہ حاضر ہو جاؤں گا آپ نے فرمایا مولوی صاحب کیا ہوا ابراہام نہ پڑھا ابراہیم پڑھ لیا بس اتنا فرمانا تھا کہ میرے دل کی کیفیت بدل گئی اور میں فوراً تیار ہو گیا مغربی استاد محترم نے میرے ارادے کو دیکھ کر فرمایا اچھا میں پڑھتا ہوں آپ سنتے جائیں تاکہ اس طرح قراءت کی تکمیل ہو جائے لہٰذا اس طور سے تکمیل ہوئی"

مذکورہ بالا اقتباس کو پڑھ کر ایک بات فوراً ذہن میں آتی ہے کہ قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ نے قاری غازی صاحب سے ۱۳۰۰ھ میں اپنی آمد ہندوستان کے فوراً بعد استفادہ نہیں کیا بلکہ ۱۳۰۷ھ میں جب قاری غازیؒ حجاز سے گولڑہ واپس آئے تب استفادہ کیا ہے جب کہ آپ مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تدریسی خدمات سرانجام دے رہے ہوں گے۔ نیز ۱۳۰۰ھ میں استفادہ ممکن ہی نہیں کیونکہ اس وقت تک قاری غازی صاحبؒ نے قراءت پڑھی ہی نہ تھی۔

(۳) مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے مدرسہ جامع العلوم کانپور میں جو کہ کانپور کا قدیم ترین مدرسہ تھا۔ علوم دینی اور درس نظامی کی کتب تو بے شک پڑھائی جاتی تھیں لیکن عموماً مدارس میں تجوید و قراءت کے باقاعدہ شعبے وجود میں نہ آئے تھے۔ بلکہ دینی مدراس میں تجوید و قراءت کی طرف توجہ ہی بہت کم تھی۔ انفرادی طور پر تو تجوید و قراءت کا کام ہو رہا تھا لیکن مدارس کی سطح پر نہیں تجوید و قراءت کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سب سے پہلے برصغیرپاک و ہند میں دارالعلوم دیو بند میں شعبہ تجوید کا آغاز ۱۳۲۱ھ بمطابق ۱۹۰۳ء ہوا جس میں ۱۴ جمادی الاول ۱۳۲۱ھ کو حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے شاگرد رشید حضرت قاری عبدالوحید صاحب الہ آبادی کا تقرر عمل میں آیا۔ جبکہ مظاہر العلوم سہارنپور میں شعبہ تجوید کا اجراء ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۴ء میں ہوا۔ تجوید و قراءت کی سب سے عظیم الشان درسگاہ جو برصغیر میں قائم ہوئی وہ حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے شاگرد مولانا قاری عین القضاۃ صاحبؒ کے والد سید وزیر علی ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۱ء نے قائم فرمائی۔ اس لحاظ سے قاری عبدالرحمٰن مکی صاحبؒ جامع العلوم کانپور میں درس نظامی کی تکمیل کرنے آئے تھے تاکہ مزید حصول تعلیم تجوید و قراءت کے لئے۔

اس سلسلے میں صاحب مہر منیر صفحہ نمبر۱۲۶ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"قاری عبداللہؒ کے چھوٹے بھائی قاری عبدالرحمٰنؒ نے بھی مدرسہ صولتیہ میں تعلیم پائی اور وہاں سے واپس ہندوستان آکر کانپور میں قیام فرمایا جہاں مولانا احمد حسن کانپوریؒ کے فرزندان و دیگر مشہور طلباء نے آپ سے علم

تجوید و قراءت حاصل کیا اور بعد میں دیو بند' سہارنپور لکھنؤ وغیرہ کے مدراس میں تجوید کے مشہور اساتذہ لگے۔ گویا ہندوستان کے اکثر قراء انہی برادران کے خوشہ چیں ہیں''

قاری عبداللہ مکیؒ اور قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے ان مضامین کو ترتیب دینے کے لئے درج ذیل کتب سے رجوع کیا گیا۔

(۱) تذکرہ قاریان ہند۔ مولفہ قاری کرنل بسم اللہ بیگ صاحبؒ

(۲) فیضان رحمت (سوانح حضرت قاری عبداللہؒ) مولفہ جناب امداد صابری صاحبؒ

(۳) مہر منیر (سوانح حضرت پیر مہر علی شاہ صاحبؒ) مولفہ مولانا فیض احمد صاحب فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ

(۴) تذکرۃ المصنفین مولفہ مولانا حبیب الرحمٰن خیر آبادی صاحبؒ

(۵) مقدمہ القول الجمیل۔ مولانا حضرت عبدالخالق سہارنپوریؒ کی غیر مطبوعہ تصنیف کا مقدمہ جو کہ معلم الاداء فی الوقف والابتداء مولفہ قاری تقی الاسلام میں موجود ہے۔

(۶) قاری عبداللہ مکیؒ کے حالات زندگی جو کہ قاری حضرۃ استاذ القراء اظہار احمد تھانویؒ نے اپنی کتاب مجموعہ نادرہ میں تحریر فرمائیں ہیں۔

(۷) قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے حالات زندگی جو کہ حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ نے فواید مکیہ معہ تعلیقات مالکیہ کے آغاز میں تحریر فرمائے ہیں۔

(۸) ''ایک غلط فہمی کا ازالہ'' نامی مضمون جو حضرت قاری اظہار احمد تھانوی کا تحریر کردہ ہے اور ان کی کتاب ''شجرۃ الاساتذہ'' میں شامل ہے

(۹) جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان' مولفہ حافظ نذر احمد صاحب

(۱۰) علمائے مظاہر العلوم اور ان کی علمی خدمات مولفہ محمد شاہد سہارنپوری

□□□

امام القراء، شیخ الاساتذہ، ماہر قرآن
حضرت مولانا شیخ المقری محمد عبداللہ مکی قدس سرہ
مدرس اول تجوید و قرآءت مدرسہ صولتیہ مکۃ المکرمۃ

قصبہ قاسم گنج ضلع فرخ آباد (یو۔ پی) میں ایک پٹھان گھرانہ آباد تھا جس کے سربراہ محمد بشیر خان تھے۔ ۱۲۷۲ھ بمطابق ۱۸۵۶ء میں ان کے ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام محمد عبداللہ رکھا گیا۔ یہ بچہ آگے چل کر فخر العرب والعجم، استاذ الکل، استاذ القراء قاری عبداللہ مکی کے نام سے سرزمین حجاز میں مشہور ہوا اور جس کے علوم کا فیض انڈونیشیا، ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، سعودی عرب، سرزمین افریقہ، افغانستان غرضیکہ دنیا کے کونے کونے میں پھیلا۔

ایک سال بعد سرزمین ہند کے عوام نے انگریز غلامی کا جوا گردن سے نکال پھینکنے کے لئے ۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی شروع کی۔ تو محمد بشیر خان نے بھی آزادی کی اس جنگ میں حتی المقدور حصہ لیا اور مجاہدین کو دامے درمے سخنے امداد فراہم کی۔ جنگ ختم ہوئی تو پکڑ دھکڑ اور دار و گیر شروع ہوئی۔ محمد بشیر خان پر بھی جنگ آزادی میں مجاہدین کی مدد کرنے کے جرم میں مقدمہ چلا اور انگریز سرکار نے ان کی ساری جائیداد ضبط کرنے کا حکم جاری کیا۔

جائیداد کی ضبطی کے بعد محمد بشیر خان نے اپنا وطن چھوڑ دیا اور ریاست گوالیار چلے گئے جہاں ان کے بڑے بھائی اور قاری عبداللہ کے تایا ٹھیکیداری کرتے تھے۔ محمد بشیر خان جلد سازی کا کام بہت عمدہ جانتے تھے گوالیار میں انہوں نے اپنے کام کا آغاز کیا۔ ریاست گوالیار میں قیام کے دوران ہی محمد بشیر خان کے دوسرا فرزند پیدا ہوا۔ ۱۲۸۰ھ بمطابق ۱۸۶۴ء میں پیدا ہونے والے اس بچے کا نام محمد عبدالرحمٰن رکھا گیا۔

جنگ آزادی کے بعد انگریزوں کے ظلم و ستم اور استحصال کی بدولت ہند کی سرزمین مسلمانوں کے لئے نہایت تنگ ثابت ہوئی اور اسی وجہ سے بہت سے مسلم معزز گھرانے ترک وطن کر کے سعودی عرب (اس وقت کا حجاز مقدس) اور بعض افریقہ کے ممالک کو نکل گئے۔ انہی پر آشوب حالات میں محمد بشیر خان نے بھی مکہ مکرمہ ہجرت کی ٹھانی ان کے بڑے بھائی نے جب یہ حالت دیکھی تو وہ بھی ساتھ جانے کو تیار ہو گئے اور اپنی وسیع جائیداد اور مکانات

فروخت کر کے ہمراہ ہو لئے۔ سترہ اشخاص (مرد و زن و بچوں) پر مشتمل یہ قافلہ قاری عبداللہ مکی کے تایا کی سرکردگی میں بہت تکالیف اور راہ کے مصائب برداشت کرتا ہوا ۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۷ء میں مکہ مکرمہ پہنچا۔

مکہ مکرمہ میں حرم کعبہ کے نزدیک برما کے ایک فیاض مسلم تاجر کی یادگار رباط برما کے نام سے موجود تھی۔ رباط برما میں اس تمام خاندان کو رہائش کی اجازت مل گئی۔ شروع کے دن بہت ہی سخت اور کٹھن ثابت ہوئے بعد میں قاری عبدالرحمٰن مکی ان ایام کی بابت فرمایا کرتے تھے "ترکوں کی حکومت اس زمانے میں حجاز پر بھی تھی۔ حکومت ترکیہ نے حرم شریف کے قریب ایک لنگر قائم کیا ہوا تھا جہاں سے ایک وقت کا کھانا مہیا کیا جاتا تھا یہ مہاجر خاندان بھی ایک ٹائم کا کھانا وہاں سے لیتا اور دوسرے ٹائم زمزم کے فقط ایک ایک پیالہ پر گذر کرتے تھے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ زمزم بھوکے کو کھانے کا کام دیتا ہے پیاسے کو پیاس کا بیمار کو شفاء کا پیتے وقت جو دعا کی جائے قبول ہوتی ہے) یہ سلسلہ تقریباً چھ ماہ تک جاری رہا"

مکہ مکرمہ آنے کے بعد محمد بشیر خان نے جلد سازی کا کام دوبارہ شروع کر دیا جلد سازی کا سامان وہ اپنے ہمراہ گوالیار سے ہی لے کر گئے تھے جلد ہی وہ ایک اچھے جلد ساز مشہور ہو گئے اس شہرت میں ان کی دیانت و شرافت اور کام کی نفاست جیسے اہم امور باعث ہوئے۔ مکہ مکرمہ میں محمد بشیر خان نے اپنے کام میں کافی ترقی کی۔ مکہ مکرمہ میں آمد کے تین سال بعد ۱۲۸۶ھ بمطابق ۱۸۷۰ء میں محمد بشیر خان کے بڑے بھائی انتقال کر گئے۔ بڑے بھائی کی وفات کے بعد ان کی بیوہ اور بچوں، اپنی بیوہ بہن اور ان کے بچوں نیز اپنے بیوی بچوں تمام کی کفالت کی ذمہ داری محمد بشیر خان کے کندھوں پر آگئی۔

اسی اثناء میں محمد بشیر خان کے تیسرے فرزند پیدا ہوئے جن کا نام محمد حبیب الرحمٰن رکھا گیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد بہت سے نامور علماء و شیوخ عظام بھی ہندوستان سے مکہ مکرمہ ہجرت کر آئے تھے جن میں شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور رئیس المناظرین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ ثم مہاجر مکی جیسے اکابر شامل تھے۔ محمد بشیر خان کے ان دونوں حضرات کے ساتھ بہت قریبی تعلقات تھے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ کے تعاون سے ہی محمد بشیر خان کو مکہ مکرمہ میں جلد سازی کا کام شروع کرنے کی اجازت ملی تھی۔

حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ نے محمد بشیر خان کو مشورہ دیا کہ وہ اپنے تینوں صاحبزادوں کو علوم دینی کے حصول کے لئے وقف کر دیں۔ محمد بشیر خان نے یہ مشورہ قبول کرتے ہوئے اپنے تینوں بیٹوں کو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ کی آغوش تربیت میں دے دیا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ مہاجر مکی نے ان بچوں کو حفظ قرآن کے لئے حرم میں قاری عبدالقادر صاحب مدراسیؒ کے سپرد کیا قاری عبدالقادر صاحبؒ جامعہ ازہر مصر سے تجوید و قرآءت کے فنون کی تکمیل کر کے آئے تھے اور ایک

ماہر اور کامل الفن استاذ مانے جاتے تھے۔ حفظ قرآن پاک کے علاوہ بچوں نے مصری اور عربی لہجوں کی مشق بھی حضرت قاری عبدالقادر مدراسی صاحبؒ سے کی۔

۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۴ء میں مصر کے مشہور قاری ابراہیم سعد بن علی مصری الشافعیؒ مکہ مکرمہ تشریف لے آئے۔ حضرت قاری ابراہیم سعدؒ قاری حسن بدیرؒ کے شاگرد تھے اور قاری حسن بدیرؒ خاتمۃ القراء علامہ شمس متولیؒ کے شاگرد تھے۔ مکہ تشریف لانے کے بعد قاری ابراہیم سعدؒ نے حرم مکہ میں پڑھانا شروع کر دیا محمد بشیر خان اور ان کی اہلیہ کے یکے بعد دیگرے انتقال کے بعد ان کے تینوں بچے اب حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ کے سایہ عاطفت میں آگئے تھے۔

قاری ابراہیم سعد مصریؒ کے ساتھ حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ کے بہت قریبی تعلقات قائم ہو گئے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ نے مناسب خیال کیا کہ قاری عبداللہ کو قاری ابراہیم سعد مصریؒ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ قاری عبداللہ تجوید و قراءت کی تکمیل کر سکیں۔

۱۲۹۲ھ بمطابق ۱۸۷۶ء میں حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے مشورہ پر حرم مکہ میں مدرسہ صولتیہ کا قیام عمل میں آیا یہ مدرسہ حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ نے بھوپال کی بیگم صولت النساء کی امداد سے شروع کیا اور مدرسے کا نام بھی بیگم صولت النساء کے نام کی وجہ سے مدرسہ صولتیہ رکھا گیا۔

حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ نے قاری ابراہیم سعدؒ سے درخواست کی کہ وہ مدرسہ صولتیہ میں مسند علوم قراءت کو رونق بخشیں۔ قاری ابراہیم سعدؒ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور مدرسہ صولتیہ کے قیام کی افتتاحی تقریب کا آغاز بھی حضرت قاری ابراہیم سعدؒ کی تلاوت سے ہوا۔

حضرت قاری ابراہیم سعد صاحبؒ اس زمانہ میں حجاز مقدس میں اپنے فن کے امام شمار ہوتے تھے۔ مدرسہ صولتیہ کے قیام کے بعد قاری ابراہیم سعدؒ درس و تدریس میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف رہتے تھے۔ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں بہ مشکل دو تین گھنٹے آرام فرماتے بقایا اکیس گھنٹے تعلیم قرآن کی عظیم خدمت ہی آپ کا کام تھا۔ تہجد کے وقت اپنے بہت محبوب اور خاص شاگردوں مثلاً حضرت قاری عبداللہ مکیؒ اور حضرت قاری سبحان اللہؒ جیسے اجل شاگردوں پر خصوصی توجہ ہوتی حضرت قاری ابراہیم سعدؒ نے قیام صولتیہ کے دوران ہی بعمر ستر سال انتقال فرمایا اور اپنے پیچھے ایک فرزند محمد چھوڑا۔ مکہ کے مشہور قبرستان جنت المعلی میں انہیں دفن کیا گیا۔ رحمتہ اللہ تعالی علیہ

مدرسہ صولتیہ کے پہلے فارغ التحصیل ہونے والے طالب علم حضرت قاری عبداللہ مکیؒ تھے۔ علوم قراءت عشرہ کی تکمیل اپنے استاذ محترم سے کرنے کے بعد قاری عبداللہ مکیؒ اپنے استاذ کے نائب مقرر ہوئے اور حضرت قاری ابراہیم سعدؒ کی رحلت کے بعد آپ ہی مدرسہ صولتیہ کے صدر مدرس مقرر ہوئے۔ حرم شریف میں ماہ رمضان کے

دوران جا بجا حفاظ اور قراء تراویح میں قرآن سناتے تھے۔ قاری عبداللہ مکیؒ باب العمرہ کے حصہ میں قرآن سناتے اور سب سے زیادہ سامعین کا ہجوم بھی حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے پیچھے ہی ہوتا آپ کی تلاوت سماعت کرنے والوں میں حضرت استاذ قاری ابراہیم سعدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ، دیگر علماء اور مدرسین مدارس حرم کا ہجوم ہوتا۔ ان کے علاوہ سرکاری عمائدین کی ایک بڑی تعداد بھی حضرت قاری عبداللہ مکی کے پیچھے تراویح پڑھتی جن میں اکثر شریف حسین والی مکہ جیسے لوگ بھی شامل ہوتے۔ حضرت قاری ابراہیم سعدؒ کو اپنے ہونہار شاگرد پر بہت فخر تھا ایک مرتبہ کسی نے ان سے عرض کیا حضرت! شاید حجاز میں تو کوئی قاری، قاری عبداللہ مکیؒ کے مرتبہ کا نہ ہوگا تو شیخ محترم نے فرمایا نہ صرف حجاز میں بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کے مرتبہ کا کوئی نہیں۔

حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے بچپن میں چیچک نکلی تھی جس کی وجہ سے ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی آپ کا رنگ گندمی تھا۔ قد اور جسم درمیانہ اور آنکھیں چھوٹی تھی۔ بہت ادبی شخصیت تھے۔ عربی لغت پر مکمل عبور تھا اہل زبان لوگوں کی طرح بولتے اردو بھی نستعلیق بولتے گفتگو کے دوران عربی فارسی اور اردو کے اشعار استعمال کرتے عربی کے مشہور شعراء کے اشعار خوب یاد تھے۔ قدیم اور جدید دور کے شعراء کا تقابل کیا کرتے اور فرماتے کہ قدیم شعراء کی زبان بہت جاندار اور طرز بیان بہت لطیف ہوتا ہے۔ نہایت سفید براق جیسے کپڑے پہنتے گرمیوں میں ململ کا کرتہ زیب تن کرتے عام دنوں میں عمامہ اور جبہ استعمال فرماتے۔ حضرت قاری عبداللہ پان کھانے کے شوقین تھے۔ اصلی دانت ٹوٹ گئے تھے اس لئے نقلی دانت بنوائے۔ اسی وجہ سے پان میں چھالیہ استعمال نہیں کرتے تھے اور پان بھی کوٹ کر کھایا کرتے تھے چائے بھی پیتے بلکہ بغیر دودھ کی چائے کو پسند فرماتے تھے۔ چائے کی کیتلی ہمہ وقت قریب رکھی رہتی اور جب دل کرتا چائے کپ میں انڈیل کر نوش فرماتے۔ شریر لڑکوں کو یا وہ شاگرد جن کو سبق یاد نہ ہوتا پٹائی کر دیا کرتے۔ جو لڑکے حضرت قاری عبداللہ مکیؒ سے زیادہ پٹے وہ بعدازاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اور بہت عمدہ قاری ہوئے۔

آپ کی آواز بہت ہی دلکش تھی جب پڑھتے تو سننے والوں کا ہجوم ہو جاتا ایک مرتبہ جدہ میں اپنے ایک دوست کی دکان پر تشریف لے گئے اس نے تلاوت سنانے کے لئے اصرار کیا آپ نے تلاوت فرمانی شروع کی تو ایک ہندو بھیڑ چیرتا ہوا آیا اور کہا جناب مجھے مسلمان کر لیجئے۔ چنانچہ حضرت قاری صاحبؒ نے بعد میں اسے مسلمان کر لیا۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان العظیم یہ ہے تاثیر قرآن۔

۱۳۲۵ھ بمطابق ۱۹۰۷ء میں مدرسہ صولتیہ کا سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو اس میں حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ اور چند طلباء کے لئے ایک مختصر مگر خوبصورت اسٹیج بیٹھنے کے لئے بنایا گیا۔ جب قاری صاحبؒ کی تلاوت کی باری آئی تو قبل اس کے کہ حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ تلاوت کرتے سامعین میں سے کسی نے کہا ایسے پاک نفس اور نیک دل لوگوں کا اجتماع ہے تو یہ جگہ خوشبو سے خالی نہیں ہونی چاہئے۔ فوراً خوشبو کا انتظام کیا گیا اور ان معطر

فضاؤں میں حضرت قاری عبداللہ مکی نے سبعہ میں چند آیات تلاوت فرمائیں انداز اس قدر دلکش کہ مجمع دم بخود رہ گیا۔ اختلاف قرآءت کو نہایت خوبی اور مہارت سے واضح کیا جیسے ایک استاد کامل اور ماہر فن قرآءت کو کرنا چاہیئے۔

ایک مرتبہ قاری عبداللہ کسی جنازے کے ساتھ جنت المعلی تشریف لے گئے واپسی میں قبرستان کے نزدیکی قہوہ خانے میں چائے پینے گئے۔ چائے پی کر باہر نکلے تو ایک بدکا ہوا اونٹ آیا اور آپ کو گراتا ہوا آپ کے جسم پر پاؤں رکھتا ہوا چلا گیا۔ اس حادثہ میں قاری عبداللہ مکیؒ صاحب شدید زخمی ہوئے بلکہ لوگوں کی آراء تو اس حد تک ہوئیں کہ چوٹیں بہت شدید ہیں جانبر ہونے کی امید نہیں۔ قاری عبداللہ صاحب تک یہ باتیں پہنچیں تو فرمانے لگے۔ خدا نے چاہا تو میں جلد صحت یاب ہو جاؤں گا۔ جن لوگوں کو اللہ نے مجھ سے قاری بنانا ہے وہ میرے سے ضرور فیض یاب ہو کر قاری بنیں گے اور یہی الحمدللہ ہوا بھی تقریباً ڈیڑھ مہینہ کے علاج معالجے کے بعد آپ بالکل تندرست ہو گئے۔ لوگوں نے اونٹ والے کے خلاف قانونی کاروائی کرنے کا مشورہ دیا لیکن آپ نے فرمایا میں اس کو معاف کرتا ہوں کیونکہ میرے رب نے معاف کرنے والوں کے لئے بڑے مراتب کا وعدہ فرمایا ہے۔

ایک مرتبہ فرمانروائے بھوپال نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ کے منجھلے صاحبزادے جرنل عبیداللہ خاں مکہ مکرمہ آئے۔ جرنل صاحب حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے مایہ ناز شاگرد قاری محمد سلیمان بھوپالی کے شاگرد تھے۔ جرنل صاحب نے بھوپال میں قاری سلیمان بھوپالیؒ سے قرآن پڑھا تھا۔ استاذ کے استاذ سے اخلاص و تعلق کا ہونا شرافت نفسی اور علم نوازی کا لازمی جز ہے اسی بنا پر جرنل صاحب حضرت قاری عبداللہ مکی سے ملنے کے لئے آئے۔ ملاقات کے دوران نواب سلطان جہاں بیگم مرحومہ اور جرنل عبیداللہ خاںؒ نے حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ سے درخواست کی کہ وہ بمعہ متعلقین سرکار عالیہ، مکہ مکرمہ سے بھوپال آجائیں۔ پرکشش تنخواہ اور دیگر دنیوی اعزازات اور راحتیں یقیناً بھوپال میں آپ کے لئے موجود ہوتی۔ لیکن حضرت قاری عبداللہ مکیؒ نے بڑے استغنا اور بے نیازی کے ساتھ جرنل صاحب کی اس خواہش کو پورا کرنے سے معذوری کا اظہار کیا۔ قرآن کی عظمت اور ہیبت کا حضرت قاری عبداللہ مکیؒ بہت خیال رکھتے۔ مولوی سمیع اللہ خان سی۔ ایم۔ جی علی گڑھ کی ایک مشہور و معروف شخصیت تھے۔ بغرض حج بیت اللہ مکہ مکرمہ حاضر ہوئے تو حضرت قاری عبداللہ مکی صاحب سے بھی شرف ملاقات حاصل ہوا آپ سے کلام پاک سنا تو باوجود دنیوی ظاہری عزت و اعتبار کے اپنی دلی خواہش کا اظہار کیا کہ بعد نماز عصر جب مدرسہ میں چھٹی ہو جائے تو مکان کو تشریف لے جاتے ہوئے میرے مکان پر جو راستے میں ہے ٹھہر کر ایک سورۃ پارہ عم کی مشق کرا دیا کریں۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب مزکور نے عام قراء اور حفاظ کی عادات پر معمول کرتے ہوئے حضرت قاری عبداللہ مکیؒ صاحب کو بھی کچھ پیشکش اور نذرانے کا کنایتہ تذکرہ کر دیا جو وہ پیش کرنا چاہتے تھے۔ قاری صاحب نے اس گفتگو کو سن کر دل سے آہ آمیز لہجہ میں مولوی سمیع اللہ خان کو فرمایا۔ آپ کلام پاک کی تصحیح کرنا

چاہتے ہیں جو بہت مبارک خیال ہے یہ اللہ کا کلام ہے اگر آپ کے مکان پر آکر پڑھاؤں گا تو قطع نظر اس بات کے کہ آپ کو کچھ فائدہ پہنچے اور آپ سیکھ لیں۔ کلام پاک کی توہین کا باعث بنوں گا اگر آپ واقعی کچھ سیکھنا چاہتے ہیں اور کلام ربانی کی کچھ قدر و منزلت آپ کے دل میں ہے تو اوقات مدرسہ میں تشریف لایا کیجئے میں خدمت کے لئے اور جو کچھ مجھے آتا ہے بتانے کے لئے حاضر ہوں۔

قاری عبداللہ مکی صاحب کے درس و تدریس کے اوقات حیرت انگیز تھے خدمت قرآن میں اس حد تک منہمک اور مشغولیت تھی کہ مشکل سے ۲۴ گھنٹوں میں تقریباً چار گھنٹے سوتے ہوں گے۔ بقایا ۱۹۔۲۰ گھنٹے تجوید و قرآءت کی خدمت ہی معمول تھا۔ سونے کے دوران بھی زبان سے قرآن شریف کی آیات ہی نکلتی تھی ایسا لگتا جیسے آپ کسی شاگرد کو اصلاح دے رہے ہیں۔ قاری عبداللہ مکی نے مدرسہ صولتیہ کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا اپنی تمام عمر مدرسہ صولتیہ کی چار دیواری میں ہی گزار دی۔ چالیس سال کی عظیم خدمت کرنے کے بعد آپ مدرسہ صولتیہ سے اسی وقت نکلے جب آپ کا انتقال ہوگیا۔ اس چالیس سالہ دور میں ایسے ایسے نامور شاگرد بنائے جو کہ خود آگے چل کر بڑے عظیم الشان اساتذہ بنے اور قرآن مجید کی تعلیم کے لئے ہمہ تن مصروف رہتے۔

ایک مرتبہ حرم شریف میں دو بخاری قرآن مجید ہاتھ میں لئے بیٹھے تھے ایک دوسرے سے بار بار دونوں یہی کہہ رہے تھے کہ تم پڑھو دوسرا کہتا نہیں تم پڑھو۔ دراصل دونوں کو ہی قرآن پڑھنا نہیں آتا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ وہاں سے گذرے آپ نے ان دونوں آدمیوں کی گفتگو سنی تو فرمایا کیوں لڑتے ہو قرآن پڑھنا نہیں آتا تو قرآن پڑھنا سیکھو اس کے بعد دونوں کو مدرسہ صولتیہ کا پتہ دیا اور فرمایا کہ وہاں آجاؤ یہ دونوں اشخاص مدرسہ صولتیہ میں حضرت قاری عبداللہ مکیؒ سے پڑھنے کے واسطے آنے لگے اور حضرت قاری عبداللہ مکی نے ان ہیروں کو تراش کر ایک نئی چمک دمک سے نوازا۔ ان میں سے ایک حجاز کے مشہور قاری ”قاری بلد“ تھے

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ جب حج بیت اللہ کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لائے تو تجوید و قرآءت کی تعلیم کے حصول کے لئے مدرسہ صولتیہ میں حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ سے بھی استفادہ کیا۔ مشق و ریاض سے تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی استعداد ایسی عمدہ ہو گئی کہ لب و لہجہ اور ادائیگی میں اپنے استاذ کے بالکل مثل اور مشابہ ہو گئے۔ لہٰذا جب حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ مدرسہ صولتیہ کی بالائی منزل پہ حضرت مولانا کو مشق کراتے تو نیچے منزل میں سننے والے یہ تمیز نہ کر سکتے تھے کہ اس وقت استاد پڑھ رہا ہے یا شاگرد۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ اپنے استاذ کا بہت ادب احترام سے ذکر فرماتے۔ سند میں ان کے متعلق استاذ الکل اور استاد الجمل جیسے الفاظ تحریر فرماتے تھے۔ حضرت قاری عبداللہ کے چار صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔

پہلے صاحبزادے شیخ قاری احمدؒ ۱۳۰۹ھ بمطابق ۱۸۹۲ء پیدا ہوئے اور ۱۳۵۹ھ بمطابق ۱۹۴۱ء عمر پچاس سال وفات ہوئی دوسرے صاحبزادے شیخ قاری حامدؒ ۱۳۱۴ھ بمطابق ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے اور ۳ ربیع الاول ۱۳۹۶ھ بروز بدھ بمطابق ۱۹۷۶ء وفات ہوئی جنت المعلی میں دفن کیے گئے۔ عمر بیاسی سال ہوئی۔ تیسرے صاحبزادے شیخ قاری محمود ۱۳۲۰ھ بمطابق ۱۹۰۳ء پیدا ہوئے اور ۷ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ بروز جمعتہ المبارک بمطابق ۱۹۷۷ء میں وفات ہوئی جنت المعلی میں دفن کیے گئے۔ عمر ستتر سال ہوئی۔ چوتھے صاحبزادے الشیخ سراج قاری جو سب میں چھوٹے تھے اپنے والد حضرت قاری عبداللہ مکیؒ کے وصال کے بعد نو عمری میں اپنے چچا حضرت قاری عبدالرحمٰن مکیؒ کے پاس آگئے تھے اور حضرت قاری عبدالرحمٰن کے انتقال کے بعد چند سال زندہ رہے پھر بعارضہ تپ دق کچھ روز علیل رہ کر تقریباً بیس سال کی عمر میں لکھنؤ میں انتقال کیا اور وہیں پہ مدفون ہیں۔ حضرت قاری عبداللہ صاحبؒ کی صاحبزادی حضرت قاری محمود بیگؒ سے بیاہی گئیں۔ تمام صاحبزادگان اور داماد نے حضرت قاری عبداللہ مکی صاحبؒ سے استفادہ کیا اور جید قاری بنے۔

حضرت قاری عبداللہ مکیؒ نے ۲۵ شوال ۱۳۳۷ھ بروز منگل بمطابق ۲۳ جون ۱۹۱۹ء انتقال فرمایا۔ مکہ کے مشہور قبرستان جنت المعلی میں آپ کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی مہاجر مکیؒ کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا۔ عمر بحساب ہجری پینسٹھ برس اور بحساب عیسوی باسٹھ برس ہوئی۔

آپ کے تلامذہ کی تعداد سینکڑوں میں ہے ان میں سے چیدہ چیدہ درج ذیل ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا قاری اشرف علی تھانویؒ، حضرت قاری عبدالخالق سہارنپوریؒ، حضرت قاری عبدالمالک علی گڑھیؒ، حضرت قاری محمد سلیمان بھوپالیؒ، حضرت قاری سید محمد علی نواکھالیؒ، قاری محمد عمر تھانویؒ، قاری محمد سلیمؒ، مہتمم مدرسہ صوتیہ، حضرت قاری محمد رفیع دہلویؒ

ان کے علاوہ آپ کے دونوں برادران اصغر حضرات مولانا قاری عبدالرحمٰن مکیؒ الہ آبادی اور حضرت قاری حبیب الرحمٰن مکیؒ نے بھی علوم تجوید و قرآءت (بشمول قرآءت سبعہ و قرآءت عشرہ) حضرت قاری عبداللہ مکیؒ سے ہی حاصل کیے۔

❑❑❑

حضرت مولانا اسعد اللہ شاہ صاحب استاذ مظاہر العلوم سہارنپور کے خطوط بنام حضرۃ مولانا قاری اظہار احمد تھانوی

مظاہر علوم سہارنپور　　　　　　۲۱ رمضان ۶۵ھ

مولوی صاحب وعلیکم السلام، مسرت نامہ سے دل و دماغ کو فرحت میسر ہوئی ہمشیرہ کی شادی کے بخیر و خوبی انجام پانے کے لئے دعا کرتا ہوں۔ چار انار پہنچے شکریہ۔ جزاک اللہ وانار اللہ حیاتک

اظہار کے خلوص کی برہان ہیں انار　　قلبی توجہات کی پہچان ہیں انار
سامان تقویت ہیں دل و روح کے لئے　　بے جان و غمزدہ کے لئے جان ہیں انار
آئینہ دار الفت ظاہر ہیں بیگمان　　پنہاں تعلقات کا اعلان ہیں انار
ظاہر ہے دانہ دانہ میں رنگ وفا و مہر　　افسانہ و داد کا عنوان ہیں انار
وجہ سکوں ہیں اسعد بیتاب کے لئے　　رنگینی حیات کا ساماں ہیں انار

اس حسرت نامہ سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ خدا نخواستہ رمضان میں آنے کا ارادہ زیر غور ہو گیا ہے۔ فقط والسلام

راقم نامہ / اسعد آپ کا

مظاہر علوم سہارنپور　　　　　　۱۰ رمضان ۶۶ھ منگل

مولانا وعلیکم السلام "اسراف بیجا" اور "تبذیر" شایان شان گرامی نہیں ہے۔ پہلے اجمالا و کنایتہ لکھ چکا ہوں اب تفصیلا" و صراحتہ لکھتا ہوں

آئیں ما است مند چو آئینہ داشتن
کفر است در طریقت ماکینہ داشتن

میں خلوص قلب سے جناب والدہ صاحبہ محترمہ کا ممنون ہوں۔ سلام فرزندانہ عرض کرتا ہوں اور طالب دعا ہوں، نیز تعمیل ارشاد میں دعا کرتا ہوں اب اس سلسلہ میں جناب کو مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں۔

فقط

محمد اسعد اللہ

مظاہر علوم سہارنپور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　۱۵ شوال ۶۵ھ

مجمع الحسنات والالطاف، مولانا صاحب و علیکم السلام عنایت نامہ پر بہار مسرتوں کی دنیا کو اپنے دامن مضمون میں چھپائے ہوئے عزت بخش ہوا زبان تشکر لال ہے ناسازی طبع سے فکر ہے شافی مطلق، جلد صحت کاملہ مستمرہ عطا فرمائے میری طبیعت بھی قدرے ناساز ہے، جب تک جناب کو اپنی صحت کی جانب سے پورا اطمینان نہ ہو، سہارنپور تشریف نہ لائیں یہاں علاج و پرہیز کی وہ سہولتیں میسر نہ ہو سکیں گی جو وہاں ہیں میں جسارت اظہار محبت کے لئے شکر گزار ہوں۔

فقط

محمد اسعد اللہ

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　۲۲ شعبان ۶۵ ھ

مولائی محترم زید فضلکم و علیکم السلام! یاد فرمائی اور التفات کا کس قلم سے شکریہ لکھوں میرے دل میں آپ کے اس افسوس کی کافی قدر ہے جو وقت روانگی اچھی طرح ملاقات نہ ہونے سے پیدا ہوا ہے۔ کیا بعید ہے کہ مستقبل میں یہ "افسوس" مستر مقاصد و مکمل تمنا ہو جائے محی الدین صاحب وغیرہ سب کے سب ایک ایک کر کے رخصت ہو چکے ہیں اب میں ہوں اور گوشہ تنہائی کی وحشت افزائیاں لیکن۔

رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑی مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مولوی الطاف صاحب سلام کہتے ہیں۔

آپ کا اسعد

مظاہر علوم سہارنپور　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　بعد نماز جمعہ ۱۱ رمضان ۶۵ھ

سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا القاب لکھوں، و علیکم السلام ورحمتہ اللہ آپ کی خیریت کی خبر قمیص یوسف علیہ السلام ثابت ہوئی آپ کا مجھ کو یاد فرمانا۔ میری عزت بڑھانا ہے بدل و جان ممنون اور بظاہر و باطن شکر گزار ہوں مدتوں سے مولوی طاہر صاحب نے بھی آپ ہی کی تقلید شروع فرما دی ہے نہ پیامے نہ سلامے، نہ قاصدے نہ مرغ نامہ برے۔ جو مضمون آپ نے ان کو تحریر فرمایا اس کا نتیجہ یہ نہ ہو۔

کچھ ہم کھچے کھچے رہے کچھ وہ کھچے کھچے

اس کش مکش میں ٹوٹ گیا رشتہ چاہ کا

میں اچھا ہوں لیکن ایسا ہی اچھا جیسا کہ ایک بچہ۔ جب آدمی ان حالات میں اچھا ہو سکتا ہے جو مجھ کو لاحق ہیں جنہیں آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں اور جاننا چاہئے کون یاد آتا ہے۔ کیوں یاد آتا ہے۔ کب یاد آتا ہے۔ کون یاد کرتا ہے' کیوں یاد کرتا ہے کب یاد کرتا ہے۔ یہ سوالات فضول ہیں اور ان کے جوابات ان سے زیادہ فضول تر زمانہ رخصت کی بیگانگی کافی عبرت آموز ہے۔

آپ کا اسعد

مظاہر علوم سہارنپور ۲۸ رمضان ۶۶ھ

حضرت مولانا صاحب وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ۔ ناسازی طبع مبارک سے افسوس ہوا' دعائے صحت کرتا ہوں۔ مخدومہ محترمہ جناب والدہ صاحبہ کی خدمت میں فرزندانہ سلام پیش کرتا ہوں میں جناب موصوفہ اور جناب کی دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں

فقط نیاز مند

محمد اسعد اللہ

مظاہر علوم سہارنپور ۲۲ شوال ۶۷ھ ۴۸-۸-۲۸ شنبہ

مولانا المکرم زید مجدکم وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ! یاد فرمائی کے لئے ممنون ہوں جناب کا مرسلہ دس روپے کا منی آرڈر غالباً" اوائل شوال میں آیا تھا۔ آپ نے مجھ کو بہت محجوب فرمایا۔ میں علم و فضل اور حسن عمل میں نہیں لیکن عمر میں آپ سے بڑا ہوں میرا فرض ہے کہ میں کچھ خدمت کروں اور خدمت نہ کروں تو اپنی کوتاہی پر متاسف ہوں۔ مجھ کو یہ حق ہرگز نہیں کہ موجودہ حالات میں آپ کے ہدایا قبول کروں آپ خود پریشانی کے عالم میں ہیں نیز اس وقت آپ کی اعانت کے آپ کے والدین ماجدین مدت ظلا لیہما زیادہ حق دار ہیں۔ بہرحال اختصار کے ساتھ یہی عذر لکھ کر منی آرڈر واپس کرایا تھا۔ غالباً" اب مل گیا ہو گا۔ آپ ڈاک خانہ سے معلوم کریں۔ میں آپ کے عنایت و التفات کا ممنون ہوں اور قدیم کرم فرمایوں کی بناء پر یقین ہے کہ آپ میری اس جرات پر ناراض نہ ہوں گے۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب سہارنپور ہی تشریف فرما ہیں۔ مجھے آپ کی دعاؤں کی زیادہ ضرورت ہے۔ اب آپ کا کیا مشغلہ ہے؟ شادی کب تک؟ تھانہ بھون کا قصہ کب تک؟ آمدنی کتنی طعام و قیام کا کیا انتظام ہے' کوئی امتحان دے لیجئے تو غالباً" مفید ہو' مولانا خلیق صاحب کہاں؟ ان سے اور جملہ احباب سے سلام' الطاف صاحب و انعام الرحمٰن صاحب سلام

کہتے ہیں بعد میں بیرنگ ہونے کا خیال ہوا اب نقل کی ہمت نہیں معاف فرمائیں۔

محمد اسعد اللہ

اس منی آرڈر کے واپس کرنے پر حضرۃ قاری صاحبؒ نے استاذ گرامی حضرۃ مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کو خط تحریر کیا جس کے اوپر ہی استاذ گرامی نے جواب تحریر فرما کر واپس فرمایا اولاً حضرۃ قاری صاحبؒ کا عریضہ اور ثانیا حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ کا جواب نقل کیا جائے گا۔

مقدس مسجد پرانی انار کلی　　　　لاہور ۴ اکتوبر ۴۸ء

حضرت قبلہ محترمی السامی استاذی المفضال زید مجدہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! تقریباً ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ جناب کا مرسلہ گرامی نامہ ملا تھا مگر اس عرصہ میں کچھ ایسا غیر مطمئن سا رہا کہ پورا ستمبر قاصر القلمی میں گزرا گھر بھی صرف ایک خط لکھ سکا میرے ناچیز دس روپیہ جناب والا نے ٹھکرا دیئے اپنی حرماں نصیبی کو کن الفاظ سے تعبیر کروں؟ حضرت والا کو غالباً" یقین نہ آئے یہ الفاظ لکھ رہا ہوں اور آنکھوں میں آنسو بھرے ہیں جناب کے وہ الفاظ مجھے خوب یاد ہیں جن میں کئی مرتبہ مجھ سے وعدہ لیا گیا کہ "اظہار مجھے بھلاؤ گے نہیں"

منی آرڈر کی واپسی سچ یہ ہے کہ میرے غرور کی شکست ہے میں سمجھتا تھا کہ مظاہر علوم میں ایک باقاعدہ چار سالہ "ایازی زندگی" گزارنے کا مجھے فخر حاصل ہے، لیکن "ایاز قدر خود بشناس" کا مفہوم تازیانہ ثابت ہوا' میں نے گھر پچاس روپے کا منی آرڈر کیا تھا دل نے کس طرح گوارا نہ کیا کہ جناب سے کوئی سعادت حاصل کئے بغیر رہوں' میرے ان الفاظ کو حضرت والا بے ادبی پر نہ محمول کریں بلکہ جناب کو اپنا سمجھتا ہوا لڑ رہا ہوں۔

"یاد ایام ماضیہ" سخت دل بنی ہوئی ہے اس ملک کو باوجود وسعتوں کے قفس محسوس کر رہا ہوں۔

لکھنؤ سے مولوی عبدالباری صاحب ندوی اور مولوی ابرار الحق صاحب آئے ہوئے تھے کل مولوی ابرار صاحب بذریعہ ہوائی جہاز دہلی روانہ ہوئے ہیں مولوی عبدالباری صاحب ابھی مولوی محمد حسن صاحب امرتسری مہتمم "جامعہ اشرفیہ" کے مہمان ہیں اگلے ہفتہ غالباً" جائیں گے۔

میں جب لاہور آیا تھا تو ساتھ بہن اور بہنوئی بھی آئے تھے ہم سب ایک ہی جگہ رہتے ہیں طعام و قیام کی طرف سے بحمد للہ بالکل مطمئن ہوں جناب والا کی دعاؤں سے گذشتہ مہینہ سے آمدنی ۹۰ روپے ماہوار ہو گئی ہے ۶' ۷ گھنٹہ دفتر روزنامہ "انقلاب" میں وقت صرف ہوتا ہے اور دو گھنٹہ جامعہ اشرفیہ میں پڑھاتا ہوں۔

"تیلی کے بیل" کی طرح کسی وقت فرصت نہیں۔

ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں

جناب کے عنایت نامے اس قدر جامع مانع ہوتے ہیں کہ انہیں کئی کئی مرتبہ پڑھتا ہوں اور ضائع نہیں ہونے دیتا' جی چاہتا ہے کہ یہ کثرت سے میرے پاس ہوں۔ تھانہ بھون آنے کا فی الحال کوئی خیال نہیں' پرمٹ کی وجہ سے آنا جانا بہت دشوار ہوگیا ہے بالخصوص مستقل طور پر آنے کی صورت میں دوسرے ہوائی جہاز کا کرایہ بہت کافی ہے یعنی لاہور سے تا دہلی ہیں اچھا ہے جب تک لذت "یاران وطن" باقی رہے۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

غالب کی یہ پوری غزل میرے لذت غم کا مرقع ہے۔

عنایت نامہ کے آخر میں جناب والا نے بہت سے سوال کر ڈالے ہیں اور بڑا دلچسپ سوال "شادی کب تک؟" کا ہے' اس کا جواب سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ یہ ہنگامہ آرائی تھانہ بھون آنے پر موقوف ہے اور وہ ابھی موہوم ہے خدا جانے زندگی کے ادوار میں یہ دور "احرام جدید" کب ہو گا' بھائی خلیق صاحب لاہور ہی میں ہیں اپنے خالو حکیم مسعود صاحب کے ساتھ "کھڈی" کے کام میں مصروف ہیں تقریباً روزانہ ملاقات ہوتی ہے کل میں نے جناب کو خط روانہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو بہت بہت سلام عرض کر گئے اور ساتھ ہی دعائے بزرگانہ کی درخواست' ان کے والدین سیالکوٹ ہیں۔

مدرسہ کا کیا حال ہے؟ جناب والا خدا کرے صحت و عافیت کی طرف سے بالکل مطمئن ہوں۔ جناب والا کی ضعیفی کا زمانہ ہے صحت کی طرف سے غفلت نہ فرمائیں' مقویات کا استعمال رکھیں۔

جناب کو خط لکھنے بیٹھتا ہوں تو ختم کرنے کو جی نہیں چاہتا ہے لیکن جناب کی درد سری کا خیال ہے۔ جمیع احباب بالخصوص میاں محمد اللہ و مولوی انعام الرحمٰن صاحب کی خدمت میں جواباً" سلام عرض ہے بھائی الطاف صاحب کی خدمت میں بجائے سلام کے عرض ہے۔

او تغافل شعار بے پروا
بھول جانا ہمارا یاد رہے

جواب کے لئے وہی لفافہ حاضر ہے جو کبھی واپس ہو گیا تھا' ڈاکخانہ سے معلوم کیا ہے پاکستان کے لفافے' کارڈ پاکستان ہ سے روانہ کرنے سے بیرنگ نہیں ہوتے لفافہ پر اپنے نام کے ساتھ جناب کے لکھے ہوئے الفاظ نہیں کاٹے' کیونکہ ایک طرح کا رسمی تصنع ہو گا بھلا ان الفاظ کو جو "زیب نام" ہیں حرف غلط کیسے سمجھ لوں (ان الفاظ میں میں اپنی ایک طرح سے تعریف کر رہا ہوں' معذرت خواہ ہوں)

والسلام مع الاکرام
دیرینہ خادم اظہار بلڈنگ نمبر۱۰ لاہور

خط بالا کے ہی مختلف مواقع پر جوابی الفاظ تحریر ہیں لہٰذا حسب حال نمبر لگا کر جواب نقل کیا جاتا ہے۔

۱۔ از مظاہر علوم سہارنپور ۷ اکتوبر ۴۸ء

محترمی و مکرمی جناب مولانا صاحب

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاۃ

مزاج گرامی! یاد فرمائی کہ دلی شکریہ قبول فرمائیں بے حد ممنون اور بہت بہت شکر گزار ہوں

۲۔ خدا کرے اطمینان کلی حاصل ہو۔

۳۔ آپ نے بہت سخت تعبیر کی۔ مگر مری عادت آپ کے معاملہ میں بہت صبرو تحمل کی رہی ہے لہٰذا اب بس ہے۔ میں نے اپنا عذر صاف اور واضح طور سے لکھ دیا تھا لیکن افسوس کہ آپ نے قبول نہ فرمایا مگر میں اب بھی یہ عقیدہ رکھتا ہوں۔

خطا نمودہ رم ز چشم آفریں دارم (نظیری)

۴۔ آپ اس کو حرماں نصیبی فرماتے ہیں میرے خیال میں تو مسرور ہونا چاہئے کہ اسعد آپ سے کس قدر تعلق رکھتا ہے اور آپ سے کس قدر بے تعلق ہے جو حقیقت تھی صاف صاف عرض کر دی گئی تھی۔

۵۔ کیا ایسی تعبیر میں کوئی کسر رہ گئی ہے جس کی تکمیل کی ضرورت ہے؟

۶۔ مجھے دلی افسوس ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ مجھ سے بدگمانی ہے۔

۷۔ اب آپ فرمائیں کہ آپ نے مجھے بھلایا تو نہیں ہے؟

۸۔ نہیں ہرگز نہیں بلکہ یہاں کی زندگی کے تعلقات کا استحکام ہے۔

۹۔ واقعی ایازی زندگی تھی۔

محمود غزنوی ہزاراں غلام دوست
جناں گرفت غلام "ایاز شد"

۱۰۔ مجھے اس سے دلی مسرت ہوئی اللھم زدفزد ہمیشہ گھر کا زائد سے زائد خیال رکھئے۔ شرفاء کا یہی دستور ہے۔ "یہ سب کچھ غلط فہمی و بدگمانی کا نتیجہ ہے اگر میرے فعل کو مستحسن معنی پر محمول کیا جاتا اور مرے خلوص پر اعتماد فرمایا جاتا تو یہ زحمت نہ ہوتی امید ہے کہ اب معاف فرمائیں گے"

۱۱۔ میں آپ کے شریف و پراخلاص جذبہ کے لئے ممنون ہوں مگر مجھ کو بھی معذور تصور فرمایا جائے۔

ـــ ہرگز نہیں بالکل نہیں بس برادر مکرم، علی ہذا القیاس

۱۲۔ ولنعم ما قبل

باغباں بہرخدا گلدستہ من معیار
صحبت یاران رنگیں یادی آید مرا

آپ کے اس جملے نے گذشتہ روایات نیاز مندی کو از سر نو زندہ کر دیا ہے۔

مزہ آتا ہے اگر گزرے ہوں دلچسپ افسانے
کسی سے وہ بیاں کرتے کسی سے ہم بیاں کرتے

مولوی صاحب!

گو میں رہا رہین غمہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

اس جملہ کو پڑھ کر آپ کی گذشتہ عنایات آنکھوں کے سامنے آگئیں۔

۱۳۔ الحمدللہ تعالیٰ ثم الحمدللہ تعالیٰ

۱۴۔ مناسب ہے بارک اللہ فیکم

۱۵۔ خدا کرے اس سے بہت زائد آمدنی آپ اور آپ کے متعلقین ہمیشہ فارغ البال رہیں نیز اسی طرح دین کی روز افزوں ترقیات حاصل ہوں۔ مجھے اس خبر سے مسرت ہوئی مگر میرے خیال میں آپ اس سے بہت زائد کے مستحق ہیں۔

ــ۔ مجھے اس طریق کار سے اختلاف ہے ان لنفسک علیک حقا زیادہ محنت کے نتائج عام طور پر خوشگوار ثابت نہیں ہوتے۔

۱۶۔ میں اس کے موافق ہوں یعنی دشت نوردی ضرور چاہئے مطلب یہ کہ تفریح و گلگشت کی بھی انسان کو غذا کی طرح ضرورت ہے۔

۱۷۔ میں اس قدردانی کے لئے صمیم قلب سے شکرگزار ہوں لیکن حقیقت میں یہ آپ ہی کے کمالات کا عکس ہے جو آپ ازراہ مکارم اخلاق مری ناقص تحریرات میں ملاحظہ فرماتے ہیں۔

۱۸۔ خیر۔ مرضی مولیٰ ازبہ اولیٰ۔ لیکن دنیا بامید قائم۔ یار زندہ و صحبت باقی

۱۹۔ جی ہاں یہ اشکال قوی ہے

۲۰۔ لذت یاد وطن یا لذت یاد یاران وطن

۲۱۔ نقشبندیہ کی ایک اصطلاح ہے سفر در وطن۔ مجھ کو یہ کمال حاصل ہے جو حالت آپ کی لاہور میں ہے وہ مری سہارنپور میں ہے۔ مرے احباب رخصت ہو چکے ہیں افسوس ہے تنہا ہوں پریشاں ہوں۔

۲۲۔ خدا کرے جلد ہو اور آپ کے حسب منشا بھی ہو۔

۲۳۔ الحمدللہ تعالیٰ بیکاری بہت بری چیز ہے۔
۔۔ مجھے اس طور پر جواب لکھنے میں سہولت ہو گئی گو آپ کی شان کے خلاف ہے امید ہے کہ آپ مری کمزوری کے پیش نظر معاف فرمائیں گے۔ علیہم وعلی زوج خالتھم وعلی والدہم وعلیکم وعلی اختکم وزوجہا والسلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
۲۴۔ کیا اس سوال کی بھی گنجائش ہے؟ وہی حال ہے جو ان حالات میں ہونا چاہئے تھا۔
۲۵۔ صحت اچھی نہیں رہتی ہے اس موزوں مشورہ کا شکریہ قبول فرمائیں انشاء اللہ تعالیٰ تعمیل ارشاد کروں گا۔
۲۶۔ غالباً" تلافی مافات کا خیال دامنگیر ہوتا ہو گا عمرت درازما کہ اپنا دم غنیمت است
۲۷۔ یہاں بھی "جناب" ہی کو مورد الزام قرار دیا۔
۲۸۔ سلام عرض کرتا ہے
۲۹۔ مولانا صاحب آج کل بیمار ہیں اور عموماً" وہ کالے آدمی سے بات کرنے کو بہتر نہیں سمجھتے ہیں مدرسہ میں ملازم ہیں نشرو اشاعت کا کام کرتے ہیں ایک سبق پنج گنج بھی پڑھاتے ہیں۔
۳۰۔ آپ کو غلط بتایا گیا یہاں سے پاکستان کے لفافہ بہرصورت بیرنگ ہو جائے گا لہذا اسی پر لکھتا ہوں۔
۳۱۔ جس کے آپ بجا طور پر مستحق ہیں۔
۳۲۔ دیرینہ خادم اسعد

مظاہر علوم سہارنپور ۳۰۔ ۳۔ ۴۹ء

مکرمی زید مجدکم وعلیکم السلام ! آپ کی یاد فرمائی کے لئے صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔ خیریت سے اطمینان ہوا شادمانی ہوئی۔ خدائے برتر آپ کو اپنے حفظ و امان ہی میں رکھے۔ جناب محترم ڈاکٹر محمد حنیف صاحب کی خیرو عافیت سے بھی طمانیت ہوئی۔ میں ممنون ہوں کہ آپ دعاؤں سے یاد فرماتے ہیں۔ کئی روز سے برابر آپ کا خیال آرہا تھا غالباً" یہ آپ کی بے لوث توجہ کا اثر تھا۔ مری صحت عموماً" اچھی نہیں رہتی ہے اور ضعف البصر تو لازم بھی ہے۔ مدرسہ میں بحمد تعالیٰ خیریت ہے باقی ہلکت النفوس وضاعت الاموال و اعمالنا عمالنا۔ ضاقت الارض علی المومنین بما رحبت۔ الطاف صاحب کو آپ کا سلام و پیام پہنچا دیا ہے لیکن ان کے متاثر ہونے کی امید نہیں' بڑی تغافل اور تساہل پسند واقع ہوئے ہیں اگر مکان خط لکھیں تو والد صاحب و والدہ صاحبہ کو میرا سلام تحریر فرماویں جناب ڈاکٹر صاحب' مولوی خلیق صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے' اگر حضرت رائپوری کی زیارت ہو تو سلام فرماویں' محمد اسعد اللہ عرض کرتا ہے۔

فقط

محمد اسعد اللہ

مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور — ۱۷ رمضان ۶۸ھ ۱۴ جولائی ۴۹ء

مکرم مولانا زید مجدکم وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۱۴ رمضان کا تحریر فرمودہ گرامی نامہ ابھی ملا فوراً جواب مرسل ہے جناب نے ۱۰ کا ٹکٹ ارسال فرمایا تھا میں نے چاہا کہ لفافہ میں جواب دوں اور ۱۰ کا ٹکٹ میں لگا دوں کیونکہ یہاں آپ لفافہ کا محصول ۵ ہے مگر نفع کچھ سمجھ میں نہیں آیا کیونکہ کارڈ بھی جواب کے لئے کافی تھا اس لئے کارڈ ارسال ہے اور جناب کے میں متمتع ہوں گا' مولانا عبدالمجید صاحب کا پرچہ ان کو بھجوا دیا ہے وہ جواب کی ضرورت محسوس نہیں فرماتے ہیں۔ مولانا! میں جناب کی یاد فرمائی کے لئے صمیم قلب سے شکرگزار ہوں۔ جناب کی رنگین عبارت سے کافی تفریح ہوئی جناب کے جملہ مقاصد کے لئے دعا کرتا ہوں حضرت شیخ الحدیث صاحب سہارنپور ہی رونق افروز ہیں۔ محمد اللہ دار الطلبہ میں قرآن مجید سنا رہے ہیں۔ امسال دورہ کا امتحان دیا تھا۔ مری صحت اچھی نہیں رہتی ہے۔ بینائی بہت کم ہوتی جا رہی ہے' مولوی الطاف صاحب کو آپ کا خط انشاء اللہ تعالیٰ دکھا دوں گا' مولوی خلیق صاحب سلام مسنون قبول فرمائیں۔

محمد اسعد اللہ

مظاہر العلوم سہارنپور ۵۲ ۔ ۲ ۔ ۲۱

عزیزم سلمکم اللہ تعالیٰ وعلیکم السلام ! بیٹا' اظہار تمہارا ۵۲۔۱۔۳۱ کا پرچہ ملا۔ میں ۴ فروری کو سیتا پور۔ علاج چشم کے لئے گیا تھا۔ داہنی آنکھ میں سنین ماضیہ میں دو آپریشن ہو چکے ہیں ایک گوشہ چشم کا دوسرے نزول الماء کا۔ دونوں الحمد تعالیٰ کامیاب ہیں اب میں اسی آنکھ سے کام کرتا ہوں بائیں آنکھ میں بھی دونوں آپریشنوں کی ضرورت محسوس ہوئی ایک آپریشن گوشہ چشم کا ۹ فروری کو ہو چکا ہے۔ اب دوسرا موتیا کا آپریشن مارچ کے وسط میں ہولی کے بعد ہو گا دعا کرو میں ابھی سے ڈر رہا ہوں۔

سحر ہے دور مرا رنگ فق ابھی سے ہے

درمیانی وقفہ میں سہارنپور آگیا ہوں۔ میاں الطاف نے تمہارا پرچہ بہت دنوں کے بعد مجھے سیتا پور بھیجا۔ میں اس کے ملنے سے پہلے سہارنپور آگیا۔ اب واپس ہو کر سیتا پور سے آج سہارنپور میں ملا۔ آج ہی جواب لکھ رہا ہوں۔ اگرچہ آنکھ کام کرنے کے قابل نہیں ہے مگر کر رہا ہوں۔ بیٹا! (میں کیا بتاؤں کہ شیریں ہے کس قدر؟ وہ لفظ دلفریب کہ بیٹا کہیں جسے) مری صحت بتقاضائے عمر امروز ایام یوماً" فیوماً" مائل بہ انحطاط ہے۔

عمر ہو جائے گی احساں ایک دن یونہی تمام

ایک مرتبہ میں نے حضرت مولانا تھانویؒ کو لکھا کہ شاید حضرت مجھ سے ناراض ہیں جواب میں تحریر فرمایا کہ ناراض تو نہیں ہوں لیکن زیادہ راضی ہونے کو جی چاہتا ہے۔ یہی جواب اب تم کو میں لکھتا ہوں مگر ذرا تصرف سے کہ ناراض تو نہیں تھا لیکن زیادہ راضی ہونے کو جی چاہتا تھا مگر اب تو۔

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

بس اب تو راضی ہی راضی ہوں تم اطمینان کرو مرا آخر وقت ہے شاید تمہاری ملاقات تقدیر میں نہیں۔ اظہار تم سے ملنے کو بہت جی چاہتا ہے تم کو دیکھنے کی تمنا ہے۔ جو کچھ تم سے شکایت تھی وہ غایت محبت کی وجہ سے تھی مگر اب جب کہ اختیار ہی نہیں رہا تو یہ بات نسیا" منسیا ہو گئی۔ اب صرف رضا اور محبت ہی محبت ہے۔ محترم مولوی شوقی صاحب سلام مسنون قبول فرمائیں مرے بڑے مخلص مہرباں دوست ہیں مرے لئے دعا کرو۔ والدہ صاحبہ سے سلام کہدو۔

محمد اسعد اللہ

ایک اور خط جو حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت شاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ کو تحریر فرمایا اور جس کا جواب اسی پرچہ پر گاہے گاہے مذکور ہے اسی طریقہ ترتیب کے مطابق پیش خدمت ہے۔ اولاً قاری صاحبؒ کا خط

پرانی انار کلی' مقدس مسجد لاہور

۲۶ جون ۴۸ء

حضرت الاستاذ المفضال' اطال اللہ بقاء ہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! مزاج سامی؟ اپنی محرومی قسمت ہے کہ عرصہ سے جناب والا کی کوئی خیریت نہ معلوم کر سکا' خدا کرے بہمہ وصب عافیت ہو' پرسوں سے بخار میں مبتلا ہونے کی وجہ سے گھر ہی بستر پر لیٹا رہتا ہوں پڑھانے بھی نہیں جا سکا ہوں۔ جی چاہا کہ جناب والا سے باتیں کروں' عرصہ ہوا کہ جناب والا کے گرامی نامہ سے آنکھوں کا آپریشن ہونا معلوم ہوا تھا' بینائی کے متعلق تحریر فرمایا جائے اب کیا حال ہے' جناب باری میں اس وقت سے اب تک کئی مرتبہ شفاء کامل کی دعائیں کر چکا ہوں' خدا قبول فرمائے اور جناب والا کو اور بینائی کو روشن و شاداں رکھے آمین۔

قبلہ حضرت مولانا محترم کا ملتان سے والا نامہ آیا تھا بخیریت ہیں جناب والا کی اور دیگر اکابر کی والا نامہ مذکورہ سے خیریت معلوم ہوئی تھی' خدا جانے مولوی احمد مصطفیٰ صاحب ہوشیار پوری کی خیریت اور پتہ کا جناب والا کو علم ہو سکا یا نہیں' میں نے اسی زمانہ میں جبکہ جناب کا والا نامہ ملا تھا' مولوی احمد مصطفیٰ صاحب کے متعلق ریڈیو پر پیغام نشر کرایا' جو ایک ہفتہ برابر نشر ہوا' اس کے بعد اخبار "مسلم" میں بھی شائع ہوا مگر کوئی سراغ نہ مل سکا۔

انقلاب کی بدولت جو مصائب دنیا پر ٹوٹی' حقیقت یہ ہے کہ وہ اندازہ و تفکر سے بھی ماورا ہے خداوند تعالیٰ مستقبل میں

مسلمانوں کی عزت و عافیت کی محافظت فرمائے۔ آمین

جناب والا کی مشفقت و محبت درس و تقریر پر سبھی کچھ یاد آتی ہیں' لیکن افسوس کہ اب تو صورتیں بھی دیکھنے کو ترس رہا ہوں' اپنے سب عزیز و اکابر ادھر ہی ہیں۔

کیف الوصول الی سعاد ودونها

قلل الجبال و بینهن خیوف

خداوند قدوس وہ دن جلد دکھلائے کہ مسرت و شادمانی سے آپ حضرات کی زیارت سے آنکھوں کو مالا مال کروں۔

غالباً" سالانہ امتحان قریب الختم ہو گا؟ رمضان بھی بالکل قریب آچکا ہے' حسب معمول غالباً" جناب والا کو پھر تنہائی کی وحشتوں کا فکر درپیش ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کوئی مساعد صورت پیدا فرمائے

لاہور میں دن بھر تو خاصی گرمی رہتی ہے مگر مغرب کے بعد سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چلنا شروع ہو جاتی ہیں' جن سے دن بھر کی گرمی کی شکایات یکقلم موقوف ہو جاتی ہیں۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ بلڈنگ کا جو حصہ ہمارے پاس ہے وہ سب سے اوپر ہے کہ جہاں صبا کے ٹھنڈے جھونکوں کی رسائی بڑی آسانی سے ہوتی رہتی ہے' بھائی خلیق صاحب بخیریت ہیں بہت بہت سلام عرض کرتے ہیں۔

جناب والا اپنے مفصل حالات سے نیز قبلہ آپا صاحبہ کی اور بہن بھائیوں کی خیریت سے مطلع فرمائیں سب کی خدمت میں سلام نیاز' مولوی الطاف صاحب خدا جانے کہاں ہیں' دو خط روانہ کئے ایک کا بھی جواب نہیں دیا' معلوم ہوتا ہے کہ اب الطاف نہیں رہے بلکہ کچھ اور ہو گئے ہیں' بڑی نوازش ہو گی دوسرا پرچہ اگر مولوی الطاف صاحب کو بھجوا دیا جائے۔

جواب کے لئے لفافہ حاضر ہے

والسلام مع الاکرام

نیاز مند و حقیر خادم

اظہار تھانوی ۱۷ شعبان ۶۷ھ

حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کا جواب مرحلہ وار پیش ہے۔

۱۔ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۹ جون ۱۹۴۸ء

۲۔ مخدومی و مطاعی زید مجدکم و فضلکم وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ خدا کریں منمع لب بخیر ہو

۳۔ (برکاتہ)

۴۔ الحمدللہ

۵۔ علی ہذا القیاس

۶۔ اللہ تعالیٰ شفائے کامل و عاجل عطا فرمائے

۷۔ بہت بہت شکریہ اور دلی شکریہ

۸۔ الحمدللہ دعا فرماتے رہیں

۹۔ بہت ہی ممنون ہوں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

۱۰، ۱۱، ۱۲۔ آمین۔ آمین و ثم آمین۔ الحمدللہ

۱۳۔ افسوس صد افسوس وہ اپنے بھائی سمیت ہنگامہ میں سکھوں کے ہاتھوں سے شہید ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دل اس صدمہ سے اشک بار ہے۔

۱۴۔ جزاک اللہ

۱۵۔ علی ہذا القیاس

۱۶۔ یہ لفظ کہیں حتوف جمع حتف بمعنی موت تو نہیں ہے۔

۱۷۔ آمین آمین الف الف آمین

۱۸۔ بحمد تعالیٰ آج ختم ہو گیا۔

۱۹۔ رنج سے خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج

قال المومن۔

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

۲۰۔ یہاں دن رات گرمی ہے، کرہ ارض کرہ نار بن رہا ہے

۲۱ و ۲۲، مبارک باد۔ علیکم و علیکم السلام

۲۳۔ بھائی ترپن سال کی عمر سے کشتی ساحل کے قریب ہے دعا کی ضرورت ہے۔ خاتمہ بر ایمان و مغفرت کی دعا فرمائیں۔ میری اصلاح اور میری اولاد کی اصلاح کی بھی دعا فرمائیں۔

۲۴۔ فوراً دے دیا تھا۔

۲۵ شکریہ اسعد اللہ

مظاہر العلوم سہارنپور ۵۲-۴-۱۲ ۱۶ رجب ۷۱ھ

عزیزم سلمہ وعلیکم السلام، تمہارا لفافہ جو میاں الطاف کے نام تھا مجھے ملا جی چاہا کہ کھول لوں کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرے نام پرچہ ضرور ہو گا مگر اس طریق کار سے مری عادت خراب ہوتی تھی اس لئے صبر کیا الطاف آئے، تمہارا

پرچہ دیا' میں نے ذوق و شوق سے پڑھا پھر ان کا پرچہ میں نے اور میرا پرچہ انہوں نے پڑھا چند لمحوں کے لئے نشاط و مسرت کا سماں آنکھوں کے سامنے آگیا میں نے مولوی الطاف کو روکا کہ کارڈ لانے کی ضرورت نہیں مگر وہ باوجود میرے اصرار منع کے لے آئے۔ چنانچہ یہ کارڈ انہی کا دیا ہوا ہے۔ تمہاری تحریر' تمہاری بے لوث محبت تمہارے اخلاص' تمہاری شرافت اور تمہاری سعادت سے دل کو بہت ہی مسرت ہوئی یقین کرو الفاظ اس کی صحیح ترجمانی نہیں کر سکتے ہیں۔ بیٹا میری آنکھ کا آپریشن نہ ہو سکا اللہ تعالیٰ کی مرضی یہی تھی وفیہ بخیر والفلاح وفیہ النفع والصلاح۔ انشاء اللہ تعالیٰ اب کے سردیوں میں ہو سکے گا تم میرے لئے ہر نماز کے بعد میرا نام لے کر صلاح و فلاح کی دعا کر دیا کرو اور روزانہ تین بار قل ھو اللہ شریف پڑھ کر اس کا ثواب مجھ کو بخش دیا کرو میں چاہتا ہوں کہ یہ تمہاری عمر بھر (اطال اللہ عمک و سلمک ونجاک من البلایا والرزایا) جاری رہے بظاہر اب تم کو دیکھنا میری قسمت میں نہیں ہے۔ تمہارے بھائی تمہاری آپا تم کو سلام و دعا کہتے ہیں' مخدومہ مکرمہ والدہ ماجدہ مدظلہا کی خدمت میں فرزندانہ سلام و درخواست دعا' حضرت ناظم صاحب سفر میں ہیں عنقریب تشریف لائے گے' بیٹا اب میرا وقت قریب ہے بوڑھاپا ہے اور اجنبیت احباب و اقارب جدا ہو رہے ہیں برادرم مولوی شوقی صاحب سے بہت بہت سلام کہدو۔ مولوی الطاف کو تم نے جو اشعار لکھے ہیں ان میں سے بعض میں مجھے کلام ہے۔

محمد اسعد اللہ

۱۲ ذی قعدہ باسمہ سبحانہ

عزیز محترم وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا یاد فرمائی و عزت افزائی کے لئے ممنون و مسرور و دعا گو ہوں۔

میرے حال کا ترجمان ہے یہ مصرع
چراغ سحر ہوں بجھا چاہتا ہوں

پھر بھی خدا کے فضل و کرم سے بہتوں سے اچھا ہوں۔ میں آپ کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں میرا چونکہ آخری وقت ہے لہٰذا فلاح دارین و حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں۔ فقط والسلام

حضرت اقدس ناظم صاحب مدظلہ (بقلم محمد عبدالعلیم فاروقی)

چونکہ ارتعاش کی بنا پر میں خود تحریر سے قاصر ہوں اس لئے دوسروں سے لکھوا رہا ہوں حضرت مولانا جمیل احمد صاحب سے اگر ممکن ہو سلام مسنون و دعا کی درخواست کر دیں۔

(نوٹ : خط مذکورہ بالا پر کسی قسم کی تاریخ و سن وغیرہ تحریر نہیں ہے لیکن قیاس اغلب ہے کہ یہ خط ۶۰ تا ۷۰ کی دہائی کا درمیانی ماہ و سال کے دوران کا ہے۔ عزیر)

محمد اسعد اللہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوریؒ کے خطوط

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کاملپوری رحمتہ اللہ تعالیٰ سابق استاذ حدیث مظاہر العلوم سہارنپور و جامعہ خیر المدارس و مدرسہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار حضرت قاری صاحبؒ کو بیعت و ارادت کا شرف بھی حاصل ہوا۔ ذیل میں وہ اصلاحی خطوط درج کئے جاتے ہیں جو کہ حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے قاری صاحبؒ کو تحریر فرمائے نیز ان سے قبل قاری صاحبؒ کے خطوط بھی ہمراہ نقل کئے جاتے ہیں۔

حضرت المحترم العالی زیدت مکارمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' طالب زیدت مکارمہ خدا کرے جناب والا بھی بعافیت ہوں' اس خط کے بھیجنے کا مقصد ایک دلی آرزو ہے' یہ خادم حضرت والا کا ایک حقیر شاگرد ہونے کی عزت بھی رکھتا ہے' اس کا بھی توسل کر رہا ہوں' جہاں ظاہری راہنمائی فرمائی گئی ہے اور جہالت سے نکالا ہے' حضرت سے درخواست ہے اور بہت ہی تمناؤں کے ساتھ استدعا ہے کہ اس غلام کی باطنی دستگیری بھی فرمائی جائے۔ حضرت سے اصلاح و بیعت کا تعلق قائم کرنے کا مدتوں سے عزم ہے اور نظریں کہیں اور نہیں اٹھتی ہیں۔ اگر اس خادم پر مہربانی فرما کر درخواست منظور فرمائی جائے تو بہت احسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ شانہ حضرت کو اس کا اجر عنایت فرمائے۔

بزرگوں کا طریقہ یہی رہا ہے جو کہ بغیر کسی کا دامن پکڑے ہوئے کامیابی میسر نہیں آتی ہے حضرت گنگوہیؒ نے لکھا ہے کہ بغیر کسی راہبر کے نسبت مع اللہ کا نصیب ہونا شاذ و نادر ہی ہے' بایں خیال حضرت سے التماس ہے۔ میں ایک ماہ سے حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے رسالہ قصد السبیل میں دیکھ کر فجر کی اذان سے پہلے ذکر جہر کر لیتا ہوں' اب جو طریقہ حضرت تعلیم فرما دیں۔ مزید باتیں بعد میں عرض کروں گا۔ پہلے حضرت والا اس کو منظور فرمالیں تو عین سعادت ہے۔ یہ خط اسی لئے روانہ خدمت ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

حقیر خادم اظہار احمد تھانوی
پرانی انار کلی' مقدس مسجد مکان نمبر ۱۰
لاہور ۵ ربیع الثانی ۱۷ھ

اس خط کا جواب

مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ برکاتہ ! گرامی نامہ نے مشرف فرمایا خیریت معلوم ہو کر اطمینان ہوا۔ الحمدللہ

بندہ بعافیت ہے آپ نے مجھ ناکارہ بدکارہ سے اصلاحی تعلق کے متعلق فرمایا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اصلاحی تعلق اس شخص سے کار آمد اور مفید ہو سکتا ہے جو شخص خود دیندار اور اللہ سے تعلق رکھنے والا ہو۔ میں خود ایک بدکار بدافعال انسان ہوں مجھ جیسے بداعمال انسان سے آپ کو کیا فائدہ دین کا پہنچے گا آپ کو میری حالت چونکہ معلوم نہیں اس لئے حسن ظن ہے ورنہ خدا شاہد ہے کہ میری حالت نہایت خراب اور خستہ ہے اپنے گناہوں کے اندر غرق ہوں دعائے خیر سے یاد فرمائیں تاکہ اللہ تعالیٰ مجھے کسی کام کا کر دیں۔

اس پر بھی اور اس ناکارگی پر بھی آپ کا اگر یہی ارشاد ہے تو مجھے خدمت سے دریغ نہیں۔ خدا کرے مزاج سامی بعافیت ہوں۔ اگر پھر خط ارسال فرمائیں تو اس خط کو بھی ساتھ ارسال فرمادیں۔

۱۶ ربیع الثانی ۷۱ھ
عبدالرحمٰن غفرلہ از دارالعلوم
ٹنڈو اللہ یار ضلع حیدر آباد سندھ

حضرت المحترم مکرمی و مرشدی زیدت فضائلکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ' حضرت والا کا جواب سامی مسرت بخش ہوا' حضرت کی اس کرم فرمائی کا دل سے شکر گزار ہوں' حق تعالیٰ شانہ حضرت والا کو اپنی رضا و خوشنودی سے دونوں جہاں میں عزت بخشیں' اور اس کا اجر عظیم عطا فرماویں' میں گنہگار روسیاہ ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ مجھ کو یہ عزت نصیب ہوتی۔ اس ہادی برحق کا بہت بہت شکریہ۔

عرض یہ ہے کہ یوں تو گزشتہ زندگی تمام کی تمام تقصیرات و جرائم سے بھری ہوئی ہے' لیکن خصوصیت سے اب اپنے میں رذائل زیادہ محسوس کرتا ہوں ایک ماہ سے زائد ہو گیا ہے صبح فجر کی نماز سے پیشتر تہجد کی عموماً" آٹھ رکعتوں کے بعد اللہ اللہ کے ذکر جہر کی توفیق ہو جاتی ہے' اس ذکر سے میں نے بہت فائدہ محسوس کیا' یہ ذکر عموماً" دس بارہ ہزار مرتبہ ہو جاتا ہے' وتر بھی تہجد کی رکعتوں کے بعد ہی پڑھتا ہوں' اس عرصہ میں وساوس کا ہجوم رہا' اب کم ہے گاہے گاہے' گریہ طاری ہوا' لیکن وساوس کی طرف میں نے توجہ نہیں کی' الحمدللہ کیفیت یہ ہے کہ اگر کسی روز دیر سے آنکھ کھلتی ہے تو طبیعت کو قلق ہوتا ہے' شام کو مغرب کی نماز اور اذان سے پندرہ منٹ پیشتر سبحان اللہ وبحمدہ' سبحان اللہ العظیم کی دو تین تسبیحیں پڑھ لیتا ہوں۔ مغرب کے بعد ۶ رکعت صلوۃ الاوابین کی بھی توفیق ہو جاتی ہے۔ پنجگانہ نمازوں میں جماعت کا اس لئے بھی التزام ہے کہ احقر کے امامت بھی سپرد ہے' ٹوٹے پھوٹے عمل کے حالات تو یہ ہیں میں نے سب لکھ دیئے ہیں۔

اپنے عیوب و رذائل کے متعلق کیا عرض کروں' عجیب حال ہے نفس و شیطان کے پھندوں میں پھنسا ہوا ہوں! کبھی

اپنے اندر تکبر محسوس کرتا ہوں' کبھی کوئی تعریف یا عزت کرلیتا ہے تو جی ہی جی میں ایک قسم کی خوشی محسوس ہوتی ہے۔ کوئی شخص خلاف طبع بات کہہ دیتا ہے تو غصہ آتا ہے۔ نفس بڑائی اور عزت کا طالب ہے آجکل مرے مطالعہ میں "تبلیغ دین" ترجمہ اربعین امام غزالی رحمتہ اللہ ہے' اس کو دیکھنے کے بعد اپنے اندر تمام عیوب محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن کچھ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کون سا مرض اپنے اندر زیادہ قابل توجہ ہے جو حکم اور ارشاد ہو گا' انشاء اللہ ضرور عمل کروں گا۔ حضرت والا کے ہاتھ میں خود کو سپرد کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ مجھے نفع عطا فرمائیں اور عافیت دارین بخشیں' دعائے خیر کی درخواست ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

الحقیر اظہار احمد تھانوی

۲۴ ربیع الثانی ۷۱ھ

حضرت استاذ العلماء کا جواب بلحاظ سلسلہ بہ سلسلہ

۱۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ! قصد السبیل میں چار دستور العمل ہیں جو دستور العمل مناسب حال اور اس کی پابندی متوقع ہو اس کو شروع کر دیجئے۔ تبلیغ دین کا مطالعہ شروع سے آخر تک پورا کر کے مطلع فرمائیں کبھی کبھی اپنی حالت سے مطلع فرماتے رہیں۔ خط کے ساتھ ماقبل اخیر خط بھی ارسال فرماتے رہیں۔

۲۔ اپنے جرائم کا احساس بھی حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے مبارک ہو۔

۳۔ پڑا رہے اس کا خیال نہ کریں

۴۔ بہت اچھا کیا

۵۔ بہترین حالت ہے

۔۔ الحمدللہ

۶۔ ماشاء اللہ بہتر حالات ہیں۔ بارک اللہ

۷۔ جو کچھ اوپر عرض کیا ہے اس پر عمل شروع کر دیں یہ ابتدائی مرحلہ ہے۔

۸۔ آمین

۹۔ دل سے دعا کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ ۲۶ ربیع الثانی ۷۱ھ جمعرات

سید المحترم حضرت قبلہ زید مجدہ   السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

گرامی نامہ پہنچ گیا تھا۔ قصد السبیل میں جو چار دستور العمل ہیں۔ ان میں سے تیسرا دستور العمل زیادہ مناسب نظر آیا' جس کا عنوان ہے۔ "دستور العمل اس عالم کا جو دینی یا دنیوی کام میں لگا ہو"

اسی پر ٹوٹا پھوٹا عمل کرتا ہوں۔ حق تعالیٰ شانہ قبول فرمائیں۔ یہ دستور العمل عالموں کے لئے ہیں میں عالم نہیں ہوں۔ عالموں کا کمترین خادم ہوں' مگر اسی کو منتخب کیا ہے حضرت والا مدظلہ کی رائے مبارک میں اگر اس کے علاوہ دوسرا کوئی دستور العمل بہتر ہو تو اسے اختیار کرلوں؟ اسے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مجھے فرصت کم ہوتی ہے' چھ گھنٹے اکثر مدرسہ میں پڑھانے میں گزرتے ہیں' رات کو کتابوں کا مطالعہ بھی کرتا ہوں' گھر کے دوسرے کام بھی ذمہ ہیں۔

بتوفیق الٰہی تہجد میں اٹھتا ہوں' کم و بیش آٹھ رکعت پڑھتا ہوں' اس کے بعد نماز فجر تک دو ہزار مرتبہ ذکر اللہ اللہ کرتا ہوں پھر نماز فجر کے بعد کچھ کرتا ہوں حضرت تھانوی رحمتہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہ ذکر بارہ ہزار سے چوبیس ہزار تک جتنا ہو سکے۔ پہلے خط میں میں نے اندازہ سے حضرت حضرت والا کی خدمت میں لکھ دیا تھا کہ روزانہ ذکر دس بارہ ہزار ہو جاتا ہے۔ لیکن خیال کر کے بعد میں شمار کیا تو کم و بیش ۴ ہزار تک روزانہ ذکر ہوتا ہے اور کوئی وقت فراغت کا نہیں ہوتا ہے کہ اس تعداد کو پورا کرلیا کروں۔ گھڑی سے اندازہ کیا تو چار ہزار مرتبہ ذکر میں دو ڈھائی گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ ہلکی آواز اور معمولی ضرب سے کرتا ہوں۔ مگر دماغ میں تھکن محسوس ہونے لگتی ہے۔ سر اور آنکھوں میں نقاہت معلوم ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ چار ہزار مرتبہ روزانہ بفراغت موجودہ حالات میں ممکن ہے انشاء اللہ تعالیٰ و حضرت والا مدظلہ کا ارشاد ہو عمل کروں گا انشاء اللہ شروع میں جو گریہ کی کیفیت تھی اب نہیں ہے قصد السبیل کے دستور العمل کے بموجب روزانہ ایک ڈیڑھ پارہ اور مناجات مقبول پڑھتا ہوں۔ نیز صلوۃ الاوابین' اشراق کی رکعتیں بھی ہو جاتی ہیں' اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ سوال طلب امر یہ بھی ہے کہ ذکر جہری ایک نشست میں اگر پورا نہ ہو تو دو تین نشستوں میں پورا کرلیا کروں؟ "تبلیغ دین" کا مطالعہ جاری ہے' عدیم الفرصتی کے سبب ابھی ختم نہیں کرسکا ہوں۔ حضرت غزالیؒ نے ریا کے تین مرتبے لکھے ہیں۔ جلی' خفی اور اخفی' جلی تو اپنے میں محسوس نہیں کرتا ہوں لیکن خفی اور اخفی موجود ہے۔ مجھے کوئی تلاوت و نماز میں دیکھ لیتا ہے تو دل میں ایک خوشی محسوس ہوتی ہے اس کا علاج ارشاد فرمایا جائے۔ نیز گزارش ہے کہ گزشتہ معمولات پر پابندی کے ساتھ ساتھ بعض مرتبہ ایسے ایسے موانع کھڑے ہو جاتے ہیں کہ طبیعت گھبرا جاتی ہے' بعض دفعہ تو شیطانی خیالات کا ہجوم ہوتا ہے۔ کبھی گھر کا فکر' کبھی کوئی خوشی کا خیال۔ کبھی عجب' کبھی کسی کی عیب جوئی اور اس کے عیوب کا ہجوم اور کبھی ملاقات والوں کا سلسلہ اور فضول باتیں دل کے لئے تکدر کا باعث ہوتی ہیں۔ نیز عرض ہے کہ کیا مجھے حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہو کر

بیعت کا تعلق قائم کرنا چاہئے' یا کہ اس کی ابھی کوئی جلدی نہیں آئندہ کسی وقت پر ملتوی کیا جائے؟ زیادہ ادب۔ اللہ تعالیٰ شانہ حضرت والا کو جزائے خیر عطا فرمائیں اور عافیت دارین سے نوازیں۔ بہت خیر و دعا کا طالب ہوں۔ والسلام

الحقیر اظہار احمد تھانوی

لاہور ۲۸ جمادی الاولی ۷۱ھ دو شنبہ

حضرت والا کا جواب مکرمی سلمہ

۱۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

۲۔ آمین

۳۔ بہتر اور مناسب ہے اللہ تعالیٰ توفیق مزید عطا فرمائے

۴۔ نہیں یہی جو آپ نے منتخب کیا ہے انسب ہے

۵۔ جتنی مقدار بہ سہولت بہ نشاط پوری کر سکیں اتنی ہی کر لیا کریں

۶۔ جہر اور ضرب ترک کر دیں

۷۔ اگر اس مقدار میں دماغ میں تھکن محسوس ہو تو کچھ اور کم کر دیں

۸۔ کچھ حرج نہیں یہ طبعی امور ہیں اختیار سے باہر ہیں

۹۔ ماشاء اللہ مبارک ہو

۱۰۔ آمین

۱۱۔ جی ہاں۔ مجبوری

۱۲۔ اس کا ابھی وقت نہیں آیا

۱۳۔ جی ہاں

۱۴۔ جی ہاں

۱۵۔ آمین

۱۶۔ آمین

۱۷۔ الحمدللہ خیریت سے ہوں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں۔

۱۸۔ والسلام عبدالرحمٰن غفرلہ

سیدی المفخم شیخی المحترم زید مجدکم' السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
مزاج سامی؟
الحمدللہ معمولات سب جاری ہیں۔ ذکر جہر میں نے تین ہزار مرتبہ روزانہ معمول کر لیا ہے' کیونکہ اتنی مقدار میں تھکن محسوس نہیں ہوتی' جہراور ضرب بھی ترک تو نہیں البتہ کم کر دی ہیں۔
اس عرصہ میں عجیب عجیب کیفیات رہیں (اور آجکل وہ بھی نہیں) لیکن یہ کیفیات ہوتی رہتی ہیں' کبھی تبلیغ کا جذبہ بے حد ہوا' جی میں ایک جنون کی سی کیفیت کے ساتھ بار بار یہ خیال آتا تھا کہ مجھے دین کی تبلیغ کرنے کے لئے رات دن متوجہ ہو جانا چاہئے کبھی خوف الٰہی اور عظمت باری تعالیٰ کا اس درجہ میں ہجوم ہوا ہے کہ گھبرا گیا ہوں نیز یہ کیفیت تو اب بھی جاری ہے کہ وقتاً" فوقتاً" اپنے رزائل میں ہجوم محسوس کرتا ہوں' لیکن ساتھ ہی الحمدللہ عقلاً ان کی برائی ذہن میں موجود ہو جاتی ہے اور میں ان رذائل کی مدافعت شروع کر دیتا ہوں لیکن اس مدافعت میں طبعی طور پر بڑی کلفت محسوس ہوتی ہے۔ یہ سب خلاصہ ہے کیفیاتی اثرات کا' بعض مرتبہ تو بے اختیار حضرت والا کی خدمت میں حاضری کے لئے طبیعت بے تاب ہو گئی ہے۔ یہ تاثرات بھی ہیں' لیکن ساتھ ہی الحمدللہ ایک قسم کا سکون قناعت دنیا کی بے ثباتی وغیرہ کیفیات بھی اکثر دل پر طاری رہتی ہے جس سے دل میں ایک راحت سی رہتی ہے اور طبعاً" بھی اب یہی فیصلہ ہے کہ یہ معمولات ہرگز نہیں چھوڑنے چاہیں بڑی مفید زندگی کی طرف لے جانے والے ہیں' یہ اطمینانی کیفیت ۱۵۔۲۰ روز سے ہے۔ باقی کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ خادم حضور والا کی دعاؤں کا محتاج ہے اور ساتھ ہی عنایت و توجہ کا کسی قابل نہیں ہوں' حق تعالیٰ شانہ اپنی رضا و خوشنودی کی توفیق دے دیں تو بڑا کرم ہو' حضرت والا کے لئے میں دل سے دعا کرتا ہوں والدہ صاحبہ کا رمضان کے بعد میری شادی کرنے کا خیال ہے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ بخیر و خوبی انجام کو پہنچائیں آمین اور میرے فکرات مبدل بہ سہولت فرما دیں۔ والسلام
خادم اظہار احمد تھانوی غفرلہ ۲۵ جمادی ۷۱ھ

حضرت والا کا جواب

۱۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ
۲۔ بارک اللہ
۳۔ بہتر ہے
۴۔ تکلیف تو ہونی چاہئے جتنی اس میں زیادہ تکلیف ہو گی اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا ان شاء اللہ تعالیٰ
۵۔ الحمدللہ اچھے حالات ہیں

۶۔ دل سے دعائیں کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں
۷۔ جزاکم اللہ تعالیٰ
۸۔ اللہ تعالیٰ بخیر و خوبی سبکدوش فرمائے
۹۔ بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ

۲۸ جمادی ۱۷ھ

حضرت الشیخ المحترم۔ سلمکم اللہ وجزاکم اللہ عنا خیرا الجزاء

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ حضرت کی دعاؤں سے یہ خادم بخیریت ہے اور حضرت کی عافیت کا طالب' اس عرصہ میں چونکہ کوئی خاص بات قابل عرض نہ تھی اس لئے یہ عریضہ دیر سے روانہ کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا بہت شکر ہے کہ معمولات سب جاری ہیں۔ البتہ اب رات چھوٹی ہو جانے کی وجہ سے گاہے گاہے وتر اور تہجد قضا ہو گئی جو دن میں قضا کئے گئے۔

میں نے پچھلے خط میں جو کیفیات لکھی تھیں' اب وہ تو اس شدت کے ساتھ نہیں ہیں جیسا کہ تھیں' البتہ طبیعت کی گھبراہٹ اور وحشت بعض مرتبہ بہت پریشان کر دیتی ہے' قبر کا اور کبھی آخرت کا تصور بڑی شدت سے ہوتا ہے خود اپنے پر مسرت و افسوس ہوتا ہے۔

عرض ہے کہ کیا حضرت کی خدمت میں تمام کیفیات جو وقتاً" فوقتاً" دل پر گزرتی ہیں سب لکھنی ضروری ہیں؟ تہجد کی نماز دو دو رکعت پڑھوں یا چار چار؟ ذکر کرتے وقت چو زانو بیٹھنے کو جی تو نہیں چاہتا ہے کیونکہ خلاف ادب ہے لیکن آرام اسی نشست میں ملتا ہے یہ کچھ برا تو نہیں ہے؟ اکثر چھوٹے چھوٹے واقعات طبیعت کے تکدر اور پریشانی کا باعث ہوتے رہتے ہیں' کبھی ملازمت کی فکر' کبھی گھر کے اخراجات کی فکر کبھی کسی سے حسد ہوتا ہے' کبھی تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہوں یہ حالات حق تعالیٰ کی جانب سے میری کسی گستاخی اور بے ادبی کا تو نتیجہ نہیں؟ آنے والے ماہ رمضان میں ارادہ ہے کہ احیاء العلوم کا باستیعاب مطالعہ کروں' حضرت کی کیا رائے ہے؟

اور کوئی بات قابل عرض نہیں' پچھلے ہفتہ حضرت مولانا اسعداللہ صاحب مدظلہ کا گرامی نامہ آیا تھا' خیریت سے ہیں' غالباً" رمضان میں تو حضرت والا وطن مبارک تشریف لے جائیں گے۔ پتہ تحریر فرمایا جاوے' تاکہ عریضہ روانہ خدمت کر سکوں' رمضان المبارک میں عریضہ روانہ خدمت کرنا خلاف ادب تو نہ ہو گا' یہ اس لئے پوچھ رہا ہوں کہ شاید حضرت کے معمولات میں خطوط کا جواب دینا مناسب نہ ہو۔ حسب الارشاد میں حضرت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں' میرے لئے حضرت دعا فرمائیں' حق تعالیٰ مجھ ناکارہ آوارہ کو اصلاح کے راستہ پر تادم آخر لگائے

رکھے اور مجھ سے رذائل کو دور فرمائے۔

والسلام مع الاکرام
العبد الحقیر اظہار احمد تھانوی
۹ شعبان ۷۱ھ یوم یکشنبہ

حضرت قبلہ کا جواب

۱۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ
۲۔ بارک اللہ تعالیٰ ووفقک اللہ تعالیٰ
۳۔ بہتر ہے
۴۔ اپنے نزدیک جو ضروری سمجھیں
۵۔ جس میں طبیعت اچھی لگے
۶۔ اسی کو اختیار کریں
۷۔ نہیں
۸۔ توبہ و استغفار لازم رکھیں
۹۔ بہت اچھا
۱۰۔ موضع بہبودی ڈاک خانہ ملک مالا براستہ حضرو ضلع کیملپور پنجاب پاکستان
۱۱۔ نہیں ہرگز نہیں
۱۲۔ جزاکم اللہ تعالیٰ
۱۳۔ آمین
۱۴۔ دل و جان سے دعا کرتا ہوں آپ بھی مجھے نہ بھولیں
۱۵۔ آمین
۱۶۔ آمین
۱۷۔ بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ

۱۰ شعبان ۷۱ھ دو شنبہ

از بندہ اظہار احمد تھانوی

بخدمت گرامی حضرت المحترم سیدی المکرم زید مجدہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ! بندہ بعافیت ہے اور حضرت کی خیریت کا طالب ہے' یہ عریضہ کافی عرصہ میں روانہ کر رہا ہوں اگر گستاخی ہو تو معاف فرمایا جائے' رمضان المبارک میں اکثر قرآن شریف کی تلاوت زیادہ رہی' تہجد' صلاۃ الاوابین بھی پڑھتا رہا مگر ذکر نہ ہو سکا' سحری میں تو وقت کھانا کھانے میں صرف ہو جاتا تھا دن میں بے حد تھکن محسوس ہوتی تھی اور یا نیند آجاتی تھی اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ بعد عید کچھ طبیعت خراب ہو گئی جس سے معمولات پر کافی اثر پڑا' اب جب سے طبیعت ٹھیک ہوئی ہے الحمدللہ سب معمولات جاری ہیں' بعد مغرب ذکر اللہ اللہ دو ہزار مرتبہ بعد ظہر قرآن شریف اور ایک منزل مناجات مقبول (حصہ عربی) اشراق' صلوۃ الاوابین جاری ہیں' البتہ تہجد کے وقت اکثر آنکھ نہیں کھلتی ہے' دل میں افسوس اور حسرت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ توفیق رفیق رکھیں۔

کسی کسی وقت دل میں ایک تڑپ اور بے چینی سی محسوس ہوتی ہے' طبیعت بے قرار ہو ہو جاتی ہے' آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں' مثنوی کے اشعار بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں ان کو پڑھ لیتا ہوں اور کوئی نئی بات نہیں ہے حق تعالیٰ شانہ اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق شامل حال رکھیں۔ بہت گناہگار ہوں۔ حضرت کے لئے میں دعا کرتا ہوں حضرت بھی میرے لئے دعا فرمائیں۔ پرسوں تھانہ بھون سے مولانا جمیل احمد صاحب اور حضرت رحمہ اللہ کے گھر میں سے ہوائی جہاز سے آگئے ہیں۔ مولانا موصوف سے ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی ہے' مزاج گرامی سے اطلاع فرمائی جائے خدا کرے عافیت ہو۔

والسلام مع الاکرام
بندہ اظہار احمد کان اللہ غفرلہ
پرانی انار کلی' لاہور ۶ ذی قعدہ ۷۱ھ

حضرت والا کا جواب

۱۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ
۲۔ نہیں نہیں
۳۔ آمین
۴۔ مبارک ہو
۵۔ الحمدللہ
۶۔ بہترین معمولات ہیں اللھم زد فزد

۷۔ اللہ تعالیٰ اس افسوس و حسرت کو موجب ثواب و برکات بنائے

۸۔ آمین

۹۔ جزاکم اللہ تعالیٰ قبول فرمائے

۱۰۔ دل و جان سے دعا کرتا ہوں

۱۱۔ الحمدللہ خیریت ہے

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ

۸ ذی قعدہ ۱۷ھ جمعرات

از بندہ اظہار احمد تھانوی

بخدمت گرامی سیدی المحترم زید مجدہ السامی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔ بندہ بعافیت ہے اور حضرت والا کی خیریت کا متمنی' عریضہ کافی دنوں کے بعد روانہ کر رہا ہوں' اپنی اس کاہلی اور سستی کی وجہ کیا عرض کروں؟ اس زمانہ میں کئی ایک حالات ایسے آئے کہ گویا کھویا گیا' شادی ہوئی ملازمت کے بکھیڑے جن سے اب تک چین نصیب نہیں ہوا' یہ اور اسی قسم کے حالات مکاتبت سے مانع رہے' بہت شرم دامنگیر ہے' ڈرتے ڈرتے یہ خط لکھ رہا ہوں' خدا کرے حضرت والا مجھ ناکارہ سے ناراض نہ ہوں للہ معاف فرمایا جائے انشاء اللہ آئندہ ایسی غفلت نہ ہو گی' مجھے احساس ہے کہ اس راہ میں غفلت بہت بری چیز ہے اور پشیمان ہوں' امید ہے کہ حضرت والا مجھے پھر اپنے خادموں کے زمرہ میں حسب سابق تصور فرمالیں گے' حضور کا بڑا احسان ہو گا۔ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف فرمائے۔

اب آجکل کافی زمانہ سے حضرت! تہجد اور ذکر چھوٹا ہوا ہے نیند بے حد آتی ہے صبح کو تہجد کے وقت بالکل نہیں اٹھا جاتا ہے۔ بہرحال یہ بھی میری نفسانی ہی حیلہ جوئی معلوم ہوتی ہے' حضور والا جو حکم فرمائیں گے ضرور انشاء اللہ بجا لاؤں گا۔ حضرت کی رہبری کا محتاج ہوں امید ہے کہ حضرت بخیریت ہوں گے۔ والسلام

خادم اظہار احمد تھانوی ۷ شعبان ۷۲ھ

حضرت والا کا جواب

۱۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمتہ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

۲۔ الحمدللہ
۳۔ ناراضگی کی کیا بات ہے
۴۔ سب معاف
۵۔ آمین اور میرے بھی
۶۔ اب پھر اللہ کا نام لے کر شروع فرما دیجئے
۷۔ ہمت اور استقلال سے کام لیجئے
۸۔ جی ہاں الحمدللہ
۹۔ بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ ۱۰ شعبان ۷۲ھ شنبہ

از بندہ اظہار احمد تھانوی غفرلہ

میرے مکرم و محترم حضرت قبلہ سیدی و مولائی زید عنا یتکم
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' بندہ بعافیت ہے اور حضرت والا کی خیریت کا متمنی۔ بڑی شرمندہ زندگی رکھتا ہوں' دنیا کی غفلتوں میں کافی محویت رہی' ایک سال بعد میں خط روانہ کر رہا ہوں حضرت والا سے دوبارہ معافی چاہتا ہون اور آئندہ کو توبہ کرتا ہوں' حضرت والا مجھے معاف فرمائیں اوز میری راہنمائی فرمائیں۔ اللہ تعالٰی حضور کو دو جہان میں خوشی اور فلاح سے سرفراز فرمائے۔
یہ سابقہ عریضہ جو روانہ خدمت ہے بالکل اسی کے مطابق یہ دوسرا عریضہ بھی کچھ ایسی ہی مصیبتوں کے واقعات کا نتیجہ ہے۔ حضور والا مجھے معاف فرمائیں۔
آئندہ کے لئے عرض ہے کہ ذکر اسم ذات جو میں کرتا تھا اب کافی عرصہ سے چھوٹا ہوا ہے کیونکہ صحت اچھی نہیں رہتی ہے۔ لیکن اب انشاء اللہ ہمت ہوئی ہے اللہ تعالٰی کی مہربانی سے امید ہے کہ کچھ معمولات ادا کرلوں گا۔ حضرت کی طرف سے اجازت کے لئے یہ عریضہ روانہ ہے جو کچھ حضور کی رائے مبارک ہوگی اس پر انشاء اللہ ضرور عمل کروں گا۔ راہنمائی کا محتاج ہوں۔ والسلام

خادم اظہار احمد تھانوی غفرلہ
پرانی انار کلی دھوبی منڈی' لاہور ۳ شعبان ۷۳ھ

حضرت والا کا جواب

۱۔ مکرمی سلمہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ

۲۔ سب معاف ہے

۳۔ اجازت ہے کام شروع کر دیں۔ ہمت اور استقلال سے کام کریں

۴۔ بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ ۵ شعبان ۷۳ھ

حضرت گرامی قدر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ ثم مدنی کے خطوط

مکرم محترم فیوضہم وعلیکم السلام آپ کا ۲۹ شعبان کا لکھا ہوا لفافہ ۳ رمضان المبارک کو پہنچا تھا جس میں جواب کے لئے پاکستانی کارڈ بھی تھا اگرچہ رمضان میں خط لکھنا بہت ہی مشکل ہے تاہم آپ کے رفع انتظار اور تقاضہ کی وجہ سے اسی وقت اس پر جواب لکھ کر ڈال دیا تھا معلوم نہیں پہنچایا نہیں آپ نے اسی خط میں یہ شکایت لکھی تھی کہ آپ کے کئی خطوں کا جواب نہیں لکھا گیا اور میں نے جواب میں یہ لکھا تھا کہ آپ کا کوئی خط بھی ایسا نہیں آیا جس کا میں نے جواب نہ لکھا ہو۔ مگر میرا خیال پہلے سے یہ تھا کہ پاکستانی کارڈ لفافے یہاں سے پہنچتے نہیں اور آپ کی خدمت میں بھی میں نے یہ لکھا تھا لیکن آپ نے ایک مرتبہ اس کی تردید کی تھی کہ وہ بلا تکلف پہنچ جاتے ہیں اس لئے میں مطمئن ہو گیا تھا مگر اب میرا یہی خیال ہے کہ اگر یہ خطوط نہیں پہنچتے تو اس کی وجہ وہی ہے اس وجہ سے میں عام طور سے خط لکھنے والوں کو یہ لکھا کرتا ہوں کہ جواب کے لئے پاکستانی کارڈ یا لفافے نہ ڈالا کریں بلکہ پاکستانی ٹکٹ خط کے ہمراہ ارسال کریں اور ان کو چپکائیں نہیں یہاں سے ان کے بدلہ میں ہندی ٹکٹ لگا دیئے جائیں گے اور وہ دوسری جگہ کار آمد ہو سکتے ہیں بہرحال اسی احتیاط میں یہ مکرر خط ارسال ہے کہ اللہ کا شکر ہے یہاں خیریت ہے۔ مدرسہ میں بھی خیریت ہے آجکل تعطیل ہیں جو قریب الختم ہیں حضرت ناظم صاحب اور .... صاحب .... مدرسہ بمبئی کی طرف ۲ شوال کو ایک صاحب کی شدید طلب پر تشریف لے گئے ہیں مولانا شبیر علی صاحب رمضان میں تشریف لائے تھے بخیریت ہیں امسال حج کا ارادہ فرما رہے ہیں اور تھانہ بھون اور نواح کا بڑا مجمع مولانا کے ہمراہ ارادہ کر رہا ہے اور کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں ہے یہاں یکم رمضان یکشنبہ کو ہوا تھا اور عید الفطر باوجود ابر و باراں کے دو شنبہ کو۔ واقفین اور پرسان حال سے سلام کہیں۔

فقط والسلام

زکریا

مظاہر العلوم ۴ شوال ۶۹ھ

مکرم محترم مدفیوضکم بعد سلام گرامی نامہ پہنچا مژدہ عافیت سے مسرت ہوئی مولانا شبیر علی صاحب کے حجاز جانے کی خبر تو صحیح ہے وہ ۱۲ اگست کو یہاں سے بمبئی جا رہے ہیں مگر حضرت مدنی دام مجدہم کے متعلق روایت صحیح نہیں البتہ حضرت رائپوری مجدہم بعض خدامؒ کے اصرار پر ہوائی جہاز سے واپسی کے ٹکٹ سے حج کو تشریف لے جا رہے ہیں انشاء اللہ دو ماہ میں واپسی ہو گی۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے متعلق صحیح حال اب تک معلوم نہیں ہوا کہ کہاں قیام ہے۔ حیدر آباد سندھ کے مدرسہ کا قیام کا حال تو اور بھی بعض خطوط سے معلوم ہوا تھا اس کے مہتمم مولانا احتشام الحق

صاحب تھانوی کا خط بھی آیا۔ قاری عبدالعزیز صاحب سے میرا بھی سلام عرض فرمادیں اگر ان کے اخراج میں اس ناکارہ کی زیادتی تھی تو حق تعالیٰ شانہ ان کو اس کا اجر عطا فرمائے اور اس ناکارہ کو معاف فرمائے۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم یکم ذیقعد ۶۹ھ

مکرم محترم مدفیو منکم بعد سلام اسی وقت کارڈ بلا تاریخ پہنچا اس سے قبل آپ کا ایک جوابی کارڈ کئی دن ہوئے پہنچا تھا اس کا جواب اسی وقت لکھ دیا تھا ممکن ہے کہ پاکستانی کارڈ ہونے کی وجہ سے نہ پہنچا ہو آپ کے اس کارڈ میں تو سابقہ گرامی نامہ کے انتظار جواب کے علاوہ کچھ نہیں ہے البتہ سابقہ کارڈ میں آپ نے اپنے علمی اشغال کا حال لکھا تھا جو موجب مسرت ہے حق تعالیٰ شانہ دارین کی ترقیات سے نوازیں تشتت اور پریشانی آج کل عمومی ہے سب ہی جگہ کم و بیش ہے اس کا واحد علاج اجابتہ الی اللہ ہے جتنی زیادہ ہو سکے اتنا ہی مفید اور موجب تسکین ہے اور اس کا ذریعہ اللہ کے ذکر کی کثرت ہے اور اوراد ادعیہ کا اہتمام ورد زبان رکھیں بالخصوص کلمہ طیبہ اور استغفار اور درود شریف یہ تینوں چیزیں جتنی زیادہ تعامل بنی رہیں گی مفید ہو گا۔ حکایات صحابہ چھوٹے سائز کی جو کسی تاجر نے طبع کرائی ہے جس کو آپ نے سابقہ خط میں لکھا تھا ایک نسخہ خرید کر بذریعہ رجسٹری روانہ کر دیں اور دام تحریر فرمادیں قیمت آپ کے پاس انشاء اللہ کسی ذریعہ سے پہنچ جائے گی آپ نے یہ نہیں لکھا کہ کس مدرسہ میں آپ کا تعلق ہیں کیا کیا اسباق پڑھاتے ہیں لاہور میں کوئی عربی کا بڑا مدرسہ ایسا ہے جہاں حدیث وغیرہ کی کتب ہوتی ہوں اگر ہو تو وہاں کا حال بھی تحریر فرمادیں۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر العلوم یکم رجب ۶۹ھ

عنایت فرمائم سلمہ

بعد سلام مسنون عنایت نامہ پہنچا تمہارے علمی مشاغل سے بہت مسرت ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے علم و عمل میں ترقیات عطا فرمائے تم نے جواب کے لئے پاکستانی ٹکٹ ارسال کیا بجائے اس کے اپنے پتے کا لفافہ اگر لکھ کر رکھ دیتے تو زیادہ اچھا تھا پاکستانی جوابی لفافے و کارڈ بہت کثرت سے آتے جاتے ہیں یہ ناکارہ اپنے امراض کی وجہ سے کئی سال سے تقریباً معذور ہو گیا ہے دو سال سے ضعف نگاہ کی وجہ سے خط و کتابت بھی دوسرے ہی کرتے ہیں لوگ نزول آب بتاتے ہیں اس کے علاوہ دوران سر کا عارضہ بھی روز افزوں ہے جس کی وجہ سے کتب کی مراجعت

بہت دشوار ہے فضائل نماز میں یہ مضمون جیسا کہ اس میں حوالہ دیا گیا ہے منبہات ابن حجر سے لکھا گیا ہے ویسے علامہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں بھی اس قصہ کو ذکر کیا ہے اصل روایت محب طبری کی ریاض نضرۃ سے چلی ہے اسی سے قسطلانی نے لیا ہے اس سے غالباً" منبہات میں بھی لیا گیا ہو گا منبہات کے متعلق ہندوستان کے قدیم نسخوں میں جس پر سابق علماء کی تصحیح اور حاشیہ بھی ہے ابن حجر عسقلانی لکھا ہے اس کی وجہ سے کچھ اشتباہ نہ ہوا بعد میں یہ دیکھا کہ اس پر کچھ لوگوں نے اشکال کیا ہے لیکن دلیل میں کشف الظنون کا سن وفاۃ نہ لکھنا کوئی دلیل نہیں ہے کاتب کی غلطی سے بھی چھوٹ سکتا ہے اور متعدد جگہ کشف الظنون میں ایسا ہوا ہے۔ علامہ جزری کی کتاب النشر فی القرات العشر کے متعلق بھی اسی طرح سن کا لفظ لکھ کر چھوڑ دیا ہے اور کئی جگہ ایسا ہوا ہے یہ تو کوئی دلیل نہیں ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی مولفات میں تہذیب التہذیب اور لسان المیزان کے اخیر میں اس کو شمار کیا ہے البتہ یہ اشکال ضرور ہے کہ اس کی روایات حافظ کی شان کے مناسب نہیں ہیں اگرچہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ تصوف میں جا کر سبھی حضرات ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور یہ رسالہ تصوف کا ہے۔ حضرت تھانویؒ نے بہشتی زیور کے دسویں حصہ میں اس کو کتب مفیدہ میں شمار کیا ہے۔

والسلام

زکریا

۱۵ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

عنایت فراہم سلمہ بعد سلام مسنون اسی وقت عنایت نامہ پہنچا تمہاری اس محبت کا اللہ تعالیٰ ہی بدلہ عطا فرماوے جو تم نے اس ناکارہ سے لکھی ہے۔ خدمت کرنے والوں کی تو یہاں بھی کچھ کمی نہیں ہے۔ اللہ جل شانہ ایک معذور کے لئے رعیت سے لوگوں کے دلوں میں رحم ڈال رکھا ہے تمہارے علمی ذوق سے بھی بہت ہی مسرت ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے اس میں اور زیادہ ترقی عطا فرماوے اور وسعت علم میں تمہاری ہر نوع کی مدد فرماوے اوجز تو کئی سال سے ناقص ہے غالباً" اس کی پہلی اور تیسری جلد اب نہیں ملتی بقیہ جلدیں بھی تھوڑی رہ گئی ہیں۔ کوکب بھی پہلی جلد تو تقریباً ختم ہے البتہ وہ چھپ رہی ہے شاید دو تین مہینے میں تیار ہو جائے لیکن اوجز کے چھپنے کی کوئی صورت بظاہر نہیں۔ لامع جلد اول کیونکہ ابھی چھپی ہے وہ البتہ کثیر تعداد میں موجود ہے جلد ثانی کے لئے رمضان تک تیار ہو جانے کی امید ہے لیکن پاکستان کی فہمائشیں پوری کرنے کی کوئی صورت اس ناکارہ کے قبضہ کی نہیں ابتداء میں جو صورت کہ وہاں کہیں روپیہ جمع کرا دیا جاوے شروع کی تھی لیکن وہاں سے روپیہ منگانے کی کوئی صورت نہ بنی اس لئے مجبوراً اس کو بھی چھوڑ دیا اب تو ایک ہی صورت باقی کہ پاکستان سے یہاں آنے والے اپنے ساتھ خرید کر لے جائیں کئی سال سے یہی صورت اختیار کر رکھی ہے لاہور سے یہاں آنے والے بہت کثرت سے ملتے ہیں کسی آنے

والے کو آپ کہہ دیں کہ خرید کر اپنے ساتھ لیتا جائے یہاں آنے والوں کا حال سلطان فونڈری بادامی باغ لاہور الحاج محمد افضل اور نمبر۱۴ ایمپرس روڈ سے کثرت سے معلوم ہوتا رہے گا حضرت ناظم صاحب سے تمہارے خط کا ذکر آیا تھا بلکہ ملاحظہ بھی فرمایا تھا ان کی طرف سے بھی سلام مسنون۔

فقط والسلام

محمد زکریا بقلم شمیم

۱۵ ربیع ۸۳ھ

عزیز گرامی قدر سلمکم اللہ تعالیٰ بعد سلام مسنون محبت نامہ اس ماہ مبارک کو پہنچا آپ کی عافیت سے مسرت ہوئی زندگی کا نصب العین جو تجویز ہوا ہے وہ بہت مبارک ہے حق تعالیٰ شانہ اس میں کامیابی عطا فرمائے یقیناً طویل محنت و اشتغال کا متقضی ہے کہ اس کے بقا کی فکر رکھی جائے یہ ناکارہ دعاگو ہے حق تعالیٰ شانہ کامیاب فرمائے تجربہ کی بنا پر ایک درخواست پیش کرتا ہوں وہ یہ کہ ہمارے یہاں پر ذی استعداد ہونہار شرفاء ہمیشہ اپنے علوم سے بے بہرہ اور اپنی محبت کو رائیگاں بلکہ خود اپنے کو ایک ایسے لغو اور بے ہودہ خیال سے ضائع کر دیتے ہیں جو بہت ہی قابل رنج ہے وہ تکبر ہے۔ ان کو پڑھنے کے بعد اپنی رفعت شان اتنی اونچی نظر آنے لگتی ہے کہ دنیاوی حیثیت سے یہ اونچی تنخواہوں پر نگاہ جما لیتے ہیں اور علمی حیثیت سے شروع ہی سے صدر مدرس سے نیچے اترنا ان کی توہین ہوتی ہے اور شیطان اس مکر سے ان کو ایسا برباد کرتا ہے کہ پھر بجز اپنے پڑھے ہوئے کو ضائع کرنے کے بغیر ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اگر خیر خواہانہ مشورہ قبول کرو تو علمی سلسلہ میں انسلاک جس درجہ اور جس تنخواہ پر ملتے ہو کر ڈالو۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ جو کسی وقت شیخ العرب والعجم بن گئے تھے ابتدائی تقرر سے پر تھے اور تمہارے استاذ مولانا منظور احمد صاحب جو اب عرصہ سے دورہ پڑھا رہے ہیں اور آنکھوں سے معذوری کے باوجود چھوڑنا نہیں چاہتے تقریباً پانچ ماہ تک بلا تنخواہ معین المدرسی فرماتے رہے۔ بہرحال میں ناکارہ دعاگو ہوں اور متمنی کہ حق تعالیٰ .... توفیق عطا فرمائے۔

زکریا از نظام الدین ۴ شوال

مکرم محترم مدفیو ضکم بعد سلام مسنون گرامی نامہ ملا۔ اس سے مسرت ہوئی کہ تمہیں میرا پہلا خط پہنچ گیا اس کے بعد ایک کارڈ اور بھی میں لکھ چکا ہوں مدرسہ کے احوال سے بے حد مسرت ہوئی حق تعالیٰ شانہ علمی ترقیات سے نوازیں اور مدرسہ کو بھی ترقیات عطا فرمائیں۔ ذکر اور اصلاح کا تعلق اتنی دور سے مکاتبت نہ مفید نہ بہتر بہتر یہ ہے کہ حضرۃ

مولانا الحاج عبدالرحمٰن صاحب آپ کے قریب ہیں اور مجھ سے ہر نوع سے افضل اور بہتر۔ اس لئے مولانا سے رجوع کرلیا جائے یہ داعیہ بہت مبارک ہے اس کی قدر کریں اس کو ضائع نہ کریں اور جلد سے جلد مولانا کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کریں خط و کتابت بعد میں ہوتی رہے گی ابتدا خود حاضر ہونا مناسب ہے۔

فقط والسلام

زکریا مظاہرالعلوم ۸ رجب ۶۹ھ

حضرت قاری صاحب نے یہ خط اپنا زمانہ طالب علمی میں حضرت شیخ الحدیث کو تحریر کیا تھا اسی پر حضرت شیخ الحدیثؒ نے جواب تحریر فرمایا خط اور جواب دونوں تحریر کئے جاتے ہیں۔

مدرسہ مظاہرعلوم

سہارنپور مکرمنا المعظم حضرت الشیخ زاد اللہ تعالیٰ علومہ و مجدہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ آخری سبق کے دوران میں حضرت والا نے ساعات پر اختلافات نقل کرنے کے بعد جمہور کا اور امام مالکؒ کا طویل مناظرہ نقل فرمایا تھا جو نہ میں لکھ سکا اور نہ یاد رہا کہ امام مالکؒ ان ساعات کے شروع ہونے کا وقت زوال کے بعد چند منٹوں کے اندر منحصر فرماتے ہیں اور جمہور صبح سے شروع ہو جانے کے قائل ہیں۔

بہرحال یہ تکلیف دے رہا ہوں امید ہے کہ میری عرض قبول ہو گی کہ وہ مناظرہ جو تھا وہ اور امام احمدؒ کے تین مذاہب غسل یوم جمعہ کے بارے میں کیا ہیں یہ دونوں باتیں امید ہے کہ جواب سے شرف پائیں گی نیز سفر کی خیر و عافیت سے اور واپسی کی تاریخ سے مطلع فرمایئے گا۔

کمترین اظہار احمد تھانوی

۲۵ ذی الحجہ ۶۵ھ

حضرت شیخ الحدیث کا جواب

وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ

بلکہ دونوں مسلکوں کا یعنی مالکی مسلک والے حضرات اور جمہور اپنی اپنی مرجحات اور جانب مخالف مرجحات کا جواب لکھتے رہے اس وقت تو مجھے بھی خیال نہیں کہ میں نے طویل کلام کیا تھا اکثر بات میں بات یاد آتی رہتی ہے جو دوسرے وقت پوری تو مستحضر نہیں رہتی اس لئے ہر سال کی تقریروں میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مختصراً یہ ہے کہ مالکیہ کا اہم مسلک حضرات احادیث میں لفظ رواح سے استدلال کرتے ہیں جو زوال سے بعد پر صادق آتا ہے نیز یہ کہ

زوال سے پہلے ہم لوگ جمعہ میں جانے کا مامور نہیں نیز یہ کہ صحابہ کرام جو مرغبات میں سیاق الی الخیر ہیں ان سے کہیں ثابت نہیں کہ وہ بھم میں سے جمعہ کے لئے تشریف لے جاتے ہوں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اونٹ کا تقرب پانے والے ان میں کوئی بھی نہ ہو بہت بعید ہیں وغیرہ وغیرہ۔ جمہور کی طرف سے اور احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں لفظ غدا واقع ہوا ہو جو صبح پر صادق آتا ہے نیز لفظ تیکر و تہجیر سے جو دوسری روایات میں وارد ہے اس کی تائید ہوتی ہے۔ مامور بہ نہ ہونا ترغیب کے منافی نہیں۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم سے اس کی نفی بھی وارد نہیں کہ وہ صبح سے نہیں جاتے تھے نیز زوال کے متصل بھی نماز ہو جاتی تھی اتنی مختلف تقربات محض ایک فرض چیز بن جائیں گی احادیث میں یوم الجمعہ ثناعشر ساعات سے ہیں جمہور کی تائید ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ۔

اوجز اگر آپ ملاحظہ فرما لیتے تو یہ مسئلہ یاد آجاتا۔ جلد اول ص ۳۲۰ پر موجود ہیں آپ نے فرمایا کہ اس میں نہیں ہیں اور بندہ کی اپنی ناقص رائے ہے ۳۲۱ پر موجود ہیں۔

یہ بھی اوجز جلد اول ص ۳۴۵ پر موجود ہیں امام احمد بن حنبلؒ کی تین روایتیں وجوب عدم وجوب اور تفریق اس میں موجود ہیں تفریق کا مطلب یہ ہے کہ متمدن و متنعم لوگوں پر واجب نہیں بعض جو صاف ستھرے رہتے ہوں کاروباری حضرات جو پسینہ وغیرہ میں مشاق کی وجہ سے مبتلا رہتے ہوں کہ ان کے کپڑوں اور بدن میں بو آنے لگتی سو ان پر واجب ہے

فقط

زکریا

مکرم و محترم مدفیو ضکم بعد سلام مسنون مسرت نامہ پہنچا خیر و عافیت سے مسرت ہوئی لیکن انتشار اور تشنت سے قلق ہوا حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے طمانیت اور سکون عطا فرمائیں اور اس کا بہترین ذریعہ ذکر اللہ کی کثرت ہے جو بنص قطعی تطمئن القلوب کا موجب ہے بالخصوص احادیث کی جو دعائیں دفع کرب و حزب کے متعلق وارد ہوئی ہیں حصن حصین مشکوۃ شریف وغیرہ سے تلاش کر کے ایک پرچہ پر نقل کر لیں اور وہ میسر نہ ہوں تو استغفار' درود شریف اور سوئم کلمہ کی کثرت کریں زندگی کا ہر سانس انتہائی قیمتی ہے اور یہ وہ سرمایہ ہے جو ہر وقت ختم ہو رہی ہے سعید ہیں وہ لوگ جو ان دراہم کو خرچ کر کے دینار واجب کر لیں اور موجب قلق ہیں جو سانس بے کار ضائع ہو جائیں کہ پھر عمر بھر واپس نہیں ہو سکتی۔ اللہ کا بڑا احسان ہے کہ سلسلہ تعلیم جاری ہے طلبہ کی بد شوقی تو سب ہی جگہ عام ہے وہاں چونکہ پہلے سے اس نوع کا سلسلہ قائم نہ تھا اس لئے کچھ تفاوت لازمی ہے ان کو شوق اور ترغیب دلا کر متوجہ کریں جبکہ وہ اسلامی ملک ہے اس سے تعلیمی سلسلہ کو فروغ دینے کی ضرور سعی کرنا چاہئے علمائے کرام کو بھی اس جانب اور ان کی ذمہ داری کی طرف متوجہ کرتے رہنا چاہئے اگر خدانخواستہ کوئی نفع نہ بھی ہو تو آپ تو سعی کے اجر

سے محروم نہ رہیں گے دینی مساعی اور دنیوی مساعی میں ایک اہم فرق کافی ہے کہ دنیا کے لئے مساعی پر نتیجہ مرتب نہ ہو تو سب کیا ہوا بے کار ہو گیا اور دینی مساعی پر نتیجہ مرتب نہ ہو تو اپنا اجر کہیں نہیں گیا۔ بھائی خلیق صاحب اور حکیم مسعود صاحب کی خدمات میں بندہ کا بھی سلام مسنون عرض کر دیں آپ نے بھائی خلیق کی شادی کا مژدہ لکھا مگر یہ نہیں لکھا کہ کہاں ہو رہی ہے اور کب ہو گی مولوی لطیف الرحمٰن صاحب حضرت رائپوری کی آمد کی خبر پر اول مرتبہ آئے تھے مگر اس وقت آمد کی تصدیق کی خبر سے واپس تشریف لے گئے تھے پھر اب دوبارہ آئے تھے اور واپس تشریف لے گئے حضرت رائپوری زاد مجدہم بھی ۲۷ کو دہلی پہنچ کر یکم مئی کو سہارنپور تشریف لائے تھے اور ۴ کو بخیریت رائپور پہنچ گئے۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر العلوم ۱۳ رجب ۶۸ھ

مکرم و محترم مدفیو ضکم بعد سلام مسنون جوابی کارڈ لکھ بھیجا معلوم نہیں کہ پاکستان کا کارڈ یہاں سے جا سکتا ہے یا نہیں بہرحال جواب لکھ رہا ہوں مژدہ عافیت سے مسرت ہوئی اور اس سے اور بھی زیادہ کہ تعلیمی سلسلہ جاری ہے حق تعالیٰ شانہ علمی عملی اور دارین کی ترقیات سے نوازیں معلوم نہیں وہاں لاہور میں کوئی عربی مدرسہ ہے یا نہیں اگر ہے تو کس درجہ کا۔ اس میں کیا کیا کتابیں ہوتی ہیں۔ احباب کی جدائی کا قلق تو سب ہی کو ہے مگر مکافات کا علاج کس کے پاس ہے حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف و کرم سے اگر راستوں کی آسانی مقدر فرما دیں تو ملاقاتیں بھی آسان ہو جائیں موجودہ احوال میں تو مشکل ہی ہے۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر العلوم ۶۹ھ

عزیزم عافاکم اللہ و سلم بعد سلام مسنون اس وقت محبت نامہ ملا مژدہ عافیت سے مسرت ہوئی لیکن اس کا قلق ہے کہ کوئی جگہ تدریس کی اب تک نہ مل سکی حق تعالیٰ شانہ آپ کی مدد فرمائے اور اپنے لطف و کرم سے تعلیمی سلسلہ میں انسلاک فرمائے۔ ڈابھیل کی صورت اگر بن جاتی تو بہتر تھا کہ تعلیمی سلسلہ شاید اچھا بن جاتا اور علمی ترقی کا میدان تھا اب حق تعالیٰ شانہ نعم البدل نصیب فرمائے آپ نے یہ نہیں لکھا کہ جامعہ اشرفیہ اب کوئی نیا مدرسہ قائم ہوا ہے یا قدیم ہے اور اس کی کیفیت کیا ہے مدرسین و طلبہ کی کیا نوعیت اور کیا ہیں کتنی نہ کوئی ہے یا نہیں بندہ ناکارہ و سیہ کار بہرحال دعاگو ہے آپ بھی اس روسیاہ کو اپنی دعاؤں میں یاد کر لیا کریں "از قاری سعید صاحب سلام عرض

کریں" آپ کا سلام پہنچا دیا۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم ۸ جمادی ۶۷ھ

زمانہ طالب علمی کے دوران لکھا گیا ایک اور خط اور حضرت شیخ الحدیث کا جواب

قبلہ مخدومی المطاع حضرت الشیخ زید مجدہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

بزل ص ۳۲۱ **مافاتکم فاتموا او ناقضوا** اس پر اتمام اور قضا کے متعلق جو اختلافات اور دلائل ارشاد فرمائے تھے وہ یاد نہیں رہے اور غالباً" اوجز کے پہلے جز میں اس پر بحث نہیں ہے کیونکہ فہرست میں موجود نہیں ہے۔ بہت ممکن ہے کہ بذل میں جو کچھ تفصیل لکھی ہوئی ہے اس سے حضرت والا کو کچھ اختلاف ہو اس لئے اجمالی طور پر اگر کچھ تحقیق لکھ دی جائے تو رہیں احسان ہو گا۔ والسلام

خادم اظہار احمد تھانوی

نیز ابن رسلان اور محققین حنابلہ کی کیا تحقیق ہے؟

خط کی پشت پر ہی حضرت شیخ الحدیث نے جواب تحریر فرمایا۔

آپ نہ معلوم اوجز کو کس طرح ملاحظہ فرماتے ہیں جلد اول ص ۱۷۸ پر یہ مسئلہ موجود ہے فہرست میں بھی ہے۔ ابن رسلان کے متعلق میں نے کہا تھا کہ وہ شافعی ہیں انہوں نے اس کی تصریح کی ہے کہ مسبوق امام کے بعد جب کھڑا ہو گا تو فاتحہ اور ضم سورۃ کرے گا نیز یہ بھی کہا تھا کہ حنابلہ کا ظاہر مذہب مغنی نے حنفیہ کے موافقت نقل کیا ہے اور دوسری روایت شافعیہ کے ساتھ نیز یہ بھی کہا تھا کہ صاحب مغنی اور ابن عبدالبر نے اس کی تصریح کی ہے کہ آئمہ اربعہ کے نزدیک مسبوق جب اپنی نماز پڑھنے کھڑا ہو گا تو فاتحہ اور ضم سورت بالاتفاق پڑے گا ائمہ اربعہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے اس صورت میں کچھ معمول سا خلاف رہ جاتا ہے البتہ ظاہراً یہ اور اس قول کے ساتھ ضرور اختلاف رہتا ہے جس کو بذل میں صفحہ نمبر ۳ پر لکھا ہے جو کہتے ہیں کہ مسبوق امام کے پیچھے فاتحہ اور ضم سورت کرے اور جب اپنی نماز پڑھنے کھڑا ہو تو صرف فاتحہ پڑھے کہ یہ ائمہ اربعہ کے خلاف ہے۔

فقط

زکریا

مکرم و محترم مدفیو ضکم بعد سلام مسنون عرض ہے کہ مژدہ عافیت ملا مسرت ہوئی یہاں بھی اللہ کا شکر ہے بالکل خیریت ہے۔ مدرسہ میں تعطیل ہونے سے گھر جانے والے سب ہیں مہتمم صاحب' مفتی صاحب بھی ہیں یہ سب لوگ شروع ماہ مبارک میں واپس آئیں گے اس ناکارہ کا وہاں آنا تو بہت ہی مشکل ہے جس شخص کے لئے کاندھلہ اور دہلی تک ہی جانا مصیبت ہو وہ پاکستان جانے کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے آپ نے اپنا ارادہ آنے کا لکھا ہے اس سے مسرت ہوئی حق تعالیٰ شانہ باحسن اجرہ ملاقات نصیب فرمائے ایک ضروری امر یہ ہے کہ رمضان میں خط و کتابت اس ناکارہ کے بس کی نہیں ہے اس لئے بندہ کے خط کا انتظار نہ کریں اس ماہ میں فضائل رمضان کو مطالعہ میں رکھیں۔

فقط والسلام

زکریا مظاہر علوم

۲۵ شعبان ۷۰ھ

□□□

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خطوط

حضرت شیخ القراءؒ کی شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے بسلسلہ بیعت و سلوک جو مکاتبت ہوئی ذیل میں پیش خدمت ہے۔

محترم المقام زید مجدکم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مزاج مبارک؟ والا نامہ باعث سرفرازی ہوا' امور مسئولہ کا جواب حسب ذیل ہے۔

درود شریف ۳ مرتبہ' سورۃ فاتحہ ۳ مرتبہ' سورۃ اخلاص ۱۲ مرتبہ' درود شریف ۳ مرتبہ پڑھ کر یہ دعا کی جائے "**اللھم تقبل ھذا نی برحمتک و کرمک واجعلہ ہدیتہ الی مشائخی الطریقہ و کرمتھم طھر قلبی عن لمن سواک ونورہ بانوار معرفتک وعشقک یا اللہ یا اللہ**"

جو سانس اندر جائے اس کو اس طرح کھینچیں کہ بلا صوت و بلا حرکت لسان و شفت لفظ "اللہ" پیدا ہو اور اس طرح نکالیں کہ لفظ "ھو" پیدا ہو۔ اس امر کی بنا پر کہ زبان نہ ہلے اس کو تالو سے چمٹا لیا کریں یہ اس وقت ہے جبکہ سانس منہ سے لیا جائے اور اگر سانس ناک سے لیا جائے تو منہ بالکل بند کر لیں اور ناک سے سانس میں داخل ہوتے ہوئے لفظ "اللہ" اور خارج ہوتے ہوئے لفظ ھو نکالیں۔ اس کی مشق کے لئے روزانہ باوضو قبلہ رو بیٹھ کر تقریباً ایک گھنٹہ مشق جاری رکھیں اور چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر حال میں خواہ وضو ہو یا نہ ہو' قبلہ رو ہوں یا نہ ہوں۔ اس طرح اس کی کثرت کی جائے کہ کوئی سانس ذکر سے خالی نہ رہے اور بے اختیار ہونے لگے اور یہی مقصد ظاہری ہے۔ اور باطنی یہ ہے کہ بوقت ذکر یہ تصور ہو کہ باہر سے داخل ہونے والا سانس ھوا لظاہر کی خبر دیتا ہے اور اندر سے نکلنے والا سانس ھوالباطن کی خبر دیتا ہے۔ یعنی وہ ذات مقدسہ جو مدلول لفظ اللہ ہے بلا کیف و کم کما یلیق بشاہنا باہر موجود ہی اور ھوالباطن میں اخبار ہے کہ وہ ذات مقدسہ بلا کیف و کم کما یلیق بشاہنا باطن قلب و روح میں موجود ہے۔

والسلام دعوات صالحہ سے اس نابکار ننگ اسلاف کو فراموش نہ فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیوبند

اس کے بعد ایک دوسرے خط کا مضمون کچھ یوں ہے۔

حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ذکر قلبی کا بلا ارادہ و اختیار جاری ہو جانا موجب شکر ہے اللھم زدفزد۔ اب آپ آخری تعلیم پر آئیے یعنی آپ ذکر مسمی کی طرف توجہ فرمایئے اب تک جو کچھ آپ کرتے رہے وہ اسم کا ذکر تھا اب مسمی یعنی ذات مقدسہ الہیہ کی طرف متوجہ ہوں جو کہ لفظ اللہ کی مسمی ہے اور وہی تمام صفات کمالیہ کی مرکز اور تمام سلبیہ کی مورد ہے تمام نقائص سے مبراء ہے وہی عالم الغیوب اور محیط بکل شئی ہے اور اقرب من حبل الورید ہے اور

قلب انسانی میں جلوہ گر ہے اور تمام حوادث شکل و صورت و مادہ سے پاک ہے۔ وہ ہر ایک چیز کو دیکھتا ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے **الم یعلم بان اللہ یری۔ واصبر لحکم ربک فانک باعیننا۔ وھو معکم اینما کنتم۔** ہر وہ چیز کو محیط **الا انہ بکل شئی محیط۔ سنریھم ایاتنا فی الافاق۔ وفی انفسکم افلا تبصرون۔** نصوص صریحہ ہیں۔ اس لئے یہ دھیان جمایئے کہ وہ ذات مقدسہ متصفہ بجمیع الصفات الکمالیہ منزہہ عن جمیع صفات النقص مرے قلب میں جلوہ گر ہے اور میں اس کے سامنے حاضر ہوں یعنی **وفی انفسکم افلا تبصرون** کا تصور اور دھیان باندھا کیجئے۔ روزانہ اسی دھیان اور تصور میں کم از کم آدھا گھنٹہ ادب اور تعظیم کے ساتھ باوضو صرف کیجئے اور جس قدر ممکن ہو اس میں زیادتی کیجئے تاآنکہ حضور دائم حاصل ہو جائے۔

ہمت رب الناس رابا جان ناس
اتصالے بے **تکیف** بے قیاس

یہ ایسی چیز ہے انسان اس سے غافل ہے۔ ذکر اسم میں کمی اگرچہ واقع ہو جائے مگر ذکر مسمی میں جو کہ ذکر واقعی ہے زیادتی ہوتی رہے اور حقیقت احسان روز افزوں ہو جائے۔

والسلام دعوات صالحہ سے اس نابکار ننگ اسلاف کو فراموش نہ فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ از دارالعلوم دیو بند

۱۹ جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

میں نے یہ سب حالات حضرت کو لکھے تو فرمایا کہ پاس انفاس کا بلا اختیار جاری ہونا انعام خداوندی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور زیادتی عطا فرمائے آمین اب آپ ذکر قلبی کی طرف توجہ فرمائیں۔

اس کا طریقہ یہ ہے کہ بائیں پستان سے نیچے تین انگل مقام قلب پر یہ تصور جمائیں کہ قلب سے ذکر اسم ذات لفظ "اللہ" یا لفظ "اللہ ہو" ہو رہا ہے۔ قلب عشق خداوندی کی وجہ سے بے چین ہو کر اسی کا نام نامی لے رہا ہے من احب شیئا اکثر ذکرہ۔ اس ذکر کو باوضو قبلہ رو ہو کر تنہائی میں محض خیال اور تصور سے بجا لایا کریں زبان کو حرکت نہ ہو۔ سانس اپنے ذکر پاس انفاس میں مشغول رہے اس سے نفیا" یا اثباتا" کوئی تعرض نہ ہو مرکز توجہ اس وقت میں فقط قلب رہے۔ اسی ذکر قلبی کو دو ہزار روزانہ سے شروع کریں اگر ایک مجلس میں ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ متعدد مجالس میں ۲۴ گھنٹہ شب و روز میں پورا کر لیا کریں۔ پھر آہستہ آہستہ اس کو بڑھائیں تاآنکہ یہ بھی پاس انفاس کی طرح بلا ارادہ و اختیار جاری ہو جائے۔

والسلام۔ دعوات صالحہ سے اس نابکار کو فراموش نہ فرمائیں۔

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ

از دارالعلوم دیو بند

حضرت شیخ القراءؒ کے بعض خطوط جو انہوں نے حضرت قاری محمد ادریس عاصم صاحب کو تحریر فرمائے۔

عزیزم قاری محمد ادریس عاصم سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ ! الحمدللہ یہاں خیریت ہے۔ خیریت سے مدینتہ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری مبارک ہو امید ہے کہ تعلیمی کام باقاعدگی سے اور دل جمعی سے شروع کر دیا ہو گا ضروری ہے کہ جامعہ کے تمام قواعد و ضوابط کی اچھی طرح نگہداشت اور بجا آوری کی جائے اور کوئی بے احتیاطی ہرگز مت کرنا' قاری احمد دین صاحب خیریت سے ہیں سلام کہتے ہیں ان کا پرچہ ان کو دے دیا گیا تھا تمہارا خط مہتمم صاحب نے بھی پڑھا اور خوشی و محبت کا اظہار فرمایا سلام بھی کہتے ہیں' ان کی والدہ صاحبہ ۴ جنوری کو اپنے دوسرے بیٹے کے پاس ریاض جا رہی ہیں۔ مدینہ منورہ میں سردی میرے خیال میں ہلکی ہو گی یہاں تو خوب ہو رہی ہے آج بادل بھی منڈلا رہے ہیں جنوری میں یہاں بارش اور ہواؤں کی وجہ سے زیادہ سردی ہوتی ہے' کل جمعہ کو سفیر سعودی عرب ریاض الخطیب صاحب اور مفتی محمود صاحب مسجد شہداء میں خطاب فرمانے والے ہیں قاری اقبال صاحب کا لکھنا کیا بنا؟ موجود ہوں تو سلام و دعا کہنا اور کہنا کہ آپ کا نام اقبال ٹھیک نہیں اعراض اچھا ہے کبھی خط نہیں لکھتے' قاری نذیر صاحب کا کیا حال ہے اور لاہوری حضرات میں سے کون کون صاحب جامعہ میں ہیں ایک الٰہی بخش صاحب بھی تھے' لسوڑی مسجد والوں کو تا ہنوز کوئی قاری میسر نہیں آیا ہے باقی سب خیریت۔

مسجد نبوی شریف میں سلام و دعا میں یاد رکھا کریں بچوں' اہلیہ اور والدہ صاحبہ کے لئے دعا کیا کریں۔ یہ کم از کم کہہ دیا کریں کہ یا اللہ ان سب پر فضل خاص فرما۔

مورخہ ۲۷ محرم ۹۹ھ — فقط

۲۸ دسمبر ۷۸ء — اظہار احمد تھانوی

مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار' لاہور

اسلام آباد

۲۱ اکتوبر ۸۴ء یوم الاحد

فضیلتہ الشیخ حیاکم اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ ! تمہارا خط مجھے کوئی نہیں ملا اس نے پوچھ اس سے پوچھ ارے بھائی وہ قاری ادریس کہاں ہے کیا حال ہے قاری احمد دین ادریس کا بھی کچھ معلوم ہے' کوئی خط ہی نہیں آیا وہ کبھی خط ہی نہیں لکھتا' اللہ

اکبر آپ لکھتے ہیں دو عریضے ارسال کئے خدا جانے کس چور نے اڑاے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بس بھائی ہم بھی اب مسافر ہیں ہفتہ میں چار دن اسلام آباد تین دن لاہور یا سفر میں خط آ رہے ہیں اور "رل" رہے ہیں لاوارث مسافر کا سامان یونہی گم ہو رہا ہے کیا لکھوں کہ فلاں پتہ پر ضرور خط مل جائے گا پتا اپنا ہی نہیں پرسوں قاری احمد دین نے تمہارا خط دیا' ارے وہ قاری احمد دین کی بھی تو شادی ہو رہی ہے۔ شادی کارڈ شاندار چھپے ہیں یعنی ۲۵ اکتوبر جمعرات کو سہرا بندھے گا بارات جائے گی بندہ بھی انشاء اللہ شریک ہو گا سب کو خوشی ہے خلیفہ جی بہت خوش ہیں جو خود ماشاء اللہ شادی کا کرشمہ انجام دے چکے ہیں چلو اچھا ہے من رغب عن سنتی فلیس منی کی زندگی سے نکل جائیں گے اس موقعہ پر تمہارا ہونا ضروری تھا' مگر تم کہاں تمہارا تو رابطہ والوں سے وہ رابطہ ہوا ہے کہ پیچھا ہی نہیں چھوٹتا۔ یار ہے تو مستقل مزاج' رابطہ والوں سے تعاقد کرا کے ہی دم لینا ہے۔ خوش نصیب ہو طواف و زمزم اور زیارت بیت اللہ کے لطف لے رہے ہو۔ گاڑی خرید لی؟ چلانی آگئی؟ قاری سراج کو پیغام محبت و یاد پیش کرو ان کی سندیں لکھنے کے لئے میرے سامنے قاری احمد دین نے مولانا بدیع الزمان کے حوالے کر دی تھیں امید ہے کہ جلد انشاء اللہ پہنچیں گی' میں کیا اور میری تلمیذی میں کیا خوبی وہ تو ماشاء اللہ حرم شریف میں بیٹھے ہیں۔ میں ان کا شاگرد بن کر ان کے سامنے بیٹھوں قرآن سناؤں تو سعادت پاؤں حرم میں جھاڑو دیا کروں قرآن پڑھوں مولا سے مغفرت مانگوں قاری ادریس آئے تو دو روٹی دے کر چلا جائے یہ تمنا ہے مگر قضا و قدر والے ہنستے ہیں کہتے ہیں چپ کر' یہ سعادت تم جیسے گھٹیا انسانوں کو نہیں مل سکتی بھائی میں مارچ میں اچانک مکہ پہنچا تمہاری وہ شب و روز کی ملاقاتیں اور حاضریاں اس قدر یاد آتی ہیں کہ دل دعا مانگنے لگتا ہے یا اللہ اس جوان کو خوش رکھ مکہ کس قدر مانوس شہر ہو گیا تھا یاد کرتے ہیں آہیں بھرتے ہیں۔ یادش بخیر مسکراتا ہوا چہرہ نور طاہر نور اندونیسی اور ارشاد الاعظمی اب ملاقات کا کوئی امکان نہیں ان کو گلے لگائیں اور تقبیل کریں انبتهما الله نباتا حسنا شیخ مرصفی سے مدینہ میں ملاقات نہیں ہو سکی ان کی اہلیہ سخت علیل تھیں وہ مستشفی میں رہے اگلے روز ملاقات طے ہوئی قاری خلیل کے ہمراہ ان کے مکان پر گئے دروازہ پیٹ کر آ گئے کہ شیخ گھر میں نہیں حالانکہ وہ اندر منتظر تھے خدا معلوم کیا ہوا ان کا افسوس سے پر خط آیا تھا میں نے بھی جواب لکھا تھا پھر کوئی خط نہیں آیا ابھی پندرہ روز ہوئے جامعہ اسلامیہ مدینہ کے پتہ پر پھر ان کو خط لکھا تھا اس کا بھی جواب نہیں ملا' اللہ ہی جانے کیا قصہ ہے اچھا حرم شریف جاؤ دو رکعت نفل پڑھو پھر طواف کرو پھر نفل طواف پڑھو مقام ابراہیم پر میرے لئے دعا کرو کہ یا اللہ اس کو مقاصد میں کامیابی عطا فرما پاکستان کے لئے دعا کرو اللہ تحفظ و بقا نصیب کرے دین محمدی کو ترویج بخشے۔ خط لکھو

اظہار احمد تھانوی' اسلام آباد

مولانا قاری محمد ادریس عاصم زیدمت خصائلکم

مولانا قاری محمد ادریس عاصم زیدمت خصا ئلکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

کیا احوال ہیں؟ زور و شور سے پڑھائی یا عالمی سیاسیات؟ میں ٹھیک ہوں مگر سکون طبیعت افسردہ' قدرت نے یار مجھے تو کولہو کا بیل بنا دیا ہے بس لگا رہتا ہوں تو میرے واسطے دعا کر کہ اب کوئی خیر و راحت والا انقلاب رونما ہو میں آخر کب تک یہ شاطبیہ اور فواہد مکیہ میں پڑا رہوں گا جام ہو کر رہ گیا ہوں کوئی آنے والا ہو تو مورد الظمان فی الرسم بھیجو نیز معلوم ہوا ہے استاذ عبدالفتاح قاضی نے ایک کتاب تاریخ المصحف لکھی ہے میرے خیال میں یہ کوئی اچھی کتاب ہو گی اب تک یہ موضوع تشنہ ہی ہے رطب و یابس سے ہٹ کر پر مغز کتاب کی ضرورت شاید اس کتاب نے پوری کر دی ہو لہٰذا یہ یاد رکھ کر بھیجو قاری انور فیصل آبادی ہمراہ کوئی کتاب نہیں لایا وہ ایک اونی گنبد خضراء کے ہمرنگ ٹوپی لایا تھا جس کو میں رات کو تبرک کے طور پر سر پر رکھ لیتا ہوں مجھے افسوس ہے کہ میں تمہارے خط کا جواب جلدی نہیں دے سکا ہوں کچھ سستی رہی اتنے دن۔ ربیع الاول میں ہونے والے امتحانات کا کیا رہا خدا کامیاب کرے۔ ریاض میں مدارس میں میلاد النبی کے عنوان سے پندرہ روز چھٹیاں ہوئیں برادرم قاری سرفراز احمد نے لکھا ہے کیا آپ کے مدرسہ میں بھی ہوئیں۔ عمرہ کر آئے ہو؟ قاری عبدالرحمٰن سے سلام کہنا ان کی والدہ وفات پا گئیں تعزیت بھی کر لینا آج ہی ان کا خط آیا ہے برادرم قاری سرفراز احمد وغیرہ قراء ربیع الاول کی چھٹیاں عمرہ اور زیارت مدینہ میں گزار کر واپس ریاض گئے ہیں ظہر کی اذان ہو گئی اب نماز کو جانا ہے یہ خط آج بھی نہیں جا سکے گا نماز کے بعد خانقاہ احمدیہ میں جانا ہے نصیر آیا ہے کہ چل کے روٹی کھاؤ لہٰذا باقی خط کل ہی انشاء اللہ پورا ہو گا تم نے جو سوالات اپنے خط میں اٹھائے ہیں اس میں مختصر جواب اس طرح ہو گا کہ معلوم ہی ہے کہ مصاحف عثمانی اجزاء (پاروں) سے خالی تھے جس طرح نقطوں اور حرکات شد مد سے خالی تھے حفظ و تلاوت کی سہولت کے لئے مہینہ کے تیس دنوں پر تقسیم کے لئے تیس حصوں میں تقسیم کیا یہ بات تمام مصاحف عرب و عجم میں موجود ہے پس اسکے بعد مزید سہولت اور ضرورت کے پیش نظر پارہ کے بھی اجزاء کئے گئے ربع' نصف' ثلثہ' مصری قرآنوں میں قرآن کے ۶۰ ستون احزاب مقرر ہوئے جو کتاب غیث النفع اور ناظمتہ الزہر اور اس کی شروح اور تحقیق البیان اور ارشاد القراء والکاتبین لابی عبد رضوان سے لئے گئے ہیں وقوف و علامت منار الہدی وغیرہ سے لے کر لگائے گئے کتب القراۃ والتفسیر سے سورتوں کا نام اور ان کے مکی مدنی ہونے کے تعیین کیا گیا بہت سے قرآنوں میں لفظ خمس کی اصطلاح رائج ہے کہ سورت کی ہر آیت خامسہ پر خمس اور دس پر عشر لکھا ہوتا ہے گویا بچوں کے اسباق کی تقسیم کا طریقہ وضع کیا گیا بعض قرآنوں میں اس خمس اور عشر کی جگہ رکوع کا ع بنایا گیا اس میں دو مقصدوں کو پیش نظر رکھا گیا ایک بچوں کا سبق معین ہو دوسرے نماز میں پڑھنے والوں کو سہولت رہے آیت کا مضمون پیش نظر رہے یہ تمام کام مرحوم ماورا النہر و سمرقند و بخارا میں اسلامی دور میں ہوا ہے علماء نے بہرحال اس تمام علامت و رموز کے سلسلہ کو بلا

کراہت جائز کہا ہے کیونکہ تلاوت جو ایک عبادت مقصودہ ہے اس کی سہولت و حفظ میں ان چیزوں سے آسانی ہوتی ہے۔

اساتذہ اور طلاب کی طرف سے سلام قاری محمد اقبال اور نذیر صاحب سے ملاقات ہو تو سلام کہنا قاری احمد دین خیریت سے ہیں ان کی زبانی معلوم ہوا کہ تمہارے بھائی کے ہاتھ میں چوٹ آگئی ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے صوفی صاحب بھی خیریت کے ساتھ سلام کہتے ہیں۔

فقط

اظہار احمد تھانوی

مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار، لاہور

۱۸ - ۲ - ۸۰

عزیزم قاری محمد ادریس سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا خط باعث اطلاع خیر و موجب از دیار محبت ہوا بارک اللہ فیک بحمد اللہ یہاں سب خیریت ہے۔ صوفی محمد دین صاحب کے ذریعہ آپ کی بھیجی ہوئی کتاب "موارد الظلمان" ہر دو جلد موصول ہوئی مطالعہ میں رہتی ہے عمدہ نصائح اور احادیث پر مشتمل ہے واعظوں کے کام کی چیز ہے مہتمم صاحب اس کو حاصل کرنے میں شوق رکھتے ہیں میں نے عرض کیا ہے پیش کروں گا کتاب تو خیر ملی صوفی محمد دین صاحب جب اسے لے کر تشریف لائے تو حالت مبارکہ یہ تھی کہ سر پر دونوں جلدیں رکھی تھیں ہاتھ میں کافی کی بوتل کچھ کھجوریں اور ایک ہاتھ کی گھڑی تھامی ہوئی تھی کافی اور گھڑی مکہ سے قاری عبدالرحمٰن صاحب نے بھیجی تھی کتاب کے نام پر اچٹتی سی نگاہ پڑی میں بہت خوش ہوا کہ یہ غالباً" رسم عثمانی کی مشہور کتاب مورد الظمان ہے لیکن بعد تفصیلی مطالعہ پیاس کتاب مذکور کی باقی ہی رہی کوئی آنے والا ہو تو اس کے ہاتھ رسم کی یہ کتاب ضرور بھیجو یہ تو غالباً" تم پڑھ بھی رہے ہو مع شرح کے بھیجو تمہاری درسی کتابوں کی بھاری بھر کم تفصیل معلوم ہوئی خاصا مشکل نصاب ہے جس کے لئے عربی ادب کی عمدہ استعداد ہونی ضروری ہے، بہرحال محنت کرو اور ذہین و مخلص طلباء سے مذاکرہ علمی مفید رہے گا اخبارات سے حرم شریف کی صورت حال کا علم ہوتا رہا اس دور کے مسلمانوں کی بدقسمتی کہ ایسے ہولناک فتنوں سے بیت اللہ شریف کے تقدس کے مجروح ہونے کی خبر سننے میں آئی اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے۔ سعودی حکومت کو اللہ تعالیٰ دائم و قائم رکھے اور عالم میں سب سے مضبوط و توانا حکومت بنائے جس کی شاندار خدمات حرمین شریفین کی بہترین ہیں۔

حجاج کرام سب واپس آگئے ہیں ہمارے مدرسہ میں سے صوفی صاحب کے علاوہ حافظ محمد دین صاحب نابینا اور قاری

سعید احمد صاحب بخیریت آگئے ہیں حافظ فیاض صاحب بھی بحمداللہ خیریت سے پہنچ چکے ہیں میں اور قاری احمد دین صاحب سٹیشن پر ان کی پیشوائی کے لئے گئے تھے اور بہت سے لوگ پہنچے ہوئے تھے۔
قاری محمد ذاکر صاحب اپنے ہمراہ دس گیارہ قاریوں کو لے کر ریاض پہنچ چکے ہیں ہر قاری کی ہزار ریال تنخواہ ہے ہمارا چھوٹا بھائی قاری سرفراز احمد بھی گیا ہے جسمانی صحت کے لحاظ سے بیچارہ کمزور سا آدمی ہے اس کے لئے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ صحت مند و توانا رکھے اور جانا باعث خیر ہو' قاری نفیس' قاری رحیم بخش' عبیدالرحمٰن کشمیری وغیرہ وغیرہ گئے ہیں قاری احمد دین صاحب مہتمم صاحب بخیریت ہیں دعا و سلام کہتے ہیں دعا و خیر میں یاد رکھنا۔
والسلام قاری محمد اقبال صاحب اور قاری نذیر صاحب کو بھی سلام کہدینا۔

۲۸ محرم ۱۴۰۰ یوم الاربعاء

بندہ اظہار احمد تھانوی
مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار' لاہور

قاری محمد ادریس عاصم صاحب
السلام علیکم ورحمتہ اللہ !

خط ملا تعجب اور افسوس ہے کہ تمہیں افضل الدرر کے پانچ نسخوں کا رجسٹری اب تک نہیں ملا میں نے فوراً یہ نسخے روانہ کر دیئے تھے معلوم یہ ہوا ہے کہ کتابیں سعودی عرب میں چیکنگ (پڑتال) کے بعد تقسیم ہوتی ہیں تاکہ کوئی شخص غلط لٹریچر نہ بھیجے وہ کتابیں میرے خیال میں ڈاک والوں کے سٹور میں پڑی ہوئی ہیں جب ان کی چیکنگ کا مرحلہ پورا ہو چکے گا تو آپ تک پہنچ سکیں گی اسی کو کہتے ہیں تاتریاق از عراق آوردہ شود مارگزیدہ مردہ شود کہاں تو آپ جلدی منگوا کر فاضل اساتذہ کو اہداء کا فریضہ ادا کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ ناراض تھے اور کہاں یہ رکاوٹ پیش آئی' آپ متعلقہ ڈاک والوں سے پتہ کریں اور چیک کروالیں۔ پیکٹ رجسٹری ہے اور رجسٹری نمبر ۴۲ ہے ۸۰-۱۲-۲۱ کو لاہور کے ڈاک خانہ رنگ محل میں روانگی کے لئے دیا گیا ہے گویا تین مہینے ہو گئے ہیں قیمت کی کوئی جلدی نہیں آپ کے آنے پر دیکھا جائے گا انشاء اللہ سیفی صاحب کے معرفت بھیجی ہوئی کتب وصول ہو چکی ہیں کتابوں میں ایک چھوٹی کتاب الاستعداد لیوم المعاد۔ لابن حجر عسقلانی عمدہ کتاب ہے ایک دوست ڈاکٹر عبداللطیف صاحب اس کے بہت خواہش مند ہو رہے ہیں کوئی آنے والا ہو تو وہ بھیج دینا۔ دیگر یہ کہ کوئی صاحب عبیدالرحمٰن اعظمی ص۔ ب ۱۸۰ المدینہ المنورہ K.S.A تین ماہ ہوئے مجھے ملا وہ علی عنوان اعتناء علماء الہند بدراستہ القرآن وعلومہ فی شبہ القارۃ الہندیہ۔ پر کلیتہ القرآن الکریم میں مقالہ تیار کر رہے ہیں انہوں نے مجھے لکھا ہے کہ اس موضوع پر مجھے معلومات فراہم کریں۔ میں نے ان کو ابھی تک کوئی جواب نہیں دیا تم اگر مناسب سمجھو تو ان کو مشورہ دینا کہ دارالعلوم نمبر رسالہ الرشید ساہی وال میں میرا ایک مضمون اس پر چھپا تھا یہ اس وقت کی بات ہے جب یہاں تجوید القرآن میں

قاری محمد اقبال استاذ تھے وہ نمبر انہوں نے مجھ سے لے لیا تھا اگر وہ رسالہ قاری اقبال صاحب کے پاس ہو تو عبیدالرحمٰن اعظمی صاحب ان سے حاصل کر کے دیکھ لیں مستقل کوئی سرے سے مضمون لکھنے کی نہ فرصت اور نہ ہی طبیعت مائل۔ یہاں سب خیریت ہے باقی بجز اس کے کیا لکھوں کہ ایک مہجور مجبور گناہ گار سیہ کار امتی کا نام لے کر سید دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلوۃ والسلام عرض کر دینا اور اس روسیاہ کے لئے اور والدہ' بچوں اور بیوی کے لئے بھی دعا کر دینا کہ مولا کریم فضل فرما دے۔ سخت محتاج ہوں۔

عزیزم قاری محمد ادریس عاصم سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ!

یہاں الحمدللہ سب خیریت ہے آپ کے خط سے خیریت معلوم ہوئی اس سے پہلے کہ خطوط مل گئے مگر فرصت نہیں ہوئی کہ جواب بھیجتا شکر ہے کہ تمہاری تعلیم بخیر و خوبی چل رہی ہے اللہ کامیابی دے تین چار دن ہوئے کتابیں مل گئیں جزاکم اللہ خیرا موردا الظمان اور اس کی شرح اور دو کتابیں شمار آیات پر ہیں انشاء اللہ جلدی ہی مطالعہ سے استفادہ کروں گا شکر ہے کہ عرصہ دراز کی پیاس کا ساماں ہو گیا ماشاء اللہ تم نے خاصا فکر کیا مدینہ شریف کی تو ہر چیز تحفہ ہے اور علمی پیاس کا سامان ہو جائے تو سبحان اللہ قاری اقبال کبھی خط نہیں بھیجتے امید ہے کہ خیریت سے ہی ہوں گے ملاقات ہو تو سلام کہنا اب تو گرمیوں کی و رمضان کی چھٹیاں آرہی ہیں آنے کا کیا پروگرام ہے' ہماری حرز الامانی بحمداللہ چھپ گئی اچھی دیدہ زیب چھپی ہے اگر آنے کا پروگرام ہو تو فبہا ورنہ کسی کے ہاتھ بھیجوں گا رائیہ کی شرح افضل الدرر مولفہ حضرت قاری عبدالرحمٰن کی بھی چھپ رہی ہے سنا ہے کہ شیخ عبدالفتاح قاضی صاحب نے تاریخ القرآن کے موضوع پر کوئی کتاب لکھی ہے اس کا بھی اشتیاق ہے یاد رکھنا وہ بھی میرے لئے ایک نسخہ ضرور خرید لو وہ غالباً" قابل مطالعہ ہی نہیں بلکہ اردو میں قابل ترجمہ بھی ضرور ہو گی دراصل ایسی تاریخ قرآن کی ہنوز ضرورت ہے کہ جس میں عمیق تاریخی مطالعہ کی روشنی میں قرات کے اسناد پر ایسے انداز میں بحث کی جائے کہ سیر حاصل بھی ہو اور آجکل کے پڑھے لکھے ذہنوں کو شکوک سے نکال سکے خدا کرے وہ کتاب ایسی ہی ہو' مناہل العرفان اس موضوع پر ایک خاصی اہم کتاب ہے مگر حرف آخر نہیں یہ مصری مصنف ہے مگر صرف قاری نہیں ہے لہٰذا قرات کی قدر و قیمت کو ٹھوس دلائل کی روشنی میں حل نہیں کر سکا۔ سنا ہے کہ تم لاہور آنے والے ہو اگر یہ خبر صحیح ہے تو ایک تکلیف دیتا ہوں مہربانی کر کے پلاسٹک کی چٹائی لے آئیں اتنی بڑی ہو کہ ایک کمرے میں بچھ جائے بہاولپور والے قاری نذیر سلمہ کو سلام عرض کریں امید ہے کہ خیریت سے ہوں گے حال ہی میں ریاض سے قاری محمد نفیس رجب کی چھٹیاں گزارنے آئے ہیں یعنی امتحانات کی تیاری کے لئے بچوں کے درجات قرآنی میں چھٹی ہو گئی ہے ہمارا بھائی سرفراز ریاض ہی ہے پچھلے دنوں قاری احمد دین بیمار رہے اب قدرے افاقہ ہے اللہ تعالیٰ کامل صحت عنایت فرمائے

مدرسہ میں آرہے ہیں' ابھی ابھی ایک بجے کی خبروں میں معلوم ہوا ہے کہ پنڈی والے غلام اللہ خاں صاحب وفات پا گئے ہیں اللہ مغفرت فرمائے آپ کے گھر الحمدللہ خیریت ہے حافظ افضل سے ملاقات ہوتی رہتی ہے انہیں سے خیریت معلوم ہوئی غالباً" معلوم ہو گیا ہو گا کہ شیخ محمد اشرف صاحب بھی وفات پا گئے ہیں اللہ مغفرت فرمائے۔ دعا خیر میں یاد رکھیں بچوں کے واسطے خصوصی دعا کریں کہ اللہ کریم ان کا مستقبل سنوار دے دیندار کرے اور ان پر رزق کے ابواب مفتوح فرمائے۔ والسلام

اظہار احمد تھانوی

۲ رجب ۱۴۰۰ھ منگل

۲۳ مئی ۱۹۸۰ء

عزیزم قاری محمد ادریس عاصم حفظکم اللہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

آپ کا دوسرا خط ملا الحمدللہ خیریت سے ہوں' خوشی ہوئی کہ اساتذہ کرام کو کتابیں پسند خاطر ہوئیں ان کی ناراضی کا علاج یہی ہو سکتا ہے کہ کتب ہدیہ کر دی جائیں قاری سیفی کمبخت نے ابھی تک اپنے آنے کی کوئی رسید نہیں دی کتاب کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا بہرحال امید ہے کہ بھیج دے گا قاری احمد دین صاحب اور ان کے سب رفقاء یکے بعد دیگرے بخیریت پہنچ چکے ہیں دعوتیں اڑا رہے ہیں کہیں ہماری بھی ہو جاتی ہے کل خلیفہ یعقوب کے ہاں سب کی دعوت تھی پیر وزیر اور قاری احمد دین تو بڑے مزے میں رہے بڑی خاطر تواضع اور پذیرائی ہوئی ہے خصوصاً" وزیر صاحب تو وہاں بھی پیری جما آئے ہیں تحائف بھی خوب لے کر آئے ہیں' چوہا نکالنا آجائے تو واقعی بڑے مزے ہیں تمہارا چھوٹا بھائی قاری عبدالستار کے یہاں پڑھ رہا ہے ٹھیک ہے پرسوں جمال القرآن ختم ہوا ہے ان کی جماعت کے استاذوں کی چائے کی دعوت کی اب پاؤں کے انگوٹھے کا کیا حال ہے؟ امید ہے کہ ٹھیک ہو گیا ہو گا ششماہی امتحان میں اللہ تعالیٰ کامیابی عطا فرمائے اور مستقبل میں علمی ترقی کا ذریعہ کرے۔ گھڑی کے بارے میں کیا لکھوں جو بھی پائیدار ہو ٹھیک ہے نگاہ کی کمزوری کی وجہ سے چاہتا ہوں کہ ڈائل اور سوئی کا رنگ مختلف ہوں تاکہ دور سے یا کم روشنی میں ٹائم با آسانی دیکھ سکوں۔

اچھا جی افضل الدرر پانچ نسخے بذریعہ رجسٹری روانہ ہیں' پہلے شاطبیہ پانچ نسخے آپ کے پاس پہنچ چکے ہیں ان کی قیمت مجھے قاری عزیر نے نہیں دی۔

شاطبیہ پانچ نسخے	۹۰
افضل الدار پانچ نسخہ	۶۰

خرچہ ڈاک	۶
کل	۱۵۶

۱۵۶ روپے کا چیک بنوا کر بذریعہ رجسٹرڈ لفافہ روانہ کرو۔ سعودی والے بنک چیک خلیج بینک لمیٹڈ شاہراہ قائد اعظم دی مال لاہور کے نام کا بناتے ہیں چیک اسی نام کا ہوں نیشنل بینک پاکستان چوبرجی برانچ آپ نے جو حال ہی میں لفافہ بھیجا جو پرسوں ملا معلوم نہیں کیوں اکاونٹ نمبر۸۰۰۷۳ پیسہ کا بیرنگ تھا حالانکہ اس پر چالیس پیسہ کے ٹکٹ لگے ہوئے تھے۔ ڈاکئے سے پوچھنا یاد نہیں رہا۔ اچھا خدا حافظ قاری احمد دین صاحب وغیرہ سلام کہتے ہیں۔

اظہار احمد تھانوی مدرسہ تجوید القرآن
موتی بازار' لاہور

قاری محمد ادریس العاصم سلمہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ

عرصہ بعد خط لکھ رہا ہوں فرصت نہیں ہوتی دن مدرسہ میں اور رات گھر پر گزرتی ہے صبح و شام مصروفیت اور کاموں کا ہجوم کیا حال ہے پڑھائی ہو رہی ہے۔ قاری نذیر کا خط آیا تھا ان کو میرا بہت ہی سلام و محبت پہنچا دینا اور قاری الٰہی بخش کو بھی امید ہے کہ آپ لوگوں کی صحت اچھی ہو گی بحمد اللہ خیریت ہے حافظ افضل سے آپ کے اہل خانہ کی خیریت بھی معلوم ہوئی۔ قاری احمد دین صاحب صوفی محمد دین حج کے لئے درخواستیں دے چکے ہیں قرعہ میں نام نکل آیا تو انشاء اللہ حج کرنے آئیں گے خط لکھو تو اپنے مدرسہ کے دلچسپ احوال سے اطلاع دینا۔ عربی میں جواب لکھو تاکہ مجھے تمہاری عربی کی استعداد کا اندازہ ہو سکے۔ ماشاء اللہ تم خوش قسمت لوگ ہو دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام نصیب ہے برکات سے مالا مال ہو رہے ہو ہم کو تاہ نصیبوں کو بھی دعاؤں میں یاد کر لیا کرو۔ قاری نذیر صاحب اور تم کبھی کبھی حضرت شیخ الحدیث مدظلہم کی خدمت میں حاضری دیا کرو ان کی ہستی بڑی غنیمت ہے لکھنا ان کی صحت کا کیا حال ہے۔ سنا ہے امسال حافظ محمد فیاض صاحب بمعہ والدہ صاحبہ بھی حج کا ارادہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ سعادت بخشے لاہور میں آجکل سخت گرمی ہے مدرسہ کے سالانہ امتحان آئندہ ماہ ہوں گے۔ مدینہ شریف کا موسم کیسا ہے؟ بغیر نمک مرچ کا کھانا اب تو معمول بن گیا ہو گا۔ سب واقفین کی خدمت میں سلام مسنون یہاں سے بھی سب حضرات یاد کرتے ہیں اور سلام پہنچاتے ہیں۔ والسلام

۱۳ رجب ۹۹ھ — بندہ اظہار احمد
۷۹-۶-۹ — مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار' لاہور

عزیزم قاری محمد ادریس عاصم السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!

الحمدللہ یہاں خیریت ہے امید ہے کہ تم معہ اپنے رفقاء بخیر و خوبی تعلیم میں مشغول ہو گے خط ملا تھا مگر جواب قدرے دیر سے جا رہا ہے کچھ تو فرصت کی کمی اور کچھ رنگ محل کے ڈاک خانہ میں ایروگراموں کا قحط آج یہ ایرو گرام حسن اتفاق سے ڈاک خانہ چوبرجی سے ملا۔ اس عرصہ میں مکتہ المکرمہ سے قاری عبدالرحمٰن صاحب کا بھی خط ملا ہے انہوں نے بھی تمہاری ملاقات کا ذکر کیا ہے اور اب تو نائجیریا سے قاری محمد اقبال صاحب بھی آپ کے یہاں یونیورسٹی میں آچکے ہیں ان کو سلام کہنا اور لکھنا کیا تعلیم حاصل کر رہے ہیں کونسی کتابیں زیر تعلیم ہیں نصاب کتنے سال کا ہے' ہمارے مدرسہ میں سال اول کا استاذ تجوید مہتمم صاحب نے اب تک کسی کو نہیں لگایا تھا' ابھی پرسوں ایک استاد مقرر کیا ہے مگر اس عرصہ میں سال اول کے بہت طلبہ مایوس ہو کر مدرسہ سے جا چکے ہیں استاذوں کی کمی ہے مگر مہتمموں کی خود داریاں بھی اپنے جوبن پر شایان شان پائی جاتی ہیں۔ تمہاری تعلیمی رفتار کا کیا حال ہے؟ طبیعت لگی ہوئی ہے پڑھائی اور کلاسیں باقاعدہ ہو رہی ہے؟ ماشاء اللہ خوش نصیب ہو مدینہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں قیام طعام اور علم کے تمام اسباب اللہ نے کر دیئے ہیں یار مجھے اپنی دعاؤں میں ضرور یاد رکھ جب بھی در اقدس پر حاضری ہوا کرے میرا سلام نام لے کر عرض کر دیا کر اور ریاض رسول یا صفہ پر بیٹھ کر اللہ تعالیٰ سے میرے اور میرے گھر والوں خصوصاً" بچوں کے لئے دعا خیر مانگا کر اللہ تعالیٰ جزاء خیر عطا فرمائے۔

قاری حاجی پچھلے دنوں آیا تھا باصرار کہہ کر گیا ہے کہ قاری ادریس کو لکھو مکتبہ سلفیہ سے تین کتابیں مجھے خرید کر بھیج دے ایک الوافی شرح شاطبیہ دوسری شعلہ شرح شاطبیہ تیسری اتحاف فضلاء البشر فی القرات ار .حتہ العشر۔ اب تو تم عربی خاصی روانی سے بول لیتے ہو گے۔ قاری نذیر آف بہاولپور کا کیا حال ہے سلام کہنا۔ شیخ عبدالفتاح القاضی کا کیا حال ہے؟ قاری مصطفیٰ اسماعیل" گذشتہ دسمبر میں اسکندریہ میں انتقال کر گئے پرانے مصری اساتذہ کافی دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں اب قاری عبدالباسط اور قاری خلیل محمود حصری ہیں اللہ تعالیٰ تادیر رکھے' ایک قاری عنتر کوئی وجود میں نیا قاری آیا ہے غضب ہے آواز شعلہ کی طرح چمکتی ہے پتہ نہیں تم نے اس کا ریکارڈ مدینہ میں سنایا نہیں؟ قاری احمد دین سلمہ ٹھیک ہیں وہ صبح و شام حسب معمول جاری ہیں' آج ان کے درجہ کا مہتمم صاحب امتحان ششماہی لے رہے ہیں۔ آپ کے مدرسہ طلبہ میں کچھ صلاح و تقویٰ کا رجحان ہے؟ یا تنہائیاں تدفین البجارات اور نوم و غفلت میں ہی بسر ہوتے ہیں سیر و تفریح چائے گپ شپ ٹی وی پروگراموں کی رغبت **نعوذ باللہ من ھذہ الا حوال الغیر المبارکتہ** اچھا خدا حافظ دعا خیر میں یاد رکھنا۔

۱۹ فبرائر ۷۹ء والسلام علیکم ورحمتہ اللہ

یوم الاثنین اظہار احمد

قاری ادریس سلمہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ
پہلے خط بھیج چکا تھا کہ تمہارا دوسرا لفافہ ملا شکر ہے کہ کتابوں کا پیکٹ تمہیں مل گیا پیسوں کی کوئی جلدی نہیں مل جائیں گے۔
قاری ادریس اللہ سے ڈر' اونے پونے مجھ سے وہ نثرالمرجان خرید کر یہاں گھر میں الماری میں مقفل کر کے تو خود مدینہ بھاگ گیا وہاں توپ پہنے اکڑتا ہوا پھر رہا ہے مجھے لکھتا ہے کہ صاحب نثرالمرجان کے حالات زندگی لکھ کر بھیجو' فلاں استاذ عظیم بہت خوش ہو جائیں گے ارے کس سے خوش ہو جائیں گے تو اپنے گرم گرم قہوے کے پیالے ان کے پاس بیٹھ کر پی پی کر تقرب بنائے جا۔ میں بھاگم بھاگ ادھر جا ادھر جا۔ علماء ہند و پاکستان کے تذکرہ پر مشتمل نزہتہ الخواطر تلاش کی خدا خدا کر کے ملی تو وہاں سے یہ حالات نوٹ کر کے بھیج رہا ہوں۔ یہ قاری احمد دین آگئے ہیں فرما رہے ہیں نہیں نہیں حضرت ایسا نہ لکھو بیچارے کا دل ٹوٹ جائے گا وہ آپ کے لئے بڑے جذبات رکھتا ہے' اچھا ماشاء اللہ

بارک اللہ یا قاری ادریس عاصم
سلم معنی علی استاذ تک الکرماء

اظہار احمد تھانوی
مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار' لاہور

عزیز قاری محمد ادریس سلمہ
بعد از تحیہ سلام مسنون! بندہ بخیر ہے الحمدللہ سبحانہ وتعالیٰ کل اسلام آباد سے آیا اور جمعہ کو واپسی ہے تمہارے دو خط ملفوف ملے۔ برادرم قاری احمد دین کے ہاتھ مرسلہ گھڑی ملی بڑی خوبصورت جو بیگم نے فوراً ہی مجھ سے جھپٹ لی۔ مولانا بدیع الزماں کو بھی ملی وہ انتہائی شکر گزار اور دعاگو ہیں اور بتاکید مجھے شکر گزاری کے لئے کہتے ہیں۔ خیر کتاب ہدایتہ القاری علامہ عبدالفتاح عجمی مرصفی کی تصنیف موصول ہو چکی ہے گرد و پیش کاغذ کیا کہنے ہیں' میں نے ایک خاصی زور دار تقریظ و توصیف علیحدہ کاغذ پر لکھی ہے بطور شکریہ کے استاذ مرصفی کو پیش کر دینا یہ کتاب اس وقت اسلام آباد میں میرے مطالعہ میں ہے دوسرے نسخے غالباً" دس ہیں وہ ابھی تک موصول نہیں ہوئے موصول ہو جانے پر حسب ذیل مواقع پر انشاء اللہ پہنچاؤں گا۔
ا۔ شیخ عبدالحیٔ احمد زہران مدرس القرات والتجوید

۲۔ شیخ عبدالغفور محمود مصطفیٰ الاستاذ الماعد
۳۔ دکتور حسین حامد حسان عمید الشئون العلمیہ
۴۔ دکتور حسن شافعی عمید العلوم الاسلامیتہ

اور باقی نسخے انشاء اللہ جامعہ کی لائبریری میں جمع کرا دیئے جائیں گے رسید وغیرہ پہنچ جائے گی۔ مزید تبصرہ کتاب پر ابھی محفوظ ہے وہ پھر کبھی انشاء اللہ عرض کروں گا۔ یہ سال تعلیمی تمہارے لئے بہت اہم ہے اللہ تعالیٰ مدد کرے۔

فضیلتہ الشیخ عبدالفتاح القاضی کا کیا حال ہے؟ خدا کرے بعافیت ہوں۔ میں نے درخواست کی ہے کہ جامعہ اسلامیہ مدینہ کے اساتذہ کا اور ہمارا کچھ دنوں کے لئے تبادلہ ہونا چاہیئے وہ سال دو سال یہاں آکر پڑھائیں اور ہم مدینہ منورہ پڑھائیں۔ ابھی تحریک ہے دعا کرو کامیاب ہو جائے

والپیر جی احمد دین لیسلم علیک والباقی المرجومین ادعیتک
والیضا المسکین صوفی محمد دین دائما تصحبک السلامتہ

۱۶ صفر ۱۴۰۳ھ

اظہار احمد تھانوی
تجوید القرآن لاہور

□□□

حضرت شیخ القراء کے وہ خطوط جو انہوں نے وقتاً" فوقتاً" اپنے صاحبزادے میجر قاری عمیر احمد کو تحریر فرمائے

عزیزم لیفٹیننٹ عمیر احمد حفظکم اللہ تعالی

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

کل ۳ اکتوبر تمہارا عید کارڈ کی سی اہمیت کے ساتھ خط وصول ہوا۔ یکم اکتوبر سے ایکسر سائز' نوشکی روانگی خشک برفلی آب و ہوا' یہ تمام خبریں سانس روک کر' دل کی قدرے تیز دھڑکنوں کے ساتھ ہم نے پڑھیں' اللہ تعالیٰ کی حفاظتیں ہر دم تم پر سایہ کریں۔ کوئی بات نہیں میرے عزیز بہادر' ہم سب تمہارے لئے دست بدعا ہیں خداوند تعالیٰ تمہیں جلد شاندار مستقبل نصیب کرے۔ شاہین کے بسیرے دور دراز بلند سمتوں ہی میں ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ تمہیں جرات و ہمت خالد و حیدر عطا فرمائے آمین تمہاری امی اور بہن بھائی سب یاد کرتے ہیں تمہاری خیر و کامیابی کی تمناؤں کیساتھ۔

میں کل امید ہے اسلام آباد جاؤں گا۔ امید ہے کہ تم کوئی فکر نہیں کرو گے ہم الحمدللہ سب ٹھیک ٹھاک ہیں فرصت کے لمحوں میں اپنی خیریت کا خط ہمیشہ لکھتے رہو' گو مختصر ہی ہو۔

تمہارا پتہ عمار کو بھی دوں گا وہ بھی تمہیں خط لکھے گا

نانے ابا دادی اماں چاچا الحمدللہ سب خیریت سے ہیں۔

اظہار احمد تھانوی

جامع مسجد چوبرجی کوارٹرز و آریہ نگر لاہور

عزیزم عمیر احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ برکاتہ

سلامت رہو' اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت سامنے' دائیں سے' بائیں سے' پیچھے سے اور اوپر سے فرمائے اور اپنی پناہ میں رکھے ہر اس آفت سے جو پاؤں کے نیچے سے نمودار ہو سکے۔ تمہارا لفافہ عین انتظار میں ملا جس کے جواب میں ہماری طرف سے فوری پیغام یہ ہے کہ ہم سب خدا کے فضل سے ٹھیک ٹھاک' خوش خرم اور اپنے اپنے دوائر عمل میں مشغول' قطعاً" آپ کو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں آپ جلدی جلدی خط بھیج دیا کریں اور یہاں سے جواب وصول کیا کریں تمہارے آئے ہوئے خط سے صحرای توحش' گرد و غبار کے اڑتے ہوئے مرغولے اور پاک افغان سرحدوں کی سنسان فضا معلوم ہوئی ہم لوگ پڑھ کر گھبرائے تمہاری امی نے جل تو جلال تو کے ورد فرمائے۔ سر کے

بال..... عزیزم صحرائی' مٹی' خشکی پیدا کر رہی ہے صابن سے نہاتے ہو' مزید خشکی' دہی تیل سے سر کو روزانہ نہاتے ہوئے دھونا ضروری ہے ڈاکٹر سے مشورہ ضروری ہے کوئٹہ سے کسی حکیم کا بنایا ہوا آملہ کا خالص تیل مفید ہو سکتا ہے۔

سیب پہنچے میٹھے میٹھے' سرخ سرخ' خوب کھائے' کھا رہے ہیں۔ میرے لئے کچھ نہ خریدو کوئی فکر کی ضرورت نہیں' کیا چیز ہے جو لاہور یا اسلام آباد کی بھری ہوی مارکیٹوں میں نہیں ملتی' خواہ مخواہ تمہیں ان مسائل میں الجھانا میرے نزدیک صحیح نہیں۔

لو اور سن وہ عزیر احمد کو جانتے ہی ہونا یا بولتے نہیں یا بولتے ہیں تو چھیڑ چھاڑ کر تمہارا خط پڑھ کر کہتے ہیں عمیر بھائی کی شادی کر دو' ہماری بھابھی ان کے ہمراہ سرحد افغانستان پر ہو گی دل بہلائے گی۔ نہیں نہیں عمیر ابھی بچہ ہے اللہ تعالیٰ اسے جلد کیپٹن اور کرنل بنائے پھر دیکھی جائے گی۔ یہ تمہاری امی بول رہی ہیں۔

تمہارے بلوچستان میں سخت سردی پڑ رہی ہے' لاہور میں ابھی بڑی معمولی سی سردی ہے بلکہ کسی وقت گرمی محسوس ہوتی ہے۔ البتہ اسلام آباد میں قدرے زائد ہے بہرحال انڈا مرغی خوب کھاتے رہنا چاہئے اور ہماری طرف سے بالکل مطمئن رہنا چاہئے۔ نماز کی پابندی سے دل کو سکون و راحت نصیب ہوتی ہے اللہ تعالیٰ تمہیں عزت کامرانی خوشی صحت اور سلامتی سے مالا مال کرے۔

اظہار احمد تھانوی

یکم نومبر ۸۵ھ جمعہ

عزیزم بطل پاکستان عمیر احمد

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

کافی روز سے تمہارا خط آیا ہوا ہے مگر اب تک جواب کی توفیق نہ ہوئی یہاں الحمدللہ خیریت ہے آجکل فسٹ ٹرم ختم ہونے کے بعد چھٹیاں ہیں جمعہ ۲۱ جنوری کو ختم ہو رہی ہیں یونیورسٹی میں اساتذہ اور طلبہ کی چھٹیاں ہیں عمار احمد اکیلا ہوسٹل میں ہے میں ادھر آیا ہوا ہوں سردی خشک پڑ رہی ہے اللہ تعالیٰ باران رحمت برسائے۔ کل سے اماں آئی ہوئی ہیں دعا کہتی ہیں۔ سرفراز احمد کی سلیکشن کینیا کے لئے ہو گئی ہے غالباً" وہ مع اہلیہ اور چھوٹے بچوں کے چلا جائے۔

امید ہے کہ بفضلہ تعالیٰ تمہاری صحت اچھی ہو گی اور رزم و بزم کے طوفانی جھونکے تمہاری راہ میں پرکاہ کے برابر بھی نہ ہوں گے' ٹھیک ہے شاہیں کا بسیرا تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر ہی ہوتا ہے ہم سب تمہاری شاندار کامیابیوں کے دل سے متمنی ہیں اللہ تعالیٰ جلد یہ ارتقائی منزلیں طے کرائے اور تم اپنی بلند منزلوں پر گامزن ہو جاؤ ہر قسم کی مشکلات سے

محفوظ رکھے میں انشاء اللہ آئندہ جمعہ کو نماز جمعہ کے بعد اسلام آباد روانہ ہو جاؤں گا۔
تمہیں اگر خرچ کی ضرورت ہو تو بھیجوں؟ بلکہ میرے خیال میں کل تمہیں کچھ رقم بھیج ہی دوں گا انشاء اللہ اپنی ضروریات میں خرچ کرلینا۔
سب اہل خانہ خیریت سے ہیں تمہاری امی کی آنکھوں میں جو تکلیف تھی اب آرام ہے علاج جاری ہے آج شام کو ڈاکٹر منیر الحق کے یہاں دوبارہ جانا ہے۔ قاری فیوض الرحمٰن صاحب سے سلام کہنا اور پوچھنا کہ سوانح قاری عبدالمالک صاحبؒ کب تک چھپ رہی ہے؟ دوسری طرف پشت والی سطریں ان کو پڑھوا دینا۔

اظہار احمد

مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار لاہور ۸

قاری حفظ الرحمٰن صاحب کو اس شعبے (شعبہ تجوید و قرآءت دارالعلوم دیو بند) کی مسند صدارت پر فائز کیا گیا۔ آپ ضلع پرتاب گڑھ کے رہنے والے تھے آپ کی ولادت ۱۳۱۷ھ کی ہے ۱۳۲۹ھ میں آپ نے جامع العلوم کانپور میں تین سال تک تعلیم پائی اس کے بعد آگرہ تشریف لے گئے جہاں امام فن شیخ القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ (و ۱۳۰۳ھ ت ۱۳۷۷ھ) سے روایت حفص میں مہارت تامہ حاصل کی۔ اس کے بعد غالباً ۱۳۳۷ھ میں جناب قاری عبدالمالک صاحب کے ہمراہ الہ آباد حضرت قاری المقری عبدالرحمٰن صاحب مکیؒ کی خدمت میں حاضری دی یہاں آپ نے قرآءت سبعہ و عشرہ میں کتابیں "التیسیر" "شاطبیہ" "رائیہ" "درہ" اور "الوجوہ المفسرہ" پڑھیں۔
شوال ۱۳۸۸ھ میں آپ اس دار فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کر گئے۔

ماخوذ از "دارالعلوم" دیو بند
شمارہ نومبر ۱۹۸۲ء

عزیزم عمیر احمد' اللہ یحفظک

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

امید ہے کہ دوستوں کی رفاقت میں نئے موسم باراں اور نئی تعلیم و تربیت کے خوش گوار ماحول میں ماضی کے تلخ اور کٹھن فوج نشیب و فراز کو فراموش ہوتا ہوا محسوس کر رہے ہو گے اور اب کچھ نئے ولولوں کے موہوم خیالات سے کبھی کبھی دل کی دھڑکنیں سنتے ہو گے ماشاء اللہ باہمت ہو' اللہ تعالیٰ سعید کرے' اور درخشاں مستقبل سے ہم کنار ہونا نصیب فرمائے۔ قدرت کا نظام کچھ اس طرح ہے کہ اجاڑ زندگی کو لالہ صحرائی بناتے ہیں' اقبال کہتا ہے۔

یہ گنبد مینائی' یہ عالم تنہائی ....
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی پہنائی

بھٹکا ہوا راہی میں' بھٹکا ہوا راہی تو
منزل ہے کہاں تیری اے لالہ صحرائی

اور کہتا ہے۔

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزل آسمانوں میں

نہ ہو ناامید' ناامیدی زوال علم و عرفاں ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں

یہ ٹریننگ زندگی میں سخت کوش بناتی ہے' حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں مسلسل چوبیس گھنٹے اسی زندگی کی جھلک ہے جوں ہی زمین پر بسنے والوں کی راحت کے ساماں آپ نے فراہم کر دیئے فوراً وصال فرما گئے خوش نصیب ہو سنت نبوی پر خود کو گامزن جانو' دوستوں اور اہل خانہ کی عارضی جدائی پر خود کو ہرگز پریشاں نہ ہونے دینا اسی میں خداوند تعالیٰ کی خوشنودی ہے۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

امید ہے تم نے خیریت سے کاکول پہنچنے کا خط گھر لکھ دیا ہو گا میں الحمدللہ ٹھیک ہوں یونیورسٹی کا ماحول علمی لحاظ سے بے حد سازگار ہے۔ سرفراز کے یہاں خیریت ہے کل گیا تھا' پرسوں ریڈیو اسٹیشن والے آئے تھے' کچھ تلاوتیں ریکارڈ کی ہیں ایک پروگرام میتالی بنگلہ دیش کے لئے ہوتا ہے اس کے لئے سات ریکارڈ تلاوت کے ہونے ہیں چار کرا دیے ہیں تین لاہور سے واپسی پر انشاء اللہ اتوار کو کراؤں گا۔

معلوم نہیں تمہاری اکیڈمی والے پنڈی آکر ریڈیو سے پروگرام کرنے کی اجازت دیتے ہیں یا نہیں؟ معلوم کر لینا پنڈی یا پشاور جہاں بھی اجازت دیں تو اچھا ہے بطور ایک شغل کے یہ سلسلہ ہو جائے۔

ویسے قرآن پڑھنے میں خوب مشق جاری رکھو اس سے نکھار اور مضبوطی آئے گی انشاء اللہ نمازوں کی پابندی بے حد ضروری ہے۔ پیسوں کی جب بھی ضرورت ہوا کرے ختم ہونے سے پہلے ہی بے تکلف لکھ دیا کرو۔ کسی قسم کی مالی تکلیف سے دو چار ہونے کی بالکل ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ تمہارا ساتھی ہو۔ میں انشاء اللہ کل بدھ کو لاہور جا رہا ہوں مولانا قاری فیوض الرحمٰن کو سلام کہنا۔

والدعا

قاری اظہار احمد تھانوی

عزیزم عمیر احمد سلمہ

السلام علیکم ورحمتہ اللہ

میں پرسوں بروز ہفتہ حسب معمول لاہور سے اسلام آباد واپس آیا۔ الحمدللہ لاہور سب طرح خیریت ہے تمہارا تازہ خط وہاں میری موجودگی میں آیا تھا وہ پڑھا اور حالات کار سے اطمینان ہوا اللہ سبحانہ چودہ جنوری کے امتحان میں تمہیں باعزت کامیابی سے ہمکنار فرمائے یہ ابتدائی دور تمہارے لئے اور ہمارے لئے کامیابی کی دعاؤں میں اور سخت جانفشانی میں گزارا ہے' فارسی میں ایک مصرعہ مشہور ہے۔

صبر تلخ است ولیکن بر شیریں دارد   یعنی صبر کا مرحلہ واقعی بہت تلخ ہوتا ہے لیکن اس کا پھل ہمیشہ بہت میٹھا ہوتا ہے' انشاء اللہ یہ دور جلدی تمہاری آئندہ کامرانیوں کا پیش خیمہ بنتا ہوا گزر جائے گا۔ ہم سب کے دل میں تمہاری ان محنتوں کی انتہائی قدر و منزلت ہے اور بفضلہ تعالیٰ ہمیں ان پر فخر ہے بہرحال چھوٹوں اور بزرگوں سب ہی کی دعائیں تمہارے برفانی اور کوہستانی علاقے میں مسلسل روانہ ہو رہی ہیں۔ انشاء اللہ کامیاب و باعزت ہو گے۔ مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب کے اطمینان بخش خطوں سے راحت ہوئی شکریہ اور سلام عرض کریں ان کا تازہ خط بھی مل گیا تھا۔

ہماری یونیورسٹی میں امتحانات ہونے والے ہیں اس لئے خاصی مصروفیت رہتی ہے یونیورسٹی سے قریب ہی ایک دوست حافظ عزیز الرحمٰن صاحب' مکان ۵۷ سٹریٹ ۵ سیکٹر F.B/3 اسلام آباد میں مقیم ہوں ہر طرح الحمدللہ سہولت ہے خط لکھو تو چاہے حافظ عزیز الرحمٰن صاحب کے پتہ پر یا اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے پتہ پر لکھ دینا مجھے انشاء اللہ مل جائے گا تم نے جو خط لاہور لکھا ہے اس میں اپنے لاہور آنے کا کچھ تذکرہ نہیں لکھا' تمہاری والدہ ملنے کو بہت بیقرار ہیں۔ امتحان کے بعد وقت ملے تو لاہور ضرور آؤ معلوم نہیں اخراجات کے لئے تمہارے پاس کوئی رقم بھی ہے یا نہیں اس کا تم نے اپنے خط میں بالکل ذکر نہیں کیا' فکر ہے کہ کہیں اس سلسلہ میں تمہیں کوئی دشواری تو درپیش نہیں' جب بھی ضرورت پیدا ہوا کرے فوراً مطلع کر دیا کرو' کسی قسم کی جھجھک مت کیا کرو اب اگر ضرورت ہو تو فوراً مطلع کرو کہ کتنی رقم بھیج دی جائے۔

میں تم سے ملنے جمعہ کو ضرور آتا مگر لاہور جا کر جمعہ پڑھانے کا مسئلہ ہوتا ہے اس لئے بجائے تمہاری طرف رخ کرنے کے لاہور چلا جاتا ہوں اسی آمد و رفت میں تمہیں کوئی خط بھی نہ لکھ سکا۔ امید ہے کہ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقعہ پر تمہاری کمپنی میں فنکشن ہوئے ہوں گے اور تم نے تلاوت کی ہو گی۔ لاہور میں تمہارے دوست احباب سب ٹھیک ہیں۔ ۳ ربیع الاول جمعرات کو جامع مسجد میں محفل قرآءت اور تقاریر پر مشتمل جلسہ ہوا تھا اچھا کامیاب

رہا ہے۔ ہماری یونیورسٹی میں ۲۸ جنوری سے ۶ فروری تک ایک ہفتہ کی چھٹیاں ہوں گی' میں آج سرفراز احمد کے یہاں گیا تھا الحمدللہ سب خیریت ہے اس وقت رات کو یہ خط لکھ رہا ہوں صبح انشاء اللہ پوسٹ ہو جائے گا۔ کل لیاقت باغ راولپنڈی میں حکومت پاکستان کی طرف سے آل پاکستان مقابلہ قرآءت ہے منصفی کے لئے میں اور قاری عبدالحئ زہران مصری استاذ جائیں گے۔

اچھا خدا حافظ اللہ سبحانہ وتعالٰی تمہارا حامی و ناصر ہو۔

پنجگانہ نمازوں کی پابندی ضرور رکھنا۔

(قاری) اظہار احمد تھانوی
ایسو سی ایٹ پروفیسر
اسلامک یونیورسٹی اسلام

□□□

۱۹۷۴ء مطابق ۱۳۹۴ھ میں جامع مسجد گورنمنٹ چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ لاہور کے بڑے مینار کا سنگ بنیاد حضرت شیخ القراءؒ نے رکھا۔ اس موقع پر حضرت نے کچھ مدحیہ اشعار اور تاریخ ہائے سنگ بنیاد کہی جو پیش خدمت ہیں۔

دیکھنے میں گرچہ یہ مینار کی تعمیر ہے
پر حقیقت میں ہمارے عزم کی تصویر ہے

اک مقصد اعلیٰ کی خاطر جستجو کا ہے نشاں
سجدہ گاہ رب کی جان و دل سے توقیر ہے

جس کے آگے جھکتے ہیں ماتھے ہمارے رات دن
ہر مسلماں کو ادھر لانے کی یہ تدبیر ہے

استقامت اور بلندی وصف ہے مینار کا
استقامت ہی میں اپنی خوبیٔ تقدیر ہے

استقامت سے ہی مومن کوملا راز حیات
عزم باطل کے لئے وہ آہنی شمشیر ہے

جن کریموں نے بنایا ہے یہ مینار بلند
جنت الفردوس میں ان کے لئے توقیر ہے

منتظم حضرات بھی ہیں قابل صد تہنیت
جن کی سعی و جستجو سے ہی ہوئی تعمیر ہے

اے خدائے پاک تیرا نام ہو عالی نشاں
آرزو اظہار کی اذان ہے، تکبیر ہے

شوکت اسلام کا مظہر مینار
ہمت اخیار کا منظر مینار

جذبہ ایمان کا مصدر مینار
ہر دو عالم میں فلاح کا محور مینار

خورشید کی بلندی سے ظلمت ہوئی کافور
مہتاب کی بلندی سے ہے شب بقعہ نور

اخیار کی ہمت سے ہے اسلام سربلند
مینار کی بلندی سے باطل ہے چور چور

تاریخ ہائے سنگ بنیاد

رخ ترا سوے فلک رفعت تری رشک سما
نیک لوگوں کی سخاوت کا ہے تو آئینہ دار

تیرے بام و در سے جب گونجے گی آواز اذاں
دوڑ کر سارے مسلماں آئیں گے دیوانہ وار

میں ہوا طالب جو اس مینار کی تاریخ کا
دی صدا ہاتف نے فوراً مرکز خورشید باد

۱۳۹۴ھ

□□□

حضرت قاری صاحبؒ کی ایک غزل جو آپ کے کاغذات میں سے دستیاب ہوئی۔

زندگی نذر مبہمات ہوئی کون بتلائے کس کو مات ہوئی
الف لیلہ کی داستان سنو دیپ غم کے جلاؤ رات ہوئی
ہجر کی شب خیال آتا ہے وہ گئے کچھ ضرور بات ہوئی
پوچھیے ہم سے ہم بتائیں گے دن ڈھلے کس طرح برات ہوئی
گل کھلے جوں ہی ان کے قفل کے باتوں باتوں میں ذاتیات ہوئی
ان کی چوکھٹ پہ سر جھکے جدم سجدہ گاہ منات ولات ہوئی
کج کلاہی کے پاسبانوں سے کیا عجیب طرز و ارادت ہوئی
جو بھی گذرے ہیں اس گزر گہ سے ہم زباں ان کی کائنات ہوئی

روزنامہ "انقلاب" میں شائع ہونے والی حضرت شیخ القراءؒ کی ایک نظم کے کچھ اشعار

تیری اس کور بختی کا فسانہ سن رہا ہوں
صداؤں میں شہیدوں کا ترانہ سن رہا ہوں
سنا ہے بارہا باد خزاں دہلی پہ منڈلائی
اجڑ جانے پہ بھی لیکن یہ برگ و گل لائی
وہ ندی کرسنی(ا)' وہ باغ و صحرا یاد آتے ہیں
وہ ساحل یاد آتے ہیں وہ دریا یاد آتے ہیں
سرزمین ہند میں ایک شہر ہے تھانہ بھون یا رب
وہی میرا وطن ساقی' وہی میرا وطن یا رب
خدایا ہند کی تاریخ میں پھر انقلاب آئے
ہلال شان کا پرچم با آب و تاب لہرائے

ا۔ "کرسنی" نام کی ایک ندی جو قصبہ "تھانہ بھون" کے نواح میں تھی۔

نعت

تضمین بر کلام شیخ سعدی رحمۃ اللہ

اظہار احمد تھانوی

۱۔ بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ

۲۔ حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

۳۔ ظَہَرَ الْہُدٰی بِلَالِہٖ وَسَقَی الْوَرٰی بِنَوَالِہٖ

۴۔ شَمْسُ الضُّحٰی بَدْرُ الدُّجٰی خَیْرُ الْوَرٰی بِشَالِہٖ

۵۔ یَا حَبَّذَا مِنْ مُرْسَلٍ بِبَشَائِرٍ وَجَمَالِہٖ

۶۔ یَا خَاتَمًا بِرِسَالَۃٍ یَا ہَادِیًا بِمَقَالِہٖ

۷۔ یَا عَالِیًا بِمَقَامِہٖ بِیَمِیْنِہٖ وَشِمَالِہٖ

۸۔ وَلَقَدْ تَفَضَّلَ رَوْضَۃٌ بِعُلُوِّہٖ وَ جَلَالِہٖ

۹۔ صَلَّتْ عَلَیْہِ مَلَائِکٌ عِنْدَ الْحُضُوْرِ بِاٰلِہٖ

۱۰۔ خَتَمَ الرِّسَالَۃَ وَاضِحًا کَشَفَ الطَّرِیْقَ بِقَالِہٖ

۱۱ فَرِحَ الصَّبَا بِقُدُوْمِہٖ زَہَرَ السَّمَا بِہِلَالِہٖ

۱۲۔ عَرَجَ السَّمَاءَ بُرَاقُہٗ فَمَضَی الْعُلَا بِقِلَالِہٖ

۱۳۔ کُشِفَتْ ظُلُوْمُ غَوَایَۃٍ بِمَقُوْلِہٖ وَخِصَالِہٖ

۱۴ — نَفْسِی الْفِدَاءُ لِعَہْدِہٖ

قَوِیَ الْہُدٰی بِرِجَالِہٖ

بہ ترتیب ترجمۂ اشعار

۱۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلندیوں پر اپنے کمالات کے ساتھ پہونچے
تاریکیوں کو اپنے حسن و جمال سے دُور فرمایا۔

۲۔ آپ کی تمام عادات شریفہ حسین تھیں آپ پر اور آپکی آل پر درود پڑھو۔

۳۔ ہدایت آپکے موتیوں سے ظاہر ہوئی۔ آپ نے مخلوق کو اپنی عطاؤں سے سیراب فرمایا۔

۴۔ آپ روزِ روشن کے آفتاب اور اندھیری راتوں میں چودھویں کا چاند تھے
اپنی مثال میں تمام مخلوق سے بہترین تھے۔

۵۔ سُبحان اللہ کس قدر بشارتوں اور اپنے جمال کے ساتھ آپ مبعوث ہوئے۔

۶۔ اے رسالت پر مُہرِ آخری ثبت فرمانے والے۔ اے مخلوق کو اپنے کلام سے ہدایت عطا فرمانے والے

۷۔ اے وُہ کہ اپنے مقام پر عالیشان تھے۔ دائیں بائیں ہر جہت سے۔

۸۔ آپ کا روضۂ مُبارک اپنی بلندی اور بزرگی میں ہر چیز سے بڑھ گیا۔

۹۔ معراج میں آسمانوں پر تشریف آوری کے وقت آپ اور آپ کی آل پر ملائکہ نے دُرود پڑھا

۱۰۔ آپ نے رسالت کو واضح طور پر ختم فرمایا اور راہِ ہدایت کو اپنے کلام سے واضح فرمایا۔

۱۱۔ صُبح کی ہادِ نسیم آپ کی تشریف آوری سے جھوم اٹھی، آسمان آپکے ماہِ نو سے روشن ہو گیا

۱۲۔ آسمان پر آپ کا براق بلند ہُوا اور بلندیوں کی چوٹیوں سے آگے گذر گیا

۱۳۔ گمراہی کی تاریکیاں چھٹ گئیں، آپ کے ارشادات اور عاداتِ مبارکہ سے۔

۱۴۔ آپکے دورِ مُبارک پر میری جان قربان آپکے رفقا سے ہدایت کو بڑی قوت حاصل ہے

صبح آزادی

بہ بیں کہ نور سحر گشت صبح آزادی
ترانہائے دلم خواند صبح آزادی

ہمیں خودی کہ بیار است قسمت مسلم
نوید صبح ازل بود صبح آزادی

مپرس قصہ پارینہ غلامی را
بہ بیں باوج فلک نور صبح آزادی

زجہد قوم زمین چمن بہار آورد
سلام ما برسر سوئے صبح آزادی

بگو کہ باب طرب وا شد و بہار آمد
بنوش بادہ مستان صبح آزادی

شکست حلقہ زنجیر و پارہ شد طوقم
شکوہ عزم جوانست صبح آزادی

زمام ملت بیضا بدہ بدست فخر امم
کہ سر خلد دو ام است صبح آزادی

بخویش روح خودی راجوان و تازہ دار
براہ صبر و ثباتست صبح آزادی

سلام مارسید و قوم رامبارک باد
کہ ہم کنار خلوص است صبح آزادی

زمین پاک پہ آئینہ خلوص دل
گل است در دل اظہار صبح آزادی

-: ترتیب وار ترجمہ :-

۱: دیکھو تو سہی کیا ہی نور سحر بن کر ابھری ہے صبح آزادی
میرے دل کے ترانے گائے ہیں صبح آزادی نے
۲: جو خودی مسلمان کی قسمت لے کر آئی ہے۔
وہ صبح ازل کی آواز تھی (اور) صبح آزادی
۳: غلامی کے پرانے قصہ کا نہ پوچھ
(بلکہ) آسمان کی بلندیوں پر صبح آزادی کا نور دیکھ
۴: قوم کی جدوجہد سے چمن کی زمین بہار لائی ہے
آزادی کی صبح کو ہمارا سلام ہو۔
۵: (بلکہ) یہ کہو کہ نشاط و خوشی کا دروازہ کھل گیا اور بہار آگئی
(اب) تو صبح آزادی کی مدہوشیوں کی شراب پی
۶: زنجیر کا حلقہ ٹوٹ گیا اور میرے گلے کا طوق ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا عزم جواں کا رعب و دبدبہ ہے صبح آزادی
۷: ملت بیضاء (امت محمدیہ) کی مہار امتوں کے فخر
(حضور علیہ الصلوۃ والسلام) کے ہاتھ میں دیدے۔
کیوں کہ صبح آزادی میں حیات جاوید کا راز پنہاں ہے۔
۸: اپنے تک خودی کی روح کو جوان و تازہ رکھ
صبح آزادی صبر و استقامت کے راستہ پر ہے
۹: ہمارا سلام پہونچے اور قوم کو مبارک ہو
کیونکہ صبح آزادی خلوص کے ہمکنار ہو گئی ہے۔
۱۰: پاک سرزمین خلوص دل کے آئینہ میں
ایک طرح کا صبح آزادی کا پھول ہے "اظہار" کے دل میں

ترجمہ: بصد شکریہ جناب محترم مولانا قاری نعیم الدین صاحب مدظلہ

المرثیہ مع مادۃ التاریخ علی رحلتہ امام القراء حضرۃ فضیلتہ

الاستاذ القاری عبدالمالک قدس سرہ

قد مضی شیخنا عن الدنیا
لحق اللہ فی حجاب النور
یا من انبث ذکرہ فی الدھر
قدس اللہ قبرل المعمور
کنت فی الوقت ثانی الجزری
جبلا شاھقا وراء صخور
سار تحت التراب من ھدعا
ش نظیفا معطرا ذا نور
فلنخلہ الیوم مسند التجوید
فاظ شیخ مجود مغفور

۱۳۷۹ھ

ایک نادر و نایاب تاریخ وفات جو حضرت شیخ القراءؒ نے اپنے استاذ گرامی امام القراء حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کے وفات کے موقع پر کہی اور اس کے ہمراہ لکھا گیا نوٹ

ہائے شیخ العرب والعجم / ۱۳۷۹ھ

۳۰ دسمبر ۱۹۵۹ء مطابق ۲۹ جمادی الثانی ۱۳۷۹ھ بروز منگل رات تین بجے حضرت استاذنا شیخنا سیدنا و مولانا حضرۃ القاری المقری عبدالمالک رحمہ اللہ رحمتہ واسعہ نے وصال فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کے اٹھنے سے دنیائے تجوید میں اندھیرا چھا گیا۔

تجوید اور لحن عجمی

حضرت قاری اظہار احمد تھانویؒ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "بلسان عربی مبین" یعنی قرآن مجید خالص عربی لب و لہجہ میں اتارا گیا' مطلب یہ کہ اس کو پڑھنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ عربی لب و لہجہ میں پڑھا جائے پڑھنے کا ہر وہ انداز غلط ہے جس میں اس کی عربیت مجروح ہو جائے اور لحن عجمی پیدا ہو جائے۔ زمخشری نے لحن کے یہی معنی بیان کئے ہیں' بولا جاتا ہے۔

ھذا لیس من لحنی ولا من لحن قومی۔۱ نہ یہ میری لغت ہے اور نہ میری قوم کی' ابن الفارس نے کہا۔ لحن .سکون حا کے معنی ہیں' کلام عربی کو اس کی عربیت کی شان سے نکال کر غلط اور بھونڈے طریقہ پر ادا کرنا جو عربوں کی طبائع سلیمہ کے بالکل خلاف ہو۔۲

عن حذیفہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "ان اللہ یحب ان یقراء القران کما انزل۔ اللہ تعالیٰ کو پسند یہ ہے کہ قرآن کو اس طرح پڑھا جائے جس طرح وہ نازل ہوا ہے۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امام المحققین علامہ ابن الجزری اپنے مقدمہ میں فرماتے ہیں۔

لانہ بہ الا لہ انزلا وھکذا منہ الینا وصلا

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو تجوید ہی کے ساتھ نازل فرمایا ہے اور اس سے ہم تک تجوید ہی کے ساتھ پہنچا ہے۔ حضرت علامہ کی اس بات کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح قرآن اپنی عبارت میں متواتر ہے۔ اسی طرح وہ اپنی طرز ادا اور طریقہ خواندگی میں بھی متواتر چلا آتا ہے لہٰذا جس طرح قرآن کے کلمات و حروف میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی اسی طرح اس کو پڑھنے کے انداز میں تبدیلی کرنا جائز نہیں ہو گا۔ ورنہ ڈر ہے کہ "**یحرفون الکلم**" کی وعید میں داخل نہ ہو جائے اور غلط پڑھنے والا اس آیت اور وعید کا مصداق نہ بن جائے۔

فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم۔۴

(ظالموں نے اس قول کو جو انہیں پڑھنے کو کہا گیا تھا' دوسرے ہی کلام میں تبدیل کر ڈالا)

ڈاکٹر عبدالصبور شاہین فرماتے ہیں کہ قرآءت شاذہ جو نہایت عمدہ اور فصیح لغت عربیہ پر مشتمل ہیں' اس لئے ان کی تلاوت حرام ہے کہ وہ عرضہ اخیرہ (آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام کی وہ تلاوت جو آپ نے آخری رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ دو مرتبہ دور فرمانے میں پڑھی) کے مطابق نہیں' تو لحن عجمی کے ساتھ پڑھی جانے والی قرآءت کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے جس سے کلام کی عربیت ہی جاتی رہتی ہے۔۵

قرآن مجید دنیا کی محفوظ ترین کتاب ہے' متن محفوظ' طرز ادا محفوظ' سبعہ قرآءت محفوظ' حضرت عثمانؓ نے مکمل متن قرآنی کو اس کی ساتوں قراتوں کے سمیت چھ نقلیں قرآن کی لکھوا کر عالم اسلام کے مراکز میں رکھوائیں۔ گویا نہ صرف ایک طرز ادا میں بلکہ سات طرز اداؤں کے ساتھ رجسٹرڈ کر دیا۔ جو تمام متواتر اور محفوظ ہیں۔۶ (غلط

ہے کہ حضرت عثمان نے صرف ایک قرآءت پر باقی رکھ کر باقی چھ قراتوں کو ختم کیا)

دو قدیم و جدید میں ہمیشہ تلاوت قرآن کریم امت کے لئے ایک اہم عبادت رہی ہے اور ساتھ ہی تلاوت قرآن میں صحیح تلفظ و ادا کو اہمیت حاصل رہی ہے اور ہر دور میں تجوید کے موضوع پر تفصیلی و اجمالی کتابیں ہر زبان میں لکھی جاتی رہی ہیں' تجوید کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ حرفوں کو ان کے حقوق (مخارج) اور استحقاق (صفات) کے ساتھ ادا کرنا۔۷

۱۔ لحن العامہ للزبیدی ص ۲۶

۲۔ مقاییس اللغتہ لابن الفارس ۲۳۹/۵

۳۔ رواہ ابن حبان و ابن خزیمہ

۴۔ سورۃ بقرہ

۵۔ القرات القرانیہ ص ۸

۶۔ منجد المقرئین ونشروغیرھا

۷۔ مباحث فی علوم القرآن۔ مناع قطان ص ۱۸۸

(بشکریہ ماہنامہ "التجوید")

□□□

حضرت شیخ القراء کی ذاتی ڈائری سے اقتباس

۱۹۸۴ء میں حضرت شیخ القراءؒ بحیثیت جج سعودی عرب تشریف لے گئے اور وہاں کے روز و شب کے معمولات کو اپنی ذاتی ڈائری میں تحریر فرماتے رہے بطور تبرک یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

یکم و ۲ مارچ ۱۹۸۴ء بروز جمعرات و جمعۃ المبارک آج ۸ بجے شب ایئرپورٹ اسلام آباد سے سعودی ایئرلائنز سے روانہ ہو کر ساڑھے چار گھنٹے سفر کے بعد ریاض ایئرپورٹ پہنچے۔ سامان کی چیکنگ پاسپورٹ وغیرہ کا مرحلہ ہوا۔ جہاز ایک گھنٹہ کے بعد جدہ کے لئے روانہ ہونا تھا مگر خرابی کی وجہ سے ریاض ایئرپورٹ پر دو گھنٹے سے زیادہ ٹھہرنا پڑا۔ بالاخر روانگی ہوئی ڈھائی تین گھنٹے بعد جدہ پہنچے۔

ہم چار آدمی تھے تین حالت احرام میں تھے۔ احرام اسلام آباد ایئرپورٹ پر باندھے تھے۔ خیال تھا کہ حرم پہنچ کر رات کو ہی عمرہ سے فارغ ہوں گے مگر ایسا نہ ہو سکا۔ صبح کی نماز قیام گاہ پر پڑھی۔ جدہ ایئرپورٹ پر ہمارا استقبال سعودیہ کے نمائندہ عبدالرحمٰن صاحب نے کیا تھا۔ پاکستانی سفارت خانے سے کرنل محسن خاں صاحب نے بھی شہباز صاحب کو بھیجا تھا۔ مسابقہ میں حصہ لینے والے تین آدمیوں کو علیحدہ اور مجھے علیحدہ ایک کمرہ میں فندق مکہ انٹر کانٹی نینٹل میں ٹھہرایا گیا۔ جو نہایت شاندار ہوٹل ہے۔ ۸ بجے ناشتہ کے بعد حرم شریف عمرہ کے لئے جانے کا پروگرام ہے آج جمعہ ہے انشاء اللہ جمعہ کی نماز حرم میں ادا کریں گے۔

۳ مارچ بروز ہفتہ

آج صبح ناشتہ کے بعد حرم پہنچا الحمدللہ طواف کیا حجراسود کی تقبیل و استلام نصیب ہوا۔ قرآن شریف میں سے سورۂ مائدہ کی تلاوت کی' دعائیں مانگیں' اللہ قبول کرے۔ مدرسہ صولتیہ کی تلاش میں نکلا کسی طرح نہیں پہنچ سکا' بہت تھک گیا۔ حرم واپس آیا نماز ظہر پڑھی۔ پیچھے قاری احمد دین آئے' قاری ادریس آئے مگر میں حرم میں تھا۔ وہ وزیر صاحب' قاری ادریس اور قاری عبدالرحمٰن پھر بعد عصر پہنچے۔

چھ بجے رسمی افتتاحی کارروائی کے لئے جناب وزیر سعودیہ اوقاف و حج ابوعبدالوہاب تشریف لائے ملاقات ہوئی۔ افتتاحی کارروائی بڑی دھوم دھام سے ہوئی امیر مکہ جو شاہ فہد کے بھائی ہیں نے شاہ فہد کا پیغام پڑھ کر سنایا پھر وزیر حج و اوقاف نے تقریر فرمائی۔ جس میں وزیر صاحب نے اپنے اور حکومت سعودیہ کے نیک عزائم اور تمنائیں' قرآن شریف کی خدمت ذکر کی سب نے تحسین و تائید کی وزیر صاحب نے فرمایا کہ آئندہ دو سال میں ہم مستقل عمارت سعودی ملکیت میں بنائیں گے جس میں رہائش کا بھی انتظام ہوگا اور مسابقہ کی اپنی ملکیت میں یہ عمارت ہوگی۔

پاکستان کے سفیر کرنل محمد محسن خان بھی جدہ سے آئے تھے۔ سعودی حکومت کے دیگر عمائدین نے بھی شرکت کی۔ افتتاحی تلاوت دو چھوٹے بچوں نے کی۔ بعد میں مہمانوں کی تواضع چائے اور مٹھائی سے کی گئی۔

بڑی رات گئے تک یہ کارروائی ختم ہوئی تو ججوں پر مشتمل ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں اصول وضع کئے گئے یعنی تجوید کی ایک ہی قسم کی بار بار غلطی کو ایک ہی غلطی شمار کیا جائے۔ حافظ ایک جگہ پڑھتا ہوا رکے اور پھر خود ہی نکال لے اس کو غلطی نہ شمار کیا جائے۔ جج ایک جگہ بتلانے سے پہلے پیچھے سے پڑھوائے اگر وہ خود ہی نکال لے تو بھی غلطی شمار نہ کی جائے ورنہ غلطی کا ایک نمبر کاٹا جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔

لجنتہ التحکیم سعودیہ کی طرف سے باجودہ صاحب' لبنان سے شیخ صلاح الدین کبارا' ملیشیا سے حسن ازہری' پاکستان سے اظہار احمد تھانوی اور سعودیہ سے عبداللہ زائد شریک ہوئے۔ عبداللہ زائد صاحب سے بات چیت ہوئی جامعہ اسلامیہ کے وی سی کو پوچھ رہے تھے کل انشاء مسابقہ شروع ہے قاعہ انٹر کانٹی نینٹل میں۔

۴ مارچ بروز اتوار

شروع مسابقہ۔ ججوں کا پینل کل پانچ آدمیوں پر مشتمل ہے۔ دو سعودی علماء عبداللہ زائد' باجودہ' حسن ازہری (ملیشیا) شیخ صلاح الدین کبارا (لبنان) اظہار احمد (پاکستان)

روزانہ دو نشستیں ہوں گی پہلی صبح ۸ بجے سے ایک بجے تک اور دوسری نشست پانچ بجے شام سے رات ۸ بجے تک۔

مقابلہ میں حصہ لینے والوں کی پانچ قسمیں ہیں:۔

قسم اول حافظ مع تجوید و تفسیر

دوسری قسم حافظ جمیع قرآن

تیسری قسم حافظ بیس پارہ

چوتھی قسم حافظ دس پارہ

پانچویں قسم حافظ تیسواں پارہ نغمگی صوت کے ساتھ پڑھنے والا قسم اول میں آج عبدالکریم اردنی نے اور بنگلہ دیش سے مجیب الرحمٰن نے حصہ لیا۔ اول بہت مضبوط رہا۔ وہ غالباً پوزیشن لے گا بنگالی بھی خاصا اچھا رہا۔

مصطفیٰ محمد مغربی نابینا قسم دوم میں آیا پانچ سوالات ہوئے اور ہر سوال پر کئی کئی رکوع سنے گئے اس نے خوب خوب پڑھے اور بروایت ورش پڑھے۔ ایک اور لڑکا الجیلی محمد عثمان سوڈان سے بیس پاروں میں سامنے آیا بروایت دوری بصری پڑھا فنی غلطیاں کرتا رہا مگر یاد بہت عمدہ تھا۔ ایک ایک آدمی پر کم از کم پندرہ منٹ اور زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ صرف کیا گیا۔

تقریباً ۵۵ ملک مسابقے میں حصہ لے رہے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے غلطی ہوئی ہے کہ چھوٹے خوش آواز

بچوں کو پڑھنے کے لئے نہیں بھیجا گیا جب کہ اس مقابلہ میں نغمہ و خوش الحانی سے پڑھنے کے لئے بچے آئے ہیں جو کہ آخری پارہ پڑھنے کا مقابلہ ہے۔ ان کے ساتھ پندرہ سال کی عمر تک والے کو رفیق لانے کی بھی اجازت دی گئی ہے اور بڑے لوگ بچوں کو لے کر آئے ہیں۔ باقاعدہ پہلے ہر قاری کا پورا نام اس کی قومیت اور قسم ایک سلپ پر لکھی گئی ہے جس میں صرف حافظ کے لئے تین خانے ہیں۔

تطبیق اصول تجوید ۲۵ نمبر۔ ترتیل (صفائی) و روانی ۲۵ نمبر' حفظ کی مضبوطی ۵۰ نمبر۔ کل نمبر ۱۰۰ نمبر۔

قاری پڑھ چکتا ہے تو سلپ واپس نہیں لی جاتی تمام سلپس اس وقت لی جاتی ہیں جب پوری ایک مجلس ختم ہو جاتی ہے۔ وقت کی کوئی پابندی نہیں سعودی جج کی مرضی پر ہے وہ جب چاہے گھنٹی بجا کر بند کرتے ہیں۔

مسابقہ جس جگہ ہو رہا ہے بہت بڑا ہال ہے آج شہریوں میں سے یا وزیر و گورنر میں سے کوئی نہیں آیا البتہ تمام کارروائی ٹی وی پر دکھانے کے لئے تیار کی گئی جو رات کو دکھائی جائے گی۔

۵۔ مارچ بروز سوموار

آج کی محفل مسابقہ صبح ٹھیک ۹ بجے شروع ہوئی افتتاحی تلاوت ملائشیا کے شیخ حسن ازہری نے کی۔ آج مقابلہ سخت رہا۔ بنگلہ دیش کے حافظ عبدالحق نے فرع ثانی میں بڑا مضبوط مظاہرہ کیا۔ ججوں کی کوشش کے باوجود اس کی کوئی غلطی پکڑی نہیں جا سکی وہ غالباً اول آئے گا۔ پانچ جگہ سے ایک ایک پاؤ پڑھوایا گیا لیکن وہ نہ گھبرایا نہ کہیں اس کے تلفظ میں غلطی ہوئی۔ فرع اول میں مغرب کا غالباً الجزائر' بہت مضبوط رہا۔ ملائشیا کے دو قاری حفظ میں آئے مگر وہ ناکام رہے کیونکہ وہ لوگ آوازوں پر محنت کرتے ہیں حفظ میں بہت خام ہیں ویسے ابھی ان کے تین قاری مزید باقی ہیں جن میں ایک نابینا بھی ہے۔ آج مجھ سے پریس والے بھی ملے جن کے سوالات علیحدہ کاغذ پر تحریر ہیں۔ میں نے ان کے تحریری جوابات تیار کرنے ہیں۔

رئیس لجنتہ التحکیم شیخ حسن کھانے پر جمع تھے۔ ہنستے ہوئے مجھ سے کہنے لگے پورے وقت آپ سمٹے ہوئے خوب توجہ سے پڑھنے والوں کا سنتے ہیں میں نے کہا یہ دراصل خود آپ کا انہاک ہی ہمیں بھی متوجہ رکھتا ہے۔ عبداللہ بن زائد الحمدللہ بڑے حسن التفات سے پیش آتے ہیں۔ اب اس وقت ۳.۲۵ بجے ہیں۔ ہم نے دوسری نشست میں پانچ بجے پہنچنا ہے۔ انشاء اللہ۔

آج کی دوسری نشست ختم ہوگئی۔ ایک افریقی بچہ کالا رنگ پڑھنے آیا۔ رونے لگ گیا ناک بہنے لگی۔ مگر آواز غضب کی تھی بڑی طاقتور۔

آج پاکستان سے ناصر نے فرع چہارم میں پڑھا توقع سے بہتر ثابت ہوا۔ تلفظ عمدہ تھا یاد میں ایک غلطی بھی نہیں کی کئی کئی رکوع سے اور خوب رگڑے دینے کی کوشش کی گئی مگر الحمدللہ پاکستانی قاری قابو میں نہیں آیا۔ سورۃ فتح میں "وتوقروہ" پر وقف کر کے "وتسبحوہ" سے ابتداء کی۔ اور "واثابہم فتحا قریبا" پر وقف کر کے پھر

"وانا بھم" سے اعادہ کیا دونوں جگہ قاری کبارہ بہت خوش ہوا۔ معنوی اعتبار سے یہ دونوں طریقے بہت بلیغ المعنی ہیں۔ صد فی صد نمبر ہوئے۔

بڑا بخل یہ پایا کہ دونوں سعودیوں (ججوں) کے منہ سے کلمہ تحسین و آفرین نہیں نکلا حالانکہ امارات کے بچوں اور افریقی طلباء کو تحسینی الفاظ سے بیحد نوازتے رہتے ہیں۔ پاکستان کے دو قاری اور رہ گئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی نمایاں ہونے کی توفیق دے۔ بہرحال شام کے کھانے پر شیخ حسن چیئرمین جج پاکستانی قاری کی تعریف کر رہے تھے۔

٦ - مارچ بروز منگل

آج صبح ۸.۳۰ بجے ناشتہ پر تھا کہ ریاض سے قاری عبدالماجد ذاکر کا فون آیا۔ مسابقہ میں پہنچ کر سیٹ سنبھالی۔ آج دونوں نشستوں میں سخت مقابلہ رہا۔ انڈونیشیا کا نابینا قاری فرع ثانی میں بہت عمدہ پڑھ گیا فرع خامس میں بھی انڈونیشیا کا ایک لڑکا زبردست آواز کا مالک ثابت ہوا۔ دوپہر کو لبنان، ملائشیا اور پاکستان کے جج کی ایک رئیس مکہ کے یہاں دعوت ہوئی۔ شیخ طبلاوی بھی تھے سب نے قرآن شریف پڑھا کھانا کھایا۔ پر لطف مجلس رہی طبلاوی جوان ہے۔ تین بجے واپسی ہوئی۔ سفیر پاکستان کرنل محسن خان کا پیغام ملا کہ رات کا کھانا فندق الجیاد میں کھانا ہے۔ مکہ کے بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے تھے رات کو عبدالغفار سرگودھوی اپنی گاڑی لے کر آگیا اسی میں حرم پہنچے اور عشاء پڑھی۔ قاری ادریس ہمراہ تھا۔ پاکستان میں وزیر مذہبی امور عباسی، وزیر معدنیات راؤ فرمان علی اور ایک تیسرے وزیر مستعفی ہوگئے ہیں۔ وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔ آج میں نے سیکرٹری مشتاق علی صاحب کا خط عربی میں لکھا ہوا شیخ حسن باجوده کو دے دیا حسب اخلاق دعاؤں سے نوازا۔ آج گھر بھی ایک خط ڈال دیا ہے اور خیریت لکھ دی ہے۔ مسابقہ یومیہ میں روزانہ تقریباً بیس قاری پڑھ رہے ہیں آج تین دن ختم ہوئے گویا ساٹھ کم از کم پڑھ چکے ہیں۔ واپسی کا پروگرام کنفرم ہو چکا ہے۔ یعنی جدہ سے کراچی اور وہاں سے لاہور۔

چار روایتیں عموماً پڑھی جا رہی ہیں حفص، ورش، دوری بصری اور قالون۔ مغرب کے اکثر طلبہ صرف ورش ہی جانتے ہیں۔ یہاں کے ٹی وی پروگرام دیکھنے میں آئے بادشاہ کے نام کے ساتھ "المصلی" ضروری ہے ہر چھوٹا افسر اپنے بڑے افسر سے خائف ہے۔ آج پاکستان کے سفیر کی دعوت میں شیخ عبداللہ ابن سبیل امام بیت اللہ سے بھی ملاقات ہوئی۔

٧ - مارچ بروز بدھ

عموماً تمام دنیا کے قاری پہنچے ہیں۔ حیران کن امر یہ ہوا کہ ایک جوان گورا چٹا "مایولوکود-تس" یونان سے کسی طرح پہنچ گیا حقیقت میں مسیح ہے۔ قسم پنجم میں آیا۔ ٹوٹے پھوٹے طریقہ پر پڑھا اس کے حالات میں تفتیش کی گئی تو مسیحی نکلا۔

رات کو ہم صوتیہ پہنچے مولانا شمیم سے ملاقات ہوئی اور دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہوا مولانا کو لاہور سے

حضرت قاری عبدالمالک صاحبؒ کی سوانح کی ایک کاپی بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ دو روز مختلف عرب گھرانوں میں دعوت ہوئی۔ سیکرٹری انصاف کے یہاں محفل قراءت ہوئی میں نے' شیخ ازہری نے اور قاری صلاح الدین کبارہ نے اور شیخ طبلاوی مصری نے تلاوتیں کیں۔ طبلاوی میں پختگی ہے منہ بالکل نہیں بگڑتا کانوں پر ہاتھ نہیں دھرتا' سانس خاصا لمبا ہے مگر آواز میں رعب اور گرج نہیں ہے۔ دھیمی آواز میں بے تھکان پڑھتا ہے۔

مسابقہ میں چیئرمین لجنتہ التحکیم کی مرضی ہے جس سے جتنا چاہیں سنیں وقت کی کوئی قید نہیں حافظ کو خاصا رگڑا جاتا ہے بعض وقت ایک ہی سوال پر کئی کئی رکوع پڑھنے ہوتے ہیں اور وہ پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے۔

لجنتہ التحکیم کے ایک رکن قاری صلاح الدین کبارا آف لبنان مع اپنی بیگم کے آئے ہوئے ہیں اور سعودی گورنمنٹ نے دونوں کا خرچہ برداشت کیا ہے۔

۸ ۔ مارچ بروز جمعرات

آج جمعرات والے دن پاکستان کے قاری ارشد نے قسم دوم میں پڑھا ہے میرے نزدیک اچھا پڑھا ہے ۹۸ نمبر لئے ہیں' ایک غلطی حفظ میں آئی۔

۹ ۔ مارچ بروز جمعتہ المبارک۔

قاری سراج آج صبح ہی اپنی گاڑی لے کر پہنچے۔ میں تینوں پاکستانی قاریوں کے ہمراہ قاری ادریس کی جگہ رابطہ عالم اسلامی کے ہوسٹل میں گیا' ناشتہ کیا' پھر میدان عرفات گئے راستہ میں غار ثور والا پہاڑ دیکھا بہت اونچا ہے کہتے ہیں اوپر چوٹی پر خاصا بڑا غار مثل کمرے کے ہے چڑھائی میں عموماً دو گھنٹے لگتے ہیں۔ عرفات پہنچے۔ مسجد نمرہ عظیم الشان تعمیر ہو چکی ہے بڑی وسیع' بند تھی۔ جبل رحمت دیکھا۔ مزدلفہ دیکھا مسجد مشعر حرام دیکھی بڑی وسیع اور متین پھر منیٰ آئے مسجد خیف میں داخل ہوئے یہ بھی نئی تعمیر ہوئی ہے۔ بہت وسیع و مضبوط تینوں جمرات دیکھے راستہ میں کوہ حرا (جبل النور) دیکھا بہت اونچا ہے اور بالکل چوٹی پر کہتے ہیں کہ غار حرا ہے اللہ اکبر مہبط وحی۔ دیدار جبریل کا مقام۔ مکہ سے تین میل کچھ لوگ اوپر جا رہے تھے کچھ پہنچ گئے تھے اونچائی کی وجہ سے لوگ چھوٹے چھوٹے نظر آرہے تھے۔ واپس حرم شریف آئے بمشکل وضو کیا ہجوم زبردست تھا تھکان بہت ہو گئی تھی جمعہ کی نماز پڑھی۔ حرم میں لیٹا رہا قاری ادریس کو اللہ جزائے خیر دے پاؤں دبائے۔ وہاں سے اٹھ کر بازار آرہے تھے کہ جدہ والے قاری فاروق ملے وہ اپنے کسی ساتھی کی گاڑی میں تھے ہمارے کہنے پر وہ ہمیں قاری احمد دین سے ملانے شیخ بدوی کے یہاں گئے جو بڑے اخلاق سے ملا عصر کی نماز پڑھی چائے پی' اور قاری احمد دین' پیر وزیر علی' میں' فاروق اور ادریس دو گاڑیوں میں جنت المعلیٰ کی زیارت کو گئے معلوم ہوتا ہے کسی وقت بہت بڑا قبرستان تھا مگر جدید سڑکوں کے جال نے اس کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ قبرستان کے ہر طرف اونچی عمارتیں اور رنگا رنگی ہے' قبرستان کی زمین ہموار ہے۔ مردوں کی تدفین اور ان کے جسموں کو جلدی ختم کر دینے کے لئے کوئی خاص کیمیائی مادہ استعمال ہوتا ہے۔ چھ ماہ بعد

قبر میں دوسرا مردہ اتار دیا جاتا ہے۔ اب ایک ڈیڑھ گز اونچی دو رویہ دیواریں بن رہی ہیں جن میں ہر وقت قبر تیار رہے گی۔

جنت المعلی سے چل کر جلدی حرم آئے مغرب پڑھی بازار گئے اور کچھ کپڑا اور زیور کی خریداری کی۔ واپس آکر عشاء کی نماز حرم میں پڑھی اور ہوٹل کی بس میں واپس آگیا کھانا کھایا۔ قاری عبدالرحمٰن سرگودھوی آگئے۔ ملاقات ہوئی۔ قاری فاروق کچھ امانت ادریس اور قاری عبدالرحمٰن ڈیروی کے لئے دے گیا ہے۔ آج دو کتابیں قاری احمد دین کو دی ہیں کہ وہ اپنے ہمراہ لاہور لے جائیں میں ان سے لاہور میں لے لوں گا۔ وہ آج رات واپس لاہور جا رہے ہیں۔ قاری ادریس کو اللہ جزائے خیر دے اس نے کپڑا خریدنے میں بہت مدد دی بلکہ ایک سوٹ کا کپڑا اور ایک گھڑی اور کچھ کتابیں بھی "تحفہ" دیں۔

۱۰۔ مارچ بروز ہفتہ

آج رات کو قاری عبدالغفار اور اس کی اہلیہ آئے اور ساتھ ایک سوٹ کیس اور گھڑیاں لائے۔ کافی دیر بیٹھے رہے۔ مکہ سے ایک رسالہ "التضامن الاسلامی" نکلتا ہے مدیر جریدہ نے دس سوالات کئے ان کے تحریری جوابات تیار کر کے دے دیئے تھے جو اس میں چھپیں گے۔ ریڈیو قاھرہ مصر والے بھی میرا انٹرویو ریکارڈ کر کے لئے گئے ہیں جو وہاں سے نشر ہوگا۔

۱۱۔ مارچ بروز اتوار

آج گیارہ ہو چکی ہے بس کل مسابقہ ختم ہو جائے گا اور پرسوں نتائج کا اعلان ہوگا' حسن ازہری نے آج روایت ورش اور خلف میں دو رکوع کی مشق کی۔ تحفہ میں ملائشیا کی لنگی عنایت کی ہے۔

□□□

ایک نہایت علمی بحث

مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ

گرامی قدر محترمنا المکرم حافظ صاحب زید مجدھم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ' طالب مع الخیر ہے' الحمدللہ کہ معروضات قلمی خاطر عاطر کے لئے وجہ تسلی ہوئیں' ناچیز طالب علم کی حوصلہ افزائی کے لئے جو حکمات تشکر و شفقت تحریر فرمائے گئے موجب انبساط و حوصلہ افزائی ہیں وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

کتب فقہ و فتاویٰ کے جو حوالے جناب نے تحریر فرمائے وہ بہت ہی قیمتی ہیں جزاکم اللہ خیرا' مجھے ان حوالوں اور عبارتوں کی بڑی سخت ضرورت تھی' اب الحمدللہ زیر بحث مسئلہ میرے لئے علی وجہ البصیرت ایک مکمل مسئلہ بن گیا ہے۔

سلف کی نظریں کسی قدر قابل اعتماد ہیں اور وہ کس قدر جامع العلوم تھے یہ ان کی جامعت کی بہترین تصویر ہیں۔

اب سنئے ان تمام عبارتوں میں یہ کہیں بھی نہیں کہ اذان کی پہلی دو تکبیروں کو کاٹ کر اس طرح کہا جائے کہ اللہ اکبر اللہ اکبر' یعنی دوسری مرتبہ اللہ کا ہمزہ وصل باقی رکھ کر تلفظ کیا جائے۔ عبارتوں کا زور بحث اس نکتہ پر متوجہ ہے کہ پہلے اللہ اکبر کی راء پر کیا حرکت پڑھی جائے؟ سو اس میں دو قول نقل ہو رہے ہیں ایک یہ کہ اکبر کی راء پر حسب قواعد عربیت متداولہ رفع پڑھا جائے۔ کیونکہ وہ خبر مرفوع ہے اللہ مبتدا کی۔ دوسرا یہ کہ اکبر کی راء پر نصب پڑھا جائے۔ مبرد نحوی کی یہی رائے ہے۔

پس منظر ان دونوں آراء کا بڑا وقیع اور مدلل ہے۔ میں ان کو کھولنے کی کوشش کرتا ہوں پہلے چند اصول موضوعہ مقررہ کہ لا یمکن خلافہ اجماعا" ذہن شریف میں رہیں۔

ا۔ وقف یہ ہے کہ کسی کلمہ کے آخر میں سانس لے کر ٹھہر جائے۔

۲۔ وصل یہ ہے کہ بغیر سانس لئے متحرک کلمہ کی حرکت پڑھ کر اگلا کلمہ پڑھے۔

حدیث شریف میں بھی ہے اور عام عمل بھی اسی طرح ہے کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر اور تکبیر جلدی جلدی کہی جائے' اذان میں ٹھہر ٹھہر کر کہنے کی صورت کیا ہے؟ یہ ہے کہ پہلے ایک سانس میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جاتا ہے اور پھر دوسرے سانس میں اسی طرح دو مرتبہ اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔

ادائیگی کی ممکنہ صورتیں یہ ہیں میں حرکات سے واضح کرتا ہوں۔

ا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرْ

۲۔ اَللّٰہُ اکبرُ اللّٰہ اکبر

۳۔ اللّٰہُ اکبرُ اللّٰہ اکبرْ

۴۔ اللّٰہ اکبرِ اَللّٰہُ اکبر

۵۔ اَللّٰہُ اکبرُ اللّٰہُ اکبرْ

ان میں سے نمبر ۳ اور ۴ صحیح' باقی غلط ہیں۔ وجہ وہی کہ وسط کلام میں ہمزہ وصل ساقط نہیں ہوا الا یہ کہ ایک نئی چھٹی صورت اختیار کی جائے کہ شروع اذان میں جو چار مرتبہ اللہ اکبر ہے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ وقفہ کر کے چار سانس میں ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے' یعنی اللہ اکبر کہے اور آرام سے سانس لے وقفہ کر کے دوبارہ کہے اسی طرح دوسری بار اسی طرح تیسری بار اور اسی طرح چوتھی بار۔ یہ عربیت کے لحاظ سے تو ٹھیک ہو گا مگر عام تعامل جو چلا آتا ہے اس کے بالکل برخلاف ہو گا' کیونکہ یہ طریقہ ماثورہ کے برخلاف ہے۔ ہر مرتبہ وقف کیا اور ہر مرتبہ راء ساکن پڑی۔ تو پھر فقہاء کے کلام میں یہ راء کی حرکت پر کیوں بحث ہو رہی کہ کسی کے نزدیک فتحہ راجح اور کسی کے نزدیک ضمہ۔ ضمہ یا فتحہ تو وصل ہی میں پڑھا جا سکتا ہے وقف میں تو نہیں۔

۳۔ جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ درج کلام میں اللہ اکبر کا ہمزہ وصل حذف ہونا چاہئے یہ ہو یا اور کوئی ہمزہ وصل ہو درمیان کلام میں اس کو باقی رکھ کر پڑھنا اصول عربیت کے خلاف بالاتفاق ہے البتہ لفظ اللہ کے ہمزہ وصل کو تمام عربی زبان میں صرف ایک صورت میں باقی رکھ کر پڑھا گیا اور وہ سماعی ہے جو اپنے مورد و موقع میں منحصر ہے یعنی حرف ندا یا کے ساتھ چنانچہ کافیہ میں ابن الحاجب نے کہا **وقالوا یا اللہ خاصتہ** یعنی صرف اور صرف یہی ایک ترکیب ایسی ہے جو خصوصیت کی حامل ہے کہ ہمزہ وصل کو درج کلام میں باقی رکھا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی صورت نہیں۔

یہ یاد رہے کہ قواعد عربیت میں مذاہب اربعہ میں مبحوث فیہ نہیں ہیں۔ یعنی یہ کوئی صورت نہیں کہ مذہب شافعی یا مالکی میں ہمزہ وصل کو گرایا جائے گا اور فلاں مذہب میں نہیں گرایا جائے گا۔ تکلم کے قواعد کے جواز و ناجواز آخرت سے کیا علاقہ؟

۴۔ کلمہ کے آخر میں اگر متحرک حرف ہو تو اس کو ساکن کر کے ادا کرنے کا جواز اس صورت میں ہے کہ اس پر سانس لے کر ٹھہر جائے جیسے رب العلمین کو رب العلمین پڑھے وصل یہ ہے کہ بغیر ٹھہرے اور بغیر سانس لئے پڑھتا چلا جائے اب متحرک کو متحرک ہی پڑھے گا ساکن نہیں یعنی العالمین کو تو ساکن پڑھے اور سانس لے کر ٹھہرے بغیر آگے الرحمٰن الرحیم پڑھے تو یہ اصولاً صحیح نہیں۔ اسے وصل کہیں گے اور نہ ہی وقف' اسی طرح کلمہ کے آخر کی حرکت پڑھ کر سانس لے کر ٹھہر جائے تو یہ بھی غلط ہے یعنی العالمین کے نون پر زبر پڑھ کر ٹھہر گیا سانس لے لیا تو یہ نہ وقف ہوا اور نہ وصل۔ یہ نہایت عام اور متداول اصول ہے' حضرت تھانویؒ نے بھی رسالہ جمال القرآن میں لکھا

ہے۔

جناب کے تحریر فرمائے تمام عبارتی حوالوں میں ایک سطر بھی ایسی نہیں کہ جس میں وسط کلام میں اللہ کے ہمزہ وصل کو باقی رکھ کر ادائے الفاظ کو اجازت دی گئی ہو۔

درمختار کے الفاظ **ویفتح راء اکبر والعوام یضمونها** سے یہ معلوم ہوا کہ پہلے اللہ اکبر کو دوسرے اللہ اکبر کے ساتھ ایک سانس میں ادا کرے اور (پہلے) اکبر کی راء کو فتح پڑھے' مگر عام لوگ ضمہ پڑھتے ہیں۔ یعنی فتحہ کو ترجیح دے رہے مگر ضمہ کو عوام کا تلفظ بتلا کر ایک درجہ میں صحیح ہونے کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

علامہ شامیؒ رد مختار ص ۲۸۴ الاذان جزم کے تحت فرماتے ہیں ابن الانباری نے فرمایا کہ عام لوگ اکبر کی راء کو ضمہ دیتے ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ ضمہ اس لئے کہ ترکیب نحوی میں لفظ اللہ مبتدا ہے اور اکبر خبر ہے لہٰذا ضمہ ہونا ہی چاہیۓ۔ آگے ہے اور مبرد کا قول ہے کہ اذان کے کلمات مقطوع ہیں اور موقوف سنتے آئے ہیں لہٰذا اصل میں اللہ اکبر کی راء (بوجہ وقف کے) ساکن ہے پھر (دوسرے) لفظ اللہ کے ہمزہ کی حرکت (فتحہ) کو اس راء ساکنہ موقوفہ کی طرف نقل کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ الم اللہ میں

مطلب یہ کہ عربی میں ایک قاعدہ ہے کہ جب کوئی حرف غیرہ مدہ ساکن ہو اور اس کے بعد ہمزہ متحرکہ ہو تو جائز ہے کہ ہمزہ کی حرکت نقل کر کے اس حرف ساکن کو دے دی جائے اور ہمزہ حذف کر دیا جائے مثلاً **قدافلح** کو **قد افلح**' **یسئل** کو **یسل** اور **الانسان** کو **النسان** تلفظ کروائیں۔

اسی طرح ال عمران کے شروع میں اگر الم پر وقف کر کے کوئی نہ ٹھہرے بلکہ آگے اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم○ آیت کو ملا کر ساتھ ہی پڑھنا چاہیۓ تو اب تلفظ اس طرح ہو گا **الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم** یعنی میم جو ساکن تھا اس کو نقل حرکت کے قاعدہ مذکورہ کے مطابق اللہ کے ہمزہ کی حرکت فتحہ دے دی گئی اور ہمزہ حذف کر دیا گیا۔ یہ مبرد نحوی کی رائے کی تشریح ہو گئی۔

آگے مغنی کی عبارت ہے

حرکتہ الراء لفتحہ وانہ وصل بنیتہ الوقف یعنی اکبر کی راء پر فتحہ ہونا چاہیۓ اور حقیقت میں وصل بہ نیت وقف ہے۔

وصل بہ نیت وقف ایک نہایت نادر الوقوع صورت کا نام ہے جو آجکل کے مولوی ہرگز نہیں بتلا سکتے۔ اس اصطلاح کا مطلب یہ ہوتا ہے' کبھی کبھی عربی میں ایسا بھی ہوا ہے کہ وصل میں احکام وقف کے جاری کئے جائیں' ملا کر پڑھا اس لئے تو وصل ہوا' مگر معنی کے اعتبار سے ہے۔ وہ لفظ علیحدہ ظاہراً تو نہیں مگر نیت میں وقف ہے راء کی حرکت فتحہ کی توجیہ بھی اسی کے مطابق کہ دونوں اللہ اکبر اللہ اکبر معنی کے اعتبار سے تو علیحدہ علیحدہ ہیں مگر تلفظ میں ان کو

علیحدہ علیحدہ نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک ساتھ بول رہا ہے مگر نیت میں وقف ملحوظ ہے اور وہ اس طرح کہ پہلے اکبر کی راء کو گویا اس نے وقف کی نیت سے ساکن کیا اور پھر لفظ اللہ کے ہمزہ کا فتحہ اس کو نقل کر کے دے دیا اس طرح وہ گویا وصل کرتے ہوئے وقف کی نیت کر رہا ہے یہ سب کلام اکبر کی راء کے فتحہ کی توجیہ میں ہو رہا ہے۔

اور یہ طے شدہ سمجھئے کہ اللہ ہمزہ حذف ہو رہا ہے' یوں بھی ظاہر ہے کہ جب اس کی حرکت فتحہ ہی نہ رہی تو اس کا تلفظ پھر کیسے ہو سکتا ہے؟ مغنی میں آگے ہے۔ (بحوالہ مذکورہ شامی)

ثم قیل هی حرکة الساکنین ولم یکسر حفظا لتفخیم الله

اس کے بعد (یعنی حرکت فتحہ پڑھے جانے کے وقت) یہ کہا جاتا ہے کہ اکبر کی راء کا فتحہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے اور کسرہ نہیں دیا گیا تاکہ لفظ اللہ کی تفخیم محفوظ ہے۔

یعنی اللہ اکبر کہا' وقف کیا پھر اسی سانس میں اللہ اکبر کہا تو درج کلام کی وجہ سے دوسری مرتبہ ہمزہ اللہ وصلی ہونے کی وجہ سے حذف ہو گیا' اب دو ساکنین جمع ہو گئے کہ ایک اکبر کی راء دوسرے اللہ کا لام ساکن یعنی ال کا لام' یہ اجتماع ساکنین تب ہی ہوتا ہے کہ ہمزہ وصل گرے ورنہ کوئی اجتماع ساکنین نہیں ہے چونکہ عربی کا اکثری قاعدہ یہ ہے کہ جب دو ساکن دو کلموں میں جمع ہوں اور پہلا ساکن حرف مدہ نہ ہو تو اس پہلے ساکن کو کسرہ دیا جاتا ہے جیسے خافت امراۃ میں کہ اصل میں خافت امراۃ تھا امراۃ کا پہلا ہمزہ وصل درج کلام میں حذف ہوا اور دو ساکن یعنی خافت کی تاء اور امراۃ کی میم جمع ہوئے تو پہلے ساکن یعنی تا تانیث کو کسرہ دیا گیا۔

صاحب مغنی دفع دخل مقدر کرتے ہوں فرماتے ہیں کہ اکبر کی راء فتحہ دیا گیا اور کسرہ نہیں دیا گیا وجہ یہ ہوئی آگے لفظ اللہ تھا اگر اکبر کی راء کو کسرہ دیا جاتا اللہ کے لام کو باریک پڑھنا پڑتا اور تفخیم یعنی پر پڑھنے میں اس اسم مبارک میں عظمت و شوکت کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا اکبر کی را کو فتحہ دیا تاکہ لام پر رہے۔

لفظ اللہ کے لام کا قاعدہ مشہور ہے کہ اگر اس لام سے پہلا حرف مفتوح یا مضموم ہو تو موٹا ورنہ باریک پڑھا جاتا ہے جیسے تا اللہ' عبداللہ میں پر اور بسم اللہ میں باریک ہے۔ مغنی میں آگے ہے۔

وقیل نقلت حرکة الهمزة

یعنی بعض اکبر کی را کے فتحہ کی توجیہ میں یہ تو نہیں کہتے کہ یہ فتحہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے بلکہ یہ کہتے ہیں راء بوجہ وقف ساکن تھی اس پر اللہ کے ہمزہ کا فتحہ نقل کر کے لایا گیا ہے۔ یہ وہی توجیہ آگئی جو مبرد کے قول کے ذیل میں بیان ہوئی مگر وہ ابن الانباری کے حوالہ سے تھی یہاں مغنی کے حوالہ سے ہے' فرق اتنا ہے کہ مغنی قیل کر کے کہتا ہے جس سے قائل نہیں معلوم ہوتا اور ابن الانباری کے کلام سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ قائل مبرد ہے۔

بہرحال آگے مغنی میں ہے **وکل هذا** خروج عن الظاہر کہ یہ سب خلاف ظاہر ہے **والصواب ان حرکة الراء**

ضمہ اعراب درست بات یہ ہے کہ اکبر کی را مضموم ہے جیسا کہ اعرابی حرکت یعنی ترکیب نحوی کا تقاضا ہے کہ وہ خبر مرفوع ہے۔ مبرد کی رائے کیوں خلاف ظاہر ہے؟ اس کا جواب دیا **ولیس لھمزۃ الوصل ثبوت فی اللدج لتنقل حرکتھا** یعنی ہمزہ وصل تو درج کلام میں ثابت ہی نہیں رہتا جب گرتا ہے تو مع اپنی حرکت کے گرتا ہے اسی طرح یہاں لفظ اللہ کا ہمزہ وصل گرا اور ساتھ ہی حرکت بھی گئی پھر اس کو نقل کر کے ماقبل کو دینے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ واضح رہے کہ جمہور محققین بھی یہی کہتے ہیں کہ نقل حرکت ہمزہ وصل کی نہیں بلکہ ہمزہ قطعی کی ہوتی ہے۔ آگے ایک قیاس کا جواب دیا گیا الم اللہ میں تو میم کی نقل حرکت کے قاعدہ سے ہمزہ وصل کا فتحہ دیا گیا ہے فرماتے ہیں **و بالجملۃ الفرق بین الاذان وبین الم اللہ ظاھر فانہ لیس لا لم اللہ حرکت اعراب اصلا وقد کانت بکلمات الاذان اعرابا الا انہ سمعت موقوفۃ** کہ اذان کے الفاظ میں اور الم اللہ میں فرق ظاہر ہے کہ الم اللہ میں میم شروع ہی سے ساکن ہے اور کوئی اعرابی حرکت اس پر نہیں' اور اذان کے کلمات میں اعرابی حرکت (یعنی ضمہ) موجود ہے البتہ یہ کلمات وقف کے ساتھ ساکن کر کے سنے گئے ہیں لہٰذا موقوف ہونے کی وجہ سے سکون ہوا جو عارضی قسم کا سکون ہوتا ہے میم کی طرح کا اصلی سکون نہ ہوا کہ نقل حرکت کا قاعدہ جاری ہو سکے۔

آگے ہے **وفی الامداد ویجزم الراء ای یسکنھا فی التکبیر قال الزیلعی یعنی علی الوقف لکن فی الاذان حقیقۃ وفی الاقامۃ ینوی الوقف الی للحدر** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان میں چھٹی صورت اختیار کی جائے یعنی اکبر کی راء کو حقیقۃ" ساکن پڑھا جائے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمزہ وصل قائم رہے' گویا بقاء ہمزہ وصل بہ نیت ابتدا ہے نہ کہ بہ نیت وصل' البتہ تکبیر میں ہمزہ وصل کو گرا کر وقف نیت کی حد تک رہنے دیتے ہیں۔

وروی ذلک عن النخعی موقوفا علیہ ومرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم از قال الاذان جزم والتکبیر جزم اس روایت سے حرکت کا قصہ ہی ختم ہو گیا اس کے یقیناً یہ معنی ہوئے کہ راء کو ساکن پڑھ کر آگے ہمزہ وصل سے ابتداء کی جائے۔

اسلام کا معاشی نظام

جناب مولانا اظہار احمد صاحب تھانوی

آج ایک طرف مبلغین اسلام کا فریضہ ہے کہ دنیا کے سامنے اسلام کا سادہ' پر لچک اور ہر انسان کو عزت و شرف بخشنے والا فطری' معاشی نظام پیش کریں' دوسری طرف مسلمان حکومتیں اپنے دوائر حکومت میں اس نظام کو جاری کریں۔ حکمراں قوم کے محب و مخلص خادم ہو جائیں اپنے لئے وہ ہی معمولی لباس' غذا' سواری اور رہائشی مکان پسند کریں جو ان کے زیر نگیں حکومتوں میں عوام کو حاصل ہوں۔ دیانتداری' سچائی' سستا انصاف ارزاں تعلیم' طبی سہولتیں' بنیادی ضروریات کو سہولت و ارزانی فراہمی ہو' پیداوار میں اضافہ کی مساعی سرانجام دی جائیں۔ مزدوروں' کسانوں کے بنیادی مطالبات سے ہرگز صرف نظر نہ کیا جائے اور نہ ان کو دبانے کے لئے کسی قسم کا جبر اختیار کیا جائے۔

اس سلسلہ میں دور نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام) اور خلافت راشدہ کے مزاج کو سمجھ کر اسلام کا عادلانہ معاشی اور معیشی نظام کار نہایت واضح خطوط پر قائم کیا جا سکتا ہے۔ آیئے اب ذرا دیکھیں کہ اسلام کی اس ذیل میں کیا رہنمائی پائی جاتی ہے۔

نقرا کی بہبود کے لئے اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ پر بے حد زور دیا گیا ہے۔ زکوۃ کے بارے میں ہدایت ہے کہ استثنائی صورت کو چھوڑ کر زکوۃ کی رقم جس آبادی سے وصول کی جائے اسی آبادی کے فقیر باشندوں پر خرچ کی جائے۔ **توخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم**

اسی طرح دیگر صدقات واجبہ مثلاً نذر' کفارہ اور صدقہ فطریا غریبوں کی بھلائی کے لئے کوئی وقف شدہ جائیداد جس کی آمدنی واقف نے فقراء پر خرچ کرنے کی وصیت کی ہو' اسی طرح عشر ہے۔ مذکورہ تمام مدات سے وصول شدہ رقوم کے غریب اور مفلوک الحال لوگوں کو ہی مصرف قرار دیا گیا ہے۔

یہاں تک تو عام اغنیاء مسلمین کا روپیہ غریب کا معین ہوا۔ اس ضمن میں ایک اسلامی حکومت کا فرض صرف اس قدر ہے کہ وہ زکوۃ کی وصولی اور غریبوں پر اس کا انفاق خوش اسلوبی سے کرے۔

اس کے علاوہ غور کیا جائے تو فقراء کی دو قسمیں کم از کم ضرور نکلتی ہیں۔ ایک وہ فقیر جس میں کسب کی طاقت نہیں۔ مثلاً بوڑھی عورت' ہاتھوں پاؤں سے معذور انسان' مہلک بیماری میں مبتلا مریض وغیرہ دوسرا وہ فقیر کہ کسب کی طاقت رکھتا ہے مگر کسی عارضہ کی وجہ سے مفلوک الحال ہے۔ گویا پہلا فقیر مستقل فقیر ہے مگر دوسرے کا فقر ممکن الزوال ہے اور عارضی ہے' پہلی قسم کو بیت المال سے مستقل اعانت ضروری ہے اور دوسری کو اس کے پاؤں پر کھڑا

کرنا ضروری ہے۔

اسلامی مملکت کی ایک اچھی اور کامیاب بستی وہ کہلا سکتی ہے جس میں اس بستی کو خوراک' کپڑا اور بقدر ضرورت رہائش سہولت میسر ہو۔ حکومت کا فرض بس اسی قدر نہیں کہ وہ غریبوں کو صدقات واجبہ کے ذریعہ مدد دے' بلکہ یہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ ہر شخص کو اس کے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لئے غریبوں کے لئے آمدنی کے ذرائع کیونکر فراہم کئے جائیں۔ آمدنی کے ذرائع میں کھیتی باڑی' تجارت' ملازمت' کارخانے سب داخل ہیں۔

موجودہ دور میں آمدنی کے ذرائع بھی بے شمار ہیں اور حکومتوں کے اخراجات بھی بہت ہیں اور بے حد متنوع ہیں۔

اسلام ارتکاز زر کو پسند نہیں کرتا ہے' مختلف صنعتوں اور کارخانوں میں اس زر کا پھیلاؤ عامتہ المسلمین کے لئے ملازمتوں کی شکل میں مفید ہو سکتا ہے۔ مگر اس مقام پر نگراں حکومت کا فرض ہو گا کہ وہ کارخانہ دار اور اجیر کے مابین اس کارخانہ کو ایک ایسی لمیٹڈ کمپنی کی شکل دے کہ آمدنی صرف کارخانہ دار کے ہاتھ میں مرکوز نہ ہونے پائے یہ انتظامی معاملہ ہے جس میں اسلام میں کوئی پابندی نہیں۔

مزدور کو ننگا بھوکا بنانے والی دو چیزیں ہیں اور دونوں غیر اسلامی ہیں۔ ایک سود اور دوسرا ٹیکس۔ سود اوپر اوپر ہی دولت کو صاحب ثروت لوگوں کے ہاتھوں میں گھماتا رہتا ہے جو نیچے غریب کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ پاتا۔ جیسے ایک بال بڑے کھلاڑیوں کے ہاتھوں میں اچھلتی رہے اور بچے اس پر قابو پائے بغیر یوں ہی اس کو کھڑے تکتے رہیں۔ ایسے ہی ٹیکسوں کی بھرمار ہے۔ حکومت کا زور دار گھونسہ سرمایہ داری گردن پر پڑتا ہے اور لاکھ روپے میں سے چالیس پچاس ہزار وہ نکال لے جاتی ہے۔ یہ گھونسہ سرمایہ دار کو لوٹ کھسوٹ پر مائل کرتا ہے۔ نزلہ بر عضو ضعیف ریزد۔ وہ اپنی ہوس زر مزدور سے پوری کرتا ہے۔ یعنی کام پورا اور مزدوری کم' اس حالت میں مزدور کے لئے کارخانہ دار بلا واسطہ اور حکومت بواسطہ دونوں ہی حق کوشی کے بجائے حق کشی پر مائل رہتے ہیں۔

آج کی دنیا میں مدنیت کے تقاضے بے حد طول و عرض اختیار کر چکے ہیں۔ تعلیم و صحت' نشرو اشاعت کا انتظام حکومتی فرائض میں داخل ہے اور ملکی دفاع تو آج کی دنیا میں ہر ملک کے لئے انتہائی پیچیدہ اور درد سر مسئلہ ہے' اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے کروڑوں اربوں روپے خرچ ہوتے ہیں' مگر پھر بھی وہ ناکافی ہی رہتے ہیں۔ پھر دلچسپ پہلو یہ کہ تعلیم' صحت' نشریات اور دفاع خرچ کی وہ تمام راہیں ہیں جس میں آمدنی کا کوئی تصور نہیں۔

تجارت اور رسل و رسائل حکومت کے لئے منفعت بخش ادارے ہیں مگر وہ آج کسی بھی بڑی سے بڑی حکومت کو چلانے کے لئے کافی نہیں۔ اسی بے بسی اور مجبوری کا حل عقلاء دنیا اور اقتصادیات کے بین الاقوامی ماہرین کی نظروں میں بجز اس کے کچھ نہیں کہ حکومت سرمایہ داروں کی جیبوں پر پل پڑے۔ ان مقاصد کے ہم رنگ ملکی قوانین تیار کئے جائیں تاکہ اولاً عدالت سے باہر اور یہاں سرمایہ دار قبضہ میں نہ آئے تو عدالت میں اس کو ضرور زچ کر دیا

جائے۔

حکومت کا یہ استحصال دنیا کے عقلاء کی نظروں میں قطعاً" معیوب نہیں۔ کیونکہ حکومت کا نظام جمہوری ہوتا ہے۔ خزانہ میں جو روپیہ جمع ہو گا۔ وہ قانوناً" کسی شخص کا نہیں ہوتا ہے بلکہ پوری قوم کا کہلاتا ہے۔ غرض اس دھاندلی اور کامیاب بجٹ سازی نے حکومت کے غیر شرعی استحصال و تغلب کی اقتدار کو چھپا دیا۔ اب میدان میں ایک ہی چور سب کو نظر آیا اور وہ کارخانہ اور سرمایہ دار تھا۔

قاعدہ کی بات یہ ہے کہ غریب آدمی کا انحصار اپنی ذات میں ہوتا ہے' اس کا شعور و فکر اپنی نفسیاتی حد تک مقید ہوتا ہے۔ اسی طرح الم و فکر کے دواعی بھی اس میں محدود ہوتے ہیں۔ مگر کسی وقت یہ کوہ آتش فشاں بھی ہو سکتا ہے۔

حب الدنیا راس کل خطیئتہ

دنیا کی محبت' مال کی حرص معاشرہ کے لئے تپ دق ہے

قناعت' زہد' ایثار ہر مسلمان کا اخوت اسلامی کے مطابق اکرام و احترام' شرافت اور بیکسوں پر رحم و شفقت وغیرہ اسلام کی وہ حسین اور مخلصانہ تعلیم ہے کہ غریب سے زیادہ اغنیاء میں ان صفات کا ہونا زیادہ ضروری ہے اغنیاء میں تعیش' فضول خرچی' ہر شعبہ حیات میں اونچا معیار زندگی' مسرفانہ حد تک شان و شوکت کا اظہار الا ماشاء اللہ سب میں ہوتا ہے۔

ناظرین معاف فرمائیں' اندوہ گیں قلم سے لکھنا پڑتا ہے کہ ہر طرف مسلم معاشرہ آجکل بو الہوسی اور طمع کا شکار ہے۔ بزدلی' کذب' تملق' وقت پرستی اصول حیات ہے۔

سینما' ٹیلی ویژن' ناچ رنگ' نغمہ و سرور کے ہم رسیا ہیں۔ یورپ کی زندگی کے ہم میں جہاں اور اثرات گہرے ہیں' وہاں صنف نازک بھی ہمارے ذہنوں میں چھائی ہوئی ہے۔

معاشرہ کے اس ہمہ گیر کوڑھ کے لئے حکومت کی باگ ڈور ایسے پکے اور سچے اور بااخلاق و بااخلاص انسانوں کے ہاتھ میں ہونے کی ضرورت ہے۔ جو سادگی میں ایک ادنیٰ انسان کی زندگی پر قناعت گزیں ہو۔ رعایا پروری ان کا اصول حکمرانی ہو۔ معاشرہ کو اخلاقی بیماریوں سے نجات دلانا وہ اپنا فریضہ سمجھیں۔ اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شعار بنائیں۔ ظالموں پر ان کی گرفت مضبوط ہو' جس حال میں قوم ہو' اسی حال میں وہ بھی ہوں' یہ مساوات قوم کے لئے اس قدر پرکشش ہو سکتی ہے کہ قوم ایسے حکام کی حمایت میں اپنی جان تک قربان کر سکتی ہے' بھوک ہڑتال' عدم تعاون اور اسٹرائک تک نوبت ہی نہیں آسکتی۔ اس سلسلہ میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواضع و منکسر مزاجی ہمارے لئے مشعل ہدایت ہے۔ غزوہ خندق میں مجاہدین کو غذا پوری طرح میسر نہیں ہے' شکموں پر پتھر بندھے ہوئے ہیں مگر اپنے قائد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے خون کا آخری قطرہ پیش کرنے کے لئے ہر مجاہد ہمہ

وقت تیار ہے' اسٹرائک کا کہیں وہم و خیال تک نہیں۔ یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ ان کے قائد صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک پر دو پتھر بندھے ہیں۔

یہ وہ مثالی حکومت تھی کہ دنیا کی تاریخ اس کی معمولی سی جھلک بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس طرز جہانبانی کو حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے خوب خوب معمول بنا لیا' نتیجہ فلاح و کامیابی کی شکل میں ہمارے سامنے ہے۔

کاشت کو ترقی دینے کے لئے حدیث میں صاف موجود ہے۔ **من احی ارضا میتۃ فھی لہ** (یعنی مردہ اور بے کار زمینوں کو آباد کرنے والے ہی ان کے مالک ہیں)

مساقات یا بٹائی کا مطلب ہوتا ہے زمین کو اناج کے عوض کرایہ پر دینا' یہ معاملہ محدود شرائط کے ماتحت دیگر ائمہ کے نزدیک جائز ہے' مگر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قطعاً" ناجائز ہے کیونکہ وہ ایک نامعلوم اجرت ہے امام صاحب کی دقیقہ رس نگاہ میں یہ معاملہ مجہول ہے اور مجہول معاملہ باہمی فساد کا باعث ہوتا ہے۔ باہمی فساد کی حالت کوئی آج دیکھے۔ کہ مالک زمین بیچارے کاشتکار کو کوئی حیثیت ہی دینے کو تیار نہیں۔

حاصل یہ کہ اسلام کی نظر میں یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ کسی طبقہ کو اجارہ داری حاصل ہو۔ ورنہ معاشرہ طبقاتی کشمکش میں مبتلا ہو جائے گا۔ پیداوار کا بڑا ذریعہ زمین ہے اس پر لینڈ لارڈز قابض ہو گئے۔ چالو سرمایہ پر بنکوں کی تجوریاں قابض ہوئیں یعنی وہ بجائے چالو ہونے کے چند سرمایہ داروں کے ہاتھ میں مرتکز ہو کر رہ گیا۔ اس طرح طبقاتی زندگی کا وجود میں آنا لازمی امر ہے۔

قرآن پاک تو کہتا ہے۔

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمسکین وابن السبیل کی لا یکون دولتہ بین الاغنیاء منکم (سورۂ حشر)

جو کچھ اللہ نے اپنے رسول کو بستیوں والوں سے لے کر دیا ہے وہ اللہ اور رسول اور قرابتداروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ مال تمہارے دولت مندوں میں ہی گردش نہ کرتا رہے۔

انتظامیہ میں یہ تدبر قابلیت ہونا چاہئے کہ وہ ملک کو کامیاب اور فلاحی بنائے' فلاحی سلطنت وہ ہوتی ہے جس میں کوئی بھوکا ننگا نہ ہو۔ اسلام میں تو غیر مسلموں کی بھی پوری پوری نگہداشت کا حکم ہے۔ کنزالعمال میں سیرت فاروقی کا ایک نہایت عمدہ واقعہ آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امیرالمومنینؓ ذمیوں پر کتنے شفیق تھے۔

عمر مر بشیخ من اھل الذمتہ یسال علی ابواب المساجد فقال ما انصفناک کنا اخذنا منک الجزیتہ فی شبابک ثم ضیعناک فی کبرک ثم اجری علیہ ما یصلحہ

حضرت عمرؓ نے ایک بوڑھے ذمی (غیر مسلم) کو دیکھا کہ مسجدوں کے دروازوں پر لوگوں سے سوال کرتا ہے

فرمایا ہم نے تجھ سے کوئی انصاف نہیں کیا کہ تیری جوانی میں تجھ سے جزیہ وصول کرتے رہے اور بڑھاپے میں تجھے بربادی کے لئے یوں ہی چھوڑ دیا--- چنانچہ بیت المال سے اس کی ضروریات کے لئے وظیفہ جاری کیا گیا۔

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم)

□□□

اتحاد اسلامی

مولانا قاری اظہار احمد تھانویؒ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

ایک مسلمان ہونے کا تقاضا ہے کہ بات کو قرآن و سنت کی روشنی میں شروع کیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

(اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم) واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

(ترجمہ) "مسلمانو ! اللہ کی رسی کو سب جمع ہو کر پکڑو اور الگ الگ مت ہو جاؤ"

رسی سے مراد قرآن پاک ہے' قرآن ہدایت ربانی' احکام الٰہی اور بہترین اخلاق کی راہنمائی کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمام قوم مسلم کردار و افکار میں یک جہتی اور ستھرے تہذیب و کردار میں ایک ممتاز و اعلیٰ ذہن کی مالک ہو اور اس تمام کردار و تہذیب میں اسلامی اخلاق کا ایک مشترک رنگ جھلکتا ہو۔

قرآن کی اس ہدایت کی روشنی میں تمام دنیا کے مسلمان اگر ذہنی یک سوئی اور یک جہتی پیدا کریں تو وہ خود بخود دنیا والوں سے علیحدہ اور ممتاز قومیت کے مالک ہوں گے' ان کو زمین کی جغرافیائی تقسیم' زبانوں کا تنوع' رنگ و نسل کا فرق' لیل و نہار کی گردش' سرد و گرم ہواؤں کا اختلاف' باہم تقسیم نہیں ہونے دے گا تمام دنیا میں مسلمان ایک قوم ہوں گے کیونکہ کلام اللہ میں ان کو بتلایا گیا ہے۔ **انما المومنون اخوة** سب مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔

قومیت اور اخوت کا رشتہ بیدار ہو گا تو اقتصادی' معاشی' معاشرتی اور سیاسی استحکام و مضبوطی آئے گی۔ معاشی اور اقتصادی ناہمواریاں بھائیوں کے درمیان کیسے ہو سکتی ہیں' مسلمانوں کے کسی بھی حصے کو کوئی غیر قوم غلام نہیں بنا سکے گی۔ آنحضرت علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا۔ **المسلمون کالبنیان یشد بعضہ بعضا** (ترجمہ) تمام مسلمان ایک عمارت کی طرح ہیں کہ جس کا ہر حصہ اس کے دوسرے حصے کو تھامے ہو۔ اس حدیث میں مسلمانوں کے دنیا میں باعزت زندہ رہنے کے ایک بڑے کار آمد اصول کی تعلیم ہے' علامہ اقبال نے کہا۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

دنیا اس وقت ایک عالمی انقلاب کی زد میں ہے نظام عالم درہم برہم ہو رہا ہے' بڑے بڑے مضبوط ستون گر رہے ہیں کل تک ہم جن کو دنیا کے تقدیر ساز کہتے تھے آج وہ نہایت بے بسی کی موت مر رہے ہیں جن مضبوط اصولوں کے شکنجوں میں ان کو جکڑا گیا تھا وہ ناقابل اعتبار ٹھہرے ہیں' میرا اشارہ کمیونزم اور سوشلزم کی طرف ہے' اسلام غریب ان مردہ اسلامی ریاستوں میں پھر سر اٹھا رہا ہے' سرور دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا کہ اسلام

اجنبی ہونے کی حالت میں شروع ہوا اور پھر اجنبی ہو جائے گا۔ کمیونزم نے کسی وقت اس قدر سائنٹیفک نظریہ کا بارعب روپ دھارا تھا کہ دنیا کے بیشمار اہل قلم نے اس کی حمایت میں اس قدر کتابیں لکھیں کہ ایک پورا ہال ان کتابوں کی الماریوں سے بھر جائے مگر آج کوئی رونے والا بھی نہیں' اب امریکہ نیو ورلڈ آرڈر دنیا چاہتا ہے' بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ لیکن مسلمان ذہنی افلاس کا شکار نہیں ہوا ہے مادی اعتبار سے وہ غریب سہی لیکن نظریاتی اعتبار سے وہ کسی افلاس کا شکار نہیں ہے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجتہ الوداع میں جو عالمی خطبہ ارشاد فرمایا تھا مسلمان کے لئے وہ آج بھی ون ورلڈ آرڈر کی شان رکھتا ہے' مسلمانوں کو چاہئے کہ فروعی اختلاف کو چھوڑ کر اسلامی قومیت کے نشہ سے سرشار ہو کر متحد ہوں ان کے فنی سیاسی اقتصادی معاشی اور ٹیکنالوجی مفادات کو ایک عالمی اتحاد میں یکجا کیا جائے' پندرہویں صدی مسلمان کے لئے دنیا کا ایک فیلڈ فراہم کر رہی ہے جس میں وہ مادہ پرست خونخواروں سے نجات پا کر باہمی ایک لڑی میں پروئے جانے کے لئے تیار ہوں خام مال کی ان کے پاس کمی نہیں صنعتی ترقی کے لئے ضروری ہے کارخانے لگائے جائیں وزیراعظم محمد نواز شریف کا موجودہ سیاسی انقلاب ایک زبردست تحریک ہے۔

وہ صرف پاکستان ہی کے لئے نہیں تمام اسلامی ممالک کو ایک تحریک میں شامل ہونے کی دعوت فراہم کر رہا ہے۔ آج اسلامی ممالک کے سربراہوں کا فرض ہے کہ جوانوں کو سائنس اور ٹیکنالوجی میں مضبوط بازوؤں سے آراستہ کریں' کارخانے لگائیں افرادی قوت کی ہمارے پاس کمی نہیں' ہمت میں وہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے میں دنیا کی دوسری طاقتوں سے زیادہ جذبات سے ہم کنار ہو سکتے ہیں' امریکہ کو تو اپنے جوانوں کو ہیروئن سے بچانے کی فکر ہے بے ہنگم اخلاق کی بے راہ روی ان بیکار جوانوں کو آج نہیں تو کل لے ڈوبے گی' قرآن اسی فلسفہ کا نقیب ہے دنیا میں انقلابات آرہے ہیں اور مزید آئیں گے دنیا کو اپنے مفادات کے جمع کرنے کی فکر ہے اسلام اپنی اقوام کو عالمگیر راہنما اصول دیتا ہے وہ مسلمان کو عالمی راہنما اور عالمی نظام کا راہبر بناتا ہے' جو معاشی اور بقا میں دنیا کو قوت فراہم کرتا ہے۔

□□□

ریڈیو پاکستان کے مشہور پرذگرام "صراط مستقیم" میں نشر ہونے والی حضرت قاری صاحب ؒ کی تقریر جو مورخہ ۵ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو نشر ہوئی۔

صراط مستقیم

قرآن پاک میں سورۃ احزاب کی تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا **ما جعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ** یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے دو دل نہیں بنائے۔

قرآن کا یہ فقرہ حیرت انگیز بلاغت کا شاہکار ہے ایک بدیہی حقیقت میں بے انتہا قوت استدلال بھری ہوئی ہے' الفاظ ہیں کہ ایک مترنم ضرب المثل کے خوبصورت انداز میں انسان کے شعور کو چونکا دینے والے بلکہ ہلا دینے والے ہیں۔ الفاظ سادہ ہیں مفہوم بھی نہایت سادہ مگر پرکاری سے لبریز الفاظ کو کفایت کے ساتھ استعمال کرنا استدلال سے لبریز کر دینا یہی بلاغت کی جان ہے۔ بیک وقت انسان کی محبوب و مالوف دو متضاد چیزیں نہیں ہو سکتیں۔ کفرو ایمان دونوں سے انسانی فکر میل نہیں کھا سکتا بے دینی اور دینداری' حرام اور حلال جھوٹ اور سچ' حق اور باطل' رحمٰن اور شیطان کعبہ اور بتخانہ' توحید اور شرک' محبت اور دشمنی آپس میں اس قدر متغائر اور متضاد حقیقتیں ہیں کہ حقیقت پسند انسان بیک وقت دونوں کے ساتھ وابستگی پیدا کرنے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا دو متضاد فکر و شعور والا انسان کبھی کسی حقیقت کا سراغ نہیں لگا سکتا۔

یہ تو صحیح سمت کا تجسس رکھنے والے انسان کی فکر بینائی پر منحصر ہے کہ وہ صحیح منزل کا تعین کرنے کے لئے کون سی راہ اختیار کرتا ہے' صاحب جوامع الکلم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہوتا ہے کہ استفت قلبک یعنی اپنے دل سے مشورہ کر اور اس کے فیصلے پر چل کر فالھما فجور و تقواھا اور ما کذب الفواد ماراٰی

دلیل کا کشکول قدرت نے تنگ نہیں بنایا فکر و فن علم و ہنر شعرو سائنس انسان کی مشترکہ میراث ہیں علامہ رومیؒ نے کہا۔

دل ز ہر رائے غذائے لی برد
دل ز ہر علمے صفائے لی برد

الحکمتہ ضاک المومن اینما وجدہا اخذہا

دل سوتا نہیں بہت مصروف ہے آپ خدا کے لئے بے سروپا باتوں سے اس کا قیمتی وقت ضائع نہ کریں بلا کسی وغدغے اور وسوسے کے جی بھر کر اس کو عرفانیات سے بہرمند ہونے دیجئے' عرفان ذات عرفان کائنات اور عرفان رب کا یہی ذریعہ ہے

دل کو حجاب نفس ہونے سے بچانا آپ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے ورنہ فاخذتہ العزۃ بالاثم کا متکبر پیکر حساب و

احتساب سے بے پروا اور مال کار سے بے نیاز ہو جائے گا۔
آپ کے دو کان دو آنکھیں دو ہاتھ دو پاؤں ضرور ہیں مگر دل دو نہیں لہذا زندگی کا معیاری پروگرام ایک اور صرف ایک ہی ہو سکے گا۔ قرآن نے دوسری جگہ کہا **ومن کل شئی خلقنا زوجین** یعنی کائنات میں تمام اشیاء متقابل اور متنوع پیدا ہوئیں مگر اللہ ایک ہے اور دل بھی ایک ہی ہے۔ حدیث میں ہے۔

وعن ابن مسعودؓ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان للشیطان لمتہ بابن ادم' وللملک لمتۃ فامالمتہ الشیطان فاء یعاد بالشر' وتکذیب بالحق واما لمتہ الملک فاء یعاد بالخیر وتصدیق بالحق' فمن وجد ذلک فلیعلم انہ من اللہ' فلیحمد اللہ' ومن وجد الاخری' فلیتعوذ باللہ من الشیطان الرجیم' ثم قراء: (الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء) رواہ الترمذی۔

ترجمہ = عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا انسان پر شیطان کا بھی اثر ہوتا ہے اور فرشتے کا بھی۔ شیطان کا اثر (خیال) یہ ہے کہ وہ اس سے برے وعدے کرتا ہے اور سچائی کے جھٹلانے پر آمادہ کرتا ہے اور فرشتے کا اثر یہ ہے کہ وہ خیر کے وعدے کرتا ہے اور حق کی تصدیق پر آمادہ کرتا ہے جو شخص اپنے دل میں ایسے خیالات پائے انہیں اللہ کی طرف سے سمجھے اور اللہ کا شکر کرے اور جو دوسری قسم کے خیالات محسوس کرے وہ شیطان مردود سے اللہ کی پناہ طلب کرے پھر آپ نے پڑھا "شیطان تم کو بھوکوں مرنے سے ڈراتا ہے اور بے حیائی کی باتوں کا حکم کرتا ہے۔" (ترمذی)

انسان کا دل عرفان حقیقت کا آشنا نہ ہو تو اس میں ٹھہراؤ نہیں ہوتا وہ بار بار زاویہ بدلتا رہتا ہے حدیث میں ہے **مثل القلب مثل العصفور یتقلب فی کل ساعتہ** دل کی مثال چڑیا کی مانند ہے جو ہر دم الٹ پلٹ ہوتا رہتا ہے۔

□□□

تقویٰ

از قاری اظہار احمد تھانوی

تقویٰ کے لفظ کی حقیقت کو خود قرآن نے واضح کیا ہے جہاں فرمایا **ذالک الکتاب لا ریب فیہ ھدی للمتقین** گویا تقویٰ کے لفظ کی بنیاد ہی اس پر رکھی ہے کہ انسان ہدایت کے رستہ پر چلے' ہدایت وہ ہے جو انسان کو آخری منزل تک صحت و سلامتی کے ساتھ پہنچا دے تو یہاں یہ شرط رکھی کہ متقی آخری منزل ہدایت تک پہنچیں گے۔ پھر ایک مسلمان کی بڑائی کا معیار ہی اتقا کو رکھا فرمایا **ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم** یعنی تم میں سے سب سے بڑا وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے' گویا تم مسلمانوں کے اندر' دولت کا' عزت کا' قوم کا' ذات اور نسب کا کوئی امتیاز ایک کو دوسرے سے بڑا نہیں بنا سکتا بلکہ بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ قرآن ایک شخص کو نہیں بلکہ ساری دنیا کو مخاطب کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ تم سب درحقیقت ایک ہی ہو جس طرح ایک بھائی دولت والا ہو کر اپنے بھائی کی اخوت سے انکار نہیں کر سکتا ویسے ہی کوئی انسان کسی دوسرے انسان کو اپنی اس برادری سے خارج نہیں کر سکتا۔ دنیا کے اندر قبیلوں اور قوموں کی بڑی تفریق پائی جاتی ہے' بعض قومیں ہیں جو دوسروں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی اور اپنے کو ان سے بڑھ کر سمجھتی ہیں' ادنیٰ سے ادنیٰ تقسیم سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ قومی امتیاز تک لوگوں نے قائم کر رکھے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے قوموں اور قبیلوں کے علیحدہ علیحدہ کرنے کی ایک ہی غرض بتائی ہے۔ فرمایا **وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا**

انسانوں کی جب تعداد بڑھ جائے تو ان میں سے ایک دوسرے کے ساتھ معرفت اور تمیز پیدا ہونا بھی ضروری ہے' اسی معرفت اور تمیز کو پیدا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قوموں اور قبیلوں کے درمیان تقسیم کر دی ورنہ انسانوں کا یہ گروہ درحقیقت ایک ہی کنبہ ہے یہ قوموں کی تقسیم اس کے اندر اس لئے قائم کی' کہ تم ایک دوسرے کی معرفت کو بڑھاؤ ورنہ بڑائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک الگ معیار قائم کیا ہے کہ جو تمہارے اندر نیک کام کرنے والا ہے ہمارے نزدیک وہی سب سے بڑا ہے۔

لفظ اتقا کے معنی ہوتے ہیں حفاظت کرنا بچانا نگہداشت کرنا۔ قرآن میں ہے **ولباس التقوی ذالک خیر** لباس سے مراد علم دین اور تقویٰ کے لباس سے مراد یہ ہے کہ اپنا تخیل اپنا کردار اپنا آئین و اصول اتنا اعلیٰ بناؤ کہ تمہاری زندگی قابل رشک ہو۔

قرآن میں ہے

"نیکی یہ نہیں کہ تم نماز میں اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو خدا پر' قیامت

پر' فرشتوں پر' کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا اور مال کی خواہش کے باوجود اپنا مال رشتہ داروں کو' یتیموں کو' غریبوں کو' مسافر کو' مانگنے والوں کو اور غلاموں کے آزاد کرانے میں دے اور نماز ادا کرتا رہا اور زکوۃ دیتا رہا اور جو وعدہ کر کے اپنے وعدہ کو پورا کرتے ہیں اور جو مصیبت' تکلیف اور لڑائی میں ثابت قدم رہتے ہیں یہی وہ ہیں جو راست باز ہیں اور یہی تقویٰ والے ہیں۔" سورۃ بقرہ

اولئک الذین صدقوا واولئک ھم المتقون○ لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب

یوں تو تقویٰ یا اتقاء پر قرآن مجید میں بے شمار آیات ملتی ہیں مگر ہمارے اس موضوع "تقویٰ کی تاثیر انسان کے کردار کو بناتی ہے۔" نہایت اہم روشنی سورۃ بقرہ کی آیت نمبر۱۷۷ سے بڑے واضح انداز میں ملتی ہے۔

قرآن نے اس آیت میں کہا کہ "نیکی" کا مفہوم یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ دراصل ظہور اسلام سے پہلے دنیا کی بے شمار گمراہیوں میں سے ایک بڑی گمراہی سمت پرستی تھی یعنی بے جا دیوتاؤں' مورتیوں' پتھروں' درختوں' پہاڑوں' دریاؤں کے علاوہ خود سمتوں یا جہتوں کی بھی پرستش جاری ہو گئی تھی اور مختلف جاہلی قوموں نے یہ اعتقاد جما لیا تھا کہ فلاں مخصوص سمت مثلاً مشرق مقدس ہے اور فلاں متعین جہت مثلاً مغرب قابل پرستش ہے' قرآن کا ارشاد یہ ہے کہ کسی جہت میں کوئی تقدس نہیں اور کوئی سمت بہ حیثیت سمت ہرگز قابل تقدیس نہیں۔ قرآن مجید نے بتلایا کہ کوئی نظام یا مسلک خواہ اس کی بنیادیں نقلی ہوں یا اخلاقی یا معاشی یا سیاسی جس میں اللہ تعالیٰ کی کامل اطاعت اور اس پر کامل ایمان نہ ہو۔ نیکی سے اس کا کوئی علاقہ نہیں' عقلیت (ریشنلزم) لاادریت بالشویت وغیرہ سب اسی حکم کے تحت آتے ہیں۔

قرآن نے اس آیت میں نیکی کے مفہوم کو نہایت جامعیت کے ساتھ حسب ذیل ضروری آئیٹم سے مرکب قرار دیا ہے اور آخر میں ان تمام اجزاء نیکی کو تقویٰ کہا ہے۔ یہ دفعات حسب ذیل ہیں۔

(۱) ایمان باللہ

(۲) ایمان بالآخرت

(۳) ایمان بالملائکۃ۔ وہ فرشتے جو اللہ کے پاس سے وحی لے کر انبیاء تک پہنچے

(۴) ایمان بالکتاب۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتب کی تصدیق

(۵) ایمان بالنبیین

(۶) اہل قرابت کی مالی خدمت

(۷) یتیموں کی خدمت

(۸) مسکینوں کی خدمت

(۹) مسافروں کی خدمت

(۱۰) سائلوں کی دستگیری
(۱۱) غلاموں لونڈیوں کو آزادی میں مدد دینا
(۱۲) نماز کی پابندی
(۱۳) زکوۃ کی ادائیگی
(۱۴) معاہدہ کی پابندی
(۱۵) مالی مشکلات میں صبر
(۱۶) بیماری میں صبر
(۱۷) لڑائی اور جنگ میں صبرو مستقل مزاجی

یہ سترہ آئیٹم بیان کرنے کے بعد قرآن فرماتا ہے۔

اولئک الذین صدقوا واولائک هم المتقون○ یعنی یہی لوگ اور یہی صفات والے ایسے ہیں جو سچے نکلے اور یہی لوگ متقی ہیں۔ غور فرمایئے قرآن کی جامعیت کو' کون سی چیز باقی رہ گئی عقیدہ کی تصحیح' معاملات کی تصحیح' عبادات کی تصحیح اور اخلاق و ضبط نفس میں سخت ڈسپلن پر انتہائی زور۔

یہ ہے اسلام میں متقی کا حلیہ' جو سمتوں کی' مال کی' ذاتی آسائش کی' جسمانی راحت کوشیوں کی غرض تمام بندھنوں کی رسیوں سے خود کو چھڑا کر اللہ کے آگے جھکتا ہے۔

مفسرین نے محققین کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت اہم ترین آیتوں میں سے ہے اور اس کے اندر دین' شریعت اور تقویٰ کے سترہ احکام آگئے ہیں۔

فرنگیوں میں ایک ذات شریف پادری وہیری Wherry ہوئے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے "عنایت فرما" داڑھی کے بال سفید اسلام کی عداوت ہی میں کئے۔ Sale کے انگریزی ترجمہ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انہی کے قلم سے ہے' اس آیت پر پہنچ کر قدرت ان کے قلم سے یوں لکھواتی ہے۔

"یہ آیت قرآن کی بلند ترین آیتوں میں سے ہے" ذات باری پر ایمان اور نوع انسانی کے ساتھ حسن سلوک' اس کو آیت میں واضح طور پر مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے اس میں لب لباب عقائد اور اعمال کا آگیا۔" بسا غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں بلند نظر آگئیں۔

احادیث

حدیث کی مشہور کتاب مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم

ترجمہ : اللہ تمہارے مالوں اور شکلوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔
مسند احمد میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذرؓ کو فرمایا۔
"ابو ذرؓ غور کرو تم کسی گورے کالے آدمی سے بہتر نہیں ہو بجز اس کے کہ تقویٰ کے ذریعہ تم اس سے بڑھ جاؤ۔
ایک حدیث میں ہے کہ فرمایا مسلمان بھائی بھائی ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے ساتھ۔
نیز مسند احمد بن حنبلؒ میں ہے۔ ایک آدمی نے آپ سے پوچھا اس وقت آپ منبر پر تھے۔ یا رسول اللہ انسانوں میں سے کون سا انسان سب سے بہتر ہے؟ فرمایا وہ جو خوب قرآن پڑھے' خوب تقویٰ والا ہو۔ نیکی کا حکم اور بدی سے روکے اور قرابت داری کا خیال کرے۔

□□□

"حقوق العباد"

جناب اوصاف علی صاحب کی کتاب کا مقدمہ

حقوق العباد' جناب اوصاف علی ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کی عمدہ اور معاشرہ کے لئے انتہائی ضروری تصنیف ہے' اچھی تصنیف وہی ہوتی ہے جو وقت کی ناگزیر ضروریات کو پورا کرے' ورق' ورق مصنف کی محنت' تجسس اور عرق ریزی پر گواہ ہے۔

شریعت کے معنی شاہراہ اسلام کے ہیں' شارع پر ہر کوئی گزرتا ہے امیر ہو یا غریب' عابد زاہد' سلطان وقت' فقیر درماندہ سب ہی کو گذرنا پڑتا ہے' حقوق العباد کی ادا سے اسلام میں کوئی بھی مستثنیٰ نہیں۔

مصیبت یہ ہے کہ تقویٰ' تقدس اور تصوف کی بھاری بھاری اصطلاحوں نے عامتہ المسلمین کو یہ باور کرایا کہ دین کی اقدار کو عمل میں لانا عام مسلمان کا کام نہیں یہ صرف اہل اللہ ہوتے ہیں جو پورے دین پر چلتے ہیں اور اہل اللہ یعنی تقویٰ و تقدس والے وہ ہوتے ہیں جو ہواؤں پر اڑتے ہیں پانی پر چلتے ہیں' مریض پر نگاہ ڈال کر اس کی بیماری نوچتے ہیں' مکاشفات سے غیب کی خبریں دیتے ہیں' ان کی دعاؤں سے مقدمے جیتے جاتے ہیں سنگین وارداتوں میں ان سے پشت پناہی ملتی ہے' مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ دیو مالائی نظریہ کھلے طور پر اسلام کے منافی ہے۔

حضرت امام محمد بن حسن شیبانی سے کون واقف نہیں' یہ حضرت امام ابو حنیفہ کے عظیم الشان شاگرد' قرآن و حدیث پر گہری نظر و بصیرت کے مالک' قوانین اسلامی کی درجنوں کتب کے مصنف ہیں۔ ان سے ایک شخص نے عرض کی۔

یا امام صنف کتابا فی الزھد

اے امام کوئی کتاب زہد پر بھی لکھئے

امام نے جواب میں فرمایا

صنفت کتابا فی المعاملات

ہاں میں نے معاملات پر کتاب لکھی ہے

مطلب یہ کہ زہد (نفرت دنیا) یہ نہیں کہ دنیا سے بیزار ہو کر جنگل میں جا بیٹھے' بلکہ ان کی نظر میں زہد یہ تھا کہ دنیا اور معاشرے میں معاملات و حقوق درست ہوں' حقوق کا استحصال نہ ہو۔

ترازو تھامے ہوئے ایک دوکاندار نے کسی کو دیکھا کہ شیر پر سوار ہے سانپ کا کوڑا ہاتھ میں ہے تو اس دوکاندار نے کہا کہ "لیکن میرا کام تیرے کام سے زیادہ مشکل ہے"

قرآن نے کہا دولت' جائیداد ایک فرد میں مرکوز نہ ہونی چاہئے

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم "یعنی یہ نہ ہونا چاہئے کہ دولت صرف تمہارے مالداروں میں گھومتی رہے" لہٰذا ہم نے حکم فرمایا کہ تقسیم کرو' زکوۃ سے صدقہ فطرسے' قربانی سے اور تقسیم میراث سے۔

مگر دولت مند اس پر عمل نہیں کرتا' لڑکیوں کو' نابالغ اولاد کو' بوڑھے والدین کو میراث میں شریک نہیں ٹھہرایا جاتا۔ نتیجہ یہ کہ قرآن کی ہدایت پر عمل ہی نہیں ہوتا۔ بس ہمارا مصنف اور دانشور اپنے گوشہ دار تصانیف میں بیٹھا اسلامی اصولوں کی کتاب لکھ لکھ کر دنیا کے غیر اسلامی اقتصادی نظریات پر اسلامی برتری ثابت کرتا رہتا ہے ناشر چھاپتا اور قیمتیں وصول کرتا رہتا ہے' مگر عمل یہ کہ اسلامی ہدایات کو ہم گھر کی دہلیز سے باہر رکھتے ہیں' گھر میں اس کو لا کر ایک منٹ کے لئے جگہ دینے کو تیار نہیں۔

حق یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر اس قدر لٹریچر تیار ہو چکا ہے کہ اب تک اسلام کے بارے میں مسلمان کو شک و تخمین کی دنیا سے نکل کر اسلام کے صبح آفتاب کی روشن کرنوں میں آچکنا چاہئے تھا اور "ناواقفیت" نام کی کوئی چیز مسلمان معاشرہ میں نہ رہنی چاہئے تھی' مگر مسلمان مسلسل خود فریبی میں خود کو اور اپنی نسلوں کو غفلت کی میٹھی گولیاں دے کر سلا رہا ہے۔

اسلامی تاریخ کا مستند واقعہ ہے کہ دور فاروقی میں ملک شام کے ایک شہر پر اسلامی فوجوں کا قبضہ ہوا۔ اسلامی دستور کے مطابق شہریوں سے معمولی سا ٹیکس وصول کیا گیا ہر ٹیکس دہندہ کا صحیح پتہ رجسٹر میں نوٹ کیا گیا۔ یہ شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کا حقیر سا معاوضہ تھا جو وصول کیا گیا' کچھ ہی دیر بعد دشمن (روم) کی بہت بڑی فوج یلغار کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی جنگی حکمت عملی مسلمانوں کی یہ ہوئی کہ اس شہر پر سے اسلامی فوج کو قبضہ اٹھا کر قریبی فوجی چھاؤنی میں ساری طاقت کو مجتمع کرنا چاہئے' لہٰذا حکم آیا کہ تمام وصول شدہ ٹیکس اس کے مالکوں کو واپس کیا جائے اور ایسا ہی ہوا شہری روتے جاتے تھے اور مسلمانوں کی واپسی کی دعائیں مانگتے جاتے تھے' یعنی غیر مسلموں کے ساتھ ہمارا رویہ یہ تھا کہ ان کے حقوق کی بھی سختی سے رعایت کی جاتی تھی۔ تین ہزار روپیہ پر زکوۃ واجب ہوتی ہے مگر مالک مقروض ہے حکم ہے قرضہ ادا کرو زکوۃ نہیں لی جائے گی' قرض حق العبد ہے جس سے برات' وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ایک شخص مرگیا' لاکھوں روپیہ' جائیداد اور باغ چھوڑ گیا' مگر قرض بھی بیشمار چھوڑ گیا ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نہایت کفایت شعاری سے مرنے والے کی تکفین و تدفین کرو اور بیٹا بیٹی بیوی اور دیگر سب وارثوں کو باہر نکالو' قرض داروں کو آگے آنے دو اور تمام قرض داروں کو یہ ترکہ دیتے چلے جاؤ' قرضہ سب پائی پائی ادا ہو جائے خواہ وارثوں کے لئے ایک پیسہ بھی باقی نہ بچے۔

بیوی کا مہر بھی حق العبد ہے خاوند نے زندگی بھر نہیں دیا زیور قیمتی کپڑا اور دیگر لوازمات بیگم کے ادا کرتا رہا مگر مہر دینے لینے کا تو رواج ہی معاشرے میں نہیں مگر اسلام میں ہے کہ خاوند کے مرنے کے بعد ترکہ کی تقسیم میراث

سے پہلے بیوی کا مہرادا کرو وارثوں کو کچھ ملے یا نہ ملے کیونکہ میت کے ذمے یہ ایک قرض ہے جو تقسیم میراث پر مقدم ہے۔

جھوٹی گواہی گناہ کبیرہ ہے جھوٹی قسم سے کسی کی جائیداد کو ہڑپ کرنا بدترین گناہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

یا یھا الذین امنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم ایمان والو ایک دوسرے کے مالوں کو ناجائز طریقوں سے مت کھاؤ البتہ باہمی تراضی سے تجارت اور کاروبار کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من اقتطع حق امری ء مسلم بیمینہ حرم اللہ علیہ الجنتہ واوجب لہ النار جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعہ مسلمان کا حق قطع کرے اللہ اس پر جنت کو حرام اور دوزخ کو واجب کرتا ہے۔

اسلام میں والدین کے حقوق پر کس قدر زور دیا گیا ہے۔ قاضی عیاضؒ شارح مسلم شریف مشہور شخصیت کے مالک ہیں، حج میں دیکھا ایک نوجوان اپنی بوڑھی ماں کو کمر پر اٹھائے حج کرا رہا ہے اس نے قاضی صاحب سے پوچھا کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا؟ فرمایا بیٹا اس نے جو تجھے نو ماہ پیٹ میں اٹھایا ہے اس کی ایک رات کا بھی حق ادا نہیں ہوا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

للمومن علی المومن ست خصال یعودہ اذا مرض ویشھدہ اذا مات ویجیبہ اذا دعاہ ویسلم علیہ اذا لقیہ ویشمتہ اذا عطس وینصح لہ اذا غاب او شھد (نسائی)

اخلاق و عادات کے باب میں مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں، بیماری میں اس کی مزاج پرسی کرے، وفات ہو جانے پر اس کے جنازے میں شریک ہو، کھانے پینے کے لئے وہ بلائے تو اس کی دعوت کو قبول کرے۔ جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، چھینک آئے تو چھینک کا یرحمک اللہ سے جواب دے اور خواہ وہ موجود ہو یا غائب اس کے ساتھ خیر خواہی کرے۔

ایران کے سید مجتبیٰ موسوی لاری جنہوں نے پہلے اسلامی درسگاہ میں دس سال دینی تعلیم حاصل کی اور بعد میں جرمنی کے طویل قیام کے دوران یورپ کی تہذیب و تمدن کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا انہوں نے اپنی کتاب ''مغربی تہذیب'' میں جرمنی کا ایک چشم دید واقعہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے یورپ میں گھریلو زندگی، وہ لکھتے ہیں۔

آپ یقین کریں یا نہ کریں میرا چشم دید واقعہ ہے، جس زمانے میں میں جرمنی میں تھا ایک یونیورسٹی پروفیسر نے اسلام قبول کیا اور ہمبرگ اسلامی ادارے کا رکن بن گیا کچھ دنوں کے بعد یہ نو مسلم بیمار ہوا اور ہسپتال میں داخل ہو گیا۔ ہمارے مسجد کے امام صاحب ہسپتال اس کی عیادت کو پہنچے اور پروفیسر کو بہت ہی نڈھال اور مایوس پایا۔ طویل خاموشی کے بعد پروفیسر گویا ہوئے ''آج میری بیوی اور لڑکا مجھے دیکھنے آئے تھے، ان کو ہسپتال کے ڈاکٹر سے پتہ چل

گیا تھا کہ مجھے لاعلاج کینسر ہو گیا ہے اور وہ دونوں آج الوداعی سلام کو آئے تھے کہ میں اس دنیا میں چند دن کا مہمان ہوں..... یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ میں موت سے خوفزدہ ہوں بلکہ اپنی بیوی اور لڑکے کی شقی القلبی نے مجھے آدھ موا کر دیا ہے۔ امام صاحب نے تسلی دی کہ آپ فکر نہ کریں اسلام اور مسلمان جو اس شہر میں بستے ہیں وہ آپ کا خاندان اور عزیز و اقارب ہیں ہم ہمہ وقت یکے بعد دیگرے آپ کے پاس آتے رہیں گے اور جو کچھ آپ کو اپنوں سے توقع ہے وہ ہم لوگ پورا کرنے کی کوشش کریں گے یہ ہم لوگوں کا اسلامی فرض ہے اور اجر و ثواب کا موجب ہے اسلامی تعلیمات کا حکم اور اخوت کا ذریعہ اظہار ہے۔ یہ سن کر مریض کی آنکھوں میں چمک آگئی مگر قضا کے آگے کسی کا چارہ نہیں چند دن بعد پروفیسر کا انتقال ہو گیا۔ مسلمانوں نے تجہیز و تکفین کا انتظام کیا' جس وقت جنازہ قبرستان جا رہا تھا یکایک ایک نوجوان نے جنازے کو آکر روکا اور کہا تم لوگ اس جنازے کو ناجائز لے جا رہے ہو یہ میرے باپ کی لاش ہے اور اس کے مرنے سے کئی دن پہلے ہم اس کی میت ہسپتال کی انتظامیہ کو ۳۰ مارک میں بیچ چکے ہیں۔

ہمارے ممبر مسلمان کھڑے تھے بڑی حیل حجت کے بعد بیٹے نے باپ کی لاش قبرستان لے جانے دی' جب اس سے پوچھا گیا تم کیا کرتے ہو تو اس نے بتایا کہ "دن فیکٹری میں کام کرتا ہوں اور شام کو کتوں کے بیوٹی پارلر میں پارٹ ٹائم کرتا ہوں"

حاصل یہ کہ صاحب الوحی صاحب الکتاب دنیائے انسانیت کے سب سے بڑے اور آخری قائد اکبر وحی ربانی کے امین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اصول حیات جاودانی ہیں جن میں اقتصادی' معاشرتی' عدالتی' مملکتی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی سچی مسرت اور روحانی اطمینان کی دنیا عطا فرمائی گئی ہے۔ ورنہ یاد رکھئے بدی کی شجر کاری کرنے کے بعد اس کا کڑوا پھل آپ کو کھانا بھی پڑے گا۔

واذا اردنا ان نهلک قریة امرنا مترفیها ففسقوا فیها فحق علیها القول فدمرناها تدمیرا○

آیئے آئندہ اوراق میں مسائل متعلقہ حقوق عباد کی سیر حاصل بحثوں کا مطالعہ کریں اور فاضل مصنف کو سلجھے انداز میں یہ کتاب ہدیہ ناظرین کرنے پر مبارک باد پیش کریں۔ رب تقبل

اظہار احمد تھانوی

استاذ اسلامک یونیورسٹی' اسلام آباد

□□□

یورپین جرائد کی بوکھلاہٹ
یا
اسلامی روح جہاد سے ناواقفیت

مولانا قاری اظہار احمد تھانوی

عرب اور اسرائیل کی موجودہ جنگ میں، اسرائیل کی پشت پر عربوں کا خاصا زور دار گھونسہ پڑا، اسرائیل کے زخموں کی ٹیسیں یورپ والوں کی سرد آہوں میں نمودار ہو رہی ہیں، مجروح انسان ہمیشہ عقل و خرد کا دامن چھوڑ کر واہی تباہی بکا کرتا ہے۔ یہی مذبوحی بوکھلاہٹ امریکی ہفت روزہ "ٹائم" میں ظاہر ہوئی۔ عرب مظلوم تھے اور ہیں۔ اسرائیلی حکومت جارح تھی اور ہے، ٦٧ کی جنگ میں اسرائیل نے جو عرب سرزمین پر تباہی مچائی۔ اس وقت یہ یورپ والے خوشی میں جام پر جام لنڈھا رہے تھے اور اب جبکہ عربوں نے اپنے علاقوں کی واگزاری کے لئے قدم اٹھایا تو لگے یورپ کے مسخرے اہل قلم واویلا مچانے۔

اس سطحی ذہن و فکر کی پیداوار، اعتراض کا جواب دینا مسلمانوں کے لئے چنداں مشکل نہیں، اعتراض کی کھوکھلی حقیقت صرف اتنی ہے کہ "یہ مسلمان تو ہوتے ہی جنگجو ہیں" دیکھونا ان کے پیغمبر (فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم) جنگجو تھے اور انہیں کے تو امتی ہیں"

ان کج بینوں کو کون بتائے کہ اسلام کی یہ تصویر نہیں اسلام کے تو معنی ہی امن و سلامتی کے ہیں، وہ انسان کو سلامتی کی راہ دکھاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ پیغام بتصریح موجود ہے۔

"وہ اپنی کتاب کے ذریعہ ان لوگوں پر جو ہوائے نفس کی بجائے خدا کی خوشنودی کے تابع ہوں سلامتی کی راہ کھولتا ہے" (پ ۵ رکوع ۱۶)

اقوام عالم کی جنگجو چیرہ دستیوں کے خلاف اسلام کی آواز یہ ہے کہ ــــــ

"ان لوگوں کے لئے کہ جو خدا کی سیدھی راہ پر گامزن ہوئے ان کے پروردگار کے نزدیک سلامتی اور عافیت کا گھر ہے" (٦/١٢٧) اور ــــ "اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے" (١٠/٢٥)

اس کے بالمقابل فساد برپا کرنے والوں پر لعنت بھیجتا ہے اور جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ عہد مضبوط کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور جن رشتوں کے جوڑنے کا حکم دیا انہیں کاٹ ڈالتے ہیں اور ملک میں شرد فساد برپا کرتے ہیں۔ ان پر لعنت ہے اور ان کا برا ٹھکانہ ہو گا۔ (١٣/٢٥)

قرآن مجید میں یہ اعلان بھی واشگاف لفظوں میں موجود ہے کہ۔۔۔

اور جب انہیں حکومت مل جاتی ہے تو ان کی تمام سرگرمیاں ملک میں اس لئے ہوتی ہیں تاکہ طرح طرح کی خرابیاں عام کریں اور لوگوں کی محنت و زراعت کی پونجی اور ان کی نسل کو برباد کریں' حالانکہ خدا کو یہ ہرگز پسند نہیں کہ زندگی و آبادی کی جگہ ویرانی و خرابی پھیلائی جائے۔ (۲۰۵)۔۔۔ گویا شریعت اسلامی کا عین مشن یہ ہے کہ دنیا کو امن و عدل سے بھر دیا جائے اور بدامنی فساد اور غصب و نہب عین غضب الٰہی کے نمونے ہیں۔

بنی اسرائیل کی چیرہ دستیوں اور اس کے عروج و زوال کی داستان قرآن حکیم میں بار بار دہرائی گئی ہے اور ہر دیدہ عبرت بین کو ان کی سفاکیوں اور جرائم کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔

"یہ لوگ جب کبھی بھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے رہے اللہ اسے بجھاتا رہا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو ملک میں خرابیاں پھیلانے کی سعی کرتے ہیں۔ حالانکہ خدا کو فسادی لوگ پسند نہیں" (۵/۶۴)

بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد و غایت ہی قرآن نے بتائی ہے کہ دنیا کے فکری و عملی ہر گوشہ میں تباہیاں رونما تھیں' اسی فساد اور اندھیر گروی کو مٹانے کے لئے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا"

"ہم نے پیغمبر اسلام کو اس لئے بھیجا کہ لوگوں کی اپنی کرتوتوں کے بدولت چونکہ تباہی و بربادی نے خشکی و تری (بحر و بر) ہر جگہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اس لئے ہم نے چاہا کہ قانون مکافات کے ذریعہ ظالموں کو ان کے اعمال کا مزہ چکھائیں تاکہ وہ پھر ایک صحیح نظام کی طرف لوٹ آئیں" (۳۰/۴۱)

یہ اور اسی قسم کے مضمون و ہدایات پر مشتمل ان گنت آیات موجود ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس نظام زندگی کی یہ بنیادی روح ہو اس کی تصویر وہ ہو سکتی ہے۔ جو اس دیدہ دہن جریدہ نے تیار کی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں امن و سلامتی کے کفیل تھے یا فتنہ و فساد کا مظہر؟ صلح و آشتی کے اس پیامبر کو جور و استبداد کا داعی کہنا اپنی کج نگاہی اور ژولیدہ فہم کا اعلان نہیں؟

چوں نہ دیدند حقیقت' رہ افسانہ زدند

قرآنی تعلیم کی روح سے کسی کے خلاف ناحق ہاتھ اٹھانا تو ایک طرف' کسی غیر مذہب والے کی گالی کا جواب گالی سے دینے کی بھی اجازت نہیں۔ یہ اسلام کی تہذیبی جھلک ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ یورپ کے نام نہاد مہذب آئے دن سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیاں کرتے رہتے ہیں اور ان تمام بیہودگیوں کے باوجود تہذیب کے علمبردار بنتے ہیں۔

مظلوم مسلمان جو دو چار مہینے نہیں پورے تیرہ برس مکہ میں ہر طرح کے شدائد' شقاوت' سفاکی اور بہیمیت پر صبر کے امتحان میں پورے اتر چکے تھے اور وطن سے بے وطن گھربار چھوڑنے پر بھی مدینہ میں چین سے نہیں بیٹھنے دیئے گئے۔ کفار نے ان پر جنگ مسلط کی۔ لارڈ ہیڈلے انگریز نے نو مسلم ہونے کے باوجود بات پتہ کی کہی ہے کہ

اسلامی غزوات کے تین ابتدائی جغرافیائی محل وقوع کو دیکھ کر خود فیصلہ کر لو کہ لڑائی کی ابتدا کس نے کی؟ اور چڑھائی کون کس پر کرنے گیا تھا؟ حملہ اور جارحانہ اقدام کون کر رہا تھا اور حفاظت خود اختیاری و مدافعت میں کون لڑ رہا تھا۔ مکہ کے جنگجو اہل فساد یا مدینہ کے صابر شاکر مومنین؟ جنگ بدر گویا مدینہ میں ہوئی۔ مدینہ سے کل تیس میل کے فاصلہ پر' جنگ احد' مدینہ سے کل ۱۲ میل کے فاصلہ پر جنگ احزاب میں تو مدینہ والوں کا محاصرہ ہی کر لیا گیا' غرض ہر مرتبہ قریش مکہ یا ان کے حلیف و مددگار ہی چڑھ چڑھ کر آئے۔

قرآن میں ہے "جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تم بھی ان سے لڑو' مگر حدود انصاف سے تجاوز مت کرنا حد سے باہر نکل جانے والوں کو خدا پسند نہیں کرتا" (۲/۱۹۰)

اس سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ جنگ کی ابتدا کرنے والے مسلمان نہ تھے بلکہ دوسرا ہی فریق تھا۔ دیگر یہ کہ قتال کا حکم صرف انہیں افراد کے مقابلہ میں ہے جو واقعی لڑ رہے ہوں۔ غیر شریک جنگ آبادی کے سروں پر نیپام بم گرانا ہوائی حملوں سے پرامن شہریوں کو ہراساں کرنا' ان پر زہریلی گیسیں چھوڑنا' بوڑھوں' بچوں' اپاہجوں' بیماروں اور عورتوں کو گولوں کا نشانہ بنانا' یہ صرف یورپ اور دنیائے یہود کی مہذب جنگ کے اصول ہیں' جس پر آج دمشق اور شہر سویز کے در و بام اپنی بوسیدہ اور شکست و ریخت دراڑوں کی زبان سے ظالموں پر لعنت کر رہے ہیں۔

مسلمانوں کو قرآن میں جہاں بھی کہیں کفار سے لڑنے کا حکم ہوا فی سبیل اللہ کی قید ضرور لگا دی گئی۔ یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد ہی کی ہے کہ جب کبھی اور جن حالات میں بھی شروع ہو اللہ کی راہ میں ہو۔ دین حق کی حمایت و نصرت میں ہو' انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لئے ہو خودی کے لئے نہیں خدا کے لئے ہو۔ نفس کے لئے حلقہ اثر کی توسیع کے لئے آزادی تجارت کے لئے آزادی سمندر کے لئے نو آبادیوں کے تحفظ کے لئے برآمدی منڈیاں بڑھانے کے لئے ہوس زر' زمین اور اسی قسم کی تمام جنگوں کو اسلام فساد ہی قرار دیتا ہے۔ یہ سب بڑی طاقتوں کی جوع الارضی کا تماشہ ہے جو دن رات مست سانڈوں کی طرح کبھی الجزائر میں تو کبھی ویت نام میں اور کبھی سرزمین عرب میں اپنی جنگجویانہ ہوس کا پاگلوں کی طرح مظاہرہ کرتے ہیں جن کے سامنے چنگیز و ہلاکو کی داستانیں بھی بے رونق ہو کر رہ جاتی ہیں۔ بایں ہمہ اقوام عالم کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔

پتہ نہیں آج کل کے یہ مصنوعی ریفارمرکیوں اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے ہوئے نہیں ہچکچاتے بہرحال بنی اسرائیل کی تاریخ خود کو پھر شاید دہرائے گی' کبھی بخت نصر نے بابل سے اٹھ کر بنی اسرائیل کا ارض فلسطین سے نام و نشان مٹایا تھا اب شاید خدائی ابابیلیں انور سادات حافظ الاسد شاہ فیصل' معمر قذافی اور حواری بومدین وغیرہ پھر قدرت کی طرف سے ان یہودیوں کی تکا بوٹی کرنے کے لئے سرگرم عمل اور سرگرم پرواز ہیں۔

ولن تجد لسنتہ اللہ تبدیلا گولڈ امائر امریکہ سے واپس ہوئیں تل ابیب کے ہوائی اڈے پر اخباری بیان کچھ نہ دے سکیں آنکھوں میں آنسو تھے (امروز ۶ نومبر) ان آنسوؤں کو دیکھ کر یہ یورپ کے رحم دل سہم گئے خون کے آنسو

رونے والے یہ خوفناک درندے اس وقت کہاں تھے جب ۱۹۴۸ء میں فلسطینیوں کو ان کو گھروں سے نکال باہر پھینکا تھا جو آج بھی خانہ ویراں اور حسرت و یاس کے جھلملاتے آنسوؤں کے ساتھ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دریدہ خیموں میں زندگی کے دن پورے کر رہے ہیں اور اس وقت رحمدل خونی کہاں تھے جب ۱۹۶۷ء میں گولان' اردن اور سرزمین سینا کی وسیع آبادیوں کو نیپام بموں سے بھون کر رکھ دیا تھا مائیں اور باپ شہید ہوئے ننھے ننھے شیر خوار بچے روتے ہوئے ان آبادیوں سے اٹھا کر لائے گئے ۱۹۶۷ء میں ریڈیو قاہرہ سے بار بار یہ اعلان ہو رہا تھا کہ بچوں والی ماؤں سے اپیل ہے کہ وہ اپنے دودھ کی بوتلیں ان لاوارث ننھے معصوموں کے لئے ہسپتالوں میں بھیجیں یہ اسی پیغمبر رحیم و کریم کی امت کے ساتھ ہوا جو کفار کی ننھی منھی بچیوں کے زندہ درگور ہونے پر غم کے مارے تڑپ اٹھتا تھا جس نے جنگ اس لئے لڑی کہ دنیا سے جنگوں کا خاتمہ ہو' دنیا سے ظالموں کا ظلم مٹایا جائے ظلم و جور کی چکی میں پسنے والے بچوں' عورتوں' بوڑھوں اور مریضوں کو ظالموں کے طاقتور ہاتھوں کی دست و برد سے امن و سلامتی بخشی جائے قرآن کہتا ہے **ان یکف باس الذین کفرو** اس لئے لڑو تاکہ تم پر کفار کی طرف سے مسلط کی ہوئی جنگوں کا خاتمہ ہو جائے۔
(بشکریہ روزنامہ "امروز" لاہور)

□□□

امثال الحدیث٭

(جاحظ کی البیان والتبیین کی روشنی میں)

قاری اظہار احمد تھانوی

بلغاء عرب نے عکاظ اور ذوالمجاز کے میلوں میں اپنی فصاحت و بلاغت کی دھاک بٹھا رکھی تھی نظم و نثر دونوں میں انہوں نے کمال حاصل کیا ہوا تھا۔ اپنی زبان دانی پر انہیں اس قدر فخر تھا کہ اپنے سامنے تمام دنیا کو عجم (گونگی) کہتے تھے' مگر سرمایہ بلاغت کے زیادہ تر حصے میں اخلاقی قدروں کا لحاظ نہیں رکھا گیا تھا ظہور اسلام سے جہاں زندگی کے دوسرے تمام شعبے متاثر ہوئے وہاں ادب کی دنیا میں بھی ایک زبردست انقلاب رونما ہوا' فصاحت و بلاغت کی قدریں یکسر تبدیل ہو گئیں' اسی انقلاب کا اثر تھا کہ جب عمرو بن عبید سے پوچھا گیا کہ بلاغت کا کیا مطلب ہے؟ تو انہوں نے جواب میں کہا۔

ما بلغ بک الجنہ وعدل بک عن النار وہ کلام جو تجھے جنت تک پہنچا دے اور دوزخ سے بچائے۔

سائل نے کہا میری یہ مراد نہیں' تو عمرو بن عبید نے کہا' شاید تمہاری مراد یہ ہے کہ کلام میں کس قسم کے الفاظ و بیان کا پیرایہ اختیار کیا جائے' سائل نے کہا' ہاں میرا یہی مقصد ہے تو انہوں نے کہا' بلاغت یہ ہے کہ خدا کی حجت کو مکلفین کے عقول میں سمو دیا جائے' سامعین کو چوں و چرا کی موشگافیوں سے نکال کر اصلی حقائق کو ان کے ذہنوں سے اس طرح قریب لایا جائے کہ وہ ان کے لئے خوب صورت تصورات بن جائیں' الفاظ ایسے مزین ہوں جنہیں ذہن باآسانی قبول کریں' تاثیر کا یہ عالم ہو کہ تاریک ذہن منور ہو جائیں فضول ذہنی سوچ کی نفی ہو اور کتاب و سنت کی پاکیزہ نصیحتیں دماغوں میں گھر کر لیں' اگر اس قسم کا خطاب کر سکتے ہو تو یہ کہنا صحیح ہو گا کہ تم فصل خطاب کے مالک بن گئے ہو(۱)

ہر چند کہ فصاحت و بلاغت میں عرب فصحاء و بلغاء کو ید طولیٰ حاصل تھا' اس کے باوجود وصاحت و بلاغت کے پیمانوں کی روشنی میں جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و فرمودات پر نظر ڈالتے ہیں تو الفاظ و معانی کا ایک ایسا دلاویز مجموعہ نظر آتا ہے کہ اس کی نظیر مشکل سے نظر آئے گی۔ آپ کے بے شمار ارشادات و فرمودات عربی میں ضرب المثل کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں۔ ایک جہادی قافلہ پابہ رکاب ہے' روانگی کے لئے حکم کا منتظر ہے' ارشاد ہوتا ہے۔

یا خیل اللہ ارکبی اے خدائی قافلہ والو' بسم اللہ سوار ہو جاؤ

راوی کہتے ہیں کہ اس لفظ میں ہمارے لئے اس قدر مقناطیسی مٹھاس تھی کہ تمام سفر اور جہاد میں ہمارے عزم و ثبات کو توانائی بخشتی رہی(۲) طبعی موت کے لئے پہلی مرتبہ آپ ہی نے فرمایا۔

مات حتف انفہ فلاں شخص اپنی طبعی موت مرا

حتف کے معنی موت یعنی بلا ضرب و حرب اپنی ناک کے راستہ موت کا شکار ہوا' عربی زبان کا یہ انمنٹ محاورہ جو اب تک بلاغت عرب کا حصہ ہے۔

لا تنتطح فیہ عنزان یہ ایک ایسا معمولی واقعہ ہے کہ اس پر دو بکریوں کے سینگ بھی نہ ٹکرائیں گے

دور جاہلیت کے عربی ادب میں یہ محاورہ **لا تحبق فیہ عناق** تھا جس کے معنی ہیں کہ اس مسئلہ پر تو بکری کا بچہ بھی گوز نہیں مارے گا۔ ظاہر ہے کہ ان لفظوں میں بھونڈا پن ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح فرمائی اور ہمیشہ کے لئے فرمودہ نبوی ہی زبان عرب کا ایک حصہ بن گیا' جبکہ پرانا محاورہ ہمیشہ کے لئے ختم سمجھئے(۳)

الآن حمی الوطیس اب تنور گرم ہو گیا

غزوہ حنین میں بنو ثقیف نے مسلمانوں پر اس قدر سنگ باری کی کہ ناگہانی حملے کی تاب نہ لا کر مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور فوجی تنظیم درہم برہم ہو گئی' مسلمانوں کو دوبارہ بلایا گیا تو مسلمان پلٹ آئے اور بڑے سلیقے سے منظم ہو کر بنو ثقیف سے لڑے' جب جنگ باقاعدہ شروع ہو گئی تو اس وقت زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے جو عربی ادب کا ایک خوبصورت محاورہ بن گئے یعنی جنگ کی شدت کے اظہار کے لئے یہ فقرہ استعمال ہے(۴)

ایک موقعہ پر آپ نے ابو سفیان بن حرب سے دوران گفتگو فرمایا۔

کل الصید فی جوف الفرا حمار وحشی کے پیٹ میں سب شکار آ گئے

فرا' حمار وحشی کو کہا جاتا ہے' اتنا بڑا جانور شکار ہو گیا تو اب گوشت کی کمی نہیں رہی۔ اب نہ خرگوش کی ضرورت اور نہ ہرن کی' یہ محاورہ ایسا ہی ہے جیسے اردو میں بولتے ہیں "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں" عربی زبان و ادب کا یہ کثیر الاستعمال محاورہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ارشاد فرمایا(۵)

قبیلہ رعل و ذکوان کے کچھ لوگوں نے حاضر ہو کر درخواست کی کہ ہمارے قبیلے والوں کی خواہش ہے کہ چند مبلغین اسلام کو ہماری راہنمائی کے لئے روانہ فرمایا جائے' مگر وہ جھوٹے تھے' تمام مبعوثین و مبلغین کو لے جا کر قتل کر دیا۔ ان کے پر فریب رویہ پر آپ نے ارشاد فرمایا۔

ھدنۃ علی دخن وجماعۃ علی اقذاء کینہ کے ساتھ مصالحانہ رویہ اور آنکھوں میں خس و خاشاک اور ظاہر میں اطمینان

عربی ادب میں یہ ٹکسالی محاورہ' ہر اس موقعہ پر بولا جانے لگا جب کوئی شخص دل میں تو کوئی خوفناک سازش رکھتا ہو' مگر ظاہر میں پیار و محبت کی گفتگو کرے۔

ھدنۃ' مصالحانہ رویہ' دخن کمند۔ **جماعتہ** اطمینان **اقذاء** قذی کی جمع آنکھوں میں پڑنے والی خس و خاشاک(۶)

لا یلسع المومن من جحر مرتین مومن کو ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جا سکتا۔

روایتوں میں **لا یلسع** اور **لا یلدغ** دونوں طرح آتا ہے دونوں ہم معنی ہیں آپؐ نے یہ الفاظ ابو عزہ شاعر کے حق میں ارشاد فرمائے یہ بدگو اور بدزبان تھا' غزوہ بدر میں قید ہوا' آپ نے اس پر احسان فرمایا اور چھوڑ دیا' مگر وہ ایسا کم ظرف ثابت ہوا کہ مکہ واپس جا کر پھر وہی ہجویہ شاعری کا دھندا جاری رکھا۔ دوبارہ غزوہ احد میں قید ہوا اور کہا کہ **من علی** مجھ پر احسان فرمایئے' آزاد کر دیجئے' اس وقت پر آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔ جو نہایت کثیر الاستعمال محاورہ کے طور پر آج تک زبانوں پر جاری ہے۔ چنانچہ حارث بن حدان نے یزید بن مہلب کے قتل کے وقت اور عبدالرحمن بن اشعث نے منبر پر اپنے خطاب کے دوران یہ محاورہ استعمال کیا(۷)

ابو عمرو عثمان جاحظ کہتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ لفظوں کی تعداد قلیل ہوتی ہے اور معانی کا ایک وسیع مفہوم ہوتا ہے' مصنوعیت سے پاک اور تکلف سے بے عیب' اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کو یہی فرمایا کہ اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کہو

وما انا من المتکلفین(۸) میں بناوٹی باتیں کرنے والا نہیں ہوں

آپ کو منہ بھر بھر کر اور چبا چبا کر باتیں کرنے سے نفرت تھی' بسط و تفصیل کے موقعہ پر تفصیلی گفتگو فرماتے اور اختصار کے موقع پر اختصار سے کام لیتے' متروک لغات بولنے سے احتراز فرماتے' بھونڈی اور خلاف تہذیب گفتگو سے اعراض فرماتے' آپ کی گفتگو حکمت سے لبریز ہوتی' انداز سخن' محتاط اور تائید و توفیق سے مزین ہوتا' گفتگو کا رنگ ایسا دل آویز ہوتا کہ سامعین کے قلوب اس کی محبت و چاشنی محسوس کرتے تھے' فرمان نبوی دلوں میں گھر کر لیتا' رعب اور حلاوت کا حسین امتزاج اعادہ کلام کی ضرورت سے بے نیاز کوئی ضروری لفظ رہ نہ جاتا تھا اور استواری کلام میں کہیں لغزش نہ ہو پاتی تھی' استدلال بے وزن ہرگز نہ ہوتا اور اس سے مقابل کو بولنے کی قطعاً" گنجائش نہ رہتی' طویل اغراض و مقاصد' مختصر اور جامع الفاظ میں سامنے آتے' مخاطب کی فہم کے مطابق کلام ہوتا' استدلال میں سچائی اور ہمیشہ حقیقت کی نقاب کشائی ہوتی' خلوت و جلوت میں کسی کے عیب نہ گنواتے' گفتگو نہ تیز اور نہ ست' نہ طویل نہ حد سے زیادہ مختصر' غرض اس قدر کثیر النفع' معتدل' موزوں' خوبصورت' موقعہ کے لحاظ سے انتہائی مناسب انداز بیان اور واضح المراد کلام' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا دنیا نے کسی سے آج تک نہیں سنا(۹)

محمد بن سلام نے یونس بن حبیب کا قول نقل کیا وہ فرماتے ہیں' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شاندار

پر رونق اور چیدہ گفتگو ہم نے کہیں نہیں سنی(۱۰)

انصار کا ذکر ہوا تو ارشاد فرمایا۔

اما واللہ ما علمتکم الا لتقلون عند الطمع وتکثرون عندالفزع

سنو، قسم ہے اللہ کی میں تو تمہارے متعلق صرف جانتا ہوں کہ تم لالچ کے مواقع میں کم ہوتے ہو اور جنگی خطرات کے وقت قوت و کثرت کے ساتھ سامنے آتے ہو۔

انصار کے لئے اس سے بڑا اور سچا خراج عقیدت، طول طویل خطبات میں بھی پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فرمایا

الناس کلہم سواء کاسنان المشط

سب انسان کنگھی کے دانتوں کی طرح ایک جیسے ہیں

فرمایا

المرء کثیر باخیہ

انسان بھائی کے ساتھ مل کر ایک بڑی قوت ہو جاتا ہے

فرمایا

لا خیر فی صحبتہ من لا یرئی لک مثل ما تری لہ

اس شخص کی ہمنشینی میں کوئی بھلائی نہیں جو تیرے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے

ابن احمر نے کہا۔

سواء کاسنان الحمار فلا تری — للذی شیبتہ منہم علی ناشیء فضل

(ترجمہ) "وہ گدھے کے دانتوں کی طرح ایک جیسے ہیں، ان میں بوڑھوں کو جوانوں پر کوئی فضیلت نہیں" شعر میں سوقیانہ پن ہے، انسانوں کو گدھے کے دانتوں سے تشبیہ دینا تعریف نہیں، تذلیل ہے(۱۲)

جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المسلمون تتکا فادماء ھم ویسعی بذمتہم ادناھم ویرد علیہم اقصاھم وھم ید علی من سواھم

مسلمانوں کے خون ایک جیسے ہیں ان کی ذمہ داری ہر ادنیٰ پر بھی عائد ہوتی ہے ان میں دور رہنے والے کا فریضہ ہے کہ ان کی مدافعت کرے مسلمان غیروں کے مقابلے میں ایک ٹھوس طاقت ہیں۔

مذکورہ بالا شعر کے مقابلے میں قول نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر بلیغ اور کس قدر بھرپور اور اعلیٰ تنظیمی اصولوں پر مشتمل ہے۔ قلیل الحروف اور کثیر المعانی(۱۳)

ارشاد فرمایا

الید العلیا خیر من الید السفلی وابدا بمن تعول

اوپر والا ہاتھ، نچلے ہاتھ سے بہتر ہے مدد و تعاون ان لوگوں سے شروع کرو جو تمہارے خاندان سے ہوں۔

فرمایا

لا تجن یمینک علی شمالک

تیرے دائیں ہاتھ کو تیرے بائیں ہاتھ پر ظلم نہ کرنا چاہئے

اس حدیث میں بھی باہمی تعاون، اشتراک اور خیر سگالی کی تعلیم ہے۔

فرمایا

خیر المال عین ساھرة لعین نائمة

بہترین سرمایہ وہ آنکھ ہے جو بیدار رہ کر سونے والی آنکھ کی حفاظت کرے

فرمایا

الخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیمة

جہاد کے لئے گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر و کامیابی قیامت کے لئے باندھ دی گئی ہے۔

ارشاد فرمایا

لیس منا من حلق او صلق او شق

وہ ہم میں سے نہیں جو مصیبت میں بالوں کو مونڈے شور مچائے یا گریبان چاک کرے

فرمایا

ما املق تاجر صدوق

سچا تاجر لالچی نہیں ہوتا

کام کے آدمی کا قحط ہے، اس سلسلہ میں ارشاد ہوا

الناس کالابل المائة لا تجد فیھا راحلة

انسان ان سینکڑوں اونٹوں کی طرح ہیں جن میں سواری کے قابل ایک بھی نہ ہو

دولت کے ساتھ عموماً بے راہ روی آتی ہے، اس پر ارشاد فرمایا۔

ما قل وکفی خیر مما کثر والھی

مال تھوڑا ہو جس میں گزارا ہو جائے اس کثیر مال سے بہتر ہے جو بہت ہو اور آدمی بہک جائے۔

علماء اور امناء امت کو دین کی حفاظت اور بدعات سے امت کو بچانے کے لئے یوں ہدایت ہوئی۔

یحمل ھذا لعلم من کل خلف عدولہ' ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین

ہمارے پیچھے آنے والے ہر دور میں اس علم کے وہی صحیح حامل ہوں گے جو عادل ہوں گے غلو پسند لوگوں کی تحریف کو دین سے دور کریں گے باطل پرستوں کی لوٹ کھسوٹ اور جاہلوں کی تاویلات سے محفوظ رکھیں گے

امانت و صدقات میں دیانت داری کی اہمیت کو اس طرح واضح فرمایا۔

لا تزال امتی صالحا امرھا ما لم ترالا مانتہ مغنما والصدقتہ مغرما

امت کا کام اسی وقت تک صحیح رہے گا جب تک وہ امانت کو لوٹ کا مال اور صدقات کو بوجھ نہیں سمجھے گی

لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق

راس العقل بعد الا یمان باللہ مداراۃ الناس

ایمان باللہ کے بعد عقل کا اہم ترین فیصلہ یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ محبت اور ملاپ قائم رکھا جائے۔

مشورہ کرنے والے کے راز کی اہمیت

المستشار موتمن

مشورے کی بات امانت ہوتی ہے

گفتگو میں استغفار کی اہمیت

افصلوا بین حدیثکم بالا ستغفار

دوران گفتگو استغفار کے لئے وقفہ رکھو

راستوں اور گزر گاہوں کے قریب بیٹھنے کے آداب

لا تجلسوا علی ظھر الطریق فان ابیتم فغضوا الابصار وردوا السلام واھدو الضال واعینوا لضعیف

اول تو بہتر یہ ہے کہ راستہ کے قریب مت بیٹھو اور بیٹھتے ہی ہو تو نامحرم سے نگاہ بچاؤ سلام کا جواب دو' بھٹکتے ہوئے کو راستہ بتاؤ اور کمزور آدمی کی مدد کرو۔

انسان کی بو الہوسی اور طمع

لو ان لابن ادم وادین من ذھب لسال الیھما ثالثا

انسان کے پاس اگر سونے کی دو وادیاں بھی ہوں تب بھی تیسری کی طلب میں سرگرداں رہتا ہے

نیز ارشاد فرمایا

لا یملاء جوف ابن ادم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب — انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی پر کر سکتی ہے بجز اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہو

بہترین دوست کون ہے؟

قیل یا رسول اللہ ای الاصحاب افضل؟ — یا رسول اللہ سب سے بہتر دوست کون ہے؟

قال اذا ذکرت اعانک واذ نسیت ذکرک — فرمایا وہ ہے کہ جب تیرا ذکر ہو تو تیری مدد کرے اور جب تجھے بھلا دیا جائے تو وہ تجھے یاد کرے

بدترین لوگ کون ہیں؟

قیل ای الناس شر قال العلماء اذا فسدوا — کون بدترین لوگ ہیں؟ فرمایا علماء ہیں جب بگڑ جائیں

دوستی و اخلاص

تہادوا تحابوا — ایک دوسرے کو ہدیہ لو اور دو تاکہ باہمی محبت بڑھے

عیوب گنوانے کی مذمت

لو تکا شفتم لما تدافنتم — ایک دوسرے کے عیب کھولنے لگو گے تو شاید ایک دوسرے کا جنازہ بھی نہ اٹھا سکو۔

سائب بن صیفیؓ جو بڑے عظیم صحابہ میں سے ہیں اور جاہلیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شراکت میں تجارت کیا کرتے تھے' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مدینہ آئے تو کہا یا رسول اللہ آپ نے مجھے پہچانا

ارشاد فرمایا

کیف لا اعرف شریکی الذی لا یشارینی ولا یمارینی — میں اپنے اس شریک کو کیوں نہیں پہچانوں گا جس نے نہ کبھی میرے ساتھ کوئی برائی کی اور نہ جھگڑا

لفظ لایشارینی میں راء مشدد ہے کیونکہ اس کا مادہ شر ہے وزن و تناسب کے لئے راء مخفف استعمال ہوتی ہے۔

عالم مختلف الاحوال ہے اس پر ارشاد ہوا۔

کل ارض بسماء ھا — بہر زمیں کو رسیدیم آسماں پیداست

حضرت معاذ بن جبل کو یمن روانہ کرتے وقت فرمایا

ایاک والتنعم فان عباد اللہ لیسوا بالمتنعمین — اپنے کو تعیش و اسراف سے بچانا اللہ کے بندے مسرف نہیں ہوتے

خوراک میں اعتدال ضروری ہے

ما ملاء ابن ادم وعاء شرا من بطنه انسان کا سب سے گندہ برتن جو وہ بھرتا ہے پیٹ ہے

تھوڑی سی سنت بڑی بڑی بدعتوں سے بہتر ہے۔

القصد فی السنته خیر من الاجتهاد فی البدعته میانہ روی کے ساتھ سنت' بدعت میں مرنے کھپنے سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

راہ محمدی سب سے بہتر ہے

احسن الهدی هدی محمد وشرالامور محدثاتها سب سے اچھا راستہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے خود ایجاد طریقے بدترین چیز ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت فرمایا وہ فلاں لڑکی کہاں ہے (یہ ایک یتیم بچی حضرت عائشہؓ کی پرورش میں تھی) فرمایا کہ اس کی شادی کر دی گئی ہے فرمایا اس کے ہمراہ کوئی دف بجانے والی اور گانا گانے والی نہیں بھیجی؟ حضرت عائشہ نے پوچھا' گانا کیا ہونا چاہئے تھا فرمایا

اتینا کم اتینا کم فحیونا نحییکم ولو لا الذهب الاحمرفما حلت بوادیکم ولو الحنطته السمراء ما سمنت عذاریکم(۱۵) ہم تم لوگوں کے پاس آگئے' آگئے' تم ہمیں مرحبا کہو ہم تمہیں کہیں گے۔ اگر تمہارے یہاں سرخ سونا نہ ہوتا تو یہ دلہن تمہاری وادی میں نہ اترتی۔ اگر سرخ گندم نہ ہوتی تو تمہاری لڑکیاں فربہ اندام نہ ہوتیں۔

غریب و یتیم بچی چپ چپ کیوں بیاہ دی گئی؟ خاطر عاطر کو پسند نہ آیا۔

ایک دعاء نبوی' بلاغت کی جان

اللهم اصلح دینی الذی هو عصمته امری واصلح دنیای التی فیها معاشی واصلح لی اخرتی التی الیها معادی(۱۶) اے اللہ میرے دین کی اصلاح فرما جو میری زندگی کا سرمایہ ہے میری دنیا کی اصلاح فرما جس میں میری حیات ہے میری آخرت کو سنوار جس کی طرف میں نے پلٹنا ہے۔

گویا اسلام کے زاویہ سے انسان کے تین جہان ہیں ایک من کا دوسرا تن کا تیسرا سدا رہن کا دعا میں تینوں جہانوں کی خیر مانگی گئی' اسی کو جامعیت کہتے ہیں۔

دھاقین جاہلیت' شعراء کے مبتذل اور سوقیانہ کلام و تصورات سے عربی ادب کا سرمایہ لفظی ارزانت و پختگی کی

حد تک مضبوط تھا مگر اس تمام سرمایہ ادب میں کاہنوں کی سی لفظی چاشنی اور چٹخارے تھے' پوری دنیائے عرب کو قوت ناطقہ کسی سچی حقیقت و واقعیت کی دنیا سے گویا بالکل نابلد تھی عریاں اور فحش نظم و نثر کے چسکے تھے اور بلاغت کا یہی معیار' ادب کا شاہکار تھا۔

بلاغت و طلاقت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ادبی' تہذیبی اور اصلاحی کارناموں میں آپ کا ایک خاص اسلوب متکلمانہ بالکل ایک نئے اور روشن زاویہ سے ابھر کر سامنے آیا جس میں فصاحت یہ تھی کہ مغلق نامانوس اور مشکل الفاظ کا استعمال یکسر متروک نظر آتا ہے' بات بات پر ڈکشنریوں کی طرف رجوع کی ضرورت نہیں' دوسری طرف فحش گوئی اور مبتذل و سوقیانہ تصورات کی بالکلیہ نفی ہوئی' کلام کی بلیغانہ تاثیر کا یہ عالم کہ برق بن کر ذہنوں کی جلا کا سامان بنا جس نے سنا کلیجہ تھام کر رہ گیا اور فیصلہ کن انداز میں ایک دم اپنی راہوں کو چھوڑ کر جادۂ حق پر گامزن ہو گیا۔ (بہ شکریہ ماہنامہ فکر و نظر)

❑❑❑

حوالہ جات

۱۔ کتاب البیان والتبیین للجاحظ ص ۱۱۴ ۲۔ حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۳۳۵

۳۔ کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۵

۴۔ سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۵۶ نیز دیکھو منجد مادہ وطس

۵۔ حیوۃ الحیوان ج ۱ ص ۳۳۵۔ کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۶

۶۔ کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۶ ۷۔ ایضاً

۸۔ آیت ۸۶ سورۂ ص۔ پوری آیت اس طرح ہے **قل ما اسئلکم علیہ من اجر وما انا من المتکلفین**

۹۔ کتاب البیان والتبیین ج ۲ ص ۱۸ ۱۰۔ ایضاً ۱۱۔ ایضا

۱۲۔ تہذیب الالفاظ ص ۱۹۸ لسان المیزان ص ۹۵' ثمار القلوب ۲۹۷

۱۳۔ کتاب البیان والتبیین ج ۴ ص ۱۹ ۱۴۔ الاصابہ ۳۵۹

۱۵۔ للاوسط۔ جمع الفوائد ج ۱ ص ۳۷۶ ۱۶۔ اتقان ص ۳۴۳

نکتہ چیں ہے غم دل اس کو سنائے نہ بنے

مولانا اظہار احمد تھانوی مدرسہ تجوید القرآن، لاہور

مودودی صاحب کے بوقلموں افکار پہلے ہی کچھ کم داستان عجائب نہ تھے۔ گذشتہ سال ان کے قلم کا شہ پارہ ایک نئی تصنیف "خلافت و ملوکیت" کے نام سے شائع ہوئی ہے اس کتاب کا بدترین پہلو یہ ہے کہ اس میں مشہور صحابی حضرت عثمان غنی اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہما وغیرہ پر ناروا حملے اور شدید غصہ کا اظہار کیا گیا ہے اور ان حضرات کو اور خلافت راشدہ کو ملوکیت کی طرف منتقل کرنے والا ٹھہرایا گیا ہے۔

مودودی صاحب کے تنقیدی حملوں کی ابتدا دور عثمانی ہی سے شروع نہیں ہوتی ہے "حقیقت کبریٰ" کا متلاشی قلم دور صدیقی کی چھان پھٹک کرنے کے لئے اور کچھ پیچھے کی طرف رواں ہوتا ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

> "مدینہ میں جب حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو حضرت سعد بن عبادہ نے قبائلی عصبیت ہی کی بنا پر ان کی خلافت تسلیم کرنے سے اجتناب کیا تھا، اسی طرح حضرت ابو سفیان کو بھی عصبیت ہی کی بنا پر ان کی خلافت ناگوار ہوئی تھی" (خلافت و ملوکیت ص ۹۷)

سمجھ میں نہیں آتا کہ جمہوریت اور آزادی افکار کے علمبردار مودودی صاحب کو مذکورہ بعض حضرات صحابہ کی اختلافی رائے میں قبائلی عصبیت (جو یقیناً افتراء ہے) کی جھلک کیوں نظر آرہی ہے۔

گویا سعد بن عبادہؓ اور ابو سفیانؓ میں ہنوز عصبیت جاہلیہ موجود تھی۔ وہ عصبیت جاہلیہ جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں پائے استحقار سے ٹھکرایا تھا ارشاد ہوا تھا۔

الا کل شئی من امر الجاھلیۃ تحت قدمی موضوع (مسلم)

سنو! جاہلیت کے دور کی تمام باتیں میں اپنے قدموں تلے روندتا ہوں

مگر سعدؓ بن عبادہ اور ابو سفیانؓ تھے کہ اب تک عصبیت جاہلیہ کو سینے سے چمٹائے بیٹھے تھے۔ استغفراللہ

استیعاب ابن عبدالبر کے حوالہ سے فرماتے ہیں۔

> "ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے امکانی جانشینوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباس سے حضرت عثمان کے متعلق کہا۔
>
> "اگر میں ان کو اپنا جانشین تجویز کروں تو وہ بنی امیہ کو لوگوں کی گردنوں پر مسلط کر دیں گے..... خدا کی قسم اگر میں نے ایسا کیا تو عثمان یہی کریں گے اور اگر عثمان نے یہ کیا تو وہ لوگ ضرور معصیتوں کا ارتکاب کریں گے اور عوام شورش برپا کر کے عثمان کو قتل کر دیں گے" (خلافت و ملوکیت ص ۹۹)

اس تاریخی عجیب سی روایت پر ایک زبردست اور بالکل کھلا اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب اس قدر وثوق کے ساتھ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انجام پیش نظر تھا تو اپنے جانشینوں میں حضرت عمرؓ نے ان کو کیوں نامزد کیا۔ آگے فرماتے ہیں۔

''مگر بدقسمتی سے خلیفہ ثالث حضرت عثمان اس معاملہ میں معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے ان کے عہد میں کثرت سے بڑے بڑے عہدے اور بیت المال سے عطیے بنو امیہ کو دیئے گئے'' (خلافت و ملوکیت ص ۹۹)

آگے چل کر پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ

''اس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اپنے خاندان کے جن لوگوں کو سیدنا عثمانؓ نے حکومت کے یہ مناصب دیئے' انہوں نے اعلیٰ درجہ کی انتظامی اور جنگی قابلیتوں کا ثبوت دیا' اور ان کے ہاتھوں بہت سی فتوحات ہوئیں۔'' (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۸)

اسی ذیل میں ارشاد ہوا ہے۔

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے' خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۶)

اور ساتھ ہی یہ بھی

''مگر واقعہ یہ ہے کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے ان کا کردار بحیثیت خلیفہ ایک مثالی کردار تھا جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے' علاوہ بریں ان کی خلافت میں بحیثیت مجموعی خیر اس قدر غالب تھی اور اسلام کی سربلندی کا اتنا بڑا کام ان کے عہد میں ہو رہا تھا کہ ان کی پالیسی کے اس خاص پہلو سے غیر مطمئن ہونے کے باوجود عام مسلمان پوری مملکت میں کسی جگہ بھی ان کے خلاف بغاوت کا خیال تک دل میں لانے کے لئے تیار نہ تھے'' (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۶)

مودودی صاحب کے بیان میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جو الزامات (نعوذ باللہ) عائد کئے گئے ہیں' ان کے متعلق تو ہم بعد میں عرض کریں گے۔ لیکن ایک بات ناقابل فہم ہے کہ جب مصر' کوفہ اور بصرہ سے تقریباً دو ہزار آدمیوں کا ٹولہ بغاوت و شورش کی نیت سے مدینہ میں آیا تو اپنے ہمراہ حضرت عثمان کے خلاف الزامات کی ایک فہرست مرتب کر کے لایا۔ یہ الزام کیا تھے؟ مودودی صاحب کی کتاب میں طویل صفحات میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مثلاً اپنے چچا زاد بھائی مروان بن حکم کو اپنا سیکرٹری بنانا۔ حضرت امیر معاویہ کو شام وغیرہ کے علاقوں پر اپنے پورے دور خلافت میں گورنر رہنے دینا۔ ولید بن عقبہ کو کوفہ کی گورنری پر مامور کرنا عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کی گورنری پر مامور کرنا وغیرہ وغیرہ۔

باغیوں نے اسی قسم کے الزامات کو اپنی بغاوت کی بنیاد بنا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا تو۔
"حضرت علی نے ان کے ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمان کی پوزیشن صاف کی" (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۷)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ نے خود اپنی کتاب میں حضرت عثمان پر بتفصیل و حوالہ جو بسیط و عریض الزامات کی فہرست مرتب فرمائی ہے وہ الزامات اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ ان سے کسی طرح بھی حضرت عثمان کی صفائی ہو سکے۔ چنانچہ آپ خود اس پر بضد نظر آتے ہیں کہ دامن عثمانؓ ان الزامات سے ہرگز پاک نہیں تو حضرت علیؓ نے کس طرح ایک ایک الزام کا جواب دے کر حضرت عثمانؓ کی پوزیشن صاف کر دی؟

آگے فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان کے خون کا مطالبہ لے کر دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے' ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ اور

دوسری طرف حضرت معاویہؓ ------ ان دونوں فریقوں کے مرتبہ و مقام اور جلالت قدر کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے بھی یہ کہے بغیر چارہ نہیں کہ دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو ------ اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرز عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ کا تھا ------ یہ سب کچھ دور اسلام کی نظامی حکومت کے بجائے زمانہ قبل اسلام کی قبائلی بدنظمی سے اشبہ ہے" (خلافت و ملوکیت)

انہیں ناقد صاحب کی یہ بھی سنئے۔

"حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانہ میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ایک خلیفہ راشد کے شایان شان تھا' البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت میں مشکل ہی سے کوئی بات کہی جا سکتی ہے' وہ یہ کہ جنگ جمل کے بعد انہوں نے قاتلین عثمان کے بارے میں اپنا رویہ بدل دیا ------ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے گفتگو کرنے کے لئے جب انہوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ "حضرت علیؓ نے قاتلین عثمان پر ہاتھ ڈالنے کو اس وقت تک موخر کر رکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں آپ لوگ بیعت کر لیں تو پھر حضرت عثمان کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا"

لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ ان کے ہاں تقرب حاصل کرتے چلے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتی کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے درانحالیکہ قتل عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۴۶)

صحیح طرز فکر

معلوم نہیں مودودی صاحب کی اس تصنیف سے دین کی کونسی لاینحل گتھیاں سلجھ گئیں۔ امت محمدیہ (علی صاحبہا الصلوۃ والسلام) نے کب اس مصنف سے درد مندانہ درخواست کی تھی کہ خدارا عثمانؓ و علیؓ کے جھگڑوں کا فیصلہ کر دیجئے ورنہ اسلام میں بڑا رخنہ پڑ جائے گا؟

آج تجدد اور اباحیت پسند طبقہ کا حال یہ ہے کہ ان کا اسلام سے بعد روز افزوں ہے۔ اس قسم کی کتابیں ان کے مسموم ذہن کو ان تمام اکابرین اسلام سے یکسر متنفر کرنے کے لئے کافی ہیں۔ کیونکہ اسلام کی تمام تعلیمات حضرات صحابہ اور بالخصوص خلفائے راشدین کی حسن مساعی سے امت کے ہاتھوں میں پہنچیں۔ جب ان بزرگوں سے ہی لوگوں کا ضمیر متنفر ہو جائے گا تو اسلام کی حقانیت و برتری کا کیا مقام رہ جائے گا؟

راقم کے واقفین میں سے ایک صاحب نے "خلافت و ملوکیت" کا مطالعہ کیا' مجھ سے ملے تو کہنے لگے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے پہلے میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا بڑے ادب سے نام لیا کرتا تھا۔ مگر خلافت و ملوکیت پڑھنے کے بعد نام کے ساتھ شروع میں نہ تو حضرت لگانے کو جی چاہتا ہے اور نہ آخر میں رضی اللہ عنہ کہنے کو۔

کچھ بھی ہو مودودی صاحب کو اس تصنیف سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک جملہ حقوق بحق ناشر و مصنف محفوظ۔ چنانچہ کتاب مذکور کے دو تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئے۔ شیعہ حضرات نے تو کتاب خوب خوب خریدی ذاکرین صاحبان فرماتے ہیں' فلاں صحابی نے یہ کہا' فلاں نے یہ کہا اور ہم نہیں کہتے' نہ اپنی کتابوں کا حوالہ دینا چاہتے ہیں یہ اپنے گھر کی تاریخ کے دانائے راز سنی عالم مودودی صاحب فرماتے ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ محمود عباسی صاحب نے علویوں کے مقابلہ میں امویوں کو جو زبردست تاریخی حوالوں سے مبنی برحق ثابت کیا تھا' مودودی صاحب کو اسی وقت سے سخت طیش تھا کہ ہمارے جیتے جی کوئی کیسے منصفانہ اور مورخانہ شان کا مالک ہو سکتا ہے۔ تم نے اگر حضرت معاویہ و یزید کے فضائل بیان کئے ہیں تو ہم بھی تاریخی حوالوں سے حضرت علیؓ کا بول بالا کریں گے اور حضرت عثمان و معاویہ کی وہ خبریں لیں گے کہ یاد ہی رکھو۔

ان دونوں اہل قلم مصنفوں نے امت کے دلوں میں خنجر پیوست کئے ہیں۔ خصوصاً" مودودی صاحب نے نہایت اہم اور اجل صحابہ پر جو بھرپور تنقیدیں کی ہیں' ایک خالی الذہن آدمی کو یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی غیر مسلم مستشرق کا قلم ہے۔

تاریخی حوالے اس قدر متنوع متضاد اور بعض جگہ ناقابل یقین ہیں کہ وہی تاریخی کتب کہ جن کی روایات پر عباسی صاحب اپنا مقصد پیش کرتے ہیں۔ تقریباً انہیں کتب کو روایتی حوالوں کے ساتھ مودودی صاحب اپنے مقصد میں معین بنا کر ناظرین کے سامنے انبار لگا دیتے ہیں۔

اب سنا ہے جواب آں غزل کے طور پر عباسی صاحب تبصرہ محمودی برہفوات مودودی لکھ رہے ہیں۔ دیکھنا چاہئے کہ یہ سلسلہ کہاں اور کب جا کر ختم ہوتا ہے۔

حالی نے کہا ہے۔

جہاں مختلف ہوں روایات' باہم　　کبھی ہوں نہ سیدھی روایت سے خوش ہم
جسے عقل رکھے نہ ہرگز مسلم　　اسے ہر روایت سے سمجھیں مقدم
سب اس میں گرفتار چھوٹے بڑے ہیں
سمجھ پر ہماری یہ پتھر پڑے ہیں

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ثقاہت قرآن مجید میں اس قدر صاف و صریح نصوص میں ہیں کہ شمار سے باہر۔ ان کے ہوتے ہوئے ناقدین کو پہلے اپنے اعمال کا جائزہ لینا چاہئے' ان کی توبہ قبول ہونے کی صاف صراحت موجود ہے جب کہ ہمیں توبہ کرنے کی بھی توفیق نصیب نہیں۔ ان کو رضوان سے نوازا گیا۔ ہمیں اپنی نجات اخروی بھی مشکل نظر آتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

تکثر لکم الاحادیث بلی فما روی لکم حدیث عنی فاعرضوہ علی کتاب اللہ فما وافقہ فاقبلوہ وما خالفہ فردوہ (مسند احمد)

میرے بعد تم سے بکثرت احادیث بیان کی جائیں گی۔ لہذا میری کوئی حدیث تم سے بیان کی جائے تو اسے کتاب اللہ پر پیش کرنا جو اس کے موافق ہو قبول کرنا اور جو اس کے خلاف ہو رد کر دینا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق روایات میں ہماری تاریخ میں جو اختلاف' جدال و شقاق کی حد تک پہنچا ہوا ہے' اس کا حل اسی نکتہ میں ہے جس کو ہم پس پشت پھینک چکے ہیں۔ جب حدیث کے متعلق قول نبویؐ کی روشنی میں یہ اصول مذکورہ مقرر ہوا تو تاریخ کس شمار میں آتی ہے۔ تاریخی روایات کا جو ذخیرہ ہم تک پہنچا ہے وہ یقیناً خدا کی وحی نہیں۔ ہنگامی اور سیاسی مصلحتوں سے بھی خالی نہیں اور سیاسی مصلحتیں' جانبداری یا باہمی شقاق و عصبیت سے پاک نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ہمارے ایمان کی خیر اس میں ہے کہ جن حضرات کی مدح میں عرش عظیم' لوح محفوظ جبرئیل امین صحائف موسیٰ و عیسیٰ اور خاتم النبیین علیہم السلام پوری طرح متفق و متحد ہیں۔ ان کے متعلق ذرا سا سوء ظن بھی اپنے باطن میں پیدا نہ ہونے دیں اور ہر ایسی روایت کا انکار کر دیں جس میں ان کی عظمت کا احترام ملحوظ نہ رکھا گیا ہو۔ خواہ وہ کسی بڑے سے بڑے مصنف کی معتبر سے معتبر تاریخ میں درج ہو۔

مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

"قرآن مجید شہادت بزرگی ایں حضرات فی فرماید واز علو درجات شاں خبرمی دہد از کتاب و سنت کسیکہ چشم

پوشیدہ مکابرہ نماید از مبحث خارج است' شیخ سعدی فرمودہ است۔

آں کس کہ زقرآن و خبر زد نہ دہی
آنست جوابش کہ جوابش نہ دہی

(مکتوبات ۲۴ جلد ۳)

اسی مکتوب نمبر ۲۴ میں مزید فرماتے ہیں۔

اگر جمیع ایشاں یا بعض ایشاں مطعون یاشنا و بتفیل و تفسیق متصف بودند اعتماد از کل دین یا بعض دین مرتفع می گردد' وفائدہ بعثت ختم الانبیاء و افضل الرسل گم می ماند..... اگر ایشاں مسلوبُ العدالت بودند بر قرآن چہ اعتماد ماند ودین بچہ چیز برپا بود؟..... شاعت ایں امررا باید دریافت

یعنی اگر خلفائے راشدین سب کے سب یا ان میں سے بعض محل طعن قرار پائیں اور ضلالت و فسق سے متصف ہوں تو دین سارے کا سارا یا اس کے بعض حصے ناقابل اعتماد ٹھہریں گے اور افضل الرسل خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا فائدہ ختم ہو جائے گا۔ اگر یہی حضرات ناقابل اعتماد ہوئے تو قرآن پر کیا اعتماد رہا اور دین کا قیام کس شے پر ہو گا؟ اس سے جو بدترین نتائج نکلیں گے انہیں سوچنا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب "ازالتہ الخفاء عن خلافتہ خلفاء" کے مقصد دوم میں فرمایا۔

"حماد بن سلمہؒ کہتے ہیں کہ عثمانؓ جس دن خلیفہ بنے اس دن وہ سب سے افضل تھے اور جس دن شہید ہوئے اس دن وہ خلافت والے دن سے بھی زیادہ مشرف تھے"

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی آدمی کا جنازہ آیا۔ آپ نے اس پر نماز نہیں پڑھی۔ لوگوں نے پوچھا' یا رسول اللہ! ہم نے آپ کو اس سے پہلے تو کبھی کسی جنازہ کی نماز پڑھانے سے انکار فرماتے نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا یہ شخص عثمانؓ سے بغض رکھتا تھا اس واسطے خدا نے اس سے بغض کیا۔ (رواہ الترمذی)

اہم نکتہ!

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث میں صراحتہ" و کنایتہ" فرمایا ہے کہ خلافت خاصہ عثمانؓ کے بعد منعقد نہ ہو گی اور یہ معنی متعدد سندوں اور مختلف طریقوں سے پایہ ثابت کو پہنچ گئے ہیں اور یہ بات خارج میں ثابت ہو گئی اس لئے کہ حضرت علیؓ باوجود اوصاف خلافت کے اور خدمات سابقہ میں راسخ القدم ہونے کے خلافت پر متمکن نہ ہو سکے اور ہر طرف آپ کا حکم نافذ نہ ہوا۔ بلکہ ہر دن خلافت کا دائرہ تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر زمانہ میں صرف کوفہ اور اس کے گرد و نواح میں حکومت رہ گئی اور امیر معاویہؓ پر اگرچہ سب

لوگ متفق ہو گئے اور لشکر اسلام کا تفرقہ مٹ گیا۔ لیکن خلافت خاصہ کے اوصاف ان میں بمقابلہ علی رضی اللہ عنہ کے نہ تھے اور خدمات سابقہ میں بھی انصار و مہاجرین سے کم تھے۔

عبد خیرؒ سے ایک طویل روایت مروی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبد خیرؒ فرماتے ہیں کہ میدان کوفہ میں میں نے حضرت علیؓ کو وضو کرایا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا' اے عبد خیر مجھ سے کچھ پوچھو۔

عبد خیر' امیر المومنین کیا پوچھوں؟

حضرت علیؓ۔ جس طرح تم نے مجھے وضو کرایا' اسی طرح ایک مرتبہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا' پھر آپ سے پوچھا' یا رسول اللہ! اول حساب کے لئے کون بلایا جائے گا۔

حضورؐ نے یکے بعد دیگرے چار نام لئے۔ محمدؐ' ابو بکرؓ' عمرؓ' علیؓ

میں نے عرض کی' اور عثمان بن عفان؟ فرمایا چونکہ عثمان میں حیا بہت ہے' اس لئے میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ ان کو حساب کے لئے کھڑا نہ کیا جائے حق تعالیٰ نے میری شفاعت قبول فرمائی۔

ابن حاطب راوی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ ابن حاطب کیا مجھ سے پوچھتے ہو کہ عثمانؓ سے متعلق کیا خیال ہے؟ خدا کی قسم مجھے امید ہے کہ میں اور میرے بھائی عثمان ان لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین

ہم نے ان کے سینوں کو کینہ سے پاک کر دیا' وہ بھائیوں کی طرح آمنے سامنے تخت نشین ہوں گے۔

حضرت عثمان غنی پر تنقیدی نگاہیں ڈالنے والے ہر دور میں کم و بیش موجود رہے ہیں مگر اہل حق و انصاف نے ہمیشہ ان کو دندان شکن جواب دیئے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ کی کتاب تحفہ اثنا عشریہ اس سلسلہ میں بے مثل اہمیت کی حامل ہے۔ حضرت خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ پر اعتراض اور ان کے جواب حضرت شاہ صاحب سے سنئے۔

پہلا اعتراض۔ حضرت عثمانؓ نے ایسے لوگوں کو امارت کے لئے منتخب کیا جو اس کے اہل نہیں تھے۔

جواب۔ علم غیب تو خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ تاہم انہوں نے جس شخص کو امین و عادل سمجھا اس کو امارت سپرد کی۔ تاریخ گواہ ہے کہ حضرت عثمان کے عمال آپ سے محبت رکھتے تھے اطاعت میں' فوج کشی اور فتوحات میں معرکہ آرائی' چستی اور جفا کیشی میں نادرہ روزگار تھے۔ انہوں نے مغرب میں اسلام کی سرحد کو اندلس تک پہنچایا اور مشرق میں کابل' بلخ اور روم میں گھس گئے رومیوں کے ساتھ بحری و بری جنگیں لڑ کر ظفریاب ہوئے۔ خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ کے آخر عہد میں عراق' عجم اور خراسان مراکز فساد بن گئے تھے۔ ان کا ایسا ٹھیک انتظام کیا کہ پھر سر نہ اٹھا سکے پھر اگر کسی عامل سے نازیبا حرکت سرزد ہوئی تو اس میں خلیفہ کا کیا قصور؟ جب بعض کی خیانت ثابت ہو گئی

تو آپ نے سزا میں کوتاہی نہیں کی' مثلاً ولید کو معزول کر دیا۔

دوسرا اعتراض۔ اپنے اقارب کو بہت زیادہ مال بخشا' بیت المال کو اجاڑا' بے حد اسراف کیا۔

جواب۔ خلیفہ کی بخششوں کو بیت المال کی طرف منسوب کرنا تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ حضرت عثمان خلیفہ ہونے سے پہلے ہی بہت دولت مند تھے۔ ان کی بخشش اپنے قبیلہ تک محدود نہ تھی (ذاتی املاک سے) ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے ہر روز تمام مہاجرین و انصار کو دعوت طعام دیتے تھے اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور سخاوت کو کسی نے اسراف نہیں کہا۔ چنانچہ حدیث میں ہے **لا اسراف فی الخیر** (بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہے) اور اقارب پر خرچ کرنا دوہرے ثواب کا موجب ہے۔ صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی قرآن مجید میں رشتہ داروں کو دوسرے مصارف پر مقدم رکھا ہے۔

واتی المال علی حبہ ذوی القربی

ان کی کمائی کی کئی راہیں تھیں۔ طرح طرح کی تجارتیں کرتے تھے۔ بعد خلافت ایک تدبیر یہ کی کہ عراق و حجاز کی افتادہ زمینوں کو خدام کے ذریعہ آباد کرتے تھے۔ وہ لوگ وہاں زراعت کرتے باغ لگاتے' کنوئیں اور نہریں کھودنے میں مشغول ہوتے یہاں تک کہ قحط زدہ بے رونق اراضی' مازندراں اور کشمیر کی طرح خوشحال و شاداب ہو گئیں۔ امن و خوشحالی اور آبادی و زراعت جو آپ کے عہد میں نصیب ہوئی وہ بلاد عرب کے لئے خرق عادت سے کم نہ تھی۔ اکثر صحابہ نے آپ کی خوش تدبیری کی تقلید کی۔ اگر آپ کا عہد خلافت کچھ اور زمانہ قائم رہتا تو حجاز کی زمین گل کشت مصلائے شیراز اور لالہ زار ہرات بن جاتی۔

تیسرا اعتراض۔ بعض صحابہ کا وظیفہ بند کیا۔ بعض پر سختی کی' بعض کی تحقیر کی۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب۔ خلافت و امامت کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ اس کی حفاظت کے لئے کئی طرح کے اقدامات ناگزیر ہو جاتے اس کی متعدد مثالیں خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں بھی ملتی ہیں جو عہد عثمان سے زیادہ شدت رکھتی ہیں صحاح میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء میں ایک روز فتنہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ وہ قریب الوقوع ہے' سب کو سراسیمہ پایا تو حضرت عثمان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔

"یہ اس روز راہ راست پر ہوں گے"

صحابہ کی ایک جماعت اس کی راوی ہے۔ پھر فرمایا—— اس دن بیٹھا ہوا شخص کھڑے سے' اور کھڑا ہوا چلنے والے سے' اور چلنے والا دوڑنے والے سے زیادہ بہتر ہو گا۔

مرض الموت میں ایک دن فرمایا۔

لیت عندی رجلا اکلمہ کاش میرے پاس کوئی ہوتا میں اس سے باتیں کرتا۔ اہل بیت نے کہا' ابو بکر و عمر کو بلائیں فرمایا نہیں' پھر کہا علی کو بلائیں' فرمایا نہیں۔ پھر کہا عثمان کو بلائیں' فرمایا ہاں۔ جب عثمانؓ آئے تو ان سے

بہت دیر تک سرگوشی میں باتیں کرتے رہے۔ عثمانؓ کے سر کو اپنے سینہ پر رکھ کر کچھ وصیت فرماتے رہے' حضرت عثمان کے چہرے کا رنگ متغیر ہو رہا تھا اور باآواز بلند بے اختیاری سے فرما رہے تھے **اللہ المستعان' اللہ المستعان** اس روایت کو ازواج مطہرات نے بیان کیا۔

ابو موسیٰ اشعری کو فرمایا کہ عثمان کو جنت کی بشارت دیں اور کہدیں کہ تم پر بلوائے عام ہو گا۔

عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری اور مسئلہ تحکیم

حضرت عمرو بن عاصؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے متعلق یہود و مجوس کی سازشوں اور بقول الخطیب اس امت کے نیک بیوقوفوں نے بہت سی بدگمانیاں پھیلا رکھی ہیں' لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔

چنانچہ خطیب لکھتے ہیں۔

عمرو بن العاص پہلے شخص ہیں جو مصریوں کے اسلام قبول کرنے اور عربیت اختیار کرنے کا باعث تھے۔ مصری مسلمانوں کی اب تک کی نیکیوں میں وہ شامل و شریک ہیں۔ وہ پختہ عقل دور اندیش' شرک سے بیزار' حق و صواب کے شیدا اور اسلام کو ہر حال میں ترجیح دینے والے تھے۔ چنانچہ ان کے متعلق امام ابو بکر محمد بن عبداللہ بن العربی اشبیلیہ (اندلس) کے قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) جن کا زمانہ ۴۴۸ھ سے ۵۴۳ھ ہے کے حوالے سے لکھتے ہیں' انہوں نے اپنی مشہور کتاب العواصم من القواصم ص ۱۷۷ پر عمرو بن عاص اور ابو موسیٰ اشعری کے مابین مسئلہ تحکیم کے بارے میں جو بات لوگوں میں مشہور ہے' اس کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ خیال کہ ابو موسیٰ دانش مند نہیں تھے اور عمرو بن عاص حیلہ باز چالاک تھے (جیسا کہ مودودی صاحب نے بھی لکھا ہے) یہ تمام تر صریح کذب ہے اور ان میں ایک حرف بھی صحیح نہیں..... بعض مورخین نے ملوک و سلاطین کی خوشنودی کے لئے خانہ ساز روایات اور من گھڑت خبریں وضع کی ہیں پھر ان میں اہل بدعت اور ارباب رفض و مجوسیت نے جو افسانے تراشے اور حکایات کا اضافہ کیا وہ آپ کے سامنے ہے..... حضرت ابو موسیٰ اشعری پر یہ الزام و اتہام کہ نعوذ باللہ وہ ابلہ تھے بالکل بے حقیقت اور بے بنیاد افترا ہے۔

آگے چل کر قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بڑے متقی' بڑے زبردست فقیہ عالم' ثقہ اور متورع آدمی تھے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معاذ بن جبل کے ساتھ یمن کی طرف نائب عامل بنا کر بھیجا تھا۔ حضرت فاروق نے ان کو اپنی مجلس مشاورت کا رکن بنایا تھا۔ کیونکہ فہم و فراست' عقل و دانش اور تجربہ کے اعتبار سے ان کا بڑا مقام تھا۔

اوپر جو کچھ لکھا گیا آخر مقالہ میں علامہ الخطیب اس کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحائف اعمال ان کے قلوب و اذہان کی طرح بالکل صاف' ستھرے

اور پاک تھے۔ ہم ان کو تاریخ میں تلاش کرنا چاہیں تو اس کی اولین شرط یہ ہے کہ ہماری فطرت اور قلب و ذہن صاف ہوں اور اصحاب حق و ارباب عدل کے متعلق ہمارا حسن ظن قائم ہو۔ ضروری ہے کہ ہم عقل سے کام لے کر اس میں امتیاز قائم کریں' کہ کذب و افتراء اور ہواؤ ہوس کے پجاری کون تھے اور شریعت' اخلاص اور دین کے علمبردار کون تھے؟ اگر ان پاک باز مجاہدین کے دلوں کی طرح ان کے کارنامے صاف ستھرے نہ ہوتے تو آج ہم اور ہمارے وطنی مصری بھائی سب کافر و فاسق اور گمراہ ہوتے۔ یہ سب ان عظیم اسلاف کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔"

روایات و شہادت عثمانی

کئی ایک سبائی اور نیم سبائی راویوں اور مورخوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت و احترام کے خلاف موضوعات کا ایک انبار مہیا کر دیا جس سے اتحاد امت کو سخت نقصان پہنچا اور ہمارے غیر محقق مصنفوں نے اس کو اپنی تصانیف کے ذریعہ پھیلایا۔ حضرت امیرالمومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف جو پروپیگنڈا کیا گیا اس کا نکاس عراق سے ہوا جس کا سلسلہ آپ کی شہادت کے بعد بھی قائم رکھا گیا۔ یہ صرف عراقی تھے جو الزام تراشیاں کرتے پھرتے تھے کہ قوم کی چراگاہیں ضبط کر لیں' عمارؓ کا پیٹ پھاڑ دیا ابن مسعودؓ کا سر پھوڑ دیا اور ابو ذرؓ کو شہر بدر کر دیا۔ لوگوں سے قرآن کے نسخے چھین چھین کر جلا دیئے وغیرہ وغیرہ۔ ان مفتریات و تلبیسات کی حیثیت نہ ہی ہے جو عراقیوں اور مصریوں کے اس پروپیگنڈے کی کہ بدر میں شریک نہیں ہوئے۔ احد میں بھاگ گئے اور بیعت رضوان کے وقت غائب تھے۔" ان تمام الزامات پر بحث موجب طوالت ہو گی۔

امام بخاریؒ الادب المفرد میں ایک روایت بیان فرماتے ہیں کہ ام کلثوم بنت ثمامہ نے فرمایا کہ میں حج کے لئے حاضر ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات ہوئی اور حضرت عثمان بن عفانؓ کے بارے میں دریافت کیا' فرمایا میں اس بات کی گواہی دیتی ہوں کہ میں نے اپنے گھر میں ایک سخت گرم رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور عثمان بن عفانؓ کو دیکھا کہ دونوں تشریف فرما تھے کہ آپ پر وحی کا نزول شروع ہوا اور آپ نے حضرت عثمان بن عفان سے انقطاع وحی کے بعد کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا عثم لکھو (محبت میں عثمان کی جگہ عثم فرمایا) تو جس کو اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یہ مرتبہ عطا فرمائے وہ وہی ہو سکتا ہے جو اس کے نزدیک بڑے اعزاز کا اہل ہو' لہٰذا جو شخص ابن عفان کو برا کہتا ہے فعلیہ لعنتہ اللہ یعنی اس پر اللہ کی طرف سے محرومی و دوری ہو۔ (الادب المفرد ص ۳۷۹)

غور کرنا چاہئے کہ اگر عثمان بن عفان صحابہ کرام میں محبوب ترین اور محترم ترین شخص نہ تھے تو کیا آپ کی شہادت پر ان حضرات کے یہی جذبات ہوتے کہ ہر طرف سے ایک ہی آاز اٹھتی تھی انتقام' انتقام' تمام عالم اسلام

میں ایک زلزلہ سا آگیا تھا حالانکہ اور بھی مقدس ہستیاں شہید ہوئیں' ان کے قتل پر ہم عصر امت میں کبھی ایسا ہنگامہ برپا نہ ہوا' حتیٰ کہ امت کو اس وقت تک چین نہیں آیا جب تک ان کے قاتلوں میں سے ایک ایک کو قتل نہ کر دیا گیا۔

مفسدین اور خلافت

اگر مفسدوں کے ساتھ ادنیٰ درجہ میں بھی صحابہ کرام کی ہمدردیاں ہوتیں تو حضرت علی کرم اللہ وجہ کو اپنی خلافت قائم کرنے میں کچھ بھی دقت نہ ہوتی۔ یہ صرف قاتلین عثمانؓ تھے جو خلافت مرتضویہ پر حاوی ہو گئے تھے۔ اس لئے امت نے آپ کی خلافت پر اتفاق نہیں کیا۔ تاآنکہ آپ مجبور ہو کر ثالثی پر رضا مند ہو گئے اور ثالثوں نے جو فیصلہ کیا وہ آپ کے خلاف تھا۔

امت ان سبائی ظالموں اور باغیوں سے اتنی بیزار تھی اور اہل بیت اطہار اتنے متنفر تھے کہ امیرالمومنین حسن رضی اللہ عنہ نے امت کی فلاح اسی میں دیکھی کہ ان سے چھٹکارا پائیں اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لیں کہ ان کی سرکوبی کی طاقت امیر معاویہ ہی میں تھی۔

اے کہ شناسی خفی را از جلی ہشیار باش
ای گرفتار ابو بکر و علی ہشیار باش
(اقبال)

امیرالمومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ' بے دردی سے شہید کر دیئے گئے۔ سازشیوں نے سوچی سمجھی اسکیم کے مطابق مدینہ میں خوف و ہراس کی فضا پیدا کی ہوئی تھی۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے آٹھ دس روز بعد تک ان باغیوں کا سردار غافقی مدینہ کا سردار بنا رہا۔ مگر ان لوگوں نے سوچا کہ ہم خلافت تو حاصل نہیں کر سکتے لا محالہ عامتہ المسلمین کسی صحابی ہی کو خلافت کے لئے تسلیم کریں گے انہوں نے اپنے طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجبور کیا کہ خلافت کے لئے اٹھیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہ غالباً" یہ سوچ کر کہیں یہ لوگ خود ہی کسی مفسد کو اپنا امیر بنا کر اس کی خلافت کا اعلان نہ کر دیں اور بزور شمشیر اقتدار پر قابض نہ ہو جائیں' اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اہل مدینہ سے بیعت طلب کی۔ قدرتی طور پر متعدد بڑے بڑے صحابہ نے بیعت سے انکار کیا اور حضرت علیؓ کو مشورہ دیا کہ بے شک آپ کی خلافت سے کسی مسلمان کو انکار نہ ہو گا۔ لیکن موجودہ صورت میں اقتدار ان باغیوں کے ہاتھ میں رہ جاتا ہے جو واجب القتل ہیں' اس لئے ہمیں پہلے مل کر ان کو کیفر کردار کو پہنچانا چاہئے' اگر آپ اس سے متفق ہوں تو ان کو اپنے سے علیحدہ کیجئے ہم آپ کے مطیع ہیں۔ حضرت علیؓ نے عذر فرمایا کہ فی الحال ان کو چھیڑنا مناسب نہیں' امن بحال ہونے پر دیکھا جائے گا اور دوسری طرف یہ خیال تھا کہ جب تک یہ مفسد زندہ ہیں' امن بحال ہونے کا

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ حضرت عثمانؓ کا قصاص لیا جانا ممکن ہے۔

حضرت علیؓ کے موقف سے صحابہ نے اختلاف کیا یہ کوئی معمولی اور غیر اہم شخصیتیں نہ تھیں۔ ان میں فاتح ایران سعد بن ابی وقاصؓ' حواری رسول زبیر بن العوامؓ' طلحہ بن عبداللہؓ' عبداللہ بن عمر فاروقؓ' عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ' اسامہ بن زیدؓ' بن حارثہ اور سب سے بڑھ کر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی عظیم ہستیاں تھیں' جو حضرت علیؓ کی بیعت سے علیحدہ رہیں۔

حضرت علیؓ دیکھ رہے تھے کہ ان بزرگوں کے تعاون کے بغیر خلافت کوئی معنی نہیں رکھتی۔ باغی سمجھ رہے تھے کہ اگر علیؓ ان کے ساتھ ہو گئے تو ہماری خیر نہیں۔ انہوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ وہ ان جلیل القدر بزرگوں سے جنگ کریں اور ملت کی بدقسمتی کہ جنگ ہوئی اور ملت کا اتحاد پارہ پارہ ہوا۔ یا تو حضرت عثمانؓ نے خون مسلم کا اتنا احترام کیا تھا کہ اپنی مقدس اور بیش قیمت جان دے دی مگر کسی کلمہ گو کا خون بہانا گوارا نہ کیا اور یا پھر انہیں کا خون اس قدر ارزاں ہوا کہ آج اس کے قصاص کا مطالبہ بھی جرم سمجھا جانے لگا کیا تاریخ میں اس مظلومی کی کہیں مثال ہے؟

اسلام کی تاریخ شہیدوں کے تذکرہ سے بھری پڑی ہے' لیکن کوئی ایسا شہید بھی ہے جو اپنے مقابل ہی نہیں بلکہ قاتلوں کو فنا کر دینے کی قوت رکھنے کے باوجود مقابلہ نہ کرے اور محض اس لئے چپ چاپ مظلوموں کی شہادت کو گوارا کرے کہ حملہ آور بظاہر اسلام کا اقرار کرتا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا اقرار کرنے والے کا خون حرام کر دیا ہے؟

یقیناً وہ لوگ حق پر تھے جنہوں نے اس مقدس خون کے قصاص کا مطالبہ کیا اور اس کے لئے لڑے اور جانیں دیں۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

عثمان تو وہ ہستی ہیں جن کے قتل کی محض افواہ سن کر صلح حدیبیہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ سے عثمانؓ کا بدلہ لینے کا عہد لیا اور اس بات پر بیعت کی کہ موت تک لڑیں گے۔ اس بیعت پر اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے سند خوشنودی عطا فرمائی۔

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ

ترجمہ = بے شک اللہ تعالیٰ مومنوں سے اس وقت نہایت خوش ہوا جب وہ اے نبی تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے۔

سلامت روی

دوسرا اہم نکتہ جو اس سلسلہ میں اس قدر مضبوط اصول ہے کہ اس کو دور اول سے اب تک تمام اکابر اسلاف

اپناتے چلے آئے' وہ یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں گفتگو ناجائز ہے۔ اگر کسی تاریخی روایت (خواہ وہ مورخ ثقہ ہی ہو) سے کسی صحابی کی تنقیص کا پہلو نکلے تو یا تو اس میں مناسب اور مہذب توجیہ کرے' ورنہ اس کو رد کر دے۔ ہمارا اعتقاد ہے اور ہونا چاہئے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے بالفرض اگر کوئی غلطی ہوئی بھی تو وہ مصداق تھے۔ **اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات** کے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ ان حضرات کو گذشتہ گناہوں کی جگہ نیکیاں ہی عطا فرمائے گا۔

یقین نہ آئے تو امام غزالی رحمہ اللہ کی کتاب احیاء العلوم میں باب افات اللسان کا مطالعہ کیجئے۔ اس میں زبان و قلم کے ان گناہوں کو بیان کیا گیا ہے جن کو لوگ گناہ بھی نہیں سمجھتے یعنی زبان کے بعض گناہ تو ایسے ہیں جن کو سب جانتے ہیں کہ یہ گناہ ہیں۔ مثلاً جھوٹ بولنا' غیبت کرنا' بہتان باندھنا' گالی دینا وغیرہ اور بعض گناہوں کا گناہ ہونا لوگوں کو معلوم نہیں جیسے بے تحقیق کسی بات کا نقل کرنا اور تاریخ کے رطب و یابس کو بے تحقیق نقل کرتے چلے جانا۔ تاریخ کی ہر قسم کی کچی پکی روایات کو آجکل مصنفین نقل کرنا کچھ گناہ ہی نہیں سمجھتے۔ بڑی احتیاط کی تو کہدیا' دروغ برگردن راوی' گویا اس کہنے سے وہ ہر قسم کی روایات کو نقل کرنے کا جوازی سرٹیفکیٹ حاصل کر لیتے ہیں' حالانکہ ہرگز بری نہیں ہو سکتے اگر یہ قاعدہ ہوتا کہ سارا گناہ راوی اول ہی کو ہو اور اس سے جو لوگ بعد میں نقل کریں وہ بری الذمہ ہوں تو واقعہ افک میں مسلمانوں کو کیوں عتاب ہوتا۔

اذ تلقونہ بالسنتکم وتقولون بافواھکم ما لیس لکم بہ علم اس آیت میں مسلمانوں کو خطاب ہے کہ تم زبان سے اس بہتان کا تذکرہ اور چرچا کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات نکالتے تھے جس کی تم کو تحقیق نہ تھی اس میں بتلا دیا کہ بے تحقیق باتوں کا نکالنا جرم ہے اور یہ بھی بتلا دیا کہ تحقیق بھی ہو جائے تو اس کا چرچا کرنا اور خواہ مخواہ پھیلانا دوسرا جرم ہے۔

پھر تحقیق کا طریقہ ہر کام کے لئے جدا ہے۔ بعض امور میں دو عادل گواہ ضروری ہیں' بعض میں چار۔ پھر ان گوہوں میں بھی مشاہدہ سے گواہی ضروری ہے۔ یہ نہیں کہ سب تمہاری طرح سنی سنائی کہتے ہوں۔

اس کے بعد ارشاد ہے **والذی تولی کبرہ منھم لہ عذاب عظیم** کہ جس شخص نے اس میں بڑا حصہ لیا ہے' یہ راوی اول ہے' مگر گناہگار راوی اول کو اور ناقلین سب کو قرار دیا گیا ہے۔

ولو لا اذ سمعتموہ..... قلتم ما یکون لنا ان نتکلم بھذا سبحنک ھذا بھتان عظیم

یہ کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس بات کو سنا تو کہتے کہ ہمیں اس میں کوئی لب کشائی نہیں کرنا چاہئے سبحان اللہ! یہ تو عظیم بہتان ہے۔

تاریخی روایات کا الا ماشاء اللہ اکثر یہی حال ہے۔ صرف قرآن کے مذکورہ اصول کی روشنی میں ہی نہیں بلکہ اگر آج کے موجودہ عدالتی نظام پر ان مورخوں اور ان کے راویوں کی جرح کی جائے تو ان کی بیشتر روایات ناقابل اعتبار

ٹھہریں گی۔

حضرات محدثین رحمہم اللہ مثلاً امام بخاری' امام مسلم' امام ترمذی وغیرہم کو کیا ان تاریخی روایات کا علم نہ تھا؟ ضرور تھا۔ اور ان مورخوں سے زیادہ بہتر علم تھا۔ مگر ان حضرات نے ان رطب و یابس روایات کو چھوا تک نہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ وہ غیر مستند تھیں۔ دوسری یہ کہ وہ امت کے لئے کوئی مفید سبق نہ تھا' لہذا ان کی تشہیر کی بجائے ان کا تذکرہ نہ کرنا ہی بہتر تھا۔ تیسری اور بڑی وجہ یہ کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم جو تمام قرآن و حدیث کے راوی ہیں' آئندہ نسلوں میں ان روایات کو پڑھ کر بدگمانی اور بدتہذیبی پر مبنی خیالات پھیلنے کا سخت خطرہ تھا' لہذا سخت گریز کیا گیا۔ چنانچہ صحاح ستہ میں اگر ملے گا تو یہی ملے گا فضائل ابی بکر۔ فضائل عمر۔ فضائل عثمان' فضائل علی' فضائل عشرہ مبشرہ' فضائل بدریین' فضائل مہاجرین و انصار' مناقب اہل بیت اور بالآخر فضائل جمیع صحابہ..... رضی اللہ عنہم

امام ترمذی ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا۔

اللهم اجعله هاديا مهديا واهدبه

اے اللہ معاویہ کو ہمارا راہنما اور ہدایت یافتہ کر اور اس سے ہدایت کا فائدہ عام کر

حدیث کی شرح میں علامہ طیبی نے کیا خوب فرمایا' یعنی **انه كامل ومكمل ولا ارتياب ان دعائه صلى الله عليه وسلم مستجاب فمن كان هذا حاله كيف يرتاب فى حقه** یعنی معلوم ہوا کہ معاویہؓ کامل و مکمل انسان تھے۔ اس میں شک نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مستجاب و مقبول تھی۔ لہذا جس کا یہ حال ہو اس کے حق میں کسی شک و بدگمانی کی کوئی گنجائش نہیں۔

ہم اس مضمون کو ترمذی کی ایک روایت نقل کرتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔

اذا رايتم الذين يسبون اصحابى فقولوا لعنة الله على شركم

جب تم لوگوں کو میرے صحابہ کی شان میں گستاخی کرتے ہوئے دیکھو تو کہدو' تمہارے اس شر پر خدا کی لعنت ہو۔

اللهم اهدنا الى سواء السبيل

(بشکریہ ماہنامہ دارالعلوم)

□□□

مکتبہ اسکندریہ اور فاتحین عرب

تالیف = پروفیسر علی عید

ترجمہ = (قاری) اظہار احمد تھانوی

فاتحین عرب نے اسکندریہ کی لائبریری کو نہیں جلایا' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے یورپ کو آفاقی علوم اور کائنات و زندگی کے حقائق سے آگاہ کیا۔ بعض غیر ذمہ دار اہل قلم جو علمی اور اخلاقی ضمیر سے خالی ہوئے ہیں دل کی چھپی ہوئی سیاہی کو بھونڈے انداز میں اوراق پر منتقل کرتے ہیں۔ مصنوعی پردوں اور دبیز چادروں کے پیچھے ان کی گھناؤنی تعبیریں ان کی بدنما پیشانیوں کا داغ بن کر ظاہر ہو جاتی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین کا ایک بڑا گروہ ہر دور میں ہوا ہے جو مسلمانوں کے خلاف طعن' تعصب اور جہالت کے الزامات صراحتہ" یا اشارۃ" لگاتا رہا ہے اسکندریہ کے کتبے کو عنوان بنا کر مسلمانوں کے ماضی پر تلواروں اور تیروں سے حملہ آور ہوئے ہیں اور اس طرح دور حاضرہ کے مسلمانوں کو زچ کرنے کی سعی کی ہے۔ اس عنوان کو مغربی مورخین نے ایک بڑی اہم تاریخی دستاویز کی صورت میں اپنی شاندار مورخانہ ریسرچ کا باب بنا کر پیش کیا ہے۔

اس کہانی کی ابتدا وہ ایک مورخ کی روایت سے کرتے ہیں جس کو "ابن القفطی" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ابن القفطی کی پیدائش ۵۶۵ھ اور وفات ۶۴۶ھ ہے وہ کہتا ہے۔

"ایک شخص جو اسکندریہ کا باشندہ تھا اور عربوں کے مصر میں داخلہ سے پہلے وہ اسکندریہ کے کنیسہ کا بطریرک (Patriarch) تھا۔ اس نے کنیسہ کی تعلیمات کے خلاف لب کشائی شروع کی' دراصل وہ فلسفہ کی کتابوں کا بڑا دلدادہ تھا اور ارسطو کے فلسفہ کا متوالا تھا' اس نے "تثلیث مقدس" کا انکار کیا اور عقیدہ توحید کو ایک حقیقت کے طور پر تسلیم کیا' اس کے اس عقیدے کا چرچا ہوا' اور کنیسہ کے زعماء و اکابر نے اس کو مباحثہ پر مجبور کیا' وہ مناقشہ و مباحثہ پوری طرح نہ کر سکا' بظاہر کنیسہ کے بڑے پادری اس پر غالب آگئے اور انہوں نے اس کو اس نئے عقیدہ سے رجوع کر لینے کی نصیحتیں کیں۔ لیکن اس نے ان کی نصیحتوں پر کوئی دھیان نہیں دیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کو کنیسہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا"

اس بطریک کا نام "یحیٰی نحوی" بتایا گیا ہے۔ یہ یحیٰی نحوی حضرت عمرو بن العاصؓ کے مصر اور اسکندریہ کی فتح تک زندہ رہا۔ فتح کے بعد وہ حضرت عمرو بن العاصؓ کی خدمت میں آیا۔ اس کی گفتگو سے حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کے علم و عقیدہ کا اندازہ لگایا اور عیسائیوں کے ساتھ جو کچھ اسے پیش آچکا تھا وہ اس نے تمام واقعہ عرض کیا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے اس کو عزت کا مستحق گردانا' اس سے تثلیث کے ابطال پر اس کی گفتگو سنی تو حضرت عمرو بن العاصؓ کو بے حد پسند آئی۔ مزید یہ کہ اس نے عالم کے حدوث و فنا پر ایسے دلچسپ انداز میں مدلل باتیں کہیں نہ صرف یہ بلکہ اس سے ایسی فلسفی الفاظ و مقدمات سننے میں آئے جو عربوں کے لئے نئی چیز تھی اور انہیں سن کر وہ حیرت زدہ رہ

گئے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ بہت زیرک تھے۔ علمی گفتگو بہت توجہ سے سنتے تھے' اسی لئے یحیٰ نحوی کو اپنا ندیم بنالیا اور کسی وقت اس کو اپنے سے علیحدہ نہ ہونے دیتے تھے۔
یحیٰ نے ایک روز ان سے کہا آپ اسکندریہ کے تمام نشیب و فراز سے واقف ہو چکے ہیں تمام وہ ذخائر جو اس میں موجود ہیں ان سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو چکے ہیں۔ میری گذارش یہ ہے کہ جو چیزیں آپ کی دلچسپی اور کام کی ہیں ان میں تو میں کوئی دخل نہیں دیتا لیکن جو چیزیں آپ کے لئے بیکار ہیں وہ آپ مجھے عطا فرما دیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا ایسی کیا چیزیں ہیں جن کی تمہیں ضرورت ہے۔ کہا کہ ملوکی خزائن میں حکمت کی جو کتابیں ہیں وہ میرے کام کی ہیں اور آپ حضرات کو ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا یہ کتابیں کس نے جمع کیں؟ اور ان کی حقیقت کیا ہے؟ یحیٰ نے کہا کہ "بطولو ماؤس" اسکندریہ کے بادشاہوں میں سے ہوا ہے جب اس نے اپنی حکومت کا آغاز کیا تو اس کو علم و علماء میں بہت دلچسپی ہوئی اور علمی کتابوں کی تلاش و جستجو کا حکم دیا۔ کتابوں کے تاجروں کو بڑی بڑی رقمیں دے دے کر دور دور سے کتب منگوائیں اور ایک شخص ابن مرہ کو اس کتب خانے کا منتظم مقرر کیا اس نے تھوڑی مدت کے بعد ایک ضخیم کتب خانہ ترتیب دے ڈالا جس میں پچاس ہزار ایک سو بیس کتابیں تھیں۔ بادشاہ کو جب اس کتب خانہ کا علم ہوا اور کتابوں کی تعداد معلوم ہوئی تو وہ ابن مرہ سے کہنے لگا "تمہاری کیا رائے ہے؟ کیا دنیا میں روئے زمین پر اور بھی کتابیں ہیں جو اس ہمارے ذخیرہ کتب میں نہیں؟ ابن مرہ نے کہا کہ دنیا کے ابھی بہت سے علاقے باقی ہیں مثلاً سندھ' ہند' فارس' جرجان' ارمان' بابل' موصل اور روم جہاں وافر علمی ذخائر موجود ہیں۔ بادشاہ یہ سن کر بہت حیران ہوا اور ابن مرہ سے کہا کچھ بھی ہو تمہارا کام جاری رہنا چاہئے اور کتابیں جہاں سے بھی میسر آئیں ان کو جمع کرو' ابن مرہ کتابیں جمع کرتا رہا یہاں تک کہ اس کی وفات ہو گئی یہ کتابیں برابر محفوظ اور شاہی نگرانی میں چلی آتی رہی ہیں۔
حضرت عمرو بن العاصؓ نے یہ باتیں تعجب سے سنیں اور کہا' میں اس کتب خانہ کے متعلق کوئی حکم دینے سے پہلے امیر المومنین عمر بن خطابؓ سے ضرور اجازت حاصل کروں گا۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت عمرؓ کو کتب خانہ کا حال لکھا اور یحیٰ سے سنے ہوئے تمام واقعہ کا تذکرہ کیا اور اجازت چاہی کہ مجھے اس کتب خانے کو کیا کرنا چاہئے؟ جواباً" حضرت عمرؓ کا خط آیا جس میں تحریر تھا۔
"جن کتابوں کا تم نے ذکر کیا ہے' وہ اگر کتاب اللہ کے موافق ہیں تو ہمیں کتاب اللہ کی موجودگی میں ان کی کیا ضرورت ہے؟ اور اگر کتاب اللہ کے خلاف ہیں تو ہمیں ان کی حاجت نہیں' ضائع کر دی جائیں"
حضرت عمرو بن العاصؓ نے حکم دیا کہ ان کتابوں کو اسکندریہ کے حماموں کو روشن رکھنے کے کام میں لایا جائے اور جلا کر ختم کر دیا جائے چنانچہ اسکندریہ کے حمام رات دن ان سے روشن رکھے گئے یہ آگ برابر جلتی رہی حتیٰ کہ چھ ماہ کی مدت میں یہ ذخیرہ ختم ہوا۔

یہ ہے وہ واقعہ اور عجیب کہانی جس کو مستشرقین نے رنگین افسانہ کی صورت دی ہے۔ مورخ مستشرق کتاب کے اس بیان پر اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہے۔

مکتبہ اسکندریہ کے جس واقعہ کو جمال الدین ابو الحسن القفطی (۱۱۷۲-۱۲۴۸ء) اپنی کتاب "اخبار العلماء باخبار الحکماء" میں ذکر کرتا ہے یہ کتاب تاریخی مراجع میں بڑی پرانی کتاب ہے جس نے مکتبہ اسکندریہ کا واقعہ اور اس کے جلائے جانے کی داستان لکھی ہے مگر اس کتاب نے عرب تاریخ نگاروں کو حیرت زدہ نہیں کیا بلکہ وہ حضرت عمرو بن العاصؓ کے حکم سے مکتبہ اسکندریہ کے جلائے جانے کے واقعے کا انکار کرتے رہتے ہیں' بلکہ مستشرقین اور استعمار کے علم برداروں کو گالیاں ہی دیتے رہتے ہیں' حالانکہ مستشرقین کا کوئی قصور نہیں انہوں نے قفطی وغیرہ قدیم عرب مورخین سے لے کر ہی اس کو تاریخ میں جگہ دی ہے۔

نیز مستشرق مذکور نے ایک سیاح "عبداللطیف بغدادی" (۱۱۶۰-۱۲۳۱ء) کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے بھی یہ واقعہ ذکر کیا ہے اور اس بغدادی سے لے کر ایک دوسرے مورخ ابو الفرج نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ بلکہ ان مذکورہ دونوں راویوں کے بیان پر اس واقعہ میں قدرے تفصیل سے کام لیا ہے پھر اس واقعہ کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ حکمت کے ان ذخیروں کو جلا ڈالا گیا اور آگے یہ مستشرق سوال کرتا ہے' کیوں ابو الفرج کو کذب بیانی سے متہم کیا جاتا ہے؟ حالانکہ واقعہ کا پہلا راوی (قفطی) مسلم ہے اور ان کلمات کے ذیل میں شرماتے ہوئے یہ بھی لکھتا ہے۔

ایک انگریز مورخ سر فریڈ بٹلر ہوا ہے جس کی مشہور کتاب "فتح العرب لمصر" ہے (جس کو لجنتہ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ نے ۱۹۱۴ء میں مطبعتہ دارالکتب المصریہ سے شائع کیا ہے اور جس کا ڈاکٹر محمد فرید ابو حدید نے عربی میں ترجمہ کیا ہے) اس نے فتوح مصر پر محققانہ کتاب ترتیب دی ہے اور اس کتب خانہ کے جلانے کو بے اصل افسانہ قرار دیا ہے اس کی تحقیق یہ ہے کہ مصر کے فتح کے وقت اسکندریہ میں کسی مکتبہ کا وجود نہ تھا۔ نیز اس نے کہا ہے کہ مسیحیوں نے اپنی تحریک ۳۹۱ء میں نیو فلیس کی قیادت میں سرابیوم (ایک مصری شہر) پر حملہ کیا' جو کہ سیرا بیس دیوتا کی عبادت کا گڑھ تھا۔ مسیحیوں نے اس کو توڑ پھوڑ کر برباد کیا اور بتوں کے پجاری وہاں سے جان بچا کر بھاگ گئے۔ آگے بٹلر کہتا ہے کہ احتجاج کرنے والے مسیحیوں کا یہ جلوس اس لائبریری پر بھی ٹوٹ پڑا اور اسے جلا کر راکھ کر دیا جو بہت پرانے نوادر پر مشتمل وہاں موجود تھی۔

میں اس فاضل مستشرق کو بتلانا چاہتا ہوں کہ تاریخ کا دامن اس موضوع کو اس بھونڈے اور تحقیق و انصاف سے خالی صورت میں پیش کرنے سے پاک ہے یہ جھوٹا الزام جب وجود میں آیا اس کی بنیاد قفطی (جمال الدین علی بن یوسف بن ابراہیم شیبانی) کی کتاب پر رکھی گئی۔ قفط مصر کی بستیوں میں ایک بستی کا نام ہے۔ قفطی اس بستی میں ۵۶۸ھ میں پیدا ہوا' دراصل یہاں اس کے آبا و اجداد اپنے سابقہ وطن کوفہ سے آکر آباد ہوئے تھے کچھ بھی ہو' قفطی نے اس واقعہ کو عبداللطیف بغدادی (۵۵۷ھ-۶۲۹ھ) سے نقل کیا ہو یا بغدادی نے اس کو قفطی سے نقل کیا۔ تذکرہ نگاروں

نے لکھا ہے کہ بغدادی نے مصر کی سیر ۵۹۵ھ میں کی۔ تیسرا شخص جو ان دونوں کے بعد آتا ہے وہ "ابو الفرج بن اہرون" ہے جو ابن العبری کی کنیت سے مشہور ہے۔ ابن العبری کہتا ہے کہ اس نے دجلہ و فرات کے درمیانی علاقوں میں جو بڑے بڑے اساقفہ اور راہب تھے ان میں سے ان کے سب سے بڑے اسقف کا انتخاب کیا اور اس نے مجھے مکتبہ اسکندریہ کا یہ واقعہ سنایا۔ یاد رہے کہ ابن العبری کی ولادت ۶۲۵ھ اور وفات ۶۸۵ھ مطابق ۱۲۸۶ء ہے اور اس نے حضرت عمرو بن العاصؓ کے مکتبہ اسکندریہ کے جلانے کا واقعہ ذکر کیا ہے۔

بہرحال اس واقعہ کا تذکرہ ان تین کے علاوہ کسی نے نہیں کیا۔ بنظر غور دیکھا جائے تو یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہ تینوں تاریخ نگار تقریباً ایک ہی دور کی پیداوار ہیں جو چھٹی صدی کا اواخر اور ساتویں صدی کا اوائل ہے اور یہ حقیقت ناظرین سے اوجھل نہ ہو کہ یہ دور عرب مشرق میں صلیبی جوش و غضب کا دور ہے۔ مسلمانوں کی آبادیوں پر صلیبی حملوں کا دور' چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ پہلا صلیبی حملہ ۴۸۹ھ میں' دوسرا ۵۳۹ھ میں' تیسرا ۵۵۷ھ میں اور چوتھا ۵۹۹ھ میں ہوا۔ یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ مسیحی عام شعور اسلام کے برخلاف سینوں میں دفن کینہ اور ناگواریوں سے عبارت تھا جو ان حملوں کے دوران معمولی بات ہے۔

بایں حالات تعجب انگیز بات نہیں کہ مکتبہ اسکندریہ کا یہ واقعہ ایک افسانوی داستان ہے اور اس دور میں اس قسم کے سینکڑوں واقعات پھیلائے گئے تاکہ مسلمانوں کی شاندار فتوحات کو اور مفتوحہ علاقوں میں ان کی اخلاق و دیانت کو بری شہرت میں تبدیل کیا جائے۔ مقصد یہ کہ مسلمان فاتحین میں تعصب تھا وہ سفاک تھے جاہل تھے علم اور اہل علم کے دشمن تھے۔ مکتبہ اسکندریہ کے اس واقعہ میں من گھڑت افسانوی نوعیت بڑی واضح نظر آرہی ہے اور ہمارے خیال میں اس میں زیادہ کدو کاوش کرنے کی ضرورت بھی نہیں۔ حیرانی البتہ ان لوگوں پر ضروری ہوتی ہے کہ ہم ان کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ اس قسم کے مغالطہ انگیز واقعہ میں الجھ جانے کی نسبت زیادہ بہتر فہم و ذہانت رکھتے تھے' حیرانی یہ کہ پڑھے لکھے لوگ اس کو پیش کریں اور ضرورت سے زیادہ اس کو اہمیت دیں۔

مثال کے طور پر اس واقعہ کو پانچ صدیوں کے طویل دور میں کہ مسلمان مصر میں داخل ہوئے انہوں نے اس کو فتح کیا اس واقعہ کو ایک مورخ بھی ذکر نہیں کرتا۔ یہاں تک پانچ صدیوں کے بعد یہ تین مورخ آتے ہیں اور دنیا کے سامنے ایک بالکل نیا انکشاف کرتے ہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کیا انہوں نے ارض مصر میں کوئی مصری انکشاف پایا جس کی وجہ سے مسلم قائد عمرو بن عاص پر یہ تہمت لگانے پر مجبور ہوئے یا کیا ان کے ہاتھ وہ خط لگ گیا جو کہا جاتا ہے کہ عمر بن خطابؓ نے عمرو بن العاصؓ کے پاس بھیجا اور اس میں مکتبہ کو جلا دینے کا حکم کیا۔

مزید حیرانی یہ کہ مکتبہ کو جلایا گیا اور اس جلانے میں چھ ماہ لگے جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ فاتحین بستیوں کو فتح کر کے آگ لگاتے ہیں تو وہ آگ ایک ماہ سے بھی کم مدت میں پوری بستی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ پھر یہ شخص جس کا نام "یحییٰ نحوی" لیا جا رہا ہے کون ہے؟ اسکندریہ کے کنیسہ کا بطریق ہے کنیسہ کی تعلیمات پر اس کی اٹھان ہوتی ہے'

اس نے توحید کو گلے لگا لیا ہے وہ عمرو بن عاص کو نصیحت کرتا ہے کہ مکتبہ پر توجہ دیجئے۔ اور یحیٰی کے ساتھ "نحوی" کا کیا مطلب ہے؟ علم نحو کی تو اس وقت ایجاد ہی نہ ہوئی تھی تو نحوی کہاں سے وجود میں آگئے تھے علم نحو کے سب سے پہلے امام ابو الاسود الدوَلی ہوئے ہیں خلافت علوی دور میں دنیا ان سے واقف ہوتی ہے کیا ابو الاسود الدوَلی نے مصر کا سفر کیا تھا۔ جن کے سامنے مسیحی نے زانوئے شاگردی طے کیا جس کی وجہ سے وہ "نحوی" بن گیا۔ صحیح تاریخ یہ ہے کہ عمرو بن عاص نے فتح مصر کے بعد بنیامین بطریق کو امن عطا کیا اور اس کو اس کی کرسی پر دوبارہ بحال فرمایا اور مقاریوس کے کنیسہ پر اسقف باسیلی کو بحال کیا اور تمام نصاریٰ کو اپنے شعائر ادا کرنے میں امن' اطمینان اور آزادی کا پروانہ عطا کیا۔

جریدہ "الاھالی" نے اپنے ایک مضمون میں اپنے ناظرین سے اپیل کی ہے کہ کوئی محقق کاش یحیٰی نحوی کی شخصیت کا سراغ لگائے' جس نے فلسفہ ارسطو کو گلے سے لگایا' عقیدہ توحید کو اختیار کیا اور عمرو بن عاص کے لئے مشیر بن گیا کیونکہ یہ روایت محض جھوٹ اور من گھڑت ہے۔

تاریخ فتح مصر کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسقف جس نے عقیدہ توحید کو اپنایا اور دعویٰ کیا کہ عیسیٰ علیہ السلام مخلوق اور عبداللہ تھے وہ آریوس ہے جس کو دنیائے مسیحت نے مرتد کہا اور اس کی تمام کتابوں کو جلا ڈالا گیا اور منصب سے معزول ہوا۔ لیکن یہ کب ہوا؟ اور کون یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ اس نے عمرو بن عاص تک رسائی حاصل کی اور کون جرات سے یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ عمرو بن عاص قبطیوں کے مذہبی اختلاف پر اپنی دیگر اہم مصروفیات کے ساتھ توجہ دے رہے تھے' یا یہ کہ وہ ضرورت محسوس کر رہے تھے کہ اس مکتبہ (بشرطیکہ وہ موجود بھی تھا) کو جلایا اور برباد کیا جائے اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس تمام واقعہ سے تاریخ کے مشہور و ممتاز مصنفین مثلاً یعقوبی' بلاذری' طبری' ابن عبدالحکم' مسعودی' کندی' یا مقریزی ابو المحاسن اور سیوطی کیسے غافل رہے' جنہوں نے ایک لفظ نہیں لکھا۔

مصری قدیم تاریخ بتلاتی ہے کہ یہ مکتبہ اسکندریہ جس کی بنیاد بطلیموس اول نے رکھی تھی۔ اس مکتبہ کا بڑا حصہ ہیکل سیرابیس میں تھا اور وہاں مصریوں کا قطعاً" کوئی دخل نہ تھا۔ خواہ وہ مسیحی ہوں یا بت پرست' اس کا تمام انتظام و انصرام آخر وقت تک رومیوں کے ہاتھ میں رہا۔ اس مکتبہ کو پہلی مرتبہ ۴۸ قبل از مسیح میں اس وقت حوادث کا شکار ہونا پڑا جب یولیو قیصر' قلوپطرہ کی مدد کے لئے آیا اور مصری جرنیل اشیلا نے قیصر یولیو کے جنگی بیڑہ کو آگ لگائی یہ آگ اس قدر پھیلی کہ شہر کے در و بام کے ساتھ مکتبہ بھی خاکستر ہو گیا مکتبہ کی کتابیں چادروں میں لفافے بنا کر لپیٹی ہوئی تھیں جن میں بہت آسانی سے آگ پھیلی' یہ تمام واقعہ مصر کی اسلامی فتح سے بہت پہلے قبل از مسیح کا ہے۔

دوسرا حادثہ تاریخ میں ۳۹۱ء کا ہے کہ مسیحیوں نے دیوتا سیرابیس کی عبادت گاہ پر زبردست یلغار کی' حتیٰ کہ اسے منہدم کیا اور مکتبہ کا جو کچھ باقی اثاثہ تھا اسے بھی جلا پھونک کر برابر کر دیا اور قدیم بت پرست مصری بھاگ کھڑے

ہوئے۔ تاریخ میں یہ دوسرا واقعہ ملتا ہے جو مسلمانوں کے مصر میں آنے سے پہلے کا ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ اس واقعہ کو لکھنے والے فکری گم گشتگی کا شکار ہوئے اور اس کو مسلمانوں کے سر تھوپ دیا' مستشرقین کی اتباع میں ان کو عقل اور علمی حیا کا کچھ بھی پاس نہ رہا اسی لئے محقق تاریخ نگاروں نے اس واقعہ کی عمرو بن عاص کی طرف نسبت کا قطعاً" انکار کیا۔ چنانچہ سر الفریڈ بٹلر' گبن' سیڈیو اور گستاف لبن وغیرہ اس نسبت کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔

ایک سیاح مورخ پانچویں صدی عیسوی کے اوائل میں مصر آیا ہے' اس کو اور ازیوس کہا جاتا ہے وہ کہتا ہے میں نے شہر اسکندریہ کی سیر کی اور مکتبہ کی الماریوں کو خالی پایا ان میں کوئی کتاب نہ تھی یہ شہادت واضح کرتی ہے کہ مصر پر عربوں کے قبضہ سے پہلے یہ مکتبہ کتابوں کے ذخیرہ سے خالی پڑا ہوا تھا۔ تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہو گا کہ کتابوں کا جو ذخیرہ بطلموسیوں کے عہد سے اس لائبریری میں تھا وہ مسلمانوں کی مصری آمد سے پہلے مفقود ہو چکا تھا۔

مستشرقین یہ کیوں بھول گئے کہ تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ فتح مصر کے وقت عمرو بن عاصؓ نے رومیوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے فرمایا کہ اسکندریہ سے چلے جائیں اور جو کچھ بھی وہ چاہیں اپنے ہمراہ اموال و اثاثہ اٹھا کر لے جائیں۔ اس اعلان و اجازت کے بعد مکتبہ میں جو بھی کچھ کتابوں کے بنڈل تھے کس نے ان رومیوں کو یہ بنڈل اٹھا کر ہمراہ لے جانے سے منع کیا تھا' کتابوں کے قیمتی اثاثہ ہونے کا یہ پہلو تقاضا کرتا ہے کہ یہ تمام کتب اٹھا کر رومی قسطنطنیہ روانہ ہو گئے ہوتے۔ پھر نام نہاد یحیٰی نحوی کی داستان وجود میں آنے کا کیا مطلب؟

عقلمندوں کے لئے یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ اسکندریہ کی اس لائبریری میں جو بھی ذخیرہ کتب تھا نہ وہ مسلمانوں کے لئے کسی فکری مرعوبیت کا ساماں تھا اور نہ وہ فتح مصر کے وقت اس مسئلہ کی احساسیت کا شکار تھا۔ وہ کوئی چنگیز و ہلاکو نہ تھے کہ علم اور مدارس کے دشمن ہوں یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے مابعد تاریخی ادوار میں کائنات اور حیات کے حقائق کو یورپ منتقل کیا ادیان سماوی اور آفاقی علوم سے عقل و نقل کے حوالوں سمیت دنیا کے تاریک ذہنوں کو روشنی بخشی۔

بہرحال مسلم امہ کے لئے یہی بہتر ہے کہ وہ اس متعصبانہ علمی روش سے بلند سطح ہو کر فکری استقامت اختیار کرلے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج بھی حمیت جاہلیہ کی پھسلن سے ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ **واللہ سبحانہ وتعالیٰ من وراء القصد وہو حسبنا ونعم الوکیل** (بشکریہ ماہنامہ "دارالعلوم" دیوبند)

□□□

انا سمعنا قرانا عجبا

دارالعلوم اور تجوید و قرآءت

اظہار احمد تھانوی

علوم تجوید و قرآءت' قرآن مجید کے لب و لہجہ اور طرز ادا کی حفاظت کرنے والے علوم ہیں' فتوحات اسلامی کا دائرہ وسیع ہوا اور عرب و عجم کا اختلاط ہوا تو عربیت کے خالص اور صاف ستھرے لب و لہجہ میں متنوع اور گوناگوں نقائص پیدا ہونے لگے' لغت عرب کے ماہرین مثلاً ابو الاسود دوٴلی خلیل بن احمد فراہیدی' سیبویہ' اخفش' فراء اور جرمی وغیرہم نے محسوس کیا کہ صرف نحو' لغت عربی حرفوں کے مخارج' صفات لازمہ' صفات عارضہ اور ادغام و اظہار وغیرہ پر ایسی مکمل اور جامع تشریح اور اصول و ضوابط کی بنیاد رکھی جائے کہ عجم کے اختلاط سے عرب کے فصاحت و طرز ادا کسی حالت میں بھی مجروح نہ ہو' چنانچہ مذکورہ عنوانات پر مبسوط کتابیں تحریر ہوئیں اور انہیں مبارک مساعی کا نتیجہ ہے کہ آج فن ادا متفق علیہ اصولوں سے عبارت ہے اور اداء قرآن میں صحیح اور غلط لب و لہجہ کے امتیاز میں کوئی مشکل راہ حائل نہیں۔

تجوید "جود" سے ہے یعنی عمدہ ادائیگی' متقدمین کے یہاں تجوید کے علم پر علیحدہ تصانیف کا رواج نہ تھا بلکہ تجوید علم الصرف کا ایک نہایت ضروری باب تھا جس کے بغیر علم الصرف ہرگز مکمل نہ تھا۔ متاخرین نے البتہ اس فن پر مستقل قدم اٹھائے اور مبسوط کتابیں لکھیں' چنانچہ الرعایہ محمد بن المکی کی تالیف اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے جو چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی۔

علم قرآءت الفاظ وحی کے اس اختلافی طرز ادا کو کہتے ہیں' جو کلمات قرآنیہ میں منجانب اللہ سات قراتوں کی حد تک اختلاف طرز تکلم نازل فرمایا گیا۔ یہ ایک جداگانہ فن ہے' قرآءت کے ائمہ مشہور ہیں اور اس فن پر ہر دور میں مبسوط اور مختصر کتابوں کے انبار تصنیف ہوئے ہیں' اس فن کے محقق اور دور آخر کے مسلمہ منتہائے فن علامہ محمد بن محمد جزریؒ (م ۸۳۳ھ) ہوئے۔ یہ ہے علم تجوید اور علم قرآءت کی مختصر تاریخی حیثیت' جس سے ان کو درسیات کے ایک اہم شعبے کی حیثیت سے سمجھنے میں مدد ملے گی۔

دارالعلوم دیو بند تمام علوم اسلامی کی مرکزی درسگاہ کی حیثیت میں قائم ہوا' تجوید و قرآءت کے پہلے استاد حضرت قاری عبدالوحید رحمہ اللہ ہوئے حضرت قاری محمد طیب مدظلہم اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا قاری محمد طاہر مرحوم حضرت قاری صاحب ہی کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔

حضرت قاری عبدالوحید صاحبؒ تجوید و قرآءت کے ممتاز و ماہر شیخ القرآءت تھے حسب دستور دارالعلوم کے طلبہ کو علماً" اور عملاً ایک ماہر استاد فن کے رنگ میں باکمال بناتے تھے ان کی تصانیف میں ہدیۃ الوحید تجوید کے فن

کی مبسوط مکمل اور جامع کتاب شمار کی جاتی ہے بعد کے مختلف رسائل تجوید جو برصغیر میں تصنیف ہوئے۔ کم و بیش سب میں مسائل کی صوت وثوق کے لئے سنداً ہدیتہ الوحید کا نام ملتا ہے' برصغیر کے استاذ الکل حضرت حافظ قاری مقری عبدالرحمٰن صاحب مکی ثم الہ آبادی فن قرآءت کے بڑے مستند شیوخ میں سے ہوئے ہیں جن کی تدریس و تعلیم میں بڑی برکت ہوئی ہندو پاکستان کے مشہور اساتذہ قریباً سبھی ان کے تلامذہ ہوئے ہیں' حضرت قاری عبدالوحید صاحبؒ بھی ان ممتاز ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے قاری عبدالرحمٰن موصوف سے استفادہ کیا۔ یہ درسگاہ الہ آباد میں تھی' حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحبؒ الہ آبادی مکہ سے واپس ہندوستان تشریف لائے اور مسند تدریس سنبھالی' الہ آباد میں احیاء العلوم کے نام سے یہ درسگاہ تھی' منجانب اللہ ہی کہا جائے تو بہتر ہے کہ اس شان کی رونق کسی مسند کو تدریس و قرآءت کے سلسلہ میں پورے ہندوستان میں حاصل نہ تھی جو احیاء العلوم کی اس مسند کو تھی بڑے ماہر قراء و اساتذہ کا سلسلہ حضرت قاری عبدالرحمٰن تک ہی پہنچتا ہے' بہرحال قاری عبدالوحید صاحب استاد شعبہ تجوید و قرآءت دارالعلوم دیوبند ان مایہ ناز فاضلین میں سے تھے جو احیاء العلوم الہ آباد کے اولین و سابقین میں ہوئے۔ دارالعلوم دیوبند کی عظیم درسگاہ کے لئے ایک ایسے ہی ماہر و جامع فن استاد کی ضرورت تھی' مہارت ادا کا یہ عالم تھا کہ قاری عبدالوحید صاحب کی تلاوت تمام علماء و شیوخ سن کر ایک چاشنی اور حلاوت محسوس کرتے' قاری صاحب مرحوم سے استفادہ کرنے والے سینکڑوں جید علماء و حفاظ ہوئے بس یوں سمجھ لیجئے کہ حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری کے اکثر تلامذہ کو حضرت قاری صاحب سے استفادہ کا فخر حاصل ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ کی تفصیل اسی نمبر میں ضرور آپ کو کسی مضمون میں ملے گی۔

دوسرے بزرگ استاد تجوید و قرآءت جو حضرت قاری عبدالوحید صاحب کے بعد دارالعلوم کے شعبہ تجوید و قرآءت کی مسند صدارت پر فائز ہوئے حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تھے' راقم الحروف نے ان کی تلاوت خوب سنی ہے نہایت عمدہ پڑھتے تھے ادا بہت عمدہ تھی لہجوں پر خوب عبور تھا اور مزید عطیہ قدرت آواز بہت پرکشش تھی۔ حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب کافی لمبی مدت دارالعلوم سے وابستہ رہے اور ان سے ہزاروں تلامذہ نے مکمل یا جزوی طور پر استفادہ کیا تاآنکہ دارالعلوم سے وابستگی کے دور ہی میں انتقال فرمایا رحمہ اللہ' مرحوم بھی حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب الہ آبادی کے مستفیدین میں سے تھے فن کی تحصیل و تکمیل الہ آباد ہی میں فرمائی حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب شاہی مزاج کے آدمی تھے جب طبیعت حاضر ہوتی پڑھاتے جب نہ ہوتی گھر پر ہی فروکش رہ کر اپنے مطالعہ میں مشغول رہتے ان کے یہاں استفادہ کرنے والے بڑے آہنی عزم و استقلال کے مالک ہونے ضروری تھے' جو برسوں ان کے در استفادہ سے وابستہ پڑے رہتے۔

ہر کہ خواہد گو بیاؤ ہر کہ خواہد گو برو

طالب علم واقعی طالب علم ہوتے تھے' اسباق نہ ہونے پر کسی کے ماتھے پر شکن نہ پڑتی تھی' صبر و رضا کے پیکر تھے مگر

برسہا برس پڑے رہنے میں ان کی بڑی برکت ہوئی جو بھی مستفید ہو کر نکلا اپنے وقت کا شیخ ہوا۔

ہمارے شیخ حضرت قاری عبدالمالک صاحب قدس سرہ حضرت عبدالرحمٰن صاحب کے بڑے بھائی حضرت قاری عبداللہ صاحب مہاجر مکہ کے روایت حفص میں شاگرد تھے آٹھ سال مدرسہ صولتیہ مکہ میں حضرت استاد کے پاس حاضر رہے' یہ اور ان کے برادر بزرگ حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ خطیب جامع مسجد سہارنپور نے ایسی اعلیٰ تکمیل حاصل کی کہ جید اور ماہر استاد بن کر نکلے' یہ دونوں بھائی روایت حفص آٹھ سال میں مکمل فرما کر مراجعت فرمائے ہندوستان ہوئے۔ دارالعلوم دیو بند کا جلسہ تقسیم اسناد تھا اور بڑے وسیع انتظامات کے تحت ہوا تھا دور دور سے علماء اور عامتہ المسلمین شریک ہوئے حتیٰ کہ تمام شہر دیو بند میں جگہ نہ رہی جلسہ میں تقاریر سے پہلے تلاوت کا پروگرام تھا' حضرت قاری عبدالمالک صاحب اور حضرت قاری عبدالخالق صاحب دونوں کو جلسہ میں تلاوت کے لئے مدعو کیا گیا تھا دونوں بھائی عربی جبہ و عقال میں وارد جلسہ ہوئے اور عربی لب و لہجہ میں ایسی نفاست سے تلاوت کی کہ تمام حاضرین جلسہ محو ہو گئے۔ تمام حاضر علماء کرام نے اٹھ اٹھ کر سینہ سے لگایا' بہرحال ان دونوں بھائیوں کا ارادہ ہوا کہ الہ آباد حاضر ہو کر سبعہ و عشرہ قرآءت کی تکمیل کی جائے' فن میں مناسبت تو پہلے ہی تھی مختصر مدت میں ہی الہ آباد میں تکمیل ہو گئی حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت قاری عبدالمالک صاحب کو فرمایا کہ میرے یہاں یہ جس قدر طلباء موجود ہیں ان سب کو تم ہی مشق کراؤ' اس وقت کے طلباء میں حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ وغیرہ بہت سے اصحاب تھے۔

اس طرح یہ تمام حضرات حضرت قاری عبدالمالکؒ کے شاگرد ہو گئے اس تعلق سے حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب حضرت قاری عبدالمالکؒ کا مثل استاد بے حد احترام فرماتے' لکھنؤ سے دیو بند کسی سفر میں راستہ میں پڑتا تو باصرار حضرت قاری صاحب کو اتار کر دارالعلوم لے جاتے' دارالحدیث میں رات کو مجلس قرآءت ہوتی' سننے والے محظوظ ہوتے' حضرت قاری حفظ الرحمٰن بڑے متواضع اور مسکین بزرگ تھے' اپنے شاگردوں کی موجودگی میں حضرت قاری صاحبؒ کے پاؤں دباتے اور مثل ادنیٰ شاگرد کے خدمت کرتے۔

حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ سے بیعت ہو جانے کے بعد تو حضرت قاری حفظ الرحمٰن کی حالت استغناء باطنی کی طرف بے حد مبذول ہو چکی تھی تقسیم ہند کے بعد مولانا ابو الکلام آزاد نے کسی موقع پر قاری صاحب کی پر حلاوت تلاوت سنی تو بے حد محظوظ ہوئے مولانا ہندوستان کے مرکزی وزیر تعلیم تھے پیشکش کی کہ آل انڈیا ریڈیو سے تلاوت نشر ہوا کرے گی سات سو روپیہ ماہانہ حکومت کی طرف سے پیش خدمت ہو گا' قبول فرمائیے' قاری صاحب نے معذرت کرلی' میں طالب علم ہوں درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھنے پڑھانے ہی میں زندگی گزارنی ہے' یہاں سے نہیں اٹھ سکتا۔

تھانہ بھون میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے مخلص خدام میں ایک بزرگ قاری شاہ محمد صاحب ہوا کرتے تھے

حضرت علیہ الرحمہ کے سر میں تیل کی مالش کی خدمت انہیں کے سپرد تھی' نیک' پارسا بزرگ تھے' خانقاہ کی مسجد میں نماز بھی پڑھایا کرتے تھے' آواز بڑی پر کشش تھی' راقم الحروف اتفاقیہ دیو بند حاضر ہوا' حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی تعارف کے بعد فرمایا کہ خانقاہ اشرفیہ میں قاری شاہ محمد صاحب کو سلام عرض کرنا' میں نے عرض کیا حضرت! یہ قاری شاہ محمد صاحب کہاں سے پڑھے ہوئے ہیں فرمایا ہمارے ساتھی ہیں' الہ آباد میں حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی سے پڑھا ہے' میں نے عرض کی حضرت یہ مکمل قاری ہیں' فرمایا مکمل قاری کسے کہتے ہیں؟ بھائی مکمل قاری وہی ہے جو قرآن شریف اول سے آخر تک عمدہ پڑھ سکے' یہ کمال ان کو حاصل ہے' اور کیوں نہ حاصل ہو' معلوم بھی ہے حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی کی درسگاہ بڑی پر برکات درسگاہ تھی' اس درسگاہ سے تعلق رکھنے والے سبھی قاری تھے حتیٰ کہ دھوبی' نائی' ماشکی بھی قاری تھے' وہ بھی قرآن شریف پڑھنے کی مشق کرتے تھے' اس سے مجھے احساس ہوا کہ بابرکات ہستیاں کیسی ہوتی ہیں' آج ہم پڑھاتے ہیں مگر قاری نہیں بنا سکتے ایک وہ تھے کہ جو طالب علم نہیں تھے انہیں بھی قاری بنا چھوڑا تھا' **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء**

متحدہ ہندوستان میں تجوید و قرآءت کی ۳ درسگاہیں تھیں' ایک دارالعلوم دیو بند' دوسرے مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تیسرے پانی پت اول الذکر یعنی دارالعلوم دیو بند کو یہ امتیازی حیثیت حاصل رہی کہ وہاں تجوید و قرآءت کے فنون سے علماء کو مزین کیا گیا' علوم عربیہ سے منسلک ہر قسم کے طلباء عربیہ کے لئے تجوید کے شعبہ میں استفادہ لازم رہا کیونکہ دارالعلوم میں ہمیشہ تجوید میں استفادہ لازم رہا ہے' چنانچہ قاری عبدالوحید صاحب رحمہ اللہ سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم اور ان کے ہم عصر چوٹی کے علمائے تجوید نے استفادہ کیا اور حضرت قاری عبدالوحید صاحب مرحوم کے بعد قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سے استفادہ کرنے والوں میں حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی مدظلہ' جناب قاری عبدالعزیز شوقی انبالوی رحمہ اللہ اور قاری زاہر قاسمی و دیگر ہم عصروں کے نام آتے ہیں' حضرت قاری عبدالخالق صاحب "ممتحن ہوتے تھے۔

پانی پت میں تجوید و قرآءت پر علمی و تصنیفی کام زبردست ہوا بڑی مایہ ناز کتابیں تصنیف ہوئیں' حضرت مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب محدث پانی پتی فن قرآءت کے امام تھے انہوں نے تجوید پر بھی بے نظیر رسائل لکھے قاری عبدالسلام صاحب پانی پتی کی سبعہ قرآءت پر کتاب بے نظیر ہے' کاش قراء پانی پت اس کو پاکستان میں شائع کر کے شائقین فن پر احسان فرمائیں دور حاضرہ میں حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب مدظلہم قراء پانی پت کے تاج فخر ہیں فن پر بہترین کتابوں کے مولف و شارح ہیں۔ ان کے شاگرد جناب قاری رحیم بخش مدظلہ' استاد مدرسہ خیر المدارس کا وجود بھی دنیا تجوید و قرآءت میں بسا غنیمت ہے موصوف نے بڑا زبردست علمی کام کیا ہے۔ اپنے استاد صاحب مدظلہم کی طرح اردو کے دامن کو علوم تجوید و قرآءت سے خوب بھاری بھر کم کر دیا ہے۔ پانی پت میں اس تمام کام پر مستزاد وہاں حفظ کلام اللہ کا چرچا تھا' نہایت جید اور عمدہ حفاظ کی محلہ محلہ موج ظفر موج ہوتی تھی رمضان شریف

میں ہر مسجد پانی پت میں پڑھنے والے حافظوں سے پررونق ہوتی خصوصاً" اخیر عشرہ میں تو تمام راتیں تلاوتوں سے زندہ رہتی تھیں' حفظ قرآن مجید کا شغل جوانوں سے لے کر عورتوں میں بھی بے حد تھا' شرفاء کے گھرانوں میں بچیوں کو حفظ کرانے کا رواج بڑے زور و شور سے تھا چار آبادیوں کی مستورات میں مسلم گھرانوں کی دینداری قابل رشک تھی' کاندھلہ' تھانہ بھون' دیو بند اور پانی پت' پانی پت میں حافظ عورتوں کی وجہ سے اس کا پلہ بھاری تھا' کاندھلہ میں دینیات اور عربی کی عالم زیادہ تھیں۔

مدرسہ عالیہ فرقانیہ لکھنؤ تجوید و قرآءت کا برصغیر میں بے مثال ادارہ تھا' اس ادارہ کو ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے عروج و ترقی سے مالا مال کیا تھا۔ اس ادارہ کے بانی حضرت مولانا عین القضاۃ صاحب مجددی قادری محشّی میبندی تھے جو اپنے وقت کے مرتاض قائم الیل' صائم النہار عابد و زاہد بزرگ تھے' اپنی ذات کے لئے حضرت مرحوم نے کبھی کچھ نہیں کیا غیر متاہل زندگی گزاری' موٹے گاڑھے کے کپڑے زیب تن فرماتے' اکثر اوقات تنہائی و عبادت میں گزارتے' بڑے بڑے روسا اور متمول لوگ گھنٹوں دروازے پر ملاقات کی اجازت کے منتظر رہتے' مدرسہ عالیہ فرقانیہ بہت بڑا ادارہ تھا سینکڑوں طلباء اور درجنوں اساتذہ تھے اس تمام خرچ کے واحد کفیل حضرت مولانا عین القضاۃ ہی تھے' ادارہ کا نہ کوئی باقاعدہ چندہ تھا' نہ سفیر نہ اپیل نہ کسی امیر کی داد و دہش پر نظر' یہ راز ہمیشہ ہی رہا کہ حضرت موصوفؒ کے پاس اتنے بڑے ادارے کے اخراجات کدھر سے آرہے ہیں۔

ادارہ میں دیگر علوم مروجہ کے علاوہ بڑا اور بنیادی کام تجوید و قرآءت کی تعلیم تھی' چوٹی کے ماہر اساتذہ تدریس کا کام انجام دے رہے تھے حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ نے کم و بیش پچیس سال پڑھایا جو اپنے وقت کے امام تھے' فن ادا' فن قرآءت کے ساتھ ان کو عربی لہجوں میں ٹکسالی مہارت حاصل تھی۔ موصوف کے علاوہ مولانا قاری نذر محمد صاحب' قاری محمد صدیق صاحب اور قاری عبدالمعبود صاحب' قاری ضیاء الدین صاحب سب کے سب یگانہ روزگار تھے' یہ سب ہستیاں دار رحمت کی طرف منتقل ہو چکی ہیں' اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے۔

فرقانیہ لکھنؤ میں خوش گلو حدر و ترتیل میں بے تکان خوبصورت آوازوں سے پڑھنے والے جس کثرت سے پیدا ہوئے پورے متحدہ ہندوستان کے لئے تاریخ میں سرمایہ فخر ہیں۔ نوجوان قاریوں کے ہجوم تھے' ایک سے ایک بڑھ کر عمدہ پڑھنے والا' پڑھتے تو بارش نور برستی' سننے والوں کے ٹھٹ لگ جاتے ہر سال بہت بڑی تعداد فارغین و کاملین کی ہوتی۔ حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ ممتحن ہوتے تھے۔

بہرحال دارالعلوم دیو بند اگر علوم دینیہ کی یونیورسٹی تھی تو فرقانیہ لکھنؤ اور مدارس پانی پت اس کے ساتھ ملحقہ کالج تھے۔ یہ سب علماء دیو بند ہی کی سرپرستیاں تھیں کہ جہاں عربی ادب فقہ حدیث اور تفسیر کی پورے برصغیر میں چہل پہل تھی' حفظ تجوید اور قرآءت کی بھی زبردست گرم بازاری ہوئی۔

استاذنا حضرت قاری عبدالمالک صاحب نور اللہ مرقدہ علماء و قراء کے مخدوم و محترم تھے' حضرت مولانا تھانوی

کے تجوید میں استاذ بھائی بھی تھے یعنی دونوں نے مکہ میں حضرت استاد القراء قاری عبداللہ مہاجر مکہ سے روایت حفص کی تکمیل کی۔ حضرت تھانویؒ کا رسالہ جمال القرآن منجانب اللہ مقبول خلائق ہوا اس وقت پورے برصغیر کے مدارس تجوید میں یہ رسالہ شریفہ داخل نصاب ہے اسی طرح فوائد مکیہ تصنیف حضرت قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی جو نصاب تجوید میں داخل ہے کا حاشیہ تعلیقات مالکیہ از حضرت قاری عبدالمالک صاحب رحمہ اللہ کو بے نظیر حاشیہ مانا گیا ہے۔ استادنا حضرت قاری صاحب بزرگان دین کا ہمیشہ بے حد احترام فرماتے اور ان کی دعاؤں کو مغتنم جانتے۔ لاہور میں تشریف آوری ہوئی تو حضرت مولانا احمد علی صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت قاری صاحب کا یہاں تشریف لانا مسلمانان پاکستان کے لئے عموماً" اور مسلمانان لاہور کے لئے خصوصاً" خداوند تعالیٰ کی خاص رحمت ہے' واقعی حضرت کا وجود رحمت ثابت ہوا۔ آج پاکستان میں جو جا بجا پڑھنے پڑھانے کے مرکز نظر آرہے ہیں ان میں حضرتؒ کا ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض کام کر رہا ہے ورنہ اس سے قبل قاری خال خال ہی ہوتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند سے منسلک ان قراء کرام کے حالات و کارناموں کے لئے ایک دفتر چاہئے' تصنیفی میدان میں ان حضرات نے وہ کام کیا کہ شاید دنیا میں کسی ملک میں اتنا عظیم الشان کام نہ ہوا ہو' جمال القرآن' تجوید القرآن یادگار حق القرآن تنشیط الطبع فی اجراء السبع' وجوہ الشانی فی القراء ات السبع' لمولانا التھانویؒ' فوائد مکیہ' شرح عقیلہ رسم عثمانی میں از قاری عبدالرحمٰن صاحب مکی ہدیۃ الوحید از قاری عبدالوحید صاحب حاشیہ بر فوائد مکیہ' حاشیہ بر شاطبیہ از حضرت قاری عبدالمالکؒ صاحب' حاشیہ برجمال القرآن و حاشیہ بر فوائد مکیہ از حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب' حاشیہ برفوائد مکیہ از قاری محب الدین الہ آبادی' حاشیہ بر فوائد مکیہ از حضرت قاری محمد سعید مفتی مظاہر علوم سہارنپور' حاشیہ بر فوائد مکیہ' شرح جزری' معلم التجوید' زینت القرآن اور تشریح حرف ضاد' از قاری محمد شریف صاحب مدظلہ' معارف التجوید از قاری حبیب اللہ صاحب کراچی' تیسیر التجوید از حضرت قاری عبدالخالق صاحب سہارنپوری' تنزیل الطبع فی اجراء السبع از قاری تاج محمد صاحب عبدالحکیم ضلع ملتان تسہیل البیان فی رسم القرآن' از قاری نذر محمد صاحب لکھنوی' ضوابط نبلاء التجوید از قاری عبدالمعبود صاحب لکھنو' شرح شاطبیہ از قاری محمد سلیمان صاحب مظاہر علوم سہارنپور' شرح شاطبیہ و شرح جزریہ و حواشی بر کتب از راقم الحروف شرح ضغیم۔ شرح شاطبیہ ضغیم' شرح رائیہ' شرح جزریہ' شرح ناظمۃ الزہر مولانا قاری فتح محمد صاحب مدظلہم' شرح جزریہ ترجمہ تیسیر للعلامۃ الدانی' ترجمہ وجوہ المسفرہ' رسالہ الرسم العثمانی مختلف کتب برروایات و قرآءت از قاری رحیم بخش صاحب پانی پتی وغیرہ وغیرہ تصنیف کی دنیا پر یہ صرف ایک طائرانہ نظر ہے۔ تفصیلی تذکرہ کی اس محدود سے مضمون میں گنجائش نہیں' التماس ہے کہ ناظرین ان اکابر کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔

□□□

آہ! قاری فضل کریم صاحبؒ

حضرت مولانا قاری اظہار احمد صاحب تھانویؒ
صدر شعبہ تجوید و قرات مدرسہ تجوید القرآن موتی بازار' لاہور

دنیا میں انسانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ ہمیشہ سے جاری ہے اور تاقیامت جاری رہے گا۔ کیسی کیسی قیمتی شخصیتیں کارگاہ دہر میں اپنی گہری روشیں بنا کر جا چکی ہیں' آنے والے دیکھیں' روئیں' اپنی بے عمل زندگی پر شرمسار ہوں' مرنے والوں سے زیادہ خود اپنے اوپر ماتم کرنے کو جی چاہے۔

ایسی ہی منفرد اوصاف کی شخصیت قاری فضل کریم صاحب' وہ قرآن کے خادم تھے۔ قوم کے بچوں کو حافظ قرآن بنانے کے لئے دل میں بے انتہا تڑپ رکھتے تھے۔ حفظ قرآن کی دولت سے انہوں نے سینکڑوں بچوں کے سینوں کو منور کر دیا۔ طالب علم کی نفسیات سے وہ ایک ماہر امراض طبیب کی طرح خوب واقف تھے' کسی سے نرمی اور کسی سے گرمی' کسی پر پیار اور کسی پر عتاب' مگر مقصد تمام پہلوؤں کا واحد' کہ اس کی چھاتی قرآن کا خزانہ بن جائے۔

کسی کی منزل رات کو سننے کا وقت مقرر ہو چکا ہے تو کسی کو صبح ٹھیک وقت پر پہنچنے کا حکم ہو رہا ہے۔ یہ فلاں فلاں لڑکے اخیر حصہ شب میں اذان فجر سے پہلے اپنی منزل و سبق سنائیں گے۔ پھر یہ معمول ہفتوں یا مہینوں نہیں بلکہ سالہا سال چلیں گے' ذرا قریب سے قاری صاحب کے شاگردوں کا قرآن تو سنئے۔ سبحان اللہ! بچوں کی خوبصورت ادا' عمدہ تلفظ اور سریلی آواز ہے' جی چاہتا ہے کہ بس بیٹھے ہوئے سنتے ہی رہیں۔

استاد و طلبہ سحر خیز ہیں۔ آدھی رات سے ہی اٹھ بیٹھتے ہیں' تہجد گزاری ہو رہی ہے۔ نوافل کی ادائیگی سے فراغت کے بعد منزل و سبق کا کام شروع ہے' اللہ اللہ' نور برس رہا ہے۔

تعلیم کے یہ معمولات ہوں' لوگوں کی داد و ستائش سے بے نیاز اور قطعاً" بے پرواہ ہو کر خلوص کے جذبہ سے خدمت قرآن ہو۔ تو برکات و رحمتوں کا نزول کیوں نہ ہو؟

اب تعلیمی معیار کی سربلندی کے بڑے بڑے اصول وضع کئے جا رہے ہیں۔ حاضریوں کے رجسٹر جدا ہیں۔ داخلہ کے سنہ وار ریکارڈ علیحدہ مرتب ہو رہے ہیں' حاضریوں اور غیر حاضریوں کا شمار ہو رہا ہے۔ طلبہ اور اساتذہ کی حاضریوں ہی کو سب سے بڑی تعلیمی کارکردگی کا راہنما اصول ٹھہرا لیا گیا ہے۔

مگر اس تمام دماغی قابلیت اور ذہنی تنظیم کا نتیجہ پست ہے۔ استاد اور شاگرد کی دیوانگی کہاں سے آئے۔ دنیا میں حفظ قرآن کے کرانے والے ہر دور میں وہی اساتذہ کامیاب رہے جن کو اپنی عزیز عمریں اشاعت قرآن کے لئے فنا کر ڈالنے کا جذبہ نصیب ہوا۔

خیر کم من تعلم القران وعلمہ حدیث شریف میں معاشرہ کا سب سے بہترین آدمی ہونے کا سرٹیفکیٹ قرآن

شریف پڑھنے پڑھانے والوں ہی کو تو دیا جا رہا ہے۔ ہمت مردانہ چاہئے آگے بڑھے اور اس تمغے کو حاصل کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دے۔

قرآن کی تعلیم کا کام سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ خلفاء راشدینؓ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم نے بڑا نام پیدا کیا۔ ان بزرگوں نے یہ کام جاری رکھا۔ قراتوں کی تمام سندیں ان حضرات تک پہنچتی ہیں۔ تابعینؒ اور تبع تابعینؒ میں حضرات قراء عشرہ نے بڑا نام حاصل کیا۔

خدام قرآن میں حضرت میاں جی نور محمد صاحب قدس سرہ کو پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔ ایک طرف ولی اللہی کا یہ مقام کہ جنید و بایزید ۔بسطامی وقت تھے' چنانچہ رئیس قافلہ بزرگان حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ نے حضرت میاں جی رحمتہ اللہ علیہ ہی سے بیعت حاصل کی اور خلافت حاصل کی۔ مگر اس ولی و شیخ ولایت کا دوسرا سادہ پہلو یہ تھا کہ ایک چھوٹے سے قصبہ لوہاری ضلع مظفر نگر (یوپی) میں بچوں کو کتاب اللہ پڑھانے میں وقت گزارتے اہل قصبہ "میاں جی" کہتے تھے۔ اندر سے جذبہ خیر کم ہونے ہی کا تھا۔

حضرت قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مدظلہ قاری رحیم بخش صاحب کی معیت میں حضرت قاری فضل کریم سے ملاقات کے لئے اس وقت تشریف لائے جب قاری صاحب مرحوم سخت علیل تھے۔ قاری صاحب مرحوم نے درخواست کی کہ حضرت میرے لئے حسن خاتمہ کی دعا فرمائیں اور باصرار دعا کی درخواست کی' قاری فتح محمد صاحب نے بڑا پیارا' بھولا اور سادہ مگر مخلصانہ جواب فرمایا۔

"اچھا قاری صاحب! جو حکم ہو' تابعدار ہوں۔ آپ قرآن کے خادم ہیں اور ہم آپ کے خادم ہیں۔"

حضرت قاری صاحب مرحوم کو قرآن سے عشق تھا' خود عمدہ پڑھتے اور ہر اچھا پڑھنے والے کو داد و تحسین سے نوازتے' جس زمانہ میں راقم الحروف نے جامع مسجدؒ چینیانوالی میں ۶۰ء میں پہلی مرتبہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد کیا تو قاری صاحب نے بڑی خوشی اور بزرگانہ شفقت کے ساتھ شرکت فرمائی۔ مولانا داؤد غزنوی مرحوم صدر جلسہ تھے۔ طلبہ کی تلاوتیں ہو رہی تھیں' مولانا داؤد غزنویؒ تلاوت آیات پر زار زار رو رہے تھے' آنکھیں روتے روتے سرخ ہو چکی تھیں کہ میں نے حضرت قاری صاحب سے تلاوت کی درخواست کی' قاری صاحب نے بڑی بلند آواز میں تلاوت فرمائی ایسی حلاوت و وارفتگی کی حاضرین اور صدر صاحب تڑپ اٹھے' میرا حال تھا کہ۔

شک نہ کر میری خشک آنکھوں پر
یوں بھی آنسو بہائے جاتے ہیں!

قرآن سننے کا اتنا عمدہ ذوق نصیب ہوا تھا کہ پڑھنے والوں کی نہایت عمیق خوبیاں بیان کرتے۔

اے شب تار زندگی کون تھی وہ کہاں

بھول کے بھی جو رہ گئے یاد بھی آکے رہ گئیں

ریڈیو پر مصری قراء کی تلاوت اہتمام سے سنتے' قاری عبدالباسط کو خوب داد دیتے' قاری صدیق منشاوی مرحوم کے عمدہ اوقاف اور ان کے تنوع کی تعریف ہوتی' مصطفیٰ اسماعیل کی پردرد آواز پر جھومتے اور قاری رفعت مرحوم کے تو عاشق تھے ایک ایک آیت پر جھومتے اور سننے والوں کو تلاوت کی خوبیوں پر متوجہ فرماتے رہتے۔

مرحوم وقت کے بڑے قدردان تھے۔ اپنے مشاغل سے جب بھی وقت فرصت ملتا مصنفین کی نہایت معیاری اور نظریاتی قسم کی تصانیف پڑھوا کر سنتے تمام متداول مسائل پر ٹھوس رائے رکھتے تھے' سلف خصوصاً بزرگان دیو بند سے شغف تھا۔ ان کی اکثر تصانیف پر وسیع نظر تھی۔ چنانچہ ترکہ میں بڑی قیمتی اور عالیشان کتابیں چھوڑیں جو مرحوم اکثر بڑی سعی سے دور دراز مقامات سے منگواتے تھے۔ علمی ذوق کو سیراب کرتے رہنا' وقت کی قدر و قیمت کو بڑھانا ہے۔ ورنہ ہم میں آنکھوں والے بہت سے ایسے ہیں کہ عمر کو سطحی اور بیکار مشاغل پر نثار کر ڈالتے ہیں۔

فرصت کار فقط چار گھڑی ہے یارو
یہ نہ سوچو کہ ابھی عمر پڑی ہے یارو

حضرت قاری صاحب مرحوم اپنے اصولوں پر سختی سے کاربند رہتے۔ اپنے پختہ عقائد سے کسی حالت میں روگردانی نہ فرماتے' قاری صاحب بصارت سے محروم تھے مگر بصیرت کا حصہ وافر ملا تھا۔ عملی آدمی تھے۔ یہ ان کے عزم صمیم ہی کی برکت تھی کہ لاہور میں قرآن پاک کی سب سے بڑی درس گاہ چالو کر گئے۔ ایسی عظیم درسگاہ' جس سے سینکڑوں فاضلین حفظ و تجوید و قرآءت نکلے اور کلام الٰہی کے اساتذہ بن کر ستاروں کی طرح ملک کے ہر حصہ میں تابندہ و فروزاں ہیں' اصل میں جن نفوس قدسیہ سے اللہ تعالیٰ کام لیتے ہیں ان کو "کر گزرنے" کا عزم و ولولہ بھی بخش دیتے ہیں۔ حالات و حوادث کی رکاوٹیں ان کے لئے سدراہ نہیں بنتیں۔ قاری صاحب مرحوم بڑے باہمت اور صاحب عزم انسان تھے' ان کا مذاق بڑا پاک اور ستھرا تھا۔ مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں انہوں نے کبھی تملق یا سیادت فن کا راستہ اختیار نہیں کیا۔ باوقار زندگی اپنائی' توکل اور اعتماد علی اللہ کو ہی اپنا سب سے بڑا سرمایہ سمجھا۔ کام میں بڑی برکت و رونق ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کو یوں ہی منظور تھا کہ جو کام آنکھوں والے نہ کر سکیں ایک نابینا سے لے لیا جائے۔ قابل رشک ہے وہ نابینائی کہ جس میں ایک عزم محکم کے ساتھ راہرو کلام اللہ کی نشر و اشاعت کا راستہ بناتا چلا جائے اور سینکڑوں آنکھوں والوں کو کلام اللہ کی حبل متین تھما کر جنت کی راہ مستقیم دکھائے۔ حضرت قاری صاحب مرحوم کی مجموعی زندگی اس شعر کی تصویر تھی۔

یا کچھ نہ دکھائی دے یا صاف نظر آئے
جو شمع ملی دھندلی وہ میں نے بجھا دی ہے

مرحوم کے بلند اخلاق کا ایک نہایت بلند اصول یہ تھا کہ وہ سب کی عزت کرتے تھے خصوصاً اپنے اساتذہ اور

بزرگوں کے سامنے انتہائی متواضع اور منکسر المزاج ہوتے۔ ایک معمولی مسکین طالب علم کی طرح بولتے' بیٹھتے اور حاضری دیتے ان کی موجودگی میں قالین اور فرش و تکیہ پر ہرگز نہ بیٹھتے بلکہ معمولی جگہ پر دوزانو بیٹھ جاتے۔

وہ اپنے ہم عمروں اور چھوٹوں سے بھی ادب و تواضع اور بھرپور کریمانہ اخلاق سے پیش آتے۔ مدرسہ میں پڑھانے والے تمام اساتذہ کا احترام کرتے اور چھوٹوں پر بڑی شفقت فرماتے۔ سب کی راحت کا خیال فرماتے۔ یہ اخلاق کا ایک مطلوب پہلو تو تھا ہی' مدرسہ کی تعلیمی ترقی و استحکام کا بھی ضامن تھا۔ مدرسہ کی فضا ایک سدا بہار گلزار تھی۔ جہاں نہ مدرسین میں باہمی رقابت و چشمک' نہ منتظمین و صدر مدرس سے کوئی گلہ و شکوہ۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک تعلیم گاہ کے لئے یہ حکمت عملی انتہائی ضروری ہے۔

ایک زاہد و عابد' ایک استاذ الاساتذہ' ایک سید الحفاظ والقراء' تعلیمات قرآءت و حفظ کا ایک عظیم راہنما' سینکڑوں جید حفاظ و قراء کا مربی قریب تین سال شدید بیماری میں بھی پیکر صبر و رضا بنے رہنے کے بعد بالاخر واصل بحق ہوا۔ فراق کا یہ ناگزیر وقت سب کو پیش آنا ہے' لیکن پھر بھی اس فراق پر آنکھیں اشک بار ہوتی ہیں۔ احساسات المناک کرب سے دو چار ہوتے ہیں' مگر ساتھ ہی ایک بات تو ہم کہنی بھول ہی گئے کہ یہ درد و فراق اس وقت ایک المناک داستان بنتا ہے جب جانے والا جاتا ہے مگر اس کی تاریخ' اس کا عہد' اس کی مسلسل مساعی یادوں کے لئے ایک ٹیس بن جاتی ہے۔

وفات کے بعد مرحوم کا چہرہ پر کیسی شگفتگی تھی' تبسم کی دل آویز تصویر بنے ہوئے تھے۔ یہ شیفتگی میں نے اپنی عمر میں دو بزرگوں کے چہروں پر دیکھی ایک حکیم الامت حضرت تھانویؒ (جو حضرت قاری صاحبؒ کے بھی پیر تھے) کے چہرے پر اور ایک حضرت قاری صاحبؒ پر

بقول اقبال۔

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب ارست

(بشکریہ سوانح حضرت قاری فضل کریم صاحبؒ)

□□□

برصغیر کا پہلا نامور محدث

امام حسن صغانیؒ

قاری اظہار احمد تھانوی

رضی الدین ابو الفضل حسن بن محمد بن صغانی لاہوری' برصغیر ہندوستان کے پہلے مایہ ناز اور مشہور عالم ہیں جنہوں نے عرب و عجم کے بلاد اسلامیہ سے خراج عقیدت وصول کیا۔

ان کی پیدائش لاہور میں جمعرات ۱۰ صفر ۵۷۷ھ کو ہوئی (مطابق جون ۱۱۸۱ء)(۱)

یہ وہ زمانہ ہے کہ فاتح ہند محمود غزنوی کے خاندان غزنوی کا چراغ حکومت ٹمٹما رہا تھا' غوریوں نے آخری غزنوی سلطان خسرو ملک سے شہر ملتان چھین لیا اور خاص لاہور پر پہلا حملہ کر چکے تھے تاریخ میں یہ سال ۵۷۶ھ مطابق ۱۱۸۰ء ہے(۲)

صغان' چغان یا چاغان کا معرب ہے جو ماوراء النہر کی ایک بستی کا نام ہے' یہ خاندان جو نسباً" فاروقی تھا' اسی سیاسی ابتری کے دور میں چاغان سے ہجرت کر کے وارد ہند ہوا اور لاہور میں آباد ہوا' گویا سلاطین غزنوی کے آخری عہد میں آئے اور لاہور میں آبسے۔

سیاسی ابتری کے باوجود لاہور ایک ثقافتی اور علمی شہر تھا اس خاندان کے لئے یہی چیز اختیار وطن کا باعث ہوئی(۳)

صغانی نے علمی خاندان میں آنکھ کھولی ان کے والد اور والدہ بڑے اہل علم تھے' چنانچہ ماوراء النہر کے علماء کی شان تربیت کے اصولوں پر تمام علمی تربیت والد کے زیر سایہ ہوئی۔

والد صاحب کی تربیت میں سب سے زیادہ زور عربی ادب کی تعلیم پر تھا کیونکہ عربی ادب میں مہارت و دسترس کے بعد تمام اسلامی علوم کی چابی ہاتھ آجاتی ہے۔

ابھرتے ہوئے شباب میں صغانی کو لے کر ان کے والد مولانا محمد صغانی غزنیں آئے اور علماء کبار سے فقہ و حدیث میں استفادے کے لئے وقف کر دیا(۴)

اس وقت سیاسی حالات بیشک مخدوش تھے مگر علماء و فقہاء نے علمی درسگاہوں کی جلالت و شوکت کو زبوں حالی سے بچایا ہوا تھا۔ غزنیں کے قریب ہی صاحب ہدایہ کا وطن' مرغینان پورے ماوراء النہر کا زبردست علمی مرکز تھا صغانی نے وہیں فقہ حدیث اور علم ادب میں ممتاز مشائخ علمی سے تکمیل کی(۵)

۵۹۰ھ میں صغانی کے والد غزنیں میں رحلت فرما گئے' والد صاحب کی وفات صغانی کی علمی تشنگی میں کمی کا باعث

نہیں ہوئی وہ غزنہ کرور اور مرغینان کے علمی چشموں سے خوب سیراب ہوئے تھے' والد کی وفات کے بعد انہوں نے جزیرہ نمائے عرب کا رخ کیا حرمین اور یمن کے علماء سے استفادہ کیا(٦)

صغانی پہلی مرتبہ ۶۱۵ھ میں بغداد پہنچے ہمعصر علماء کے ساتھ علمی اشتغال و انہاک اور بلند پایہ تدریس و تصنیف کی وجہ سے ان کو بلاد عرب میں شہرت حاصل ہوئی۔

تاریخی حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماوراء النہر کے علمی حلقوں سے استفادہ و تکمیل کے بعد صغانی پھر لاہور واپس ہوئے ہیں چنانچہ سلطان قطب الدین ایبک نے ۶۰۲ھ میں ان کو قضا کا محکمہ جلیلہ پیش کیا' مگر صغانی نے اس چیز کو اپنی علمی ترقی میں مانع سمجھتے ہوئے قبول نہ کیا اور بغداد کا سفر اختیار کیا(٧)

بغداد اس وقت عرب و عجم کا سنگم تھا علماء کی تصانیف بغداد سے نکل کر بہت جلد مشرق و مغرب میں پہنچ رہی تھیں یہی وجہ ہے کہ صغانی کی تصانیف سے اسلامی ممالک جلدی ہی متعارف ہوئے اور مصنف کو زندگی ہی میں شہرت و مقبولیت نصیب ہوئی۔

صغانی نے علوم حدیث کے علاوہ عربی لغت و ادب پر تحقیقی مقام پایا تھا دارالسلام بغداد میں سب سے پہلے انہوں نے حدیث کی مشہور کتاب مشارق الانوار تصنیف فرمائی۔ خلیفہ وقت مستنصرباللہ عباسی نے تالیف کی قدر و قیمت کے اعتراف میں مولف کو خلعت و انعام سے نوازا۔ مستنصرباللہ عباسی کا دور حکومت ۶۲۴ھ تا ۶۴۰ھ پر پھیلا ہوا ہے۔ اسی خلیفہ نے سلطان شمس الدین ایلتمش کو ہندوستان کا فرماں روا تسلیم کیا' اس سند کو لے کر صغانی دہلی تشریف لائے اور بڑی دھوم دھام سے اس کی خوشی منائی گئی۔ کیونکہ اس سے پہلے ہندوستان غزنیں کا ملحقہ صوبہ شمار ہوتا رہا تھا(٨)

دربار دہلی کے مشہور شعراء نے اس پر قصیدہ تہنیت پیش کئے مشہور شاعر عصر تاج الدین ریزہ کے قصیدہ تہنیت کا یہ بند بہت مشہور ہوا۔

ناصر اسلام مستنصر کہ طوق طاعتش
زآسماں در گردن اہل زمین آوردہ آند

اس سفر میں امام صغانی گویا اپنے وطن آئے تھے ارض وطن لاہور سے ان کو بہت محبت تھی اس لئے کافی لمبی مدت تک لاہور میں قیام کیا اور پھر مراجعت فرمائی تاریخوں میں اس سفارت کے بعد ایک دوسری سفارت کا ذکر بھی ملتا ہے اس وقت خلیفہ عباسی اور فرماں روائے ہند دونوں ہی دوسرے تھے' مگر یہ سفارت بھی امام صغانی کے توسط سے ہی ہوئی اور اس مرتبہ بھی امام صغانی نے وطن میں خاصا وقت قیام فرمایا۔ تاریخ میں یہ وقت بڑا ہولناک تھا کیونکہ چنگیزی فوجوں کا سیلاب بہت سے اسلامی ملکوں کی سرحدوں پر منڈلا رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ امام صغانی ہندوستان سے واپس حرم شریف گئے بغداد نہیں گئے اور سفر بحری کیا ہے۔

بہرحال صغانی نے بغداد میں ۲۹ شعبان ۶۵۰ھ میں عمر ۹۳ سال وفات(۹) پائی

مصنف کا علمی پایہ

اس مہاجر بغداد کی تالیف مشارق الانوار حدیث کا ایسا بے بہا مجموعہ ہے کہ اس کو بے حد حسن قبول نصیب ہوا چنانچہ یہ حدیث کی چند ممتاز ترین کتابوں میں شمار ہوتی ہے ہندوستان کی تمام درسگاہوں میں مشارق الانوار گیارہویں صدی ہجری تک داخل نصاب رہی اور اس وقت تک اس کی تیس کے قریب مستقل شرحیں لکھی جا چکی تھیں(۱۰)

کتاب میں دو ہزار سے زیادہ صرف بخاری و مسلم کی وہ حدیثیں انتخاب کی گئیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادات حمیدہ کا واضح تصور قائم ہوتا ہے۔ ترتیب احادیث میں حروف آغاز کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے صحت کے اونچے معیار اور اپنے عظیم اخلاقی اثرات کے باعث یہ تالیف بہت جلد علماء و مشائخ صوفیہ کے ہر طبقہ میں مقبول و محترم ہوئی بلکہ اکثر اس کا زبانی حفظ باعث سعادت سمجھا گیا چنانچہ اورنگ زیب عالمگیر رحمہ اللہ اس کے حافظ تھے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے اس کو مع اسانید حفظ فرمایا(۱۱)

حضرت نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اس کتاب حدیث کے مولف ایسے برگزیدہ اور خدا رسیدہ شخص تھے کہ اگر کسی حدیث کے باب میں کبھی دشواری پیش آتی تو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے اور خود آں حضرت سے حدیث کی صحت فرمایا کرتے تھے(۱۲)

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے "ہندوستان میں علم حدیث" کے عنوان سے ایک علمی مضمون تحریر فرمایا اور اس میں صغانی کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا ہے ان کا اکثر دور تصنیف و تالیف اور تدریسی شغل بغداد ہی گزرا علماء لغت و حدیث نے ان کی بے حد تعریف کی' لغت عرب میں خاتمہ المحققین شمار کئے گئے چنانچہ ادب عربی میں ان کی بڑی بڑی تصنیفات پائی جاتی ہیں۔ فقہ میں ان کی بصیرت' مسلمہ روزگار رہی' ساتھ ہی وہ دین و امانت میں ممتاز شخصیت کے مالک سمجھے گئے' اعلیٰ پایہ کے عربی شاعر تھے اور بکثرت اشعار ملتے ہیں(۱۳)

لغت عربی میں چند تصانیف

(۱) "العباب الزاخر واللباب الفاخر"

صغانی کے زمانہ تک اس پایہ کی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ لیکن مصنف اس کی تکمیل سے پہلے ہی واصل بحق ہو گئے' کتاب "بکم" کے مادے تک ہی پہنچ پائی کسی نے اس درد انگیز واقعہ کو شعر میں کہا۔

ان الصغانی الذی — ماز العلوم والحکم

کان قصاری امرہ — ان انتھی الی بکم

لغت کی کتابوں میں یہ کتاب علامہ سیوطی کے دور تک عظیم کتابوں میں شمار ہوتی تھی(۱۴)

(۲) التکملہ والذیل والصلۃ' لغت میں علامہ جوہری سے جو چیزیں رہ گئیں ان کو اس کتاب میں جمع کیا ہے' یہ کتاب مکہ میں ۶۳۵ھ میں مکمل کی۔

۳۔ مجمع البحرین' یہ کتاب بھی لغت میں ہے اس میں مصنف نے جوہری کی کتاب صحاح اور اپنی کتاب التکملۃ والذیل کے بہت سے الفاظ پر ناقدانہ بحث کی ہے صحاح کی طرف حرف ص سے اور اپنی کتاب تکملہ کی طرف ت سے اشارہ کرتے ہیں۔

(۴) الشوارد فی اللغات' اس میں چار بحثیں ہیں۔ اول قراءات شاذہ پر دوسرے ابو عبدالرحمٰن بن حبیب نحوی کے تفردات پر' تیسرے ابو حاتم سہل بن محمد بجستانی کے تفردات پر' چوتھے تمام بقیہ کتب لغت اور متفرق اشعار کی شروح پر

(۵) کتاب الانفعال' اس میں وہ افعال جمع کیے ہیں جو افعال متعدیہ کے مطاوع یا غیر مطاوع ہو کر باب انفعال میں آئے ہیں۔

یہ کتاب مجمع بحوث اسلامیہ اسلام آباد نے طبع کی ہے

(۶) کتاب فعلان' اس میں وہ افعال جمع کیے ہیں جن کا مصدر فعلان بحرکت عین آیا ہے' بہت سے افعال کے شواہد اور تشریح بھی کی ہے۔

(۷) کتاب یفعول' صغانی نے اس کتاب میں بہت سے وہ کلمات شمار کرائے ہیں جو کلام عرب میں یفعول کے وزن پر آئے ہیں' کہنا چاہئے کہ لغت عرب میں یہ بالکل نئی تحقیق تھی۔

اس کتاب کا متن علامہ حسن حسنی عبدالوہاب نے ۱۹۳۵ء میں شائع کیا ہے۔

(۸) کتاب فعال' اس کتاب کے متن پر ڈاکٹر عزت حسن نے تحقیق کی ہے اور مجمع اللغت العربیہ دمشق نے ۱۹۶۸ء میں اس کو شائع کیا ہے۔

(۹) کتاب الاضداد' یہ کتاب بھی لغت پر ہے اور اس پر تحقیقی کام ڈاکٹر اوغت ہنفر نے ۱۹۰۳ء میں کیا ہے۔

مذکورہ رسائل کے علاوہ لغت میں مزید کچھ مختصرات کی نشاندہی ملتی ہے مثلاً اسماء الاسد وکناہ اور ''شرح اشعار مفصلی'' وغیرہ۔

صغانی ایک اعلیٰ پایہ کا شاعر تھا اور بہت سے ابیات عرب کے وزن پر کلام کیا چنانچہ ابن الفوطی نے مصنف کے اس گوشہ علمی پر خاصی طویل بحث کی ہے' لیکن ساتھ ہی کہا ہے کہ اشعار کا بڑا حصہ ضائع ہو گیا اور جو کچھ باقی بچا ہے وہ تھوڑا ہے۔

مثلاً ایک قصیدہ طویل نونیہ ہے' جو تاریخ عدن پر مشتمل ہے اور ابن ابی مخرمہ کی کتاب کا اقتباس ہے۔ تجنیس لفظی میں انسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔

ایک اور قصیدہ شرح قلادہ سمطیہ فی توشیح الدریدیہ کے نام سے ہے جس میں ابن درید کے مختصر کو نظم کیا ہے اس پر ڈاکٹر سامی مکی اور استاذ ہلال ناجی نے ۱۹۲۲ء میں تحقیقی کام کیا ہے۔

اسی طرح تاریخ میں یہ حقیقت موجود ہے کہ ابو محمد قاسم حریری نے اپنے چھیالیسویں مقامہ میں دو شعر کہے اور دعویٰ کیا کہ ان دو شعروں کے علاوہ اسی قافیہ میں تیسرا شعر کوئی نہیں کہہ سکتا' صغانی نے ان کا یہ چیلنج قبول کیا اور نہ صرف اس قافیہ پر تیسرا شعر کہا بلکہ پورے تیس شعر کہے' مصنفین کے یہاں یہ فن "تعزیز" کہلاتا ہے دمشق میں مجمع اللغت العربیہ نے اپنے میگزین میں اس تعزیز کو شائع کر دیا ہے۔

یہ تمام سرمایہ تالیفی' حدیث' تراجم وغیرہ کی تصانیف سے علاوہ ہے "مشارق الانوار النبویہ من صحاح الاخبار المصطفویہ" اوز درالسحابتہ فی وفیات الصحابہ" اور مناسک الحج" اور ایک جلد میں "شرح الجامع الصحیح للبخاری" صغانی کی مشہور تصانیف ہیں۔

حال ہی میں مکہ مکرمہ سے شائع ہونے والے مجلتہ المبحث والعلمی(۱۴) میں صغانی کی ایک کتاب اسما الغادۃ فی اسماء العادۃ پر ایک عمدہ علمی اور تحقیقی مضمون شائع ہوا ہے' جس میں استاذ احمد خاں صاحب نے بڑی فکری صلاحیتوں کے ساتھ اس رسالہ کے متن کو شائع کیا ہے۔

صغانی نے یہ رسالہ اس وقت لکھا ہے جب وہ امیر بغداد کے ہاتھوں قید تھے حج کو جانے سے بھی روک دیئے گئے تھے۔ چنانچہ خود اس رسالہ کے مقدمے میں اپنی اس پابندی اور محصوری کو بیان کر رہے ہیں۔

اس رسالہ میں عادت و اخلاق سے متعلق وہ کلمات لائے ہیں جو عموماً" لغات کی کتابوں میں موجود نہیں ہیں اور اثناء مطالعہ میں ان کو عربی ادب میں وہ دریافت ہوئے مصنف نے قرآن کریم احادیث اور کلام عرب سے ان الفاظ کی تشریح کی ہے یہ تقریباً ایک سو بارہ الفاظ ہیں جو حروف تہجی کی ترتیب پر جمع کئے گئے ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ صغانی کے سوانح نگاروں کو اس رسالہ کا نام پڑھنے میں دھوکا ہوا ہے اور صحیح نام نقل نہیں کر سکے(۱۵) ہیں' حقیقت یہ ہے کہ رسالہ کا نام "اسما الغادہ فی اسماء العادۃ" ہے' پہلا لفظ اسما سمو سے افعل التفضیل ہے اور دوسرا لفظ اسماء اسم کا جمع ہے جب کہ پہلا لفظ غادہ بالغین اور دوسرا عادہ بالعین المملہ ہے۔

۱۔ ماثر لاہور ص ۲۹۸ مجلتہ البحث العلمی' مکہ مکرمہ عدد ثانی ۱۳۹۹ھ ص ۳۱۵ بحوالہ کتاب الانفعال للصغانی۔ تاریخ اسلام للذہبی۔ مخطوطہ' لائبریری رامپور (ہند)

۲۔ ماثر لاہور ص ۲۹۸

۳۔ یاقوت حموی' معجم الادباء

۴۔ یاقوت حموی' معجم الادباء ج ۳ ص ۲۱۸۔ بزم مملوکیہ ص ۲۱ ۔بغیتہ الوعاۃ للسیوطی بحوالہ ذہبی' ماثر الاثار ص ۲۹۸

۵۔ بغیتہ الوعاۃ للسیوطی ص ۱۴۲
۶۔ معجم الادباء للیاقوت الحموی ج ۳ ص ۲۱۸
۷۔ ماثر الکرام۔ آزاد بلگرامی۔ ونزھتہ الخواطر
۸۔ طبقات ناصری
۹۔ بزم مملوکیہ۔ بغیتہ الوعاۃ
۱۰۔ کشف الظنون ج ا ص ۴۳۶
۱۱۔ ماثر لاہور، سید ہاشمی فرید آبادی ص ۳۰۱
۱۲۔ فوائد الفوائد
۱۳۔ ماثر لاہور ص ۳۰۲
۱۴۔ ابن الفوطی تلخیص مجمع الاداب فی معجم الالقاب، طبع لاہور مجلہ اورنٹیل کالج میگزین، کتاب المیم ص ۳۵۶
۱۵۔ السیوطی، المزہر ج ا ص ۱۰۰ مطبوعہ مصر
۱۶۔ مجلہ البحث العلمی، مکتہ المکرمہ العود الثانی ۱۳۹۹ھ
۱۷۔ ابو المعالی محمد بن رافع سلامی متوفی ۱۲۲۳ھ نے تاریخ علماء بغداد میں، صغانی کے احوال کے ذیل میں اس رسالہ کا صحیح نام نقل کرنے میں مغالطہ سے دو چار ہوئے ہیں۔

❏❏❏

❏❏❏

امام اوزاعیؒ

قاری اظہار احمد تھانوی

شمس الدین ذہبیؒ "دول السلام" میں ۳۴۷ھ کے واقعات کے ذیل میں فرماتے ہیں "دِمشق کے مفتی قاضی ابوالحسن احمد بن سلیمان بن حزام کا انتقال امام اوزاعیؒ کے مذہب پر ہوا۔ کردی اپنی تاریخ "خطط الشام" میں دوسری صدی کے علماء پر کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اہل شام امام اوزاعیؒ کے مذہب پر تقریباً دو سو سال تک عمل پیرا رہے اور انہی کی فقہ کا رواج رہا' ان کی فقہ کے آخری عامل شام کے قاضی احمد بن سلیمان ہیں۔"

امام اوزاعیؒ کا ائمہ مجتہدین کے طبقہ اولیٰ میں شمار ہوتا ہے۔ وہ کسی طرح بھی ائمہ اربعہ کی صف سے خارج نہیں چنانچہ ابن زید دمشقیؒ متوفی ۸۷۰ھ "محاسن المساعی فی مناقب الاوزاعی" میں فرماتے ہیں "اہل شام نے اوزاعیؒ کی فقہ پر تقریباً دو سو بیس سال تک عمل کیا۔ یہاں تک کہ ان میں امام شافعیؒ کی فقہ کا رواج ہوا اور شام کے زیر اثر اوزاعیؒ کی فقہ کا اندلس میں بھی بڑی مدت رواج رہا حتی کہ ھشام بن عبدالرحمان اموی خلیفہ اندلس کے دور حکومت میں تیسری صدی ہجری کے آغاز میں فقہ مالکی کو فروغ ہوا

امام اوزاعی محض ایک عالم ہی نہ تھے بلکہ عالم ہونے کے ساتھ علم کو عمل پر منطبق بھی کرتے۔ وہ صرف حفظ و نظر کے پاسبان ہی نہ تھے امت مسلمہ میں دین اسلام کو جاری رکھنے کے لیے سرگرم عمل بھی رہتے۔ وہ اپنی مساعی کا عنوان حسب ذیل حدیث کو قرار دیتے۔

وعدل ساعته خير من عبادة الف شهر (عدل و انصاف کی ایک ساعت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہوتی ہے۔)

امام اوزاعیؒ اپنے عہد کی سیاسیات میں دخیل تھے۔ عامتہ المسلمین کے حقوق کے لیے آواز اٹھاتے' خلفاء اور سلاطین کو نصیحت کرتے اور نرم روی سے کام نہ ہوتا تو سخت عتاب آمیز خطاب سے بھی باز نہ رہتے۔ ان کا قول تھا **الاسلام دين العدل والاحسان' دين المحافظته على حقوق الانام** (یعنی اسلام' عدل و احسان اور انسانوں کے حقوق کی حفاظت کے اصولوں کا نام ہے۔)

مصر کے مشہور استاد امیر شکیب ارسلان "مناقب اوزاعیؒ" کے مقدمے میں فرماتے ہیں "علمائے اسلام نے اوزاعیؒ کے اصولوں کو اپنا ملی فریضہ قرار دیا ہوتا تو امت میں تیزی سے اسلامی انحطاط کا دور شروع نہ ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس امت کی ذلت اور تباہی کا سبب دو چیزیں ہوئیں۔ ایک امراء کا فساد دوسرے علمائے امت کی بزدلی۔ امت میں ایسے علماء بہت کم ہوئے ہیں جنھوں نے سلاطین کو امام اوزاعیؒ کی طرح روبرو کھڑے ہو کر ٹوکا ہو۔"

امام اوزاعیؒ نے لبنان میں وفات پائی۔ ان کی تدفین کے وقت لبنان کے گورنر اسحاقؒ بن حماد نمیری نے کہا۔ "ابو عمرو! تم پر خداوند تعالیٰ رحم فرمائے خدا کی قسم! میں تم سے اس قدر ڈرتا تھا کہ مجھے اپنے حاکم (خلیفہ) منصور کا

بھی اتنا خوف نہ تھا۔"

ابن خلکان کہتے ہیں۔ "ابو عمرو عبدالرحمٰن بن عمرو بن یحمد اوزاعیؒ" ملک شام کے مسلمہ امام تھے۔ شام میں ان سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا۔ مشہور ہے کہ انہوں نے ستر ہزار مسائل پر کلام کیا اور اپنی رائے قائم کی۔ امام اوزاعیؒ کا قیام اکثر بیروت میں رہا۔ امام سفیانؒ ثوری کو جب اوزاعیؒ کی آمد کا پتہ چلا' تو وہ خود ان کے استقبال کو مقام ذی طوی میں پہنچے اور ان کے اونٹ کو قطار سے علیحدہ کرلیا۔ نکیل کی رسی اپنی گردن میں ڈال لی اور یہ اعلان کرتے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے **الطریق للشیخ** لوگو شیخ کے لئے راستہ چھوڑ دو۔

امام اوزاعیؒ حدیث اور روایت میں شہاب الدین زہری اور عطا کے شاگردوں میں ہیں اور خود ان کے تلامذہ میں سفیانؒ ثوری' عبداللہ بن مبارک اور محدثین کی بڑی جماعت ہے۔

امام اوزاعی سنہ ۸۸ھ میں شہر بعلبک میں پیدا ہوئے اور بچپن ہی میں والدہ کے ہمراہ بیروت منتقل ہو گئے۔ میانہ قد تھا' خشخشی ڈاڑھی اور گندمی رنگ۔ بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے۔ وفات ۲۸ صفر ۱۵۷ھ میں ہوئی۔ شہر بیروت میں دفن ہوئے۔ مصدقہ روایات کے مطابق بیروت کی مضافاتی بستی حنتوش ان کی آخری آرام گاہ ہے۔ مقامی باشندے صاحب مزار کے نام سے عموماً واقف نہیں۔ وہ بس اتنا جانتے ہیں کہ یہاں ایک خدا رسید بزرگ مدفون ہیں اور ان کی قبر پر نور برستا ہے۔ البتہ پڑھے لکھے لوگ صاحب مزار کے نام اور مقام سے خوب واقف ہیں۔ کسی شاعر نے ان کا مرثیہ کہا ہے۔

جاد الحیا بالشام کل عشیتہ
قبرا تضمن لحدہ الاوزاعی

ملک شام میں ہر شام اس قبر پر باران رحمت بن کر برستی ہے جس کی لحد میں اوزاعیؒ آرام فرما ہیں۔

قبر وتضمن فیہ طور شریعتہ
سقیالہ من عالم نفاع

وہ قبر جس میں شریعت کا پہاڑ دفن ہے' خدا اسے سیراب رکھے۔ بڑے نفع بخش عالم کی قبر ہے۔

عرضت لہ الدنیا فاعرض مقلعا
عنہا بزھد ایما اقلاع

اس کے آگے دنیا پیش کی گئی مگر اس نے اپنے زہد کی وجہ سے اس سے بے رخی اختیار کی۔ کیسی عظیم بے رخی تھی وہ!

تاریخ ابن عساکر میں ہے کہ اوزاعی غسل کے لئے حمام میں داخل ہوئے' موسم سخت سرد تھا۔ صاحب حمام نے دہکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی حمام کے اندر رکھی باہر سے دروازہ بند کیا اور اپنے کسی ضروری کام پر نکل گیا'

کافی دیر بعد واپس آیا اور دروازہ کھولا تو شیخ اوزاعیؒ کو اندر مردہ پایا۔ وہ داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھے قبلہ رخ تھے اور واصل بحق ہو چکے تھے۔

امام اوزاعیؒ نے ترکے میں صرف چھ دینار چھوڑے' وہ بھی ان کی جود و سخا سے بچے ہوئے تھے۔

امامؒ صاحب کو اوزاعی کہنے کی دو وجوہ بتائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اوزاع یمنی قبیلہ ذوالکلاع کی ایک شاخ کا نام ہے' دوسرے یہ کہ دمشق میں باب الفرادیس کے راستے پر ایک بستی کا نام اوزاع ہے۔ ان کے والد اس بستی میں اکثر بود و باش رکھنے کی وجہ سے اوزاعی مشہور ہو گئے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ خاندان اوزاع کے اکثر لوگ یمن سے نقل مکانی کر کے دمشق کے قریب آباد ہوئے اور اپنی اس بستی کا نام بھی اوزاع ہی رکھ لیا۔ اس طرح دونوں وجوہ جمع ہو جاتی ہیں۔

حافظ شمس الدینؒ ذہبی کہتے ہیں۔ **کان الاوزاعی افضل زمانہ**

(امام اوزاعیؒ اپنے زمانے کے سب سے بڑے فاضل تھے)

ابو مسہرؒ کہتے ہیں۔ "امام اوزاعیؒ شب بیدار بزرگ تھے۔ رات کے بڑے حصے میں نوافل اور تلاوت ان کا معمول تھا' کثرت سے روتے تھے۔"

علامہ سیوطیؒ تاریخ الخلفاء میں ذہبی کے حوالے سے خلیفہ ابو جعفر منصور کے ضمن میں امام اوزاعیؒ پر لکھتے ہیں کہ ۱۴۳ھ سے علمائے اسلام نے حدیث کی تدوین' تدوین فقہ اور تفسیر پر تفصیلی کام شروع کر دیا تھا' چنانچہ ابن جریجؒ نے مکہ میں کام شروع کیا' امام مالکؒ نے مدینہ میں موطا تیار فرمائی۔

امام اوزاعیؒ نے شام میں' ابن ابی عروبہؒ اور حمادؒ بن ابی سلمہ وغیرہ نے بصرہ میں' معمرؒ نے یمن میں اور سفیانؒ ثوری نے کوفہ میں حدیث و فقہ پر تالیفی اعتبار سے بنیادی کام کیا۔

محمد بن اسحاقؒ نے مغازی پر بے مثال قلم اٹھایا' تو امام ابو حنیفہؒ نے فقہ و استنباط کے اصولوں پر بہت بڑا کام کیا اور اس دور کے بعد تو گویا مسلسل ایک شاہراہ' علوم اسلام کی تیار ہو چکی تھی جس پر رہوار قلم کو دوڑانے والوں میں ہشیمؒ' لیثؒ' ابن لہیعہؒ' ابن المبارکؒ' ابو یوسفؒ' اور ابن وہب جیسے اکابر کے نام سامنے آتے ہیں۔ یہی دور ہے جس میں علم کی تدوین اور تبویب ہوئی' عربیت' لغت' تاریخ' ایام الناس' اعجاز قرآنی' بلاغت' ادب اور معانی پر دفاتر تیار ہو گئے۔ علم حدیث پر امام شافعیؒ' احمد بن حنبل' محمد بن حسنؒ شیبانی' محمد بن اسماعیل بخاری' ترمذی' ابو داودؒ وغیرہ نے وہ کارنامے سرانجام دیئے کہ دنیائے تالیف میں ان کی تابناکی قیامت تک مسلمانوں کے لئے مشعل ہدایت ثابت ہو گی۔

اعلام الموقعین میں علامہ ابن القیمؒ جوزی فرماتے ہیں کہ ملک شام میں بڑے اعلیٰ مرتبت مفتیان اسلام گزرے ہیں' انہی میں ابو ادریسؒ خولانی عبداللہ بن زکریا خزاعی' سلیمانؒ بن حبیب محاربی' خالد بن معدانؒ' جبیر بن نفیر' مکحولؒ

' عمرؒ بن عبدالعزیز اور رجاء بن حیوہ وغیرہ دور تابعین کے ائمہ تھے۔ ان کے بعد یحیٰ بن حمزہ' عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی' عباسؒ بن الولید شاگرد اوزاعیؒ' شعیبؒ بن اسحاق شاگرد ابو حنیفہؒ اور ابو اسحاق فرازی شاگرد عبداللہؒ بن مبارک دور تبع تابعین کے اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔

صفات باری تعالیٰ میں امام بیہقیؒ نے امام اوزاعیؒ کا قول بطور سند نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ "ہم اور تمام تابعین مسلسل کہتے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور ہم ان تمام صفات ربانی پر ایمان رکھتے ہیں جن کو سنت نے بیان کیا ہے۔"

گویا وہ متاخرین کی طرح تاویل نہیں کرتے تھے' بلکہ قران و احادیث کا سیدھا سادا مفہوم لیتے تھے۔

مراۃ الجنان' تصنیف یافعی یمنی' مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن' جلد اول میں لکھا ہے۔ "یعلی بن عبید کہتے ہیں کہ میں سفیانؒ ثوری کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان سے ایک شخص نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک خوبصورت پھول مغربی سمت سے آسمان کی طرف اٹھا لیا گیا' وہ بلند ہوتے ہوتے آسمان میں غائب ہو گیا۔

سفیانؒ نے فرمایا اگر تم سچ کہتے ہو تو اوزاعیؒ کا انتقال ہو گیا ہے' چنانچہ بعد میں اس خواب کی تعبیر یہی ظاہر ہوئی۔"

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام مطبوعہ پیرس صفحہ ۵۳۳ جلد اول میں درج ہے۔ "اوزاعیؒ اپنے زمانے کے صف اول کے امام تھے' روایت احادیث میں بڑے درجے کے محدث تھے' چنانچہ ان کو روایات کا سب سے زیادہ تتبع طبری نے کیا ہے۔"

اقوال اوزاعیؒ

ولیدؒ بن مرثد کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعیؒ کو فرماتے ہوئے سنا۔ "اللہ تعالیٰ جب کسی قوم کو شر میں مبتلا کرنے کا ارادہ کرتا ہے' تو اس پر باہمی جدل و پیکار کے دروازے کھول دیتا ہے اور عملی زندگی سے روک دیتا ہے۔"

نیز ایک مرتبہ فرمایا۔ "سلف کے نقش قدم پر چلو' خواہ لوگوں کی دوستی قربان کرنی پڑے۔ لوگوں کی اپنی ذاتی رائے کوئی اہمیت نہیں رکھتی' خواہ وہ کتنی ہی خوشنما گفتگو سے آراستہ ہو۔ اس دن کو نہ بھولو جب سچائی کھل کر سامنے آئے گی اور راہ مستقیم پر چلنے والے ہی نجات پا سکیں گے۔"

عامرؒ بن یساق کہتے ہیں کہ میں نے اوزاعیؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا' جب تمہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ملے' تو اسی پر عمل کرو' اس کے سوا ہرگز کوئی بات منہ سے نہ نکالو۔ یہ نہ بھولو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم' اللہ کے مبلغ تھے۔

ابو اسحاق فزاریؒ نے اوزاعیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "صحابہ اور تابعین کے یہاں پانچ زندہ اصول تھے جن پر وہ

ہمیشہ قائم رہتے۔ جماعت سے وابستگی‘ سنت کی اتباع‘ مسجدوں میں بکثرت حاضری‘ تلاوت قرآن اور جہاد“

ابن سابورؒ ناقل ہیں کہ اوزاعیؒ نے فرمایا۔ ”جو شخص علماء کے نادر و شاذ اقوال ہی کو جمع کرتا پھرے وہ ایک روز اسلام سے نکل جاتا ہے۔“

نیز فرمایا۔ ”جب بھی کوئی شخص کسی بدعت کو ایجاد کرتا ہے‘ اس سے تقویٰ چھن جاتا ہے--- غارت ہوں وہ علماء جو فقہ کو چیستاں بنائیں! جن کا مقصد صرف اپنی دماغی قابلیت کا اظہار ہو نہ کہ عبادت الٰہی-- اور غارت ہوں وہ بھی جو مشتبہات کے ذریعے حرام کو حلال کرلیں۔“

محمد بن خلفؒ کا بیان ہے مکہ مکرمہ میں ایک مرتبہ سفیانؒ ثوری‘ اوزاعیؒ اور عبادؒ بن کثیر جمع تھے۔ سفیانؒ ثوری نے امام اوزاعیؒ سے عرض کیا کہ خلیفہ سفاح عباسی کے چچا عبداللہ بن علی کے ساتھ آپ کا جو واقعہ ہے‘ ذرا وہ تو سنائیے! فرمایا۔ ”جب عبداللہ بن علی شام آیا اور بنو امیہ کی خونریزی کی‘ وہ وقت دمشق میں بہت دہشت گردی کا تھا۔ وہ تخت نشین ہوا تو دربار میں چار قسم کے خونیں جلاد طلب کئے۔ ان جلادوں میں ایک گروہ برہنہ تلواروں سے مسلح تھا ایک کے پاس خوں ریزی کے وقت بچھائے جانے والے چمڑے کے فرش تھے۔ ایک کے پاس لمبے لمبے ستون اور ایک کے ساتھ انسانوں کو باندھنے کے لئے شکنجے۔ اسی دربار میں میری طلبی ہوئی‘ دروازے پر پہنچا تو مجھے گھوڑے سے اتارا گیا‘ دو آدمیوں نے بازوؤں سے پکڑ لیا اور کئی صفوں سے گزارتے ہوئے ایک ایسی جگہ لے جا کر کھڑا کر دیا جہاں سے عبداللہ میری باتیں سن سکتا تھا۔ عبداللہ نے پہلا سوال یہ کیا۔ تم عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی ہو؟ میں نے کہا جی ہاں‘ خدا امیر کو نیکی کی توفیق دے‘ بنو امیہ کے خون کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ میں نے کہا آپ کے اور ان کے درمیان معاہدات تھے‘ آپ کو ان کا پاس کرنا چاہئے تھا۔ غضب ناک ہو کر بولا‘ نہیں نہیں‘ ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہ تھا۔ تیور بگڑ چکے تھے۔ میں ڈرا اور بولنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگا‘ لیکن ساتھ ہی خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش ہونا ہے‘ اس خیال کے ساتھ ہی مجھے اپنے اندر بولنے کی قوت محسوس ہوئی۔ میں نے کہا۔ کیا بنو امیہ کی خون ریزی تم پر حرام تھی! یہ سن کر وہ انتہائی خشمناک ہو گیا‘ رگیں پھول گئیں اور آنکھیں سرخ ہو گئیں‘ کہنے لگا۔ وہ کس طرح؟ میں نے کہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے‘ ”مسلمان کا خون صرف تین صورتوں میں حلال ہوتا ہے۔ شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کا ارتکاب‘ قتل‘ ارتداد۔“ عبداللہ نے کہا۔ تمہاری گفتگو افسوسناک ہے۔ کیا دینی اعتبار سے ہم ہی لائق حکومت نہیں ہیں؟ میں نے کہا وہ کس طرح؟ بولا۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کے حق میں وصیت نہیں کر دی تھی؟ میں نے کہا۔ یہ بات غلط ہے‘ اگر حضرت علیؓ وصی ہوتے‘ تو جنگ صفین کے موقع پر دو ثالثوں کی تحکیم کو قبول نہ فرماتے۔ اس بات پر وہ لاجواب ہو گیا‘ مگر غصے سے اس کی حالت دگرگوں تھی‘ مجھے اپنا سر اڑنے کی توقع تھی اور قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے بھی اپنے دامن سمیٹ لئے‘ مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے بچا لیا۔ عبداللہ نے اشارہ کیا‘ اسے واپس بھیج دیا جائے‘ میں واپس

ہوا۔ ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ ایک شہسوار دیکھا جو میری طرف چلا آرہا تھا' میرے دل میں خیال آیا غالباً" یہ میرا سر اڑانے آرہا ہے' میں نے قتل ہونے سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی نیت باندھی۔ شہسوار آپہنچا۔ میں نماز پڑھتا رہا۔ سلام پھیرا تو اس نے کہا۔ امیر نے آپ کو یہ دینار بھیجے ہیں۔ میں نے لے لئے اور گھر پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں وہ غریبوں کو تقسیم کر دیئے۔"

امام اوزاعیؒ نے ایک مرتبہ فرمایا۔ "ہم بھی کبھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے' مگر جب سے لوگوں نے دین میں ہمیں اپنا راہنما سمجھنا شروع کیا ہے' ہم نے مسکرانا بھی چھوڑ دیا کہ عوام ہم لوگوں کو دیکھ کر ہنسی مذاق کو معمولات زندگی میں داخل نہ کرلیں۔"

ابن قتیبہؒ عسقلانی نے اوزاعیؒ کا یہ قول بیان کیا ہے کہ صوف کا لباس پہننا سفر میں سنت ہے' مگر شہر میں بدعت' کیونکہ یہ ایک طرح کی ریاکاری ہے۔

امام اوزاعیؒ سے پوچھا گیا۔ "نماز میں خشوع کس طرح ہوتا ہے؟" فرمایا آنکھیں بند کرنا' اعضاء میں فروتنی پیدا کرنا اور دل میں حزنیہ نرمی کا پیدا ہونا۔"

تاریخ الخلفاء میں سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "امام اوزاعیؒ آٹھ سال کی عمر میں یتیم ہو گئے تھے۔ والدہ نے پرورش کی۔ ایک شہر سے دوسرے شہر میں ماں کے ہمراہ منتقل ہوتے رہے۔ ان کی تمام تربیت خداداد تھی۔ شہزادوں' وزیروں' تاجروں وغیرہ میں کوئی بھی ان سے بڑھ کر عقل مند پرہیزگار' عالم' ناصح' باوقار' حلیم اور خاموش طبع نہ تھا۔ وہ جب بھی گفتگو کرتے سامعین ان کی باتوں کو تحریر میں لے آتے۔"

عباس بن ولید' جن کے والد عظیم محدثین میں سے تھے' فرماتے ہیں۔ "میرے والد اپنے مشاہدات میں اوزاعیؒ کو دنیا کے عظیم عجائبات میں سے شمار کیا کرتے۔ وہ ایک مرتبہ احوال قیامت پر بول رہے تھے اور بھری مجلس میں ایک آنکھ بھی ایسی نہ تھی جس سے آنسو نہ گرے ہوں' فقہ' حدیث اور مغازی تین موضوع ایسے تھے کہ ان میں اوزاعی سند مانے جاتے تھے۔"

ایک مرتبہ مدینے میں امام مالکؒ اور اوزاعیؒ میں ظہر کے بعد علمی مباحثہ شروع ہوا۔ عصر کا وقت ہو گیا' عصر کی نماز کے بعد پھر وہی علمی بحث چھڑی' یہاں تک کہ مغرب کی اذان ہو گئی اور مغرب کے بعد پھر یہی سلسلہ عشاء تک جاری رہا۔ سامعین کا بیان ہے کہ مغازی میں اوزاعیؒ امام مالکؒ کو دبا لیتے اور فقہ میں اکثر مالکؒ اوزاعیؒ پر غالبہ رہتے۔

زین الدینؒ ابن رجب اپنی کتاب "احوال القیامتہ" میں لکھتے ہیں۔ "ایک کفن چور نے کفن چوری سے توبہ کی۔ میں نے ان سے کہا مجھے ایک بات تو بتاؤ! تم مسلمانوں کی قبروں کو کھودتے رہے ہو' تم نے مردوں کے چہرے کسی سمت کی طرف پھرے ہوئے پائے؟ اس نے بتایا کہ اکثر قبلہ کی طرف سے پھرے ہوئے نظر آئے۔ یہ بات اوزاعیؒ

سے کہی گئی' تو انہوں نے جواب میں تین مرتبہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہا اور فرمایا کہ تیلے سے چہرے کا پھرا ہوا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ لوگ زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا نہ تھے۔

خلیفہ منصور کو امام اوزاعیؒ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "دین میں جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نصیحت کی بات ملے' تو وہ اس کو اپنے لئے بڑی نعمت جانے' ورنہ وہ بات قیامت کے روز اس کے لئے وبال جان بن جائے گی' وہ عمل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوتا ہے اور خدا کی ناراضگی اس پر بڑھتی رہتی ہی۔۔۔۔ اے امیر المومنین! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو حاکم رعیت کو دھوکا دے گا خدا اس پر جنت کو حرام کر دے گا' جو شخص حق بات سے ترش رو ہو' خدا بھی اس سے ترش رو ہوتا ہے۔ اے امیر المومنین! یہ افسوس ناک امر ہے کہ آپ اپنی ذات کو عیش و آرام میں رکھنے کی فکر میں رہیں اور رعایا کے تمام افراد' جن کی گردنوں پر آپ سوار ہیں' انہیں انصاف نصیب نہ ہو۔ آپ اس وقت کیا کریں گے' جب یہ تمام لوگ قیامت کے روز ہجوم کے ساتھ آپ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے؟ ہر کوئی آپ کے مظالم کی شکایت کر رہا ہو گا۔ یا امیر المومنین! ہمیں حضرت عمرؓ بن خطاب کا یہ قول پہنچا ہے کہ اگر فرات کے کنارے پر ایک بکری کا بچہ ضائع ہو گیا تو ڈر ہے کہ مجھ سے اس کے متعلق بھی باز پرس ہو گی۔

امام اوزاعیؒ کی یہ تقریر بہت طویل ہے۔ منصور پر اس کا بڑا اثر ہوا' اس نے چہرے کو تولئے میں چھپا لیا اور دیر تک روتا رہا۔

امام اوزاعیؒ کا کہنا تھا' "مومن عمل زیادہ کرتا اور باتیں کم بناتا ہے۔ منافق اس کے برعکس ہوتا ہے۔"

مشہور محدث ابن جوزیؒ لکھتے ہیں۔ "میں نے خواب میں اوزاعیؒ کو دیکھا۔ میں نے کہا' اوزاعیؒ! وہ کونسا عمل ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب نصیب ہوتا ہے؟ جواب دیا۔۔۔ میں نے یہاں کوئی درجہ علم کے درجے سے زیادہ ارفع نہیں دیکھا۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ فرمایا اس کے بعد ان نیک لوگوں کا درجہ ہے جو اپنی خطاؤں پر خدا کے خوف سے آنسو بہاتے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں اس حسرت و غم پر عالی شان درجات اور عظیم مسرتوں سے ہم کنار فرماتا ہے۔"

□□□

فہرست مضامین

حضرت شیخ القراء کے اساتذہ کرام

خطوط

شیخ القراء کے بعض نایاب مضامین